وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں

(۵۲/۲۴)

Vol-1

نزہۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

تصنیف

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرید بک سٹال
۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نزہۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

الجزء الاول

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گار ہو تو وہی لوگ کامیاب ہیں

(۵۲/۲۴)

نزہۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد اوّل

تصنیف

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالےٰ

سابق صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

for More Books Click This Link

https://www.facebook.com/MadniLibrary

انڈکس نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (اوّل)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد اوّل)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا ادارہ اہل سنت کی دینی کتب وتفاسیر کا ناشر ہے، جس کی کوشش رہتی ہے کہ اعلیٰ اور معیاری کتب کو عمدہ اور بہترین اسلوب سے شائع کر کے پیش کیا جائے تا کہ کتاب کو پڑھنے والے کے لیے دلچسپی اور شوق کا باعث ہو۔

ہندوستان کے مشہور ومعروف عالم فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، جن کی بیش قدر دینی وتدریسی خدمات قابل ستائش ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سی کتب کی تصنیف وتالیف پر قلم اٹھایا اور ان امور کو پایۂ تکمیل پہنچایا، جن میں سے بیشتر کتب ان کی حیات میں شائع ہو چکی ہیں اور اب ان کے وصال کے بعد ان کے پسران ان کی تصانیف اور کاوشوں کو دن رات منظرِ عام پر لانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے پسران کو مزید ہمت واستقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ''صحیح البخاری'' کا اردو زبان میں ترجمہ کیا بلکہ اس پر اس کی شرح بہ نام ''نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری'' کو نو (۹) مجلدات میں تصنیف کیا ہے، جس کا پہلا ایڈیشن مبارک پور (ہندوستان) سے شائع کیا گیا تھا جس کو بے پناہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

میری یہ دیرینہ خواہش تھی کہ ہمارے ادارہ کی جانب سے بخاری کی ایک مبسوط شرح کی اشاعت کی جائے جو مدرسین، طلباء اور عوام کی ضرورت کو پورا کر دے۔ میں نے اپنی اس خواہش کا بارہا اظہار محسنِ اہل سنت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کیا اور انہیں صحیح بخاری کی شرح لکھنے کی پیش کش کی، لیکن تدریسی اور دیگر مصروفیات کی بنا پر محسنِ اہل سنت نے اس کی شرح کی حامی نہ بھری۔ بارہا اصرار پر علامہ صاحب نے میرے اس شوق وذوق کو دیکھتے ہوئے میری توجہ ''نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری'' کی طرف مبذول کروائی۔ اس طرح میں نے مفتی محمد شریف الحق امجدی برکاتی علیہ الرحمہ سے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کو نئے ایڈیشن کی کتب بھجوائی جائیں گی؛ پھر اس کی اشاعت کریں۔ اس دوران میں مفتی صاحب اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور ان کا وصال ہوا۔ اس طرح میں نے مئی ۲۰۰۰ء میں نزہۃ القاری کی ان نو جلدوں کی کتابت کو ۵ جلدوں میں منتقل کر کے اپنے ادارہ کی جانب سے شائع کر دیا۔

بہت سے احباب کا اصرار تھا کہ نزہۃ القاری کا جدید دور کے مطابق کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن شائع کیا جائے۔ لہٰذا میں نے نزہۃ القاری کو Revise کرتے ہوئے، اور مندرجہ ذیل اصولوں کے تحت اس پر کام کا آغاز کر دیا، جو پیش خدمت ہے:

(۱) بخاری شریف کا متن اور ترجمہ..... کو آمنے سامنے دو کالمی شکل میں کمپوز کیا گیا ہے؛

(۲) حدیث کی تخریج (یعنی حوالہ جات)..... کو ہر حدیث کے نیچے لکھا گیا ہے؛

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(۳) حدیث اور شرح میں موجود قرآنی آیات...... کی تخریج کی گئی ہے'

(۴) احادیث کے عنوانات...... جو اس (ایڈیشن) سے قبل شرح میں موجود نہ تھے' ان عنوانات کو فہرست سے نقل کرتے ہوئے ہر حدیث سے قبل لگایا گیا ہے' بعض مقامات پر شارح نے امام بخاری کے ابواب کو بہ طور عنوان نقل کیا ہے' فہرست میں موجود احادیث کے ان عنوانات کا ابواب کے ساتھ جہاں تکرار ہوا وہاں طوالت سے بچنے کے لیے حدیث کے اس عنوان کو شرح میں نقل نہیں کیا گیا' لہٰذا اس سے یہ متصور کیا جائے کہ یہ (باب) حدیث کا عنوان ہی ہے'

(۵) کتاب میں موجود حوالہ جات کی گنتی...... کو ہندسوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے' جیسے: ''لفظ'' جلد ثامن' جلد عشرون کو اب' ج ۸' ج ۲۰' لکھا گیا ہے'

(۶) حدیث کی تخریج میں موجود کتب احادیث...... میں موجود کتب کے ناموں کے ساتھ لفظ ''کتاب'' اور ابواب کے عنوانات سے قبل لفظ ''باب'' لکھ دیا گیا ہے تاکہ کتاب اور ابواب کے عنوانات میں تفریق کی جا سکے'

(۷) نزہتہ القاری کی ہر جلد میں موجود کتب کی تعداد...... بیروت کی شائع کردہ کتاب ''صحیح البخاری'' کے مطابق کتب کی تعداد میں مطابقت کی گئی ہے' تاکہ موضوع کے اعتبار سے احادیث تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو' ان کتب کی تعداد ۹۸ عدد ہے' اور سہولت کے لیے ہر جلد میں جدید انداز میں انڈکس کو ترتیب دیا گیا ہے'

(۸) شرح میں مزید عنوانات کا اضافہ...... جو مصنف نے فہرست بنانے کے دوران اس میں اضافہ کیا ہے کیونکہ نزہتہ القاری کی کتابت پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی اور ان عنوانات کو کتابت میں لگانا ناممکن تھا' جس کو ہم نے موجودہ ایڈیشن میں شرح میں شامل کر دیا ہے' ان عنوانات کو خاص بریکٹوں [ ] اور ( ) میں لکھا گیا ہے' یہ عنوانات بہت اہمیت کے حامل ہیں' یقیناً احادیث اور شرح کے ان عنوانات کو لگانا ایک اہم امر تھا' ایسا کرنے سے احادیث اور شرح کے موضوعات مزید اجاگر اور واضح ہو گئے ہیں جس سے ان شاء اللہ احباب استفادہ کر سکیں گے'

(۹) چند قدیم اور متروک الفاظ میں تبدیلی...... جن کو جدید انداز اور عام فہم الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا ہے'

(۱۰) احادیث اور تعلیقات کی نمبرنگ...... میں تسلسل کو درست کیا گیا ہے'

(۱۱) شرح میں موجود حوالہ جات...... جلد اوّل کے علاوہ بقیہ جلدوں میں گزری ہوئی شرح سے متعلق حوالہ جات کی از سر نو درستگی کی گئی ہے۔

(۱۲) باب کے عنوانات...... شارح نے نزہتہ القاری' جلد سوم کے نصف کے بعد باب کے عنوانات کی تخریج نقل کی ہے' جس کو ہم نے حذف نہیں کیا' یہ تخریج قدیمی کتب خانہ' کراچی کے مطابق ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا یہ اُمور بھی مشکل ہو سکتے ہے؟ یقیناً یہ مشکل اور صبر آزما اُمور تھے۔ جس میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ مصنف کی تحریر اور انداز میں بالکل تبدیلی نہ ہونے پائے۔ میں نے تجربہ کار پروف ریڈرز اور خصوصی طور پر اپنی زیرنگرانی ان امور کو سرانجام دیا ہے' اور ہم نے بڑی عرق ریزی اور دل چسپی سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے' اور میں سمجھتا ہوں کہ اس اسلوب کے مطابق اب ''نزہتہ القاری شرح صحیح البخاری'' کی افادیت دگنی ہو چکی ہے' جس کا فیصلہ آپ خود یقیناً کتاب کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد ہی کر سکیں گے۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب سرکار دوعالم ﷺ کے صدقے مصنف' ناشرین اور جملہ معاونین کی اس کاوش کو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مقبول فرمائے۔ "نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری" کو بے پناہ مقبولیت اور پذیرائی عطا فرمائے۔ اس کتاب سے ہر خاص و عام کو فیض یاب فرمائے اور ہر ایک کے علم و عمل میں خیر و برکتیں عطا فرمائے اور ہم سب کو دنیا و آخرت میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اہل بناتے ہوئے اپنی شفاعت سے مستفید فرمائے۔ (آمین ثم آمین یا رب العالمین)

طالبِ دعا

سید محسن اعجاز گیلانی

23 صفر 1435ھ/26 دسمبر 2013ء

موبائل نمبر: 0321-4080405

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ اعظم ہند مولانا مفتی شریف الحق امجدی مدظلہ العالی کی خدمت میں

شرح بخاری کی تکمیل پر ہدیۂ تبریک[1]

زندگی اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم عطیہ ہے کہ اگر اس کا ایک ایک لمحہ رب کریم کا شکر ادا کرنے کے لیے صرف کر دیا جائے اور ہر بن موصد ہزار زبانوں میں تبدیل ہو کر رب کریم کی حمد اور سپاس گزاری میں محو ہو جائے تو یکے از ہزار بھی ادا نہ ہو سکے۔

اس جہان رنگ و بو میں ہزاروں افراد پیدائش کے مرحلے سے گزرتے ہیں اور ہزاروں موت کی مہیب وادیوں میں اتر جاتے ہیں۔ ان میں سے کتنے ہیں جو مقصد زندگی کو سمجھتے ہیں اور اسے پورا کرنے کے لیے اپنی سی جدوجہد کرتے ہیں؟ کہنے والے نے سچ کہا ہے:

عمر ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود   یا جنید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

سرزمین پاک و ہند وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں سے ہزاروں ایسے افراد پیدا ہوئے جو نہ صرف خود صراطِ مستقیم پر گامزن تھے، بلکہ اَن گنت بندگانِ خدا کے لیے نقوش کف پائے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) روشن کر گئے اور بہ قول شیخ سعدی ''وین جہدی کند کہ بگیرد غریق را'' کا مصداق ثابت ہوئے۔

ایسی ہی ایک شخصیت فقیہ اعظم ہند، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی ہیں، جو بلاشبہہ نادر روزگار فقیہ اور پاک و ہند کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے ناظم تعلیمات اور شعبہ افتاء کے صدر نشین ہیں۔ ان کے ماتحت متبحر فضلاء کی ایک جماعت ہے جو اُمت مسلمہ کو پیش آنے والے مسائل میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی موجودہ دور کے پاک و ہند کے علماء اہل سنت و جماعت کی صف اوّل کے ممتاز ترین عالم اور جامع الصفات شخصیت ہیں۔ وہ بہ یک وقت فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی، مدرس بھی ہیں اور مناظر بھی۔ وہ خطیب بھی ہیں اور ادیب بھی۔ معقولات کے متبحر فاضل بھی ہیں اور منقولات کے بحر مواج بھی۔ غیرتِ ملّی کا پیکر بھی ہیں اور عشق خدا و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کا مجسمہ بھی۔ انہیں بجا طور پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے پیر خانے کے موجودہ سجادہ نشین حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید امین میاں مدظلہ العالی نے ''فقیہ اعظم ہند'' ایسے پرشکوہ لقب سے نوازا ہے، جس پر ہندوستان کے اکابر علماء اہل سنت نے مہر تصدیق ثبت

---

[1] یہ مقالہ حضرت فقیہ اعظم ہند کی حیات میں لکھا گیا تھا، حضرت نے ملاحظہ بھی فرمایا اور ایک مکتوب میں پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا، افسوس کہ ۶ صفر ۱۴۲۱ھ بمطابق ۱۱ مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات صبح کی نماز کے بعد رحلت فرما گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کی ہے۔ اس عظمت وجلالت کے ساتھ وہ اخلاقِ جمیلہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں اسلاف کی سادگی اور اصاغر نوازی بہ درجہ اتم پائی جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو مردم خیز قصبہ گھوسی' ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحبِ بہارِ شریعت) کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کی ارجمندی ہے کہ آپ کو اس وقت کے متحدہ پاک و ہند کے اساطین علم وفضل اور مقتدایان رشد و ہدایت سے اکتسابِ فیض کا موقع ملا۔ ابتدائی عربی کتب سے لے کر صدرا' حمد اللہ' ہدایہ اور ترمذی شریف تک کتب درس نظامی' دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ' مصباح العلوم مبارک پور (جو اس وقت جامعہ اشرفیہ' مبارک پور کے نام سے شہرۂ آفاق ہے) میں پڑھنے کا موقع ملا اور جلالۃ العلم' حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مراد آبادی کے فیضِ علم سے بہرہ ور ہوئے۔ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں مدرسہ مظہر اسلام' مسجد بی بی جی' بریلی شریف میں محدث اعظم پاکستان مولانا محمد ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری کے پاس صحاح ستہ پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

حضرت صدر الشریعہ کے یہ دو شاگرد حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان وہ ہیں جن کا علمی اور روحانی فیض نہ صرف پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پہنچا ہوا ہے' بلکہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی جلوہ گر ہے۔ مفتی صاحب ان دونوں کے فیض و برکت کے جامع ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد اکابر کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی سلسلہ عالیہ قادریہ' برکاتیہ' رضویہ' امجدیہ میں نہ صرف حضرت صدر الشریعہ' بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کے مرید ہیں بلکہ ان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی اور احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں' سابق سجادہ نشین مارہرہ شریف نے بھی انہیں اجازت و خلافت سے نوازا۔ مختصر یہ کہ اکابر عصر کی عنایات اور نوازشات کا ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جسے آج دنیا شارح بخاری اور فقیہ اعظم ہند کے محترم القاب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حضرت شارح بخاری کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی سے درس بخاری شریف لیا اور چودہ ماہ ان کی خدمت میں رہ کر کارِ افتاء کا تجربہ حاصل کیا۔ گیارہ سال دار العلوم مظہر اسلام' بریلی شریف میں مدرس بھی رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی راہنمائی میں فتوے بھی لکھتے رہے۔ اس دور میں تقریباً پچیس ہزار فتوے آپ کے قلم سے لکھے گئے ہوں گے۔ افسوس کہ وہ فتوے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس کے علاوہ متعدد مدارس میں معقولات و منقولات کی آخری کتابیں اور دورۂ حدیث بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء سے شہرستان علم وفن الجامعۃ الاشرفیہ' مبارک پور میں تشریف فرما ہیں اور اس وقت صدر مفتی بھی ہیں اور ناظم تعلیمات بھی' جدید مسائل کی تحقیق کے لیے قائم ''مجلس شرعی'' کے سرپرست بھی ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم ہند نے تصانیف کا بھی اچھا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ ان میں سرفہرست ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے' جس پر وہ بلاشبہ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں' الحمد للہ! یہ شرح نو جلدوں میں مکمل ہوگئی ہے اور چھپ بھی گئی ہے۔ اس شرح کا آغاز مولانا علامہ یٰسین اختر مصباحی (دہلی) اور مولانا افتخار احمد قادری (مدینہ منورہ) کی تحریک پر ہوا۔ اختصار کے پیش نظر مکرر احادیث کا ذکر صرف ایک دفعہ کیا ہے اور بخاری شریف کے ابواب ذکر نہیں کیے ورنہ احادیث کو مکرر لانا ضروری ہوتا' البتہ اہم تراجم ابواب پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور ابواب کے ذکر کا فائدہ ''احکام مستخرجہ'' کا عنوان قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔ ہر حدیث کا نمبر لگا دیا گیا ہے اور اس کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔ یہ حوالہ بھی دے دیا گیا ہے کہ حدیث بخاری شریف اور صحاح ستہ کی دیگر کتب میں کہاں کہاں واقع ہے؟

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مقدمہ میں دیگر ضروری معلومات کے علاوہ خاص طور پر تین عنوانوں پر بھی گفتگو کی گئی ہے:

(۱) مسامحاتِ بخاری (۲) امام اعظم کی مختصر سوانح اور (۳) فقہ حنفی کا تعارف۔ شرح بخاری میں حدیث کا صحیح ترجمہ اور صحیح مطلب بیان کرنے کے ساتھ ہی حضرات حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور دلائل سے بتایا ہے کہ مذہب حنفی کو کیوں ترجیح ہے؟ اسی طرح اعتقادی مباحث میں مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور برتری اس طرح بیان کی ہے کہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ موجودہ دور میں اُردو میں لکھی گئی یہ مکمل اور بہترین شرح ہے جو علماء و کلاء، مدرسین، طلبہ اور عوام و خواص کے لیے یکساں مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شارح بخاری کو دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین اجر عطاء فرمائے اور اس شرح کو ملت اسلامیہ کے لیے مفید اور مقبول بنائے۔

۱۹۹۶ء میں شارح بخاری نے حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں، سجادہ نشین مارہرہ شریف کے ہمراہ زامبیا، زمبابوے، حرمین شریفین اور پاکستان کا سفر کیا۔ ۲۸/ اگست کو حضرت شارح بخاری، جناب حاجی ابو بکر صاحب (کراچی) کے ہمراہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور تشریف لائے۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ، راقم الحروف اور دیگر اساتذہ و طلبہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ تصویر کو جائز قرار نہیں دیتے تو آپ کا پاسپورٹ کس طرح بن گیا؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے ایک شاگرد نے ہمیں ناشتے کی دعوت دی، ان کے ہاں گئے تو ہماری تصویر بنالی گئی۔ فلیش کی چمک دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کو بیرونی دورے پر بھجوانے کے لیے پاسپورٹ بنوانا ہے، اس کے لیے آپ کی تصویر لی گئی ہے۔

روانہ ہونے لگے تو مجھے فرمایا کہ آپ کے پاس وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلیں۔ مجھے کیا انکار ہو سکتا تھا؟ حاجی ابو بکر صاحب گاڑی چلا رہے تھے۔ پہلے حضرت پیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضری دی، پھر حضرت میراں حسین زنجانی کے مزار پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ دو موریہ پل کے پاس پہنچے تو بارشوں کی وجہ سے جل تھل کا سماں تھا۔ گاڑی وہیں چھوڑی اور تانگے پر سوار ہو کر حضرت میراں حسین زنجانی کے مزار پر پہنچے۔ مغرب کی نماز ادا کی، واپسی پر ڈیفنس کی ایک کوٹھی پر لے گئے جہاں کھانا بھی کھایا اور حضرت شارح بخاری سے گھڑی کے چین کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت سٹیل کے چین کو جائز قرار دیتے ہیں۔ رات گئے واپسی ہوئی۔

۳۱/ اگست کو راقم الحروف کراچی میں حضرت سید محمد شاہ دولہا بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، کھارادر، کراچی کے عرس میں شریک ہوا۔ رات کے بارہ بجے راقم بعنوان ''کرامات اولیاء اور بعد از وصال استمداد'' مقالہ پیش کر رہا تھا کہ حضرت شارح بخاری، لاہور سے فیصل آباد اور ملتان ہوتے ہوئے کراچی تشریف لائے اور اسی وقت عرس کی محفل میں پہنچ گئے۔ راقم کے بعد حضرت نے پر مغز خطاب فرمایا اور ابتداء میں چند کلمات راقم کے بارے میں فرمائے، اگرچہ راقم اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا، تاہم حضرت کے اخلاق کریمانہ اور اصاغر نوازی کی جھلک دکھانے کے لیے ذیل میں نقل کر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا:

مجھ سے پہلے رئیس القلم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری تقریر کر رہے تھے، وہ تقریر کے بھی بادشاہ ہیں، تحریر کے بھی بادشاہ ہیں، تدریس کے بھی بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو روحانیت کے بھی بادشاہ ہوں گے۔ (اوکما قال)

ایسے کلمات اپنے سے کم درجہ شخص کے لیے وہی کہہ سکتا ہے جس کے سینے میں سمندر کی سی وسعت ہو۔

راقم مقالہ پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر چلا گیا۔ رات ڈیڑھ بجے کا وقت ہوگا کہ حضرت شارح بخاری نے ٹیلی فون کے ذریعے حکم دیا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ میری قیام گاہ حاجی ابوبکر صاحب برکاتی کی کوٹھی پر آجاؤ۔ چنانچہ راقم رات کے دو بجے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات وہیں گزاری۔

۱۹۹۸ء میں راقم انڈیا گیا تو ممبئی، دہلی، بریلی شریف سے ہوتا ہوا، ۱۱ نومبر کو ٹرین (کاشی) کے ذریعے چھ بجے صبح بنارس پہنچا۔ سربراہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ مدظلہ العالی کے ہونہار صاحبزادے مولانا نعیم الدین اور مولانا نفیس احمد استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔ یہ حضرات اس فقیر کو لے کر گاڑی پر روانہ ہوئے۔ نو بجے صبح کا وقت ہوگا، جب ہم اہل سنت وجماعت کے ہندوستان میں سب سے بڑے ادارے الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور پہنچے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طلباء راستے کے دونوں طرف قطاریں بنا کر کھڑے ہیں۔ گاڑی سیدھی دارالحدیث کے عظیم الشان گنبد کے پاس جا کر کھڑی ہوئی، باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ممبئی کے پاس کوٹے جا رہا ہوں۔ وہاں ایک مقدمے کا فیصلہ کرنا ہے، میں چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات کر کے روانہ ہوں...... اللہ اکبر! یہ ہیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، اس کے بعد دیگر اساتذہ اور طلباء سے ملاقات ہوئی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی زیارت اور وہاں کے اساتذہ اور طلباء سے ملاقات کر کے جو مسرت ہوئی، اس کے بیان سے زبانِ قلم عاجز ہے۔ یاد رہے کہ دہلی سے روانگی کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب مدظلہ نے ٹیلی فون کے ذریعے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور فقیر کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اسی لیے مولانا نعیم الدین اور مولانا نفیس احمد بنارس کے اسٹیشن پر استقبال کے لیے تشریف فرما تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں فقیر کے دیرینہ کرم فرما اور پیکرِ اخلاص مولانا محمد احمد مصباحی، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا ضیاء المصطفیٰ (شیخ الحدیث) فاضل نوجوان اور محقق مولانا مفتی نظام الدین، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا بدر عالم مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی اور دیگر اساتذہ سے بھی ملاقات ہوئی جو فقیر کی یادوں کے البم کا قیمتی اثاثہ ہے۔

ہمارے ہاں یہ رسم ہے کہ کسی اہم شخصیت کی رحلت کے بعد ان کے عرس کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی سوانح اور خدمات پر کوئی کتابچہ یا کسی ماہنامے کا نمبر شائع کر دیتے ہیں، اگرچہ یہ اہتمام بھی خال خال شخصیات کے لیے ہوتا ہے، لیکن زندگی میں اس بات پر توجہ نہیں دی جاتی کہ ان کی دینی، علمی اور روحانی خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کیا جائے یا ان کے حالات اور علمی افادات قلم بند کیے جائیں۔

الحمدللہ! اب کسی قدر سوچ میں تبدیلی آ رہی ہے۔ حضرت شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی اس اعتبار سے بھی خوش قسمت ہیں کہ اہل سنت کے اصحاب فکر و دانش نے ان کی حیات مبارکہ میں انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اس تبدیلی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو اہل سنت وجماعت کو بیداری اور کارِ خیر کی دعوت دیتی ہیں:

(۱) ۱۹۹۴ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلباء نے شارح بخاری سیمینار منعقد کیا جس کے لیے دو سو کے قریب مقالات شارح بخاری پر لکھے گئے۔

(۲) رضا اکیڈمی ممبئی نے جولائی ۱۹۹۱ء میں ایک سیمینار منعقد کیا، جس کا عنوان تھا: ''امام احمد رضا کی قلمی خدمات'' اس سیمینار میں علامہ یٰسین اختر مصباحی بانی دارالقلم دہلی کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' اور گیارہ ہزار روپے نقد پیش کیے گئے۔

(۳) رضا اکیڈمی ممبئی نے ۷ فروری ۱۹۹۸ء کو ایک سیمینار منعقد کیا اور پانچ جلیل القدر علماء کو ''امام احمد رضا ایوارڈ'' اور پچیس ہزار روپے نقد پیش کیے۔ ان میں سرفہرست شارح بخاری مدظلہ العالی ہیں۔ امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۸ء) باقی اربابِ فضل

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وکمال اور اصحابِ علم وقلم کے نام یہ ہیں:

ملک التحریر علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۳ء)

بحر العلوم مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ العالی' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۴ء)

مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت مفتی غلام محمد خان ناگپوری' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۵ء)

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۶ء)

ان حضرات کے حالات اور ان کی خدمات کے لیے ملاحظہ ہو''سوغاتِ رضا'' مطبوعہ رضا اکیڈمی' ممبئی۔

(۴) ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں علامہ یٰسین اختر مصباحی نے ''شارح بخاری'' کے نام سے ۲۸۸ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے' جسے دائرۃ البرکات' قصبہ گھوسی' ضلع مئو نے شائع کیا ہے۔

(۵) ۶ نومبر ۱۹۹۹ء کو رضا اکیڈمی' ممبئی کے زیر اہتمام ''جشن شارح بخاری'' منایا گیا' جس میں شارح بخاری مدظلہ کو شرح بخاری کو مکمل کرنے پر ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کیا گیا۔

یاد رہے کہ رضا اکیڈمی' ممبئی جواں سال' مجاہد سنیت جناب محمد سعید نوری اور جناب عبدالحق رضوی کی قیادت میں کام کر رہی ہے۔ رضا اکیڈمی' ممبئی نے اہل سنت و جماعت کی عام روش سے ہٹ کر لٹریچر کی اشاعت اور تقسیم پر توجہ دی ہے۔ اب تک اکیڈمی فتاویٰ رضویہ کی قدیم اشاعت کے عکس کے علاوہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے ایک سو رسائل بیک وقت حسین وجمیل ٹائٹل کے ساتھ شائع کر چکی ہے۔ درس نظامی کی کثیر التعداد کتب بھی شائع کی ہیں اور ہر سال دیدہ زیب اور حیرت انگیز حد تک خوبصورت کیلنڈر بھی شائع کرتی ہے۔

(۶) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی/اسلام آباد بھی کئی سال سے رضویات پر کام کرنے والے محققین کو امام احمد رضا ایوارڈ (طلائی تمغہ) دیتا ہے' جامعہ ازہر شریف اور جامعہ عین شمس' قاہرہ کے تین اساتذہ کو بھی ''امام احمد رضا ایوارڈ'' دے چکا ہے۔

(۱) بساتین الغفران (امام احمد رضا بریلوی کے عربی دیوان) کے مرتب و محقق' جناب شیخ سید حازم محمد احمد المحفوظ' استاذ کلیۃ اللغات والترجمۃ' جامعہ ازہر۔

(۲) ساٹھ کتابوں کے مصنف اور ''سلام رضا'' کا منظوم عربی ترجمہ اور ایک سو پانچ صفحات کا مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر حسین مجیب مصری' استاذ کلیۃ الآداب' جامعہ عین شمس' قاہرہ۔

(۳) دکتور رزق مرسی ابوالعباس' استاذ اللغۃ العربیۃ وآدابھا' کلیۃ الدراسات الاسلامیہ والعربیہ' جامعۃ الازھر' جن کی نگرانی میں فاضل نوجوان ممتاز احمد سدیدی فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور نے جامعہ ازھر میں پانچ سو چھتیس صفحات پر مشتمل مقالہ برائے ایم فل لکھا' جس کا عنوان ہے:

''الامام احمد رضا خان البریلوی الھندی شاعراً عربیاً'' اور بحمدہٖ تعالیٰ اس میں ''بتقدیر ممتاز'' کامیابی حاصل کی۔

یہ صورت حال یقیناً خوش آئند ہے۔ اگر اربابِ تحقیق قلم کاروں کے اعزاز وتکریم کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ دن دور نہیں' جب ہمارے ہاں کسی قسم کے لٹریچر کی کمی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز دعا ہے کہ حضرت شارح بخاری' فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ کا سایہ تادیر عزت وعافیت کے ساتھ سلامت رکھے' ان کے بہ کثرت جانشین پیدا فرمائے اور اہل سنت وجماعت کو لٹریچر کی قوت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور اہمیت کا ہمہ گیر شعور عطاء فرمائے۔ آمین!

محمد عبدالحکیم شرف قادری
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، پاکستان
۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء / ۱۳ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس کتاب کو ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچانے میں مجھے کتنی دشواریاں اُٹھانی پڑیں‘ اس کی داستان بہت طویل ہے‘ طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ سرمایہ کا تھا۔ یہ مسئلہ سب سے زیادہ مشکل تھا‘ مگر اس سلسلے میں عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق صاحب سلمہ‘ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی‘ یہاں تک کہہ دیا کہ آپ لکھیں تو میں چھپواؤں گا‘ پھر انہیں کی کوششوں سے سرمایہ اکٹھا ہوا‘ اور انہیں کی مسلسل انتھک محنتوں سے یہ کتاب چھپ گئی۔ اب اللہ عزوجل کی تائید سے پہلا حصہ کسی نہ کسی طرح آپ کے مطالعہ میں ہے۔ طباعت کے سلسلے میں جن حضرات نے تعاون فرمایا‘ ان کے اسمائے گرامی کی فہرست الگ صفحہ پر درج کردی گئی ہے۔ ان میں فخر ملت عالی جناب الحاج سیٹھ علی محمد احمد‘ لکی موٹر ٹریننگ اسکول ڈونگری‘ بمبئی اور ان کے بھائی محسن ملت عالی جناب الحاج سیٹھ محمد ابراہیم احمد صاحب‘ مالک فرینڈ اسٹورس‘ بھنڈی بازار‘ بمبئی نے اتنی بڑی رقم عطاء فرمائی کہ ہماری جماعت میں اب تک شاید ہی کسی نے کسی مذہبی کتاب کی اشاعت کے لیے دی ہو۔ ان دونوں صاحبان نے یہ ثابت کردیا کہ اس دور الحاد میں بھی علم دین کے پرستار زندہ ہیں‘ اور زندہ رہیں گے۔ مولیٰ عزوجل انہیں اور ان کی آئندہ نسل کو ہمیشہ ہمیشہ دارین میں اس کا بہترین صلہ عطاء فرماتا رہے۔

دوسرے معاونین بھی لائق صد ستائش ہیں کہ انہوں نے بھی اللہ عزوجل کے حبیب ﷺ کے ارشادات کی نشرواشاعت میں اپنی توفیق کے مطابق بھرپور حصہ لیا‘ میں رب العزت تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ میرے ان سرپرستوں کو دارین میں اپنے خزانہ غیر متناہیہ سے اتنا عطا فرما‘ جو تیری شان وسعت کرم کے لائق ہے۔

نیز تمام ناظرین سے بھی میری عاجزانہ التماس ہے کہ وہ ان تمام معاونین کے لیے صمیم قلب سے دعائے خیر فرماتے رہیں۔

عزیزی مولانا بدر عالم‘ مدرس دارالعلوم حنفیہ غوثیہ‘ بجرڈیہہ‘ بنارس اور مولوی علیم الدین پورنوی سلمہما نے بڑی جانفشانی سے مسودے کو صاف کیا ہے۔ نیز جناب مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی‘ صدر المدرسین مدرسہ قادریہ‘ چریا کوٹ اور عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق‘ مولوی اشرف رضا‘ مولوی خورشید انور سلمہم نے پروف ریڈنگ (کاپی کی تصحیح) بڑی عرق ریزی کے ساتھ کی۔ اللہ عزوجل ان سب لوگوں کو عالم باعمل و بافیض بنائے۔ ان سے دین کی مقبول و نمایاں خدمات لے۔ ان کے فیض کو عام کرے‘ دارین میں جزائے خیر عطاء فرمائے‘ آمین!

سوائے جناب عبدالمبین صاحب نعمانی کے یہ لوگ نوآموز ہیں۔ ہوسکتا ہے کتابت کی غلطیاں اب بھی رہ گئی ہوں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِوَلِیِّهٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی حَبِیۡبِهٖ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحۡبِهٖ

میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ جیسا کم علم اور کاہل انسان' اصح کتب بعد کتاب اللہ کی شرح لکھ سکے گا' لیکن قدیر مطلق جس سے جو چاہے کام لے لے۔ ہوا یہ کہ جب الجامعۃ الاشرفیہ کے عظیم دارالافتاء کی ذمہ داری مجھے سپرد کی گئی اور میں ''اشرفیہ'' حاضر ہو گیا تو فاضلانِ گرامی جناب مولانا افتخار احمد' اور جناب مولانا یٰسین اختر صاحب' استاذانِ ادب جامعہ اشرفیہ نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں کوئی اہم تصنیفی کام کروں۔ میرے سامنے ناتمام ''اشرف السیر'' کا کام تھا' میں نے یہ سوچا کہ اسی کو مکمل کر دوں' لیکن دارالافتاء سے جن کا تعلق ہے' وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ سارا وقت اسی کی نذر ہو جاتا۔ اسی اثناء میں جناب مولانا عبدالمنان صاحب کلیمی بضد ہو گئے کہ فتاویٰ امجدیہ پر ایک نظر ڈال لیجیے! چونکہ فتاویٰ امجدیہ مکمل پڑھ کر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کو سنا چکا تھا' اس لیے شاید مجھ سے زیادہ موزون آدمی مل بھی نہیں سکتا تھا۔ پہلی ہی جلد پر نظر ثانی وتصحیح اور تحشیہ میں کافی وقت صرف ہو گیا' پہلے حصے سے فراغت ہوئی تو پھر ان دونوں حضرات کا اصرار بڑھا۔ تقریباً روزانہ یہ لوگ تقاضا کرتے' پھر از راہِ عنایت ان لوگوں نے اپنا تعاون بھی پیش کیا۔ ابتداء میں سوچا کہ ''اشرف السیر'' کو مکمل کر لوں' مگر اس میں ان لوگوں کا وقت بہت ضائع ہوتا' کتنی جگہ مجھے غور وخوض کرنا پڑتا' اس لیے انہیں حضرات کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ بخاری شریف کا ترجمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ کام ۱۳۹۶ھ میں شروع ہوا۔ ابھی چند حدیثوں کا ترجمہ ہو پایا تھا کہ آنکھ کی تکلیف شروع ہو گئی' چھ ماہ تک مسلسل علاج کے بعد اطمینان ہوا تو پھر کلیمی صاحب فتاویٰ امجدیہ کی دوسری جلد لے کے پہنچے۔ اس میں تقریباً سال بھر گزر گیا' اس سے فراغت کے بعد پھر ان دونوں حضرات نے تقاضا شروع کیا۔ بالآخر ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ/ ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء کو پھر ترجمے کا کام شروع ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب بھیروی' صدر المدرسین مدرسہ عربیہ فیض العلوم' محمد آباد تشریف لائے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ کہیں کہیں کچھ ضروری تشریحی نوٹ بھی لگا دیں تو بہتر ہو گا۔ ان کے مشورے کے بعد تشریحی نوٹ جگہ جگہ لگا دیے کہ یک بیک مولانا یٰسین اختر اور مولانا افتخار احمد صاحبان ریاض چلے گئے اور کام بالکل بند ہو گیا۔ اس کے بعد عزیز سعید حافظ عبدالحق اس پر اُبھارتے رہے۔ روزانہ تقاضا کرتے رہے' آخر کار ۲۱ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ/ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء شب سہ شنبہ سے کام شروع کر دیا۔ اب خیال آیا کہ ترجمے کے لیے شروح دیکھنی پڑتی ہیں' ان میں سے نوٹ کے لیے انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ لاؤ ایک متوسط درجے کی مستقل شرح ہی نہ کیوں لکھ ڈالوں۔ اس طرح میں نے یہ شرح لکھنی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں جو جو دشواریاں اُٹھانی پڑی ہیں' ان کا تذکرہ فضول ہے۔ رب قدیر متعال کا شکر ہے کہ اس کا پہلا حصہ پریس جا رہا ہے۔

خصوصیات

(۱) کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لیے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے۔ وہ بھی جہاں میں نے مناسب جانا وہاں البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ابتداءً جب تک مولانا افتخار احمد اور مولانا یٰسین اختر صاحبان کا تعاون رہا تو کوشش یہ کی کہ مختلف روایتوں کے مختلف الفاظ کو عربی متن کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے اور قوسین کے درمیان رکھ کر حوالہ دے دیا جائے' مگر ان حضرات کے جانے کے بعد میں یہ تو نہ کر سکا' البتہ شرح میں ''تکمیل'' کا عنوان قائم کر کے مختلف

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

روایتوں کے الفاظ کے ترجمے کو جمع کر دیا ہے۔

(۲) ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا' اس لیے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا' مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا مذکور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا' وہ ایک عنوان ''احکام مستخرجہ'' قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔

(۳) جو حدیث جن صحابہ سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں' کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آ گیا ہے۔

(۴) میں نے ہر حدیث پر نمبر لگا دیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔

(۵) حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں ہے؟ اس کے حوالے حاشیے میں دے دیئے ہیں۔ عینی میں اس کی تفصیل ہے' مگر علامہ عینی صرف کتاب کا حوالہ دے دیتے ہیں' یہ معلوم کر کے کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے' حدیث کی تلاش میں دشواری کم تو ہو جاتی ہے' مگر بہت کچھ باقی رہتی ہے۔ اس لیے میں نے باب کا بھی حوالہ دے دیا ہے۔

شروع میں صرف ابواب لکھ دیتا تھا' مگر بعد میں بعض اعزہ کے اصرار پر بخاری کے صفحات کا بھی اضافہ کر دیا ہے' لیکن دوسری کتابوں کے حوالے میں اس کا التزام نہ کر سکا' البتہ بعد میں ''المعجم المفهرس لالفاظ الحديث'' سے حوالے نقل کر دیئے ہیں' اس سلسلے میں آپ کو اعداد ملیں گے۔ ان کا حل یہ ہے کہ مسلم شریف کے حوالے میں یہ حدیث کا نمبر ہے' مثلاً یہ لکھا ہے: ایمان ۵' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب الایمان کی پانچویں حدیث' مسلم کے علاوہ بقیہ کتابوں میں یہ ابواب کے نمبر ہیں' مثلاً ابوداؤد' طہارۃ ۵' لکھا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب الطہارۃ کے پانچویں باب میں یہ حدیث ہے' اس سے بھی ناظرین کو بہت کچھ آسانی ہو جائے گی۔

یہ پانچ اہم خصوصیات اس شرح کی ہیں' بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہئیں ان سب کو بہ قدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے۔ اختلافی مباحث میں' میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ لہجہ تلخ و ترش نہ ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ یہی پائیں گے' البتہ مقدمہ میں کہیں کہیں صبر کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ اس کے لیے میں کسی سے معذرت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

ع دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت' درد سے بھر نہ آئے کیوں

مقدمے میں' میں نے تین باتیں بالقصد اضافہ کی ہیں: ایک ''مسامحات بخاری'' دوسری ''حضرت امام اعظم کی مختصر سوانح حیات'' اور تیسری ''فقہ حنفی کا تعارف'' اس کی کیا ضرورت تھی' یہ وہیں مذکور ہے۔

اب کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا مجھے احساس ہے کہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ اکابر' اقران' احباب سب سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں کوئی غلطی ملے تو مجھے مطلع کریں۔ اس پر پوری سنجیدگی سے غور کروں گا' اگر ان کی رائے درست ہو گی تو اسے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی عار نہ ہوگا۔

رخصت ہوتے ہوئے ان حضرات سے جو اس کتاب سے فائدہ حاصل کریں' درخواست ہے کہ میرے لیے' میرے اساتذہ' میرے ماں باپ' میرے تمام متعلقین اور میرے تمام معاونین کے لیے فلاح دین و دنیا کی دعا کریں۔

اے عفو و غفور' کریم و رحیم' معبود! مجھے اس کا احساس ہے کہ اس کتاب میں مجھ سے ضرور غلطیاں ہوئی ہوں گی' ان سب کو معاف فرما! تو جانتا ہے کہ کوئی بھی غلطی دانستہ نہیں' میرے علم و فہم کی کوتاہی کی بناء پر ہے۔ آئندہ میرے دماغ' میرے قلم' میری زبان کو غلطی سے محفوظ فرما! اور اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما!

اے بے نیاز مولیٰ! تیری بارگاہِ قدس میں انتہائی عجز و الحاح کے ساتھ التجا ہے کہ اپنے اس بندۂ بے نوا کی اس ناچیز کوشش کو اپنے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فضل وکرم سے قبول فرما! اسے میری نجات اور اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ آمین بجاہ حبیبہ سیّد المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول اے کہ دُرّ ساختہ قطرۂ بارانی را!

محمد شریف الحق امجدی
خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ' مبارکپور
۸ بجے شب' سہ شنبہ
۳ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ/ ۱۰' اکتوبر ۱۹۸۳ء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امتنان وتشکر

جامعہ اشرفیہ آبادی سے ایک کلومیٹر جانب جنوب میدان میں ہے' جو دیہاتی علاقہ ہے' اس میں جو بجلی ہے وہ دیہاتی لائن سے ہے جس کی وجہ سے آئے دن بجلی غائب رہتی ہے' ضعف بصارت کی وجہ سے لالٹین وغیرہ میں کام نہیں کرسکتا' دن کے اوقات دارالافتاء کی نذر ہیں' رات میں شرح کا کام ہوتا ہے اور بجلی کی غیوبت میں کام نہیں ہوتا۔ اس کے لیے میں نے برکاتی برادران الحاج سیٹھ علی احمد والحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحبان کو لکھا کہ اگر ایک چھوٹا جنریٹر آجائے تو کام تسلسل سے ہوتا رہے گا' یہ سال گزشتہ کی بات ہے۔ اس وقت ہندوستانی چھوٹے جنریٹر کی قیمت چار ہزار تھی' ان دونوں مہربانوں نے چار ہزار کی رقم بلا تاخیر بھیج دی' مگر جب بنارس میں جنریٹر خریدنے کے لیے آدمی گیا تو معلوم ہوا کہ اب اس کی قیمت لگ بھگ آٹھ ہزار روپے ہیں۔ میں نے ان حضرات کو صورت واقعہ لکھی۔ اتفاق سے حضرت عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ بھی ان دنوں بمبئی تشریف رکھتے تھے۔ الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحب نے حضرت سے استدعا کی کہ جناب ڈاکٹر محمد صدیق صاحب برکاتی کے فرزند رشید جناب بابو خان سے اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب کو لے کر بابو خان کے یہاں گئے اور ضرورت پیش فرمائی' انہوں نے بہت عمدہ ایک جاپانی جنریٹر عطا فرمایا' جس سے بحمدہ تبارک وتعالیٰ میری بہت بڑی پریشانی دور ہوگئی۔ مزید یہ کہ حاجی صاحبان نے وہ چار ہزار روپے جلد ثانی کی اشاعت کے لیے دے دیئے۔ میں خود بھی دعا کرتا ہوں اور تمام ناظرین سے ملتجی ہوں کہ ان تینوں کے لیے اپنے مخصوص اوقات میں دعاء خیر کرتے رہیں۔ اے ایزد متعال! ان لوگوں کو اور قیامت تک آنے والی ان کی نسلوں کو شاد و آباد رکھنا' حوادث و آفات سے محفوظ رکھنا اور اپنی رحمت بے غایت سے ہمیشہ نوازتے رہنا اور ان سے راضی رہنا۔ آمین ثم آمین!

بجاہ حبیبك علیه الصلوٰة والتسلیم.

عزیز گرامی قدر مولانا بدر عالم سلمہ' استاذ جامعہ حنفیہ غوثیہ' بجرڈیہہ' بنارس نے اس جلد کے تمام مسودات کو بڑی عرق ریزی' محنت و جانفشانی کے ساتھ مبیضہ کیا ہے۔ اعز الاعزہ مولانا حافظ عبدالحق سلمہ' استاذ جامعہ اشرفیہ' مبارکپور اس تالیف کے لیے میرے دست و بازو ہیں۔ مسودے کا مبیضہ سے مقابلہ' کاپی کی تصحیح' کاتبوں کے یہاں دوڑ دھوپ' طباعت کی سرانجام دہی' یہ سب کچھ انہیں کی رہین منت ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو نزہۃ القاری وجود ہی میں نہ آتی۔ اللہ عزوجل ان دونوں کو اپنی شان کریمی سے دارین میں اتنا دے کہ یہ دونوں جہان میں مستغنی رہیں۔ آمین ثم آمین!

❁❁❁❁❁

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابتدائیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰى تَوَاتُرِ اٰلَائِهٖ وَتَسَلۡسُلِ نَعۡمَائِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ اَنۡبِيَائِهٖ
وَاَحَبِّ اَحِبَّائِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحۡبِهٖ اَكۡرَمِ اُمَّتِهٖ وَاَغَرِّ اَغۡرَائِهٖ

اللہ عزوجل کا بے پایاں احسان وکرم ہے اور اس کے حبیب ﷺ کی عنایت بے غایت ہے کہ ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' کی دوسری جلد پریس جارہی ہے' اس میں کافی تاخیر ہوگئی' اس کا سبب کاتب صاحبان کی مہربانیاں ہیں۔ احادیث کے حوالہ جات کے سلسلے میں احباب کی فرمائش کی بناء پر ہم نے اس جلد میں اس کا التزام کیا تھا کہ صحاح ستہ میں جہاں جہاں حدیث مل سکے۔ جلد' کتاب' باب' صفحات کی تفصیل کے ساتھ درج کر دیئے جائیں' میں نے اس کی بھرپور کوشش کی کہ اس کی پوری پابندی کروں' مگر یہ کام کتنا مشکل ہے یہ وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اس کو کیا ہو۔ ''المعجم المفہرس'' نے اس میں بہت کچھ آسانی پیدا کردی مگر پھر بھی دشواری بہت کچھ باقی ہے' نتیجہ یہ نکلا کہ میں اسے اخیر تک نبھا نہ سکا' اخیر میں حدیث کے دیگر کتابوں کے مفصل حوالہ جات کے اندراج کو ترک کرنا پڑا' البتہ اس کا التزام رہا کہ بخاری شریف میں جہاں جہاں حدیث مل سکے' اس کو مفصل درج کردیا جائے۔

تصحیح کے سلسلے میں اس جلد میں بھی ناظرین کو اطمینان نہیں دلا سکتا کہ کوئی غلطی نہیں رہ گئی۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے کوئی ایسے صاحب نہیں مل سکے جو تصحیح کا قابل اطمینان کام کرسکیں' اس کے باوجود کہ میں نے خاطر خواہ معاوضہ دینے کی بھی پیشکش کی' اس لیے ناظرین سے پھر وہی درخواست ہے کہ جہاں کوئی غلطی انہیں ملے' مجھے مطلع کریں۔

احن شوقا الی دیار لقیت فیھا جمال سلمی   کہ می رساند ازاں نواحی پیام وصلت بجانب ما

جمال روئے تو قبلۂ جاں حریم کوئے تو کعبۂ دل   فان سجدنا الیك نسجد وان سعینا الیك نسعی

حج وزیارت

جب سے شعور بیدار ہوا' اس وقت سے اس کی تڑپ تھی' کاش! کبھی اللہ کے گھر اور اس کے حبیب کے در کی حاضری نصیب ہو جائے' اس تمنا کی تکمیل کے لیے کتنی دعائیں کیں' کتنے آنسو بہائے' ان کو شمار نہیں کرسکتا۔ جب حجاج اور زائرین کے قافلے حرمین طیبین جاتے دل میں ہوک اٹھتی مگر تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔ اب جبکہ عمر کے اخیر منزل میں ہوں' اسباب و وسائل پر نظر کرتا تو سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہ ہوتا مگر اللہ عزوجل اور اس کے حبیب ﷺ جس پر چاہیں کرم فرمائیں' اس بے مایہ پر بھی نگاہ کرم ہوگئی اور سال گزشتہ انہوں نے مجھے بلالیا۔

ہوا یہ کہ محسن ملت الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحب برکاتی' مالک فرینڈز اسٹورس' بھنڈی بازار' بمبئی کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ مجھے اپنے صرفے سے حج وزیارت کرائیں۔ چنانچہ بغیر میری کسی تحریک وخواہش کے مجھے خط لکھا اور ساتھ ہی ساتھ درخواست کے فارم بھی بھیج دیئے کہ اگر آپ پسند کریں تو فارم پر دستخط کرکے بھیج دیں' میں بقیہ سب کارروائی انجام دے لوں گا' جب حاجی صاحب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

موصوف کا یہ خط ملا تو فرطِ مسرت سے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا' کچھ دیر تک تو ایسا محسوس ہوا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں' لیکن بیداری پر خواب کا گمان کب تک رہتا' میں نے بلا تامل ضروری خانہ پری اور دستخط کر کے فارم ان کے پاس بھیج دیئے چونکہ حاجی صاحب موصوف نے خود ہی ہوائی جہاز سے سفر کی پیشکش کی تھی' اس لیے مجھے بھی کوئی تامل نہ ہوا' سالہائے گزشتہ کے ریکارڈ سے اُمیدواثق تھی کہ درخواست منظور ہو ہی جائے گی' اب میں انتظار کی گھڑیاں گننے لگا' لیکن امسال عازمین حج و زیارت کی کثرت کی وجہ سے ہوائی جہاز سے بھی سفر کے خواہش مند بہت سے حضرات کی درخواستیں نامنظور ہوئیں' اس میں میری بھی درخواست تھی' اگر میں بغیر ان کی وساطت کے ازخود براہِ راست درخواست دیئے ہوتا تو شاید امسال محروم ہی رہ جاتا مگر حاجی صاحب موصوف حج و زیارت کے سلسلے کے تمام اُمور سے واقف تھے' اس لیے انہوں نے فوراً بلا تاخیر متبادل کارروائی کی' حج و زیارت کے سلسلے میں ایک ہزار ایسی محفوظ سیٹیں ہیں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز یا شناسا سعودیہ عربیہ میں ہو' اور وہ تمام اخراجات کے لیے ڈرافٹ بھیج دے تو اسے ان ایک ہزار محفوظ نشستوں میں سے منظوری مل جاتی ہے۔ چنانچہ حاجی صاحب موصوف نے جدہ میں رہنے والے اپنے ایک شناسا سے ڈرافٹ منگا لیا اور اس طرح ان ایک ہزار محفوظ نشستوں میں سے میرے لیے منظوری حاصل ہو گئی اور پہلے جہاز سے میری منظوری آ گئی۔

امسال حج کمیٹی اور حکومت ہند کے مابین کچھ معاملات میں ایسا اُلجھاؤ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہوائی جہاز کی روانگی کی تاریخیں بہت تاخیر سے متعین ہوئیں' اس کے نتیجے میں عازمین حج و زیارت کو بہت ذہنی کوفت بھی اُٹھانی پڑی اور پریشانیاں بھی۔ ہماری حکومت کا محکمہ ڈاک اتنا چوپٹ ہو چکا ہے کہ اس پر اعتماد ہی نہیں کیا جا سکتا نہ خطوط کا اعتبار' نہ تار کا' رجسٹریاں اتنی دیر میں ملتی ہیں کہ اس کے بھروسے پر اس کا اندیشہ تھا کہ شاید جہاز کی روانگی کی تاریخ گزر جانے کے بعد اُمیدواروں کو ملے' اس لیے اندازے سے اکثر عازمین وقت سے بہت پہلے بمبئی پہنچ گئے' یہی میرا بھی حال ہوا' حاجی صاحب موصوف ہی کے مشورے کے مطابق ۱۰ جولائی بروز چہار شنبہ گھر سے بمبئی کے لیے نکل گیا اور ۲۳ شوال/ ۱۲ جولائی بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب بمبئی پہنچ گیا' اسٹیشن پر لینے کے لیے خود حاجی ابراہیم احمد صاحب اور ان کے بڑے بھائی حاجی علی احمد صاحب موجود تھے' بمبئی تک بھیجنے کے لیے میرے لخت جگر وحید الحق سلمہٗ اور عزیز ارشد مولانا حافظ عبدالحق زید مجدہم استاذ الجامعۃ الاشرفیہ بھی ہمراہ تھے۔ بمبئی میں میرا قیام عطاری مسجد' پھول والی گلی' بھنڈی بازار میں رہا۔ وہاں اس مسجد کے خطیب اور بمبئی میں اہل سنت کے اہم نقیب جناب قاری سراج از ہر صاحب نے سر آنکھوں پر رکھا' ہر قسم کا آرام اور سہولت پہنچائی۔ ۱۲ جولائی سے لے کر ۲۷ جولائی تک بمبئی میں قیام رہا' اس اثناء میں بمبئی کے کثیر احباب نے دعوت تواضع کی' مثلاً حاجی علی احمد برکاتی' خود حاجی ابراہیم احمد صاحب برکاتی' الحاج سیٹھ احسان اللہ خان صاحب عرف پہلوان سیٹھ' جناب سیٹھ مصطفےٰ خان صاحب کرلا' حافظ غلام دستگیر صاحب' الحاج سیٹھ عبدالمجید صاحب' جناب سیٹھ للن صاحب چمبور' جناب سیٹھ ریاض الدین صاحب وغیرہم' خصوصیت سے عزیزی مولانا ولی اللہ سلمہٗ خطیب نورانی مسجد چمبور اور اس محلّہ کے دیگر احباب اہل سنت نے' حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب' بانی دارالعلوم محمدیہ نے دارالعلوم میں مدعو کیا اور وہاں تمام طلبہ و مدرسین کے سامنے گل پاشی و ضیافت فرمائی' مولیٰ عزوجل ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

عالی جناب الحاج سیٹھ ابراہیم احمد برکاتی کے صاحبزادے الحاج سیٹھ زبیر احمد برکاتی سلمہٗ نے پاسپورٹ و ڈرافٹ اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ اور دیگر لوازمات کے لیے کافی جدوجہد کی' مولیٰ عزوجل ان کو بھی ان کی خدمات کا دارین میں بہترین صلہ عطاء فرمائے' بہت ہی نیک سعید خوش اخلاق صاحبزادے ہیں۔

میں گھر سے اکیلا ہی چلا تھا' مناسب ساتھی کی تلاش تھی' بمبئی جا کر معلوم ہوا کہ حضرت الحاج شاہ ابوالحسین آلِ رسول صاحبزادہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وجانشین حضرت سیّد العلماء قدس سرہٗ مع اپنی والدہ ماجدہ وعمہ مکرمہ کے اسی جہاز سے جارہے ہیں' اس سے بے پناہ مسرت ہوئی اور حقیقت میں یہ صاحب البرکات حضرت سیّدنا شاہ ابوالبرکات قدس سرہٗ کا اپنے اس ناکارہ غلام پر خصوصی کرم تھا کہ اپنے صاحبزادہ والاتبار کی اس عظیم سفر میں ہمرکابی کا شرف عطاء فرمایا' پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد خان پٹھان' خطیب مسجد آستانہ مخدومیہ مہائم شریف اور جناب مولانا قاری تراب علی صاحب' خطیب مینارہ مسجد بھی اسی ہوائی جہاز سے جارہے ہیں' میں نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ مجھے اپنے گھر اور اپنے حبیب کے در پر بلایا تو ہمراہی بھی ایسوں کی عطاء فرمائی جو سب میرے حسبِ منشاء تھے۔ فالحمد لہٗ۔

ہمارا ہوائی جہاز سات بجے شام کو قبل مغرب روانہ ہوا اور گیارہ بج کر ۲۰ منٹ پر جدہ پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز ہوائی جہاز ہی میں پڑھی' ہوائی جہاز کے عملہ نے مغرب کے وقت اعلان کیا کہ مغرب کا وقت ہو گیا ہے' حجاج نماز پڑھ لیں۔ تمام حجاج نے سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے نماز ادا کی' مگر میں نے اور حسنین میاں صاحب نے کھڑے ہو کر پورے رکوع وسجدے کے ساتھ نمازِ مغرب پڑھی' چلتے ہوئے ہوائی جہاز میں بھی کھڑے ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی' اس لیے سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنے میں نماز صحیح نہیں ہوگی' اس لیے کہ قیام فرض ہے' اسی طرح رکوع اور سجدہ بھی سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے' یہ تینوں فرض ادا نہیں ہوپاتے' حجاج کو اس کا خیال رکھنا فرض ہے۔

ہوائی جہاز سے نکل کر ائیر پورٹ کے ہال کمرے میں آئے' اسی ہال کمرے میں باجماعت نمازِ عشاء ادا کی گئی' تقریباً ساری رات اسی ہال کمرے میں گزری۔ ہال کمرہ ائیر کنڈیشن تھا' تمام حجاج سردی سے ٹھٹھر گئے۔ سعودی ہوائی جہاز کے عملہ نے بہت ہی سست روی اور تاخیر سے حجاج کو باہر نکالا' تقریباً ہوائی جہاز کے پہنچنے کے دو گھنٹے کے بعد مسافرین کو باہر نکالنا شروع کیا' وہ بھی اتنی سستی کے ساتھ کہ ساڑھے چار سو حاجیوں کو نکالنے میں تین گھنٹے کا وقت لگ گیا۔ لائن میں کھڑے کھڑے تمام حاجی تھک کر چور ہو گئے' مگر عیش پرست نجدی ملازمین کو اس کی کوئی بھی پرواہ نہ ہوئی' خدا خدا کر کے ائیر پورٹ سے باہر نکلے تو حضرت حسنین میاں صاحب کو لینے کے لیے جدہ شہر سے ان کے رشتے دار موجود تھے' ڈرافٹ بھنانے کے بعد میں انہیں کی گاڑی میں حضرت حسنین میاں کے ساتھ مکہ معظمہ حاضر ہوا' ہماری گاڑی جب مسجد حرام شریف کے پاس شارع عبداللہ بن زبیر پر پہنچی تو حرم شریف میں نمازِ فجر ہو چکی تھی نمازی باہر نکل رہے تھے' گاڑی وہیں ایک طرف کھڑی کر دی گئی' حضرت حسنین میاں اور ان کے رشتے دار شیخ جمال اللیل صاحب کے دفتر کی تلاش میں گئے' مستورات موٹر ہی میں رہیں۔ میں ترساں لرزاں حرم شریف میں نمازِ فجر کے لیے چلا' اس وقت میرا جو حال تھا اس کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ وضو خانہ وہاں سے کافی دور تھا' مجبوراً زمزم شریف ہی سے وضو کیا' مسجد حرام شریف میں حاضر ہوا' جب کعبہ شریف پر نظر پڑی تو وفورِ مسرت میں بے اختیار منہ سے چیخ نکل گئی' دھاڑیں مار مار کر رونے لگا' کچھ دیر تک خود فراموشی کا عالم رہا' مگر پھر خیال آیا کہ باہر مستورات اکیلی ہیں' مجھے نماز فجر پڑھ کر جلدی پہنچنا چاہیے۔ سسکیوں کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی' علاوہ رکوع اور سجدے کے نگاہ جمالِ کعبہ سے ہٹتی نہ تھی۔ بہت اختصار کے ساتھ نماز ادا کر کے اُلٹے قدم باہر آیا' موٹر کے پاس پہنچا' اتنے میں حضرت حسنین میاں صاحب بھی واپس آ گئے اور ہم لوگ عبدالکریم نوری صاحب کے دفتر میں پہنچے' دو ایک مکان دیکھنے گئے مگر وہ پسند نہ آئے' میری خواہش یہ تھی کہ ایسا مکان ملتا جس میں مستورات الگ رہتیں اور مرد الگ رہتے مگر چار آدمیوں میں اس قسم کا مکان لینا ہم لوگوں کی وسعت سے باہر تھا' اس لیے میں نے حسنین میاں صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سے مل کر مشترکہ طور پر ایسے دو مکانات لے جائیں کہ مستورات کے لیے الگ اور مردوں کے لیے الگ رہائش ہو سکے' مگر مولانا خلیل احمد صاحب جدہ سے دوسری موٹر میں آئے تھے' یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں اُترے ہیں۔ ناشتے کے بعد عمرہ کرنے کے لیے ہم لوگ حرم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شریف میں حاضر ہوئے، معلم صاحب نے کسی انتہائی گنوار آدمی کو ہمارے ساتھ کر دیا تھا جسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ باب السلام کہاں ہے اور حرم میں داخلہ کے آداب کیا ہیں؟ وہ ہم لوگوں کو کسی دروازے سے اندر لے گیا اور حجر اسود کے پاس کھڑا کر کے یہ کہہ کر کہ آپ لوگ طواف کیجئے، میں اس دروازے پر بیٹھا ہوں، چلا گیا۔ جبکہ معلمین کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ پہلی بار کی حاضری میں ان کا کوئی آدمی ساتھ ساتھ رہتا ہے جو عمرے کے پورے ارکان ادا کراتا ہے۔ خیر ہم لوگوں نے از خود ہی طواف کیا، بھیڑ کم تھی، اس لیے بڑے اطمینان سے طواف ہوا، رکن یمانی کا استلام ہر پھیرے میں نصیب ہوا، البتہ حجر اسود کا بوسہ لینے میں اژدھام زیادہ تھا اور دشواری بھی تھی، اس لیے صرف ایک بار نصیب ہوا، یہ بھی اللہ عزوجل کی بہت بڑی نعمت ہے، ورنہ کتنے ہی ایسے بھی حجاج ہیں جنہیں حجر اسود کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوتی، طواف سے فارغ ہو کر ہم دونوں اس شخص کے پاس آئے، وہ ہم لوگوں کو لے کر صفا مروہ کی سعی کرائے بغیر دروازے سے باہر آ گیا اور قیام گاہ کی طرف لے چلا۔ ہم لوگ ابھی صبح ہی کو حاضر ہوئے تھے، صفا مروہ کے جائے وقوع سے واقف نہ تھے، اس لیے اس کے پیچھے چلے، انتظار کرتے رہے کہ وہ اب بتائے گا، یہ صفا ہے یہاں سے سعی شروع کرو، مگر وہ ہم لوگوں کو لیے ہوئے معلم صاحب کے گھر پہنچ گیا، اس پر مجھے تعجب ہوا اور غصہ بھی آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم لوگوں کو صفا مروہ پر کیوں نہیں لے گیا؟ سعی کیوں نہیں کرائی؟ تو اس نے کہا: جلدی کیا ہے، سعی پھر کر لیجئے گا۔ غصہ تو بہت آیا مگر ہم لوگوں نے صبر کیا، میں نے کہا: ہم ابھی سعی کریں گے، صفا مروہ پر لے چلو۔ وہ ہم لوگوں کو لے کر پھر اُلٹے قدم چلا اور مسجد حرام شریف لایا، مجھے پھر شبہہ ہوا کہ معلوم نہیں یہ کہاں لے جا رہا ہے، میں نے پھر اس سے کہا: ہم لوگوں کو صفا پر لے چلو! اس نے کہا: ہاں! صفا ہی پر لے جا رہا ہوں۔ بہرحال وہ ہم لوگوں کو لا کر صفا پر چھوڑ کر چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ میں چلتا ہوں، آپ لوگ آ جائیے گا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے سعی کی، سبحان اللہ! دیوانوں کی ایک بھیڑ ہے جو صفا مروہ کے درمیان انتہائی جوش و مستی کے ساتھ پروانوں کی طرح دوڑ رہی ہے، ہم نے بھی نیت کی اور سعی شروع کی، زندگی بھر چلتے رہے اور کبھی کبھار دوڑے بھی ہیں مگر سعی میں جو لذت تھی جو کیف تھا جو مستی تھی وہ بیان سے باہر، سعی کرنے کے درمیان ہی مولانا خلیل احمد خان مل گئے، میں نے اُن سے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ ہم سب ایک ساتھ رہیں اور اس طرح کا مکان لیا جائے، وہ بھی ہماری اس رائے پر بہت خوش ہوئے، سعی سے فارغ ہونے کے بعد ان کے ہمراہ ان کی قیام گاہ پر آئے، وہیں حجامت بھی بنوائی، دن بھر وہیں رہے، حسنین میاں تو درمیان میں چلے آئے، بعد عصر وہ آئے اور مکان کی تلاش شروع ہوئی۔ مسفلہ میں شارع حمزہ پر ۲۶ ہزار ریال میں تین کوٹھریاں طے ہوئیں جس میں ایک بڑا ہال تھا، اس میں ہم سب مرد تھے، دو کوٹھریاں تھیں، ان میں مستورات رہیں۔ کمرے میں اے سی بھی فٹ تھا اور فرنیچر بھی تھا، باورچی خانہ، غسل خانہ الگ الگ تھا، پانی کے لیے نل لگے ہوئے تھے، کوئی دقت نہیں تھی۔ جمدہ شاہی ضلع بستی کے منشی حاجی محبت علی صاحب مع اہلیہ کے بھی ہم لوگوں کے ساتھ تھے۔

اب ہم لوگوں کے دو گروپ بن گئے، ایک مولانا خلیل احمد خان صاحب پٹھان کا دوسرے میرا اور حسنین میاں اور منشی محبت علی صاحب کا۔ گروپ کا مطلب صرف یہ ہے کہ کھانے پینے کے لیے دو حصے ہو گئے، ہمارا کھانا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ الگ پکتا تھا اور مولانا خلیل احمد خان صاحب وغیرہ کا الگ۔ ہم لوگ سب بڑے اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت کے ساتھ رہے، عام طور پر حجاج کے مابین جو تم تڑاک ہو جاتا ہے اس سے ہم لوگ محفوظ رہے، میں اپنے ساتھ غلہ نہیں لے گیا، وہ لوگ کچھ غلہ لے گئے تھے، لیکن اپنی غایت مہربانی سے اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے رہے۔

زندگی کی معراج

مکہ معظمہ میں نو دن قیام کے بعد دسویں دن مدینہ طیبہ کے لیے گورنمنٹ کی بس سے ۱۱ بج کر ۰ ۳ منٹ پر چلے اور ساڑھے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سات بجے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ بس اسٹینڈ سے سامان لکڑی کے ٹھیلے پر لدوا کر مسجد اقدس کے قریب جانب شرق ایک گلی کے نکڑ پر رکھا گیا' مولانا خلیل احمد خان صاحب مکان کی تلاش میں نکلے' اسی اثناء میں عشاء کی نماز بھی ہوگئی' قریب ہی شارع رومیہ میں دار طیبہ نام کی بلڈنگ میں دو کمرے چھتیس سوریال میں لیے گئے' ایک میں مردوں نے قیام کیا' دوسرے میں عورتوں نے۔ مکان پر پہنچنے کے بعد جب اطمینان ہوا تو مسجد اقدس کے دروازے بند ہو چکے تھے' اس وقت حاضری نہ ہو سکی' ارادہ یہی تھا کہ رات کے پچھلے پہر نہا دھو کر کپڑے بدل کر بارگاہِ اقدس میں حاضری دیں گے' اس اثناء میں کہیں سے گنبد خضریٰ کی بھی زیارت نہ ہو سکی' لیکن ہوا یہ کہ مجھے شدید نزلہ کی شکایت تھی' کسی چائے کی دوکان کی تلاش میں نکلا' گلی میں سیدھے جنوب کی طرف چلا گیا' اس گلی کے باہر وہ وسیع میدان ہے جو مسجد اقدس اور جنت البقیع کے درمیان ہے' میں اس میدان میں نکل گیا' جب دائیں طرف مڑا' نظر اٹھائی تو سامنے گنبد خضریٰ اپنی پوری زیبائیوں اور عظمتوں کے ساتھ جلوہ فرما تھا' نظر پڑتے ہی میں پہلے ہکا بکا رہ گیا اور صلوٰۃ وسلام بھی نہ عرض کر سکا' کچھ دیر تک سکتے وخود فراموشی کا عالم رہا' بدن کانپتا رہا' کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو میں نے دست بستہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شروع کیا' انتہائی خوشی میں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا' روتا جاتا' صلوٰۃ وسلام عرض کیے جاتا' اس وقت کی کیفیت ایسی تھی کہ نہ وہاں سے قدم آگے بڑھانے کی جرأت ہوتی تھی اور نہ پیچھے ہٹانے کو جی چاہتا تھا' میں شاید یونہی رہ جاتا کہ ایرانی غول بیابانی کی طرح میرے قریب سے گزرے اور ان وحشیوں نے مجھے دھکا دے دیا' اتنے زور سے کہ میں گرتے گرتے بچا اور وہ سلسلہ ٹوٹ گیا' ان ناپاکوں کے ساتھ جسم کے مس ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے قبل والا رابطہ اس وقت پیدا نہ ہو سکا' کچھ دیر کے بعد میں چائے کی تلاش میں چلا گیا۔

چائے پی کر قیام گاہ پر آیا اور سونے کے لیے لیٹا' اس کے باوجود کہ سفر کی تکان تھی' بس اسٹینڈ سے قیام گاہ تک پیدل آنے کا بھی اثر تھا' مگر نیند کوسوں دور تھی' کبھی اپنی اس فیروزہ بختی پر خوشی کی لہر آتی کہ کہاں میں اور کہاں یہ ارضِ پاک' کبھی یہ خیال کہ اپنا یہ سیاہ منہ داغدار دامن لے کر سرکار کی بارگاہ میں کیسے حاضر ہوں! انتہائی ندامت سے پسینے میں شرابور ہو گیا' کبھی ان کی رحمت بے پناہ کا تصور کر کے اپنے اس ہراس وندامت کو دور کرتا' اس حال میں کب تک رہا یاد نہیں' پھر نیند آ گئی' دو بجے آنکھ کھلی' سب ساتھی بے خبر سو رہے تھے' میں اٹھا اور کپڑے نکالے' خوب اچھی طرح غسل کیا' پھر پورے جسم پر خوشبو ملی' کپڑے پہنے' کپڑوں پر بھی جہاں تک ہو سکا خوشبو ملی' ایک نیا جوڑا خاص اسی وقت کے لیے اٹھا رکھا تھا' اسے پہنا' اوپر سے شیروانی پہنی۔ شیروانی پہنتے وقت یہ خیال آیا کاش کہ میں اپنے ہمراہ جبہ لایا ہوتا اور بجائے شیروانی کے جبہ پہنتا' اس لیے کہ جبہ حضور اقدس ﷺ کا لباس تھا اور شیروانی تو ماضی قریب کے ہندیوں کی ایجاد ہے' پھر سفید رنگ کا وہ عمامہ جو نور چشم ڈاکٹر محب الحق سلمہٗ نے ساتھ کر دیا تھا' باندھا۔

میں جب نہا کر غسل خانے سے نکلا تو حضرت حسنین میاں صاحب بھی بیدار ہو چکے تھے' انہوں نے بھی غسل کیا' کپڑے بدلے اور ہم دونوں ساتھ ساتھ بارگاہِ اقدس میں حاضری کے لیے چلے' بابِ جبریل سے داخل ہوئے' تہجد کی اذان ہو چکی تھی' پوری مسجد اقدس آدمیوں سے بھر چکی تھی' ہم لوگ دو صفوں کے بیچ میں ہو کر بابِ ابوبکر صدیق تک چلے گئے' کہیں کوئی گنجائش نظر نہیں آئی' مجبوراً باہر نکل کر چاروں طرف نظر دوڑائی' قریب ہی تھوڑی سی جگہ نظر آئی' ہم دونوں وہاں پہنچے' پہلے نوافل پڑھے' پھر نمازِ فجر کی اذان کا انتظار کرتے رہے' اذان کے بعد ہم دونوں نے اپنی نماز الگ پڑھی۔ ہم ابھی فرض سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ جماعت ہونے لگی' ہم لوگ نماز سے فارغ ہو کر اوراد و وظائف میں مشغول رہے' جب جماعت ہو چکی اور بھیڑ کم ہوئی تو ہم لوگ باب السلام سے مسجد اقدس میں داخل ہوئے' بھیڑ اب بھی بہت تھی' دھکے دیتے دھکے کھاتے ہم لوگ مواجہہ اقدس کی طرف چلے' تقریباً ۱۵ منٹ میں مواجہہ اقدس تک پہنچے مگر پیچھے سے لوگوں نے اتنے زور سے دھکے دیئے کہ ہم لوگ وہاں کھڑے نہ رہ سکے' دل مسوس کر رہ گئے اور پیچھے سے جو ریلا مسلسل

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چلا آرہا تھا' اسی کے دباؤ سے ہم لوگ بلا قصد واختیار باب جبریل تک پہنچ آئے' سوچا گیا کہ اب پھر واپس چلیں لیکن لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے ہم لوگ واپس نہ ہو سکے' باہر نکلے تو دیکھا کہ سیہ پوش ایرانی مرد وعورت کچھ کھڑے کچھ بیٹھے پورے میدان پر قابض ہیں' زور سے سلام پڑھ رہے ہیں' ایک شور برپا تھا' بہر حال کچھ دور جا کر ہم لوگوں کو کھڑے ہونے کی جگہ ملی' وہیں سے کھڑے کھڑے سلام عرض کیا گیا' مگر معلوم نہیں کیا بات تھی کہ رات والا کیف وسرور حاصل نہ ہو سکا' ہمارے چاروں طرف ایرانیوں کا غول بیابانی تھا' قریب ہی سر پر سیاہ پگڑی رکھے ان کا کوئی مجتہد تھا جو انہیں بلند آواز سے سلام پڑھوا رہا تھا' ابتداءً تو اس طرف کوئی دھیان نہیں گیا مگر جب ہم لوگ صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہو گئے تو میں نے سنا وہ مجتہد حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا پر سلام پڑھوا رہا تھا' جس میں اور بہت سے کلمات کے ساتھ خاص طریقے سے یہ دو کلمے بھی تھے: ''السلام عليك ايتها المظلومة. السلام عليك ايتها الشهيدة''۔

رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دروازے میں دبا دیا تھا' اس وقت وہ اُمید سے تھیں' دبنے کے صدمے سے اسقاط ہو گیا اور اسی میں حضرت سیّدہ کا وصال ہو گیا' اپنے اسی جھوٹے اعتقاد کے مطابق وہ حضرت سیّدہ کو مظلومہ اور شہیدہ بھی کہہ رہا تھا۔ یہ حقیقت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تبرا ہے' صرف اسی ایک موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے بارہا ایرانی رافضیوں کے منہ سے یہ تبرا سنا ہے۔

یہ ہے نجدی حکومت کی حق پرستی کہ رافضی علانیہ مسلسل تبرا بکیں تو ان سے کوئی پرسش نہیں لیکن اگر کوئی سنّی وارفتۂ شوق ہو کر جالیوں کو بوسہ دے دے یا منبر اقدس کو بوسہ دے دے تو اسے جھڑکتے بھی ہیں' دھکے بھی دیتے ہیں اور مار بھی دیتے ہیں۔ میں نے حرمین طیبین جا کر یہ محسوس کیا کہ وہاں آثار ومزارات کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا اور کوئی چیز جرم نہیں' ڈاڑھی منڈواؤ' فلم دیکھو' گھروں میں ٹیلی ویژن لگاؤ' اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو' گانے سنو' تصویریں کھنچواؤ' تصویریں بیچو' خریدو' کوئی چیز جرم نہیں۔ میں نے معلمین کے آفسوں میں دیکھا کہ ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں' دن رات فلمیں چلتی رہتی ہیں۔ بازاروں میں علانیہ مصر کی مشہور مغنیہ اُم کلثوم اور دنیا کے مشہور گانے والے' گانے والیوں کے' پاکستانی فلمی گانوں کے کیسٹ بکتے ہیں' ان پر کوئی پابندی نہیں۔ میں نجدی حکومت کے طرفداروں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں! قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں آنکھوں سے دیکھی' وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔ حجاج بہترین سے بہترین قرآن مجید خرید کر دونوں حرم میں رکھ دیتے ہیں' جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو بعد عشاء کوڑا پھینکنے والے ٹرکوں میں دروازوں کے باہر پڑے ہوئے چپلوں کے ساتھ قرآن مجید کی جلدوں کو بھی ٹرک میں اس طرح بھرتے ہیں جیسے کوڑا بھرا جاتا ہے' قرآن مجید کی جلدوں کو بوروں میں کس کر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور اُٹھا کر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں' پھر انہیں قرآن مجید پر ٹرک میں بیٹھتے ہیں اور لے جا کر کہیں پھینک آتے ہیں۔

حجاج میں بھی ایسے ایسے گنواروں کو دیکھا کہ قرآن مجید کا تکیہ لگائے ہوئے سو رہے ہیں مگر کسی نجدی سپاہی یا مطوی کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان گنواروں کو ٹوکتا۔ حجاج بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور گنوار قرآن کی طرف پاؤں کر کے سو رہے ہیں' مگر انہیں کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں' میں نے کئی حاجیوں کو اس پر ٹوکا' کچھ تو مان گئے کچھ جھگڑے پر آمادہ ہو گئے' غرض کہ نجدی حکومت میں یہ سب ناکردنیاں ہوتی ہیں مگر نجدیوں کے وظیفہ خوار اس پر چوں تک نہیں کرتے' آثار ومزارات کو ہاتھ لگانے' بوسہ دینے پر نجدیوں کے بے جا تشدد کا خطبہ البتہ رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔

بہر حال ایرانیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں حتیٰ کہ انہیں تبرا بکنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جالیوں میں دیکھنا شروع کیا کہ حظیرہ اقدس جالیوں سے کتنے فاصلے پر ہے اور اس کی ساخت کیسی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے کہ مجھے نجدی سپاہی نے شرک شرک حرام حرام کہہ کے دھکا دے دیا' حالانکہ میں نے جالیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا' اپنے اسلاف کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھوں کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان مقدس جالیوں کو مس کریں' مجھے بہت ہی غصہ آیا' میں نے اس بدبخت سے کہا: ''النظر الی داخل الشباك شرك حرام'' تو اس درندے نے دونوں ہاتھوں سے میرے کندھوں کو پوری طاقت سے پکڑا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ اگر وہاں زائرین کھڑے نہ ہوتے تو میں گر پڑتا' جی میں تو آیا کہ اس ظالم سے دو دو ہاتھ کرلوں' اگرچہ جانتا تھا کہ میرا کیا حال ہوگا مگر سرکار اپنے چشمانِ مبارک سے دیکھ تو لیتے کہ کفارِ قریش کے جانشین ان کے غلاموں کے ساتھ ان کے دربارِ عالی جاہ میں ان کے روبرو کتنا ستم ڈھاتے ہیں اور پھر میں جھوم جھوم کر یہ عرض کرتا:

بجرم عشق تو ام می کشند غو غائیست　　　تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشائیست

مگر پھر خیال آیا کہ یہاں جنگ و جدال اور غوغہ حرام ہے' اس لیے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا' میں کھڑا ہو کر غصہ بھری ہوئی آنکھوں سے اس موذی کو گھور رہا تھا اور وہ مجھے گھور رہا تھا' اسے اتنی تاب کہاں' پھر وہ لپک کر میری طرف بڑھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ دور گھسیٹ کر لے گیا' پھر پیچھے سے دھکا دے کر اپنی جگہ واپس آ گیا' میں نے بڑی حسرت سے بارگاہِ عرش جاہ میں عرض کیا: ''علمك بحالي كفاني عن سوالي''۔

اس کے برخلاف ایک دن دیکھا کہ بیت فاطمہ کے پاس ایک ایرانی سر پر پگڑ رکھے بیت فاطمہ میں جالیاں پکڑے ہوئے جھانک رہا تھا اور نجدی سپاہی کھڑا دیکھ رہا تھا' اسے ڈانٹا نہ پھٹکارا' میں نے بھی موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور جی بھر کے بیت فاطمہ کی زیارت کی' آٹھ بجے صبح کا وقت تھا' اچھی خاصی اندر روشنی تھی' اندر کا سارا منظر صاف نظر آ رہا تھا' آخر اس کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ ''الكفر ملة واحدة''۔ نجدی اپنے ایرانی بھائیوں کے ساتھ برادرانہ سلوک نہ کریں تو رشتۂ اخوت کی توہین ہے۔

دوبارہ حاضری

اس وقت تو ہم واپس آ گئے' پھر نو بجے حاضر ہوئے' اس وقت عام طور پر زائرین اپنی اپنی قیام گاہ پر ہوتے ہیں' مسجد اقدس اور مواجہہ مبارکہ میں بھیڑ بہت کم ہوتی ہے۔ حسبِ آدابِ زیارت باب جبریل سے داخل ہوا۔ اب کی بار حاضری کا رنگ ہی کچھ اور تھا' قدم لڑکھڑا رہے تھے' دل دھڑک رہا تھا' پورا جسم کانپ رہا تھا۔ آس و یاس' خوف و رجاء' اُمید و بیم کی وہ کشمکش کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ کبھی اپنی بداعمالیوں و بدکرداریوں پر نظر جاتی تو شرم و خجالت سے قدم بندھ جاتے۔ معاً ان کی رحمت آواز دیتی: آؤ آؤ! ع

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　　شفاعتی لاہل الکبائر من امتی

تو ہمت بندھتی' بصد شوق یہ عرض کرتا ہوا آگے بڑھتا: ''سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں''۔ چاہتا یہی تھا کہ سیدھے مواجہہ اقدس میں حاضر ہوں' اسی طرف مڑا بھی کہ نجدی سپاہی نے روک دیا اور اشارہ کیا کہ سیدھے مسجد اقدس میں جاؤ۔ دل پر ہاتھ رکھ کر یہی کرنا پڑا۔ سامنے ہی صفہ تھا' ان کے ان دیوانوں کا ڈیرہ جو دنیا و مافیہا کو خیرآباد کہہ کر ان کی دیوار تلے پڑے رہتے تھے' جگہ خالی نظر آئی' حاضر ہو کر دو رکعتیں بہت مختصر پڑھیں اور آگے بڑھا۔ اب میرے قدم اس حصے میں تھے' جو ان کے عہد مبارک میں مسجد تھا۔ سامنے ریاض الجنۃ ہے جس کی داہنی جانب منبر اقدس ہے اور سامنے ہی محراب نبوی' فرطِ مسرت میں اختیار سے باہر ہو ہو جاتا تھا' جی چاہتا کہ میں رقص کروں مگر معاذ اللہ رقص اور یہاں۔

بے ادب پامنہ ایں جا کہ عجب درگاہیست　　　باخدا دیوانہ باش و بامحمد ہوشیار

ریاض الجنۃ کے ایک ایک ستون کو دیکھا' جی چاہا کہ اسی وقت ہر ستون کے پاس دوگانہ شکرانہ ادا کروں مگر دل کی ہوک کچھ اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تھی' اس لیے محرابِ نبوی میں حاضر ہو کر دوگانہ پڑھا اور پھر منزلِ مقصود کی طرف چلا۔ ایک منٹ بھی نہ گزرا کہ میں کعبۂ مقصود مواجہہ اقدس میں حاضر تھا۔ جالیوں اور مسجد اقدس کے مابین اب بھی زائرین کا تانتا بندھا تھا' اس لیے میں کترا کر مواجہہ اقدس کے مقابل ستونوں کے درمیان کھڑا ہو گیا' معاً یہ تصور بندھا کہ سرکار سامنے جلوہ فرما ہیں اور میں روبرو حاضر ہو کر سلام عرض کر رہا ہوں۔ اب وفورِ خوشی بلکہ سرخوشی میں وہ کیفیت طاری ہوئی جس کا تحمل مشکل ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ سینے سے باہر نکل پڑے گا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ رہی تھی۔ اس بارگاہِ عرش جاہ میں نذر گزارنے کے لیے ہم غرباء کے پاس سوائے آنسوؤں کی لڑی کے اور ہے ہی کیا۔

سرکار کے جتنے بھی اسماءِ طیبات یاد آتے گئے' سب کے ساتھ سلام عرض کیا۔ پورے درود تاج کے اسماء' دلائل الخیرات کے کثیر اسماء' ان کے علاوہ اور کثیر اسماء۔ مجھے یاد نہیں کتنی دیر تک کھڑا صلوٰۃ و سلام عرض کرتا رہا' پھر حضرت صدیق اکبر کے مواجہہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اب عالم خیال میں ساڑھے چودہ سو برس پہلے مکہ کی گلیوں میں پہنچ گیا اور حضرت صدیق اکبر کی ہر ہر قربانی ہر ہر ادا یاد آتی گئی' اور جب تک پوری زندگی کا ایک ایک ورق ختم نہ ہو گیا' صلوٰۃ و سلام عرض کرتا رہا۔

اس کے بعد فطری طور پر حضرت فاروق کی طرف دامن دل کھنچا اور ان کے مواجہہ اقدس پر حاضر ہوا' یہاں بھی وہی کیفیت پیدا ہوئی۔ گھر سے شمشیر بکف نکلنے سے لے کر قیصر و کسریٰ کی شوکت و عظمت خاک میں ملا کر عظمت اسلام کا سکہ چار دانگ عالم میں بٹھایا' ابولولؤ کے حملہ اور اصحابِ شوریٰ کے انتخاب تک کے سارے واقعات ذہن کے پردوں پر اُبھرتے گئے' پھر شہادت و تدفین پر آ کر یہ سلسلہ ختم ہوا۔ اسی کے ساتھ ان پر صلوٰۃ و سلام کا بھی سلسلہ ختم ہوا' پھر آدابِ زیارت کے مطابق دونوں حضرات کے درمیان کھڑے ہو کر مشترکہ سلام عرض کرنے اور بارگاہِ اقدس میں سفارش کرنے کی انتہائی الحاح و زاری کے ساتھ درخواست پیش کرنے کے بعد پھر کعبۂ مقصود پر پلٹا' کچھ دیر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد اب درخواستیں اور احباب کے سلام پیش کرنے کی نوبت آئی۔ وفورِ مسرت کا طوفان تھم چکا تھا' بہ اطمینان عرض حاجات کرنے لگا' چونکہ زندگی کی یہ معراج میرے محسن اعظم الحاج سیٹھ ابراہیم احمد برکاتی کی عنایت سے حاصل ہوئی تھی' اس لیے سب سے پہلے ان کا اور ان کے صاحبزادے الحاج زبیر احمد کا سلام عرض کیا اور جو کچھ ہو سکا مانگا' پھر دیگر اعزہ احباب کی باری آئی' جہاں تک یادداشت نے کام کیا' سوچ سوچ کر سب کا سلام اور سب کی التجائیں پیش کیں۔ اخیر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا مشہور و معروف سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" عرض کیا اور واپس ہوا' بابِ جبریل سے باہر نکلا تو گیارہ بج چکے تھے۔

دس دن مدینہ طیبہ قیام رہا' اس اثناء میں روزانہ تقریباً ہر نماز کے بعد حاضری دیتا' نیز احد شریف' قباء' مسجد قبلتین' غزوۂ خندق کے میدان میں بنی ہوئی مساجد خمسہ و دیگر مساجد مثلاً مسجد غمامہ وغیرہ کی بھی زیارت کرتا رہا۔ جنت البقیع شریف بھی روزانہ حاضر ہوتا رہا' یہ دس دن یوں گزر گئے جیسے چند منٹ۔

واھا لسویعات ذھبت آں عہد حضور بار گہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

واپسی

میرا ارادہ تھا کہ شہداء بدر کی بارگاہ میں حاضری میں ضرور دوں گا' اس کے لیے اپنی پرائیویٹ گاڑی کی گئی۔ ۲۸ ذوالقعدہ بمطابق ۱۴ اگست بروز بدھ عصر سے قبل بہتے ہوئے آنسوؤں اور حسرت زدہ قلب و جگر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو وداع کیا' احرام کے کپڑے قیام گاہ ہی پر پہن لیے تھے۔ ذوالحلیفہ جسے اب بیر علی کہتے ہیں' آ کر عصر کی نماز ادا کی گئی اور احرام کی نیت بھی' پھر موٹر پر روانہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہوا۔ مغرب میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ بدر شریف پہنچ گئے' مغرب ادا کر کے احاطہ مبارکہ میں داخل ہوئے اور اسلام کے ان جان نثاروں کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' جن کے مقدس خون نے اسلام کو اس وقت سینچا تھا جب سوائے چند نفوسِ قدسیہ کے کوئی اسلام کا نام لیوا نہ تھا۔ وہاں سلام و فاتحہ خوانی کے بعد عشاء کی نماز پڑھی گئی اور پھر قافلہ مکہ معظمہ چلا۔ راستے میں' منزل مستورہ پر موٹر رکی' ہم سب نے کھایا پیا' ڈرائیوروں نے آرام کیا' تقریباً دو گھنٹے وہاں رُکے' اس کے نتیجے میں اڑھائی بجے مکہ معظمہ پہنچے۔

حاجی عبدالستار صاحب بٹاٹے والے کے توسط سے ایک مدنی صاحب کے یہاں میلاد شریف میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ بمبئی والے حاجی بابا کی کوششوں سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب خلف الرشید' حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق' ہمیں کھانے پر بھی مدعو کیا۔ اس طرح دو بار شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ مکہ معظمہ واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ حکومت نے امسال اپنے یہاں کے حساب سے تیس کی رویت مانی ہے اور امسال حج بتاریخ ۲۵ اگست بروز یک شنبہ ہوگا۔

جنت المعلیٰ حاضری دے چکا تھا' ابھی تک غارِ حرا کی زیارت نہیں کی تھی' بتاریخ ۱۸' اگست بروز یک شنبہ میں اور حضرت حسنین میاں صاحب اور قاری تراب علی صاحب غارِ حرا کی زیارت کے لیے گئے' وہاں پہاڑ کے دامن میں نجدیوں کے مقرر کردہ افراد ہر زبان میں مسلسل لوگوں کو اوپر جانے سے منع کرتے رہتے تھے' حرام' شرک وغیرہ سناتے رہتے' مگر میں نے دیکھا کہ نیچے سے لے کر جبل نور کی چوٹی تک آنے والوں اور جانے والوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے' ان غریبوں کی چیخ پکار کا کسی پر کوئی اثر نہیں۔

ع واعظ برس رہا ہے پئے جا رہا ہوں میں

ہم تینوں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا' حضرت حسنین میاں صاحب کا چند ماہ پہلے اپنڈ سائیٹس کا آپریشن ہوا تھا' وہ کچھ دور جا کر واپس آ گئے' مگر میں اور قاری تراب علی صاحب غار شریف تک پہنچے' یہاں بھی بھیڑ کافی تھی' نمبر لگایا' کچھ دیر کے بعد اندر جانے کا موقع مل گیا۔ غار کے اندر جاتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے میں اس دنیا میں نہیں بلکہ کسی اور ہی عالم میں ہوں' جو سراسر نور و نکہت اور رحمت ہے' دو رکعت نماز پڑھی' کچھ دعائیں مانگیں کہ پیچھے سے دوسرے امیدواروں نے دھکا دینا شروع کیا اور دل مسوس کر یہ کہتا ہوا:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

قبلہ کی طرف دراڑ میں سے باہر آ گیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ غارِ حرا سے کعبہ نظر آتا ہے' میں نے بھی نزہۃ القاری' ج ۱ ص ۲۱۰' بہ عنوان: ''حراء میں خلوت کی حکمت'' رقم: ۳' پر ان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا ہے' مگر یہ صحیح نہیں۔ غار کا منہ کعبہ شریف کے مخالف سمت ہے۔ غالباً جانب شرق' اور کعبہ وہاں سے جانب مغرب ہے' البتہ غار کی پشت سے حرم شریف نظر آتا ہے۔ میں تو ضعفِ بصارت کی وجہ سے نہ دیکھ سکا' مگر قاری تراب علی صاحب نے دیکھا اور اشارے سے مجھے بتایا۔

منیٰ کی حاضری

سنت یہی ہے کہ آٹھ ذوالحجہ کو نمازِ فجر پڑھ کر منیٰ چلا جائے لیکن حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے معلمین آٹھویں شب کو عشاء کے بعد ہی سے حجاج کو منیٰ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں' اس لیے ہم لوگوں نے بھی عشاء کے بعد ہی حج کا احرام باندھا' چونکہ طوافِ افاضہ کے بعد سعی کی صفا مروہ کے مابین بہت رش رہتا ہے' اس لیے ہم سب لوگوں نے نفلی طواف کر کے سعی بھی کر لی۔ بارہ بجے سے پہلے قیام گاہ پر آ گئے' دو بجے معلم صاحب کے دفتر پہنچے' کچھ دیر موٹر تلاش کرنے میں لگی' بالآخر موٹر ملی اور ہم لوگ نمازِ فجر کے بعد منیٰ پہنچ گئے۔ یہ دن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور رات منیٰ میں گزری' نو کو آٹھ بجے کے بعد عرفات چلے اور غالباً گیارہ بجے حاضر ہو گئے' منیٰ میں جب ہم موٹر میں بیٹھے تو معلوم ہوا کہ حضرت حسنین میاں صاحب کی پھوپھی غائب ہیں۔ حضرت حسنین میاں صاحب ان کی تلاش کے لیے موٹر سے اتر گئے' جب ہم لوگ عرفات پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسری موٹر میں یہاں آ گئی ہیں' ان کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا مگر اب حضرت حسنین میاں صاحب کی فکر ہوئی کہ وہ منیٰ میں پریشان ہوں گے' ایک گھنٹہ اسی اُلجھن میں گزرا کہ وہ بھی بارہ بجے آ گئے۔ اب اطمینان ہوا' تازہ وضو کیا اور اپنے کام میں لگ گئے۔

مگر پاس ہی کچھ حجاج ایسے بھی تھے جو گپ شب' ہنسی مذاق میں مصروف تھے جس کی وجہ سے حضورِ قلب حاصل نہ ہو سکا مگر جیسے بھی ہو سکا اپنے کو مشغول رکھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ مسجد نمرہ کی حاضری دوں مگر ساتھیوں نے بہ اصرار منع کیا کہ اولاً مسجد نمرہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے' دھوپ بھی بہت سخت ہے۔ ثانیاً واپسی میں خیمے کی تلاش مشکل ہو گی اور اگر خیمے تک نہ پہنچ سکے تو مزدلفہ پیدل جانا پڑے گا' ناچار وہیں خیمے میں نمازِ ظہر ادا کر لی' پھر مشغول ہو گیا' طے یہی کیا تھا کہ آج قیلولہ نہیں کرنا ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سونے پر مجبور ہو گیا' خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا سید حسن حیدر صاحب سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ برادر حضرت سید العلماء احرام باندھے ہوئے تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں: مفتی صاحب! آپ حج کے لیے آئے اور مجھ سے نہیں ملے' میں نے عرض کیا: سرکار! مجھے اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ حضور بھی حج کے لیے آئے ہوئے ہیں' پھر مسکرا کر فرمایا: اچھا چلتے ہیں' پھر ملیں گے۔ میں گھبرا کر اُٹھا' خواب کی اس کیفیت پر خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی' پھر میں نے تازہ وضو کیا اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کی' زبانی جتنی آیتیں و سورتیں یاد تھیں سب کی تلاوت کی' پھر کچھ اوراد پڑھے' پھر خیال آیا کہ درودِ رضویہ بھی پڑھوں' کھڑے ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے اَن گنت درودِ رضویہ پڑھا' اتنے میں عصر کا وقت ہو گیا' ساتھیوں کو جمع کر کے باجماعت نمازِ عصر ادا کی' پھر خیمے سے باہر نکل کر وقوف کیا' کچھ دیر تک کوئی خاص کیفیت نہ پیدا ہو سکی مگر پھر رحمت ایزدی اس حقیر کی جانب متوجہ ہوئی' پھر تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہیبت و جلال مجھے جلا کر خاک کر دیں گے' منہ سے چیخیں نکلنے لگیں' دھاڑیں مار مار کر رونے لگا' دعاؤں کا پڑھنا دوبھر ہو گیا' بہت دیر تک یہی حال رہا' پھر سکون ہوا' متوسط آواز سے دعائیں پڑھنے لگا' اتنے میں کسی نے کان پر منہ رکھ کر کہا: دعائیں بلند آواز سے پڑھیے تاکہ آپ سے سن کر ہم لوگ بھی پڑھیں۔ میں ابتداءً میدان میں اکیلا ہی کھڑا تھا' اب مڑ کے دیکھا تو دس بارہ آدمی میرے پیچھے کھڑے ہیں' جن میں کسی سے بھی میں آشنا نہ تھا' معلموں کی طرح میں بلند آواز سے دعا کا ایک ایک جز پڑھتا' پھر وہ لوگ پڑھتے' اس میں ایک نیا کیف نئی لذت محسوس ہوئی۔ میں اسی عالم سرشاری میں تھا کہ ساتھیوں میں سے کسی نے آواز دے کر کہا کہ چلیے! ورنہ موٹر میں جگہ نہیں ملے گی' میں نے دعا تقریباً ختم کر لی تھی جو باقی تھی' اسے پورا کیا' اخیر میں حاجی ابراہیم صاحب کے لیے خصوصاً اور اپنے سب اعزہ و احباب کے لیے عموماً مختصر دعا کر کے مڑا تو دیکھا خیمہ خالی ہے' سب ساتھی موٹر پر جا چکے ہیں' پیچھے کھڑے رہنے والے سب آدمیوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور حج کی مبارک باد دی' میں نے بھی ان لوگوں کو مبارک باد دی اور گیٹ کی طرف بڑھا اور سامنے کھڑی ایک موٹر میں بیٹھ گیا' بیٹھنے کے بعد مڑ کے دیکھا تو سب ہمراہی اسی موٹر میں تھے' غروبِ آفتاب میں بھی بیس پچیس منٹ باقی تھے' میں نے اس وقت کو بھی رائیگاں نہیں جانے دیا' غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹے بعد بس اسٹارٹ ہوئی' مزدلفہ پہنچے' میں اور حسنین میاں اور مستورات موٹر سے اُتر کر مزدلفہ کے میدان میں گئے' میں نے یہ سوچ کر کہ سرکار حسن میاں صاحب مدظلہ نے ملاقات کا وعدہ کیا ہے۔ شاید وہ اپنوں کی بھیڑ میں نہ تشریف لائیں' تنہا کہیں اجنبیوں میں رہوں تو ممکن ہے کرم فرمائیں' ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایک نامعلوم سمت چل پڑا' ایک جگہ خالی دیکھ کر چادر بچھائی' قریب ہی نل تھا' وضو کر کے نمازِ مغرب اور عشاء پڑھی' نماز و ن

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے فارغ ہونے کے بعد دیکھا کہ کچھ اور لوگ آ گئے ہیں، ان میں ایک صاحب دمہ کے مریض تھے انہیں کھانسی آئی اور بہت سا بلغم میرے قریب ہی تھوک دیا اس لیے میں وہاں سے بھی اُٹھا اور کسی اور جگہ کی تلاش میں نکل پڑا، کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ کافی میدان خالی تھا، کچھ لوگ کنکریاں چن رہے تھے، میں نے بھی وہیں سے کنکریاں چنیں، پھر چادر بچھا کر تھوڑی دیر لیٹ گیا، لیکن نیند نہیں آئی، نیند آتی بھی کہاں سے، ایک گنہگار سیہ کار بندہ جبار و قہار معبود کی بارگاہ میں حاضر ہے، لاکھوں لاکھوں کی بھیڑ ہے، معلوم نہیں کسے قبول کیا جائے گا اور کسے دھتکارا جائے گا، مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کس گروہ میں ہوں، گھر بار چھوڑا، اعزہ اقرباء چھوڑے، سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں حاضر ہوں، پتہ نہیں کس گروہ میں ہوں، گھبرا کر اُٹھ بیٹھا، اللہ نے توفیق دی، اس کی یاد کی، اسی عالم میں ایک بے اختیار نگاہ اوپر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ احرام باندھے قبلے کی طرف سے چلے آ رہے ہیں، میں اُٹھ کھڑا ہوا، چاہا کہ آگے بڑھ کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں، مگر قدم جیسے بندھ گئے تھے، یہاں تک کہ آنے والے بزرگ بہت قریب آ گئے، اب یہ دیکھتا ہوں کہ وہ مفتی اعظم نہیں کوئی اور بزرگ ہیں، انہوں نے آتے ہی سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا، مگر میرے ہوش و حواس غائب تھے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے! مجھے نہ تو ان کی دست بوسی کا خیال رہا اور نہ یہ ہو سکا کہ بیٹھنے کی درخواست پیش کرتا، انہوں نے خود ہی مسکرا کر فرمایا: اجازت ہو تو آپ کی چادر پر بیٹھ جاؤں! میں نے عرض کیا: ضرور ضرور تشریف رکھیں، یہ میری سعادت ہے۔ بیٹھنے کے بعد مجھ سے میرا نام، وطن، مشغلہ دریافت کیا، میں نے سب کچھ اختصار کے ساتھ عرض کر دیا، پھر میں نے ان سے ان کا نام وغیرہ پوچھا تو فرمایا: نام پوچھ کے کیا کیجئے گا میں سیلانی آدمی ہوں، آج یہاں کل وہاں، میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے! پھر میں نے عرض کی: دعائے مغفرت فرمائیں! تو کہا: ''اللّٰھم اغفر لاخی ھذا'' بار بار اس کی تکرار فرمائی، پھر اچانک کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اب ہم چلتے ہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے آ گئے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! اور تیزی سے جانب قبلہ بڑھے، مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ انہیں کھڑا دیکھتا رہا، یہ بھی خیال نہ ہوا کہ کب ملنے کا وعدہ فرمایا تھا یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے۔

بہت دیر تک غور کرتا رہا کہ یہ کون بزرگ تھے اور کیا قصہ ہے! مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ یہ میری خوش بختی تھی کہ کسی اللہ والے نے مجھ بے مایہ پر کرم فرمایا، اس خوشی میں بہت دیر تک مگن رہا، پھر اپنے کام میں لگ گیا، جب صبح صادق کے وقت توپ کی فائر ہوئی اور پورے میدان میں جگہ جگہ اذانیں ہونے لگیں تو پھر میں نے تازہ وضو کیا، نمازِ فجر پڑھ کر وقوف کے لیے کھڑا ہو گیا، اپنے اور اپنے اعزہ کے لیے جتنی ہو سکیں دعائیں کیں، پھر قریب طلوع آفتاب پیدل ہی منیٰ کی طرف چل پڑا، پیدل چلنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ وادئ محسر میں تیز رفتاری سے چلنے کی سنت ادا ہو گئی، منیٰ پہنچ کر پولیس سے پوچھ کر اپنے معلم کے خیمے میں آیا۔ جب میں خیمے میں آیا تو اپنا خیمہ تلاش کرتے ہوئے ایک طرف جا رہا تھا کہ حاجی صفدر حسین صاحب بمبئی والے نے آواز دی اور بہ اصرار اپنے خیمے میں لے گئے، پھر بہ اصرار کھانا کھلایا، چائے پلائی، انہوں نے قربانی کے لیے کسی کمپنی کو پیسے دے دیئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہم لوگ احرام کب کھولیں اور کنکری کب ماریں؟ میں نے اُن سے کہا کہ کنکری تو آپ ابھی جا کر مار آیئے اور احرام بعد مغرب کھولیے گا، پتہ نہیں کمپنی والے کب قربانی کریں، پھر میں اپنے خیمہ میں آیا، ابھی تک میرے خیمہ میں کوئی نہیں پہنچا تھا، میں چادر بچھا کر لیٹ گیا، کچھ دیر کے بعد ساتھی آنے لگے۔ عصر کے بعد کنکری مارنے کے لیے ہم لوگ گئے، اس سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھی مذبح گئے، میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ مذبح جانے کی ہمت نہ کر سکا۔ قاری تراب علی صاحب کو پیسے دے دیئے اور میں وہاں سے واپس ہو کر مسجد خیف میں حاضر ہوا، نمازِ مغرب پڑھی، عشاء تک حاضر رہا، عشاء پڑھ کر خیمہ میں آیا، لوگ قربانی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کر کے
واپس آ چکے تھے' احرام بھی کھول چکے تھے' میں نے بھی سر منڈایا اور احرام کھول دیا' نہا کر سو گیا' بہت گہری نیند آئی' یہاں تک کہ صبح تک سوتا ہی رہا۔

آج ۱۱' ذوالحجہ کو مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور طواف افاضہ کیا' حرم شریف کا پورا صحن' مسجد حرام کے دالان حجاج سے بھرے ہوئے تھے' آدمیوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر کعبہ کے گرد دیوانہ وار طواف کر رہا تھا' بھیڑ دیکھ کر میری ہمت جواب دے گئی مگر طواف کرنا ہی تھا' اپنے مشائخ سلسلہ سے استعانت کر کے بھیڑ میں گھس گیا اور طواف شروع کر دیا' جدوجہد کر کے کعبہ شریف کے بالکل قریب پہنچ گیا' یہاں تک کہ کبھی کبھی میرے اور کعبہ کے درمیان کوئی حائل نہ رہتا' دو پھیرے حطیم کی دیواروں سے لگ کر کیے' پچیس منٹ میں طواف سے فارغ ہو گیا' اس وقت میرے ساتھ صرف قاری تراب علی صاحب تھے' طواف کے بعد ہم دونوں مسجد حرام کی چھت پر چڑھ گئے۔ وہاں سے طواف کرنے والوں کا منظر دیکھ دیکھ کر روح جھوم جھوم اٹھتی۔ ہم لوگ بہت دیر تک یہ منظر دیکھتے رہے' پھر قیام گاہ پر آئے اور عصر کے بعد پھر منٰی پیدل چلے' اس وقت جمرات پر بھیڑ بہت کم تھی' اطمینان سے بہ طریق مسنون و مستحب تینوں جمرات پر کنکریاں ماری گئیں اور خیمے میں واپس ہوئے۔

۱۲ ذی الحجہ کو سوائے کنکری مارنے کے اور کوئی کام نہیں تھا' اس لیے ناشتے کے بعد مولانا افتخار احمد صاحب سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ' مبارک پور سے ملنے کے لیے چلا گیا۔ ریاض میں رہتے تھے' مع اپنے بال بچوں کے حج کے لیے آئے تھے' ان سے ملاقات کے بعد الحاج سیٹھ اسماعیل جانی اور حاجی عبدالستار بٹاٹے والے سے ملنے کے لیے گئے' ان سے ملاقات کر کے حضرت علامہ اختر رضا صاحب ازہری جانشین مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضری کا سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت خود ہی کرم فرماتے ہوئے تشریف لائے' دوپہر کا وقت اسی میں بیت گیا' کھانا کھا کر میں چاہتا تھا کہ کچھ دیر آرام کروں کہ سب ساتھیوں نے یک بیک رمی جمرہ کا پروگرام بنالیا' میں نے سب کو منع کیا مگر کوئی نہیں مانا۔ خیمے میں صرف حضرت حسنین میاں کی والدہ ماجدہ اور ان کی پھوپھی صاحبہ رہ گئیں' میں نے طے کر لیا تھا کہ بعد عصر کنکری مارنے جاؤں گا' پھر پیدل مکہ معظمہ واپس ہو جاؤں گا' سب لوگ چلے گئے میں بیٹھا رہا' اتنے میں بریلی شریف کے کچھ حضرات ملاقات کے لیے تشریف لائے' انہوں نے مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں شرکت کی دعوت دی' میں نے قبول کر لی' پھر دوسری باتیں شروع ہو گئیں' اتنے میں اچانک میرے کانوں میں آواز آئی: جمرہ پر آؤ مجھے پانی پلاؤ۔ آواز انتہائی دردناک تھی' جیسے جاں بلب پیاسا کسی کو پکار رہا ہو۔ میں نے اس کو اپنا واہمہ سمجھا مگر تین بار یہی آواز آئی' اب میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور بریلی والوں سے معذرت کی کہ چونکہ مجھے کل ہی جدہ جانا ہے' اس لیے میں کنکری مارنے جا رہا ہوں' اور میں تیزی سے جمرہ کی طرف چلا' راستے میں مولانا خلیل احمد خان صاحب کا قافلہ بھی مل گیا' ساتھ ساتھ جمرہ پر پہنچے' سب نے جمرۂ اولیٰ کی رمی کسی طرح کر لی' اس سے فارغ ہو کر جمرۂ ثانیہ کی طرف ہم لوگ جا رہے تھے کہ مولانا خلیل احمد خان صاحب ہکا بکا ننگے سر چشمہ غائب ننگے پاؤں چلتے آ رہے ہیں اور فرمایا کہ حضرت واپس چلیے! اس وقت ہرگز کنکری نہ ماریے' میری جان بچ گئی' میں گر پڑا تھا' سمجھے ہوئے تھا کہ اب میں گیا' کلمہ تک پڑھ لیا تھا' آپ کی زیارت مقدر تھی کہ کچھ لوگوں نے ترس کھا کر مجھے اٹھایا اور میری جان بچی۔ ہمارا قافلہ منتشر ہو چکا تھا' قاری تراب علی' حاجی منشی محبت علی مع اہلیہ کا پتہ نہ تھا' باقی ماندہ لوگ واپس ہوئے' اتنے میں ایک سفید ریش بزرگ سر پر افغانیوں کی طرح عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے' میرے پاس تھرماس تھا' مجھ سے پانی مانگا' میں نے تھرماس کے ڈھکنے میں بھر کر انہیں پانی پیش کیا' وہ پینے کے لیے بیٹھ گئے' آدھا پانی پی کر مجھے واپس کر دیا' میں نے اصرار سے کہا کہ اور پی لیجیے' مگر ڈھکنا انہوں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نے مجھے تھما دیا اور کھڑے ہو گئے' میں نے باقی ماندہ پانی پیا۔ اب دیکھتا ہوں کہ ان بزرگ کا پتہ نہیں' اتنے میں میرے ساتھی آگے بڑھ چکے تھے' میں لپک کے ان کے ساتھ ہو گیا۔ طے یہ ہوا کہ اس وقت واپس چلیں' پھر شام کو آ کر کنکری ماری جائے گی۔

چونکہ میں پہلے جہاز سے گیا تھا' واپسی کے لیے بھی میرا پہلا ہی جہاز تھا جو وہاں کی تیرہ ذی الحجہ اور ہندوستان کی بارہ/۲۹ اگست بروز جمعرات تھا۔ قاعدے کے مطابق بارہ ایک بجے تک ایئر پورٹ پہنچ کر ٹکٹ کا او کے کرانا ضروری تھا' اس لیے ہم لوگ بارہ ہی کو مکہ معظمہ آ گئے۔ میں دو بجے رات کو حرم شریف میں حاضر ہوا' نمازِ فجر کے بعد طوافِ وداع کیا اور بصد حسرت و یاس بیت اللہ شریف کو آخیر سلام کر کے قیام گاہ پر آیا' ۱۲ بجے جدہ پہنچے لیکن ہمارا ہوائی جہاز رات کو گیارہ بج کر بیالیس منٹ پر جدہ سے چلا' واپسی پر نجدی ایئر پورٹ پر وہی بد نظمی اور حاجیوں کی ایذاء رسانی کی کارفرمائی تھی۔

اس کے باوجود کہ حجاج صبح ہی کو ایئر پورٹ پہنچ چکے تھے اور ۱۲ بجے تک تو تمام ہی حجاج آ گئے تھے مگر حجاج کو اندر نہیں جانے دیا گیا' جہاز چھوٹنے سے کچھ پہلے سامان اندر جانے لگا تو وہ مارا ماری وہ اُٹھا پٹخ کہ اگر قاری تراب علی صاحب میرے ساتھ نہ ہوتے تو شاید میں اندر مع سامان کے نہیں جا سکتا تھا' پھر اندر پہنچنے کے بعد قطار میں اتنی دیر تک کھڑا رہنا پڑا کہ سارے حاجی تھک کر چور ہو گئے' خیر خدا خدا کر کے ہوائی جہاز تک پہنچے۔ جہاز اسٹارٹ ہوا اور ہم ۷ بجے صبح کو (بمبئی کے ٹائم سے) بمبئی پہنچ گئے۔ ایئر پورٹ پر لینے کے لیے حاجی ابراہیم احمد صاحب برکاتی' جناب قاری سراج ازہر صاحب رضوی' عزیز مولانا ولی اللہ صاحب مع اپنے احباب کے اور عبدالرزاق بٹاٹے والے موجود تھے۔ واپسی پر بھی عطاری مسجد ہی میں قیام رہا' اب کی بار بھی ان سب احباب نے وہی کرم فرمائی فرمائی جو پہلے کر چکے تھے۔ تین دن قیام کے بعد مہانگری سے گھر واپس آ گیا۔ فالحمد للّٰه علٰی ذلك والصلٰوة والسلام علٰی حبیبه وعلٰی اٰله وصحبه وبارك وسلم۔

حج و زیارت سے مشرف تو ہو چکا مگر رہ رہ کر خیال آتا ہے:

لاکھ سکھی پی ایک ہے جو اور پی پی ہوے ۔۔۔ ناجانوں اس جھنڈ میں کون سہاگن ہوے

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ' مبارکپور' اعظم گڑھ

۶ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۸۵ء شب پنجشنبہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مقدمہ

حدیث کی اہمیت

یہ بات ہر دین دار مسلمان کو معلوم ہے کہ دین کے اصول و فروع، اعتقادیات و عملیات سب کی بنیاد قرآن و احادیث ہیں۔ اجماع اُمت اور قیاس کی جو بھی حیثیت ہے، وہ کتاب اللہ و احادیث ہی کی بارگاہ سے سند ملنے کے بعد ہے۔ اور یہ دونوں واجب الاعتقاد والعمل ہونے میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ احادیث سے انکار کے بعد، قرآن پر ایمان کا دعویٰ باطل محض ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے ایک نہیں سینکڑوں جگہ رسول کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہی قرار دیا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (النساء:۶۴) ہم نے رسول کو اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

جگہ جگہ فرمایا: اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ کہیں فرمایا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، وہ بڑا کامیاب ہوا۔ جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ ضرور گمراہ ہوا۔ کہیں فرمایا کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کے لیے بلائیں تو بلا دریغ یہ کہے کہ ہم نے سنا اور مانا۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا. (النور:۵۱) مؤمنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کر دیں تو ان کو "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہنا ہی ضروری ہے۔

جن لوگوں نے رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنے میں چون و چرا کیا، اُن کے بارے میں صاف صاف فرمادیا کہ وہ مؤمن نہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (النساء:۶۵) تیرے پروردگار کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپسی تنازعات میں تمہیں حَکَم نہ مان لیں اور پھر اس فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی کھٹک نہ پائیں اور اس کو کما حقہٗ مان لیں۝

یہاں تک کہ رسول کے پکارنے کو اللہ نے اپنا پکارنا قرار دیا۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ. (الانفال:۲۴) اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں پکاریں تو فوراً حاضر ہو۔

رسول کی نافرمانی تو بڑی بات ہے، نافرمانی کی سرگوشی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا اے ایمان والو! چپکے چپکے کوئی بات کرو تو گناہ، سرکشی اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ. (المجادلہ:۹)
رسول کی نافرمانی کی بات نہ کرو۔

حتیٰ کہ رسول کی نافرمانی کو منافقین کا طریقہ بتایا۔ فرمایا:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًاۚO (النساء:۶۱)
جب ان سے کہا جائے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ موڑ لیتے ہیںO

یہاں تک کہ دوزخی دوزخ میں حسرت سے یہ کہیں گے:

یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَاO (الاحزاب:۶۶)
جب یہ لوگ آگ میں اُلٹ پلٹ کر بھونے جائیں گے تو کہیں گے: کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتیO

یہاں تک کہ رسول کے فیصلہ کے بعد ایمان والوں کا یہ اختیار اللہ عزوجل نے سلب کر لیا کہ وہ مانیں یا نہ مانیں بلکہ انہیں سر تسلیم خم کرنا ہی ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًاO (الاحزاب:۳۶)
اور کسی مومن مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ اللہ و رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے اس معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے وہ ضرور کھلا ہوا گمراہ ہےO

رسول کی مخالفت پر بانگ دہل عذاب کی دھمکی ارشاد ہوئی:

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًاO (النساء:۱۱۵)
اس کے بعد کہ حق کا راستہ واضح ہو چکا جو بھی رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ چلے، ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں لے جائیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہےO

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌO (النور:۶۳)
جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ دنیا میں ان پر کوئی مصیبت نہ آن پڑے یا آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوںO

قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کرو، قرآن مجید نے کس طرح جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی نافرمانی پر وعید ارشاد فرمائی، رسول کے بلانے کو اللہ نے اپنا بلانا قرار دیا۔ رسول کی نافرمانی کے لیے سرگوشی بھی منع فرمائی۔ رسول کے فیصلہ کو واجب التسلیم قرار دیا۔ وہ بھی اس حد تک کہ جو رسول کے فیصلے کو نہ مانے، اس میں ذرا بھی تردد کرے وہ مومن نہیں۔ رسول کے حکم سے روگردانی کرنے والوں کو منافق فرمایا، رسول کے حکم کو اس درجہ واجب الاتباع قرار دیا کہ رسول کے حکم کے بعد نہ ماننے کا کسی مومن کو حق نہ دیا، جو نہ مانے اس کے لیے جہنم کی وعید سنائی۔ کیا یہ سب باتیں اس کی دلیل نہیں کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد واجب التسلیم ہے اسی طرح رسول کا بھی ہر فرمان واجب الاعتقاد والعمل ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کو صاف صاف سنا دیا:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًاۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّاۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا (النساء: ۱۵۰۔۱۵۱)

اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں: کچھ کو ہم مانتے ہیں اور کچھ کو ہم نہیں مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں راستہ بنالیں ○ یہ لوگ ٹھیک کافر ہیں' ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ○

تو رسول کو واجب الاتباع نہ ماننے کا مطلب ہوا ان آیتوں کا انکار اور قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ. (البقرہ: ۸۵)

کیا کچھ کتاب پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟

چند وہ احکام جو قرآن میں مذکور نہیں

غور کیجیے! بہت سے وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں' صرف حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائے اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے' مثلاً:

(۱) ''اذان'' قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں کہ نماز پنجگانہ کے لیے اذان دی جائے' مگر اذان عہد رسالت سے لے کر آج تک شعارِ اسلام رہی ہے اور رہے گی۔

(۲) ''نمازِ جنازہ'' قرآن میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں' مگر یہ بھی فرض ہے' اس کی بنیاد ارشادِ رسول ہی ہے۔

(۳) ''بیت المقدس'' کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں' مگر تحویل قبلہ سے پہلے یہی نماز کا قبلہ تھا' یہ بھی صرف ارشادِ رسول ہی سے تھا۔

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں' مگر یہ بھی عبادت ہے' اس کی بنیاد صرف ارشادِ رسول ہی ہے۔ اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی' مثلاً ایک بار جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں ایک قافلہ آ گیا' کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے' اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَیْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآىٕمًاؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (الجمعہ: ۱۱)

انہوں نے جب کھیل یا تجارت کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے' تم فرماؤ: وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے' اور اللہ کا رزق سب سے اچھا ہے ○

یہ صرف اسی بناء پر ہے کہ قرآن کی طرح ارشادِ رسول بھی واجب الاعتقاد والعمل ہے' اس میں بھی کوتاہی کی وہی سزا ہے' جو قرآن کے فرمودات میں کوتاہی کی ہے۔

قرآن کا ماننا رسول (ﷺ) کے ماننے پر موقوف ہے

علاوہ ازیں قرآن اللہ کی کتاب ہے' واجب القبول ہے' یہ کیسے معلوم ہوا؟ اللہ عزوجل نے آسمان سے لکھی لکھائی جلد بندھی ہوئی کتاب تو نازل نہیں کی اور اگر لکھی لکھائی جلد بندھی بندھائی کتاب اتارتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے' کہیں سے بھی اڑ کر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آسکتی ہے' کوئی فریب کار کسی خفیہ طریقہ سے کہیں پہنچا سکتا ہے۔ اگر جبریل یا کوئی فرشتہ لے کر آتا تو کیسے پہچانتے کہ یہ جبریل یا فرشتہ ہے۔ کوئی جن' کوئی شیطان' کوئی شعبدہ باز یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جبریل ہوں' میں فرشتہ ہوں' یہ اللہ کی کتاب لایا ہوں' غرضیکہ رسول کو مُطاع ماننے سے انکار کے بعد قرآن کے کتاب اللہ ہونے پر کوئی یقینی قطعی دلیل نہیں رہ جاتی' ساری دلیلوں کا منتہا یہ ہے کہ رسول نے فرمایا: یہ اللہ کی کتاب ہے' یہ جبریل ہیں' یہ آیت لے کے آئے ہیں۔ کتاب اللہ کی معرفت اور کتاب اللہ لے کر آنے والے مَلکِ مقرب جبریل کی معرفت' قول رسول ہی پر موقوف ہے۔ اگر رسول کا قول ہی نا قابل قبول ہو جائے تو کتاب اللہ کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔ غور کیجئے! رسول نے لاکھوں باتیں ارشاد فرمائیں' انہیں میں یہ فرمایا: مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا' مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی' مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی۔ سننے والے صحابہ کرام نے ان کو کتاب اللہ جانا اور مانا اور جن ارشادات کے بارے میں یہ نہیں فرمایا' احادیث ہوئیں۔ اب کوئی بتائے ایک منہ سے دو قسم کی باتیں نکلیں' ایک قسم مقبول اور دوسری مردود' یہ کس منطق سے درست ہوگا' ایک قسم کو مردود قرار دینے کا مطلب ہوگا دوسری قسم کو بھی مردود قرار دینا۔ غرضیکہ حدیث کے نا قابل قبول ماننے کے بعد قرآن کا بھی نا قابل قبول ہونا لازم ہے۔

احادیث کے بغیر قرآن کی تفسیر ناممکن ہے

علاوہ ازیں اگرچہ قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے' مگر ان میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لیے مجمل اور مُبہم ہیں' مثلاً عبادات اربعہ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج کو لے لیجئے۔ قرآن مجید میں ان سب کا حکم ہے' مگر کیا قرآن مجید سے ان عبادات کی پوری تفصیل کوئی بتا سکتا ہے۔ اگر احادیث کو نا قابلِ اعتبار ٹھہرا دیا جائے' تو پھر ان عبادات پر عمل کیسے ہوگا کیونکہ ان سب کی ہیئت' ان سب کی تفصیل احادیث ہی سے معلوم ہوئی ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''صلو کما رأیتمونی اصلی''۔ (متفق علیہ) اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

عبادات سے قطع نظر قرآن مجید کی سینکڑوں آیات وہ ہیں کہ اگر ان کی توضیح احادیث میں مذکور نہ ہوتی تو وہ لاینحل رہ جاتیں' مثلاً ارشاد ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (التوبہ:۴۰)

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا) اللہ نے ان کی اس وقت مدد کی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا' صرف دو جان سے جبکہ دونوں غار میں تھے جب رسول اپنے ساتھی سے فرماتے تھے: غم نہ کھا اللہ ضرور خود ہمارے ساتھ ہے۔

احادیث سے قطع نظر کر کے کوئی بتا سکتا ہے کہ کافروں نے کیا شرارت کی تھی؟ رسول کو کہاں سے باہر تشریف لے جانا پڑا؟ یہ ساتھی کون تھے؟ یہ غار کون سا تھا؟ اور کیوں ساتھی کو تسلی تشفی دینے کی حاجت پیش آئی؟ دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ۔ (التوبہ:۲۵) اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی۔

یہ جگہیں کون کون سی ہیں' صرف قرآن سے کوئی بتا سکتا ہے؟ اور فرمایا:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ (التوبہ:۱۱۸) ان تینوں پر اللہ کی مہربانی ہوئی جن کے معاملہ کو ملتوی فرما دیا گیا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ تینوں کون تھے؟ ان کا معاملہ کیا تھا؟ کیوں ان کا معاملہ ملتوی کیا گیا؟ کیا بغیر احادیث کے ان سوالوں کے جوابات دینا ممکن ہیں؟ اور ارشاد ہے:

لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡهِ ؕ فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا۔

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ پہلے ہی دن سے اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو اچھی طرح پاکی پسند کرتے ہیں۔ (التوبہ:۱۰۸)

یہ مسجد کون سی ہے؟ یہ لوگ کون ہیں؟ احادیث سے قطع نظر کرکے کوئی بتائے تو؟

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ قرآن میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ اگر احادیث میں ان کی توضیح نہ ہوتی تو ان کا ابہام کسی طرح دور ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کے بعد قول رسول کو حق نہ تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

منکرین حدیث کی دلیل اور اس کا مفصل ردّ

اسی وجہ سے عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام اُمت بلا نکیر منکر قرآن کی طرح احادیث کو واجب الاعتقاد، واجب العمل مانتی چلی آئی ہے، البتہ اس زمانے میں بعض کلمہ گوئی کا دعویٰ کرنے والے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو احادیث کو ناقابل قبول مانتے ہیں، لیکن دیگر بدمذہبوں کی طرح دامن بچا کر یوں کہ قول رسول ضرور حجت ہے، مگر آج جو احادیث کا ذخیرہ ہے وہ رسول کے اقوال و اعمال کا مجموعہ نہیں۔ یہ عجمی نومسلموں نے سازش کرکے اپنی من مانی باتوں کو رسول کی طرف منسوب کر دیا ہے، یہ قطعاً لائق اعتبار نہیں۔

اپنے اس دعویٰ پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آج احادیث کے جو دفتر ملتے ہیں ان میں کوئی بھی نہ عہد نبوی میں مرتب ہوا نہ عہد صحابہ میں، حتیٰ کہ عہد تابعین میں بھی مرتب نہ ہوا، یہ سب دفاتر دوسری تیسری صدی اور اس کے بعد مدوّن کیے گئے ہیں، اتنی لمبی مدت تک لاکھوں لاکھ احادیث یاد رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں، اور عجیب بات ہے کہ اکثر محدثین عجمی النسل ہیں۔ امام بخاری بخارا کے، امام مسلم نیشاپور کے، امام ترمذی ترمذ کے، ابوداؤد سجستان کے، ابن ماجہ قزوین کے باشندے تھے، اور یہ وہ مسلم الثبوت محدثین ہیں کہ فن حدیث میں ان کی ہر بات حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ منکرین حدیث کے اس دعوے کی بنیاد اس پر ہے کہ دوسری صدی سے پہلے احادیث لکھی نہیں گئیں، صرف زبانی یادداشت پر اعتماد رہا۔ اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ احادیث کی کتابت کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہوا ہے اور ہر دور میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا تو ان کے دعوے کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا، اس لیے ہم پہلے ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کتابت حدیث کا کام عہد رسالت ہی سے شروع ہو چکا تھا اور ہر عہد میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سینکڑوں احادیث لکھیں، ان کے مجموعے کا نام صادقہ تھا۔ (بخاری، اصابہ، طبقات ابن سعد)

(۲) احادیث کا ایک مجموعہ حضرت انس نے لکھا تھا۔ (بخاری، تدریب الراوی)

قتادہ روایت کرتے ہیں:

كان يملي الحديث حتى اذا اكثر عليه الناس جاء بمحمال من كتب القاها ثم قال هذه احاديث

حضرت انس حدیث لکھوایا کرتے تھے، جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو وہ کتابوں کا صحیفہ لے کر آئے اور لوگوں کے سامنے رکھ کر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سمعتها وكتبتها عن رسول الله وعرضتها عليه. فرمایا: یہ وہ احادیث ہیں جنہیں میں نے رسول اللہ سے سن کر لکھا ہے اور آپ کو پڑھ کر سنا بھی دی ہیں۔ (تفسیر العلم ص ۹۵۔۹۶)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھوائی تھیں۔ یہ ذخیرہ ان کے صاحبزادے کے پاس تھا۔ (جامع بیان العلم)

(۴) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب میں احادیث کو جمع فرمایا تھا' جس کا نام ہی کتاب سعد بن عبادہ تھا' یہ کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں رہی۔ (مسند امام احمد)

(۵) حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ نے بھی دفتر کے دفتر احادیث لکھی یا لکھوائی تھیں۔ (فتح الباری)

ہمام ابن منبہ کا صحیفہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے انہیں دفتروں سے نقل ہوا تھا' اب چھپ بھی گیا ہے' جس کی اکثر احادیث بخاری' مسلم' مسند امام احمد میں بعینہ بلفظہٖ موجود ہیں۔

(۷) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ تیار کیا تھا: تہذیب' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے:

بينما نحن حول رسول الله نكتب. اس وقت کہ ہم لوگ حضور کے اردگرد بیٹھے لکھ رہے تھے۔

(دارمی۔ص ۶۸)

اس سے ظاہر ہوا کہ عام طور پر کچھ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لکھا کرتے تھے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کے صحائف کا ذکر ملتا ہے۔

الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ص ۱۰۰ پر ہے:

يروى عن عبد الله بن عمر كان اذا خرج الى السوق نظر فى كتبه وقد اكد الراوى ان كتبه كانت فى الحديث. حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ جب بازار جاتے تو اپنی کتابوں پر ایک نظر ڈال لیا کرتے۔ راوی نے بتاکید یہ بات کہی ہے کہ یہ کتابیں حدیث کی تھیں۔

حضرت ابن عباس کے چند صحیفے تھے' طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے تاکہ وہ ان لوگوں کو ان میں تحریر کردہ احادیث سنا دیں' اس وقت حضرت ابن عباس کی بینائی کمزور ہو چکی تھی' وہ پڑھ نہ سکے۔ فرمایا: تم لوگ مجھے پڑھ کر سناؤ' تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا برابر ہے۔ (طحاوی ج ۲ ص ۳۸۴' ترمذی ج ۲ ص ۲۳۸)

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی صحیفے تھے جو انہوں نے عہد نبوی میں لکھتے تھے' اور اگر مان لیا جائے کہ وصال اقدس کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہوگا کہ عہد صحابہ میں احادیث لکھی گئیں اور منکرین تو مطلقاً عہد صحابہ میں بھی کتابت حدیث کے منکر ہیں۔

"نحن نكتب" سے اشارہ ملتا ہے کہ اس خدمت کو ایک جماعت انجام دیتی تھی' اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے:

كان عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ناس من اصحابه وانا معهم وانا اصغر القوم فقال النبى صلی اللہ علیہ وسلم من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. فلما خرج القوم قلت كيف تحدثون عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقد سمعتم خدمت اقدس میں کچھ صحابہ تھے' میں بھی تھا' میں سب سے کم عمر تھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے' پھر جب لوگ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا: حضور نے جو فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا اس کے باوجود آپ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ما قال وانتم تنهمكون في الحديث عن رسول الله ﷺ فضحكوا او قالوا يا ابن اخينا ان كل ما سمعنا منه عند نافي كتاب. (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲-۱۵۱)

کثرت سے آپ لوگ کیسے حدیثیں بیان کرتے ہیں' وہ لوگ ہنسے اور کہا: اے بھتیجے! جو کچھ ہم نے حضور سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

آنحضور ﷺ کے مکتوبات

اس کے علاوہ جستہ جستہ بہت سے احکام و مسائل کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے لکھوائے:

(۱) ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے انسانی حقوق اور مکہ کی حرمت کے مسائل بیان فرمائے' اس پر ایک یمن کے باشندے نے خواہش ظاہر کی کہ یہ احکام لکھوا کر عنایت فرمائیں' آپ نے فرمایا: ''اکتبوه لابی شاه'' یہ احکام ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔ (بخاری' ابوداؤد)

(۲) حضور اقدس ﷺ نے دیت (خون بہا) کے مسائل لکھوا کر بھجوائے۔ (مسلم شریف ص ۴۹۵)

(۳) حضور اقدس ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے پاس مردہ جانوروں کے احکام لکھوا کر بھجوائے۔ (مشکوۃ' ابوداؤد)

(۴) حضور اقدس ﷺ نے زکوۃ کے متعلق مسائل کو ایک جگہ لکھوایا تھا' جس کا نام کتاب الصدقہ تھا مگر عمال و حکام تک اسے روانہ نہ فرما سکے اور وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے عہد میں اسی کے مطابق زکوۃ وصول کرنے کا حکم جاری کیا اور اسی کے مطابق زکوۃ وصول ہوتی تھی۔ (ابوداؤد)

(۵) اسی کتاب الصدقہ کا مضمون وہ ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس کو دیا تھا' جس وقت انہیں بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس میں اونٹوں' بکریوں اور سونے' چاندی کی زکوۃ کے نصاب کی تفصیل تھی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۹۴)

(۶) حضور اقدس ﷺ نے حیاتِ مبارکہ کے اخیر ایام میں کثیر احادیث کا ایک صحیفہ لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدست یمن بھجوایا تھا۔ مؤطا امام مالک ص ۲۳۱ میں ہے کہ نبی ﷺ نے اہل یمن کے پاس ایک مکتوب حضرت عمرو بن حزم کے ہاتھ بھیجا تھا' جس میں فرائض' سنن اور دیات لکھے تھے۔

(۷) زکوۃ کے احکام پر مشتمل ایک صحیفہ ابوبکر بن حزم والی بحرین کو لکھوایا تھا۔ یہ صحیفہ دیگر امراء کو بھی بھیجا گیا تھا۔ یہ مکتوب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزم سے لے لیا تھا۔ (دارقطنی' مسند امام احمد)

(۸) زکوۃ وصول کرنے والے عاملین کے پاس کتاب الصدقہ کے علاوہ اور بھی تحریریں تھیں۔ (دارقطنی)

(۹) عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بناتے وقت فرائض' صدقات' دیات' طلاق' عتاق' نماز' مصحف شریف چھونے سے متعلق احکام پر مشتمل ایک تحریر لکھائی تھی۔ (مسند امام احمد' مستدرک' کنز العمال)

(۱۰) مختلف فرامین و احکام جو حضور اقدس ﷺ نے قبائل کو بھیجے۔

(۱۱) معاہدات کی تحریریں مثلاً صلح حدیبیہ وغیرہ۔ (ابن ماجہ' طبقات ابن سعد)

(۱۲) وہ والا نامے جو حضور اقدس ﷺ نے سلاطین و امراء کے پاس بھیجے۔

(۱۳) عبداللہ بن حکم صحابی کے پاس حضور اقدس ﷺ کی ایک تحریر تھی جس میں مردہ جانوروں کے احکام مذکور تھے۔ (معجم صغیر طبرانی)

(۱۴) نماز' روزہ' سود' شراب وغیرہ کے مسائل حضرت وائل بن حجر کو آنحضور ﷺ نے لکھوائے تھے۔

(۱۵) اُشیم نامی مقتول کی بیوی کو اپنے مقتول شوہر کی دیت دلانے کا فرمان آنحضور ﷺ نے لکھوایا تھا۔ یہ فرمان حضرت ضحاک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بن سفیان صحابی کے پاس تھا۔ (ابوداؤد دارقطنی)

(۱۶) ترکاریوں سبزیوں پر زکوۃ نہیں۔ یہ حکم نامہ لکھوا کر حضرت معاذ بن جبل کے پاس یمن بھجوایا تھا۔ (دارقطنی)

(۱۷) حضرت رافع بن خدیج صحابی کے پاس ایک مکتوب گرامی تھا' جس میں یہ مندرج تھا کہ مدینہ بھی مثل مکہ حرم ہے۔ (مسند امام احمد)

(۱۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ احکام لکھوا کر دیئے تھے جو ان کے پاس تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۱)

(۱۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: تم نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' وہ لکھ کر بھیج دو۔ چنانچہ انہوں نے کچھ احادیث لکھوا کر بھیجیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۳)

ایک شبہہ کا ازالہ...... حدیث ''لاتکتبوا عنی'' کی بحث

کچھ لوگوں کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: ''لا تکتبوا عنی من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه''[۱] قرآن کے علاوہ میری کوئی حدیث نہ لکھو' اگر لکھا ہو تو اسے مٹا دو۔

اولاً: علماء کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے فرمایا: یہ درحقیقت حضرت ابوسعید پر موقوف ہے' یعنی ارشادِ رسول نہیں' انہیں کا قول ہے۔

ثانیاً: برتقدیر صحت علامہ ابن حجر وغیرہ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

(۱) یہ ممانعت نزولِ قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے' یعنی جب قرآن نازل ہو رہا ہو' یا جب میں قرآن لکھوا رہا ہوں تو اس وقت صرف قرآن ہی لکھو۔

(۲) حدیث وقرآن کو ایک ہی چیز پر مت لکھو' ان دونوں صورتوں میں قرآن کا حدیث کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ قوی تھا۔

(۳) ممانعت کا حکم مقدم ہے' یعنی بالکل ابتدائی دور میں تھا' بعد میں جب قرآن کے ساتھ احادیث کے التباس کا خطرہ نہ رہا' احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔

(۴) اس کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہ لکھ لیں گے تو زبانی یاد نہ رکھیں گے۔ صرف کتاب کے بھروسہ پہ رہ جائیں گے' انہیں احادیث لکھنے سے منع فرمایا' اور جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہ تھا' بلکہ اطمینان تھا کہ وہ لکھیں گے تو زبانی بھی یاد رکھیں گے انہیں لکھنے کی اجازت دے دی۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

عہد صحابہ میں کتابت حدیث

یہ صحیح ہے کہ کچھ صحابہ اور کچھ تابعین احادیث لکھنے کو ناپسند کرتے تھے کہ جیسے ہم نے زبانی سن کر یاد کیا ہے' اسی طرح دوسرے لوگ بھی صرف زبانی یاد رکھیں' مگر یہ بات عام صحابہ میں نہ تھی۔

حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ علم لکھ کر مقید کر لو۔[۲] انہیں دونوں کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہی ارشاد منقول ہے' اور دارمی میں حضرت ابن عمر کا بھی' چنانچہ ان ارشادات پر عمل ہوا۔

(۱) مسلم ج ۱ ص ۲۴۶ میں ہے کہ خود حضرت انس نے محمود بن ربیع سے حضرت عتبان کی ایک طویل حدیث سنی تو اپنے صاحبزادے کو حکم دیا: اسے لکھ لو' صاحبزادے نے لکھا۔ طحاوی ج ۲ ص ۳۸۴ میں بھی مذکور ہے کہ حضرت انس نے اپنے لڑکے سے حدیث لکھوائی۔

---

[۱] مسلم۔ ج ۲ ص ۴۱۴ [۲] دارمی۔ ص ۶۸' مستدرک۔ ج ۱ ص ۱۰۶

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی احادیث لکھوا کر یا خود لکھ کر محفوظ کر دی تھیں۔ حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور احادیث کی متعدد کتابیں دکھائیں اور کہا: دیکھو! یہ سب میرے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۴)

(۳) بشر بن نہیک، حضرت ابوہریرہ کی کتابیں عاریۃً لے کر نقل کرتے۔ نقل کے بعد ان کو سناتے، سنانے کے بعد پوچھتے: میں نے آپ کو جو سنایا ہے وہ سب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ حضرت ابوہریرہ فرماتے: ہاں! (طحاوی ج ۲ ص ۳۸۵)

(۴) ابان مشہور تابعی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ساگوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ (داری ص ۶۸)

(۵) عبداللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں بیٹھ کر احادیث نبوی پوچھ کر لکھ لیتے تھے۔

(۶) حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عمر سے جو احادیث سنتا، ان کو لکھ لیتا۔ (داری)

(۷) یہی حضرت سعید بن جبیر اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں لکھا کرتے تھے، کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھتے۔ (داری ص ۱۶۹، طحاوی ج ۲ ص ۳۸۴)

(۸) حضرت ابن عمر کی مرویات خاص طور پر نافع نے جمع کیں۔ (طبقات ابن سعد وغیرہ)

(۹) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کو عروہ بن زبیر نے لکھ لیا تھا۔ (الکفایہ ص ۱۲۹)

(۱۰) حضرت جابر کی احادیث کو قتادہ بن دعامہ سروسی نے لکھ کر جمع کر لیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲)

(۱۱) حضرت ابن عباس کی مرویات کو ان کے تلمیذ کریب نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ (طبقات ج ۵ ص ۲۱۶)

عہد تابعین میں کتابت حدیث

لیکن اب تک جو بھی ہوا، انفرادی طور پر اپنے شوق و ذوق کے مطابق ہوا، پھر ان صحائف میں کوئی ترتیب نہ تھی، جن بزرگ نے جن سے جو حدیث جب سنی لکھ لی، یہاں تک کہ اس اہم و بنیادی کام پر سب سے پہلے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو توجہ ہوئی، اورانہوں نے باقاعدہ تدوین احادیث کے لیے وقت کے ممتاز افراد کو مقرر فرمایا، مثلاً ابوبکر بن عمرو بن حزم، قاضی مدینہ قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری، سعد بن ابراہیم وغیرہ۔ نیز اسی دور میں ربیع بن صبیح اور سعد بن عروبہ اور شعبی نے بھی احادیث کی تدوین شروع کر دی تھی۔

دارمی میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی مدینہ ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ احادیث رسول و احادیث عمر اور مؤطا میں اتنا زائد ہے اور ان کے مثل دیگر صحابہ کے آثار جمع کر کے لکھو کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ بخاری، کتاب العلم میں یہ زائد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے اور علم کو خوب پھیلاؤ، اور بیٹھو تاکہ جو نہیں جانتا ہے وہ سیکھے، اس لیے کہ علم اس وقت تک ضائع نہ ہوگا جب تک اسے راز نہ بنالیا جائے۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۰)

اس خادم کا خیال ہے کہ اتنا حصہ کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے''۔ حضرت امام بخاری یا کسی راوی کا اضافہ ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اور دارمی اور مؤطا میں مسنداً ہے۔ اس لیے خود امام بخاری کے طور پر دارمی اور مؤطا کی روایت مقدم ہوگی۔ خود امام بخاری نے سند کے ساتھ جو ذکر کیا ہے، وہ صرف ذہاب العلماء تک ہے۔

جب یہ فرمان ابوبکر بن حزم کے پاس پہنچا تو انہوں نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کرائے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں بارگاہ خلافت میں بھیجیں، لیکن ابھی بھیج نہیں پائے تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ۱۰۱ھ میں وصال ہو گیا۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

محدث اور امام زہری کے استاد تھے۔

احادیث میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کو بہت اہمیت ہے۔ اس لیے کہ ان سے فقہ وعقائد کے بنیادی مسائل ماثور ہیں' اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کی احادیث جمع کرنے کا زیادہ اہتمام کیا تھا۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خاص اپنی آغوش کرم میں پالا تھا۔ یہ بہت ذہین عالمہ فاضلہ تھیں۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ احادیث حضرت عائشہ کی یہ سب سے بڑی حافظہ تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی ابوبکر بن عمر ابن حزم کو خاص ہدایات کیں کہ عمرہ کے مسائل اور روایات کو قلم بند کر کے بھیجا جائے۔

ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ' جو امام زہری کے نام سے متعارف ہیں اور ان کو ابن شہاب بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ محدثین کی حدیثیں سنتے جاتے تو اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لیے رہتے' جتنا سنتے لکھتے جاتے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۰۶)

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میرا اور زہری کا زمانۂ طالب علمی میں ساتھ تھا۔ زہری نے مجھ سے کہا: آؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں لکھیں' چنانچہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں۔ (کنز العمال ج۵ ص۲۳۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مختلف دیار اور امصار سے احادیث کے لکھے ہوئے دفتر کے دفتر جمع کیے اور انہیں امام زہری کے حوالہ کیا کہ انہیں سلیقے سے مرتب کریں۔ (تدریب الراوی)

معمر کا کہنا ہے کہ امام زہری کی لکھی ہوئی احادیث کے ذخیرے کئی اونٹوں پر لادے گئے۔ امام زہری اس وقت کے اعلم علماء تھے۔ حدیث وفقہ میں ان کا کوئی مثل نہ تھا۔ تمام اجلۂ محدثین اصحاب ستہ حتیٰ کہ امام بخاری کے بھی شیخ الشیوخ ہیں۔ انہوں نے احادیث اس لگن ومحنت سے جمع کیں کہ مدینہ طیبہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جا جا کر مرد' عورت' بچے' بوڑھے جو مل جاتا اس سے حتیٰ کہ پردہ نشین عورتوں سے بھی پوچھ پوچھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال واقوال سنتے اور لکھتے۔

ان کی تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد روایات واحادیث کے صحائف ولید کے کتب خانے سے منتقل کیے گئے تو صرف امام زہری کی مرویات وتصانیف گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

امام زہری نے احادیث کے جمع کرنے کے ساتھ ان کو سند کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ ایجاد کیا' اسی واسطے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

ابن شہاب زہری نے احادیث کی جمع وترتیب وتہذیب کا جو کام شروع کیا' اسے ان کے لائق تلامذہ ہمیشہ ترقی دیتے گئے' یہاں تک کہ انہیں کے مشہور تلمیذ جلیل امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے موطا لکھی' جس میں احادیث کو فقہی ابواب کے ساتھ ترتیب وار جمع کیا۔

سعد بن ابراہیم بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ یہ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے بھی احادیث کے دفتر کے دفتر لکھوائے اور تمام بلادِ اسلامیہ میں بھجوائے۔

ہشام بن الغار کا بیان ہے کہ عطاء بن رباح تابعی (متوفی ۱۱۴ھ) سے لوگ حدیث پوچھ پوچھ کر انہیں کے سامنے لکھتے جاتے تھے۔ (دارمی ص۶۹)

سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں: میں نے نافع (متوفی ۱۱۷ھ) کو دیکھا کہ وہ حدیثیں بیان کرتے اور ان کے تلامذہ ان کے سامنے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لکھتے جاتے۔ (دارمی)

ایک شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میرے پاس آپ کی بیان فرمودہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں' کیا میں ان کی آپ سے روایت کرسکتا ہوں؟ تو انہوں نے اسے اجازت دے دی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۳۹)

حمید الطویل نے بھی حضرت حسن بصری کی کتابیں نقل کی تھیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹)

ابوقلابہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے وفات کے وقت اپنی کتابیں ایوب سختیانی کو دینے کی وصیت کی تھی' اس وصیت کے مطابق یہ کتابیں شام سے اونٹ پر لاد کر لائی گئیں۔ ایوب نے بتایا کہ میں نے اس کا کرایہ بارہ چودہ درہم دیئے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۸)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں: سالم بن ابی الجوزاء (متوفی ۱۰۱ھ) حدیثیں لکھا کرتے تھے' سالم نے بعض صحابہ کرام سے بھی حدیثیں سنی ہیں۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۳۸' دارمی ص ۶۶)

تبع تابعین کے دور میں کتابت حدیث

حضرات تابعین کے زمانہ میں لکھے گئے صحائف حدیث کے چند نمونے پیش کیے گئے' اب اس کے بعد دورِ تبع تابعین کی سیر کیجئے۔ اس عہد میں اتنی کثرت سے احادیث کے صحائف لکھے گئے کہ ان سب کا استقصاء بہت دشوار ہے۔

چند کے نام سنئے! محمد بن بشر کا بیان ہے کہ مسعر (متوفی ۱۵۵ھ) کے پاس ایک ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں' دس کے سوا سب کو میں نے لکھ لیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۷)

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے معمر (متوفی ۱۵۳ھ) سے سن کر دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۵)

حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۸)

سفیان ثوری یمن گئے تو ایک تیز لکھنے والے کاتب کی تلاش ہوئی' لوگوں نے ہشام بن یونس کو پیش کیا۔ یہ امام ثوری کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶)

ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو مشائخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔

شعیب بن حمزہ (متوفی ۱۶۳ھ) نے بہت زیادہ احادیث لکھیں۔ امام زہری بولتے جاتے اور شعیب لکھتے جاتے۔ امام احمد نے شعیب کی کتابیں دیکھ کر فرمایا کہ شعیب کی کتابیں بہت صحیح اور درست ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۰)

ابوعوانہ (متوفی ۱۶۳ھ) پڑھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے تھے' مگر جب کسی سے حدیث سنتے تو لکھوا لیتے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۹)

ابن لہیعہ نے حدیث کی بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں: میں نے عمارہ بن غزیہ کی حدیثیں ابن لہیعہ ہی کی اصل کتاب سے نقل کی تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۲۰)

سلیمان بن ہلال (متوفی ۱۷۴ھ) کی بھی کئی کتابیں تھیں' جن میں انہوں نے اپنی سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا تھا' مرتے وقت وصیت کر گئے کہ عبدالعزیز بن حازم کو دی جائیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۲۹)

حضرت عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنی لکھی ہوئی بیس ہزار احادیث لوگوں کو سنائیں۔

(تذکرہ ج ۱ ص ۲۵۴)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امام غندر (متوفی ۱۹۳ھ) کے پاس بھی اپنی مسموع احادیث کی کئی کتابیں تھیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا: ان کی کتابیں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ ابن مہدی نے کہا: ہم حضرت شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷۷)

ان شواہد سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محدثین کی عام عادت تھی جو سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے۔ اسی دور میں باقاعدہ کتب احادیث کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے، بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۲ھ) نے اور ربیع بن صبیح (متوفی ۱۶۱ھ) نے، یمن میں معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) نے کتابیں لکھیں، اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحٰق (متوفی ۱۵۱ھ) نے غزوات وسیر پر کتابیں لکھیں۔

ان کے بعد امام اوزاعی (متوفی ۱۵۴ھ) نے شام میں، امام ابن المبارک (متوفی ۱۸۱ھ) نے خراسان میں، حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں، سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں، جریر بن عبدالحمید (متوفی ۱۸۸ھ) نے رَے میں، ہشیم (متوفی ۱۸۳ھ) نے واسط میں کتابیں لکھیں۔ قریب قریب اسی دور میں امام مالک نے اپنی مشہور کتاب موطا لکھی۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں، وصال کے بعد آپ کے گھر سے بہت سے صندوق برآمد ہوئے، جن میں سے سات صرف ابن شہاب کی احادیث کے تھے۔ ابو معشر سندی (متوفی ۱۷۰ھ) نے مغازی پر ایک کتاب لکھی۔ امام شافعی کے استاذ ابراہیم بن محمد اسلمی (متوفی ۱۸۴ھ) نے موطا امام کے طرز پر ایک موطا لکھی تھی۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ موطا امام مالک سے دگنی تھی۔ (تذکرہ)

امام اعظم کے تلمیذ یحییٰ بن زائدہ کوفی (متوفی ۱۸۲ھ) نے بھی احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۴۶)

عبدالرحیم بن سلمان کنانی نے بھی کئی ایک کتابیں لکھیں۔ (تہذیب ج ۶ ص ۳۰۶)

معن بن عمران موصلی (متوفی ۱۸۵ھ) نے کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۶۵)

امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ) نے کتاب الآثار، کتاب الخراج وغیرہ تصنیف کیں۔

امام محمد نے موطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ تصنیف کیں۔

ولید بن مسلم (متوفی ۱۹۵ھ) نے مختلف ابواب پر ستر سے زائد کتابیں لکھیں۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۴)

ابن وہب (متوفی ۱۹۷ھ) نے احوالِ قیامت اور جامع وغیرہ لکھیں، ایک ضخیم موطا بھی انہوں نے تصنیف کی تھی۔

حفظ حدیث کا شوق اور اہتمام

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ہے کہ رواۃِ حدیث ارشاداتِ رسول اچھی طرح سننے اور کماحقہ، یاد کرنے اور یاد رکھنے کی کتنی کوشش کرتے تھے۔

عہد نبوی میں حفظ احادیث

خود حضور اقدس ﷺ کو اس کا احساس رہتا کہ سامعین میری بات اچھی طرح سنیں اور سمجھیں۔ اسی لیے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے اور اہم باتوں کو تین بار دُہراتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثا حتی تفھم عنہ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۰)

حضور اقدس ﷺ کچھ فرماتے تو تین بار تکرار فرماتے تاکہ اسے بخوبی سمجھ لیا جائے۔

دوسری طرف صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ جب مجلس اقدس میں حاضر ہوتے تو ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح خاموش بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

جب حضور اقدس ﷺ کو اپنے ارشادات سنانے اور سننے والوں کے ذہن اور حافظے میں بٹھانے پر اتنی توجہ تھی اور خود صحابہ کرام بھی پوری توجہ سے سنتے اور سمجھتے اور یاد رکھتے تو پھر یہ خطرہ کہ صحابہ کرام نے ارشاداتِ رسول کما حقہ نہیں سنے، یا بخوبی نہیں سمجھے، یا ان کے حافظے میں نہیں آئے، ساقط ہو گیا۔

صحابہ کرام نے احادیث کو اس طرح یاد رکھا تھا کہ جس ترتیب سے مختلف اشیاء کا ذکر حضور نے فرمایا ہوتا، اسی ترتیب سے اپنے تلامذہ کو بھی یاد کرانے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کسی لفظ کا رہ جانا تو بڑی بات ہے، اگر کسی سے تقدیم و تاخیر ہو جاتی اور وہ ترتیب بگڑ جاتی تو اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ مسلم[1] میں ہے کہ حضرت ابن عمر کے سامنے کسی نے ان کی روایت کردہ حدیث "بنی الاسلام علی خمس" کو یوں پڑھ دیا: "الحج وصیام رمضان" یعنی حج کو صوم پر مقدم کر کے پڑھا تو حضرت ابن عمر نے ٹوک دیا "لا، صیام رمضان والحج" یوں نہیں! صیامِ رمضان پہلے اور حج بعد میں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ارشاداتِ رسول ﷺ کس اہتمام سے یاد رکھتے تھے کہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی حافظے میں محفوظ رہتی اور دوسروں کو اسی ترتیب سے یاد رکھنے کی ترغیب دیتے، حالانکہ اس واقعہ میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مگر ارشاداتِ رسول کی ترتیب بدل جاتی، یہ بھی حضرت ابن عمر کو گوارا نہ ہوا۔

تو پھر اس کی کہاں گنجائش کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھیں۔ اگر بالفرض کہیں شبہہ ہو جاتا کہ زبان وحی ترجمان سے کون سا لفظ نکلا تھا تو اس کو ظاہر کر دیتے، کہ یہ فرمایا تھا یا یہ، جس کی نظیر احادیث میں ہزاروں ہیں۔

اہل عرب کا حافظہ

اس سلسلے میں صحابہ کرام کی بات تو جانے دیجئے، عام اہل عرب کو قدرت نے حافظے کی قوت اتنی دی تھی کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس عہد اور اس سے پہلے عہد میں لغاتِ عرب کی کوئی ڈکشنری لکھی ہوئی نہیں تھی۔ زبان کا سارا سرمایہ بدوؤں کے حافظے میں محفوظ تھا۔ زبان عرب کتنی وسیع ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عربی زبان میں شہد کے اسی، سانپ کے دو سو، شیر کے پانچ سو، تلوار کے ہزار نام موجود تھے، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اس کے برعکس متعدد معانی رکھنے والے مشترک الفاظ کے ذخائر بھی ان کے یہاں کم نہیں۔

سنئے! "عَیْن" کے اڑتالیس معانی لکھنے کے بعد بھی اہلِ لغت نے وغیرہ وغیرہ تحریر کیا ہے۔

اسی طرح "عَجُوْز" کے ستر اکہتر معانی معلوم ہیں۔ علی ھذا القیاس!

اب غور کیجئے! جس قوم کے حافظے کا یہ حال ہو، وہ اگر اپنے سب سے بڑے محسن، پیشوا، مقتداء، رسول رب العلمین کی ہزار ہا ہزار حدیثیں لفظ بلفظ یاد رکھیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔

پھر یہ لاکھوں لاکھ حدیثیں یاد کرنے والا صرف ایک شخص نہیں، انہیں متفرق طور پر یاد رکھنے والے بھی ہزاروں ہزار ہیں۔ کسی نے

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

روایت کیں، کسی نے ہزار دو ہزار روایت کیں، کسی نے پانچ ہزار روایت کیں، مثلاً سب سے زیادہ کثیر الروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی مرویات کی تعداد صرف پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں[1] ان کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے، ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں[2] ان کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۸)

ایسے قوی الحافظہ افراد کا ہزار دو ہزار احادیث کا یاد رکھ لینا کون سی بڑی بات ہے۔ کیا ایسے شعراء نہیں گزرے ہیں کہ جنہیں زبانی ہزار ہا ہزار اشعار یاد ہوتے تھے۔

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دفعہ سن لیا پھر اسے یاد رکھنے کی کوشش نہیں کی یا اس پر کوئی توجہ نہ کی بلکہ صحابہ کرام کی عادت کریمہ تھی کہ ارشادات رسول سننے کے بعد اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ سننے کے بعد بھولنے نہ پائیں، سننے کے بعد اسے اچھی طرح حفظ کرتے، پھر بار بار اس کا دور کرتے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے تھے، جب حضور مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ آپس میں اس کا دور کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص کل حدیثیں بیان کر جاتا، سب سنتے پھر دوسرا پھر تیسرا۔ کبھی کبھی ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے اور یہ سب باری باری سناتے، جب ہم اٹھتے تو ہمیں حدیثیں اس طرح یاد ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بو دی گئی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۱)

حضرت معاویہ اپنا چشم دید حال بیان کرتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد صحابہ کرام مسجد نبوی میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کا مذاکرہ کرتے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۹۴)

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کہیں بیٹھتے تو ان کی مجلس کا موضوع یا تو احادیث ہوتیں یا قرآن کا پڑھنا اور سننا ہوتا۔[3]

اس کے باوجود کسی صاحب کا حافظہ اس بوجھ کو برداشت نہ کرتا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حافظے کو اتنا قوی بنا دیتے کہ پھر وہ کوئی بات بھول نہ پاتے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان میں مذہبی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بڑے سے بڑے حیرت انگیز محیر العقول کارنامے انجام دے لیتا ہے۔ صحابہ کرام کی مذہبی زندگی، حضور کے ساتھ ان کی وارفتگی، اور دین کی نشر و اشاعت کے ساتھ ان کی شیفتگی، رضاء الٰہی کی طلب، اور آخرت کی سرخروئی کی تڑپ کتنی تھی، اس کا اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انہوں نے اس جذبہ سے متاثر ہو کر اپنے موروثی قوی حافظے میں ہزار ہا ہزار ارشادات رسول کو جمع کر لیا تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔

عہد صحابہ میں حفظ حدیث کا منظر

صحابہ کرام نے جس ذوق و شوق سے احادیث کو سنا، یاد کیا، محفوظ رکھا، اسی ولولہ و جوش کے ساتھ پھیلایا، وہی ولولہ و ذوق و شوق اپنے تلامذہ میں بھی پیدا فرما دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا، دور کرتے رہنا، بار بار دہراتے رہنا اور (ذہن میں) حاضر رکھنا اگر ایسا نہ کرو گے تو جاتی رہیں گی۔[4] وہ یہ بھی تاکید کیا کرتے تھے کہ ہر روز کچھ حدیثیں بیان کرتے رہو۔

---

[1] عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۴ [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۳۰ [3] دارمی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت علی اپنے اصحاب سے فرماتے: احادیث ایک دوسرے سے بیان کرتے رہو' اگر ایسا نہ کرو گے تو چلی جائیں گی[1] نیز فرماتے: آپس میں ملتے رہو' احادیث کا دور کرو' اسے چھوڑ نہ دو۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود بھی اس کی تاکید اکید کرتے رہتے کہ حدیثیں ایک دوسرے سے سنتے اور ایک دوسرے کو سناتے رہو' اسی طرح وہ باقی رہ سکتی ہیں۔ (مستدرک ج ۱ ص ۹۵)

ایک دفعہ انہوں نے اپنے تلامذہ سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں اکٹھے بیٹھ کر احادیث سنتے سناتے ہو بھی یا نہیں؟ تلامذہ نے جواب دیا: جی ہاں! ہم لوگ ایسا کرتے ہیں' اگر ہمارا کوئی ساتھی حاضر نہ ہوتا اگر کوفہ کے آخری سرے پہ ہوتا تو وہیں جا کر اس سے ملتے۔ (دارمی ص ۷۹)

مشہور تابعی عطاء کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں حدیثیں سننے کے بعد اُٹھتے' پھر ان کو بار بار سنتے اور سناتے' انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھیوں میں ابوزبیر کا حافظہ سب سے اچھا تھا' اس لیے ان کو ہم سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔

(مستدرک ج ۱ ص ۹۴)

حضرت ابوسعید خزامی بھی آپس میں دورِ احادیث کیا کرتے تھے بلکہ ان کی تاکید یہ بھی تھی کہ احادیث بلفظہٖ یاد کی جائیں[2] امام زہری عشاء کی نماز کے بعد حدیث سننے سنانے کے لیے بیٹھتے تو صبح کر دیتے۔ (دارمی ص ۹۸)

عہد تابعین کا حال

تابعین نے احادیث یاد کرنے' یاد رکھنے' زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا جو جذبہ صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا' اسے اپنے تلامذہ میں پیدا کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ تابعین ہمیشہ اپنے تلامذہ' تبع تابعین کو دور کی تاکید کرتے رہتے' اور ان کے تلامذہ اس پر جی جان سے عمل کرتے۔ امام زہری' علقمہ' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ دورِ حدیث کی تاکید کرتے رہتے۔[3] اس کا اثر یہ تھا کہ مشہور محدثین کے یہاں دورِ حدیث کی مجلس رات بھر رہتی' عشاء کے بعد شروع ہوتی' اور نمازِ صبح پر ختم ہوتی۔

(دارمی ص ۱۸' تہذیب ج ۱ ص ۴۰۷)

یونس کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سننے کے بعد آپس میں ان کا دور کرتے' یہاں تک کہ اسماعیل بن رجاء کا یہ دستور تھا کہ دور کے لیے اگر کوئی نہ ملتا تو مکتب کے بچوں کو جمع کر کے ان کے آگے حدیثیں پڑھتے' تاکہ احادیث کی ضبط کی کوشش میں ناغہ نہ ہو۔ (دارمی ص ۷۸' تہذیب ج ۱ ص ۲۹۶)

ان شواہد سے یہ بات واضح ہو گئی کہ راویانِ حدیث احادیث کے محفوظ رکھنے' ان کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کے لیے کتنا اہتمام کرتے تھے۔ دنیا میں کسی فن کے حفظ و ضبط' نشر و اشاعت کی ایسی عظیم الشان تاریخ نہیں ملتی جو احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ وابستہ ہے۔

عہد تبع تابعین میں چونکہ باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اس عہد کی بہت سی کتابیں آج بھی موجود ہیں اس لیے ان پر تفصیلی گفتگو کی حاجت نہیں۔

روایت میں احتیاط

ان سب کے باوجود ایک اور اہم بات بھی ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں ایک طرف اپنی احادیث

---

[1] مستدرک۔ ج ۱ ص ۹۵ [2] دارمی' مستدرک۔ ج ۱ ص ۹۴ [3] دارمی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سننے یاد رکھنے اور انہیں کماحقہٗ دوسرے تک پہنچانے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی تھی مثلاً فرمایا:

اللّٰھم ارحم خلفائی قلنا یا رسول اللّٰہ من خلفاؤك قال الذین یاتوا من بعدی یروون احادیثی و یعلمونھا الناس[1] نضر اللّٰہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ.

(ابوداؤد، کتاب العلم، ج ۲ ص ۱۲۶، ترمذی، کتاب العلم، ج ۲ ص ۹۰)

اے اللہ! میرے جانشینوں پر رحمت نازل فرما! لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے جانشین کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، میری حدیثوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔ اس شخص کو اللہ تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی، پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک اسے پہنچائے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ ومن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار. (بخاری ج ۱ ص ۴۹۱)

میری ہر بات دوسروں تک پہنچاؤ، اگرچہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو مجھ پر بالقصد جھوٹ باندھے گا، اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

حدثوا عنی بما تسمعون ولا تقولوا الا حقاً ومن کذب علی بنی لہ بیتا فی جھنم یوقع فیہ. (طبرانی)

مجھ سے جو کچھ سنو اسے بیان کرو مگر ہمیشہ سچ کہنا، جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کے لیے جہنم میں گھر بنایا جائے گا، جس دن وہ جائے گا۔

آپ کے ارشاد کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام میں حدیثیں سننے اور جمع کرنے کا ایسا والہانہ جذبہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ جی جان سے احادیث سننے اور انہیں یاد رکھنے اور ان کی اشاعت میں لگے رہتے۔ یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ کوئی حدیث فلاں کے پاس ہے، تو سب کام کاج چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اور وہ حدیث سنتے۔

اسی بخاری، کتاب العلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ صرف ایک حدیث سننے کے لیے ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے گئے۔ یہ حال حضرت جابر کا تھا جو خود احادیث کے خزانہ تھے۔ ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں[2] اس کے باوجود ان کا یہ حال تھا۔

وہیں دوسری طرف یہ فرمایا: میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب مت کرنا، مجھ پر جھوٹ مت باندھنا، جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنمی ہے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ اجلہ صحابہ کرام اس اندیشہ کی وجہ سے احادیث بیان کرنے سے بچتے تھے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

حواریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا ارشاد اسی بخاری، کتاب العلم میں مذکور ہے۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے عرض کیا: جیسے اور لوگ احادیث بیان کرتے ہیں، آپ کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو فرمایا: بیٹے! میں ہمیشہ آنحضور کے ساتھ رہا، سفر میں بھی اور حضر میں بھی، مگر چونکہ حضور نے فرمایا ہے:

من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار. جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۱)

مطلب یہ ہوا کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ سہواً کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ حضور نے جو بات نہ کہی ہو، وہ حضور کی طرف منسوب کر دوں اس لیے احتیاط کرتا ہوں۔

---

[1] ترغیب و ترہیب، ج ۱ ص ۸۷ [2] عمدۃ القاری، ج ۱ ص ۱۵

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرًا ان النبی ﷺ قال من تعمد علیَّ کذبًا فلیتبوأ مقعدہ من النار. (بخاری ج۱ص۲۱)

بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حالانکہ یہ مکثرین حدیث میں سے ہیں، ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث مروی ہیں، پھر بھی یہ فرمارہے ہیں، ان کا طریقہ یہ تھا کہ جس حدیث کے بارے میں ذرا بھی شبہہ ہوتا کہ اچھی طرح یاد نہ، اسے بیان نہ کرتے اور فرماتے: غلطی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بیان کرتا۔ (دارمی ص۴۲)

امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر کو اس کا بہت اہتمام رہتا کہ حدیث میں ذرا بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ (تذکرہ ص۲۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا:

کان ممن یتحرٰی فی الاداء ویشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ. (تذکرہ ج۱ص۱۳)

یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، اور روایت میں بہت سختی برتتے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ یاد کرنے میں سستی کرنے پر ڈانٹتے تھے۔

''کان ممن یتحرٰی'' سے ظاہر ہے کہ یہ عادت صرف حضرت ابن مسعود کی نہیں تھی، بلکہ دوسرے حضرات کی بھی تھی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جب بوڑھے ہوگئے تو حدیث بیان کرنا بند کردیا، اگر کوئی شخص ان سے حدیث پوچھتا تو فرماتے: اب ہم بوڑھے ہوگئے اور حضور اقدس ﷺ کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ (ابن ماجہ ص۴)

حضرت ابن عمر اپنے تلامذہ کو تاکید کرتے رہتے کہ جب تم حدیث بیان کرو تو پہلے تین دفعہ اسے دُہرالو۔ (دارمی ص۷۸)

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہ تاکید یہ حکم نافذ فرمایا تھا کہ حضور اقدس ﷺ سے وہی حدیثیں بیان کی جائیں، جن پر کامل یقین ہو۔

احادیث کے حفظ وضبط کے اس اہتمام اور روایت میں اس اعلیٰ درجہ کے احتیاط کے باوجود ایسا بھی ہوتا کہ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان کرتا جو مشہور و معروف نہ ہوتی تو اس کی تائید کے لیے دوسرے حضرات کو تلاش کیا جاتا، اگر کوئی مل جاتا تو اسے تسلیم کیا جاتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ دادی کو پوتے کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں، ملے گا تو کتنا؟ حضرت صدیق اکبر نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی حدیث یاد ہو تو بیان کرے! حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دادی کو پوتے کی میراث سے چھٹا حصہ دلایا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ اس بات کو تمہارے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے؟ انہوں نے بتایا: محمد بن مسلم بھی یہ جانتے ہیں، جب محمد بن مسلم نے آکر شہادت دی تو اس کے مطابق حضرت صدیق اکبر نے فیصلہ فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۴)

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ تائید میں کوئی شاہد پیش کرو۔ حضرت ابوموسیٰ انصار کے مجمع میں گئے، انصار میں بہت سے حضرات کو یہ حدیث یاد تھی، ان میں سے ایک صاحب کو یہ ہمراہ لائے، اور حضرت عمر کے سامنے شہادت دلوائی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان فرمانا شروع کی تو فرمایا کہ ڈر لگتا ہے کہ کوئی زیادتی یا کمی نہ ہوجائے،

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مگر اس حدیث کو عمار نے بھی سنا ہے اس لیے بیان کرتا ہوں۔ عمار کو بلوا کر ان سے پوچھ لو! حضرت عمار کو بلوا کر دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ (ابوداؤد طیالسی)

مگر چونکہ احادیث دین کی بنیاد تھیں اس لیے ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا اس لیے جن احادیث پر پختہ یقین ہوتا اسے بیان کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ قرآن میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (البقرہ:۱۵۹۔۱۶۰)

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں واضح فرما دیا ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ۝ مگر جو توبہ کریں اور سنواریں اور بیان کریں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں ۝

اب ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہر عاقل فیصلہ کرے جن بزرگوں میں یہ خوف سمایا ہو کہ کوئی غلط بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا جہنم میں ٹھکانا بنانے کے مرادف ہے وہ کبھی بھی اس کی جرأت نہیں کر سکتے کہ جو بات حضور اقدس ﷺ نے نہ فرمائی ہو اور یہ لوگ حضور پر جھوٹ باندھ کر یہ کہہ دیں کہ حضور نے یہ فرمایا مگر چونکہ دین کی بنیاد احادیث پہ قائم ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنة رسوله. (مشکوٰۃ۔ص ۳۱)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ان میں اگر دونوں کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور سنت رسول۔

اس لیے دین کی بقاء کے لیے احادیث کی نشر و اشاعت ضروری تھی۔ اسی بناء پر اچھی طرح یاد ہوتے ہوئے ان کو چھپانا حرام بلکہ موجب لعنت ہے اس لیے جن صحابہ کو جو احادیث بخوبی یاد تھیں ان کو انہوں نے بیان فرمایا۔

رواۃ پر تنقید

بخوبی اچھی طرح یاد کرنے یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ عہد تابعین میں راویوں کی جرح و تعدیل جانچ پرکھ پر محدثین کی بہت کڑی نظر تھی۔ صحابہ چونکہ باجماع امت سب کے سب عادل ثقہ ہیں اس لیے ان کی ذات جرح سے بالاتر ہے۔ قرآن میں ان کے لیے فرمایا:

وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا. (الفتح:۲۶)

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اہل تھے۔

اور فرمایا:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. (التوبہ:۱۰۰)

اللہ ان سے راضی ہوا یہ لوگ اس سے راضی ہوئے۔

البتہ تابعین میں عادل غیر عادل بھی ہیں اس دور میں رافضی خارجی بلکہ معتزلی بدمذہب پیدا ہو چکے تھے اس لیے ضرورت ہوئی کہ راویوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ چنانچہ محدثین نے اس طرف توجہ کی تو راویان حدیث کے احوال پر مشتمل اسماء الرجال کا عظیم شاہکار عالم وجود میں آ گیا جس کے ذریعہ ہر راوی کے خد و خال آئینے کی طرح سامنے آ جاتے ہیں۔ مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بہ قول اس فن کی بدولت پانچ لاکھ مشہور علماء کا تذکرہ ہمیں مل جاتا ہے۔(سیرت بخاری۔ص ۴)

راوی بدعقیدہ ہے تو اس کی روایت نامقبول' راوی فاسق ہے تو اس کی روایت نامقبول' راوی نے حدیث کے علاوہ کسی اور معاملہ میں ایک بار بھی جھوٹ بولا ہے تو اس کی روایت نامقبول اور اگر اس نے کوئی حدیث گھڑ لی ہے تو پھر اس کی روایت اتنی نامقبول کہ وہ موضوع' راوی خلافِ وقار و خلافِ مروّت افعال کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول اور اگر اس کا حافظہ کمزور ہے کہ بات اچھی طرح یاد نہیں رکھ سکتا تو اس کی روایت نامقبول۔ اگر کسی کی تلقین قبول کر لیتا ہے مثلاً اس نے بیان کیا کہ یہ حدیث یوں ہے' کسی نے کہا: یوں نہیں' یوں ہے' اس نے مان لیا تو اس کی روایت نامقبول۔ راوی تمام خوبیوں کا جامع ہے' مگر جو روایت ہے وہ ثقہ راویوں کے خلاف ہے' تو اس کی روایت نامقبول۔ سب کچھ درست ہے مگر اس نے اپنی کتاب کی کما حقہ حفاظت نہیں کی تو اس کی روایت نامقبول۔ سب کچھ صحیح ہے مگر سند میں ایک راوی کا نام چھوٹ گیا ہے تو روایت نامقبول۔

دنیا میں اگر انصاف ہے تو انصاف ہی سے پوچھو کہ ان تمام پابندیوں کے بعد اور ان تمام احتیاطوں کے باوجود کیا اس کی گنجائش رہ سکتی ہے کہ کوئی غلط بات حضور اقدس ﷺ کی جانب منسوب ہو جائے' اور وہ گرفت میں نہ آئے۔

یہی وجہ ہے کہ ناخدا ترسوں نے اپنے اغراضِ فاسدہ کے پیش نظر حدیثیں گھڑی ہیں' مگر محدثین نے پکڑ لیا اور بتا دیا کہ یہ موضوع ہے' محدثین کو اس میں اتنا ملکۂ راسخہ حاصل تھا کہ جیسے ایک ماہر صراف کھوٹے کھرے سونے چاندی کو پرکھ لیتا ہے' اسی طرح یہ حضرات صحیح حدیث کو مخدوش سے الگ کر لیتے تھے۔

ایک شخص نے بڑے فخر سے کہا کہ میں نے سینکڑوں حدیثیں گھڑ کر پھیلا دی ہیں' تو جواب دینے والے نے کہا: کوئی حرج نہیں! یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل موجود ہیں' وہ چھان پھٹک کر تمہاری گھڑی ہوئی حدیث' صحیح حدیث سے الگ کر لیں گے۔

اس لیے جہاں تک عقل و انصاف اور دیانت کا تقاضا ہے' یہ ماننا پڑے گا کہ آج احادیث کے جو ذخائر موجود ہیں' ان میں مندرجہ جن احادیث کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ قابلِ اعتبار ہیں تو وہ از روئے عقل و نقل قابل اعتماد لائق اعتماد ہیں۔

خلاصۂ کلام

ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام کو احادیث کما حقہ یاد کرنے اور دوسرے تک پہنچانے کا حکم دیا' اور اس کی ترغیب دی۔

خود حضور اقدس ﷺ اس طرح ارشاد فرماتے کہ حضور کی ہر بات سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے' حتیٰ کہ اہم باتوں کو تین تین بار ارشاد فرماتے۔

صحابہ کرام جو سنتے' انہیں بلفظہٖ یاد رکھنے کی بھرپور پوری پوری کوشش کرتے اور یہی حال بعد کے راویوں کا بھی تھا۔

صحابہ کرام نے عہد رسالت ہی سے احادیث کو قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا اور ہر دور میں احادیث لکھ کر محفوظ رکھنے کا کام مسلسل جاری رہا۔

اور وہ احادیث بیان کرنے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے' وہی بیان کرتے' جن کے بارے میں انہیں اچھی طرح صحیح صحیح یاد ہونے پر اطمینان رہتا' ذرا بھی شبہہ ہوتا تو ہرگز نہ بیان کرتے۔

راوی میں کوئی ایسا نقص ہوتا جس کی وجہ سے اس کی روایت مخدوش ہوتی تو اس کو برملا ظاہر کر دیتے تھے اس بارے میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صرف انہیں راویوں کی روایات قابلِ تسلیم ہوتیں، جن میں ایسا عیب نہ ہو، جس سے روایت مجروح ہو۔

ان سب پابندیوں اور احتیاط کے باوجود اگر احادیث کا ذخیرہ غیر معتبر ہے تو پھر دنیا میں کیا معتبر ہے؟ اس پر بھی غور کرنا پڑے گا۔

رہ گیا یہ کہنا کہ یہ تمام بڑے بڑے محدثین عجمی ہی کیوں ہوئے، عربیوں میں ایسے کیوں نہ ہوئے؟ میرے خیال میں اس سے زیادہ لچر پوچ بات دنیا میں کسی نے نہیں کہی ہوگی۔ کسی بات کا صدق و کذب، لائق اعتماد ہونا نہ ہونا، عجمی اور عربی ہونے پر موقوف نہیں۔ ایک عربی جھوٹا، کذاب، جعل ساز ہو سکتا ہے اور ایک عجمی پکا سچا راست باز، دیانت دار، خدا ترس ہو سکتا ہے۔

غالباً ان لوگوں کو حضرت بلال، حضرت سلمان، حضرت صہیب اور حضرت نجاشی پر بھی اعتراض ہوگا کہ یہ لوگ کیوں مسلمان ہوئے، اور غالباً ان کی مرویات پر بھی شبہہ ہوگا۔

اگر اسلام صرف اہل عرب کے لیے خاص ہوتا تو یہ سوال اپنی جگہ کچھ وزن رکھتا، مگر اسلام عربی، عجمی، اسود، احمر، ابیض، اسمر سب کے لیے عام ہے تو پھر محدثین کے گروہ میں عجمیوں کو دیکھ کر اچنبھا کیوں ہوتا ہے۔

یہ محدثین عجمی ہیں مگر ان تمام روایات کی بنیاد عربیوں ہی پر ہے، پھر آپ کو کیا اعتراض ہے، اگر اعتراض ہے تو پھر اعلان کر دیجئے کہ غیر عرب کا اسلام میں کوئی حق نہیں، اس کے بعد پھر آپ خود اپنا شجرۂ نسب بیان کریں کہ آپ کون ہیں؟ جب عربی نہیں تو آپ کو احادیث پر کلام کرنے کا حق کہاں سے ملا؟ بلکہ آپ مسلمان کیسے ہیں، یہ تو بہ قول آپ کے بحق عرب محفوظ ہے۔

مصطلحات

حدیث

حضور اقدس ﷺ کے قول و فعل، حال اور تقریر کو کہتے ہیں، بعض حضرات اس میں تعمیم کرتے ہیں کہ صحابی اور تابعی کے اقوال و افعال، احوال و تقریرات بھی حدیث ہیں، لیکن عام شائع ذائع پہلا ہی محاورہ ہے۔ لفظ حدیث سے اوّل وہلہ میں ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل یا حال یا تقریر ہے۔

تقریر سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا، اور حضور نے سکوت اختیار فرمایا، یہ تقریر ہے۔

اثر

عام طور پر صحابی یا تابعی کے قول کو کہتے ہیں، مگر کبھی کبھی حضور اقدس ﷺ کے اقوال و افعال کو بھی اثر کہہ دیتے ہیں، جیسے ادعیہ ماثورہ۔

خبر

خبر اور حدیث اصل میں مرادف ہیں، مگر کچھ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال ہی کو حدیث کہتے ہیں اور سلاطین، امراء، حکام اور گزشتہ زمانے کے احوال کو خبر کہتے ہیں۔

اقسام حدیث

حدیث کی تین قسمیں ہیں: مرفوع، موقوف، مقطوع۔ حضور اقدس ﷺ کے قول، فعل، حال اور تقریر کو مرفوع، اور صحابی کے قول،

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فعل کو موقوف اور تابعی کے قول، فعل کو مقطوع کہتے ہیں۔

حدیث کا مرفوع ہونا کبھی صراحۃً ہوتا ہے، جیسے صحابی کا کہنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا، یا یہ کرتے دیکھا، یا کسی کا یہ کہنا کہ حضور کے سامنے فلاں نے یہ کہا یا کیا اور حضور نے انکار نہیں فرمایا، یا کسی راوی نے یہ کہا کہ فلاں نے اس کو حضور تک پہنچایا، یا مرفوع کیا۔

حکماً مرفوع یہ ہے کہ کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہا ہو، ایسی خبر جس میں عقل کو دخل نہ ہو، جسے بغیر حضور (ﷺ) سے سنے نہ جانا جا سکتا ہو، مثلاً گزشتہ واقعات کی خبر دینی یا آئندہ کے حالات بتانا، مثلاً قیامت کے احوال، ملاحم، فتن وغیرہ یا کسی فعل پر مخصوص ثواب یا عقاب کی خبر یا صحابی کا یہ کہنا کہ لوگ حضور کے زمانے میں ایسا کرتے تھے، یا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے۔

دوسری تقسیم

راویوں کی کثرت اور قلت کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں: متواتر، مشہور، عزیز، واحد۔

حدیث متواتر

وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال عادی ہو۔

مشہور

وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر قرن میں دو سے زائد ہوں۔

عزیز

وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

غریب

وہ حدیث ہے جس کا راوی کسی دور میں یا ہر دور میں صرف ایک ہو، عزیز غریب کو خبر واحد بھی کہتے ہیں۔

تیسری تقسیم

راویوں کے احوال کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

صحیح لذاتہٖ

وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل تام الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو۔ شذوذ و نکارت و جملہ عیوب سے خالی ہو۔

صحیح لغیرہٖ

جس کے اندر صحت کی شرائط میں کچھ کمی ہو اور کثرتِ طرق سے اس کی تلافی ہو گئی ہو۔

حسن لذاتہٖ

جس کے ضبط میں کچھ کمی ہو، بقیہ صحت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور اس کی تلافی نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہٖ

وہ حدیث ضعیف ہے، جس کی کثرتِ طرق سے تلافی ہو گئی ہو۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حدیث ضعیف......اور اس کی اقسام

وہ حدیث ہے جس میں صحت کی تمام شرائط یا بعض نہ پائی جاتی ہوں اور اس کی تلافی بھی نہ ہوئی ہو' اس کی چار قسمیں ہیں:

اوّل

ضعیف بضعف قریب یعنی ضعف اتنا کم ہے کہ اعتبار کے لائق ہے' مثلاً یہ ضعف اختلاط راوی' سوئے حفظ' تدلیس کی وجہ سے ہے۔ یہ متابعات وشواہد کے کام آتی ہے اور جابر سے قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

دوم

ضعیف بہ ضعف قوی و وہن شدید' جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہو' بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو' یہ احکام میں لائق احتجاج نہیں' البتہ مذہب راجح پر فضائل میں مقبول' ہاں تعدد مخارج وتنوع طرق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول۔

سوم

وہ جس کا راوی وضاع' کذاب یا متہم بالکذب ہو' یہ حدیث ضعیف کی بدترین قسم ہے' بلکہ بعض محاورات کی بناء پر مطلقاً' اور ایک اصطلاح پر اگر اس کا مدار کذاب پر ہو تو اسے بھی موضوع کہتے ہیں۔ بہ نظر دقیق ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع حکمی میں داخل ہے۔

چہارم

موضوع' یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار' حتیٰ کہ فضائل میں بھی' بلکہ اسے حدیث کہنا بہ طور مجاز ہے' حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت پندرہ طریقوں سے

کسی حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت پندرہ طریقوں سے ہوتا ہے:

اس کا مضمون قرآن عظیم یا سنت متواترہ' یا اجماع قطعی' قطعی الدلالت یا عقل صریح یا حس صریح یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ اس میں تاویل وتطبیق کا کوئی احتمال نہ رہے۔

(۷) یا اس کا معنی ایسا شنیع وقبیح ہو' جس کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ علیہ سے معقول نہ ہو' جیسے کسی فساد یا ظلم یا عبث یا بیوقوفی یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہو۔

(۸) یا اتنی بڑی جماعت جس کا عدد حد تواتر تک پہنچا ہو اور ان میں جھوٹ کا یا ایک دوسرے کی تقلید کا احتمال نہ رہے۔ اس کے کذب و بطلان کی گواہی مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسی چیز کی ہو کہ اگر وہ واقع ہوتی تو اس کی نقل وروایت مشہور ومستفیض ہو جاتی' مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتہ نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت' یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں' جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

(۱۱) یا اس کے الفاظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل اس کا مدعی ہو کہ یہ الفاظ بعینہا حضور افصح العرب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی، حضرات اہل بیت کرام علی سیدھم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جوان کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے ''لحمك لحمي و دمك دمي'' یوں ہی حضرات امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے وہ مناقب جو صرف نواصب کی روایت سے آئیں۔ روافض نے مناقب امیر المؤمنین حضرت علی واہل بیت طاہرین رضی اللہ عنہم میں تین لاکھ کے قریب حدیثیں وضع کی ہیں۔ اسی طرح نواصب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں حدیثیں گھڑی ہیں۔

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کردی ہے۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقراء تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے۔ یہ کام صرف اجلۂ حفاظ ائمہ ذی شان کا تھا، جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کردے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بہ منزلۂ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلاواسطہ بدعویٰ سماع روایت کرے، پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

افادہ..... موضوعیت کے ثبوت کے تین اور طریقے

جو حدیث ان پندرہ امور سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علماء تین طرز پر ہیں:

اوّل

انکار محض یعنی بے امور مذکورہ کہ اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں، اگرچہ راوی وضاع کذاب ہی پر مدار ہو۔ امام سخاوی نے فتح المغیث میں اسی پر جزم فرمایا، لکھتے ہیں:

مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع ولو كان بعد الاستقصاء في التفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء غير مستلزم لذالك بل لابد معه من انضمام شيء مما سياتي.

اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علم حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو تفتیش حدیث میں استقصاء تام کرے اور بایں ہمہ حدیث کا پتہ ایک کذاب بلکہ وضاع کی روایت کے علاوہ کہیں نہ ملے، تاہم اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا، جب تک کہ امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

دوم

وضاع کذاب پر تفرد ہو، ایسا وضاع کذاب جس سے عمداً نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو، وہ بھی بہ طریق ظن نہ بروجہ یقین، اس لیے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افتراء اس سے ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں، اگرچہ متہم بالکذب ہو۔ یہ علامہ ابن حجر وغیرہ علماء کا مسلک ہے۔ نخبہ ونزہہ میں ہے:

الطعن اما ان يكون بكذب الراوي بان يروي عنه ما لم يقله صلى الله عليه وسلم متعمدًا لذالك او تهمته بذلك الاوّل هو الموضوع والحكم عليه بالوضع انما هو بطريق الظن الغالب لا بالقطع اذ قد يصدق الكذوب. والثاني هو المتروك.

حدیث میں طعن کبھی راوی کے کذب کے ساتھ ہوتا ہے، اس طرح کہ اس سے وہ بات مروی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہی ہو، اور کبھی تہمت کذب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پہلی قسم موضوع ہے، کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم بہ طریق ظن غالب ہوتا ہے، نہ بروجہ یقین، اس لیے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ دوسری قسم کو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

متروک کہتے ہیں۔

سوم

بہت سے علماء جب حدیث پر سے حکم وضع اُٹھاتے ہیں' اس کی وجہ میں فرماتے ہیں: یہ کیونکر موضوع ہو سکتی ہے' حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں: موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا' یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔ (حدیث ضعیف سے لے کر یہاں تک سب فتاویٰ رضویہ' حصہ دوم' رسالہ منیر العین سے لیا گیا ہے)

اس سے متبادر ہوتا ہے کہ اگر راوی متہم بالکذب ہو تو موضوع ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے' جو حدیث ان اٹھارہ عیوب سے پاک ہو اس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ موضوع نہیں۔

شرائط راوی

عادل ہونا: عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تقویٰ کی پابندی اور خلاف مروّت حرکات سے بچنے کا ملکہ ہو' تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک' کفر' فسق' بدعت سے بچتا رہے۔ گناہِ صغیرہ سے بچنا عدالت کی شرط نہیں' البتہ صغیرہ پر اصرار سے بچنا ضروری ہے' اس لیے کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔

مروّت: اس سے مراد ایسے خسیس و رذیل کاموں سے بچے' جو اگرچہ مباح ہیں مگر وہ وقار کے خلاف سمجھے جاتے ہیں جیسے بازاروں میں کھانا' صرف تہبند باندھ کر گھومنا۔

ضبط حدیث: یعنی حدیث کو محفوظ رکھنا' اس میں کمی بیشی اور کوئی خلل نہ ہونے دینا' اس طرح کہ بوقت ضرورت بلاتردد بیان کر سکے' اس کی دو قسمیں ہیں: ضبط صدر' ضبط کتاب۔

ضبط صدر: یہ ہے کہ حدیث کو اس طرح یاد رکھے کہ جب چاہے اس کو بعینہٖ بیان کر سکے۔

ضبط کتاب: یہ ہے کہ جس کتاب میں حدیث لکھی ہے' اس کو پورے طور سے محفوظ رکھے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہونے پائے۔

اتصال سند

راوی سے لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔

اسباب طعن

دس ہیں: پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ ضبط سے' عدالت سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں: کذب' اتہام بکذب' فسق' جہالت یعنی گمنام ہونا' بدعت۔

کذب

یہ ہے کہ اس راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے بالقصد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان و افتراء کیا ہے' اگر کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ایک بار بھی قصداً حدیث گھڑی ہے تو مدۃ العمر اس کی حدیث مقبول نہ ہوگی' اگرچہ توبہ کر لے۔ بر بنائے مذہب مشہور ایسے راوی کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اتہام بکذب

یہ ہے کہ اگرچہ حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہیں، مگر وہ اور باتوں میں جھوٹا مشہور و معروف ہو' ایسے راوی کی حدیث کو متروک کہتے ہیں' ایسا شخص اگر جھوٹ بولنے سے توبہ کرے اور سچے ہونے کی عادت ڈال لے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اب جھوٹ نہیں بولتا تو اس وقت اس کی روایت مقبول ہے۔

فسق

اس سے فسق عملی مراد ہے' یعنی گناہوں سے بچے' جھوٹ بھی گناہ ہی ہے' مگر حدیث کے معاملے میں یہ طعن دیگر مطاعن سے سخت ہے' اس لیے اس کو عام گناہوں سے علیحدہ مستقل طعن کی قسم بنایا گیا۔

جہالت

یہ کہ کسی راوی کا نام نہ مذکور ہو' جیسے کوئی یوں کہے: مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی۔ اس میں طعن کی وجہ یہ ہے کہ جب راوی کا نام ہی معلوم نہیں تو یہ پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ یہ عادل ہے یا غیر عادل۔ اس کی روایت قابل قبول ہے یا نہیں۔

ایسی حدیث کو مبہم کہتے ہیں' حدیث مبہم کے مقبول و غیر مقبول ہونے میں تفصیل ہے۔

اگر یہ ابہام صحابی میں ہے' مثلاً تابعی نے کہا: مجھ سے ایک صحابی نے حدیث بیان کی تو یہ بالاتفاق مقبول ہے۔ غیر صحابی میں اگر ہے اور راوی کی عدالت و ثقہ ہونے کی صراحت نہیں تو غیر مقبول' جیسے کسی نے کہا: ایک شخص یا شیخ نے حدیث بیان کی' اور اگر صفت تعدیل و توثیق کے ساتھ ہے تو بھی عندالتحقیق نامقبول۔ ہاں! اگر یہ ابہام کسی مسلم الثبوت امام حاذق کا ہے تو مقبول ہے۔

بدعت

سے مراد یہ ہے کہ جو بات دین میں مشہور و معروف ہو کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہو' اس کے خلاف اعتقاد رکھنا' جب کہ کسی شبہہ اور تاویل کی بناء پر ہو۔ اور اگر یہ اعتقاد ضروریاتِ دین کے خلاف از راہِ عناد ہو تو کفر ہے۔ مبتدع' بدعتی کی روایت کے مقبول و مردود ہونے میں تفصیل ہے' اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہو تو بالاتفاق مردود۔ اور اگر حد کفر تک نہیں پہنچی ہے تو اگر اس کی یہ روایت بدعت کی طرف داعی یا اس کی مروّج یا مؤید ہے تو قطعاً مردود۔ اور اگر ایسی نہیں تو بھی محتاطین کا یہی طریقہ ہے کہ مبتدعین کی حدیث نہیں قبول کرتے' کبھی کبھی اس غامض طریقے سے بدمذہبی داخل کر دیتے ہیں کہ اس کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

ضبط سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں: کثرتِ غلط' فرطِ غفلت' مخالفت ثقات' وہم' سوءِ حفظ۔

کثرتِ غلط کے معنی ظاہر ہیں۔

فرطِ غفلت

اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی تلقین قبول کرے' یعنی دوسرا جو بتا دے کہ تو نے یہ سنا ہوگا' وہی مان لے۔

مخالفت ثقات

حدیث کی سند یا متن ثقہ رُواۃ کے خلاف ہو' ایسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وہم

حدیث کے یاد ہونے کا ظن غالب نہیں، پھر بھی بیان کر دیا، اگر راوی کی اس حرکت پر قرائن سے اطلاع ہو جائے تو وہ حدیث معلل ہے۔ یہ صنف بہت دقیق اور مشکل ہے، یہاں تک کہ علماء نے فرمایا: دار قطنی کے بعد کوئی ان جیسا نہیں پیدا ہوا جو حدیث کے علل قادحہ کے پہچاننے کا ان جیسا ماہر ہو۔

سوء حفظ

اس سے یہاں مراد یہ ہے کہ راوی کو نسیان کا عارضہ ہو اور اس حد تک کہ اس کی غلطی صواب پر زائد یا برابر ہو اور اگر اس کا صواب خطاء سے زائد ہے تو اس کی روایت مقبول ہے، اس لیے کہ خطاء و نسیان سے بالکلیہ کون منزہ رہا۔ حتیٰ کہ امام بخاری و امام مسلم بھی۔ سوء حفظ کا عارضہ اگر مدۃ العمر رہا تو اس کی روایت معتبر نہیں۔ بعض محدثین نے اسے بھی شاذ مانا، اور اگر اخیر عمر میں اس کا یہ عارضہ کسی وجہ سے مثلاً بیماری یا کبر سنی یا ضعف بصارت یا زوال بصارت یا کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے عارض ہو گیا تو ایسی حدیث کو مختلط کہتے ہیں، ایسے راوی کی ایسی احادیث جو سوء حفظ عارض ہونے سے پہلے روایت کی گئی ہیں اور یہ معلوم ہو تو مقبول ہیں، اور زمانہ نسیان کی معتبر نہیں۔ ہاں تعدد طرق و متابعات و شواہد سے تقویت کے بعد مقبول ہیں۔

یہ کل دس وجوہ طعن ہوئے، ان کی قوت و شدت کے اعتبار سے یہ ترتیب ہے: کذب، تہمت کذب، کثرت غلط، فرط غفلت، فسق، وہم، مخالفت ثقات، جہالت، بدعت، سوء حفظ۔ (نخبۃ الفکر)

مزید اصطلاحات

سند و اسناد

طریق حدیث کو کہتے ہیں، یعنی وہ راوی جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور سند کے ذکر کو اسناد کہتے ہیں۔

مسند

اس حدیث کو کہتے ہیں جو مرفوع ہو اور جس کی سند متصل ہو۔ یہی عام اصطلاح ہے۔ بعض محدثین ہر حدیث متصل کو مسند کہتے ہیں اگر چہ وہ موقوف یا مقطوع ہو۔ بعض محدثین ہر حدیث مرفوع کو مسند کہتے ہیں، اگر چہ وہ مرسل یا منقطع یا معضل ہو۔

متن

جہاں سند ختم ہوتی ہے، اسے متن کہتے ہیں، یعنی وہ قول یا فعل یا واقعہ جو روایت کیا گیا۔

متصل و اتصال

متصل وہ حدیث ہے جس کی روایت میں کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور یہ عمل اتصال ہے۔

تعلیق و معلق

ابتدائے سند سے اگر راوی ساقط ہو تو اس حدیث کو معلق کہتے ہیں، خواہ تمام راوی ساقط ہوں یا ایک دو، اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بخاری کی تعلیقات کی تفصیل

امام بخاری کے ابواب میں تعلیقات بہ کثرت ہیں، یہ سب حدیث متصل کے حکم میں ہیں، اس لیے کہ انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف احادیث صحیحہ ذکر کریں گے، لیکن یہ ان کی احادیث مسندہ کے حکم میں نہیں۔ بعض تعلیقات انہوں نے اس کتاب میں دوسری جگہ مسند ذکر کر دی ہیں۔ وہ بہرحال احادیث مسندہ کے مرتبے میں ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ جن تعلیقات کو جزم و یقین کے کلمات کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ اکثر صحیح ہیں۔ مثلاً یہ ذکر کیا کہ فلاں نے کہا اور جنہیں شک وضعف کے کلمات سے ذکر کیا، مثلاً یوں بیان کیا گیا، کہا گیا، روایت کیا گیا، ان کی صحت میں کلام ہے، اگرچہ بعض ان میں بھی صحیح ہیں، بایں ہمہ جب انہوں نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا تو وہ بالکل بے اصل بھی نہیں مانی جائیں گی، ضرور ان کے علم میں ان کی کچھ اصل ہوگی۔

تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری کی تعلیقات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

(۱) وہ تعلیقات جنہیں خود امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں کسی جگہ سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے، خواہ انہیں صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کیا ہو، خواہ صیغۂ تمریض کے ساتھ، صیغۂ جزم کی بہ کثرت مثالیں ہیں۔ صیغۂ تمریض کی مثال یہ ہے کہ کتاب الطب میں ہے:
''باب الرقی بفاتحة الکتاب ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم''۔ (بخاری۔ ج ۲ ص ۸۵۴)

(۲) وہ تعلیقات جنہیں امام بخاری نے اپنی کتاب میں کہیں سند متصل کے ساتھ نہیں ذکر کیا اور اسے صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کیا، مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہے، جیسے ''وقالت عائشة رضی اللّٰہ عنہا کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یذکر اللّٰہ علی کل احیانہ''۔[1] یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) ایسی تعلیق جو حسن ہو، جیسے ''قال بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اللّٰہ احق ان یستحیٰ منہ من الناس''۔
(بخاری۔ کتاب الطہارۃ۔ ج ۱ ص ۴۲)

(۴) ایسی تعلیق جو ضعیف ہو، جیسے ''قال طاؤس قال معاذ بن جبل لاھل الیمن ایتونی بعرض ثیاب خمیص او لبیس فی الصدقة مکان الشعیر والذرة اھون علیکم وخیر لاصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالمدینة''۔[2] اس تعلیق کی سند طاؤس تک صحیح اور متصل ہے، مگر طاؤس کا حضرت معاذ سے سماع ثابت نہیں، اس لیے معمولی ضعف کے ساتھ ضعیف ہے۔

(۵) وہ تعلیقات جنہیں صیغۂ تمریض سے ذکر کیا، مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہیں، جیسے یہ تعلیق ''ویذکر عن عبد اللّٰہ بن السائب قرء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المؤمنون فی الصبح حتی اذجاء ذکر موسیٰ و ھارون او ذکر عیسیٰ اخذتہ سلعة''۔[3] اس تعلیق کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (مسلم۔ ج ۱ ص ۱۸۶)

(۶) ایسی تعلیق جو حسن ہو، جیسے ''ویذکر عن عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل''۔[4] اسے دارقطنی اور ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا اور یہ حسن ہے۔

(۷) ایسی تعلیق جو معمولی ضعف سے ضعیف ہو، مگر معمول بہ ہو، جیسے ''ویذکر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قضی الدین قبل الوصیة''،[5] کتاب الوصایا، اسے امام ترمذی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[6] اس کا ایک راوی ضعیف ہے، مگر اہل

---

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۸۸ [2] بخاری۔ ج ۱ ص ۱۹۴ [3] بخاری۔ ج ۱ ص ۱۰۶ [4] بخاری۔ ج ۱ ص ۲۸۵
[5] بخاری۔ ج ۱ ص ۳۸۴ [6] ترمذی۔ ج ۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

علم کے عمل سے قوی ہوگئی۔

(۸) ایسی تعلیق جو ضعف شدید کے ساتھ ضعیف ہو اور معمول بہا ہو‘ جیسے یہ تعلیق ”ویذکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ رفعہ لا یتطوع الامام فی مکانہ“ کتاب الصلوٰۃ[1] اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا‘ مگر اس میں دوہرا ضعف ہے‘ اس کا ایک راوی لیث ہے‘ یہ ضعیف ہے اور اس کے شیخ الشیخ مجہول ہیں۔ مگر اس پر بھی اہل علم کا عمل ہے‘ اس لیے یہ بھی قوی ہوگئی۔ حکم یہ ہے کہ امام وہیں نفل نہ پڑھے جہاں اس نے فرض پڑھے ہیں‘ بہتر یہ ہے کہ گھر آ کے پڑھے‘ اگر مسجد ہی میں پڑھنا چاہتا ہے تو دائیں بائیں ہٹ کر پڑھے۔

مرسل وارسال

اگر سند میں راوی کا سقوط آخر سند سے ہو تو اسے حدیث مرسل کہتے ہیں اور اس فعل کو ارسال جیسے کوئی تابعی کہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا‘ جمہور وامام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثقہ کی حدیث مرسل حجت ہے‘ اس لیے کہ راوی کو اپنے شیخ کے ثقہ ہونے پر اعتمادِ کلی نہ ہوتا تو ارسال نہ کرتا۔

منقطع وانقطاع

وہ حدیث ہے‘ جس کے درمیان سند میں کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں‘ خواہ ایک خواہ متعدد‘ مگر متعدد مسلسل نہ چھوٹے ہوں‘ متفرق جگہوں سے چھوٹے ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہتے ہیں اور یہ فعل انقطاع ہے۔

معضل

اگر درمیان سند میں مسلسل دو راوی چھوٹے ہوں تو وہ حدیث معضل کہلاتی ہے۔

فائدہ

کبھی منقطع بول کر محدثین‘ غیر متصل مراد لیتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے منقطع مذکورہ بالا غیر متصل کی تمام اقسام کو شامل ہوگی‘ جس میں مرسل بھی داخل ہے۔

مدلس وتدلیس

تدلیس کے لغوی معنی: بیچتے وقت سامان کے عیب کو چھپانا ہے‘ اس کا مادہ ”دَلَسٌ“ ہے‘ جس کے معنی فریب اور دھوکہ دینے کے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اسے کہتے ہیں کہ راوی نے جس سے حدیث سنی ہے‘ اس کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لے اور لفظ ایسا استعمال کرے جس سے سماع سمجھا جا سکتا ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ یہ راوی جھوٹ بول رہا ہے‘ جیسے یوں کہے: فلاں سے روایت ہے‘ یا فلاں نے کہا: ایسی حدیث کو مدلس اور ایسے راوی کو مدلِّس کہتے ہیں اور اس فعل کو تدلیس۔

حدیث مدلس کے مقبول ونامقبول ہونے کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس محدث کی یہ عادت ہو کہ وہ صرف ثقات سے ہی تدلیس کرتا ہے اس کی حدیث مقبول ہے‘ جیسے سفیان بن عیینہ اور اگر اس کی عادت یہ ہے کہ ثقہ وغیر ثقہ سب سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول جب تک کہ اس کی روایت ایسے لفظ سے نہ کرے جو سماع پر قطعی دلالت کرے۔

---

[1] بخاری ج اص ۱۱۷

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مضطرب و اضطراب

اگر حدیث کے متن یا اسناد میں راویوں کا باہم‘ کمی یا زیادتی‘ تقدم و تاخر‘ تبدل و تغیر یا تصحیف و اختصار‘ حذف وغیرہ کی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے اور یہ فعل اضطراب کہلاتا ہے۔ حدیث مضطرب کے اختلاف میں تطبیق ممکن ہو تو وہ مقبول ہے‘ ورنہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔

مدرج

اگر راوی متن میں اپنا یا کسی اور کا مثلاً صحابی یا تابعی کا کوئی کلام کسی فائدہ کے لیے ذکر کر دے‘ مثلاً لفظ کا معنی بیان کرنے یا تفسیر کرنے یا مطلق کو مقید کرنے کے لیے ہو‘ تو یہ حدیث مدرج ہے اور یہ فعل ادراج۔

معنعن

وہ حدیث ہے جس کی سند لفظ ''عن فلان عن فلان'' سے ذکر کی جائے اور اس فعل کو عنعنہ کہتے ہیں۔ مدلس کی حدیث معنعن مقبول نہیں‘ مگر جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ صرف ثقات ہی سے تدلیس کرتا ہے۔

معنعن کی شرط میں امام بخاری و مسلم کا اختلاف

حدیث معنعن کے مقبول ہونے کے لیے امام بخاری نے یہ شرط لگائی ہے کہ تلمیذ و شیخ دونوں کی ملاقات کا ثبوت کسی اور طریقے سے ہو‘ کچھ لوگوں نے ملاقات کے علاوہ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ راوی نے اس شیخ سے حدیث اخذ کی ہے‘ مگر امام مسلم نے ان دونوں سے اختلاف کیا اور مقدمہ مسلم میں دلالت سے ثابت کیا کہ نہ اخذ کے ثبوت کی ضرورت ہے نہ لقاء کی‘ صرف معاصرت کافی ہے‘ اس لیے کہ جب معاصرت ثابت ہے اور راوی ثقہ غیر مدلس ہے‘ اور یہ کہہ دیا ہے کہ فلاں سے روایت ہے تو یہ لقاء اور اخذ دونوں کا ثبوت ہے۔

شاذ و محفوظ

کوئی ثقہ ثقات کے خلاف روایت کرے‘ اگر ان میں سے کسی کو ترجیح دی گئی ہو تو راجح کو محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہتے ہیں۔

منکر و معروف

اگر کوئی ضعیف راوی اپنے سے بھی اضعف کے خلاف روایت کرے تو اضعف کی روایت منکر اور ضعیف کی روایت کو معروف کہتے ہیں۔

بعض محدثین نے شاذ و منکر میں دوسرے راوی کی مخالفت کی قید نہیں لگائی‘ بلکہ یہ کہا کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کو تنہا کوئی ثقہ روایت کرے اور اس کے موافق یا معاضد کوئی روایت نہ ہو‘ بعض نے ثقہ کی بھی قید نہیں لگائی‘ مطلقاً تفرد کی بناء پر شاذ کا حکم لگایا۔ اسی طرح منکر میں بھی مخالفت کی قید بعض حضرات کے یہاں معتبر نہیں۔ حدیث میں اگر فسق یا فرط غفلت و کثرت غلط کی وجہ سے طعن ہو تو اسے بھی منکر کہتے ہیں۔

مُعَلّل

جس کی اسناد میں کچھ خفی و دقیق ایسے عیوب ہوں جو اس کی صحت میں خلل انداز ہوں‘ جن پر کوئی بہت ہی متبحر‘ ماہر‘ حاذق‘ ناقد محدث ہی مطلع ہوتا ہے‘ جیسے سند متصل بیان ہوئی‘ مگر حقیقت میں وہ منقطع ہے۔ حدیث کو مرفوع بتایا گیا‘ مگر وہ حقیقت میں موقوف

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے۔

متابعت

دو یا چند راویوں کا کسی حدیث کو ایک دوسرے کے موافق ذکر کرنا' ان میں اصل کو متابَع اور دوسری کو متابِع کہتے ہیں۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی محدث نے کوئی حدیث ذکر کی' پھر کہا: اس کی متابعت فلاں نے کی' تو اوّل متابَع اور ثانی متابِع کہلاتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی محدث اس کے برعکس ذکر کرے' مثلاً بعد والی کو پہلے ذکر کر کے ثانی کے بارے میں کہے: ''تابعہ فلان'' اب متابِع' متابَع اور متابَع' متابِع کہلائے گی۔ متابعت کی دو قسمیں ہیں: تام' ناقص۔ متابعت تام یہ ہے کہ راوی کے شیخ ہی سے متابعت ہو' یعنی اوّل سند سے۔ ناقص یہ ہے کہ اپنے شیخ سے اوپر کسی سے ہو۔

مثلہ و نحوہ

اگر متابعت لفظ و معنی دونوں میں ہو تو اس کو ''مثلہ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر صرف معنی میں ہو تو ''نحوہ'' سے۔

شاہد

اگر اتفاق روایت صرف ایک صحابی پر ہو تو متابعت اور اگر دو یا زیادہ پر ہو تو اسے شاہد کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اگر صرف معنی میں موافقت ہو تو شاہد ہے' اور لفظ و معنی دونوں میں ہو تو متابعت ہے' خواہ ایک صحابی سے ہو خواہ متعدد صحابہ سے' کبھی شاہد و متابع کو ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر دیتے ہیں۔

اعتبار

متابع اور شاہد کی معرفت کے لیے حدیث کی مختلف سندوں کے تتبع اور تلاش کو اعتبار کہتے ہیں۔

الفاظِ روایت

سندوں کے ذکر میں مختلف الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں' مثلاً ''قَالَ' اَخْبَرَ' اَنْبَأَ' حَدَّثَ' رَوٰی' رُوِیَ' سَمِعْتُ'' وغیرہ۔

امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ ''قَالَ' سَمِعَ' اَخْبَرَ' حَدَّثَ' اَنْبَأَ' رَوٰی'' سب ہم معنی ہیں اور یہی مذہب امام زہری' امام مالک اور امام ابن عیینہ و یحیٰی القطان اور اکثر اہل حجاز و اہل کوفہ اور حضرت امام اعظم کا ہے۔ ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اس کو ترجیح دی۔ امام حاکم نے فرمایا کہ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے' مگر امام مسلم اور ترمذی وغیرہ کے یہاں تفریق ہے' یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے ''حَدَّثَ'' سے بیان کیا جاتا ہے' اور اگر تلمیذ قراءت کرے اور شیخ سنے تو اسے ''اَخْبَرَ وَ اَنْبَأَ'' سے بیان کیا جاتا ہے اور یہی امام ابن جریج اور امام اوزاعی اور امام شافعی اور ابن وہب اور جمہور اہل مشرق کا مسلک ہے۔ امام بخاری نے اس سلسلے میں کتاب العلم میں مستقل ابواب باندھے ہیں' ان کی شرح میں اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

ہم نے ان مصطلحات کو اس لیے لکھ دیا ہے کہ شرح میں یہ بار بار آئیں گے تا کہ ناظرین کو سمجھنے میں اُلجھن نہ ہو۔ علاوہ ازیں اُردو میں صحیح' غلط کا مقابل ہے۔ اس لیے اگر کسی حدیث کے بارے میں محدثین نے یہ لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں تو آج کل کے گمراہ فرقے ناواقف عوام کو فریب دینے کے لیے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے' یعنی موضوع یا باطل ہے' بے اصل ہے۔ ناظرین محدثین کی اصطلاح میں ایک نظر ڈال لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ محدثین کی زبان میں صحیح غلط کا مقابل نہیں' بلکہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے کہ وہ صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں' جو اپنے تمام اوصاف کمال میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو۔ اس کے مقابل سات اقسام اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہیں‘ اس لیے محدثین کے اس فرمانے کا ”یہ حدیث صحیح نہیں“ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ موضوع یا باطل یا بے اصل ہے‘ بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم صحیح لذاتہ نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ صحیح لغیرہ ہو‘ حسن لذاتہ ہو‘ حسن لغیرہ ہو۔ جس کی صدہا نظیریں موجود ہیں‘ جو اس کی پوری تحقیق و تفصیل دیکھنا چاہے‘ وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ منیر العین کا مطالعہ کرے‘ جو فتاوی رضویہ‘ ج ۲ میں چھپ چکا ہے۔

محدثین کہیں فرماتے ہیں: صحیح نہیں‘ اور وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے‘ کبھی فرماتے ہیں: صحیح نہیں‘ اور وہ حدیث صحیح لغیرہ ہوتی ہے‘ کبھی فرماتے ہیں: صحیح نہیں‘ اور وہ حدیث حسن لغیرہ ہوتی ہے۔ اس لیے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کے اس فرمانے سے کہ صحیح نہیں‘ اس کے باطل و موضوع ہونے پر دلیل لانا جہالت ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے کہ محدثین کی کسی حدیث پر جرح صرف اس سند کے ساتھ خاص ہوتی ہے‘ جس پر جرح کی گئی ہے۔ ایسا بہت ہے کہ کسی حدیث پر اس کی ایک سند کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع تک ہونے کا حکم لگا دیا گیا‘ مگر دوسری سند سے وہ ثابت ہے‘ جیسے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حدیث ”طلب العلم فریضۃ“ کو کہا: یہ کذب ہے‘ مگر علامہ ذہبی نے فرمایا: یہ حکم اس مخصوص سند کے اعتبار سے ہے‘ جس میں ابراہیم بن موسیٰ المروزی ہے‘ ورنہ یہ حدیث دوسرے طرق سے ثابت ہے اگرچہ وہ سب ضعیف ہیں۔

حدیث ”الصلوٰۃ بالسواک خیر من سبعین صلوٰۃ“ کو علامہ ابن عبدالبر نے تمہید میں باطل کہا۔ علامہ سخاوی نے فرمایا: یہ حکم اس سند کے لحاظ سے ہے‘ علامہ نووی فرماتے ہیں:

ان روایات الضعیف یکون فیہ الصحیح والضعیف والباطل فیکتبونھا ثم تمیز اھل الحفظ والاتقان بعض ذلک من بعض وذلک سھل علیھم معروف عندھم ولھذا احتج السفیان الثوری حین نھی عن الروایۃ عن الکلبی فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا اعرف صدقہ عن کذبہ. (شرح مسلم۔ ج ۱ ص ۲۱)

ضعیف راوی کی روایتوں میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور ضعیف اور باطل بھی۔ محدثین ان سب کو لکھتے ہیں‘ پھر اہل حفظ و اتقان ان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہیں‘ یہ ان کے لیے آسان ہے اور ان کے نزدیک روزمرہ کا کام ہے‘ اسی دلیل سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا جب انہیں کلبی کی روایت قبول کرنے سے منع کیا گیا اور کہا گیا: آپ ان سے روایت کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! میں ان کے سچ کو جھوٹ سے امتیاز کر لیتا ہوں۔

احادیث سے استدلال کی کیفیت

جن چیزوں کا اثبات مقصود ہوتا ہے‘ وہ چار قسم کی ہیں:

(۱) عقائد قطعیہ: جیسے توحید‘ رسالت‘ قرآن کا کتاب اللہ ہونا‘ ان کا اثبات صرف حدیث متواتر سے ہوگا‘ خواہ اس کا تواتر لفظی ہو خواہ معنوی۔

(۲) عقائد ظنیہ: جیسے قبر کے احوال‘ میزانِ اعمال وغیرہ‘ ان کا اثبات خبر واحد سے بھی ہوتا ہے۔

(۳) احکام: ان کے اثبات کے لیے حدیث صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونی لازم ہے۔ احادیث ضعاف ان تینوں اقسام میں ناکافی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہیں۔

(۴) فضائل ومناقب: خواہ فضائلِ اعمال ہوں خواہ فضائل اشخاص، ان سب میں علماء ضعیف حدیث کو بالاتفاق معتبر مانتے ہیں۔

امام شیخ الاسلام ابوزکریا نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہٖ کتاب الاذکار المنتخب من کلام سیّد الابرار صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعًا.

علمائے محدثین وفقہاء وغیرہم نے فرمایا: فضائل اعمال، ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے، اگر وہ موضوع نہ ہو۔

لیکن کبھی مقامِ احتیاط میں احادیث ضعاف احکام میں بھی بہ طور سند کام آتی ہیں، یہی امام نووی اذکار میں بعد عبارت مذکورہ کے ارشاد فرماتے ہیں:

واما الاحكام كالحلال والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلايعمل فيها الا بالحديث الصحيح او الحسن الا ان يكون في احتياط في شيء من ذلك كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهية بعض البيوع او الانكحة فان المستحب ان يتنزه عنه ولكن لا يجب. (الاذکار، ص۷)

کہ حلال وحرام، بیع، نکاح، طلاق وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو، جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ ان سے بچیں، ہاں واجب نہیں۔

رہ گئی حدیث موضوع یہ کسی باب میں کسی کام کی نہیں، حتیٰ کہ علم کے بعد اس کی موضوعیت ظاہر کیے بغیر اس کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔

ضعاف کی تقویت کے طرق

اوپر مذکور ہوا کہ حدیث ضعیف کبھی حسن لغیرہٖ بلکہ صحیح لغیرہٖ بھی ہو جاتی ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ ایک مختصر سا خاکہ اس کا بھی پیش کردیا جائے۔

(۱) تعدد طرق: جب کوئی حدیث ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ کبھی حسن لغیرہٖ اور کبھی صحیح لغیرہٖ ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ طرق ضعاف ہوں۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ النورانی 'میزان الشریعۃ الکبریٰ' میں فرماتے ہیں:

قد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه والحقوه بالصحيح تارة وبالحسن اخرى.

حدیث ضعیف جب متعدد طریقوں سے مروی ہو تو جمہور محدثین اسے لائق استدلال جانتے ہیں اور اسے کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں۔

حصولِ قوت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ طرق بہت کثیر ہوں، صرف دو بھی مل کر قوی ہو جاتے ہیں، تیسیر میں ہے:

ضعيف بضعف عمرو بن الواقد لكنه يقوى

عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن دو طریقوں سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بوروده بطريقين. آنے کی وجہ سے قوت پا گئی۔

(۲) کسی حدیث ضعیف پر اہل علم کے عمل کرنے سے بھی وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ امام ترمذی نے جگہ جگہ حدیث پر کلام کرنے کے بعد فرمایا: "والعمل علٰى هذا عند اهل العلم" ایک جگہ اس کے تحت ملا علی قاری نے لکھا:

قال النووی واسناده ضعيف نقله ميرك فكان الترمذی يريد تقوية الحديث بعمل اهل العلم. (مرقاۃ۔ ج۲ ص۱۰۲)

علامہ نووی نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے' اس کو میرک نے نقل کیا۔ اس قول سے امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

(۳) مجتہد کے استدلال سے بھی ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے لکھا:

ان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحًا له كما في التحرير وغيره. (ردالمحتار)

کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کی صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

(۴) صالحین کے عمل سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے' صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے' وہ ضعیف ہے۔ امام حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم کے عمل کو بتایا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

قال البيهقی كان عبد الله بن مبارك يصليها وتداولها الصالحون بعضهم عن بعض وفي ذلك تقوية للحديث المرفوع. (الآثار المرفوعہ۔ ص۴۳)

امام بیہقی نے کہا: عبداللہ بن مبارک صلوٰۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے' اور بعد کے صلحاء اس کو ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھتے تھے' اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو قوت مل گئی۔

(۵) کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ حضرت ملا علی قاری' مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا ج ۲ ص ۳۹۹ میں تحریر کرتے ہیں:

سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی کہ جو لا الٰہ الا اللہ ستر ہزار بار کہے' اس کی مغفرت ہو جائے گی اور جس کے لیے پڑھا جائے' اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ میں نے یہ کلمہ طیبہ ستر ہزار بار پڑھا تھا' مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں کی تھی' ایک دعوت میں گیا' اس میں ایک جوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا' یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا' میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میں اپنے والدین کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں' میں نے اپنے دل میں اس کلمے کا ثواب اس کے والدین کو بخش دیا' فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا: اب میں اپنی ماں کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں۔

امام محی الدین ابن عربی نے فرمایا:

فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه وصحة كشفه بصحة الحديث.

میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی' نسیم الریاض شرح شفاء میں اور علامہ سید احمد طحطاوی' حاشیہ درمختار میں نقل فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن الحاج' صاحب مدخل نے اس خیال سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں' بدھ کے دن ناخن ترشوا لیے تو' انہیں برص ہو گئی۔ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابن الحاج سے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں' فرمایا: اتنا کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمہارے کان تک پہنچی' پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا' فوراً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اچھے ہو گئے' اسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر مخالفت نہ کروں گا' اسی قسم کا واقعہ بدھ کے دن پچھنا لگوانے کے بارے میں بھی پیش آیا ہے۔ (مسند الفردوس وابن عساکر)

البتہ اگر حدیث موضوع ہے' کتنے ہی طرق سے مروی ہے' اگر سب پر موضوع ہی ہو تو وہ جوں کی توں نا قابل اعتبار رہے گی' اس لیے کہ جھوٹ سے جھوٹ کی تقویت نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں حدیث موضوع معدوم ہے اور معدوم نیست محض کو کوئی بھی قوی نہیں کر سکتا۔

کتب حدیث کے طبقات

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب حدیث کے چار طبقات قائم کیے ہیں:

طبقۂ اولیٰ: وہ کتابیں جو سب سے زیادہ صحیح ومشہور ومقبول ہوں' جیسے صحیح بخاری' صحیح مسلم' مؤطا امام مالک۔

طبقۂ ثانیہ: وہ کتابیں جو قریب قریب پہلے طبقے کے صحیح ومشہور ومقبول ہوں' مگر ان میں ضعیف احادیث کا تناسب پہلے طبقے سے زیادہ ہو' جیسے جامع ترمذی' سنن ابوداؤد' سنن نسائی۔

طبقۂ ثالثہ: امام بخاری اور امام مسلم سے پہلے کے یا ان کے معاصر یا قریب قریب معاصر ایسے محدثین کی کتابیں جو مسلم الثبوت ماہر ہیں' مگر ان کی کتابوں میں طبقۂ ثانیہ کے اعتبار سے بھی ضعیف احادیث زیادہ ہیں' بلکہ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں موضوع تک کہا گیا ہے' جیسے مسند امام شافعی' سنن ابن ماجہ' مصنف عبد الرزاق' مصنف ابن ابی شیبہ' سنن دارمی' سنن دار قطنی' سنن بیہقی' طبرانی' ابوداؤد طیالسی کی مصنفات۔

طبقۂ رابعہ: امام بخاری ومسلم سے متاخر محدثین کی کتابیں' جن میں مذکورہ احادیث کا قرونِ سابقہ میں ثبوت ہمیں نہیں ملتا' جیسے دیلمی' ابونعیم اور ابن عساکر وحاکم کی تصانیف۔ ان احادیث کا قرونِ سابقہ میں ثبوت نہ ملنے کے سبب دو ہی ہیں' یا تو قدماء کو یہ احادیث نہیں ملیں' یا انہوں نے کسی علتِ قادحہ کی بناء پر ان احادیث کو لیا ہی نہیں۔

کتب احادیث کے ان طبقات کا یہ مطلب نہیں کہ بعد کے طبقات کی خصوصاً طبقۂ اربعہ کی احادیث باطل نامقبول ہیں' بلکہ اس کا ماحصل صرف کتب احادیث کا ایک اجمالی تعارف ہے۔ ورنہ طبقۂ رابعہ تک کی کتابوں میں حسن بلکہ صحیح احادیث بھی بہ کثرت موجود ہیں۔ خود شاہ ولی اللہ نے امام حاکم کی مستدرک کو طبقۂ رابعہ میں داخل مانا حالانکہ اس کی اکثر احادیث اعلیٰ درجے کی صحیح وحسن ہیں بلکہ اس میں صدہا احادیث شیخین امام بخاری ومسلم کی شرط پر ہیں۔ خود انہیں شاہ ولی اللہ نے بستان المحدثین میں امام ذہبی سے نقل کیا۔

مستدرک میں بہت کافی احادیث ان دونوں بزرگوں یعنی بخاری ومسلم دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں' بلکہ آدھی کے قریب ایسی ہی احادیث ہیں اور چوتھائی احادیث ایسی ہیں کہ بہ ظاہر صحیح الاسناد ہیں لیکن ان دونوں کی شرط پر نہیں' باقی چوتھائی واہیات ومناکیر بلکہ کچھ موضوعات بھی ہیں۔

شاہ صاحب نے بستان میں مرلع کتاب کے بارے بہ ظاہر صحیح الاسناد لکھا' مگر علامہ سیوطی نے تدریب میں امام ذہبی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

فیہ جملۃ وافرۃ علی شرطھا وجملۃ کثیرۃ — حاکم کی مستدرک کی احادیث بہت زیادہ شیخین کی شرط پر اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

علی شرط احدھما لعل مجموع ذلک نحو نصف الکتاب وفیه نحو الربع مما صَحَّ سنده وفیه بعض الشیء اوله علةٌ وما بقی وھو نحو الربع فھو مناکیر و واھیات لا یصح وفی بعض ذلک موضوعات.

بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں' چوتھائی کے قریب وہ ہیں جن کی سند صحیح ہے' ان میں کچھ قدح یا علّت ہے اور باقی چوتھائی مناکیر وواہیات ہیں' ان میں موضوع بھی ہیں۔

(تدریب الراوی۔ ص ۵۲)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم کی مستدرک میں تین چوتھائی کے قریب صحیح احادیث ہیں' اس لیے ان طبقات کی تقسیم کا مطلب یہ لینا کہ بعد کے طبقات کی کل احادیث نا قابل قبول ہیں' کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ بات ضرور اپنی جگہ درست ہے کہ طبقۂ رابعہ ثالثہ بلکہ عند التحقیق طبقۂ ثانیہ تک میں ہر قسم کی احادیث کا اختلاط ہے' ہر شخص صحیح حسن کو ضعیف سے پرکھ نہیں سکتا' اس لیے ان کتابوں کے بارے میں ماہر ناقدین کی رائے معلوم ہونے کے بعد ہی اعتماد کرنا چاہیے۔ یہ حکم صرف طبقۂ رابعہ ہی کا نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ بلکہ طبقۂ ثانیہ کے لیے بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس موضوع پر ایک بہت مفید و جامع و کامل رسالہ لکھا ہے' جس کا نام مدارج طبقات الحدیث ہے۔ اس میں ثابت فرمایا کہ شاہ ولی اللہ کی یہ طبقاتِ اربعہ کی تحدید نہ جامع ہے نہ مانع نہ ناقد کو مفید نہ مقلد کو۔

فائدہ

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ احادیث صحاح کا انحصار صرف صحاح ستہ میں نہیں اور نہ احادیث کا حصر کتب مصنفہ میں' صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی صحیح احادیث ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ بہت سی صحیح احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں[1] مگر ان کی جامع صحیح میں بمشکل چار ہزار ہوں گی اور احادیث کیا ہوئیں؟ اس پر دوسرے محدثین کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کسی محدث نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے تمام احادیث کو کسی کتاب میں جمع کر دیا ہے اور نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسے تمام احادیث بالاستیعاب یاد ہیں' اس لیے بہرحال اس کا امکان قوی ہے کہ حضرات محدثین کی ہزار کوششوں کے باوجود لاکھوں احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔

اقسام کتب

کتب حدیث کی تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے تیرہ قسمیں ہیں: جامع' سنن' مسند' معجم' جزء' مفرد' غریبہ' مستدرک' مستخرج' رسالہ' اربعین' امالی' اطراف۔

جامع: وہ کتاب ہے جس میں یہ آٹھ مضامین ہوں: عقائد' احکام' تفسیر' سیر ومغازی' آداب' مناقب' فتن' اشراط علامات قیامت جیسے بخاری وترمذی' مسلم شریف میں اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے' اس لیے یہ جامع نہیں' سنن میں داخل ہے۔

سنن: جن میں ابواب فقہ کی ترتیب سے احکام سے متعلق احادیث ہوں' جیسے سنن ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔

مسند: جس کی ترتیب صحابہ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو' جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری۔ ص ۵

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

معجم: جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔
جزء: جس میں کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث مذکور ہوں، جیسے جزء قراءت۔
مفرد: جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں۔
غریبہ: جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔
مستدرک: وہ کتاب جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں، جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین۔
مستخرج: وہ کتاب جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لیے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے، جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔
رسالہ: جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں، جیسے امام احمد کی کتاب الزہد والادب۔
اربعین: جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں، جیسے اربعین نووی۔
امالی: جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں، جیسے امالی امام محمد۔
اطراف: وہ کتاب جس میں حدیث کا کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو، پھر اس حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے، یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں، جیسے اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف المزی۔

کتب احادیث

محدثین نے سینکڑوں کتابیں لکھیں، ان میں کچھ ناپید ہو گئیں اور کچھ گمنامی میں رہیں۔ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں پچاس زائد کتب احادیث کی نشاندہی کی ہے، ان میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان چھ کتابوں کو حاصل ہوئی: جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔
ان کو صحاح ستہ بھی کہتے ہیں، ان پر صحاح ستہ کا اطلاق عام عرف کی بناء پر ہے۔ بعض محدثین نے ابن ماجہ کے بجائے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں داخل مانا۔ صاحب جامع الاصول نے اسی کو اختیار کیا۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ زیادہ لائق اور مناسب یہ ہے کہ دارمی کو صحاح ستہ میں داخل کیا جائے۔ اس لیے کہ اس کے رُواۃ کم ضعیف ہیں اور اس میں احادیث منکرہ اور شاذہ بہت کم ہیں۔ اس کی سند عالی ہے، اس کی ثلاثیات بخاری سے زائد ہیں۔ صحاح ستہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ ان میں ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں، ان کو صحاح اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں بہ نسبت دیگر کتابوں کے ضعیف احادیث کم ہیں، ان کی اکثر احادیث غالب صحیح ہیں۔

صحیح بخاری

ان سب میں جس کو سب پر صحت و قوت کے اعتبار سے فوقیت ہے، وہ جامع صحیح بخاری ہے۔ یہی اکثر محدثین کی رائے ہے، حتیٰ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ یہ مقولہ تقریباً متفق علیہ ہے۔ ''اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ الصحیح البخاری'' البتہ بعض مغاربہ صحیح مسلم کو بخاری پر فوقیت دیتے ہیں۔ حافظ ابوعلی نیشاپوری نے کہا کہ صحیح مسلم سے بڑھ کر آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں اور بعض ان دونوں کو ایک درجے میں رکھتے ہیں' مگر صحیح یہی ہے کہ بخاری کو تمام کتب حدیث پر صحت وقوت میں ترجیح ہے' رہ گئی صحیح مسلم تو اس کی فوقیت' حسن بیان' جودت وضع' خوبی ترتیب اور اسناد میں دقیق اشارات اور بہترین نکات کی رعایت میں ہے۔

موازنہ

بہ اعتبار صحت کے بخاری' صحیح مسلم پر بدرجہا فائق ہے' اس لیے کہ حدیث کے صحیح ہونے کا مدار اتصال سند' اتقان رُواۃ' عدم شذوذ ونکارت ودیگر علل وسقم سے خالی ہونے پر ہے' اور اس بناء پر صحیح بخاری' صحیح مسلم سے بہت آگے ہے۔

اتصال سند کی قوت دونوں کی شرائط سے ظاہر ہے' امام بخاری معاصرت کے ساتھ لقا بھی شرط کرتے ہیں اور امام مسلم صرف معاصرت۔ اگرچہ صرف معاصرت اتصال کے لیے کافی ہے مگر لقا سے جو قوت زائد ہوگی وہ کسی پر مخفی نہیں۔

اتقان رجال کی بات یہ ہے کہ اوّلاً: امام بخاری طبقۂ ثانیہ یعنی ان تلامذہ سے جو شیخ کی خدمت میں کم رہے بہت کم روایت کرتے ہیں وہ بھی چن چن کر۔ اور امام مسلم طبقۂ ثانیہ کی روایت بلا جھجک لاتے ہیں' ثانیاً: وہ رواۃ جن سے صرف امام بخاری روایت کرتے ہیں وہ چھ سو تیس ہیں' ان میں صرف اسّی ضعیف ہیں اور جن سے صرف امام مسلم روایت کرتے ہیں' وہ چھ سو بیس ہیں' جن میں ایک سو ساٹھ ضعیف ہیں۔ ثالثاً: امام بخاری کے جو راوی ضعیف ہیں' وہ ان کے براہِ راست استاذ ہیں' جن کے حالات کو وہ خود جانتے ہیں' ان کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں۔ برخلاف امام مسلم کے کہ ان کے جن راویوں پر حکم ضعف ہے' وہ بالواسطہ شیخ ہیں' یہ خود ان کو اچھی طرح پرکھ نہیں سکتے تھے۔ رابعاً: مجروح راویوں سے امام بخاری نے بہت کم روایت کی ہے' امام مسلم نے بہت زیادہ کی ہے۔

عدم شذوذ وعدم علل قادحہ کی جہاں تک بات ہے تو اس سلسلے میں جو اعداد وشمار ہیں' وہ یہ ہیں کہ بخاری کی صرف اسّی احادیث میں یہ نقص نکالا گیا ہے' اور مسلم کی ایک سو تیس ہیں' اس لحاظ سے بھی صحیح بخاری' صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہ بات صرف موازنہ کی حد تک ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحیحین اپنی نظیر آپ ہیں۔

امام بخاری

ولادت

امام بخاری کی ولادت ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ مبارکہ بعد عصر ہوئی۔ اس وقت سلاطین عباسیہ کی سطوت وشوکت کا سکہ چاردانگ عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ پورا ماوراء النہر بشمول بخارا انہیں کے زیر نگیں تھا' بخارا میں ان کی طرف سے والی رہتا تھا' یہ عہد ہارون الرشید کے بیٹے امین کا تھا۔

نام ونسب

امام بخاری کا نام محمد تھا اور کنیت ابوعبداللہ' امیر المؤمنین فی الحدیث' ناصر الاحادیث النبویہ' ناشر المواریث المحمدیہ آپ کے القاب ہیں' مگر ان سب پر بخاری ایسا غالب آیا کہ سب القاب پیچھے رہ گئے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرْدِزْبَہ ہے۔ بَرْدِزْبَہ کے معنی کاشتکار کے ہیں' یہ مجوسی تھا اور مجوسیت ہی پر مرا۔ امام بخاری کے پردادا مغیرہ اس وقت کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

والیٔ بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کے ساتھ عقد موالات کر لیا' جو احناف کے مذہب میں موجب توریث ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے: ''الولاء لحمة كلحمة النسب'' حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے پوچھا: اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے تو سنت کیا ہے؟ فرمایا: ''وهو اولى الناس بمحياه ومماته'' وہ اس کی موت اور زندگی کا سب سے زیادہ حق دار ہے[1] اسی وجہ سے امام بخاری کو بھی جُعفی کہا جاتا ہے۔ یہ یمان امام بخاری کے شیخ' مسندی کے پردادا ہیں۔

بَرْدِزْبَہْ کے والد کے نام میں اختلاف ہے' کسی نے بذ ذبہ' کسی نے احنف کہا' کسی نے کچھ اور نام بتایا۔

(طبقات کبری۔ ج ۲ ص ۲)

والد ماجد

امام بخاری کے والد ماجد بڑے ممتاز بزرگ اور متبحر عالم تھے۔ امام بخاری کے شیخ الشیخ امام عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ کی صحبت میں رہتے تھے' صاحبِ روایت محدث تھے۔ عبداللہ بن مبارک' امام مالک اور ان کے اصحاب و معاصرین سے روایت کرتے تھے' بڑے ہی مستجاب الدعوات بزرگ تھے' ایسے کہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے کہ میری سب دعائیں دنیا ہی میں نہ قبول کر لے' کچھ آخرت کے لیے رہنے دے۔ اکل حلال کے ایسے پابند تھے کہ حرام تو حرام' مشتبہات سے بھی بچتے تھے۔ وصال کے وقت فرمایا: میرا مال حرام تو حرام شبہات سے بھی پاک ہے' اکل حلال استجابت دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے۔

یتیمی و تربیت

امام بخاری ابھی صغیر السن ہی تھے کہ ان کے والد ماجد انہیں داغِ یتیمی دے گئے' ان کی پرورش والدہ ماجدہ نے کی' عہد طفلی ہی میں امام بخاری کی بینائی جاتی رہی' بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ان کی والدہ ماجدہ ان کی بینائی کے لیے ہمیشہ گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتی رہتیں۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ابوالانبیاء سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تیری دعا قبول فرمائی' تیرے بچے کی بینائی واپس فرما دی۔ صبح کو امام بخاری بینا ہو کر اُٹھے' پھر آنکھوں میں وہ روشنی آئی کہ چاندنی میں لکھا پڑھا کرتے تھے۔ خراسان میں بھی ایک دفعہ یہی حادثہ پیش آیا تو کسی نے بتایا کہ سر منڈا کر خطمی کا لیپ سر پر کریں' بینائی واپس آ جائے گی۔ امام بخاری نے یہی کیا اور پوری بینائی واپس آ گئی اور ایسی کہ پھر کبھی نہ گئی۔

(طبقات الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۴)

حفظ حدیث کی ابتداء

جب دستور امام بخاری مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے' جب قریب قریب دس سال کے ہوئے تو بہ الہامِ ربانی تحصیل حدیث کا شوق پیدا ہوا' اور امام بخاری وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں اخذ حدیث کے لیے حاضر ہونے لگے' مثلاً سلام بن محمد بیکندی' محمد بن یوسف بیکندی' عبداللہ بن محمد مسندی اور ابراہیم بن اشعث وغیرہ۔ (ایضاً) چند مہینوں میں اتنا عبور ہو گیا کہ محدثین کو ٹوکنے لگے۔ بخارا میں ایک مشہور محدث داخلی تھے۔ امام بخاری ان کے یہاں بھی حدیث حاصل کرنے جاتے تھے' ایک دن انہوں نے ایک حدیث کی سند کتاب میں دیکھ کر اس طرح پڑھی: ''سفيان عن ابى الزبير عن ابراهيم'' امام بخاری نے بلا تاخیر ان سے کہا: ابوالزبیر ابراہیم کے راوی نہیں' پھر آپ نے ''عن ابى الزبير عن ابراهيم'' کیسے پڑھا؟ داخلی نے نو عمر بچہ دیکھ کر جھڑک دیا۔

[1] ترمذی' ابن ماجہ' دارمی' مشکوٰۃ۔ ص ۲۶۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام بخاری نے پھر کہا کہ اصل میں دیکھ لیں کہ کیا ہے۔ اس پر داخلی مکان میں تشریف لے گئے اور کتاب کا اصل نسخہ لے کر آئے اور امام بخاری سے دریافت کیا: تم یہ بتاؤ صحیح نام کیا ہے؟ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ ابوالزبیر نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہی ابراہیم کے تلمیذ ہیں۔ داخلی نے اس کے مطابق اپنی کتاب درست کر لی، اس وقت امام بخاری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ اسی قوتِ حفظ کا نتیجہ تھا کہ سولہ سال کی عمر میں امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں اور اصحاب امام اعظم کی کتابیں حفظ کر لیں۔

(طبقات الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۴)

تحصیل علم

۲۱۰ھ میں امام بخاری کی عمر جب سولہ سال کی تھی، اپنے بڑے بھائی احمد بن اسمٰعیل اور والدہ کے ہمراہ حج کو گئے۔ والدہ اور بھائی تو حج سے فارغ ہو کر وطن واپس ہو گئے مگر امام بخاری مکہ معظمہ رہ گئے، وہاں تحصیل علم و تصنیف و تالیف و علم دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں "قضایا الصحابہ والتابعین" لکھی اور اسی عمر میں اپنی مشہور کتاب، کتاب التاریخ، مزارِ اقدس حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر چاندنی میں لکھی اور ابھی ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی کہ محدثین نے ان سے احادیث کو اخذ کرنا شروع کر دیا تھا[1] علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اگر امام بخاری نے جب تحصیل حدیث شروع کی تھی، اسی وقت مکہ آ جاتے تو ان اونچے طبقے کے محدثین سے انہیں بھی بلا واسطہ تلمذ حاصل ہو جاتا، جن سے ان کے معاصرین کو ہے، مگر تاخیر سے مکہ حاضری کی وجہ سے ان اونچے طبقے والوں سے تلمذ نہ ہو سکا، مگر ان کے قریب العہد بزرگوں سے حاصل ہوا، مثلاً یزید بن ہارون، ابوداؤد طیالسی۔ علامہ ابن حجر کا بیان ہدیۃ الساری مقدمہ فتح الباری میں مختلف ہے۔ ص ۴۷۹ پر مبدء طلب حدیث کے باب میں یہی ہے کہ ۲۱۰ھ میں حج کیا، اس حساب سے امام بخاری کی عمر اس وقت سولہ سال ہوئی، لیکن ثناء الناس کے عنوان کے تحت ص ۴۸۴ پر خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری نے پہلا حج ۲۱۲ھ میں کیا تھا، لیکن میں نے پہلا قول اختیار کیا، اس لیے کہ اس میں علامہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں کہ میں حمیدی کے یہاں گیا جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی، یعنی اوّل حج کے سال۔ "اوّل سنۃ حجی" تو دیکھا کہ ان میں اور ایک صاحب کے درمیان ایک حدیث کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ حمیدی نے مجھے دیکھتے ہی کہا: لو وہ آ گئے جو ہمارا فیصلہ کر دیں گے، میں نے حمیدی کے حق میں فیصلہ دیا، کیونکہ حق ان کے ساتھ تھا، چونکہ حج کے بعد امام بخاری مکہ ہی میں رہ گئے تھے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جب میں پہلا حج کر کے مکہ میں مقیم تھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔ رُواۃ سے تعبیر میں کچھ ردّ و بدل ہو گیا۔ علامہ قسطلانی نے بھی اپنی شرح کے مقدمہ میں یہی لکھا ہے کہ ۲۱۰ھ سولہ سال کی عمر میں حج کے لیے گئے۔ طبقاتِ کبریٰ میں بھی علامہ سبکی نے یہی لکھا ہے۔

۲۱۰ھ میں امام عبدالرزاق یمن میں باحیات تھے۔ امام بخاری نے ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا مگر کسی نے بتایا کہ ان کا وصال ہو گیا ہے تو یمن نہیں گئے، اور ان کے تلمیذ سے اخذ حدیث فرمایا۔

امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ میں علمِ حدیث کی طلب کے لیے دو بار مصر، دو بار شام، دو بار جزیرہ گیا۔ چار بار بصرہ، چھ سال حجاز میں رہا، کوفہ و بغداد کتنی بار گیا اس کا شمار نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس عہد میں بغداد کی طرح کوفہ بھی علم دین خصوصاً علم حدیث کا مرکزِ اعظم تھا۔ آج رُفاض اور غیر مقلدین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر لوگ کوفہ کو جو چاہیں کہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں کوفہ کی علمی مرکزیت دنیائے اسلام میں مسلّم تھی۔

[1] ایضاً ج ۲ ص ۳

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کے علاوہ امام بخاری نے اور بھی دور دراز شہروں کے سفر کیے ہیں' مثلاً بلخ گئے اور حضرت امام اعظم کے تلمیذ مکی بن ابراہیم سے اخذ حدیث کیا۔ ان سے اپنی صحیح میں گیارہ ثلاثیات روایت کی ہیں' ان جگہوں کے علاوہ نیشاپور' مروزی' واسط' قیساریہ' عسقلان وغیرہ بھی گئے۔ (الطبقات الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۵)

قوت حافظہ و جودت ذہن

تعلیم و تعلم کے لیے سب سے اہم جو چیز ہے وہ حافظہ اور جودت ذہن ہے' اللہ عزوجل نے امام بخاری کو یہ تمام باتیں بہ درجہ اتم عطاء فرمائی تھیں' جس کے چند واقعات گزر چکے ہیں۔ ان کے حافظے کا یہ حال تھا کہ جس بات کو ایک مرتبہ سن لیتے یا پڑھ لیتے یاد ہو جاتی' پھر کبھی نہ بھولتے۔ اسماعیل بن حاشد کہتے ہیں کہ میں اور چند ساتھی امام بخاری کے ہم سبق تھے' ہم لوگ حدیث سننے کے لیے بصرہ کے محدثین کے پاس جایا کرتے تھے' ہم لوگ جو سنتے لکھ لیا کرتے۔ امام بخاری کچھ نہ لکھتے' سن کر چلے جاتے' ہم نے ان سے بار بار کہا کہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ' تم بھی جو سنو لکھ لیا کرو۔ امام بخاری پر کچھ اثر نہ ہوا' سولہ دن کے بعد انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت ملامت کی اور ملامت کر کے تنگ کر دیا۔ اب تک جتنی حدیثیں لکھ چکے ہو' مجھے سناؤ۔ اس اثناء میں پندرہ ہزار احادیث ہم لوگوں نے لکھی تھیں' ہم نے اپنے نوشتوں سے دیکھ کر پڑھنا شروع کیا' تو یہ حال ہوا کہ ہمارے نوشتوں میں غلطی تھی' ان کی یادداشت میں کوئی غلطی نہ تھی' ہم نے اپنے مکتوبات کی ان کی یادداشت سے تصحیح کی۔ پورے مقابلے کے بعد فرمایا: تم لوگ سمجھتے ہو کہ میری سرگردانی بے کار ہے' میں وقت ضائع کر رہا ہوں؟[1] محمد بن ازہر کہتے ہیں کہ میں محمد بن حرب کے یہاں حدیث سننے کے لیے جاتا تھا۔ امام بخاری بھی جاتے تھے' میں لکھتا تھا وہ نہیں لکھتے تھے' کسی نے کہا کہ محمد بن اسماعیل لکھتے نہیں' تو میں نے کہا: اگر تم سے کوئی حدیث لکھنے سے رہ جائے تو ان سے پوچھ کے لکھ لینا۔ محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ فریابی کے حلقۂ درس میں حاضر تھے' امام بخاری بھی تھے۔ فریابی نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی: ''حدثنا سفیان عن ابی عروبة عن ابی الخطاب عن ابی حمزة'' اس سند میں حضرت فریابی نے راویوں کی کنیتیں ذکر کیں' نام نہیں لیا' پھر پوچھا: بتاؤ کہ ان تینوں کے کیا نام ہیں؟ حاضرین مجلس نہ بتا سکے۔ امام بخاری نے بتایا کہ عروبہ' معمر بن راشد ہیں اور ابوالخطاب' قتادہ بن دعامہ ہے اور ابوحمزہ' حضرت انس ہیں۔ امام بخاری کے منہ سے یہ سنتے ہی حاضرین پر سکتہ طاری ہو گیا۔ (مقدمہ فتح الباری)

سمرقند میں امتحان

ایک دفعہ سمرقند میں چار سو محدثین نے متفقہ طور پر طے کیا کہ امام بخاری کو مغالطہ میں ڈال دیں' اس کے لیے انہوں نے عراق کی اسناد میں شام کی اور شام کی اسناد میں عراق کی' حرم کی اسناد میں یمن کی اور یمن کی اسناد میں حرم کی خلط ملط کر کے سات دن تک یہ لوگ امام بخاری کو پریشان کرتے رہے مگر ان کا حربہ کارگر نہ ہوا' یہ لوگ ایک بار بھی امام بخاری کو مغالطہ نہ دے سکے' نہ سند میں نہ متن میں۔

بغداد میں امتحان

جب امام بخاری بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین نے ان کے حافظے و وسعت علم کا امتحان لینا چاہا' اس کے لیے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں ردوبدل کر کے انہیں جانچا جائے' چنانچہ سو احادیث میں سے ہر ایک کے متن کو دوسری سند کے ساتھ اور دوسری کی سند کو اس کے متن کے ساتھ ملا دیا گیا۔ دس آدمی سوال کرنے کے لیے منتخب ہوئے' ایک ایک شخص کو دس دس حدیثیں دی گئیں' ایک تاریخ مقرر ہوئی' اس میں امام بخاری مجلس عام میں تشریف لائے اور ہزارہا ہزار

[1] ایضاً ج ۲ ص ۵

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

محدثین، فقہاء، عوام وخواص شریک ہوئے۔ جب مجمع پُرسکون ہو گیا تو حسب قرارداد ایک شخص کھڑا ہوا، اس نے ایک ایک کرکے اپنی دسوں حدیثوں کو پڑھا، ہر حدیث کو سننے کے بعد امام بخاری یہ فرماتے تھے: میں اسے نہیں پہچانتا، اسی طرح دسوں آدمیوں نے باری باری کھڑے ہو کر اپنے اپنے سوال کو دُہرایا۔ آپ کی طرف سے سب کا جواب یہ تھا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ اس پر بے علم خوش ہوئے کہ امام بخاری واقعی ان احادیث کو نہیں جانتے، مگر اہل علم جان گئے کہ معاملہ کیا ہے۔ جب دسوں آدمی بیٹھ گئے تو امام بخاری نے پہلے شخص سے فرمایا: آپ نے جو پہلی حدیث پڑھی تھی، وہ اس طرح نہیں، صحیح یوں ہے۔ اس متن کی سند یہ ہے، جس ترتیب سے اس نے پیش کی تھی، اسی ترتیب سے ہر ایک کی تصحیح کرتے گئے، یہاں تک کہ دسوں آدمیوں کی بیان کردہ سو احادیث پر اسی ترتیب سے کلام فرمایا، جس ترتیب سے ان لوگوں نے سوال کیا تھا۔ جب امام بخاری فارغ ہوئے تو تمام مجلس سے تحسین وآفریں کا شور اُٹھا اور حاضرین نے امام بخاری کے خداداد فضل وکمال کا لوہا مان لیا۔ اسی موقع پر کسی زندہ دل نے کہا: ”ھذا کبش انطح“ یہ زبردست سینگ مارنے والا مینڈھا ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۶)

سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ میں ایک دن محمد بن سلام بیکندی کے حلقۂ درس میں پہنچا تو انہوں نے فرمایا: تھوڑی دیر پہلے اگر آئے ہوتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر وہاں سے اُٹھا اور امام بخاری کی تلاش شروع کر دی، آخر کار ان کو ڈھونڈ نکالا، ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں وہ صاحبزادے ہو جنہیں ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں؟ امام بخاری نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں اور میں جن جن صحابہ سے روایت کرتا ہوں، ان میں سے اکثر کے مفصل حالات جانتا ہوں، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کہاں پیدا ہوئے؟ کہاں ان کا وصال ہوا؟ کہاں رہتے تھے؟ میں صرف اسی حدیث کی روایت کرتا ہوں، جس کی اصل کتاب وسنت میں پاتا ہوں۔ یہ واقعہ آپ کی سولہ سال سے کم عمر کا ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۵)

تعددِ طرق پر احاطہ

اس عہد میں احادیث کا ایسا چرچا تھا کہ جسے بھی دین سے شغف ہوتا، وہ کچھ نہ کچھ احادیث ضرور مع سند ومتن کے یاد رکھتا، اس کا نتیجہ تھا کہ ایک حدیث بیسیوں سندوں کے ساتھ منتشر تھی۔ محدثین اپنی اپنی صواب دید پر ایک یا چند طریقے پسند فرما لیتے۔ امام بخاری کا اس خصوص میں بھی یہ امتیاز ہے کہ اس عہد میں احادیث کے جو طرق موجود تھے، ان سب پر انہیں احاطہ تھا، وہ بھی پوری ردّ وقدح، جرح وتعدیل کے ساتھ۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات ہیں:

یوسف بن موسیٰ مروزی کا بیان ہے کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، منادی کی آواز سنائی دی: اے علم کے طلب گارو! محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں، جن کو ان سے حدیث سُننی ہو، وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں! یوسف نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک دُبلا پتلا نوجوان ستون کے پاس حد درجہ سادگی، پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، یہی امام بخاری تھے۔ منادی کی نداء سن کر لوگ چاروں طرف سے ان کے گرد اکٹھے ہو گئے، لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں احادیث لکھانے کے لیے کوئی مجلس منعقد کیجئے۔ امام بخاری نے دوسرے دن کے لیے وعدہ کر لیا، دوسرے دن صبح کو مجلس درس منعقد ہوئی، امام بخاری نے فرمایا: اے اہل بصرہ! میں وہی احادیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین کے پاس ہیں، مگر ایسی سند کے ساتھ جو ان کے پاس نہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے منصور کی سند سے ایک حدیث لکھوائی اور بصرہ میں یہ حدیث دوسری سندوں کے ساتھ مشہور تھی۔ اسی طرح امام بخاری نے کثیر احادیث لکھوائیں۔ اور سب کے بارے میں فرمایا: تمہارے یہاں کے لوگ اس سند کے ساتھ روایت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرتے ہیں اور میں فلاں سند کے ساتھ روایت کرتا ہوں۔

علل قادحہ میں مہارت

کبھی بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہر عیب سے پاک ہے صحیح ہے جرح کی کوئی گنجائش نہیں مگر حقیقت میں کوئی ایسا سقم ہوتا ہے کہ وہ حدیث ساقط الاعتبار ہوتی ہے مثلاً بہ ظاہر متصل ہے مگر حقیقت میں متصل نہیں۔ بہ ظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موقوف ہے یا متن میں ردّ و بدل ہو گیا ہے یا سند میں یا کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے اس کی شناخت حدیث کا بہت اہم فن ہے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ ان علل کی معرفت بغیر الہام کے نہیں ہو سکتی۔ محدثین نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث یہ پہچان جاتا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے مگر علت کسی کو نہیں بتا سکتا جیسے ماہر سنار سونے کو پرکھ کر جان جاتا ہے کہ کیسا ہے مگر دوسرے شخص کو سمجھا نہیں سکتا اس فن میں بھی امام بخاری یکتا تھے۔

ایک دفعہ نیشاپور میں جو امام مسلم کا وطن تھا امام بخاری تشریف فرما تھے امام مسلم امام بخاری سے ملاقات کے لیے آئے اسی اثناء میں کسی نے یہ حدیث پڑھی:

عن ابن جریج عن موسٰی بن عقبة عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال کفارة المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحٰنك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك.

ابن جریج موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں: وہ سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت ابو ہریرہ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ جب کھڑے ہو تو یہ پڑھ لیا کرو: اے اللہ! ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری بخشش کا طالب ہوں اور میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔

اس حدیث کو سن کر امام مسلم نے کہا: ''سبحان اللّٰه'' کتنی عمدہ حدیث ہے کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا بھر میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا: ''نعم لٰکنه معلولٌ'' ہاں! سند تو اچھی ہے لیکن معلول ہے۔ امام مسلم اس کو سنتے ہی کانپ اٹھے اور کہا: لا الٰہ الا اللہ آپ مجھے اس کی علت بتا دیجئے! امام بخاری نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جس چیز کو پوشیدہ رکھا ہے اسے پوشیدہ ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رو دیں گے آخر کار امام بخاری نے فرمایا: اتنا یہ ضد ہو تو اس کی غیر معلول سند سنو! ''حدثنا موسٰی بن اسماعیل حدثنا وهیب حدثنا موسٰی بن عقبة عن عون بن عبد اللّٰه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کفارة المجلس. الحدیث'' اس کو سننے کے بعد امام مسلم باغ باغ ہو گئے اور امام بخاری سے کہا: اے امام! میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں جو آپ سے بغض رکھے وہ حاسد ہے[1] اس قصے کو بیہقی نے مدخل میں اس طرح لکھا ہے: امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں اے استاذ الاستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله۔ آپ سے محمد بن سلام نے یہ حدیث بیان کی ہے:

''حدثنا محمد بن مخلد بن یزید قال اخبرنا ابن جریج حدثنی موسٰی بن عقبة عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی کفارة المجلس.. الحدیث'' یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا: یہ حدیث

[1] ارشاد الساری۔ ج ۱ ص ۳۰۔ ایضاً مقدمہ فتح الباری۔ ص ۸۶ ۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مجھ سے اور ایک طریقہ سے بیان کی گئی ہے: "حدثنا احمد بن حنبل و یحیٰی بن معین قالا حدثنا حجاج بن محمد عن ابن جریج قال حدثنی موسٰی بن عقبۃ عن سھیل عن ابیہ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس۔ الحدیث" یہ حدیث سنا کر امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیث اچھی ہے۔ اس سند کے ساتھ دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث نہیں' مگر یہ معلول ہے' اس لیے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل سے ثابت نہیں' پھر سابقہ مذکورہ طریقے سے حدیث بیان فرمائی اور فرمایا: یہ اس سے بھی بہتر ہے۔ (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۸۶)

نیشاپور ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام بخاری ایک جنازے میں جا رہے تھے' ذہلی امام بخاری سے رواۃ اور علل کے بارے میں سوالات کرتے جاتے تھے اور وہ فر فر تیر کی طرح یوں بتاتے جاتے تھے جیسے قل ھو اللّٰہ پڑھ رہے ہوں۔

(ایضاً۔ ص ۴۸۶' ارشاد الساری۔ ج ۱ ص ۱۳۰)

عادات واطوار

امام بخاری کے والد نے ترکے میں بہت زیادہ مال چھوڑا تھا اور وہ اس مال کو مضاربت پر دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے ذمہ پچیس ہزار درہم امام بخاری کے باقی پڑ گئے۔ امام بخاری نے دس درہم ماہانہ کی قسط مقرر فرمادی' مگر کچھ وصول نہ ہوا۔

ایک بار ابوحفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامانِ تجارت بھیجا کہ اسے بیچ دیں' تاجروں کو پتہ چلا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور پانچ ہزار درہم نفع دینے کو کہا' یہ رات کا وقت تھا۔ امام بخاری نے فرمایا: اس وقت آپ لوگ جائیں اور صبح کو آیئے گا۔ دوسرے دن صبح کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا' اس نے دس ہزار نفع دینے کو کہا۔ امام بخاری نے فرمایا: میں نے رات ہی کو نیت کر لی تھی کہ پہلے گروہ کو دوں گا' نیت بدلنا پسند نہیں کرتا۔

ایک بار امام بخاری لکھ رہے تھے' آپ کی باندی گزری' اس کے پاؤں سے دوات کو ٹھوکر لگی اور دوات گر گئی' امام بخاری نے اس سے فرمایا: دیکھ کر چلا کر' باندی نے شوخی سے جواب دیا: جب راستہ نہ ہو تو کیا کروں؟ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا: جاؤ! تم آزاد ہو۔

امام بخاری نے کبھی اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا' ان کے اساتذہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی تھے' یہی بزرگ اس کا سبب بنے کہ امام بخاری کو نیشاپور چھوڑنا پڑا' مگر امام بخاری نے ان کی مرویات کو صحیح بخاری میں بھی درج فرمایا' البتہ بجائے محمد بن یحییٰ کے یا تو صرف محمد ذکر کرتے ہیں یا بجائے والد کے پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے ہیں' لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے' اگر میں اس کا نام بطرز مشہور لکھوں تو وہ متعین ہو جائے گا' لوگ کہیں گے کہ جو شخص ان پر جرح کرتا ہے اس کو یہ عادل جانتے ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کی اس کی جرح درست ہے' اور میں مجروح ہوں' یعنی عادل وہ ہے جو جھوٹ نہ بولے' اور جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کی تو اگر جرح صحیح تو امام بخاری مجروح اور جرح غلط تو ذہلی کاذب اور غیر عادل۔

مگر خلجان اب بھی باقی رہتا ہے کہ جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کی تو صرف روایت میں ان کا نام بدلنے سے یہ احتمال کیسے ختم ہو گیا' وہ تو اب بھی اپنی جگہ باقی رہا' اگر ذہلی صادق تو امام بخاری مجروح اور امام بخاری بے داغ تو ذہلی غیر عادل۔

بات یہ ہے کہ معاصرین کی جرحیں قابلِ اعتناء نہیں' جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اختلاف کی وجہ سے کر رہا ہے۔ امام بخاری اور ذہلی میں مسئلہ خلقِ قرآن پر شدید اختلاف ہوا' جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے ذہلی امام بخاری پر معاصرانہ چشمک کی وجہ سے جرح کرتے ہیں' اس لیے وہ جرح ناقابلِ اعتبار ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کے باوجود کہ میراث میں کثیر دولت پائی تھی' چاہتے تو رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارتے' مگر امام بخاری بہت سادہ' زاہدانہ طور پر گزر بسر کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں دو تین باداموں پر گزارہ کرتے' کبھی صرف سوکھی گھاس پر۔ چالیس سال تک بے شور بے کے سوکھی روٹی کھائی' بیمار پڑے اور اطباء نے قارورہ دیکھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا قارورہ راہبوں کے قارورے کے مثل ہے' یہ صرف سوکھی روٹی کھاتے ہیں' جس سے آنتیں سوکھ گئی ہیں۔ لوگوں کے بہت اصرار کرنے پر بمشکل تمام شیرۂ انگور سے روٹی کھانا قبول کیا۔

محمد بن حاتم وراق کہتے ہیں کہ امام بخاری جب سفر میں رہتے تو ہم تمام خدام کو ایک کمرے میں رکھتے اور خود سب سے علیحدہ ایک کمرے میں۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اُٹھے اور چقماق سے آگ جلا کر چراغ جلاتے اور احادیث کے دفاتر پڑھتے' کہیں کہیں نشان لگاتے اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ جاتے' میں نے عرض کیا کہ رات کو آپ نے بار بار خود زحمت اُٹھائی' مجھے جگا دیتے' فرمایا: تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو' تمہاری نیند خراب ہوتی۔

امام بخاری بہت ماہر تیر انداز تھے' شاید ہی کوئی تیر خطا ہوتا۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اپنی طویل صحبت میں صرف دو بار میں نے ان کے تیر کو خطا ہوتے دیکھا' ایک مرتبہ فربر میں تھے' امام بخاری سوار ہو کر تیر اندازی کے لیے نکلے' خدام ساتھ تھے' شہر پناہ کے اس دروازے پر جس سے نہر کے دہانے تک راستہ جاتا ہے' ہم لوگ تیر اندازی کرنے لگے' امام بخاری کا ایک تیر پل کی میخ میں جا لگا جس سے میخ پھٹ گئی۔ امام بخاری نے فوراً تیر اندازی موقوف کر دی اور ہم لوگوں کو واپسی کا حکم دیا اور ایک گہرا سانس لیا اور ابو جعفر سے فرمایا: تم سے ایک کام ہے' اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور کہو کہ بخاری کے تیر سے میخ پھٹ گئی ہے۔ دو باتوں میں سے ایک کرؤ یا تو اجازت دو کہ ہم اس کی میخ بدل دیں یا اس کی قیمت لے لو اور غلطی معاف کرو۔ اس پل کے مالک حمید بن اخضر تھے' میں نے جا کر امام بخاری کا پیغام انہیں پہنچایا' تو حمید نے کہا کہ امام بخاری سے جا کر میرا سلام کہو اور عرض کرو: آپ سے مواخذہ نہیں' میرا تمام مال آپ پر قربان۔ میں نے واپس آ کر امام بخاری کو جب ان کا جواب سنایا تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور فرطِ مسرت میں اس دن ہم لوگوں کو پانچ سو احادیث سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کیے۔

ایک دن امام بخاری حدیث بیان کر رہے تھے' ان کے ایک تلمیذ ابو معشر ضریر کو وہ حدیث بہت پسند آئی' وہ عالمِ کیف میں ہاتھ اور سر ہلانے لگے' ان کی اس حرکت پر امام بخاری مسکرا دیئے' پھر بعد میں امام بخاری کو احساس ہوا اور ابو معشر ضریر سے معافی مانگی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے' مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل مجھ سے غیبت پر مواخذہ نہیں فرمائے گا' اس میں اتنے محتاط تھے کہ نقد و جرح میں راویوں کے حالات بیان کرنا ضروری ہے' مگر آپ نے اس موقع پر بھی انتہائی احتیاط کی' یہاں تک کہ بدرجۂ مجبوری اگر کسی کے کاذب ہونے کو ظاہر کیا ہے تو بہ طور حکایت' مثلاً ''کذبہ فلان رماہ بالکذب فلان''۔

کرامت

ایک بار جب کہ فربر میں قیام تھا' بخارا کے قریب ایک مسافر خانہ کی امام بخاری نے تعمیر شروع کی' خدام و معتقدین کو ساتھ لے کر کام شروع کیا' کام شروع ہوا تو بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر کام کرنے کے لیے آ گئے۔ انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ امام بخاری خود کام کرتے' اینٹیں اُٹھاتے' دیواریں لگاتے۔ ایک خادم نے عرض کیا: آپ رہنے دیں' ہم لوگ کافی ہیں۔ فرمایا: یہ تکلیف آخرت میں نفع بخش ہوگی' کام کرنے والوں کے لیے امام بخاری نے ایک گائے ذبح کی' ہم فربر سے تین روپے کی روٹیاں لائے تھے' ایک روپے کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پانچ من کے حساب سے پندرہ من روٹیاں تھیں‘ آج کل کے حساب سے یہ کل روٹیاں چونتیس کلوگرام سے کچھ تھوڑی سی زائد تھیں۔ ابتداء میں امام بخاری کے ساتھ صرف سو آدمی تھے‘ مگر اب تعداد بہت بڑھ گئی تھی‘ مگر امام بخاری کی کرامت کہ سب نے آسودہ ہو کر کھایا اور روٹیاں کافی بچ گئیں۔

امام بخاری کی فیاضی کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے۔ مضاربت سے ان کی آمدنی پانچ سو ماہانہ تھی‘ یہ ساری رقم طلبہ پر صرف کر دیتے تھے۔ ایامِ تحصیل میں اپنے شیخ آدم بن ایاس کے یہاں تھے‘ کھانے پینے کا سامان ونقد سب خرچ ہو گیا‘ گھر سے خرچ آنے میں دیر ہو گئی‘ ان دنوں انہوں نے گھاس کھا کھا کر گزارا کیا‘ کسی سے سوال کیا کرتے‘ قرض بھی نہیں مانگا‘ تین دن یہی حال رہا‘ تیسرے دن ایک اجنبی صاحب آئے‘ جنہیں امام بخاری بھی پہچانتے نہ تھے اور اشرفیوں کی تھیلی نذر کی۔

عبادت وریاضت

ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ بہت ہی زبردست عبادت گزار تھے‘ کثرت سے نوافل پڑھتے‘ شب بیداری کرتے‘ قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ گویا وہ روحانی غذا تھی‘ رمضان المبارک آ جاتا تو تلاوتِ قرآن تقریباً چوبیس گھنٹے جاری رہتی‘ بعد عشاء تراویح پڑھتے‘ اس میں ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کرتے‘ اس طرح پورا قرآن مجید پورا کرتے‘ پھر آدھی رات سے سحر تک دس پارے روز پڑھتے‘ دن میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کرتے‘ افطار کے وقت ختم فرماتے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہر قرآن مجید کے ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۸۲‘ ایضاً طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۹)

اس سے ان غیر مقلدین کو ہدایت حاصل کرنی چاہیے‘ جو اپنے آپ کو امام بخاری کا کٹر مقلد ظاہر کرتے ہیں‘ مگر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے‘ یہ ناجائز و بدعت ہے۔ امام اعظم کے اس ختم کو تو بدعت کہہ دیا‘ امام بخاری کے اس عمل کو کیا کہیں گے کہ وہ روزانہ ایک ختم دس پارے‘ چار سو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔

نیز غیر مقلدین نے آرام پسند کاہل افراد کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے تراویح بجائے بیس کے آٹھ رکعت کر دی ہے‘ وہ آئیں اور دیکھیں کہ امام بخاری بھی بیس ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے‘ اس لیے کہ قرآن میں کم از کم چھ ہزار آیتیں ہیں اور آٹھ رکعت میں کل ایک سو ساٹھ آیتیں ہوتی ہیں‘ اس طرح تیس رات میں کل چار ہزار ساٹھ آیتیں ہوئیں‘ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو لازم آئے گا کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کرتے۔ یہ روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ خلافِ سنت بھی ہے۔ سنت یہ ہے کہ کم از کم ایک ختم قرآن مجید پڑھا جائے اور احناف کے مسلک پر بلا کسی دغدغے کے درست ہے۔ بیس رکعت میں بحساب فی رکعت بیس آیات چار سو آیتیں ہوئیں‘ اور پندرہ دن میں چھ ہزار۔ اس طرح فی رکعت بیس آیات کے حساب سے قرآن مجید رمضان میں ضرور ختم ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ امام بخاری پندرہ ہی دن میں تراویح کے اندر ختم قرآن کر لیتے تھے‘ اس لزوم میں کوئی حرج نہیں۔

اس کا امکان ہے کہ پندرہ دن قرآن مجید اور پندرہ دن تراویح میں سورتیں پڑھتے ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں لکھا:

اذا کان اول لیل من رمضان یجتمع الیہ اصحابہ فیصلی بھم ویقرأ فی کل رکعۃ عشرین اٰیۃ وکذالک

جب رمضان کی پہلی رات آتی تو ان کے اصحاب ان کے پاس جمع ہوتے‘ یہ انہیں نماز (تراویح) پڑھاتے‘ ہر رکعت میں بیس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الی ان یختم القرآن. (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۸۲) آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی قرآن ختم کرتے ہوں، ہوسکتا ہے کہ دو قرآن ختم کرتے ہوں، اس دوسرے احتمال پر یہ شبہہ وارد ہوتا ہے کہ اگر رمضان انتیس دن کا ہوتو لازم آئے گا کہ کسی دن بیس کے بجائے چالیس آیتیں پڑھی جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہ اعتبار اغلب اکثر کے بیس آیتوں کو ذکر کیا گیا، اور یہ تو اتنا اغلب و اکثر ہے کہ انتیس دن میں صرف ایک دن کا تخلّف ہے۔

عبادت میں استغراق

ایک دفعہ کسی باغ میں امام بخاری کی دعوت تھی، ظہر کی نماز کے بعد نفل (نماز) پڑھنی شروع کی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے کُرتے کا دامن اُٹھایا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا: دیکھو! تو میرے کُرتے کے اندر کچھ ہے؟ انہوں نے دیکھا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ سترہ جگہ ڈنک مارا ہے، اور یہ سب جگہیں سوج گئی ہیں۔ کسی نے کہا کہ پہلی بار جب اس نے ڈنک مارا تھا تو نماز کیوں نہیں توڑ دی؟ فرمایا: میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، اسے پوری کیے بغیر نماز توڑنے کو جی نہیں چاہا۔ (قسطلانی۔ ج ۱ ص ۳۱)

ادب

ایک دفعہ امام بخاری مسجد میں حدیثیں بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے اپنی ڈاڑھی میں لگے ہوئے تنکے کو نکال کر مسجد کے فرش پر ڈال دیا۔ امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچا کر اس تنکے کو اُٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا، لوگوں کے چلے جانے کے بعد اس تنکے کو مسجد کے باہر پھینکا۔ ان لوگوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے جو اپنے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لیے مسجد کی چٹائیاں جھاڑ کر مسجد کے فرش پر گرا دیتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے کہ چٹائی کے گرد و غبار کو جھاڑ کر مسجد کے فرش پر کرنا منع ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی اپنے پہنے ہوئے کپڑے سے گندگی پونچھ کر اپنے بدن میں مل لے۔ اسے کون پسند کرے گا؟ اصل مسجد فرش ہے اور چٹائی وغیرہ اس کا لباس۔

اعتراف فضل

امام بخاری کے کمال کی معراج یہ ہے کہ ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف خود ان کے عہد کے تمام اساطین ملت وائمہ حدیث و ارباب فضل و کمال نے کیا، اور ان کے بارے میں ایسے ایسے عظیم الشان کلمات مدح و ثناء کہے ہیں جو امام بخاری کی جلالت شان کی مظہر ہیں اور ان میں صرف تلامذہ و اصاغر ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی ہیں اور معاصرین بھی۔ اگر ان تمام کلمات کو جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی ہیں۔ علامہ ابن حجر جیسے علم کے بحر ناپید کنار نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام بخاری کی عظمت شان میں اتنے کلمات کہے گئے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو کاغذ و قلم ختم ہو جائیں گے، مگر کلمات ختم نہ ہوں گے، اس لیے کہ وہ ایسے بحر تھے جس کا کوئی ساحل نہیں تھا۔

کلمات اساتذہ

ابومصعب احمد بن ابوبکر زہری نے کہا کہ محمد بن اسماعیل حدیث کی بصیرت اور حدیث کی سمجھ امام احمد بن حنبل سے زیادہ رکھتے تھے۔ کسی نے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا: آپ حد سے آگے بڑھ گئے تو ابومصعب نے کہا: اگر تم مالک کا زمانہ پاتے، انہیں اور امام بخاری کو دیکھتے اور پہچانتے تو کہتے: دونوں ایک ہی ہیں۔

قتیبہ بن سعید نے کہا: میں فقہاء، زہاد، عباد کے پاس بیٹھا، میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا، وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: سرزمین خراسان نے بخاری جیسا آج تک پیدا نہیں کیا۔ قتیبہ سے شراب کے نشہ سے مست کی طلاق کے بارے میں سوال ہوا' اتنے میں امام بخاری آ گئے' قتیبہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے کہا: لو یہ احمد بن حنبل' اسحٰق بن راھویہ' علی بن مدینی کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے یہاں بھیج دیا' یعنی یہ تنہا ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہیں۔ اسحٰق بن راھویہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر بیٹھے ہوئے حدیث بیان کر رہے تھے' امام بخاری بھی موجود تھے۔ ایک حدیث پر انہیں امام بخاری نے ٹوک دیا' اسحٰق بن راھویہ نے امام بخاری کے قول کو مان لیا' اور حاضرین سے فرمایا: اے محدثین! اس جوان کو دیکھو! ان سے حدیثیں سیکھو' اگر یہ امام حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی حدیث وفقہ کی معرفت میں ان کے محتاج ہوتے۔

علی بن مدینی نے کہا: بخاری نے اپنے مثل کو نہیں دیکھا' بخاری جس کی تعریف کر دیں وہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے' حالانکہ علی بن مدینی وہ جلیل محدث ہیں کہ خود امام بخاری نے فرمایا: میں نے علی بن مدینی کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں جانا۔ رجاء بن رجاء نے کہا: بخاری کی فضیلت علماء پر ایسی ہی ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر۔ وہ اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں جو زمین پر چلتے ہیں۔

کلماتِ معاصرین

یہ تو بہت ہوتا ہے کہ شفیق اساتذہ اپنے ہونہار تلامذہ کو نوازتے ہیں مگر ایک معاصر دوسرے معاصر کے فضل وکمال کا بہت کم اعتراف کرتا ہے' اپنے اوپر تفوق تسلیم کرنا تو بہت دور کی بات ہے' معاصرانہ چشمک مشہور ہے' مگر امام بخاری کے فضل وکمال کا یہ زرّیں ورق ہے کہ ان کے معاصرین نے بھی نہایت صفائی اور تصریح کے ساتھ ان کے فضل وکمال بلکہ اپنے اوپر ان کی برتری کو بھی تسلیم کیا ہے۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے کہا: میں نے حرمین' حجاز' شام' عراق کے علماء کو دیکھا مگر امام بخاری جیسا جامع کسی کو نہیں پایا' وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ والے ہیں۔

ابوالطیب حاتم بن منصور نے کہا کہ امام بخاری علم کی بصیرت اور عبور میں اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں۔ امام ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نے کہا: آسمان کے نیچے بخاری سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ترمذی نے کہا: علل واسانید کو بخاری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ امام مسلم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: آپ کی مثل دنیا میں کوئی نہیں' پہلے امام مسلم کا قول گزر چکا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں' اے استاذ الاستاذین' سید المحدثین طبیب الحدیث فی عللہ۔ ابوعمر وخفاف نے کہا: بخاری نے اپنا مثل نہیں دیکھا' یہ امام احمد اور اسحٰق وغیرہ سے بیس درجے اعلم بالحدیث ہیں' جو ان کی گستاخی کرے اس پر میری طرف سے ہزار لعنت۔

عبداللہ بن حماد آملی نے کہا: میری آرزو ہے کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے' مجھے حاصل ہوتا۔ سلیم بن مجاہد نے کہا: میں نے ساٹھ سال سے بخاری سے زیادہ فقیہ اور پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا۔ موسیٰ بن ہارون حمال بغدادی نے کہا: اگر تمام اہل اسلام اکٹھے ہو کر یہ چاہیں کہ محمد بن اسماعیل جیسا کوئی اور پالیں تو یہ ناممکن ہے۔ رہ گئے تلامذہ اور بعد کے علماء کہ انہوں نے کیا کہا؟ اس کا سلسلہ اتنا دراز ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔

مشائخ اور ان کے طبقات

امام بخاری کا فضل وکمال یہ بھی کچھ کم نہیں کہ انہوں نے علم حدیث کی تحصیل میں اس کا لحاظ نہیں کیا کہ ہم جس سے حدیث

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حاصل کر رہے ہیں یہ ہم سے بڑا ہے کہ برابر ہے کہ چھوٹا' انسان کے دماغ میں جب پندار کا غرور پیدا ہو جاتا ہے تو اپنے چھوٹے تو چھوٹے ہیں' برابر تو برابر ہیں' اپنے بڑوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے' جاہل رہنا پسند کرتا ہے' جہل مرکب میں گرفتار رہنا قبول کرتا ہے' مگر دوسرے سے کچھ پوچھنا اپنی کسرشان سمجھتا ہے۔ یہ پندار انسان کو علم سے محروم رکھتا ہے' کبھی بے جا حیاء آڑے آتی ہے' مگر امام بخاری ان دونوں عیبوں سے پاک تھے۔ اس حدیث ''الکلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث ما وجدها فهو احق بها''[1] علم مؤمن کی گمشدہ دولت ہے' جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے'' کے سچے عامل تھے' اسی لیے ان کے اساتذہ کی فہرست میں جہاں اس وقت کے مسلم الثبوت مشائخ محدثین ہیں' وہیں ان کے معاصرین وتلامذہ بھی ہیں۔ ان کے اساتذہ پانچ طبقات کے ہیں' جن کی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

طبقۂ اولیٰ

وہ مشائخ جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبداللہ انصاری' مکی بن ابراہیم ابوعاصم' انیس عبید الدین موسیٰ' اسماعیل بن ابی خالد اور ابونعیم صاحب حلیہ وغیرہ۔

طبقۂ ثانیہ

وہ مشائخ جو طبقۂ اولیٰ کے معاصرین ہیں مگر وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے' جیسے آدم بن ابی ایاس' ابومسہر' سعید بن ابی مریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ۔

طبقۂ ثالثہ

وہ مشائخ جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں' جیسے سلیمان بن حرب' قتیبہ بن سعید' نعیم بن حماد' علی بن مدینی' یحییٰ بن معین' امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ

امام بخاری کے درس کے رفقاء جنہوں نے امام بخاری سے پہلے علم حدیث کی تحصیل شروع کی تھی' جیسے ابوحاتم رازی' محمد بن عبدالرحیم' حمید بن حمید' احمد بن نضر' محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ۔ امام بخاری نے اس وقت ان لوگوں سے روایت کی' جب ان کے مشائخ وصال پاگئے اور جو احادیث ان کے پاس تھیں' وہ کسی اور کے پاس نہ تھیں۔

طبقہ خامسہ

اس طبقے میں وہ محدثین ہیں جو امام بخاری کے تلامذہ تھے' جیسے عبداللہ بن حماد آملی' عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی۔

تلامذہ

ان زمانے میں حرمین طیبین کے سوا کوفہ' بصرہ' بغداد' نیشاپور' سمرقند' بخارا علوم دینیہ کے اہم مراکز تھے۔ ان شہروں میں امام بخاری بار بار گئے بے شک لوگوں کو احادیث پڑھائیں اور یہ سلسلہ ابتداء ہی سے شروع ہو گیا تھا' جہاں جاتے لوگوں کو حدیث پڑھاتے اور ساتھ ہی ساتھ علم حدیث کی تحصیل بھی کرتے' کبھی کبھی ہزار ہا ہزار کے مجمع میں حدیث املاء کراتے۔ محمد بن صالح نے کہا: میں نے بغداد میں

[1] ابن ماجہ باب: الحکمۃ ص ۳۱۷

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان کی حدیثیں لکھنے والوں کا مجمع بیس ہزار تک دیکھا' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے تلامذہ بخارا سے لے کر حجاز' شام' مصر تک پھیل گئے۔
علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا کہ جن لوگوں نے ان سے صحیح بخاری سنی' ان کی تعداد نوے ہزار ہے[1] یہ صحیح بخاری کا حال ہے' اس کے علاوہ امام بخاری سے احادیث اخذ کرنے والوں کی کیا تعداد ہے؟ یہ آج کون شمار کرسکتا ہے' جب کہ اس عہد میں گنتی نہ ہو سکی۔

نیشاپور کا فتنہ

جب ۲۵۰ھ میں بغداد سے امام بخاری نیشاپور آئے' اہل نیشاپور کو جب ان کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے دو تین منزل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ عوام وخواص' علماء وصلحاء روٗساء سبھی تھے۔ اور اس شان سے نیشاپور آئے کہ اس وقت تک اس شان و شوکت کا استقبال نیشاپور میں نہ کسی عالم کا ہوا تھا نہ کسی حاکم کا۔ یہ امام مسلم کا بیان ہے۔ اس وقت نیشاپور میں محمد بن یحییٰ ذہلی مشہور محدث عوام وخواص کے مرجع اعظم تھے' یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے' بلکہ لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دی۔ انہوں نے لوگوں سے کہا: کل میں خود ان کے استقبال کو چلوں گا' جس کا جی چاہے چلے۔ نیشاپور میں آکر امام بخاری نے دارالبخارین میں قیام کیا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو تنبیہ کر دی تھی کہ امام بخاری سے علم کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا' خدانخواستہ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف کوئی بات کہہ دیں گے تو ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہو جائے گا' جس پر خراسان کے رافضی' ناصبی' جہمی' مرجی ہنسیں گے۔
امام بخاری نے جب احادیث کا درس دینا شروع کیا تو لوگ جوق در جوق آنے لگے' اتنی بھیڑ ہونے لگی کہ دار ہی نہیں بام و در بھی بھر گئے۔ دوسری درسگاہیں خالی ہو گئیں' یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ نے خلق قرآن کا مسئلہ پوری دنیائے اسلام میں پھیلا رکھا تھا۔ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے' جس طرح اس کی ساری صفات قدیم غیر مخلوق ہیں' اسی طرح قرآن بھی قدیم وغیر مخلوق ہے۔ اس کے برخلاف معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے' یہ اختلاف بغداد میں اُٹھا اور پورے بلادِ اسلامیہ میں پھیل گیا۔ اس سلسلے میں متشدد حنابلہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ ہماری قراءت کو بھی غیر مخلوق کہنے لگے' یہ مسئلہ خواص سے بڑھ کر عوام میں بھی پھیل چکا تھا' اور معتزلی وغیر معتزلی کی علامت بن چکا تھا۔
ابھی نیشاپور میں امام بخاری کو درسِ حدیث دیتے ہوئے دو تین دن ہی گزرتے تھے کہ کسی نے بھری مجلس میں ان سے سوال کر دیا: قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟
امام بخاری نے اس سے منہ پھیر لیا' کوئی جواب نہیں دیا' اس نے تین بار پوچھا' ہر بار امام بخاری نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا' جب اس شخص نے بہت الحاح کے ساتھ اصرار کیا تو امام بخاری نے یہ جواب دیا: قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور امتحان بدعت ہے۔
اس پر اس شخص نے فساد مچا دیا اور یہ کہا کہ امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق' اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا' کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ انہوں نے یہ کہا ہے اور کچھ یہ کہتے کہ نہیں کہا ہے' یہاں تک کہ آپس میں مار پیٹ کی نوبت آگئی' گھر والوں نے بیچ بچاؤ کر کے مجمع کو ہٹایا۔
بعض روایتوں میں ہے کہ نیشاپور کے بعض مشائخ نے جب دیکھا کہ امام بخاری کے آتے ہی ہماری مجلسیں اُجڑ گئیں تو انہوں نے اس سائل کو سکھا کر بھیجا تھا' چونکہ ذہلی ان بزرگوں میں سے تھے جو ہماری تلاوت کو بھی غیر مخلوق مانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ اعلان کر دیا: جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کہتا ہے' وہ بدعتی ہے۔ اس سے میل جول' سلام' کلام بند کر دیا جائے۔ اب جو محمد بن اسماعیل

---

[1] مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۹۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے یہاں جائے اسے متہم جانو' کیونکہ ان کی مجلس میں وہی جائے گا' جو ان کے مذہب پر ہو گا۔ امام بخاری لاکھ کہتے رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا' مگر اب ان کی یہ بات سننے والا کون تھا؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مسلم اور احمد بن مسلمہ کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے یہاں جانا چھوڑ دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذہلی نے یہ کہا کہ جو یہ کہے وہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔ امام مسلم موجود تھے' فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے' اُن کے ساتھ احمد بن مسلمہ بھی چلے گئے۔ امام مسلم نے وہاں سے آتے ہی ذہلی سے جتنی احادیث لکھی تھیں' سب اونٹ پر لاد کر واپس کر دیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذہلی کی کوئی روایت نہیں لی ہے' اس کی وجہ یہی ناراضگی بتائی جاتی ہے' مگر حیرت اس پر ہے کہ اس کے بالمقابل انہوں نے امام بخاری کی بھی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب امام مسلم اور احمد بن مسلمہ ذہلی کی مجلس سے چلے آئے تو ذہلی نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شخص[1] میرے ساتھ شہر میں نہیں رہے گا۔ اس کے بعد احمد بن مسلمہ' امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا: یہ شخص یعنی ذہلی پورے خراسان خاص کر اس شہر میں مقبول ہے' ہم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے اس معاملہ میں بات کر سکے' آپ نے کیا سوچا ہے؟ یہ سن کر امام بخاری نے اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لی اور کہا:

وافوض امری الی اللّٰہ ان اللّٰہ بصیرٌ بالعباد	میں اپنے معاملہ کو اللہ عزوجل کے سپرد کرتا ہوں جو بندوں کو
اللّٰھم انک تعلم انی لم ارد المقام نیسابور أشرا ولا	دیکھتا ہے' اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں قیام کا
بطرًا ولا طلبًا للریاسۃ. (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۹۲)	ارادہ اپنی بڑائی و بزرگی ظاہر کرنے اور ریاست حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔

ذہلی نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا ہے' اب میں اپنے وطن چلا جاؤں گا' اے احمد! میں کل صبح ہی کوچ کر جاؤں گا۔

بخارا کو واپسی

نیشاپور سے امام بخاری اپنے وطن کی طرف چلے' جب بخارا والوں کو معلوم ہوا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی' تین میل دور تک شامیانے' خیمے نصب کیے گئے' تمام شہر والے استقبال کو نکلے اور امام بخاری پر روپیوں' موتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے بخارا لائے۔

اپنے وطن آ کر امام پورے اطمینان و سکون کے ساتھ درسِ حدیث دینے لگے۔ تشنگانِ علم حدیث ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے۔ چھ سال تک امام بخاری کا فیضان جاری رہا' مگر حاسدین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا' اس وقت حکومت عباسیہ کی طرف سے بخارا کا والی خالد بن احمد ذہلی تھا۔ اس کو امام بخاری سے برگشتہ کرنے کے لیے حاسدین نے یہ کہا کہ آپ امام بخاری سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادوں کو آپ کے محل میں آ کر اپنی جامع اور تاریخ پڑھا دیں۔ خالد نے امام بخاری کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ امام بخاری نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے' میں اسے ذلیل نہیں کروں گا' اگر آپ کو خواہش ہے کہ آپ کے بچے مجھ سے پڑھیں تو اپنے بچوں کو میری مجلس میں بھیج دیں' تا کہ دوسرے طلبہ کے ساتھ وہ بھی پڑھیں۔ خالد نے کہلایا کہ اگر آپ میرے محل میں نہیں آ سکتے تو میں اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا' مگر جب یہ پڑھنے حاضر ہوں تو ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو' ان کو تنہا پڑھائیں' میرے فرستادے چوبدار دروازے پر متعین رہیں گے' کسی کو اس وقت اندر نہ جانے دیں گے۔ امام بخاری نے اسے بھی پسند نہ فرمایا' کہلا دیا کہ علم میراث رسول ہے' اس پر ہر اُمتی کا حق برابر ہے' میں کسی کی تخصیص نہیں کروں گا۔ اس سے وہ امام بخاری پر غضب ناک ہو گیا۔

دوسری روایت بکر بن شیبہ کی یہ ہے کہ والیٔ بخارا خالد نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ میں آپ کی جامع اور تاریخ آپ سے سننا چاہتا ہوں' آپ میرے محل میں آ کر مجھے سنا دیا کریں۔ امام بخاری نے جواب میں کہلا دیا کہ میں علم کو ذلیل کر کے سلاطین کے دروازوں

[1] بخاری

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پر نہیں لے جا سکتا، جس کو شوق ہے وہ میرے گھر یا میری مسجد میں حاضر ہو کر سن لے اور اگر یہ پسند نہ ہو تو، تو سلطان ہے مجھے درس دینے سے روک دے تا کہ قیامت کے روز اللہ عزوجل کے حضور میرے لیے عذر ہو کہ میں نے اپنی خوشی سے علم کو نہیں چھپایا ہے، اس جواب پر وہ بوکھلا گیا۔

اس نے رائے عامہ سے امام بخاری کو پھیرنے کے لیے بخارا کے چند افراد کو جن میں حریث بن ابوالورقاء کا نام خاص طور پر مشہور ہے، آمادہ کیا کہ وہ اختلافی مسائل پر امام بخاری سے گفتگو کریں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اسے عوام میں پھیلانا شروع کیا، جس سے شورش اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مشہور ہے کہ کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ امام بخاری نے فرمایا کہ ہاں! ثابت ہو جائے گی، انہیں ایام میں نیشاپور کے محمد بن یحییٰ ذہلی کا بھی خالد کے پاس خط آ گیا کہ امام بخاری کا عقیدہ یہ ہے: ''لفظی بالقرآن مخلوق'' اس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ امام بخاری کے خلاف ایک محضر نامہ تیار ہوا، جس پر بخارا کے علماء کے دستخط ہوئے۔ جب امام بخاری کے خلاف رائے عامہ ہوگئی اور محضر نامہ بھی تیار ہو گیا تو اس نے ان کو حکم دیا کہ بخارا سے نکل جائیں۔ جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد امام بخاری اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ شکستہ قلب وجگر سے اپنے ان مخالفین کے لیے یہ بددعا کی:

اللّٰھم ارھم ما قصدونی بہ فی انفسھم واولادھم واھالیھم. (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۹۴)

اے اللہ! جیسے انہوں نے مجھے بے عزت کیا ہے، ویسے ہی ان لوگوں کو اپنی ذات، اپنی اولاد، اپنی اہل کی بے عزتی دکھا۔

درحق سے اجابت نے امام بخاری کی دعا کا استقبال کیا، اور ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ خالد اور اس سازش کے شرکاء اس کے نشانہ بنے۔ خالد کے بارے میں دارالسلطنت بغداد سے سلطانِ وقت کا حکم پہنچا کہ اسے معزول کیا گیا، اسے گدھی پر بٹھا کر شہر میں گھمایا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ بدکار کی یہ سزا ہے۔ اس سزا کے بعد وہ پابجولاں بغداد بھیجا گیا، وہیں جیل میں بند رہا، اسی میں مرا۔ حریث بن ورقاء کے اہل کے بارے میں وہ بات مشہور ہوئی جو نا قابل ذکر ہے اور دوسرے لوگوں کی اولاد پر وہ بلائیں آئیں، جنہیں سن کر روح کانپ جاتی ہے۔ ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

وفات

امام بخاری جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد بخارا سے نکلے، جب سمرقند والوں کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن چھوڑ رہے ہیں تو انہوں نے خط لکھ کر درخواست کی کہ ہمارے یہاں تشریف لا کر ہمیں عزت بخشیں۔ امام بخاری نے سمرقند کا رخ کیا، جب سمرقند کے قریب ایک موضع خرتنگ پہنچے تو اطلاع ملی کہ سمرقند میں بھی ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ خرتنگ میں امام بخاری کے کچھ رشتہ دار بھی تھے، آپ نے وہیں عارضی طور پر اس وقت کے لیے قیام فرمانے کا ارادہ کر لیا جب تک باشندگان سمرقند کوئی دوسرا فیصلہ نہ کر لیں۔

پیہم حوادث وشورش نے امام بخاری کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا، دنیا سے اُکتا گئے، ایک رات تہجد کی نماز کے بعد سوزِ قلب سے یہ دعا کی:

اللّٰھم قد ضاقت علیّ الارض بما رحبت فاقبضنی الیک. (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۹۴)

اے اللہ! زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے مجھے اپنی طرف اُٹھا لے۔

چند دن کے بعد بیمار پڑ گئے۔ اسی اثناء میں سمرقند سے قاصد آیا کہ آپ سمرقند تشریف لائیں امام بخاری سمرقند جانے کے لیے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آمادہ ہو گئے‘ مگر سمرقند کے فاصلہ کے ساتھ ساتھ پیک اجل بھی آ رہا تھا‘ سمرقند جانے کے لیے اُٹھے‘ موزے پہنے‘ عمامہ باندھا‘ آپ کے میزبان غالب بن جبریل بازو پکڑ کر سواری تک لے چلے‘ بمشکل بیس قدم چلے ہوں گے کہ فرمایا: مجھے چھوڑ دو! مجھ پر ضعف طاری ہو گیا ہے۔ غالب کا بیان ہے کہ ہم نے چھوڑ دیا‘ کچھ دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی روح جوارِ قدس میں پرواز کر گئی۔ وصال کے بعد جسم اقدس سے پسینہ نکلنا شروع ہوا‘ اتنا نکلا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا‘ کفن پہناتے وقت تک نکلتا رہا‘ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا‘ جن میں نہ کرتا ہو یعنی سلا ہوا‘ نہ عمامہ۔ اسی کے مطابق عمل ہوا‘ تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن یکم شوال کی رات میں وصال ہوا۔ عید الفطر کے دن بعد نمازِ ظہر اس گنجینہ کرامت کو ہم نے دفن کیا۔

مزارِ پاک

دفن کے بعد قبر اطہر سے مشک کی خوشبو اُٹھتی تھی‘ لوگ دور دور سے آ کر مزار پاک کی مٹی لے جانے لگے‘ جس سے گڑھا ہو گیا‘ عقیدت مندوں نے لکڑی کا احاطہ بنا دیا‘ پھر لوگ احاطے کے باہر کی مٹی لے جانے لگے۔ اس ظاہر و باہر کرامت کے بعد بہت سے مخالفین مزارِ اقدس پر آئے‘ اظہارِ ندامت اور توبہ کی۔ (ایضاً۔ ص ۴۹۴)

کرامت بعد وصال

امام بخاری کی وفات کے ایک سال بعد سمرقند میں سخت قحط پڑا‘ لوگوں نے بار بار نماز استسقاء پڑھی‘ دعائیں مانگی‘ مگر بارش نہ ہوئی۔ بالآخر ایک مرد باخدا نے سمرقند کے قاضی سے جا کر کہا: تم شہر والوں کو لے کر امام بخاری کے مزار پر حاضر ہو‘ وہاں دعا مانگو‘ اُمید ہے کہ اللہ عزوجل تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ قاضی شہر باشندگانِ سمرقند کو لے کر امام بخاری کے مزار پاک پر حاضر ہوئے‘ لوگوں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ رو رو کر بارش کے لیے دعائیں کیں۔ امام بخاری سے درخواست کی کہ دعا کے قبول کرنے کی سفارش کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ابھی دعا کر ہی رہے تھے کہ فضا پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی‘ مسلسل لگاتار سات دن تک ایسی بارش ہوئی کہ ان لوگوں کو اپنے گھر سمرقند جانا ممکن نہ ہوا۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ ج ۲ ص ۱۵) اسی کو حدیث میں فرمایا:

لن تخلوا الارض من ثلثين مثل ابراهيم بهم تغاثون وبهم ترزقون وبهم تمطرون.	ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خو بو میں مشابہت رکھنے والے تیس شخص زمین پر ضرور رہیں گے‘ انہیں کی بدولت تمہاری فریاد رسی جائے گی اور انہیں کے سبب رزق پاؤ گے اور انہیں کی برکت سے بارش دیئے جاؤ گے۔
(ابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)	

لِلّٰه قوم اذا حلّوا بمنزلةٍ — حل الرضا ويسير الجودان ساروا

امام بخاری کی تاریخ ولادت صدق (۱۹۴) ہے اور تاریخ وفات نور (۲۵۶) اور مدتِ عمر کی تاریخ حمید (۶۲) ہے‘ کسی نے ان سب پر جامع ایک رباعی کہی ہے:

کان البخاری حافظا ومحدثا — جمع الصحيح مكمل التحرير

ميلاده صدق ومدة عمره — فيها حميد وانقضى فی نور

(۱۹۴) (۶۲) (۲۵۶)

اسی قسم کی جامع تاریخ کسی نے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بھی نکالی ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان بــاز الــلّــه اشــهــب جـاء ۔ فـي عـشـق و مـات فـي كـمـال
(۴۷۰) (۹۱)

عشق تاریخ ولادت، کمال مدتِ عمر اور دونوں کا مجموعہ کمال/۵۶۱ عشق، تاریخ وصال۔

بارگاہِ رسالت میں مقبولیت

محبوب خدا کی محبت ایمان کی جان ہے، امام بخاری کو محبوب رب العالمین سے جو محبت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے ارشادات، ان کے افعال، ان کے احوال، ان کے حلیۂ جمال کے ایک ایک نقش و نگار کی تلاش اور جمع اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلانے کی سعی پیہم میں گزارا۔ اس کے لیے انہوں نے وطن سے دوری، احباب سے مفارقت، سفر کی صعوبتیں، حریفوں کے تلخ و ترش سب کچھ انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کیے، کیا یہ سب اسیر محبت کے سوا اور کسی کے بس کی بات ہے؟

امام بخاری کے پاس حضور اقدس ﷺ کے کچھ موئے مبارک تھے، جنہیں وہ اپنے ملبوسات میں رکھے رہتے، جب امام بخاری کا یہ حال تھا تو رحمۃ للعالمین کی عنایتیں اور کرم فرمائیاں تو سب پر عام ہیں۔ امام بخاری پر کیوں نہ ہوتیں۔ ورّاق کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ امام الانبیاء کہیں جا رہے ہیں، پیچھے امام بخاری بھی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک اُٹھانے کے بعد وہیں امام بخاری بھی قدم رکھتے ہیں، جہاں سے قدم مبارک اُٹھا ہے۔

امام بخاری کے مشہور تلمیذ فربری کا بیان ہے: میں نے خواب دیکھا کہ میں کہیں جا رہا ہوں، ناگہاں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے، پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ عرض کیا: محمد بن اسماعیل کے یہاں، فرمایا: جاؤ! ان سے میرا اسلام کہنا۔

عبدالواحد بن آدم طواویسی نے بیان کیا: میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ، صحابہ کرام کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہیں، جیسے کسی کا انتظار ہے، میں نے دریافت کیا: حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا: بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ امام بخاری کا وصال ہو گیا، مجھے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس رات زیارتِ اقدس سے مشرف ہوا تھا، وہی رات امام بخاری کے وصال کی تھی، جس کا استقبال شہنشاہِ کونین اپنے صحابہ کے ساتھ عالم بالا میں کریں، اس کی عظمتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔
(مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۹۴)

فقہی مذہب

امام عبدالوہاب تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام بخاری کا ذکر کیا ہے، اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شافعی تھے۔ ان کی کتاب بھی اس کی ایک طرح تائید کرتی ہے، کیونکہ اس کی اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کی مؤید ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کو اپنی کتاب الطبقات میں ذکر کیا، اور لکھا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابوثور اور کرابیسی سے حدیث سنی ہے، علامہ سبکی نے اضافہ کیا کہ امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے شافعی فقہ حاصل کی۔ یہ چاروں حضرات امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں۔ (الطبقات الشافعیۃ ج ۲ ص ۴)

امام بخاری، امام شافعی سے اپنی صحیح میں البتہ روایت نہیں کرتے، اس لیے کہ امام شافعی کا ادھیڑ عمر میں وصال ہو گیا۔ امام بخاری کی ملاقات امام شافعی کے ہم عصروں سے ہو گئی تھی، ان سے حدیثیں لیں اور روایت کیں۔ اگر امام شافعی سے روایت کرتے تو لامحالہ امام شافعی اور امام بخاری کے مابین ایک راوی کا اضافہ ہو جاتا، اور سند بڑھ جاتی جس سے تنزل ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سند میں جتنا کم واسطہ ہو، اتنی ہی سند عالی ہوتی ہے اور وہ قابل لحاظ ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور یہی رائے حضرت علامہ شہاب الدین احمد خطیب قسطلانی[1] کی بھی ہے' ان دونوں کی بنیاد ابوعاصم عبادی کے اوپر ہے۔ یہ امام بخاری سے بہت قریب ہیں' امام بخاری کے سوسال کے بعد ان کی پیدائش ۳۵۷ھ میں ہوئی ہے۔ اس لیے اس میں ابوعاصم کی رائے بعد والوں کے بہ نسبت زیادہ وزنی ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی' ابجد العلوم میں لکھتے ہیں:

ونذكر بعد ذلك نبذا من ائمة الشافعية وهولاء صنفان احدهما من تشرف صحبة الامام الشافعي والآخر من تلاهم من الائمة اما الاوّل فمنهم احمد الخلال' ابو جعفر البغدادي' واما الصنف الثاني فمنهم محمد بن ادريس' ابو حاتم الرازي' محمد بن اسماعيل البخاري و محمد بن الحكيم الترمذي.

اس کے بعد ہم کچھ ائمہ شوافع کا ذکر کرتے ہیں' یہ دو قسم کے ہیں' ایک وہ جنہوں نے امام شافعی کی صحبت پائی' دوسرے وہ جو ان کے بعد آئے' پہلی قسم میں احمد بن خلال' ابوجعفر بغدادی ہیں اور دوسری قسم میں محمد بن ادریس' ابوحاتم رازی' محمد بن اسماعیل بخاری اور محمد بن حکیم ترمذی ہیں۔

(ص ۸۱۱)

لیکن امام بخاری جہاں اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کے موافق لائے ہیں' وہیں بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس کے برخلاف ابوالحسن بن العراقی نے کہا کہ یہ حنبلی تھے۔ امام بخاری نے خود بیان کیا کہ میں آٹھ بار بغداد گیا اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھا' آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا: اے ابوعبداللہ! علم اور قدرداں لوگوں کو چھوڑ رہے ہو اور خراسان جارہے ہو۔ جب بخارا سے جلاوطن ہوئے تو نہایت حسرت سے فرماتے: اب امام احمد کا قول یاد آرہا ہے۔

امام بخاری مجتہد مطلق تھے

ابوعاصم کی دلیل گزر چکی کہ انہوں نے اس بناء پر امام بخاری کو شافعی کہا کہ انہوں نے امام شافعی کے تلامذہ سے علوم اخذ کیے' حتیٰ کہ فقہ شافعی بھی ان کے تلمیذ حُمیدی سے پڑھی اور ابوالحسن بن العراقی نے بھی امام احمد سے تلمذ کی بناء پر ان کو حنبلی کہا۔

ظاہر ہے کہ محض تلمذ کی بناء پر کسی کو استاذ کا مقلد کہنے کا دعویٰ درست نہیں' ان کی کتاب نظر کے سامنے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہباً نہ شافعی ہیں اور نہ حنبلی' بلکہ سب سے الگ ان کا ایک مذہب ہے' اس لیے ہم علامہ ابن عابدین شامی اور اپنے دیگر اکابر کی اس رائے سے متفق ہیں کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔

علامہ شامی نے "عقود اللآلی فی مسند العوالی" میں امام بخاری کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق محدث جلیل نے تیسیر القاری میں بھی اس کا اشارہ دیا ہے' فرماتے ہیں:

گفتہ اند کہ وی در زمان خود در حفظ احادیث و اتقان آں و فہم معانی کتاب و سنت وجدت ذہن وجودت بحث و وفور فقہ و کمال زہد و غایت ورع و کثرت ابلاغ بر طرق حدیث و علل آں دقت نظر و قوت اجتہاد و استنباط فروع از اصول نظیر نداشت۔ علامہ سخاوی کا بھی یہی مختار ہے۔ (تیسیر القاری فی شرح البخاری۔ جزء اول ص ۳)

---

[1] ج ا ص ۳۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صحیح بخاری

امام بخاری کی یہ کتاب اگرچہ "بخاری" سے مشہور ہے مگر امام بخاری نے اس کا نام یہ رکھا تھا:
"الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وايامه"۔
ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ "جامع" حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ان آٹھ موضوعات پر احادیث ہوں: ایمان، احکام، سیر، تفسیر، آداب، مناقب، فتن، اشراط الساعۃ۔
اسلامی تصنیفات میں اللہ عزوجل نے جو مقبولیت "صحیح بخاری" کو عطاء فرمائی وہ کسی تصنیف کو آج تک نہ حاصل ہو سکی، بلکہ خود امام بخاری کی دوسری تصنیفات کو بھی نہ حاصل ہوئی، جن کی تعداد بیس ہے۔ شرقاً غرباً تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

وجۂ تصنیف

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ تابعین کے اخیر دور میں باقاعدہ مرتب مبوب احادیث کی کتابیں تصنیف ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ تبع تابعین میں یہ کام اور زیادہ ترقی کر گیا، امام اعظم ابوحنیفہ کی کتاب الآثار، امام مالک کی مؤطا، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، عبداللہ بن مبارک کی کتاب، وکیع کی کتاب، امام شافعی کی کتاب، مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ۔
مگر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئیں، کسی میں یہ التزام نہیں تھا کہ صرف صحیح احادیث ہی لکھی جائیں۔ مصنفین نے ہر قسم کی احادیث جمع کر دی تھیں، اس کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مصنف صرف انہیں حدیثوں کو جگہ دے جو صحیح ہوں۔
اس ضرورت کا احساس امام بخاری کے استاذ اسحاق بن راھویہ کو ہوا، انہوں نے ایک دن اپنے تلامذہ سے فرمایا: اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو کوئی ایسی کتاب مختصر لکھ دو جس میں صرف صحیح احادیث ہی ہوں، اس وقت امام بخاری بھی اس مجلس میں حاضر تھے، ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی، اسی وقت طے کر لیا کہ میں ایسی کتاب لکھوں گا۔
اس کے علاوہ اس کا باعث امام بخاری کا ایک خواب بھی ہے، انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا۔ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہوں، میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں حضور اقدس ﷺ کے جسم اقدس سے مکھیاں ہانک رہا ہوں، کسی معبر سے تعبیر پوچھی تو اس نے تعبیر دی کہ آپ ﷺ کی ذات سے جھوٹ دفع کریں گے، اس خواب نے مجھے اس پر ابھارا کہ ایک جامع صحیح لکھوں۔

تصنیف کی غرض

احادیث صحیحہ کا جمع، اپنے عقائد و معمولات کا بیان اور ان پر حتی الوسع احادیث سے استدلال، عقائد اعمال میں اپنے مخالفین کا رد، پہلا مقصد بالکل ظاہر ہے۔ دوسرا اور تیسرا مقصد احادیث کے ابواب سے ظاہر ہے اور امام بخاری کے کلمات سے بھی جو انہوں نے جگہ جگہ ارشاد فرمائے ہیں، کتنے ابواب ایسے ہیں جن کی تائید میں کوئی حدیث نہیں لا سکے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری پہلے باب قائم کرتے ہیں، پھر اس کے مطابق حدیث تلاش کرتے ہیں، اگر مل جاتی ہے تو لکھ لیتے ہیں، نہیں ملتی تو بھی باب جوں کا توں چھوڑ دیا ہے، شاید اس امید پر کہ اگر کوئی حدیث مل جائے گی تو بعد میں یہاں درج کر دیں گے، لیکن اخیر عمر تک نہیں ملی تو باب یوں ہی رہ گیا۔
ہمارے بتائے ہوئے تیسرے مقصد پر سینکڑوں ابواب شاہد ہیں۔ خصوصیت سے کتاب الایمان کے ابواب اور کتاب الحیل

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پوری کی پوری۔ آپ غور کریں کہ ابتداء ہی میں عمل کے گھٹنے بڑھنے پر اور یہ کہ ایمان قول بھی ہے اور عمل بھی بھرپور زور صرف فرمادیا چونکہ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں تھی تو اقوال صحابہ و تابعین سے اس کو ثابت کرنے میں اپنی دانست میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی مگر اس کے بعد بھی انہوں نے اس سے متعلق بیسوں باب باندھے ہیں مثلاً: ''قیام لیلة القدر من الایمان' الجهاد من الایمان' تطوع قیام رمضان من الایمان' صوم رمضان احتسابا من الایمان' الصلٰوة من الایمان' زیادة الایمان ونقصه' الزکٰوة من الاسلام' اتباع الجنائز من الایمان' اداء الخمس من الایمان' باب ما جاء ان الاعمال بالنیة والحسبة ولکل امرء ما نوٰی فدخل فیه الایمان والوضوء والصلٰوة والزکٰوة والحج والصوم والاحکام''۔

اور کتاب الحیل کا مقصد تو بالکل کھلا ہوا ہے کہ وہ صرف امام بخاری نے اپنے غضب وجلال کو ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے لیکن بزرگوں کے ہر کام میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ ان ابواب کی برکت سے ہمیں احادیث کے دوگراں قدر تحفے ملے جو دوسری جگہ بھی ہیں مگر امام بخاری والی بات کہاں؟ رحمه اللّٰه رحمة واسعة وجزٰی عنی وعن جمیع اهل الاسلام خیر الجزاء

ادب اور اہتمام

امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں ان میں اچھی سے اچھی عمدہ سے عمدہ تر صحیح سے صحیح اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو منتخب کر کے اس عظیم تصنیف میں لکھی ہیں اور انتخاب میں انہیں اپنی معلومات کے ایک ایک نقطے کو صرف کر کے اپنی فکر و تدبیر کی آخری حد کو چھو کر بھی اطمینان نہ ہوتا تو اللہ عزوجل کے حضور استخارہ کرتے پھر صفحۂ قرطاس کے حوالہ کرتے۔

تصنیف و تالیف کے لیے جتنی تنہائی ہو بہتر ہے مگر امام بخاری نے اسے بھری مسجد حرام میں مسجد نبوی میں لکھا ایک بار لکھا مگر مطمئن نہ ہوئے تو تین بار لکھا۔ یہ سب وہی اعلیٰ سے اعلیٰ تر صحیح سے اصح کے انتخاب کے لیے تھا وہ خود فرماتے ہیں:

مجھے چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں ان میں چن چن کر سولہ سال میں اس جامع کو میں نے لکھا ہے اور اسے میں نے اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجت بنایا ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور جن صحیح حدیثوں کو میں نے اس خیال سے کہ کتاب بہت طویل نہ ہو جائے ترک کر دیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

تصنیف کہاں کی؟

امام بخاری نے یہ کتاب کہاں لکھی؟ اس کے بارے میں انہوں نے خود فرمایا کہ میں نے اسے مسجد حرام میں اس طرح لکھا ہے کہ ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتا پھر دو رکعت نفل پڑھتا پھر استخارہ کرتا۔ جب کسی حدیث کی صحت پر دل جمتا تو اسے کتاب میں درج کرتا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ وہ مسجد حرام میں سولہ سال کبھی نہ رہے بلکہ متفرق طور پر ان کا مکہ معظمہ میں جو قیام رہا اس کی مجموعی مدت بھی سولہ سال نہیں۔

اس کا جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ انہوں نے تصنیف کی ابتداء مسجد حرام میں کی پھر جہاں گئے اسے لکھتے رہے اور ایک توجیہ یہ بھی ہے جو ہمارے مشائخ نے کی ہے کہ اس کا مسودہ مختلف بلاد میں لکھا مسجد حرام میں بیٹھ کر اس کا مبیضہ کیا۔

تراجم ابواب کے لیے صرف ایک روایت ہے کہ اسے امام بخاری نے مزار اقدس و منبر مبارک کے مابین ریاض الجنہ میں بیٹھ کر اصل کتاب میں منتقل کیا ہے۔ غالباً اسی وقت کے بارے میں یہ روایت ہے[1] کہ میں اس کتاب میں کسی حدیث کے لکھنے سے پہلے

[1] اشعۃ اللمعات۔ ج ا ص ۱۰

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضور اقدس ﷺ سے دریافت کر لیتا ہوں کہ یہ آپ کا ارشاد ہے یا نہیں؟ جب حضور فرماتے: ہاں! تو لکھتا۔

اور میرے خیال میں سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے مسودہ تیار کیا جن میں ابواب اور ابواب سے مناسب احادیث جمع کیں۔ یہ مختلف بلاد میں تیار کیا' پھر مسجد حرام میں حاضر ہو کر اس مسودہ میں جو احادیث تھیں ان کو مبیضہ کیا۔ ابواب کی جگہ خالی رکھی اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر ترجمے کو اصل کتاب میں منتقل کیا۔ اس لیے کہ ترجمے کے بارے میں جو لفظ وارد ہے' وہ یہ ہے:

حَوَّلَ تراجم جامعه بين قبر النبي صلى الله عليه وسلم ومنبره و كان يصلي لكل ترجمة ركعتين.

اس کتاب کے تراجم ابواب کو نبی ﷺ کے مزار پاک اور منبر اقدس کے مابین منتقل کیا اور ہر ترجمے کے لیے دو رکعت نماز پڑھتے۔ (مقدمہ فتح الباری وغیرہ۔ ص ۴۹۰)

''حَوَّل'' کا ترجمہ سوائے منتقل ہونے کے اور کچھ نہیں بنتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمے کا کوئی مسودہ پہلے سے تھا' اس سے تحویل کر کے لکھتے تھے' تحویل کی دوسری تعبیر یہی ہے کہ اس کو منتقل کرتے تھے' جس کا حاصل یہ ہوا کہ تراجم پہلے سے لکھے تھے' مگر جس صحیفے میں بڑھاتے تھے' اس میں تراجم کی جگہ خالی تھی' تو لازم آیا کہ پہلے احادیث بلاتراجم لکھی تھیں' اور یہ روایت کہ اس کو تین مرتبہ لکھا' اس سے مراد یہی ہے کہ پہلے ایک مسودہ تیار کیا جس میں ترجمۃ الباب اور اس سے متعلق احادیث تھیں' پھر مسجد حرام میں اسے صاف کیا اور ترجمہ باب کی جگہ چھوڑ دی' اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر مسودہ سے تراجم ابواب اصل کتاب میں اضافہ کیے اور اس کے ساتھ پھر اس پر' ایک تنقیحی نظر بھی ڈالی۔ والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ.

کتاب کی تصنیف کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کو دکھائی۔ ان حضرات نے اس کی بہت تحسین کی' جس سے امام بخاری کو طمانیت قلب حاصل ہوئی۔ محمد بن حاتم وراق نے کہا: میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے اپنی اس صحیح میں جتنی حدیثیں لکھی ہیں' وہ سب آپ کو یاد ہیں؟ فرمایا: جامع صحیح کی کوئی حدیث مجھ سے چھپی نہیں' اس لیے کہ میں نے اس کو تین بار لکھا ہے۔

بارگاہِ رسالت میں اس کتاب کی مقبولیت

صحیح بخاری کی معراج کمال یہ ہے کہ مصنف کی ذات کی طرح ان کی کتاب بھی محبوب رب العالمین کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔ ابوزید مروزی نے بیان کیا کہ ایک بار میں مطاف میں رکن کے مابین سویا ہوا تھا کہ میرا نصیبہ جاگا' سرکار ابد قرار مونس ہر بے قرار تشریف لائے اور فرمایا: اے ابوزید! کب تک شافعی کی کتاب پڑھو گے؟ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل کی جامع۔ (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۹۰)

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے   صرف کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

طرز

امام بخاری کا اسلوب اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ پہلے باب باندھتے ہیں' کبھی کبھی باب کے مناسب ایک یا چند آیات ذکر کرتے ہیں' کبھی باب سے متعلق معلق احادیث اور اقوالِ سلف صحابہ یا ائمہ تابعین و تبع تابعین ذکر کرتے ہیں' پھر اگر باب کی مؤید کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جو ان کی شرائط پر پوری ہو تو اسے مع سند کے ذکر کرتے ہیں' کبھی ایک کبھی متعدد کبھی مفصل کبھی مختصر کبھی پوری حدیث' کبھی حدیث کا کوئی جزء۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بناتے ہیں' کبھی کسی آیت کو۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ یہ باب دلیل کا محتاج نہیں۔ کبھی کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بنانے سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث لائق حجت ہے، خواہ وہ ان کی ان شرائط پر ہو، جن کا انہوں نے اس کتاب میں التزام کیا ہے، خواہ نہ ہو۔ کبھی باب کی تائید میں صرف قرآنِ مجید کی آیات ذکر کر کے چھوڑ دیتے ہیں، کوئی حدیث معلق یا مسند نہیں ذکر کرتے۔ کہیں کہیں صرف ابواب کے عنوان قائم کر کے چھوڑ دیتے ہیں، نہ کوئی آیت ذکر کی ہے نہ حدیث۔ کہیں کہیں ائمہ مذاہب پر بہت درشت لہجے میں تعریضیں بھی کی ہیں، اکثر ایسا ہے کہ ایک ہی حدیث متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں، اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس حدیث سے جتنے مسائل انہوں نے مستنبط کیے، سب مذکور ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ تعدد طرق سے اس حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ ایک حدیث پر مختلف چند ابواب سے کبھی یہ بھی اشارہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یا اس میں کوئی تخصیص ہے۔ یہ اپنے اطلاق پر ہے، یا اس میں کوئی تقیید ہے، تخصیص اور تقیید ہے تو کیا ہے؟ کبھی مبہم معانی کی توضیح مقصود ہوتی ہے، کبھی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تفسیر بھی کرتے جاتے ہیں۔

شرائط

امام بخاری یا امام مسلم نے اپنی ان مخصوص شرائط کا ذکر نہیں کیا، جن کا ان دونوں حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں التزام کیا ہے، صرف حدیث معنعن کے سلسلے میں مقدمہ مسلم سے یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں میں یہ اختلاف ہے کہ امام بخاری معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں، اور امام مسلم معاصرت کافی سمجھتے ہیں۔ امام مسلم نے لقاء کی شرط کے ضروری نہ ہونے پر بہت لمبی بحث کی ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ گفتگو اس صورتِ خاص میں ہے کہ راوی ثقہ ہو، مدلس نہ ہو، اور لقاء کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ تلمیذ کا شیخ سے سماع ثابت ہو، صرف لقاء سے سماع لازم نہیں ہو سکتا ہے، ملاقات ہوئی ہو مگر سماع نہ ہو تو یہ شرط بلا ضرورت ہے۔ جب ہم نے مان لیا کہ یہ راوی ثقہ ہے، مدلس نہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں سے روایت ہے، تو یہی اس کا قول دلیل سماع ہے، خواہ دونوں کی ملاقات کا ثبوت ہو خواہ نہ ہو، پھر ملاقات کے ثبوت کی شرط سے کیا فائدہ، امام مسلم کی یہ بات بہت وزنی ہے، اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تلمیذ و شیخ میں لقاء بھی ثابت ہو تو اس سے قوت زیادہ مل جاتی ہے، بخاری کے مسلم پر تفوق کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

اس کے علاوہ اور کیا کیا خصوصی شرائط ہیں؟ محدثین نے اس کا کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی خاص شرط معلوم نہ ہو سکی۔ سوائے اس کے کہ دیگر محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لیے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے، اس پر مستزاد یہ ہے کہ امام بخاری زیادہ ایسے راویوں سے حدیث لیتے ہیں جو اپنے شیخ کے ساتھ بہت زیادہ رہا ہو، اس کو یہ لوگ اپنی زبان میں کثیر الملازمت، اور اس کے مقابل کو قلیل الملازمت بولتے ہیں، اور کبھی جب کسی موضوع پر کثیر الملازمت تلامذہ کی روایت نہیں ملتی تو بہ درجۂ مجبوری قلیل الملازمت تلامذہ کی بھی احادیث لے لیتے ہیں، مگر ایسا پہلے کی بہ نسبت کم ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ امام بخاری کی یہ بھی شرط ہے کہ حدیث کی روایت میں کہیں دو راویوں سے کم نہ ہوں، حتیٰ کہ وہ دو صحابیوں سے مروی ہو، مگر یہ شرط بھی اکثری ہو سکتی ہے، کلی نہیں۔ اس لیے کہ بخاری کی پہلی حدیث "انما الاعمال بالنیات" میں مسلسل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر یحییٰ بن سعید تک صرف ایک ہی راوی ہیں۔ حضرت عمر کے بعد علقمہ اور ان کے بعد محمد بن ابراہیم اور ان کے بعد یحییٰ بن سعید ہیں، ہاں امام بخاری کی ایک خاص شرط کا ذکر ملتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں صرف اس سے حدیث لیتا ہوں جو ایمان قول کو بھی مانے اور عمل کو بھی۔ (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۴۷۹)

تکرار احادیث.... اور اس کے بارہ فوائد

امام بخاری نے اکثر احادیث کو ایک سے زیادہ جگہ ذکر کیا ہے، حتیٰ کہ بعض احادیث کو سولہ سولہ جگہ ذکر کیا ہے، یہ حقیقت میں لفظاً

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تکرار ہے مگر معنوی اعتبار سے تکرار نہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ تکرار کی دو صورتیں ہیں: سند میں تکرار ہو' متن میں تکرار ہو۔ سند کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں امام بخاری نے ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کیا ہو' مجھے اب تک ایسی کوئی حدیث نہیں ملی' ہمیشہ نئی سند نئے طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(۱) وہ حدیث دو یا دو سے زائد صحابہ سے مروی ہو تو اسے مکرر لاتے ہیں (۲) وہ حدیث دو یا دو سے زائد تابعین سے مروی ہو تو مکرر لاتے ہیں (۳) وہ حدیث ایک سے زائد تبع تابعین سے مروی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۴) کبھی امام بخاری نے ایک حدیث کو ایک سے زائد اساتذہ سے سنا ہے تو مکرر لاتے ہیں (۵) کبھی امام بخاری کے استاذ الاستاذ ایک سے زائد ہیں تو مکرر لاتے ہیں۔

علی ھذا القیاس!

اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد طرق سے حدیث قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے' اگر سلسلہ رُواۃ میں صرف ایک ہی ایک افراد ہوں تو یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں غریب کہلاتی ہے' اور جب وہ مختلف طرق سے مروی ہوگی تو غرابت سے نکل جاتی ہے۔

رہ گیا متن کی لفظی تکرار' اس میں بھی متعدد فوائد ہیں: پہلا فائدہ: مختلف ابواب پر استدلال' دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ راوی کبھی ایک حدیث کو مختصر ذکر کرتا ہے' دوسرا مفصل تو مفصل ذکر کر دینے سے حدیث کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تیسرا فائدہ: یہ ہے کہ کبھی ایک راوی کسی لفظ سے بیان کرتا ہے' دوسرا راوی دوسرے لفظ سے' دونوں کو ذکر کرنے سے ایک معنی مقصود کی تعیین میں آسانی ہوتی ہے' دوسرے روایت بالمعنی کی اپنی شرائط کے ساتھ جواز کا اشارہ ہو جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ: یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تفسیر ہو جاتی ہے۔ پانچواں فائدہ: کبھی ایک حدیث کو ایک راوی بہ طریق ارسال ذکر کرتا ہے' دوسرا بہ طریق اتصال' تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں' متصل ہے۔ چھٹا فائدہ: کبھی ایک راوی حدیث کو موقوف کر کے چھوڑ دیتا ہے' دوسرا اسے مرفوع روایت کرتا ہے تو تکرار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث موقوف نہیں' مرفوع ہے۔ ساتواں فائدہ: یہ ہے کہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی ''عن فلان'' کہہ کے معنعن روایت کرتا ہے' دوسرا '' حدثنا' اخبرنا' سمعت'' کے صیغے سے جو سماع پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں' اس سے حدیث معنعن میں جو تدلیس کا ذرا سا شائبہ ہوتا تھا' وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

سردست تکرار کے یہ بارہ فائدے حاضر ہیں' پانچ سند سے متعلق اور سات متن سے متعلق ہیں' اگر قاری امعانِ نظر سے ان مکررات میں غور کرے گا تو اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد نظر آئیں گے۔

تقطیع

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کے مختلف اجزاء کو مختلف جگہ ذکر کیا جائے' خواہ مختلف ابواب میں خواہ ایک ہی باب میں' تقطیع کا سبب کبھی یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے مختلف اجزاء مختلف اسناد سے مروی ہیں' یہ صورۃً تقطیع ہے' حقیقتاً تقطیع نہیں' بلکہ حقیقت میں ایک ہی حدیث ہے' ایک باب میں تقطیع کی یہی صورت ہوتی ہے' حدیث کی تقطیع جائز ہے یا نہیں؟ یہ محدثین متقدمین میں مختلف فیہ رہا' امام بخاری' امام مالک' اکثر اجلۂ محدثین تقطیع کے جواز کے قائل بھی ہیں اور اس پر عامل بھی۔ اور اب تو تقطیع حدیث کے جواز و عمل پر اجماع ہے۔

امام بخاری حدیث کی تقطیع وہیں کرتے ہیں' جب حدیث چند احکام پر مشتمل ہو تو وہ حدیث کے ان اجزاء کو چند ابواب میں لاتے ہیں تاکہ کتاب بلاضرورت طویل نہ ہو' پھر ان کو متعدد جگہ متعدد سندوں سے ذکر کر کے ان کو تعدد طرق سے قوی بنا دیتے ہیں۔ کہیں کسی طویل حدیث میں مختلف مضامین یا احکام مذکور ہوئے ہیں' جن میں ربط نہیں ہوتا۔ امام بخاری ان مختلف جملوں کو ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے مناسب ابواب سے علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے جاتے ہیں، پھر کہیں کوئی باب قائم کر کے مکمل حدیث یکجا بیان کر دیتے ہیں۔

ابواب

امام بخاری کا جو مذہب تھا، اس کی کلیات پھر ان کلیات کی جزئیات کو انہوں نے ہزاروں ہزار ابواب کی شکل میں جمع کر دیا ہے، جن کو تراجم ابواب کہا جاتا ہے۔ ترجمۂ باب پر وہ اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت سے بعض جگہ ایسے اَدق پیرائے میں استدلال کرتے ہیں کہ ذہین سے ذہین محقق مدقق بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

اسی وجہ سے ابن خلدون نے کہا کہ بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت اُمت پر قرض ہے، اسی قرض کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین محمود عینی نے ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ایک حد تک ادا بھی کر دیا، مگر اب بھی بہت سا قرض اُمت پر باقی رہا۔ اور اندازہ یہی ہے کہ وہ قیامت تک باقی ہی رہے گا۔

مطابقت کے چند اصول

ان دونوں شارحین نے ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت پیدا کرنے کے وقت یہ اُمور سامنے رکھے ہیں، مثلاً:

(۱) یہ ضروری نہیں کہ حدیث کی دلالت باب پر مطابقی ہو، تضمنی بھی ہو سکتی ہے، التزامی بھی۔ جن کو فقہاء کی زبان میں یوں کہئے: حدیث سے ترجمۂ باب کا ثبوت کبھی عبارۃ النص سے ہوتا ہے، کبھی دلالت النص سے، کبھی اشارۃ النص، کبھی اقتضاء النص سے۔

(۲) کبھی امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں عموم ہے مگر حقیقت میں وہ مخصوص ہے۔ حدیث میں اطلاق ہے، مگر وہ حقیقت میں مقید ہے۔

(۳) کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، ترجمۃ الباب سے وہ اس کا افادہ کرتے ہیں۔

(۴) کبھی دو مختلف احکام کی علت مشترکہ ہوتی ہے، مگر اس علت میں کوئی ابہام ہوتا ہے۔ کسی حدیث میں اس ابہام کی تشریح ہوتی ہے۔ امام بخاری باب میں ایک حکم ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے تحت وہ حدیث ذکر کرتے ہیں، جس میں اس ابہام کی تشریح ہے۔

مثلاً باب باندھا:

في كم تقصر الصلوة. کتنی مسافت کے سفر پر نماز میں قصر ہے؟

اور اس کے تحت حدیث یہ لائے:

لا تسافر المرأة ثلثة ايام الا مع ذى محرم. کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔

دونوں میں کوئی مطابقت نہیں، لیکن دونوں کی علت سفر شرعی ہے۔ سفر شرعی کی کیا مقدار ہے؟ یہ معلوم ہے۔ حدیث میں اس ابہام کی یہ تشریح ہے کہ تین دن کی مسافت پر عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سفر شرعی کی مقدار تین دن ہے۔

(۵) کبھی حدیث میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے، ترجمہ سے کسی ایک معنی کو معین کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۶) کبھی بظاہر مختلف المعانی احادیث میں ترجمے سے تطبیق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

علامہ عسقلانی اور علامہ عینی کی ہزار کدوکاوش کے باوجود کتنے ابواب ایسے ہیں، جن میں مذکور احادیث کی ابواب سے مطابقت نہیں ہو سکی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تعداد احادیث

احادیث نبوی خصوصاً بخاری کے ساتھ اُمت کو کتنا شغف تھا' اس کا اندازہ اس سے کریں کہ کتب احادیث میں مندرج احادیث کی گنتی بھی کر ڈالی۔ حتیٰ کہ کسی صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں' ان کو بھی شمار کر لیا ہے۔ بخاری میں کتنی احادیث ہیں؟ اس سلسلے میں شمار کرنے والے مختلف ہیں' حافظ ابن صلاح نے بتایا کہ صحیح بخاری میں کل احادیث سات ہزار دو سو پچھتر ہیں اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے شمار کے مطابق کل احادیث مسندہ مع مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہیں' اور معلقات ایک ہزار تین سو اکتالیس' اور متابعات کی تعداد تین سو چوالیس۔ اس طرح بخاری کی کل احادیث مسندہ' معلقات' متابعات ملا کر نو ہزار بیاسی ہیں[1] اگر مکررات کو نکال دیں تو مرفوع احادیث کی تعداد دو ہزار چھ سو تئیس ہے۔ (توجیہ النظر۔ ص ۹۴)

بخاری میں بہ اعتبار سند سب سے اعلیٰ وہ احادیث ہیں جو ثلاثیات کہلاتی ہیں' جن کی سند میں امام بخاری اور حضور اقدس ﷺ تک بیچ میں صرف تین راوی ہیں' ان کی کل تعداد بائیس ہے اور حذف مکررات کے بعد سولہ۔ ان ثلاثیات میں بیس ثلاثیات وہ ہیں جو امام بخاری نے اپنے حنفی شیوخ سے لی ہیں' یہاں یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ یہ بائیس ثلاثیات امام بخاری کے لیے سرمایۂ افتخار ہے' مگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عام مرویات ثلاثیات ہیں۔

بخاری کی زندہ کرامت

علامہ احمد خطیب قسطلانی نے ''ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری'' کے مقدمہ میں[2] اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ''اشعۃ اللمعات'' کے مقدمہ میں اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا ہے کہ استجابت دعا' حل مشکلات' قضاء حاجات کے لیے بخاری کا ختم بارہا کا آزمودہ ہے۔ بخاری شریف جس کشتی میں ہو گی' وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا: اگر قحط کے وقت پڑھی جائے تو بارش ہو گی' یہ سب اس لیے ہے کہ امام بخاری مستجاب الدعوات تھے اور انہوں نے اس کے پڑھنے والے کے لیے دعا کی ہے۔

اختلاف نسخ

بخاری کے نسخے آپس میں بہت مختلف ہیں' اس کا سبب یہ ہے کہ عبدالرزاق بخاری نے کہا: میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے جتنی حدیثیں اپنی تصنیفات میں لکھی ہیں' وہ سب آپ کو یاد ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ان میں کوئی حدیث مجھ پر مخفی نہیں' اس لیے کہ میں نے اپنی ہر کتاب کو تین مرتبہ لکھا ہے اور مصنف جانتا ہے کہ کتاب پر جتنی بار نظر ڈالی جائے گی' اتنا ہی اس میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے' پھر نقل در نقل میں تفاوت ہو جانا لابدی امر ہے۔ حافظ ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا: میں نے بخاری کو اس کی اصل سے جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی' نقل کیا ہے۔ میں نے اصل میں جگہ جگہ بیاض دیکھی' مثلاً ترجمہ باب ہے' مگر اس کے تحت کچھ نہیں' کہیں حدیث ہے مگر ترجمہ نہیں' میں نے سب کو ملا کر لکھ دیا۔

شروح

بخاری کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جتنی شرحیں اس کی ہوئیں' کسی کی نہیں ہوئیں۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ۱۰۱۲ھ تک پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ عربی کے علاوہ فارسی

---

[1] تلخیص از مقدمہ فتح الباری۔ ص ۶۵۔ ۷۰ [2] مقدمہ ارشاد الساری۔ ص ۲۵

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اردو کی شرحوں کو ملا لیا جائے تو ان کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی۔ ان پچاس شرحوں میں اللہ عزوجل نے دو شرحوں کو سب سے زیادہ مقبولیت عطاء فرمائی۔ ایک فتح الباری' دوسری عمدۃ القاری جو عینی کے نام سے مشہور ہے۔

فتح الباری

یہ سند الحفاظ علامہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے' یہ شعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں اواخر ذوالحجہ ۸۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ وہیں دیلمی کے بغل میں دفن ہیں' انہوں نے اگرچہ مختلف دیار کے علماء سے تحصیل علم فرمایا' مگر ان کے خاص اساتذہ حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی وغیرہ ہیں۔ ان کی مختلف علوم وفنون پر ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات ہیں' یہ بیس سال تک مصر کے قاضی القضاۃ رہے۔ انہوں نے بخاری کی شرح ۸۱۷ھ میں لکھنی شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو مکمل کیا' جیسا کہ خود انتقاض الاعتراض میں لکھا ہے' یہ شرح سترہ جلدوں میں ہے' مگر اب اس کی جلدوں کی گنتی کم کر دی گئی ہے۔ سند الحفاظ نے اس شرح میں اپنے علم کے وہ جوہر دکھائے ہیں' جن سے دنیا روشن ہے اور روشن رہے گی۔ انہوں نے بخاری کی شرح کا حق ادا کر دیا' مشکل الفاظ کی تفسیر' مغلق مقامات کی تسہیل' متعارض احادیث کی تطبیق' تراجم ابواب میں جو دقیق معانی ہیں ان کی تبیین' رجال بخاری کی جرح وتعدیل' بخاری پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید' ترجمہ باب وحدیث میں تطبیق' مسائل کا استنباط' احادیث مختصرہ کی تکمیل' اسمائے مبہمہ کی تفسیر' لغات کا حل' اسمائے رجال کی تنقید' عقائد واحکام کی تفصیل اور سب پر محققانہ بحث وتمحیص' وہ کون سی اہم بات ہے جو حدیث کی شرح کے لیے ضروری ہے اور وہ اس شرح میں نہیں' اس لیے عام طور پر ان کی شرح کو تمام شروح پر برتری دی جاتی ہے' ان سب خوبیوں کے باوجود گزشتہ تمام شرحوں کا عطر تحقیق بھی ہے' اس شرح میں کیا کیا ہے' وہ شرح دیکھنے ہی کے بعد معلوم ہوگا' جس کی طرف ہماری اس شرح میں جگہ جگہ اشارے ملیں گے۔

عمدۃ القاری

یہ علامہ ابن حجر کے معاصر علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ عینی کی شرح ہے' ان کے والد قاضی شہاب الدین احمد بن قاضی شرف الدین موسیٰ بن احمد' حلب کے باشندے تھے' وہاں سے ترکِ وطن کر کے (عین ناب) آ گئے تھے' یہ حلب سے تین منزل کی دوری پر ہے' یہاں کی قضاء ان کے سپرد ہوئی' یہیں علامہ عینی سترہ رمضان ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عینی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی کے تلمیذ ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر وقت کے برآوردہ علماء سے بھی تلمذ کا ان کو شرف حاصل ہوا۔ مصر کے شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کے بھی تلمیذ ہیں۔ ۷۸۸ھ میں بیت المقدس گئے' وہاں ان کی ملاقات اس وقت کے بہت ممتاز عالم علاء الدین علی بن احمد بن محمد سیرامی سے ہوئی' پھر انہیں کے ہو کر رہ گئے' انہیں کے ساتھ مصر مدرسہ برقوقیہ میں آ گئے' مدتِ العمر مصر ہی میں رہے۔ وہیں سہ شنبہ کی رات میں چار ذوالحجہ ۸۵۵ھ میں علامہ ابن حجر کے تین سال بعد وصال ہوا' جب ان کے استاذ شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کا وصال ہو گیا تو ۸۲۹ھ کی ربیع الآخر میں یہ مصر کے قاضی القضاۃ بغیر کسی طلب اور خواہش کے مقرر ہوئے۔ علاوہ اس منصب جلیل کے دوسرے مناصب عالیہ پر مدتِ دراز تک فائز رہے۔ ۸۵۱ھ میں تمام مناصب سے الگ ہو کر جامعہ ازہر کے قریب محلہ کتامیہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کر لیا' جس پر اپنی تمام کتابیں وقف کر دی تھیں۔ علامہ ابن حجر کی طرح یہ بھی جملہ علوم وفنون میں یگانہ ویکتا تھے۔ ان دونوں میں معاصرانہ نوک جھونک بھی رہتی تھی۔ جامعہ مؤیدی کا ایک منارہ خستہ ہو کر اتر کی جانب جھک گیا تھا۔ اس کی جدید تعمیر کے لیے اسے گرا دیا گیا۔ اس وقت علامہ عینی جامعہ مؤیدیہ میں شیخ الحدیث تھے۔ اس کے برج شمالی پر درس دیا کرتے تھے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے دو شعر چست کر دیئے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لجامع مولانا المؤید رونق — منارته تزهو بالحسن وبالزين

تقول وقد مالت عليهم تمیلوا — فليس على حسنى اضر من العين

"جامعہ مؤیدی بڑی بارونق ہے اس کا منارہ حسن و جمال میں یکتا ہے' گرتے وقت کہہ رہا تھا: مجھے گرنے دو میرے حسن کے لیے نظر بد سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں"۔ نظر کو عربی میں "عین" کہتے ہیں' اس سے علامہ عینی پر چوٹ تھی۔

علامہ عینی نے جب یہ اشعار سنے تو علامہ ابن حجر کو یہ جواب بھیجا:

منارة كعروس الحسن قد حليت — وهدمها بقضاء الله والقدر

قالوا اصيبت بعين قلت ذاغلط — ما افة الهدم الاخسة الحجر

"منارہ دلہن کی طرح سجا ہوا تھا' اس کا گرنا قضا وقدر کی وجہ سے ہے' لوگوں نے کہا کہ اسے نظر لگ گئی ہے' میں نے کہا: یہ غلط ہے' یہ حجر (پتھر) کی خست یعنی شکستگی کی وجہ سے گرا"۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے ایک ہی زمانے میں دو چار سال آگے پیچھے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ عینی نے ۸۲۱ھ میں شروع کی اور ۸۴۷ھ میں انتیس سال میں مکمل فرمائی' اور علامہ ابن حجر نے ۸۱۷ھ میں شروع فرمائی اور ۸۴۲ھ میں پچیس سال میں مکمل کی۔

علامہ ابن حجر کا طریقہ یہ تھا کہ ہفتے میں ایک دن ہفتہ کو اپنے تمام تلامذہ کو اکٹھا کرتے' ہفتے بھر کا لکھا ہوا برہان بن اخضر کو دیتے' وہ سب کو سناتے' مسودہ سے مقابلہ ہوتا' لکھے ہوئے پر بحث ہوتی' پھر لوگ اس کی نقلیں کر لیتے۔ اس طرح ان کی یہ شرح تکمیل سے پہلے ہی پھیل گئی۔ انہیں برہان بن اخضر سے علامہ عینی' علامہ ابن حجر کی شرح عاریۃً لے کر دیکھ لیا کرتے تھے۔ اور اپنی شرح میں جابہ جا علامہ ابن حجر پر تعقّب بھی کیا ہے' چونکہ یہ دونوں وسعت علم و جودت ذہن میں ایک دوسرے کے مثل تھے' اس لیے دونوں کے مضامین میں کہیں کہیں توارد ہے' اسی کو یار لوگوں نے یہ رنگ دے دیا کہ علامہ عینی نے علامہ ابن حجر کی شرح سے مضامین نقل کر کے اپنی شرح میں اضافہ کیا ہے۔ اس سے یہ لوگ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی میں اتنی استعداد ہی نہیں تھی کہ بخاری کی شرح لکھتے۔ علامہ ابن حجر کی شرح سے نقل اتاری ہے' جہاں جہاں توارد ہے' وہاں تو یہ بات کہنے کی ایک گنجائش ہے' مگر علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو تعقبات کیے ہیں' وہ کہاں سے لائے؟ پھر جو مضامین انہوں نے اضافہ فرمائے' وہ کہاں سے ان کو ملے؟

اس سلسلے میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ کسی نے علامہ ابن حجر سے کہا کہ علامہ عینی کی شرح آپ کی شرح پر فوقیت رکھتی ہے' اس لیے کہ اس میں معانی و بیان' بدیع وغیرہ زائد ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ علامہ عینی نے شیخ رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے' یہ شرح مجھے ملی تھی مگر ناتمام تھی' اس لیے میں نے اس کے پورے حصے کو کہیں نہیں لیا' تھوڑا تھوڑا کہیں سے لے لیا ہے۔ (الضوء اللامع۔ ج ۴ ص ۱۳۴)

اس سے بھی یہ لوگ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی نے صرف نقل ہی کیا ہے' لیکن یہاں دو سوال ہیں' ایک یہ کہ کیا علامہ ابن حجر کی تمام باتیں طبع زاد ہیں؟ کیا انہوں نے پچھلی شرحوں سے مضامین نہیں نقل کیے ہیں؟ اگر نقل کیے ہیں اور ضرور نقل کیے ہیں تو پھر علامہ ابن حجر کے بارے میں بھی یہی رائے کیوں نہیں قائم کی جاتی۔ ورنہ بات صاف ہے کہ اسلاف کی تصنیفات سے دونوں نے مضامین نقل کیے ہیں' اگر علامہ ابن حجر کو نقل کا حق ہے' تو علامہ عینی کو بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کیا دو اشخاص پر ایک ہی موضوع پر ایک ہی معنی کا توارد نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے تو پھر جو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خاص معانی علامہ ابن حجر کے ذہن میں آئے' وہ علامہ عینی کے ذہن میں کیوں نہیں آ سکتے ؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اربابِ علم و دانش جانتے ہیں کہ اکثر کسی خاص موضوع پر بحث کے وقت ایک ہی نکتہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں آ جایا کرتا ہے' پھر وہی عرض کرتا ہوں کہ اگر عینی میں صرف وہی مضامین ہوتے جو فتح الباری میں ہیں اور اس پر اضافہ نہ ہوتا' وہ بھی ہزاروں ہزار' تو اس کی گنجائش تھی کہ ان لوگوں کی بات مان لی جاتی' مگر جب عینی میں فتح الباری کے مضامین کے علاوہ اور بہت سے کثیر ان مضامین کا اضافہ ہے' جو فتح الباری میں نہیں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

کسی نے ''فتح الباری'' سے متاثر ہو کر یہ کہا: ''لا ھجرۃ بعد الفتح'' اگر یہ بزرگ مجھے ملتے تو عرض کرتا: حضرت بعد الفتح ہے مع الفتح نہیں' جو شخص انصاف و دیانت سے دونوں شرحوں کا مطالعہ کرے گا' اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو کچھ فتح الباری میں ہے' وہ سب عینی میں ہے اور مزید عینی میں وہ فوائد و نکات و ابحاث ہیں' جن سے فتح الباری خالی ہے۔

طرزِ تصنیف

علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے باب کی توضیح کرتے ہیں' پچھلے باب سے مناسبت بیان کرتے ہیں' پھر باب باندھنے کا جو مقصد ہوتا ہے' اس کو بیان کرتے ہیں' باب کی تائید میں جو آیت یا تعلیق ہوتی ہے' اس کی توضیح کرتے ہیں' تعلیق کی سند بیان کرتے ہیں' پھر حدیث کا پورا متن مع سند بیان کرتے ہیں' اس کے بعد راویوں کے احوال کو ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اگر راویوں کے نسب میں خفا ہوتا ہے تو اس کو واضح کرتے ہیں' پھر سند کے اندر جو رموز و نکات ہوتے ہیں' ان کو بیان کرتے ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے اس کو اور یہ کہ صحاح ستہ میں سے کس کس میں ہے' اسے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مشکل لغات کو حل کرتے ہیں' پھر خاص خاص جملوں کی نحوی ترکیب لکھتے ہیں۔ اس کے بعد معانی و بیان و بدیع کے نکات بیان کرتے ہیں' اس کے بعد حدیث پر مفصل بحث کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہونے والے مضامین کو واضح کر کے اس سلسلے میں جتنے اقوال ہوتے ہیں' سب کو ان کے دلائل کے ساتھ بیان کر کے جو مذہب ان کے نزدیک حق ہوتا ہے' اسے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث سے مستخرج مسائل کی فہرست پیش کرتے ہیں' پھر حدیث کے مضمون پر وارد ہونے والے سوالوں کو ذکر کر کے ان کے تسلی بخش جوابات دیتے ہیں' حدیث میں مذکور اسماء و اماکن کی توضیح کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حدیث کی باب سے مطابقت اور متعارض احادیث میں تطبیق کو بھی واضح کرتے ہیں۔ پہلی بار جب کوئی حدیث آتی ہے تو وہیں اس پر سیر حاصل بحث کر دیتے ہیں' اور جب وہ دوبارہ یا سہ بارہ آتی ہے تو باب کے مناسب ضروری بات پر اختصار کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر کی عادت یہ ہے کہ جو حدیث جس باب کے تحت مذکور ہوتی ہے' اس کے مناسب گفتگو کر کے آئندہ کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ ایسا بھی ہو گیا ہے کہ پھر آئندہ ان کو یاد نہ رہا اور بات رہ گئی۔

عمدۃ القاری کی یہی وہ خوبیاں ہیں کہ جب عمدۃ القاری مکمل ہو کر منظر عام پر آئی تو علامہ ابن حجر ششدر اور ان کے تلامذہ حیران ہو کر رہ گئے۔ علامہ ابن حجر کے تلامذہ ان کی طرف سے معذرت کرنے لگے اور علامہ عینی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ اسی کا شاخسانہ ابن اخضر والا قصہ بھی ہے۔

علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو اعتراضات کیے تھے' ان کے جوابات دینے کی انہوں نے کوشش کی' پانچ سال تک زندہ رہے' مگر وہ علامہ عینی کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے۔ کچھ اعتراضات کے جوابات لکھے' وہ بھی ناتمام رہے۔ اور جو لکھا وہ جواب ہوا کہ نہیں ؟ اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی یہ دونوں شرحیں حقیقی معنوں میں بہت کامل بہت جامع بہت مفید ہیں۔ان دونوں کی نظیر نہ پہلے کی کوئی شرح ہے نہ بعد کی' مگر بوجوہِ کثیرہ علامہ عینی کی شرح فتح الباری سے بڑھی ہوئی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے کہا تھا کہ بخاری کی شرح اُمت پر قرض ہے۔حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کہا کہ اس قرض کو ان دونوں شرحوں نے چکا دیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ جتنی شہرت فتح الباری کی ہے' وہ عینی کو نہیں حاصل ہوئی' اس کا سبب خاص یہ ہے کہ فتح الباری' عمدۃ القاری کی بہ نسبت مختصر ہے۔اس کی نقل وقراءت دونوں بہ نسبت عمدۃ القاری کے آسان ہے۔اس لیے جو تداول فتح الباری کا ہوا' وہ عینی کا نہ ہوسکا۔

ارشاد الساری

یہ شرح علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی مصری کی ہے' یہ شرح حامل المتن ہے' اور کچھ مختصر بھی ہے۔خاص بات یہ ہے کہ مشکل الفاظ جتنی بار آئے ہیں' ہر بار اس کی شرح کرتے ہیں۔اس کا اصل ماخذ عمدۃ القاری اور فتح الباری ہے' مگر دیگر شروح کے بھی اہم مضامین کافی ہیں۔مدرسین وطلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ان کا ۷ محرم الحرام شب جمعہ ۹۲۳ھ میں وصال ہوا اور بعد نمازِ جمعہ جامعہ از ہر میں نمازِ جنازہ ہوئی اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں دفن ہوئے' چوہتر سال کی عمر پائی' ۱۲ ذوالقعدہ ۸۵۱ھ میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔

تیسیر القاری

مشہور انام محدث حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق کی فارسی میں بخاری کی شرح ہے۔شاہجہاں نے انہیں آگرے کا قاضی اور مفتی بنایا تھا۔ان کی ۹۸۳ھ میں ولادت اور ۱۰۷۳ھ میں وصال ہوا' یہ شرح انہوں نے اپنے والد ماجد کی خواہش پر ان کے وصال کے بعد "اشعۃ اللمعات" کے طرز پر لکھی ہے۔اس کی چھ جلدیں ہیں' اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام محمد بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نور الحق دہلوی کی بھی ناتمام شرح چھپی ہے۔یہ بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پانچویں پیڑھی میں پوتے تھے۔محمد شاہ رنگیلے کے آخر عہد میں دہلی کے اُمورِ مذہبی کے صدر الصدور تھے' یہ شرح کچھ بسیط ہے' اس میں بہت ہی محققانہ فاضلانہ ابحاث ہیں۔نصف اوّل کی تکمیل کی تاریخ آخر جمادی الآخرہ ۱۱۶۶ھ ہے۔

بخاری شریف کی سینکڑوں شرحوں میں ہم نے صرف چار کا تذکرہ اس لیے کیا کہ ہم نے صرف انہیں چاروں سے استفادہ کیا ہے۔اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری کتاب کے کسی مضمون کا بالفرض حوالہ تلاش کرنا ہو تو تلاش کرنے والوں کو کچھ آسانی ہو' ویسے ہم نے اہم مباحث کا حوالہ دے دیا ہے۔

ان کے علاوہ اُردو میں بھی بخاری کے تراجم وشروح بہ کثرت ہو چکے ہیں۔ان میں سے صرف تین سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔اردو شروح میں بشیر القاری' فیوض الباری سے' اور ترجموں میں حضرت مولانا اختر شاہجہان پوری کے ترجمہ سے۔

بشیر القاری

یہ استاذی صدر العلماء علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی قدس سرہٗ کی مایہ ناز شرح ہے' عربی' فارسی' اُردو کسی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھی گئی' اس میں حضرت نے تحقیق وتدقیق کا حق ادا کر دیا ہے' الفاظِ احادیث کی صرفی لغوی تحقیق' جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی وبیان وبدیع کی تکنیک کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ "کم ترث الاوّلون للآخرین" ساتھ ہی ساتھ ہمہ دانی کا خصوصاً علم حدیث میں دعویٰ کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے، جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، کوئی بھی عناد اور تعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے گا تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح علم حدیث کے بھی اپنے وقت کے امام تھے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ شرح صرف باب بدء الوحی تک ہو سکی، اس کے بعد حضرت دوسری تصانیف میں مشغول ہو گئے۔ حضرت دوسری تصانیف میں مشغول نہ ہوتے اور شرح بخاری ہی کو مکمل فرما دیتے تو اُمت پر احسانِ عظیم ہوتا۔ میں نے ایک بار عرض کیا تھا تو فرمایا: میرا ارادہ اس کی تکمیل کا ہے۔ چند ضروری کاموں سے فرصت کے بعد اسے مکمل کروں گا، مگر عمر نے وفا نہ کی اور حضرت کا وصال ہو گیا۔

حضرت کی ولادت علی گڑھ ریاست دادوں میں، گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء کو ہوئی، درجہ چہارم تک ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مراد آباد، جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لیا، آمد نامہ سے کافیہ تک یہاں تعلیم حاصل کی، پھر ۱۳۴۲ھ میں اجمیر مقدس دارالعلوم معینیہ درگاہ شریف میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کے زیر عاطفت نو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کی ان پر خصوصی نگاہِ کرم تھی، درسِ نظامی کی منتہی کتابیں انہیں صدر الشریعہ نے پڑھائیں، بریلی شریف میں علاوہ دورۂ حدیث کے شرح چغمینی، محقق دوانی کی شرح تجرید کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ، اشارات کی دونوں شرحیں امام رازی اور طوسی کی پڑھائیں۔ جب متولی نثار احمد کی شرارتوں سے تنگ آ کر ۱۳۵۱ھ میں حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف، مدرسہ منظر اسلام میں تشریف لائے تو یہ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بریلی شریف آ گئے، اور یہیں سے ۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی، فراغت کے بعد جائس، پانی پت، کانپور، احسن المدارس قدیم میں قیام فرمایا، پھر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لائے، اوائل ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء سے لے کر اخیر عمر مبارک تک پینتالیس سال یہیں قیام فرمایا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں بعارضۂ فالج میرٹھ میں وصال فرمایا اور وہیں سپردِ خاک فرمائے گئے، عمر مبارک بیاسی سال ہوئی۔

فیوض الباری

محققِ عصر حضرت مولانا محمود احمد رضوی صاحب کی لاجواب شرح ہے، عربی فارسی شرحوں کی تلخیص بہت عمدگی کے ساتھ کی ہے۔ احادیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ روح جھوم اُٹھتی ہے۔ معنیٰ لغوی کی رعایت کے ساتھ ساتھ سلاست و روانی، ترکیب کی خوبصورتی سب کچھ ترجمہ میں موجود ہے۔ ابتداء میں نہایت فاضلانہ مقدمہ ہے، جو اصل میں منکرین حدیث، چکڑالیوں کا رد ہے، جس میں احادیث کے حجت ہونے پر ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے ہیں، جن کے بعد کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ احادیث کی جمع و تدوین کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ہے، طرز علامہ عینی کا ہے، مگر احادیث سے متعلق ابحاث کی توضیح و تشریح اس خوبی سے کرتے ہیں کہ سب کو سمجھ میں آ جائے۔ اپنی تحقیقات سے بھی کتاب کو مالا مال کیا ہے، موصوف پاکستان کے مشہور مرجع انام، فاضلِ یگانہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب، شیخ الحدیث انجمن حزب الاحناف، لاہور کے وارث علم و فضل ہیں۔ انہوں نے اس کی تصنیف کب شروع کی، یہ تو معلوم نہ ہو سکا البتہ پہلے پارے کے اختتام پر انہوں نے تاریخ یہ لکھی ہے: ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۷۸ھ/ ۳۰ نومبر ۱۹۵۸ء۔

ترجمہ بخاری

بخاری کے اُردو تراجم میں ہم نے صرف فاضل جلیل مولانا عبد الحکیم خان صاحب اختر شاہجہان پوری کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے، اس سے ہم کو احادیث کے ترجمے میں کافی مدد ملی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شاہجہان پوری نے اتنی عمدگی سے ترجمہ کیا ہے کہ میں خود دنگ رہ گیا۔ جدید اسلوب کے ساتھ ساتھ بہت شگفتگی و معنویت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ مولانا نے یہ ترجمہ ۲۴ شوال ۱۴۰۰ھ/ ۵

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ستمبر ۱۹۸۰ء بروز جمعہ بعد نمازِ عصر لکھنا شروع کیا اور ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز یک شنبہ نو بجے مکمل کر لیا۔ ترجمے کے ساتھ باب اور احادیث کا پورا متن بھی مع اعراب چھاپا گیا ہے۔ اس سے اس ترجمے کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

ترجمے سے پہلے حضرت مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہ کا ایک بہت مفید مقدمہ ہے' جس میں ابتداءً امام بخاری کے احوال بہت جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں' پھر ان کی اس کتاب کے خدوخال کو بہت ہی محققانہ طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔ اخیر میں منکرین احادیث کے ردّ کے لیے حدیث کا قابل حجت ہونا' بڑے ہی مدلل طور پر بیان کیا ہے' پھر اسی ضمن میں تدوین حدیث کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ اخیر میں اصطلاحاتِ حدیث کو درج کیا ہے۔ یہ مقدمہ بہت جامع اور اہم ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں ان کے مقدمے سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ شکر اللّٰہ مساعیھم الجمیلہ وتقبل منا و منھم۔

مسامحاتِ بخاری

میں اس عنوان پر کچھ لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کا باعث ایک واقعہ ہے' میں ایک مرتبہ ڈومریا گنج ضلع بستی سے اِٹوا تھانے جا رہا تھا' بس میں کچھ لوگ آپس میں بہت مزے لے لے کر یہ کہہ رہے تھے کہ بریلویوں سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں' خود کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ''بخاری'' ہے مگر بخاری میں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو' امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو' آمین بلند آواز سے کہو' مگر نہیں مانتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بخاری میں جو کچھ لکھا ہے تم لوگ سب پر عمل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: بالکل ہم لوگ عمل کرتے ہیں' میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے بخاری پڑھی ہے؟ تو گھبرا گئے' ان میں سے ایک نے کہا کہ پڑھی نہیں' مگر علماء سے سنا ہے کہ بخاری میں یہ لکھا ہے' میں نے پوچھا: اور کیا کیا بخاری میں لکھا ہے؟ یہ بھی ان علماء نے آپ لوگوں کو بتایا۔ اب اور گھبرائے' مگر تھے دیہاتی صاف گو' اقرار کر لیا کہ اور کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں نے سوچا کہ ان گنواروں کو اگر ''اصح الکتب'' کا مطلب سمجھاؤں تو سمجھ نہیں پائیں گے' ان کی سمجھ کے مطابق ایک لطیفہ ذہن میں آ گیا' میں نے کہا کہ امام بخاری نے بخاری میں دو مسئلے لکھے ہیں: ایک یہ کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے' اگرچہ وہ پانی تھوڑا ہی ہو۔ ان میں سے ایک شخص بولا: بالکل صحیح ہے' میں نے کہا: دوسرا بھی سنئے! وہ یہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ایسا ناپاک ہو گیا کہ اسے سات بار دھوؤ اور کم از کم ایک بار مٹی سے بھی مانجھو۔ اسی شخص نے کہا: یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اب میں نے کہا: آپ نے دونوں مسئلوں کو صحیح وحق مان لیا تو سنئے! اب ایک میرا سوال ہے کہ کسی برتن میں پانی ہے' اس میں کتے نے منہ ڈال دیا یا منہ ڈالتے ہی دھتکار دیا گیا تو بتایئے! پانی پاک ہے کہ ناپاک؟

وہ غریب بول اُٹھا کہ پاک ہے (اس لیے کہ اس قسم کے پانی استعمال کرنے کی عادت رہی ہو گی) میں نے پوچھا: اور برتن؟ تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب کہہ دیں: وہ جاہل اُجڈ تھے' ان کی بات کا کیا' مگر غرض یہ ہے کہ ان کو یہ بتانے والے علماء تو مجتہد مطلق تھے' ورنہ وہ کیا جانیں کہ بخاری میں آمین' رفع یدین کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اب میں نے للکار کے پوچھا کہ بولو! تو بیچارے کو سانپ سونگھ گیا' وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور بالکل خاموش ہو گئے۔

وہ بھی اِٹوا ہی جا رہے تھے' جب اٹوا بس رکی' میں بھی اتر پڑا' وہ سب بھی اتر پڑے' مجھے لینے کے لیے جو آدمی آئے تھے' ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جب میرا نام سنا تو اب مجھے مزہ آ گیا' بالکل وہی منظر تھا' ''وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بابصارھم'' ایسا لگتا ہے کہ کافر تمہیں نظر لگا کر گرا دیں گے۔

''اصح الکتب'' کا مطلب

اصح کتب کہنے سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے' اس کے ازالے کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ''اصح الکتب'' کا مطلب سمجھا دیا جائے' اس لیے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں۔ اصح کتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف' نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ اب یوں کہیے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں' بلا استثناء سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں۔ اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں' دوسری کتابوں کی بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں' دوسری کتابوں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب ''اصح الکتب'' کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں' ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ نیز اس کی احادیث صحت کی قوت میں بہ نسبت دوسری کتابوں کے زائد ہیں۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث' احادیث نہیں' باطل وموضوع ہیں۔ جس طرح بخاری اور صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں' اسی طرح بقیہ کتابوں کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں۔ اصح کتب کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے' وہ سب صحیح وحق ہے۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہوگی۔ امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے۔ اس لیے اصح کتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے' خواہ وہ حدیث نہ ہو' امام بخاری کا قول ان کی تحقیق ہو' سب حق ہے' اصح کتب کے معنی کی تحریف ہے' جس نے بھی بخاری کو اصح کتب کہا' وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا' مگر کیا کیجیے! باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں۔ اس عنوان پر ہم جو نظیریں پیش کریں گے' وہ اپنی دریافت کردہ نہیں' بلکہ اکابر محدثین وناقدین کی رائے ہوگی۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت وجلالت قدر میرے دل میں ہے' اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سطور لکھتے وقت بار بار یہ خیال آتا ہے کہ نادان دوست کی طرح خود غرض' دوست بھی کتنا خطرناک ہوتا ہے؟

انسان بہرحال انسان ہے' اس سے غلطی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ امام بخاری نے سولہ سال شب وروز کی تحقیق وتنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی کتاب میں کوئی غیر صحیح ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو۔ مدۃ العمر اس کی تنقیح تہذیب کرتے رہے' مگر ''الی اللہ العصمۃ الا لذاتہ ولرسولہ فسبحان من لا ینسی'' پوری کوشش کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں بھی لغزش ہو ہی گئی' حتی کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق مدقق کو بھی جنہوں نے امام بخاری پر کی گئیں تنقیدات کی جواب دہی میں اپنی ذہانت' ذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کر ڈالا' یہ کہنا ہی پڑا:

لکل جواد کبوۃ. ہر تیز رو گھوڑے کے لیے ٹھوکر ہے۔

اسی لیے علامہ ابن حجر نے لسان المیزان میں امام عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا:

من ذا سلم من الوھم. کون ہے جو وہم سے سلامت رہا۔

نیز امام بخاری کے استاذ یحییٰ بن معین کا یہ قول بھی ذکر کیا:

لست اعجب ممن یحدث فیخطی انی اعجب میں اس پر تعجب نہیں کرتا کہ کوئی حدیث بیان کرے اور خطا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ممن یحدث فیصیب. (لسان المیزان۔ ج ا ص ۱۷) کر جائے' مجھے اس پر تعجب ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔

اس قانونِ فطرت کے مطابق امام بخاری سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں' جن میں سے چند یہ ہیں:

ضعاف سے روایت

بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد بہت ہے جو بدعقیدہ گمراہ تھے' جیسے جہمی' قدری' رافضی' ناصبی' خارجی' معتزلی' اس پر مستزاد یہ کہ مطعون راوی بھی کم نہیں۔ منکر واہی اور وہمی بھی ہیں' جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ ابن حجر کا مقدمہ فتح الباری ہدی الساری کا مطالعہ کرے۔ اور اگر مزید دیکھنا چاہیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" کا مطالعہ کریں[1] جس میں غیر مقلدین اور حقیقت میں امام بخاری کے مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی جرح کے مطابق بخاری کے مجروح راویوں کی وافر مقدار میں نشاندہی فرمائی ہے۔

براہ اندھی طرف داری کا' ان راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے: ان راویوں پر طعن دوسرے محدثین نے کیے ہیں' امام بخاری کی تحقیق میں یہ سب ثقہ ہیں' یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ کسی مسلم الثبوت محدث کا کسی راوی سے روایت کرنا ہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے' مگر یہی قاعدہ احناف کے مقابلے میں یہ قاعدہ بنانے والے ہی بھول جاتے ہیں۔

لیکن بخاری کے مطعون راوی صرف اسی قسم کے نہیں کہ ان پر امام بخاری کے علاوہ صرف دوسروں ہی نے جرح کی ہو' ایسے بھی معتد بہ مقدار میں مطعون راوی ہیں جو خود امام بخاری کے طعن کا نشانہ ہیں' بخاری میں ایسے بھی مجروح راوی ہیں' جن پر خود امام بخاری کی تنقید موجود ہے' مثلاً باب: "الاستنجاء بالماء" کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے:

"حدثنا ابو الولید ھشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اذا خرج لحاجته. الحدیث"[2] اس کی سند میں عطاء بن ابی میمونہ ہے۔ اس کے بارے میں کتاب الضعفاء الصغیر میں خود امام بخاری نے لکھا:

عطاء بن ابی میمونة ابو معاذ مولٰی انس وقال یزید بن ھارون مولٰی عمران بن حصین کان یری القدر. (کتاب الضعفاء۔ ص ۲۷۱)

یہ شخص حضرت انس کا غلام تھا' یزید بن ہارون نے کہا: عمران بن حصین کا غلام تھا' یہ قدریہ تھا۔

بخاری' دوسری جلد' باب "بعث ابی موسٰی و معاذ الی الیمن" میں ایک حدیث اس سند کے ساتھ ہے:

"حدثنی عباس بن الولید قال حدثنا عبد الواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شھاب یقول حدثنی ابو موسٰی الاشعری قال بعثنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی ارض قومی. الحدیث"[3] اس حدیث کی سند میں ایوب بن عائذ ہے۔ اسے امام بخاری نے اسی کتاب الضعفاء میں لکھا:

ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء. (کتاب الضعفاء الصغیر۔ ص ۲۵۳)

ایوب بن عائذ الطائی مرجہ تھا۔

علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکان من المرجئة قال له البخاری واورده فی یہ مرجہ تھا' مرجہ ہونے کی وجہ سے اسے بخاری نے ضعفاء

---

[1] یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ ج ۲ میں شائع ہو چکا ہے۔ [2] بخاری۔ ج ا ص ۲۷ [3] بخاری۔ ج ۲ ص ۶۲۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الضعفاء لارجائه والعجب من البخاری یغمزه وقد احتج به. میں درج کیا ہے' تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی لیتے ہیں۔

یوں ہی ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی ہے' اسی کتاب الضعفاء[1] میں اس کو لکھا کہ یہ متروک ہے' مگر اس سے ایک نہیں متعدد احادیث لی ہیں۔ علامہ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنه. (مقدمہ فتح الباری۔ ج ۲ ص ۱۵۱) یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہے' مگر اس سے بہت زیادہ روایت نہیں کی ہے۔

ناظرین اپنی طمانیت خاطر کے لیے ایک بار امام بخاری کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کریں اور ان مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح دیکھ لیں' پھر انہیں تلاش کریں' صحیح بخاری میں ان کی کتنی روایتیں ہیں۔

زبیر بن محمد تیمی' سعید بن عروبہ' عبداللہ بن لبید' عبدالملک بن امین' عبدالوارث بن سعید' عطاء بن یزید' کہمس بن منہال' حد یہ ہے کہ مروان بن حکم جیسے مشہور زمانہ عیار شاطر سے بھی روایت لی ہے' جس نے اسلام میں ایسے ایسے رخنے ڈالے کہ آج تک بند نہ ہوئے۔ جس کی شرارت ودسیسہ کاری کی وجہ سے حضرت عثمان شہید ہوئے' جس نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ احد العشرۃ المبشرۃ کو تیر مار کر زخمی کیا' جس کے صدمے سے وہ شہید ہوئے' وغیرہ وغیرہ۔

سند میں تسامح

ضعیف راویوں سے روایت کے علاوہ بہت سی جگہ امام بخاری سے راویوں کے نام' ان کی ولدیت میں لغزش ہو ہی گئی ہے۔

مثلاً: ص ۹۱ پر باب ''اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبة'' کے تحت جو حدیث ہے' اس کی سند اس طرح بیان کی ہے:

''حدثنا عبد العزیز بن عبد اللّٰہ قال حدثنا ابراهیم بن سعد عن ابیه عن جعفر بن عاصم عن عبد اللّٰہ بن مالك بن بحینة قال مر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم. الحدیث''۔

اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوئے ہیں' ایک تو یہ کہ مالک بن بحینہ نے کہا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ' مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں۔ تحویل سند کے بعد ہے: ''سمعت رجلا من الازد یقال له مالك بن بحینة ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رأی رجلا. الحدیث'' اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوئے ہیں' ایک تو یہ کہ مالک بن بحینہ کہا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں' حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں' دوسرے یہ کہ اس سند میں حدیث کا راوی مالک کو بتایا' حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبداللہ ہیں' مالک کو تو ایمان بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ حدیث مسلم' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے' مگر یہ خطا نہیں۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:

الوهم فیه موضعین احدهما ان بحینة والدة عبد اللّٰہ لا مالك و ثانیهما ان الصحبة والروایة لعبد اللّٰہ لا لمالك. (فتح الباری۔ ج ۱ ص ۴۹) اس میں دو جگہ وہم ہے' ایک یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ ہیں' مالک کی نہیں' دوسرے یہ کہ صحابی اور راوی عبداللہ ہیں نہ کہ مالک۔

باب غزوۂ خیبر میں یہ حدیث ہے: ''ان ابا هریرة قال شهدنا الخیبر'' اس کی ایک سند امام بخاری نے یہ ذکر کی: ''قال الزهری واخبرنی عبد اللّٰہ بن عبد اللّٰہ وسعید عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم. الحدیث''[2] اس پر امام ابوعلی جبائی نے یہ اعتراض

---

[1] ص ۲۵۲ [2] بخاری۔ ج ۲ ص ۶۰۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کیا کہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے' مگر امام بخاری نے بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ذکر کیا ہے اور یہ کاتب کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں بھی بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ہی لکھا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

لانّ عبد اللّٰه بن عبد اللّٰه لا یعرف والصواب ان شاء اللّٰه عبد الرحمٰن بن عبد اللّٰه وهو ابن کعب قال وکنت اظن ان الوهم فیه ممن دون البخاری الٰی ان رأیته فی التاریخ قد ساقه کما ساقه فی الصحیح سواءً. (مقدمہ فتح الباری۔ ص ۲۶۸)

جیانی نے کہا کہ عبداللہ بن عبداللہ کو پہچانا نہیں جاتا' ان شاء اللہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے۔ یہی ابن کعب ہیں' میں پہلے گمان کرتا تھا کہ یہ وہم امام بخاری کے علاوہ کسی اور سے ہوا ہے مگر جب ان کی تاریخ میں بھی ایسا ہی دیکھا تو یہ گمان ختم ہو گیا۔

متن میں تسامح

کتاب الزکوٰۃ میں ایک حدیث یہ ہے:

عن عائشة ان بعض ازواج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قلن للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم اینا اسرع بك لحوقا قال اطولکن یدا فاخذوا قصبة یذرعونها فکانت سودة اطولهن یدا فعلمنا بعد انما کانت طول یدها الصدقة وکانت اسرعنا لحوقا به صلی اللّٰه علیه وسلم وکانت تحب الصدقة. (بخاری۔ ج ۱ ص ۱۹۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ہم میں سے سب سے پہلے کون حضور سے واصل ہو گی؟ فرمایا: جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے' تو وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں' ان میں حضرت سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا' حالانکہ ہاتھ کی لمبائی سے صدقہ مراد تھا' سودہ ہی کا سب سے پہلے وصال ہوا' اور وہ صدقہ کو محبوب رکھتی تھیں۔

اس حدیث میں "وکانت اسرعنا لحوقا به" میں کانت کی ضمیر کا مرجع متعین ہے حضرت سودہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے حضرت سودہ کا وصال ہوا' حالانکہ تمام اربابِ سیر و اصحابِ تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا۔ خود حدیث کا سیاق بھی بتا رہا ہے کہ "کانت اسرعنا لحوقا به" سے حضرت سودہ ہرگز مراد نہیں۔ نیز اگرچہ سبھی ازواجِ مطہرات بہت مخیّر تھیں مگر حضرت زینب ان میں سب سے زیادہ مخیّر تھیں' حضرت زینب بنت جحش کا وصال ۲۰ھ میں ہوا اور حضرت سودہ کا ۵۴ھ میں۔

اس حدیث میں یہ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا: "وکانت زینب اسرعنا لحوقا به" چنانچہ مسلم شریف میں یوں ہے:

"وکانت زینب اطول یدا لانها کانت تعمل وتتصدق"۔

باب "احداد المرأة علی غیر زوجها" میں یہ حدیث ہے:

عن زینب بنت ابی سلمة قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبة بصفرةٍ فی یوم الثالث فمسحت عارضیها وذراعیها. (بخاری شریف۔ ج ۱ ص ۱۷۰)

زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ جب شام سے ابوسفیان کی وفات کی خبر آئی تو ان کی صاحبزادی اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ نے تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبو منگا کر اپنے چہرے اور دونوں کلائیوں پر ملی۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان کے وصال کی خبر شام سے آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا انتقال شام میں ہوا تھا'

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حالانکہ یہ غلط ہے۔ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

اس روایت میں اس پر اعتراض ہے کہ شام سے موت کی خبر آئی' حالانکہ سب مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابوسفیان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔

استنباط مسائل کا حال

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے' اور صحیح بخاری کی تصنیف سے امام بخاری کا اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ہر حدیث پر باب باندھا ہے' لیکن اس میں بھی ان سے لغزش ہوئی ہے اور اس لغزش کی تعداد بہت زیادہ ہے' جو شرح میں مفصل و مدلل بیان ہوگی' یہاں دو نظیریں پیش کرتے ہیں۔

''اذا شرب الکلب فی الاناء'' کے باب میں جہاں اور احادیث ذکر کی ہیں' وہیں یہ حدیث بھی ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلًا رأی کلبًا یاکل الثرٰی من العطش فاخذ الرجل خفہ فجعل یغرف لہ بہ حتی ارواہ فشکر اللہ لہ فادخلہ الجنۃ. (بخاری۔ ج ا ص ۲۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک پیاسا کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے' اس نے اپنا موزا نکالا اور اس میں پانی بھر کر اسے چلّو سے پلانے لگا' یہاں تک کہ اسے سیراب کر دیا' اللہ نے قبول فرمالیا اور اس شخص کو جنت میں داخل فرما دیا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

استدل بہ المصنف علی طہارۃ سور الکلب. (فتح الباری۔ ج ا ص ۲۴۳)

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث یہ ہے:

کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے' پس وہ اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

اس حدیث کے بھی ذکر سے امام بخاری کا مقصود یہی ہے کہ کتے کا لعاب پاک ہے اور یہ مقصد بالکل ظاہر ہے' حالانکہ یہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے' جب مسجد میں دروازے نہیں تھے' جب دروازے لگ گئے تو کتوں کا مسجد اقدس میں آنا جانا بند ہو گیا' جہاں تک کتوں کے آنے جانے کی بات ہے تو کوئی بھی کتوں کو نجس العین نہیں کہتا۔ اس لیے کتا اگر پاؤں رکھ دے اور پاؤں میں اور کوئی نجاست لگی نہ ہو تو وہ جگہ ناپاک نہیں ہوتی' رہ گیا لعاب تو ہر شخص جانتا ہے کہ لعاب' شراب' رقیق نجاست گر جائے تو سوکھنے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے: ''تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف'' اس کے تحت یہ حدیث تعلیقاً لائے ہیں:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ. (بخاری شریف۔ ج ا ص ۴۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس تعلیق سے باب کا ثبوت اسی وقت ہو سکتا ہے کہ ذکر کو اپنے عموم کلی پر مانا جائے' جس کا ایک فرد ادائے مناسک بھی ہے اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قرآن مجید کی تلاوت بھی۔ اسی طرح ''علٰی کل احیانہ'' کو بھی اپنے عموم کلی پر رکھا جائے' جس کا فرد جنب بھی ہے اور جنب کے حکم میں جو لوگ ہیں' وہ بھی ہیں' مثلاً: حائضہ' نفساء۔ اگر ان دونوں عمومات میں کوئی بھی تخصیص کی گئی تو باب ثابت نہ ہو پائے گا۔ اس لیے لازم آیا کہ جنب مرد ہو یا عورت اور حائضہ اور نفاس والی عورت کو اس حالت میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حجر نے اس کے تحت لکھا:

ان مراده الاستدلال علٰی جواز قراء ة الحائض. (فتح الباری۔ ص ۳۴۷) امام بخاری کا مقصد حائضہ اور جنب کے لیے قراءت یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے جواز پر اس تعلیق سے استدلال کرنا ہے۔

رضاعت کا مسئلہ

احوال بخاری میں گزر چکا کہ بخارا کی رائے عامہ امام بخاری کے خلاف اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے اپنے مستخرج اس قسم کے مسائل عوام میں پھیلانے شروع کیے' حالانکہ امام ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو اس سے منع فرمایا تھا کہ وہ مسائل نہ بتائیں' احادیث کا درس دیں' مگر امام بخاری نہیں مانے اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے اُمت کے خلاف جو مسائل استنباط فرمائے تھے' ان کو بھی پھیلانا شروع کیا' جس سے عوام میں شورش پیدا ہوگئی' انہیں میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایامِ رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رشتہ رضاعت پیدا ہو جائے گا۔

آج کل امام بخاری کے نادان دوست اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امام بخاری کی طرف غلط منسوب ہے' اس مسئلہ رضاعت سے تو انکار کر دیا' مگر خود صحیح بخاری میں یہ جو دو مسئلے مذکور ہیں' ان کی نسبت کیا کہیں گے؟

امام بخاری کے ایک نادان دوست لکھتے ہیں:

حالانکہ اس فتویٰ کا ناقل بجز اہل الرائے کے اور کوئی نہیں اور ان کو جو تعصب دوسروں سے ہے' وہ ظاہر ہے۔ محدثین کی ایذاء رسانی میں ان کو خاص قسم کا مزہ آتا ہے' اس لیے اس واقعہ کے صدق پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ (سیرت بخاری۔ ص ٦٦)

بکری کے دودھ والا فتویٰ آپ کے نزدیک اس لیے صحیح نہیں کہ اسے صرف اہل الرائے نے لکھا مگر مذکورہ بالا دونوں مسائل جو صحیح بخاری میں آج بھی ہیں' ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا امام بخاری کے یہ دونوں استنباط صحیح ہیں؟

تعصب اور ہٹ دھرمی کی یہ انتہائی حد ہے کہ چونکہ امام بخاری کا یہ فتویٰ احناف نے نقل کیا ہے' اس لیے قابلِ اعتماد نہیں۔ یہ احناف کے ساتھ انتہائی بغض وعناد نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر احناف کو یہی کرنا تھا تو صرف ایک ہی ایسا فتویٰ کیوں مشہور کیا' وہ چاہتے تو سینکڑوں مشہور کر دیتے۔ اگر احناف کو امام بخاری سے کوئی تعصب ہوتا تو وہ امام بخاری کو امیر المومنین فی الحدیث ہرگز نہ تسلیم کرتے۔ ان کی جامع کو اصح کتب بعد کتاب اللہ ہرگز نہ مانتے' خصوصاً جب کہ امام بخاری اسی کتاب میں احناف کی طرف غلط مسائل تک منسوب کرنے سے باز نہیں آئے۔ احناف اسے کہہ سکتے تھے کہ یہ افتراء و بہتان ہے' جو شخص افتراء و بہتان باندھے وہ ثقہ نہیں ہو سکتا' مگر احناف نے انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ احناف اس کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ امام بخاری کو غلط اطلاع ملی' اس لیے انہوں نے ایسا کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں گنجائش وہاں احناف نے تعصب سے کام نہیں لیا' اور تعصب سے فرضی فتویٰ ان کی طرف منسوب کر دیا۔ امام بخاری کتنے ہی جلیل اجل عظیم اعظم ہوں' مگر خطاء ولغزش انسان کی فطری سرشت ہے' وہ بھی انسان ہی تھے' ان سے بھی لغزش ہوئی۔ چند لغزشوں سے ان کی عظمت وجلالت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

غیر مقلدین کی بخاری سے عداوت

میاں نذیر حسین صاحب کی لن ترانی اور اس کا جواب

یہ چند تسامحات اور اسی قسم کے اور بہت سے تسامحات تو واقعی بر بناء تحقیق امام بخاری سے ہوئے، اور اگر غیر مقلدین کے طور پر دیکھا جائے تو پھر آدھی بخاری صاف ہو جاتی ہے۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے جمع بین الصلوتین کے عدم جواز پر احناف کی مستدل احادیث پر جو تنقیدیں کی ہیں، اس کو سامنے رکھ کر اگر بخاری کو پرکھا جائے تو پھر بخاری کا خدا حافظ۔ ہم یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین"[1] کا تھوڑا سا اقتباس پیش کرتے ہیں، پہلے شیخ الکل صاحب کی ایک لن ترانی گوش گزار کرلیں، معیار حق میں فرمایا:

مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں، یعنی ایک روایت ابوداؤد جس کے راوی میں ضعف تھا، ایک روایت معجم طبرانی، ایک روایت اربعین حاکم نقل کر کے ان پر طعن کر دیا اور جو روایتیں صحیحہ متداولہ تھیں، نقل کر کے ان کا جواب نہیں دیا، یہ کیا دین داری ہے؟ اور کیا مردانگی کہ بخاری و مسلم چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جا پکڑا اور ان سے دو روایتیں ضعیف نقل کر کے ان کا جواب دیا۔

چونکہ میاں صاحب مردانگی دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی مردانگی کا تھوڑا نمونہ دکھایا ہے۔ سنئے!

قسط اوّل

ابوداؤد میں یہ حدیث ہے:

حدثنا محمد بن عبید المحاربی حدثنا محمد بن فضیل عن ابیه عن نافع و عبد الله بن واقد ان مؤذن ابن عمر قال الصلوۃ قال سر حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا عجل به امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلک الیوم و اللیلة مسیرة ثلث

نافع اور عبداللہ بن واقد فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا: چلو! چلتے رہے، حتیٰ کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی، اس وقت عشاء پڑھی، پھر فرمایا: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو آپ ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ حضرت ابن عمر نے اس رات دن میں تین دن کی مسافت طے کی۔

شیخ الکل صاحب نے اس حدیث پر یہ اعتراض فرمایا کہ اس میں محمد بن فضیل ہے، یہ ضعیف ہے، یہ منسوب بہ رفض ہے، اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(۱) یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔

[1] یہ رسالہ مبارکہ فتاوی رضویہ۔ ج ۲ میں شائع ہو چکا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(۲) امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث کہا، امام نسائی نے لا باس بہ کہا، امام احمد نے اس سے روایت کیا، اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے۔ میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسر ان کے حق میں ذکر نہ کی۔

(۳) یہ بکف چراغے قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب بہ رفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ذکر کی۔ ملا جی کو بایں سال خوری و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف و اصطلاح محدثین میں تشیع اور رفض میں کتنا فرق ہے۔ میزان میں امام حاکم کے بارے میں یہ قول نقل کر کے کہ کسی نے ان کو رافضی کہا تھا، لکھا:

ما الرجل برافضي بل شيعي فقط. — یہ رافضی نہیں صرف شیعی ہے۔

ہاں زبان متاخرین میں، شیعہ روافض کو کہتے ہیں، بلکہ آج کل کے بے ہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلاف تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں۔ خود ملا جی کے خیال میں اپنی ملائی کے باعث ہی تازہ محاورہ تھا، یا عوام کو دھوکہ دینے کے لیے تشیع کو رافضی بنایا۔ حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان پر افضل جانتا، شیعی کہا جاتا، بلکہ جو صرف امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تفضیل دیتا، اسے بھی شیعی کہتے حالانکہ یہ مسلک بعض علماء اہل سنت کا تھا۔ اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا، بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے، حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات میں تھا، لکھتے ہیں:

محمد بن فضيل بن غزوان المحدث الحافظ كان من علماء هذا الشان وثقه يحيى بن معين وقال احمد حسن الحديث شيعي قلت كان متواليا فقط.

محمد بن فضیل بن غزوان محدث حافظ اور اس صف کے علماء میں سے تھے۔ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کیا، احمد نے کہا: حسن الحدیث شیعی ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اہل بیت سے محبت کرنے والے تھے۔

(۴) ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔ ان کے رواۃ میں تیس سے زائد ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا ہے یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا:

كتاب مسلم ملان من الشيعة. — مسلم کی کتاب شیعہ سے بھری پڑی ہے۔

دور کیوں جائیے! خود یہی ابن فضیل کہ واقع میں شیعی صرف بہ معنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۲۹۶۔۲۹۷)

اس پہلی قسط میں شیخ الکل صاحب نے بخاری و مسلم کے تیس رواۃ پر ہاتھ صاف کر دیا، جن میں سترہ بخاری کے ہیں۔

قسط ثانی

احناف کی مؤید ایک اور حدیث ہے، جسے نسائی اور امام طحاوی نے روایت کیا، اس کی سند یہ ہے:

"حدثنا ربيع المؤذن قال حدثنا بشر بن بكر قال حدثني ابن جابر قال حدثني نافع قال خرجت الحديث" نافع نے کہا: عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کی طرف تشریف لے جاتے، کسی نے آ کر کہا: آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبیدہ، اخت حجاج اپنے حال میں مشغول ہیں، شاید ہی آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سن کر بہت تیز چلنے لگے اور ان کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا، سورج ڈوب گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ میں نے ہمیشہ ان کی عادت یہ پائی تھی کی نماز کی پابندی فرماتے، جب انہوں نے دیر کی تو میں نے ان سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہا: نماز! اللہ آپ پر رحم فرمائے! میری طرف پھر کے دیکھا اور آگے روانہ ہو گئے، جب شفق کا اخیر حصہ رہا، اُتر کر مغرب پڑھی، پھر عشاء کی تکبیر اس وقت کہی گئی جب شفق ڈوب چکی تو اس وقت عشاء پڑھی، پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ ایسا ہی کرتے۔

اس حدیث پر طعن کرتے ہوئے شیخ الکل صاحب نے بشر بن بکر کے بارے میں لکھا:

وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایت لاتا ہے کہ سب کے خلاف ''قاله الحافظ فی التقریب''۔

اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تنقید سنئے!

(۱) ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر، رجالِ بخاری سے ہیں۔ صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق۔

(۲) اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا، اسے ہضم کر گئے۔

(۳) محدث جی تقریب میں ''ثقة یغرب'' ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ ''فلان یغرب'' اور ''فلان غریب الحدیث'' میں کتنا فرق ہے؟

(۴) اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف، محدث جی غریب اور منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

(۵) باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے۔ یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھئے کہ بخاری و مسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے۔ دور مت جائیے! یہ بشر خود رجالِ بخاری سے ہیں۔

(۶) ذرا میزان تو دیکھئے! لکھا ہے: ''اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لاطعن فیه'' کیوں! شرمائیے تو نہ ہو گے؟ ایسی ہی اندھیریاں ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی احادیث ضعیف ہیں۔ حاشیے میں گیارہ صحیح کے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی ہے، جن میں چھ بخاری کے ہیں، اگر پورا تتبع کیا جائے تو اور نکلے گا۔ (فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۲۹۸۔ ۲۹۹)

قسط ثالث

نسائی میں حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے، اس کی سند یہ ہے: ''اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنی نافع قال خرجت'' پھر آگے وہی مضمون ہے جو سابقہ احادیث میں گزر چکا۔ اس پر شیخ الکل صاحب نے یہ جڑ دیا کہ اس میں ولید بن قاسم ہے، روایت میں اس سے خطا ہوتی تھی، کہا تقریب میں ''صدوق یخطی''۔

اب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(۱) مسلمانو! اس تحریف شدہ کو دیکھنا، اسنادِ نسائی میں یہاں ولید غیر منسوب تھا، ملا جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام اس کا ولید اور قدرے متکلم فیہ ہے، چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تلاش کر لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں۔ رجال صحیح مسلم و ائمہ ثقات و حفاظ اعلام سے ہیں۔

(۲) بہ غرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں۔ امام احمد نے ان کی توثیق فرمائی، ان سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ ان سے حدیث سیکھو۔ ابن عدی نے کہا: جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

(۳) ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہوتے کہ ان میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی، بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رد ہی کر دو گے؟

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(۴) بخاری لیس حسان بن حسان بصری سے روایت کی انہیں کہا: ''صدوق یخطی'' پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا: ''خلطه ابن منده بالذی قبله فوهم وهذا ضعیف'' دیکھو صاف بتادیا کہ جسے صدوق یخطی کہا' وہ ضعیف نہیں۔ ملا جی اپنی جہالت سے مردود و واہیات گا رہے ہیں۔

حاشیے میں اٹھارہ ایسے بخاری و مسلم کے رواۃ کا پتہ دیا جن کے بارے میں صدوق یخطی کہا گیا اور دس ایسے جن کو صدوق کے ساتھ کثیر الخطاء یا اس کے ہم معنی کہا گیا۔ اس قسط میں شیخ الکل کی مہربانی سے' بخاری و مسلم کے اٹھائیس رواۃ ختم ہو گئے' جن میں تیئس بخاری کے رواۃ ہیں۔ آگے بڑھئے! (فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۲۹۹۔۳۰۰)

قسط رابع

نسائی اور طحاوی کی حدیث صحیح کو عطاف سے معلول کیا اور کہا: وہ وہمی ہے' کہا تقریب میں ''صدوق یهم''۔

اس کے بعد اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ارشادات سنئے!

(۱) عطاف کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا'' وکفی بهما قدوة '' میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسر منقول نہیں۔

(۲) کسی سے پڑھو کہ وہمی اور ''صدوق یهم'' میں کتنا فرق ہے؟

(۳) صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی۔ تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی ان میں کس قدر ہیں۔

حاشیے میں ایسے رواۃ کے نام گنائے ہیں' اس قسط میں صحیحین کے بیس راوی اور گئے جن میں بخاری کے نو ہیں۔

قسط خامس

حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا مروی امام طحاوی و امام احمد و ابن ابی شیبہ استاذ امام بخاری و مسلم کے رد کو پھر وہی شگوفہ چھوڑا۔ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے' اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا'' قاله الحافظ فی التقریب ''۔

اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(۱) تقریب میں صدوق کہا' وہ صدوق ہی میں رہا۔

(۲) وہی اپنی وہمی نزاکت کہ ''له اوهام'' کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

(۳) وہی صحیحین سے پرانی عداوت تقریب دور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق ''له اوهام'' کہا ہے۔

(۴) مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے۔ امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے باں تشدید شدید فرمایا: ''لیس به باس'' اس میں کوئی برائی نہیں۔ '' زاد یحیی له حدیث واحد منکر '' ان کی صرف ایک حدیث منکر ہے۔ ''لا جرم'' وکیع نے ثقہ ابوداؤد نے صالح' ابن عدی نے '' عندی لا باس به '' کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں' اگر چہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو' جس کے سبب نسائی نے ''لیس بالقوی'' ابواحمد حاکم نے ''لیس بالمتین عندهم'' کہا۔ '' لا انه لیس بقوی لیس بمتین وشتان ما بین العبارتین '' حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا' اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

حاشیے میں صدوق ''له اوهام'' صحیحین کے جن رواۃ کے بارے میں کہا گیا' ان کی تعداد اٹھارہ گنائی' ان میں گیارہ رجال بخاری ہیں۔ اور اخیر میں فرمایا: اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۲۰۵۔۲۰۶)

تعصب و عناد اس کا نام ہے کہ احناف کی ضد میں صحیح احادیث پر بلا تکلف ایسی تنقیدیں کرتے گئے کہ بخاری و مسلم کی صدہا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حدیثیں صاف ہو گئیں۔ اب اس کا فیصلہ انہیں بزرگوں کو کرنا ہے کہ وہ اپنے شیخ الکل کے ہاتھ کی صفائی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟
"ذرھم فی خوضھم یلعبون"۔

باب وحدیث میں عدم مطابقت

یہ کئی جگہ بتا آیا ہوں کہ امام بخاری کا مقصد صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا نہیں بلکہ وہ جن عقائد واعمال کو حق مانتے تھے' ان کا اثبات اور جسے غلط مانتے تھے' ان کا رد بھی مقصود ہے' بلکہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ یہی مقصود بالذات ہے اور احادیث کی تدوین ثانوی درجے میں ہے تو کوئی بے جا بات نہ ہوگی۔ اس پر دو بہت ٹھوس دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں اور صحیح بخاری میں بہ مشکل اڑھائی ہزار سے کچھ زائد احادیث ہیں' تو اب سوال یہ ہے کہ آخر وجہ ترجیح کیا ہے؟ کیوں ان اڑھائی ہزار کو درج فرمایا اور ساڑھے ستانوے ہزار احادیث کو چھوڑ دیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ بقیہ ساڑھے ستانوے ہزار احادیث ان کے مستخرجہ مسائل کے مطابق نہ تھیں' اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے التزام تو اس کا کیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی غیر صحیح حدیث نہیں لائیں گے' پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیقات میں بلا دھڑک ضعاف ذکر کرتے ہیں۔ وہی باب کی تائید' جب تائید میں صحیح حدیث نہیں ملی تو ضعیف کو ذکر فرما دیا' اگرچہ تعلیقاً ہی سہی۔

کہیں کہیں تو ابواب میں یہ بھی صنعت ہے کہ حدیث کا جو ٹکڑا لائے ہیں' اس سے باب کی کوئی مطابقت نہیں' مگر اسی حدیث کو اور کوئی محدث لایا ہے' جو مفصل ہے۔ اس سے بخاری کے باب کی مطابقت ہوتی ہے۔ مثلاً: امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے:

طول الصلٰوۃ فی قیام اللیل۔ — رات کی نماز میں قیام کو دراز کرنا۔

اس کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام للتھجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک۔ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اُٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے۔

(بخاری شریف۔ ج ا ص ۱۵۳)

اس سے باب کو کیا مطابقت؟ مگر کہا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ ہی سے مسلم شریف میں ایک حدیث مفصل ہے۔ اس میں یہ ہے کہ حضور نے تہجد کی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ' سورۂ نساء' سورۂ آل عمران پڑھی' لیکن یہ حصہ چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہیں' اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ حصہ امام بخاری کی شرط پر نہیں' تو ان کے نزدیک یہ حصہ ضعیف ہوا۔ کیا امام بخاری احکام میں احادیث ضعاف کو حجت مانتے ہیں؟ اگر یہ توجیہ صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ امام بخاری کا مقصود اصلی اپنے عقائد ومسائل کی تدوین پھر ان کی تقویت ہے' اور اس پر ان کا اتنی شدت سے عمل ہے کہ اگر حدیث صحیح سے کام نہ چلے تو ضعیف سے کام لے لیتے' اگرچہ بہ قول بعضے اشارۃً ہی۔

علاوہ ازیں جب کہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا: "الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ" تو کوئی بتائے کہ پھر تابعین وتبع تابعین تک کے اقوال اپنے ابواب کی تائید میں کیوں لاتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں باب اور حدیث میں وہ بھی علاقہ نہیں ہوتا جو گس کے باغ میں جانے اور پروانے کے خون میں ہے' دو نظیریں حاضر ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام بخاری نے باب باندھا: ''باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ'' اور حدیث لائے یہ:

والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجرًا من الذی یصلی ثم ینام.

اس شخص کو زیادہ اجر ملے گا جو جماعت کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جماعت سے پڑھتا ہے' بہ نسبت اس کے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔ (بخاری شریف۔ج۱ص۹۰)

اس حدیث میں عشاء کا ذکر ہے اور جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت مذکور ہے' فجر کی نماز سے اس حدیث کا کیا علاقہ۔

ایک باب باندھا: ''الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان'' اس پانی کا بیان جس سے انسان کا بال دھویا جائے۔ اور دو حدیثیں لائے' دونوں کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ:

عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اھل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب الیَّ من الدنیا وما فیھا. (ایضاً۔ج۱ص۲۹)

ابن سیرین نے کہا: میں نے عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس نبی ﷺ کے کچھ موئے مبارک ہیں' یہ ہمیں انس یا انس کے اہل سے ملا ہے' حضور کا ایک بال مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

دوسری حدیث یہ ہے:

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما حلق راسہ کان ابو طلحۃ اوّل من اخذ من شعرہ.

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بال اتروائے تو سب سے پہلے ابوطلحہ نے اسے لیا۔

ان دونوں حدیثوں کو باب سے کیا تعلق ہے؟ معمولی پڑھا لکھا انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔

تدلیس

امام بخاری نے بہ آں جلالت شان و عظمت مکان کے کہیں کہیں بالقصد یا بلا قصد تدلیس سے بھی کام لیا ہے' مثلاً چونکہ امام ذہلی سے یہ ناراض ہو گئے تھے' مگر پھر بھی ان سے روایت لی ہے تقریباً بیس جگہ ہوگی' مگر کہیں ان کا مشہور نام محمد بن یحییٰ نہیں لیا کہ لوگ جان جائیں کہ یہ فلاں ہیں۔ بدل بدل کر نام لیا ہے' کہیں صرف محمد کہا' کہیں دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن عبداللہ' کہیں پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد کہا۔ اس میں دو خرابیاں پیدا ہوئیں' ایک تو اصل راوی کو سننے والے سمجھ نہیں پائے' دوسرے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ محمد' محمد بن عبداللہ' محمد بن خالد الگ الگ تین راوی ہیں۔ یہ بھی تدلیس ہے کہ راوی اپنے شیخ کا وہ نام وہ کنیت وہ لقب وہ نسبت نہ ذکر کرے جس سے وہ مشہور ہے۔ (طبقات المدلسین و سخاوی)

علاوہ ازیں ابوعبداللہ بن مندہ نے امام بخاری کو مدلس کہا' کیونکہ جب ان کا کسی سے سماع نہیں ہوتا تو ''قال فلان'' کہتے ہیں اور سماع ہوتا ہے تو اگرچہ وہ موقوف مقطوع کچھ بھی خواہ ان کی شرط پر نہ ہو ''قال لنا فلان'' کہتے ہیں۔

اگرچہ اتنی بات ہے کہ امام بخاری کی عظمت کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ انہوں نے تدلیس کسی مصلحت کے پیش نظر کی ہے' جیسا کہ امام ذہلی کے بارے میں جو مصلحت تھی' اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

جامع صحیح بخاری کا ایک مجمل تعارف ہو گیا' ان سب باتوں کو ذہن میں رکھئے گا تو آپ پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ صحیح بخاری کی جو بھی پذیرائی ہے وہ صرف ان احادیث کی وجہ سے ہے جو اس میں درج ہیں اور انہیں احادیث کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ بخاری

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صح کتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کل کی کل احادیث صحیح ہیں' بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر کتب احادیث کی بہ نسبت بخاری میں ضعاف بہت کم ہیں۔ رہ گئے ابواب اور ابواب کی تائید میں خود امام بخاری کے ارشادات تو ان کو نہ کسی نے اصح کہا ہے اور نہ ان کی پذیرائی ہے۔ ان ابواب پر پوری اُمت نے پوری گفتگو کی ہے۔ یہ ابواب نہ ارشاداتِ رسول ہیں اور نہ شریعت کے اصل قانون۔ وہ امام بخاری کے مستخرجہ ہیں' اُمت کے ہر ذی علم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام بخاری کے استنباطات واستخراجات پر کلام کرے اور کرتے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جن مسائل میں متفرد ہیں' ان کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو سکی۔

امام بخاری کی دیگر تصانیف

قضایا الصحابہ والتابعین

یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے' جو ۲۱۲ھ میں لکھی ہے' یہ اب تک طبع نہ ہو سکی۔

التاریخ الکبیر

مسجد نبوی میں بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی ہے' اس وقت عمر مبارک سولہ سترہ سال کی تھی' حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔ دائرۃ المعارف' حیدرآباد سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب میں امام بخاری نے حسب عادت حضرت امام اعظم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے۔ فرمایا:

امام صاحب مرجی تھے' اس لیے لوگوں نے ان سے ان کی رائے' ان کی حدیث سے سکوت فرمایا۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے وہ آگے آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کثیر عنایتیں ہیں۔ اسی کتاب کے بارے اسحٰق بن راھویہ نے عبداللہ بن طاہر حاکم رَی سے کہا تھا: "الا اریك سحرًا" کیا میں تمہیں جادو نہ دکھاؤں! اب کتاب چھپ گئی ہے' جس کا جی چاہے دیکھ لے' اس میں کیا جادو ہے۔

التاریخ الاوسط

یہ کتاب اب تک نہیں چھپ سکی ہے' اس کا کوئی قلمی نسخہ شاید جرمنی میں ہے۔

التاریخ الصغیر

اس کی ترتیب سن وار ہے' یہ بہت ہی مختصر ہے۔ امام بخاری کی یہ تینوں کتابیں بہت زیادہ قابل نقد ہیں' ان کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنے بڑے آدمی کی تصنیف ہیں۔

الجامع الکبیر

اس کا قلمی نسخہ جرمنی میں تھا۔

خلق افعال العباد

موضوع نام سے بہتر ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں' اس کے برخلاف اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے' اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ امام بخاری نے اہل سنت کی تائید میں یہ رسالہ لکھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

المسند الکبیر

اس کے بارے میں بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جرمنی میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اسامی الصحابہ

اس کا ذکر ابوقاسم بن مندہ اور ابوالقاسم بغوی نے کیا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جرمنی میں اس کا بھی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب العلل

علل حدیث کے موضوع پر غالباً سب سے پہلی کتاب ہے اور بہت عمدہ ہے۔

کتاب الفوائد

اس کا پتہ صرف اس سے چلتا ہے کہ امام ترمذی نے حضرت طلحہ کے مناقب میں تذکرہ کیا ہے، تفصیل کچھ معلوم نہیں۔

کتاب الوحدان

یہ کتاب امام بخاری کی ہے یا امام مسلم کی دونوں قول ہیں، اس میں ان صحابہ کرام کا تذکرہ ہے، جن سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

الادب المفرد

جامع صحیح کے بعد سب سے زیادہ مفید و مقبول تصنیف ہے، اس میں شمائل نبوی کا بیان ہے۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

کتاب الضعفاء

حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کا ذکر ہے، لیکن احناف سے امام بخاری کے تعصب کی جھلک اس میں بھی ہے۔ امام ابو یوسف کو متروک لکھا، حالانکہ امام نسائی نے جن کا تشدد بلکہ تعصب بھی مشہور ہے، کتاب الضعفاء والمتروکین میں امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے۔ امام بخاری تو امام ابو یوسف کو متروک کہیں مگر ان کے اساتذہ مثلاً امام احمد، یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث امام ابو یوسف سے حدیث اخذ کریں اور انہیں صاحب حدیث، صاحب سنت، مصنف فی الحدیث، اثبت، اکثر حدیثاً اتبع للحدیث اور حافظ حدیث کہیں۔

غیر مقلدین کے امام ثانی نواب صدیق حسن بھوپالی نے التاج المکلل میں امام ابو یوسف کے بارے میں لکھا:

قاضی ابو یوسف، کوفہ کے امام ابوحنیفہ کے شاگرد، فقیہ، عالم اور حافظ حدیث تھے۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق تھے۔ امام ابو یوسف کے اوصاف بہت ہیں، اکثر علماء ان کی فضیلت و تعظیم کے قائل ہیں۔

اور یہ بات محقق ہے کہ جن کی مدح کرنے والے زیادہ ہوں، ان پر جارحین کی جرح کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خصوصاً جب کہ جرح متعصبین کی ہو۔ امام بخاری کا تعصب سب کو معلوم ہے، اور اسی صف میں دار قطنی بھی ہیں۔

کتاب المبسوط

نہ اس کتاب کا کہیں وجود ہے نہ اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا کہ اس کا موضوع کیا تھا۔ خلیلی نے الارشاد میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک غیر مقلد مجتہد صاحب کا قیاس ہے کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کیے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کیے ہیں اگر ان مجتہد صاحب کا اجتہاد صحیح ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری کے ساتھ اُمت کو جو والہانہ شغف ہے وہ صرف احادیث کی تدوین کی حد تک ہے۔ رہ گئے ان کے اجتہادات اسے اُمت نے قبول نہیں کیا' بلکہ ان کے تلامذہ نے بھی قبول نہیں کیا' ورنہ کتاب المبسوط کو بھی باقی رہنا چاہیے تھا' نہ صرف باقی بلکہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا چاہیے تھا۔

الجامع الصغیر

اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں' صاحب کشف الظنون نے اس کا تذکرہ کیا ہے' غالباً جرمنی میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب الرقاق

اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں' کشف الظنون میں اس کا ذکر ہے۔

برالوالدین

علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ موجود ہے۔

کتاب الاشربہ

اس کا ذکر امام دار قطنی نے المؤتلف والمختلف میں' ایک کیسہ نام کے راوی کے تذکرے میں کیا ہے۔

کتاب الھبہ

محمد بن حاتم وراق نے اس کا تذکرہ کیا ہے' اور بتایا ہے کہ اس میں پانچ سو احادیث تھیں' یہ کتاب ناپید ہے' کہیں اس کا سراغ نہیں۔

کتاب الکنی

نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں رواۃ کی کنیتوں کو بتایا ہے' امام بخاری کی اصل کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب نہ تھی۔ امام ذہبی نے اسے حروف تہجی پر نئے سرے سے مدون کر کے اس کا نام "المقتضٰی فی سرد الکنٰی" رکھا۔

التفسیر الکبیر

فربری اور وراق بخاری' محمد بن حاتم کے ذکر سے اس کا پتہ چلا' آج ناپید ہے۔

جزء القراءت خلف الامام

قراءت خلف الامام کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اصل موضوع پر بہ قدر ضرورت بحث شرح میں آئے گی' یہاں صرف نیازمندانہ اتنی گزارش ہے کہ اس رسالے میں امام بخاری کا سارا حزم واحتیاط رخصت ہو گیا ہے۔ ایک فرعی مسئلے پر اتنی انتہاء پسندی کر دی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ "اختلاف امتی رحمۃ" حدیث بھی ان کے ذہن مبارک میں نہیں آئی۔ احناف پر ایسے غیظ وغضب کا اظہار ہے کہ افسوس ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب ہے' جس کو سوائے افتراء کے اور کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ مزید براں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کی احادیث لائے ہیں' صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہو گئیں' اس کی لم آج تک سمجھ میں نہیں آئی' یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے۔

جزء رفع یدین

رفع یدین کے اختلاف کا حاصل یہ نہ تھا کہ رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا رفع یدین نہ کریں تو نماز ہی صحیح نہ ہو گی'

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلہ میں شباب پر ہے۔ کہیں احناف کو بے علم کہا کہیں غبی و گمراہی کی منزل تک پہنچایا' اس پر بھی غصہ کم نہ ہوا تو اخیر میں یہ تک طنز کر دیا کہ پہلے لوگ اول فالاول کو اَعلم سمجھتے تھے اور احناف الآخر فالآخر کو اَعلم سمجھتے ہیں' یہ تو اپنے موقع پر آئے گا کہ اس ارشاد کے مصداق خود امام بخاری ہیں' یا احناف۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ امام اعظم' امام بخاری سے ایک صدی پہلے گزرے ہیں' یہ رسالہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

طالب حدیث کے لیے امام بخاری کا ایک ارشاد

آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے' طلبہ کتنے آرام طلب ہیں' علماء کتنے سہل پسند ہیں' وہ سب پر ظاہر ہے۔ ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں' شاید ہم کاہلوں کے لیے کچھ مہمیز کا کام کرے۔

تدریب الراوی وقسطلانی[1] میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم رَی کی قضاء پر فائز تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا تو فرمایا: اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو۔ میں نے عرض کیا: علم حدیث کے حدود و مقادیر کو بیان فرمائیں تو ارشاد فرمایا:

"اعلم ان الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثه الا بعد ان یکتب اربعا مع اربع کاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علٰی اربع عن اربع لاربع و کل هذه الرباعیات لا تتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له کلها هان علیه اربع' وابتلٰی باربع فاذا صبر علٰی ذلك اکرمه اللّٰه تعالٰی فی الدنیا باربع واثابه فی الاٰخرة باربع"۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہو سکتا۔ ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک رباعی دنیا میں اور ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا' میں نے درخواست کی کہ اس کی شرح فرما دیں' تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی:

(۱) "ان یکتب اربعا" یعنی چار چیزیں لکھے۔ اوّل: احادیث رسول ﷺ۔ دوم: صحابہ کرام کے حالات اور ان کی تعداد۔ سوم: تابعی کے احوال۔ چہارم: بعد کے احوال اور ان کی تاریخ۔

(۲) "مع اربع" چار چیزوں کے ساتھ لکھے۔ اوّل: راویوں کے نام۔ دوم: ان کی کنیت۔ سوم: ان کی سکونت۔ چہارم: ان کی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(۳) "کاربع" چار کے مثل' جیسے خطیب کے لیے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا اور سورتوں کے لیے بسم اللہ' اور نماز کے لیے تکبیر لازم ہے۔ اسی طرح راویوں کے نام کنیت' جائے سکونت' ولادت و وفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴) "مثل اربع" چار کے مثل' اوّل: مسندات' دوم: مرسلات' سوم: موقوفات' چہارم: مقطوعات' ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵) "فی اربع" چار میں ہے: (۱) کم سنی' (۲) جوانی' (۳) ادھیڑ عمر میں' (۴) بڑھاپے میں۔

(۶) "عند اربع" چار حالتوں میں' اوّل: عدیم الفرصتی' دوم: فرصت کے وقت' سوم: کشائش کے وقت' چہارم: تنگدستی کے وقت۔

(۷) "باربع" چار جگہوں میں: پہاڑ' سمندر' آبادی' جنگل۔

(۸) "علی اربع" چار چیزوں پر: پتھروں پر' ٹھیکروں پر' چمڑوں پر' ہڈیوں پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

---

[1] التدریب الراوی۔ ج ۱ ص ۱۶

(۹) ''عن اربع'' ان میں سے جو عمر میں بڑے ہوں جو ہم عمر ہوں' جو عمر میں کم ہو۔ اپنے والد کی کتاب سے اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے والد ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) ''لاربع'' چار مقصد کے لیے: اللہ کی خوشنودی کے لیے' اس پر عمل کرنے کے لیے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو' اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لیے' تالیف کے لیے تا کہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیر ان دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی' وہ یہ ہیں:

(۱۱) ''الا باربع'' بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی: لکھنے کا ڈھنگ' علم لغت' علم نحو' علم صرف۔

(۱۲) ''مع اربع'' ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں: صحت' قدرت' شوق' قوتِ حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) ''ھان علیہ اربع'' بیوی' اولاد' مال' وطن۔

(۱۴) ''وابتلی باربع'' چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے' دشمنوں کے تیر ونشتر' دوستوں کی ملامت' جاہلوں کے طعن' علماء کے حسد سے۔

اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو:

(۱۵) ''اکرمہ اللّٰہ فی الدنیا باربع'' اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا: قناعت کی عزت' ہیبت' علم کی لذت اور حیاتِ ابدی۔

(۱۶) ''واثابہ فی الآخرۃ باربع'' اور آخرت میں چار نعمتیں عطاء فرمائے گا' اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت' عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوضِ کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا' اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوار قدس اسے عطاء فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا: میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکٹھا تم کو بتا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ علم حدیث حاصل کرو' یا یہ ارادہ ترک کر دو۔

قاضی ولید نے کہا: یہ سب سن کر مجھ پر ہَول سوار ہو گیا' میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا' ادب سے گردن جھکا دی' تو امام بخاری نے فرمایا: اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں تو فقہ حاصل کر لو' اس لیے کہ گھر بیٹھ کر فقہ کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ اس کے لیے لمبے لمبے سفر' شہر شہر' قریہ قریہ' گھومنے اور سمندروں' دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں' حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا اور فقہ حاصل کرنے لگا' یہاں تک کہ اس میں آگے ہو گیا۔

فقیہ کامل ہونے کے لیے کتنی رباعیات درکار ہیں؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور میں علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے یہ بارہ رباعیاں لابدی تھیں' مگر آج اگرچہ یہ بارہ رباعیاں ضروری نہیں' مگر پھر بھی ان کی غالب اکثر ضروری ہیں۔ امام بخاری نے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق علم فقہ کو حدیث سے بہت آسان بتایا' مگر جو فقہ کی تحصیل میں قدم رکھ چکا ہے وہ جانتا ہے کہ فقہ کے لیے ان بارہ رباعیوں کے ساتھ اور بھی کتنی رباعیاں ضروری ہیں۔ اسے لیے کہ فقہ کی بنیاد حدیث کے علاوہ تین اور چیزوں پر بھی ہے: کتاب اللہ' اجماع اُمت' قیاس۔

تو حدیث کے لیے یہ رباعیاں ضروری ہیں ہی نہیں' کتاب اللہ کے لیے کتنی رباعیاں چاہئیں؟ اجماع اُمت کے لیے کتنی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رباعیاں چاہیے؟ لباس کے لیے کتنی رباعیاں چاہئیں؟ اگر ہر ایک کی رباعیوں کی تفصیل کی جائے تو ہر ایک کے لیے بارہ بارہ رباعیاں اور ضروری نکل آئیں گی۔

اس کو اب یوں سمجھئے! جب فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے' ان میں ایک حدیث ہے: تو علم حدیث' علم فقہ کا ۱/۴' ایک چوتھائی ہوا' پھر یہ تو صرف حفظ حدیث کے لیے بارہ رباعیاں ہوئیں' اور فقیہ کے لیے صرف حفظ حدیث کافی نہیں' اس کے لیے احادیث سے متعلق کتنے علوم کی حاجت ہے' وہ بہت تفصیل طلب ہے۔

اس لیے علم فقہ کو علم حدیث سے آسان کہنا اس بناء پر ہے کہ امام بخاری نے اس کی چاشنی نہیں چکھی تھی' مگر ان کو بھی اخیر میں یہ کہنا پڑا کہ فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں' اس کی عزت محدث سے کم نہیں' آخر کیوں؟ اللہ کے یہاں تو العطایا بہ قدر البلایا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ

بخاری پڑھتے یا پڑھاتے وقت لامحالہ امام بخاری کی عنایتوں سے فقہ حنفی سے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے۔ اس خصوص میں ایک طبقہ کو اپنے دل کے پھپھولے توڑنے کا خوب موقع ملتا ہے' لیکن اگر کسی حنفی سے پالا پڑ جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اسے شرح میں جگہ جگہ دیکھیں گے' چونکہ غیر مقلدین فقہ حنفی کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں' جس سے ناواقف لوگوں پر یہ تاثر پڑتا ہے کہ فقہ حنفی کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے' نہ احادیث سے' نہ اقوالِ سلف سے' یہ حضرت امام اعظم کی اختراعی خود ساختہ رائیوں کا مجموعہ ہے' جن کا قرآن و حدیث میں کوئی وجود نہیں' چنانچہ ایک مجتہد صاحب رقم طراز ہیں:

ایسی حالت میں یا تو اہل عراق کی طرح قیاسی تکے چلاتے۔ (سیرت بخاری۔ ص ۴)

اس لیے ہم یہ ضروری جانتے ہیں کہ شرح سے پہلے ایک مختصر خاکہ فقہ حنفی کا بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیں۔ اُمید ہے کہ طالبانِ حق کے لیے ذریعہ ہدایت ہوگا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بانی فقہ حنفی' امام الائمہ' سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حالات پر خصوصاً ان کی حدیث دانی' قرآن فہمی پر بہ قدرِ ضرورت روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مولد و مسکن

حضرت امام اعظم ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے' کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں' لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے میں خود فرمایا ہے کہ دو بار مصر و شام جانے کا اتفاق ہوا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا' کوفہ اور بغداد اتنی بار گیا کہ ان کو شمار نہیں کر سکتا' اگر کوفہ میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمد و رفت کیوں ہوئی؟ کیا امام بخاری کوفہ صرف غدر و بے وفائی کی تعلیم و تمرین کے لیے جاتے تھے' پھر یہ حالت کوفہ کی حضرت امام اعظم کے وصال کے تقریباً اسی سال بعد تھی' اسی سال پہلے کوفہ کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس سے کریں کہ وہ زمانہ تابعین کا تھا' بلکہ صحابہ کرام کا اخیر دور تھا "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" کے آئینے میں اسے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب اسی سال کے بعد یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحر ناپیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لیے اتنی بار کوفہ گئے جن کو وہ اپنے محیر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکتے تو اسی سال پہلے دور تابعین میں کوفہ کے علم و فضل کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے:

کوفہ وہ مبارک شہر ہے جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے ۱۷ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے بسایا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تھا۔ اس شہر کو حضرت عمر رأس الاسلام' رأس العرب' جمجمۃ العرب' عرب کا سر حتیٰ کہ رمح اللہ' کنزالایمان کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسے قبۃ الاسلام و اہل الاسلام کا لقب دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کنزالایمان' جمجمۃ الاسلام' رمح اللہ' سیف اللہ کہا۔ کوفہ کو اتنا پسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا دارالخلافت بنایا۔ کوفہ والوں نے جس خلوص و سچائی کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا' وہ تاریخ کے صفحات پر زریں اوراق کی طرح تاباں ہے۔

رہ گیا حضرت حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا' جو اسی لیے کوفہ میں آباد ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں' جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے۔ اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا تو ان کے وارثین روافض کی وجہ سے کوفہ پر بھی کوئی داغ نہیں آسکتا' کون سی بستی ہے جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے؟

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکاء تھے' آکر آباد ہوئے' جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں' اس کی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی' اس کا اندازہ ہر ذی فہم کر سکتا ہے[1] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفہ کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا' ہر ہر گھر دارالحدیث' دارالعلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے' اس وقت کوفہ میں حدیث و فقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا اور کوفہ کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکتے تھے اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

اس وقت کے مشاہیر

حضرت امام کی ولادت کے وقت کوفہ میں جو ائمہ مشاہیر و مقتداء وقت تھے' ان میں چند یہ ہیں:

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق

فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ متعدد صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے' ان کا "صیر فی الحدیث" خطاب تھا' یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ ابن شعیب نے کہا کہ بصرہ' کوفہ' حجاز' شام میں ابراہیم سے زیادہ علم والا کوئی نہ تھا۔ حسن بصری' ابن سیرین ان سے اعلم نہیں تھے[2] انتقال پر حضرت شعبی نے کہا کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہیں چھوڑا۔ ابوالمثنی نے کہا کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل و کمال کے نمونہ تھے اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کے آئینہ ہیں[3] حضرت علقمہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے' ۵۰ھ میں پیدا ہوئے' ۹۶ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت امام اعظم کو چھبیس سال ان کا زمانہ نصیب ہوا۔

امام شعبی

متوفی ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ پانچ سو صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے' ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مغازی کا درس دیتے ہوئے ان کو دیکھا تو فرمایا: واللہ! یہ اس فن کو مجھ سے اچھا جانتے ہیں۔

سلمہ بن کہیل

جندب بن عبداللہ' ابن ابی اوفی' ابوطفیل رضی اللہ عنہم اور بہت سے صحابہ سے انہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ کثیر الروایت اور صحیح الروایت بھی تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد و فتوح البلدان وغیرہ [2] حاشیہ خلاصۃ التہذیب [3] تہذیب التہذیب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابواسحٰق سبیعی

انہوں نے ۳۸ صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں' جن میں مشاہیر یہ ہیں: عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' ابن زبیر' نعمان بن بشیر' زید بن ارقم' علی بن المدینی نے کہا کہ ابواسحٰق کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔

سماک بن حرب

ان کو اسّی صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے' امام سفیان ثوری نے کہا کہ ان سے کبھی حدیث میں غلطی نہیں ہوئی۔

محارب بن دثار

متوفی ۱۱۶ھ' حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے انہوں نے روایت کی ہے' یہ کوفہ کے قاضی بھی تھے۔ ائمہ حدیث ان کے مداح اور ان کو ثقہ تسلیم کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے انہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں' نہایت ثقہ اور پرہیز گار تھے۔

ہشام بن عروہ بن زبیر

حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت زبیر کے پوتے تھے۔ سفیان ثوری' امام مالک' ابن عیینہ ان کے تلمیذ تھے' ان کی جلالت شان متفق علیہ ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش

انہیں حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مؤخر الذکر سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ شعبہ و سفیان ثوری کے استاذ ہیں' ان کی پیدائش ۵۹ھ یا ۶۰ھ سے ہوئی اور وصال ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں ہوا۔

حماد بن ابی سلمان فقیہ عراق

انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو تلمذ کا شرف حاصل تھا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو متوارث علوم چلے آرہے تھے' ان کے یہی وارث تھے۔ امام شعبہ مسعر وغیرہ انہیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کا ۱۲۰ھ میں وصال ہوا' حضرت ابراہیم نخعی کے بعد ان کی مسند پر یہ بیٹھے' انہیں بزرگوں کی وجہ سے سفیان بن عیینہ جیسے مسلم الثبوت امام المحدثین یہ فرمایا کرتے تھے کہ مناسک کے لیے مکہ' قراءت کے لیے مدینہ' حرام وحلال کے لیے کوفہ ہے۔

(معجم البلدان۔ ج ۴ ص ۴۹۳' ذکر کوفہ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ

ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کوفہ ہی میں تھے' جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم مشرف ہوئے' ان کا وصال ۸۷ھ میں ہوا' حضرت امام اعظم کو ان کی حیات مبارکہ کے سترہ سال نصیب ہوئے۔

کوفہ کو مرکز علم وفضل بنانے میں ان ایک ہزار پچاس صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد وسخطت لامتی ما سخط لها ابن ام عبد یعنی ابن مسعود۔ میری اُمت کے لیے ابن مسعود جو پسند کریں وہ میں بھی پسند کرتا ہوں اور جو وہ ناپسند کریں، میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔

(الاستیعاب)

ان کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا، اسی عہد میں انہوں نے کوفہ میں علم و فضل کے دریا بہائے۔ اسرار الانوار میں ہے:

کوفہ میں حضرت ابن مسعود کی مجلس میں بہ یک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے، ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لیے آئے تو سارا میدان ان کے تلامذہ سے بھر گیا، انہیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا: ابن مسعود! تم نے کوفہ کو علم و فقہ سے بھر دیا، تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی و عرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہو رہے ہیں، خواہ علم حدیث ہو خواہ علم فقہ، اگر کوفہ کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔

امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے، ان میں سے تین مدینے میں تھے: عمر، ابی بن کعب، زید۔ اور تین کوفہ میں: علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم۔ (حاکم)

امام مسروق نے کہا: میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا: عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابو الدرداء اور ابی بن کعب۔ اس کے بعد دیکھا تو ان چھوں کا علم ان دو میں مجتمع پایا: علی اور ابن مسعود، ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کے اٹھا اور کوفہ کی وادیوں پر برسا، ان آفتاب و ماہتاب نے کوفہ کے ذرّے ذرّے کو چمکا دیا۔ (اعلام الموقعین لابن قیم امام غیر مقلدین)

زمانہ

اوپر گزر چکا کہ حضرت امام اعظم جس زمانے میں پیدا ہوئے، یہ صحابہ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی دور تھا، اس دور میں بھی قریب قریب بیس صحابہ کرام باحیات تھے، جیسا کہ دُرِ مختار میں ہے، اس کو بعض لوگوں نے مبالغہ پر محمول کیا ہے، لیکن میں نے اکمال کی مدد سے جو فہرست مرتب کی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہے:

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت کس سن میں ہوئی؟ اس بارے میں دو قول مشہور ہیں ۷۰ھ یا ۸۰ھ، زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے، اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔ اگر ۸۰ھ ہی میں ولادت مانیں تو اس وقت یہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف دیار میں باحیات تھے:

(۱) حضرت انس بن مالک بصرہ میں، متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ (۲) حضرت مالک بن الحویرث بصرہ میں، متوفی ۹۴ھ (۳) حضرت سہل بن سعد ساعدی مدینے میں، متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ، مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں آپ سب سے اخیر ہیں (۴) مالک بن اوس مدینے میں، متوفی ۹۲ھ (۵) حضرت واثلہ بن الاسقع شام میں، متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ (۶) مقدام بن معدیکرب شام میں، متوفی ۸۷ھ (۷) حضرت ابو امامہ باہلی حمصی، شام میں، متوفی ۸۶ھ (۸) ابو الطفیل عامر بن واثلہ بہ روایت مکہ میں، متوفی ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ (۹) حضرت عمرو بن حریث کوفہ میں، متوفی ۸۵ھ (۱۰) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کوفہ میں، متوفی ۸۷ھ، کوفہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں یہ سب سے آخری ہیں (۱۱) حضرت ابو امامہ انصاری متوفی ۱۰۰ھ (۱۲) حضرت سائب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بن خلاد متوفی ۹۱ھ (۱۳) حضرت ابوالبداح متوفی ۱۱۷ھ (۱۴) محمود بن ربیع متوفی ۹۱ھ (۱۵) محمود بن لبید متوفی ۹۶ھ (۱۶) قبیصہ بن ذویب متوفی ۸۶ھ (۱۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری متوفی ۸۱ھ (۱۸) حضرت عبداللہ بن جز مصر میں، متوفی ۸۵ھ (۱۹) سائب بن یزید متوفی ۸۰ھ یا ۸۲ھ یا ۹۱ھ یا ۹۴ھ۔ (اسد الغابہ۔ ج ۲ ص ۳۲۲، اصابہ۔ ج ۲ ص ۱۳)

بربنائے تحقیق جب حضرت امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے تو مزید ان صحابہ کرام کا زمانہ بھی انہیں نصیب ہوا، (۲۰) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری مدینے میں، متوفی ۷۴ھ (۲۱) حضرت ابوسعید خدری مدینے میں، متوفی ۷۴ھ (۲۲) حضرت سلمہ بن اکوع مدینے میں، متوفی ۷۴ھ (۲۳) حضرت رافع بن خدیج مدینے میں، متوفی ۷۳ھ (۲۴) حضرت جابر بن سمرہ کوفہ میں، متوفی ۷۴ھ (۲۵) حضرت ابوجحیفہ کوفہ میں، متوفی ۷۴ھ (۲۶) حضرت زید بن خالد کوفہ میں، متوفی ۷۸ھ (۲۷) حضرت محمد بن حاطب بہ روایت کوفہ میں، متوفی ۷۴ھ (۲۸) حضرت ابوثعلبہ خشنی متوفی ۷۵ھ (۲۹) حضرت عبداللہ بن بُسر متوفی ۷۴ھ (۳۰) سائب بن خباب متوفی ۷۷ھ[1] اگر کچھ اور کوشش کی جاتی تو یہ تعداد اور بڑھ جاتی، ان میں سے کم از کم سات صحابہ کرام کی زیارت حضرت امام نے کی ہے، حضرت انس کی۔ ان کو حضرت امام نے کئی بار دیکھا ہے، فرمایا کہ وہ سرخ خضاب استعمال کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کو جن کا ۸۷ھ میں کوفہ میں وصال ہوا اور سہل بن سعد ساعدی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ، اور عمر بن حریث، ان کا بھی ۸۵ھ میں کوفہ میں وصال ہوا اور عبداللہ بن حارث بن جزء اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم، بلکہ بعض محققین اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بھی زیارت کی، بلکہ ان سے حضرت امام نے حدیث بھی سنی ہے، اس کی کچھ لوگ اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت جابر کا وصال ۷۴ھ میں ہوا، اور حضرت امام کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے، لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہ بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس تقدیر پر تین اور صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے: حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابوجحیفہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نے ایک قول کی بناء پر کوفہ میں ہی وصال فرمایا، اس قول کی بناء پر ان حضرات کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے، اس لیے حضرت امام اعظم تابعی ہوئے اور ان احادیث کے مصداق ہوئے:

طوبى لمن رأني وامن بي وطوبى لمن رأى من رأني.

اسے خوشی کا مژدہ ہو، جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

لا تمس النار مسلما رانی ورای من رأنی.

اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ۔ ص ۵۵۴)

خير امتى قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم متفق عليه. (مشکوٰۃ۔ ص ۵۵۳)

میری اُمت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔

یہ وہ فخر ہے جو حضرت امام اعظم کے اقران میں دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا، نہ امام مالک کو، نہ امام اوزاعی کو، نہ سفیان ثوری کو، نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو بھی باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے انہوں نے کوفہ میں اس وقت موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تابعی ہونے کے لیے صحابی کی صرف رؤیت کافی ہے، روایت شرط نہیں، جیسے صحابی ہونے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

[1] اسد الغابہ۔ ج ۲ ص ۳۱۳

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کافی ہے۔ خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے:

من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوراہ من المسلمین فھو من اصحابہ. (بخاری۔ ج۱ص۵۱۵) — جسے نبی ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی، وہ حضور کے اصحاب میں سے ہے۔

حضرت امام اعظم کی تابعیت سے انکار بداہت کا انکار ہے، ہماری تحقیق کے مطابق حضرت امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے اگر اسے کوئی صاحب صحیح نہ مانیں، ۸۰ھ ہی سنِ ولادت مانیں جب بھی خود کوفہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ اور ایک قول کی بناء پر حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ بھی کوفہ ہی میں تشریف فرما تھے، تو ان حضرات کی زیارت کرنا یقینی ہے، اس دور میں مسلمانوں کو صحابہ کرام کی زیارت اور ان سے حصولِ برکت کا کتنا شوق تھا، یہ سب کو معلوم ہے۔ کیا کسی کو اس کا گمان ہو سکتا ہے کہ حضرت امام اعظم سترہ، اٹھارہ یا کم از کم سات آٹھ سال کے ہو گئے اور ان کے شفیق والدین نے انہیں صحابی رسول اللہ کی زیارت اور دعا سے محروم رکھا ہوگا، اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ مؤخر الذکر مکہ ہی میں تھے تو ان کی زیارت کرنا بھی یقینی ہے۔ اس لیے کہ بر بنائے قول صحیح ان کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے، اس وقت تک حضرت امام کی عمر مبارک کم از کم تیس سال تھی۔ پہلا حج حضرت امام اعظم نے ۹۶ھ میں اپنے والد کے ہمراہ کیا ہے[1] اور حضرت امام اعظم نے پچپن حج کیے تھے، ۱۵۰ھ دوسری شعبان کو وصال ہوا ہے، اس حساب سے ظاہر کہ حضرت ابوالطفیل کی حیات میں انہوں نے پندرہ حج کیے اور اگر ان کا وصال ۱۰۰ھ میں مانا جائے تو ان کی حیات میں کم از کم پانچ حج کیے۔ کون ایسا بدبخت مسلمان ہوگا کہ اسے معلوم ہو کہ مکہ معظمہ میں صحابی رسول موجود ہیں اور ان کی زیارت کا شرف نہ حاصل کرے۔ اسی طرح بہ روایت صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام نے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بھی متعدد بار زیارت کی۔ حضرت انس کوفہ تشریف لاتے رہتے تھے، حضرت علامہ ابن حجر نے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن اوفی کی زیارت کی تصریح کی ہے۔ تفصیل کے لیے تبییض الصحیفہ، ص۴ کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں تہذیب التہذیب میں بھی حضرت ممدوح نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے اپنے طبقات میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نیز امام ذہبی، امام نووی، خطیب بغدادی، دار قطنی، ابن الجوزی، علامہ زین عراقی، علامہ سخاوی، امام یافعی، امام جزری، امام ابونعیم، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن عبدالبر سمعانی، علامہ عبدالغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ تورپشتی، ولی عراقی، ابن الوزیر، علامہ خطیب قسطلانی وغیرہ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کی زیارت کی ہے۔ ائمہ احناف میں سے جنہوں نے یہ قول کیا ہے، ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

صحابہ سے سماع حدیث

یہ موضوع البتہ غور طلب ہے کہ حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے یا نہیں، جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی، ان کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوتی تو ان کے اخص الخواص تلامذہ حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد اس کو ضرور روایت کرتے۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں، امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور امام بخاری کے انتہائی مداح، مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث نہیں روایت کی۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے۔ علامہ موفق نے اپنے مناقب میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا: میں نے حضرت انس سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] مناقب للموفق کردری

الدال علی الخیر کفاعله و اللہ یحب اعانة اللھفان: نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ایک نظیر ہے ورنہ مناقب موفق کا مطالعہ کریں' ان میں امام ابو یوسف کی متعدد ایسی روایتیں ہیں' جو حضرت امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے براہِ راست سنا ہے۔

اس کے علاوہ مسند حصکفی میں جامع بیان العلم' فتح المغیث للسخاوی میں متعدد ایسی احادیث کی نشاندہی کی ہے' جنہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے براہِ راست صحابہ سے سنی ہیں۔

اس لیے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا صحابہ کی زیارت اور ان سے روایت دونوں ثابت ہے اور رویت و زیارت کا ثبوت ہر شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔

تعلیم

حضرت امام اعظم کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ شہنشاہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مشہور زمانہ ستم گر حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا' چونکہ پیشوایانِ مذہب ائمہ وقت حجاج کی چیرہ دستیوں سے خوش نہیں تھے۔ اس لیے یہی لوگ اس کے مظالم کے زیادہ نشانہ تھے۔ فقہاء محدثین اگرچہ علم فقہ و علم حدیث کی تعلیم و تدریس میں مصروف تھے' مگر پورا عراق حجاج کے مظالم سے بے اطمینانی کی حالت میں تھا۔ حضرت امام اعظم اپنے ابتدائی دور میں آبائی پیشہ تجارت میں مصروف رہے' اور کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کرلیا تھا۔ مسلمانوں کی خوش بختی کہ ۹۵ھ میں حجاج اور ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک مر گیا۔ اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشیں ہوا۔ سعادتِ ازلی نے اس کی رہنمائی کی کہ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا مشیر خاص بنایا اور مرتے وقت اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد کر گیا۔ یہ ۹۹ھ میں مر گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی مسند خلافت کو زینت بخشی تو انہوں نے جہاں ملک کی سیاسی انتظامی بدعنوانیوں کا ازالہ کیا' وہیں احادیث نبویہ و قضایا صحابہ کی تلاش و جستجو اور جمع و تدوین اور نشر و اشاعت پر خصوصی توجہ دی' جس کی قدرے تفصیل گزر چکی ہے۔

اسی دور میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا' اور اس پر محرک یہ واقعہ بھی ہوا۔ حضرت امام ایک دن بازار جا رہے تھے' راستے میں حضرت شعبی کا گھر پڑتا تھا' حضرت امام جب ان کے مکان سے گزرے تو امام شعبی نے ان کو بلایا اور پوچھا: کس سے پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کسی سے نہیں۔ امام شعبی نے فرمایا: تم میں استعداد کے جوہر نظر آ رہے ہیں' علماء کے پاس بیٹھا کرو' اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کرلیا' پھر پوری توجہ اور اہتمام سے تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔

ابتداءً حضرت امام کی توجہ علم کلام پر تھی' علم کلام سے مراد آج کا موجودہ علم کلام نہیں بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات پر قرآن و حدیث سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریے کی تردید مراد ہے' لیکن حضرت امام نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عوام و خواص حکام و قضاۃ و زہاد سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فقہ ہے۔ ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے حضرت امام اعظم سے یہ پوچھا کہ سنت کے طریقے پر طلاق دینے کی کیا صورت ہے؟ یہ خود نہ بتا سکے' اس سے کہا کہ حضرت حماد سے جا کر پوچھ لے اور وہ جو بتائیں مجھے آ کر بتا دینا' حضرت حماد کا گھر قریب ہی تھا' تھوڑی ہی دیر میں یہ عورت واپس آئی اور حضرت حماد کے جواب کو بتایا' حضرت امام اعظم فرماتے ہیں: اس سے مجھے بہت غیرت ہوئی اور اٹھا' حضرت حماد کے یہاں حاضر ہوا اور ان سے فقہ حاصل کرنے لگا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تحصیل حدیث

احناف کی کتب فقہ واصول فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ پھر اجماع اُمت پر علی الترتیب ہے۔ سب پر مقدم کتاب اللہ ہے، کتاب میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے، اگر چہ وہ صراحۃً نہ ملے، اشارۃً ملے اقتضاءً ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں، جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو اُمت کے اجماع کو دیکھتے ہیں، اگر اس خصوص میں اُمت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے۔ یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر عرض کیا تھا، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد پسند فرمایا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا: اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا: رسول اللہ کی سنت سے، فرمایا: اگر اس میں بھی تم نہ پاؤ تو؟ عرض کیا: ''اجتھدُ بِرَائی'' پورا غور وخوض کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔ یہ جواب سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جوشِ مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا:

الحمد للّٰه الذی وفق رسول اللّٰه لما یرضی به رسول اللّٰه. (مشکوۃ رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی۔ ص ۳۲۴)

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس، خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے، خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔

امام جعفر صادق اور امام اعظم کی گفتگو

میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ ابو مطیع نے کہا: میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ تھا کہ حضرت امام جعفر صادق، سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ وغیرہ بہت سے فقہاء آئے۔ ان حضرات نے حضرت امام ابوحنیفہ سے کہا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں، اس سے ہمیں اندیشہ ہے، اس پر حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کیے اور صبح سے زوال کے پہلے تک، ان لوگوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ امام نے کہا: میں کتاب اللہ پر عمل سب پر مقدم رکھتا ہوں، پھر سنت پر، پھر صحابہ کے متفقہ فیصلے پر، پھر ان کے مختلف فیہ فیصلوں میں جو قوی ہو، اس پر۔ اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے جو اصول بتائے، اسی پر اپنے تمام مسائل ثابت کر دیئے، جس کے نتیجے میں وہ حضرات باغ باغ ہو گئے اور سب نے ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسے دیئے اور فرمایا:

انت سید العلماء فاعف عنا فیما مضی منا من وقیعتنا فیك بغیر علم فقال غفر اللّٰه تعالٰی لنا ولكم اجمعین

آپ علماء کے سردار ہیں، اب تک ہم نے غلط فہمی میں آپ کو جو کچھ کہا ہے، اسے معاف کر دیں، امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب لوگوں کو معاف فرمائے۔

چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی ومطالب کی بھی اساس ہیں، اس لیے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتھک کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلادِ اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور کے ساتھ جاری تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا، کوفہ کا اس وصف خصوصی میں امتیاز امام بخاری کے عہد تک باقی رہا۔ اسی لیے موصوف کوفہ اتنی بار

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

گئے کہ خود فرمایا: شمار نہیں کرسکتا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض وعناد کی بناء پر کوفہ سے شدید نفرت رکھنے والے ایک مجتہد صاحب نے کوفہ کے ان مشاہیر کی تعداد تیرہ بتائی ہے' جن سے امام بخاری کو شرف تلمذ حاصل ہے' جب کہ مدینہ طیبہ کے ایسے مشائخ کی تعداد صرف چھ اور مکہ معظمہ کے صرف پانچ اور بغداد کے صرف چار بتا سکے ہیں۔ (سیرتِ بخاری۔ص ۲۵۔۲۶)

اس سے ظاہر ہے کہ اسّی سال کے بعد جب کوفہ کا یہ حال تھا تو اسی سال پہلے عہد تابعین میں کوفہ کی گلیوں میں علم حدیث کا دریا کتنا موجزن رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شہر ایک ہزار پانچ سو صحابہ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے فیض یاب ہو چکا ہو' وہ بھی ان منتخب سابقین اوّلین سے جن میں ستر بدری اور تین سو اصحاب بیعت رضوان تھے' پھر جسے باب العلم حضرت علی' حضرت سعد بن وقاص' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے وجود باجود سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا ہو' وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہونے کے لیے امام بخاری بھی اس شہر کے تمام بلادِ اسلامیہ سے زیادہ محتاج رہے۔

حضرت امام نے حدیث کی تحصیل کی ابتداء یہیں سے کی' کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا' جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو' ابوالمحاسن شافعی ہیں مگر ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفہ کے ساکن تھے یا کوفہ میں تشریف لائے' جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی اور یہ تو کوئی بھی تہذیب الاسماء' تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کا مطالعہ کرکے معلوم کرسکتا ہے کہ امام صاحب نے کوفہ کے ایسے ۲۹ محدثین سے حدیث حاصل کی' جن میں اکثر تابعی تھے۔ جن میں چند مشاہیر کے نام ہم اوپر ذکر کرآئے ہیں' یہ مسلم الثبوت ائمہ محدثین ہیں کہ سفیان ثوری' امام احمد بن حنبل وغیرہ کے سلسلۂ اسناد میں ان کے اکثر بزرگ ہیں' حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث ہیں' امام شعبہ بھی ہیں انہیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ ۱۶۰ھ میں ان کا وصال ہوا' جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ آج علم حدیث مرگیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت و نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے' ایک بار ذکر آیا تو شعبہ نے کہا: جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے' اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں۔ یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انہیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی' شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔

(عقود الجمان باب دہم)

بصرہ کے مشائخ سے اخذ حدیث

کوفہ کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرہ کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں' اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کی بہت اہم درسگاہ تھا' یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے مبصر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے' وہ بصرہ یا کوفہ ہی کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد و رفت رکھنے والے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں' مگر امام اعظم ہونے کے لیے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی' یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔ سابقاً گزر چکا کہ پہلا سفر حضرت امام نے ۹۶ھ میں کیا تھا اور عمر میں ۵۵ حج کیے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۵۰ھ میں وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج میں ناغہ نہ ہوا۔ اس لیے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۵۵ بار ۹۶ھ کے بعد سے مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطاء بن ابی رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے' یہ تابعی ہیں' دو سو صحابہ کرام کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباس' ابن عمر' اسامہ' جابر' زید بن ارقم' عبداللہ بن سائب' عقیل بن رافع' ابوالدرداء' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی انہوں نے احادیث سنی ہیں۔ یہ محدث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلانِ عام ہو جاتا تھا کہ عطاء کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین' امام اوزاعی' امام زہری' امام عمرو بن دینار انہیں کے تلمیذ خاص تھے۔

حضرت امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء نے ان کا عقیدہ پوچھا' امام اعظم نے کہا: میں اسلاف کو برا نہیں کہتا' گنہگار کو کافر نہیں کہتا' ایمان بالقدر رکھتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عطاء نے داخل حلقہ درس کیا۔ دن بہ دن حضرت امام کی ذکاوت فطانت روشن ہوتی گئی' جس سے حضرت عطاء ان کو قریب سے قریب تر کرتے رہے' یہاں تک کہ حضرت عطاء دوسروں کو ہٹا کر امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطاء کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے ایک اور وقت کے امام حضرت عکرمہ سے اخذ علوم فرمایا' عکرمہ سے کون واقف نہیں۔ یہ حضرت علی' ابوہریرہ' ابن عمر' عقبہ بن عمرو' صفوان' جابر' ابوقتادہ' ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تلمیذ ہیں۔ تقریباً ستر مشاہیر ائمہ تابعین تفسیر و حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

مکہ معظمہ عام دنوں میں مرکز علم و فن تھا ہی حج کے ایام میں پوری دنیائے اسلام کے ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ حرمین طیبین میں اکٹھے ہو جاتے۔ اس لیے حج کے ایام میں ان سب سے اخذ فیض کا بہت اچھا موقع ہوتا۔ اور حضرت امام اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے' مکہ معظمہ ہی میں حضرت امام کی امامِ شام حضرت اوزاعی سے ملاقات ہوئی اور ان کا حضرت امام سے مشہور مناظرہ ہوا' جس سے امام اوزاعی کی حضرت امام سے مکمل صفائی ہو گئی اور مکہ معظمہ ہی میں دوسرے امام شام حضرت مکحول سے بھی ملاقات ہوئی۔

مدینہ طیبہ میں جب حضرت امام حاضر ہوئے تو فقہاء سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے' ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا' یہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم' یہ حضرت فاروق اعظم کے پوتے حضرت عبداللہ کے صاحبزادے تھے' حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا۔

چار ہزار مشائخ سے اخذ حدیث

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلب علم کا میدان صرف کوفہ سے بصرہ اور حرمین طیبین تک محدود ہے مگر اس کی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار شیوخ سے احادیث اخذ کیں۔

امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات

امام اوزاعی ابتداءً حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت' امام اوزاعی کی خدمت میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

علمِ حدیث کی تحصیل کے لیے پہنچے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون ہیں؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہیں دیا' واپس چلے آئے' دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لیے۔ سرورق پر لکھا تھا: ''قال نعمان بن ثابت'' ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے' پھر ان سے پوچھا: یہ نعمان کون ہیں؟ انہوں نے کہا: عراق کے ایک صاحب ہیں' جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا: یہ عظیم شخص ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ وہی ابوحنیفہ ہے جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا' جب حج کے لیے گئے تو مکہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی اور انہیں مسائل کا ذکر آیا۔ امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے' امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا: ان کے فضل و کمال نے ان کو محسود بنا دیا ہے' مجھے یقین ہو گیا' میری بدگمانی غلط تھی۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں' ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ امام باقر نے امام اعظم سے کہا: وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث رڈ کرتے ہو؟ امام اعظم نے عرض کیا: معاذ اللہ! حدیث کو کون رڈ کر سکتا ہے؟ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں! اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا: حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت' عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا: مرد کا' عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو' مرد کا دگنا حصہ دینے کا حکم کرتا' پھر عرض کیا: نماز افضل ہے کہ روزہ؟ ارشاد فرمایا: نماز' عرض کیا: قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضاء بہ درجۂ اولیٰ ہونی چاہیے' اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضاء ضرور کرے! اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اُٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔ حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر رہ کر فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح ان کے خلف الرشید حضرت امام جعفر صادق سے بھی اکتسابِ فیض فرمایا۔

اساتذہ امام صاحب کا ادب کرتے تھے

حضرت امام اعظم کے اساتذہ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ حضرت امام ایک بار خضیب کے پاس ایک حدیث سننے کے لیے حاضر ہوئے' خضیب نے آتے دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنے برابر بٹھایا' امام صاحب نے پوچھا کہ شترمرغ کے انڈے کے بارے میں کیا حدیث ہے؟ خضیب نے کہا: ''اخبرنی ابو عبیدة عن عبد اللّٰه بن مسعود فی بیضة النعام یصیبها المحرم ان فیه قیمتهٗ''۔

مکہ معظمہ کے مشہور امام محدث عارف باللہ حضرت عمرو بن دینار بھی تھے' عمر میں حضرت امام سے تیرہ سال چھوٹے تھے' مگر ان سے بھی استفادے میں حضرت امام کو عار نہ تھا' ان سے بھی حدیث حاصل کی۔ حضرت امام اعظم جب ان کی مجلس میں بیٹھتے تو نہایت مؤدب بیٹھتے اور ادھر حضرت عمرو بن دینار کا حال یہ تھا کہ اگر امام اعظم ہوتے تو کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔

اس عہد کے مرجع اعظم تھے

ابتداء میں لوگ حضرت امام اعظم کی طرف متوجہ نہ ہوئے مگر دن بہ دن لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا' کچھ ہی دنوں میں یہ حال ہو گیا کہ جب حج کے لیے جاتے تو اطراف و اکناف میں دھوم مچ جاتی کہ فقیہ عراق' عرب جا رہے ہیں۔ جس شہر جس بستی پر گزر ہوتا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہزاروں ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا۔ ایک بار مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو فقہاء محدثین دونوں کی اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ شوق کا یہ عالم کہ لوگ ایک گرے پڑ ایک گرے پڑتے تھے۔ پریشان ہو کر حضرت امام اعظم نے کہا: کوئی ہمارے میزبان سے جا کر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کر دیتا تو اچھا تھا۔ ابوعاصم نبیل موجود تھے' انہوں نے کہا: میں جا کر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسئلے رہ گئے ہیں' ان کے جوابات ارشاد فرما دیں! حضرت امام اعظم نے ان کو اور نزدیک بلا کر پوری توجہ سے سوالات سنے' جوابات دیئے۔ ابوعاصم سے فارغ ہو کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے' ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے۔ کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کا وعدہ کیا تھا۔ دریافت فرمایا: وہ شخص کہاں گئے؟ ابوعاصم وہیں موجود تھے' عرض کیا: میں نے وعدہ کیا تھا' فرمایا: تم گئے نہیں؟ امام عاصم نے منہ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا: میں نے یہ کب کہا تھا کہ ابھی جاؤں گا؟ امام نے فرمایا: عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں' ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لیے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔ یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں بھی حضرت امام نے ایک فقہی کلیہ بیان فرما دیا۔

حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احادیث اجلہ تابعین سے لی ہیں' تابعین میں انہیں سے حدیث لی جو مدت تک صحابی کی صحبت میں رہے۔ تقویٰ' علم و فضل زہد و ورع میں جو اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اگر معدودے چند ایسے نہیں تو وہ شاذ و نادر ہیں۔ حضرت امام کے وقار کو اپنے اساتذہ کے دلوں میں ان کی قوتِ اجتہاد نے بہت زیادہ بڑھا دیا تھا' یہ کبھی اپنی تحقیق پیش کرنے سے چوکتے نہیں تھے۔

ایک دفعہ حضرت حماد کے ساتھ امام اعمش کو رخصت کرنے کے لیے نکلے' مغرب کا وقت ہو گیا' پانی پاس نہیں تھا' تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ حضرت حماد نے فتویٰ دیا کہ تیمم کر لیا جائے۔ امام اعظم نے کہا: اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے' کچھ آگے بڑھے تو پانی مل گیا' سب نے وضو کر کے نماز پڑھی۔

امام شعبی اس کے قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں' ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جا رہے تھے' یہی مسئلہ چھڑ گیا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے۔ ظہار کے بارے میں ارشاد ہے:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا. یقیناً یہ لوگ بری اور جھوٹ بات کہتے ہیں۔

(المجادلہ:۲)

اس سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے۔ امام شعبی نے جھنجلا کر کہا: "اَقَیَّاسٌ اَنْتَ" کیا تم بہت قیاس کرنے والے ہو؟ (عقود الجمان۔ باب:۸)

عطاء بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے:

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ (الانبیاء:۸۴) اور ہم نے ایوب کو اس کے گھر والے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب کی جورو اور اولاد جو مر چکی تھی' وہ زندہ کر دی اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور پیدا کر دی۔ حضرت امام اعظم نے کہا: جب کوئی شخص کسی کی صلب سے نہ ہو تو وہ اس کی اولاد کیسے ہو گا؟

عظیم محدث ہونے کے شواہد

حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی' سب سے روشن' سب سے قوی دلیل فقہ حنفی ہے' فقہ حنفی کے کلیات'

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جزئیات کو اُٹھا کر دیکھو۔ جن جن ابواب، جن جن مسائل میں صحیح غیر مؤوّل غیر منسوخ کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں، وہ سب کے سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں، اس کی تصدیق کے لیے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ عینی کی بخاری کی شرح عمدۃ القاری، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرے، اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، اس کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

تین سو تابعین سے حدیث سنی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت[1] میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے، جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنہیں حضرت امام ابوحنیفہ نے سنا تھا۔ آپ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا۔ آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے بھی یہی تعداد بتائی ہے۔ مسند خوارزمی میں سیف الائمہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔

ائمہ حدیث کی شہادتیں

امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا: امام حدیث ابوحنیفہ ثقہ تھے۔

(تہذیب التہذیب۔ ج ۱۰ ص ۵۰)

انہیں کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ میں جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں، وہ کبھی کسی برائی سے متہم نہ ہوئے۔

(تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱ ص ۱۵۲)

امام ابوداؤد صاحبِ سنن نے فرمایا: امام ابوحنیفہ امامِ شریعت تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱ ص ۱۵۲)

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا: امام ابوحنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں۔

(الخیرات الحسان۔ ص ۳۱)

حافظ ابن حجر مکی نے کہا کہ علی بن مدینی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے، ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی۔ نیز فرمایا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے لوگ، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تفریط میں گرفتار ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کی طرف حدیث یا مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی مسامحت یا کذب یا جھوٹ کی نسبت صحیح ہے؟ فرمایا: ہرگز نہیں۔ (الخیرات الحسان۔ فصل ۴۸)

اسرائیل بن یوسف نے کہا: امام ابوحنیفہ بہت اچھے شخص تھے، حدیث کو کماحقہ یاد رکھتے، ان کے برابر کوئی نہیں ہوا۔ (ایضاً)

امام یحییٰ سے کسی نے دریافت کیا کہ امام ابوحنیفہ کیسے ہیں؟ فرمایا: ثقہ ہیں، میں نے نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو۔

(بنایہ شرح ہدایہ۔ ج ۱۔ جزء اول۔ ص ۷۹)

شعبہ بن الحجاج امام اعظم کو لکھا کرتے: ہمارے لیے احادیث کی روایت کریں اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ثقہ اور سچے لوگوں میں سے تھے، کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی، وہ اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے، صحیح احادیث بیان فرماتے۔

---

[1] شرح سفر السعادت۔ مطبوعہ پاکستان۔ ص ۱۹

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یزید بن ہارون نے کہا: میں لوگوں سے ملا پس کسی کو امام صاحب سے بڑھ کر عاقل و فاضل و پرہیز گار نہ پایا۔

(تبییض الصحیفہ۔ص ۲۱)

یہ امام بخاری کے استاذ ہیں، یہ اعظم الناس کہیں اور امام بخاری بعض الناس۔ ابو محمد بن عیاش نے کہا: ابوحنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔ خارجہ بن مصعب نے کہا: میں ایک ہزار علماء سے ملا ہوں مگر علم و عقل میں ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے کسی نے امام اعظم کی برائی کی تو فرمایا: تم علماء میں ان کا مثل دکھاؤ! ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑ دو، ہمیں عذاب میں مت ڈالو۔ ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا، میں ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا، اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہ کرتا۔ نیز فرمایا: امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے؟ اور فرمایا: ابوحنیفہ کی رائے مت کہو، حدیث کی تفسیر کہو، اگر ابوحنیفہ تابعین کے زمانے میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔ نیز فرمایا: اللہ کی قسم! ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے، وہی کہتے تھے جو حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔ احادیث ناسخ و منسوخ کے بہت ماہر تھے، معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو تلاش کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول مشہور ہے:

لولا ان اللّٰہ تعالٰی اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس۔ — اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

(تہذیب التہذیب۔ جزء عاشر۔ ص ۴۵۰، ایضاً فی تبییض الصحیفہ۔ص ۱۶)

یہ عبداللہ بن مبارک وہ مسلم الثبوت امام ہیں کہ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں فرمایا:

اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے، اگر لوگ دوسرے کم علم لوگوں کی اتباع کے بجائے ان کی اتباع کریں تو بہتر ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: عبداللہ بن مبارک اپنے زمانے کے اور شعبی اپنے زمانے کے اور ان کے بعد ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے کہا: امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے اعلم علماء تھے۔

غور کریں! اس زمانے میں امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، امام عبداللہ بن مبارک وغیرہ سینکڑوں مجتہدین موجود تھے۔ انہوں نے امام اعظم کو سب سے زیادہ اعلم کہا، یہ مکی بن ابراہیم وہ جلیل القدر بزرگ ہیں، جن سے امام بخاری کو گیارہ ثلاثیات نصیب ہوئیں۔ (تبییض الصحیفہ۔ص ۱۸)

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا، اخیر میں امام ابوحنیفہ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: سبحان اللہ! وہ عجب ہستی کے مالک تھے، میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

سعید بن عروبہ نے کئی مسائل پر امام اعظم سے گفتگو کی، بالآخر یہ کہا: ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا، وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔ امام ذہبی نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ انہوں نے جو مختلف دیار و امصار کے کثیر تعداد محدثین سے احادیث حاصل کیں وہ سب امام اعظم کے پاس اکٹھی تھیں۔ (مناقب کردری)

خلف بن ایوب نے کہا: ابوحنیفہ نادر الوجود شخص ہیں، اللہ عزوجل کی وجہ سے علم حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا، پھر صحابہ میں تقسیم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوا' پھر تابعین میں' پھر ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب میں۔ (کردری وتبییض الصحیفہ۔ص ۲۳)

اسرائیل بن یونس نے کہا: اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں' امام ابوحنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ (ایضاً)

حفص بن غیاث نے کہا: امام ابوحنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں۔ (موفق کردری)

ابوعلقمہ نے بیان کیا: میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو امام اعظم ابوحنیفہ پر پیش کیا تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا' اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔ (موفق کردری)

یہ وہ اجلہ ائمہ محدثین ہیں جن کو درمیان سے نکال دیں یا ان کو دروغ گو کہہ دیں تو پھر صحاح ستہ ہی ختم ہو جائے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم کے بارے میں کیا کیا کہا' وہ سن چکے۔ انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ان سب کو ثقہ معتمد متدین ہی نہیں' حدیث میں امام مانتے ہیں تو جس طرح روایت احادیث میں صدوق تسلیم کر چکے' ان کو ان کے ان اقوال میں بھی صدوق تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

بشارت نبوی

بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' امام احمد بن حنبل' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی معجم کبیر میں' شیرازی القاب میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے' نیز طبرانی اسی معجم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا: ''لو كان الايمان عند الثريا لنا له رجال من هولاء''۔
(بخاری۔کتاب التفسیر۔سورۂ جمعہ' مسلم۔کتاب فضائل صحابہ۔ص ۳۱۲' ترمذی۔کتاب التفسیر۔سورۂ جمعہ۔ص ۱۶۴۔ کتاب المناقب۔ فضل العجم۔ص ۲۳۲)

دوسرے طریقے سے یہ الفاظ ہیں: ''لو كان الدين عند الثريا لذهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتّٰى يتناوله''۔ (مسلم۔کتاب فضائل صحابہ۔ص ۳۱۲)

تیسرے طریقے سے یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور ان کے اصحاب ''والذى نفسى بيده لو كان الايمان منوطا بالثريا لتناله رجال من فارس''۔ (ترمذی۔کتاب التفسیر۔سورۂ محمد۔ص ۱۵۸)

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث الالقاب للشیرازی میں یوں ہے:

''لو كان العلم معلقا بالثريا لتناله قوم من ابناء فارس''۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ الفاظ ہیں:

''لو كان الايمان معلقا بالثريا لاتناله العرب لنا له رجال فارس''۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں ہے:

''لو كان الدين معلقا بالثريا لتناله ناس من ابناء فارس''۔

ابونعیم نے خود حضرت سلمان فارسی سے یہ حدیث یوں تخریج کی:

''لو كان الدين عند الثريا لذهب رجال من ابناء فارس يتبعون سنتى ويكثرون الصلوة علىّ''۔

چار صحابۂ کرام سے اس مضمون کی حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ مروی ہے کہ اگر ایمان' دین' علم ثریا کے پاس ہوتا تو بھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تبییض الصحیفہ، ص ۳ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

قد بشر صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالامام ابی حنیفة فی الحدیث الذی اخرجه ابونعیم فی الحلیة عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه (الیٰ ان قال) فهذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة و الفضیلة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہ کی اس حدیث میں بشارت دی ہے، جسے ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، پھر اس حدیث کے مختلف حوالہ جات دے کے فرماتے ہیں: یہ اصل صحیح ہے، جس پر بشارت اور فضیلت میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد سیرتِ شامی کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی۔ ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

فی حاشیة الشبر املسی علی المواهب عن العلامة الشامی تلمیذ السیوطی قال ما جزأم به شیخنا من ان ابا حنیفة هو المراد من هذا الحدیث ظاهر لاشك فیه لانه لم یبلغ من ابناء فارس فی العلم مبلغه احد. (ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۳۷)

مواہب کے شبر املسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا: وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہے۔ بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لیے کہ ابناء فارس میں سے کوئی بھی علم میں ان کے درجے تک نہیں پہنچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی، الخیرات الحسان میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه معجزة ظاهرة للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حیث اخبر بما سیقع. (ص ۱۵)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

تصانیف امام اعظم

فقہ اکبر

اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو بہت متداول متعارف ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں، مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح حضرت ملا علی قاری کی ہے، جو بہ آسانی ہر جگہ ملتی ہے۔ حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی محلی کی بھی ایک فارسی شرح ہے، جو چھپ گئی ہے۔

العالم والمتعلم

ان کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی اور نہ کہیں پتہ چلتا ہے کہ کہیں موجود ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں:
کتاب السیر، الکتاب الاوسط، الفقہ الابسط، کتاب الرد علی القدریہ، رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء، کتاب الرائ، اسے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابن ابی العوام نے ذکر کیا ہے۔ کتاب اختلاف الصحابہ' اسے ابوعاصم عامری اور مسعود بن شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ کتاب الجامع' اسے عباس بن مصعب نے تاریخ مرو میں ذکر کیا ہے۔ (مکتوب وصایا)

مسانید

حضرت امام اعظم کے مسانید کے متعدد نسخے تھے۔ ان سب کو ابوالموئید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا ہے کہ شام میں بعض جاہلوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جنہیں علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے جمع تھا' اکٹھا کر دیا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبداللہ الاستاذ'
(۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد'
(۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ'
(۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی'
(۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری'
(۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی'
(۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی'
(۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی'
(۹) مسند امام ابویوسف قاضی القضاۃ'
(۱۰) مسند امام محمد'
(۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ'
(۱۲) آثار امام محمد'
(۱۳) مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی۔

امام خوارزمی نے جن مسانید کو شمار کرایا اور جن کو انہوں نے یکجا کیا ہے' ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں' جیسے مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ' مسند امام حصکفی جس کی حضرت ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے۔ مسند ماوردی' مسند ابن البزاری متوفی ۸۲۷ھ' ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ان مسانید کی اسناد

امام خوارزمی نے اپنی جامع المسانید جن محدثین سے لی ہے' ان لوگوں تک اپنی سندیں بھی بیان کر دی ہیں اور ان کے کوائف و مناقب بھی ذکر کیے ہیں۔ تانیب الخطیب میں کوثری صاحب نے حضرت امام اعظم کی مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے' جن کی سندیں متصل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں اپنے دادا استاذ علامہ عیسیٰ جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام اعظم کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے' جس میں انہوں نے اپنا سلسلہ سند سیدنا حضرت امام اعظم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تک متصل تحریر کیا ہے۔

مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی' سیرتِ شافعیہ کبریٰ کے مصنف علامہ سیوطی کے تلمیذ نے ''عقود الجمان فی مناقب النعمان'' میں حضرت امام اعظم کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام اعظم کی تین مسانید کے صحیح نسخوں کے مطالعہ سے مشرف ہوا' جن پر حفاظ احادیث کے توثیقی دستخط تھے' جن کی سندیں بہت عالی اور ثقہ ہیں۔

کوثری صاحب نے تانیب الخطیب میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم کی مسانید کو محدثین سفر' حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ مسانید امام اعظم میں احکام کی احادیث کا بہت عمدہ ذخیرہ ہے' جن کے رواۃ ثقہ' فقہاء' محدثین ہیں۔

علامہ ذہبی نے مناقب الامام الاعظم میں کہا: امام الاعظم سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے' جن کا شمار نہیں۔

علامہ مزی نے تہذیب الاکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں! سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں' جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور ان کے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ واساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔

خصوصیت

حضرت امام اعظم کی مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت امام نے براہِ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں' جن میں حضرت امام اور حضور اقدس ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں' اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا تھا' جن میں صدق وامانت اور ثقہ ہونا اغلب تھا۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ علو سند کی اس فن میں کتنی اہمیت ہے۔ امام بخاری کے تذکروں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے روایت نہیں کی' اس لیے کہ ان کو امام شافعی کے معاصر محدثین کی روایت مل گئی۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ وسائط جتنے زیادہ ہوں گے' خطرات اتنے ہی زیادہ ہوں گے اور وسائط جتنے کم ہوں گے تو' توہم یا کسی اور غلطی کے احتمالات کم سے کم ہوتے جائیں گے۔

جرح وتعدیل میں حذاقت

کوئی کامل محدث اس وقت تک نہیں ہوسکتا' جب تک کہ وہ جرح وتعدیل کی دقتوں میں کامل نظر نہ رکھتا ہو۔ اس خصوص میں حضرت امام اعظم کو امتیازی کمال حاصل تھا۔ مسلم الثبوت محدثین ان کی جرح بہ طور سند پیش کرتے ہیں' امام ترمذی کی جلالت شان سے کون انکار کرسکتا ہے؟ انہوں نے اپنی جامع کتاب العلل میں امام اعظم کا قول' عطاء بن ابی رباح کی تعدیل اور جابر جعفی کی جرح میں تحریر کیا۔ مدخل لمعرفۃ دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے: ابوسعد سفانی نے امام اعظم کے سامنے کھڑے ہوکر پوچھا کہ سفیان ثوری سے حدیث اخذ کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں' ان کی احادیث لکھو' البتہ جو احادیث ابواسحٰق عن الحارث کے یا جابر جعفی کے واسطے سے ہوں' انہیں نہ لکھو۔ امام اعظم نے فرمایا: طلق بن حبیب قدری ہے' عیاش بن ربیعہ ضعیف ہے۔ امام سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں جب کوفہ پہنچا' تو امام ابوحنیفہ نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی' تو لوگوں نے میری احادیث سنیں۔

محدث جلیل حماد بن زید نے کہا کہ عمرو بن دینار کی کنیت ابومحمد ہے' یہ مجھے امام ابوحنیفہ ہی نے بتائی' ورنہ مجھے صرف نام معلوم تھا۔ فرمایا: عمرو بن عبید پر اللہ لعنت کرے! اس نے کلامی مباحث سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے' فرمایا: جہم بن صفوان' مقاتل بن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صفوان کو اللہ عزوجل ہلاک کرے! ایک نے نفی میں افراط کی، دوسرے نے تشبیہ میں غلو کیا۔ فرمایا: کسی کو حدیث کی روایت اس وقت تک درست نہیں، جب تک کہ سننے کے وقت سے روایت کے وقت تک اس کو یاد نہ ہو۔ امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ لفظ ''اخبرنا'' وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں! ابوقطن جیسے عظیم محدث نے امام صاحب کا یہ قول بہ طور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی ''حدثنی'' کے لفظ سے روایت کر سکتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے۔

قلت روایت کا سبب

میں نے اختصار کے پیش نظر حضرت امام اعظم کے عظیم، جلیل، کامل، اکمل، حاذق، ماہر محدث ہونے کے ثبوت میں چند اسلاف کے گراں قدر قابل اعتماد اقوال پیش کر دیے، ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی توضیح و تفصیل نہیں کی۔ اس سے ہر طالبِ انصاف فیصلہ کر لے گا کہ حضرت امام اعظم کا حدیث میں بھی اتنا بلند درجہ ہے کہ بڑے بڑے وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں حضرت امام کے معاندین اپنے ثبوت میں جو بات پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کم آئی ہیں؟

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھیں، مثلاً ابھی مذکور ہوا کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کے وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسری شرط یہ تھی کہ حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے، روایت باللفظ ضروری جانتے تھے، اس لیے روایت کم فرمائی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے، اس کے لحاظ سے روایت کم ہے، مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے، انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں، جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں، مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں؟ وہ آپ معلوم کر چکے، غور کیجیے! ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف اڑھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا، مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔ وہ اُمت مسلمہ کی آسانی کے لیے قرآن و حدیث و اقوالِ صحابہ سے منقح مسائلِ اعتقادیہ و عملیہ کا استنباط اور ان کو جمع کرنا تھا۔ مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے، یہ آگے آ رہا ہے۔ اس میں مصروفیت اور پھر عوام و خواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بہ کثرت روایت کرتے۔

یہ صحیح ہے کہ محدثین نے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے، بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کیے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے۔ اور جمع احادیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے، لیکن مجھے عرض کرنے دیجیے کہ یہ بھی فیض ہے، حضرت امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی نے فرمایا:

الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة من لم ینظر فی کتبه لم یتبحر فی العلم و لا یتفقه.

(تبییض الصحیفہ۔ ص ۱۸۔ ایضاً۔ فی الخیرات الحسان)

سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں، جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، اسے علم میں تبحر نہیں حاصل ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الاہم فالاہم کی ترتیب ہر جگہ اہم ہے، حضرات خلفاء راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابہ کرام سے روایتیں کتنی کم ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و کوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے۔ اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے اعلم خلفاء راشدین ہیں' مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے' یہ صرف وہی الاہم فالاہم میں مصروفیت کی وجہ سے ہے یہی بات یہاں بھی ہے کہ استخراج مسائل اس وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ اس میں مصروفیت کی وجہ سے اتنا موقع نہ ملا کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت

ہمارا مقصد اس مقدمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرنے سے صرف فقہ حنفی کا تعارف ہے' اس لیے کہ شرح میں اس سے جگہ جگہ سابقہ پڑے گا۔ جزئیات کے ضمن میں فقہ حنفی کا مفصل تعارف موجود ہے' مگر اس پر سب کی اس حیثیت سے نظر نہیں جائے گی۔ اس لیے بہ قدر ضرورت یہاں اس کا ذکر ضروری ہے۔

فضیلت فقہ

جہاد کی فضیلت اور اہمیت سے کسے انکار ہے' مگر قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ. (التوبہ:۱۲۲)

مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیے کہ سب کے سب نکل پڑیں' ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے تا کہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اور ارشاد ہوا:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا. (البقرہ:۲۶۸)

جس کو حکمت دی گئی' اس کو بہت بھلائی دی گئی۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد احکام ہیں۔

امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

من يرد الله به خيرًا يفقهه في الدين. (بخاری شریف۔ ج ا ص ۱۶)

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے' اسے دین میں سمجھ عطاء فرماتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نضر الله عبدا اسمع مقالتي فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه. رواه احمد والترمذي وابو داؤد وابن ماجة والدارمي عن زيد بن ثابت. (مشکوۃ شریف۔ ص ۳۵)

اس بندے کو اللہ عزوجل تروتازہ رکھے جس نے میرے ارشاد کو سنا' پھر یاد کیا اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا' کتنے فقہ کے حامل فقیہ نہیں' کتنے فقہ کے حامل سے زیادہ فقیہ وہ ہے جس کو اس نے پہنچایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کو سن کر اسے کما حقہ یاد رکھنا کمال ضرور ہے مگر کما حقہ یاد رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے بخوبی سمجھ لینا اس سے کئی گنا زیادہ کمال ہے۔ یہی وہ حد فاصل ہے جو ایک فقیہ کو ایک محدث سے ممتاز کرتی ہے' محدث کا کام احادیث کو صحت کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ساتھ یاد رکھنا ہے اور فقیہ کا کام اس کے ساتھ ساتھ اسے شارع کے منشاء کے مطابق سمجھنا ہے' پھر اس سے احکام کا استخراج ہے۔ ان دونوں باتوں کے لیے کتنی وسعت علم اور ذکاوت و فطانت کی ضرورت ہے' یہ وہی جان سکتا ہے جو فقہ سے آشنا ہو۔ اسی لیے علماء نے فرمایا کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے اور فقیہ ہونا اخیر منزل' جس کی حرف بہ حرف تصدیق آگے آنے والی تفصیل سے ہر منصف کو ہو جائے گی۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے' صحابہ کرام عربی ہی تھے' ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا۔ شانِ نزول سے وہ واقف تھے مگر صحابہ خود اس کے محتاج تھے کہ معانی قرآن رسول اللہ ﷺ سے سیکھیں' اسی لیے قرآن کریم میں حضور اقدس ﷺ کی صفت یہ بیان فرمائی:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (النساء:۲)

یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اور فرمایا:

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ۝ (العنکبوت:۴۳)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں' انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں ۝

حدیث گزری کہ بہت سے حاملِ فقہ' غیر فقیہ ہوتے ہیں' بعض فقیہ بعض سے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی کی طرف رہنمائی ہے کہ محض حفظ انسانی کمال کی معراج نہیں' بلکہ یہ خشتِ اوّل ہے۔ معراج علم اس کا کما حقہ سمجھنا ہے اور یہ کام صرف فقیہ کا ہے۔

ضرورتِ فقہ

انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے' اس لیے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے! اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں' اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے' تکلیف مالا یطاق ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو' جس کا صریح حکم سورۂ یونس کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے کہ فرمایا:

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔

رہ گئے عوام تو انہیں یہ حکم ہے:

فَسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:۴۳)

علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں ۝

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں' ان کا حکم مانو۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے' جس سے یہ حکم نکلتا ہے اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے' اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے' وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں' ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے' جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے' اُمت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لیے ضروری ہوا کہ اُمت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت و استعداد دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی و مطالب سے کما حقہ واقف ہیں' اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں' جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکامِ شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اسی ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ' سراج الامۃ' امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوالِ صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرما دیا' جس کے احسان سے اُمت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی' خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں نت نئے فتنے اُٹھ رہے تھے۔ بدمذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گھڑ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو اُمت کا کیا حال ہوتا' وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

فقہ کی بنیاد

ہم پہلے خود حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کر آئے ہیں کہ جب کوفہ کے علماء حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کو لے کر امام صاحب کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں تو فرمایا:

انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضية الصحابة مقدما ما اتفقوا علی ما اختلفوا وحینئذ اقیس.

میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں' اس کے بعد احادیث پر پھر صحابہ کرام کے متفقہ فیصلے پر' اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں (اور ان میں جو قوی ہوں) پھر قیاس کرتا ہوں۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت خیرات الحسان۔ ص ۲۹ میں تحریر فرمائی ہے' من شاء فلیرجع الیه)

علامہ عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ان ابا حنیفة قال لا اتبع الرأی والقیاس الا اذا لم اظفر بشیء من الکتاب او السنة او الصحابة رضی اللہ عنهم. (عمدۃ القاری فی شرح بخاری۔ ج ۴ ص ۷۱۲)

یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رائے اور قیاس کی پیروی نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ قرآن' حدیث یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ ملے۔

فقہ حنفی اس اجمال کی پوری تفصیل ہے' عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ حضرت امام نے اپنا یہ بنیادی دستور بنا لیا تھا۔

اذا صح الحدیث فهو مذهبی. ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

ابوحمزہ سکری جو مسلم الثبوت محدث ہیں' بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتا ہوں اور جب صحابہ کے اقوال مل جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو لیتا ہوں' البتہ تابعین کا جب کوئی قول ملتا ہے اور وہ میرے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے تو میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نیز انہیں سے منقول ہے کہ میں نے صحابہ کرام کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر اور انسب طریقے پر کلام کرنے والا نہیں دیکھا' وہ ہر ایک صاحب کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت تک انہوں نے کسی صاحبِ فضیلت کی تنقیص یا بُرائی نہیں کی۔ امام بخاری کے سلسلہ اساتذہ کے مسلم الثبوت محدث بلکہ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے: امام ابوحنیفہ کے ارشاد کو رائے مت کہو' حدیث کی تفسیر کہو۔ (مناقب موفق کردری)

اس سلسلے میں یہ واقعہ گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ امام ابو یوسف' قاضی القضاۃ جنہیں امام بخاری کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے صاحب الحدیث مانا۔ علامہ ذہبی نے حفاظِ حدیث میں شمار کیا' فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابوحنیفہ سے مسائل پر بحث کر لیتے اور جب کوئی منقح فیصلہ ہو جاتا تو میں وہاں سے اُٹھ کر' کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا' ان سے اس مسئلے کے متعلق احادیث پوچھتا' پھر امام اعظم کی خدمت میں واپس کر ان احادیث کو سناتا۔ حضرت امام ان سے کچھ حدیثوں کو قبول فرماتے اور کچھ کے بارے میں فرماتے: یہ صحیح نہیں' میں حیرت سے پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو فرماتے:

کوفہ میں جو علم ہے' اس کا میں عالم ہوں۔ (عقود الجمان فی مناقب النعمان)

کوفہ کے سب سے بڑے محدث

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم اتنے بڑے محدث تھے کہ اس وقت کوفہ جیسے علم حدیث کے مرکز میں ان کے برابر کوئی نہیں تھا' وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کسی مسئلے پر اسی وقت کوئی اخیر رائے قائم کرتے تھے' جب کہ اس پر ان کے تلامذہ جی کھول کر مکمل بحث کر لیں' جس کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہنا ہوتا کہہ لیتا' پھر فیصلہ ہوتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت امام اعظم جو فیصلہ فرماتے وہ قیاس سے نہیں ہوتا تھا' بلکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں احادیث صحیحہ کے مطابق ہوتا۔

نظم قرآن واحادیث کے معانی پر دلالت کے طریقے

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے' اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظِ احادیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے' کبھی خفی اور کبھی خفی تر۔ نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے' کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں' مگر ہوتا صریح ہے' جیسے ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (الحشر:۸)

مالِ غنیمت ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے' جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں دو باتیں صریح ہیں' ایک یہ کہ فقراء مہاجرین' مالِ غنیمت کے مستحق ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکہ میں ان کے گھر بار مال تھے' پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مالِ غنیمت کا استحقاق ہے اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے' مگر یہ مقصود بیان نہیں۔ نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دار الحرب میں محفوظ کر لیں' تو وہ کفار کی ملک ہو جاتا ہے۔ یہ دلالت خفی ہے۔

ظاہر ہے جو بات قرآن وحدیث سے صریح طور پر ثابت ہو' اس کی حیثیت اور ہو گی اور جو خفی طور پر ثابت ہو گی' اس کی حیثیت اور ہو گی۔ یہیں دیکھ لیجئے! اس آیت سے ثابت ہے کہ مہاجرین مالِ غنیمت کے مستحق ہیں۔ یہ ہر شبہ سے بالاتر ہے لیکن اسی سے یہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بھی ثابت ہے کہ استیلاء کفار سبب ملک ہے اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے۔ اس کو آپ دوسری مثال سے سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہے۔ قروء کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے اس لیے عدت کا شمار حیض سے ہوگا۔ شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے عدت کا شمار طہر سے ہوگا۔ قرآن مجید دونوں کا مستدل ہے کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیت اوّل سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے؟ احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ رواۃ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں: متواتر، مشہور، خبر واحد۔ اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے، حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں، اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے اس لیے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط اور متیقظ سہی، مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو نسیان، خطاء، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لیے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا، اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی، قوت بڑھتی جائے گی اور تعداد گھٹنے سے قوت گھٹتی جائے گی۔ اگر چہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط وغیرہ جامع شرائط ہو۔ اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی، وہ سب ایک درجے کے نہیں، اس لیے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجہ کے نہ ہوں، بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں، اس لیے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں: مامور بہ، منہی عنہ، مباح، پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں: فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب۔

منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں: (۱) حرام قطعی، (۲) مکروہ تحریمی، (۳) اساءت، (۴) مکروہ تنزیہی، (۵) خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لیے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے مدارج اور اس کا سبب

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن و احادیث میں بہ ظاہر نظر آتے ہیں، خود بہ خود ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قراءت، رکوع، سجود کا حکم ہے۔ احادیث میں ان کی تفصیل ہے، مثلاً قیام میں قراءت ہو، اور قراءت میں سورۂ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئیں، ان کو فرض قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزوی مثال سے ذہن نشین کیجیے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورت، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی، مگر احادیث میں ہے کہ "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے، جو بہ اعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے نماز نہیں ہو گی۔ فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قراءت فرض اور خاص سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورت واجب۔ اگر معاذ اللہ احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ حدیث قرآن کے معارض

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے' لہٰذا متروک العمل ہے۔

جب قرآن اور حدیث میں تعارض ہو تو کیا کیا جائے؟

اسی لیے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہورہ ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے' تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بہ درجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے' لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں' اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں' صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ:

ان الميت يعذب ببكاء الحي. زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ۔ ص ۱۵۱' پر پوری حدیث مذکور ہے)

اُم المؤمنین نے فرمایا: اللہ عزوجل ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے' مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا' اس پر لوگ رو رہے تھے۔ فرمایا: یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں' حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت اُم المؤمنین کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی O (النجم:۳۸) کوئی دوسرے کا وبال نہیں اُٹھائے گا O

قراءت خلف الامام کی ایک جھلک

قرآن و احادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف' دیانت دار ذی فہم داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قراءت خلفِ امام ہے' جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قراءت نہیں کرے گا' خاموش رہے گا' خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۂ فاتحہ ضرور پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب او كما قال"۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O (الاعراف:۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس لیے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے' اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی "اذا قرئ القرآن" کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل۔ اس لیے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بہ نص قرآنی ثابت' اور حکم صرف بہ غور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے' حالانکہ بہ غور سننے کے لیے خاموش رہنا لازم ہے' جو خاموش نہ رہے' خود بولے جائے وہ کیا سنے گا' بہ غور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

...ون میں قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ ان میں بہ غور سننے کے ...خاموش رہنا پایا ہی جائے گا۔ جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بہ غور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ...ری ہوا اس لیے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری امام جب قراءت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے کچھ پڑھنے کی ...ازت نہیں۔

امام بخاری کا اعتراض اور اس کا جواب

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القراءۃ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی، ...ن جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں، مگر اس پر وہ ...سند نہیں پیش کر سکے ان کے برخلاف امام بخاری کے استاذ امام احمد نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قراءۃ ...کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب ...تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہی رہتا ہے۔ جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ ...سنو اور خاموش رہو۔ قراءت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی کہ آنے والا قراءت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ ...یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قراءت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے مگر بہ غور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام ...ری نے نہیں بتایا یہ اشکال لاینحل ہے لہٰذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ "فاستمعوا له" ...رشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض امام بخاری نے یہ کیا ہے کہ احناف خود اسے عام نہیں مانتے سنت فجر میں کہتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور ...ن آئے اور اسے یقین ہو کہ سنت فجر پڑھ کر شریک جماعت ہو سکتا ہے تو پہلے سنت فجر پڑھے۔ امام بخاری تو معذور تھے ...ن احناف کے مذہب سے پوری واقفیت نہیں تھی، مگر حیرت امام بخاری کے ان مقلدین معاندین پر ہے جنہیں بار بار بتایا جا چکا پھر ...بھی راگ کو الاپتے رہتے ہیں۔ احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پڑھے مگر جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں ...ت کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہو رہی ہو تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے۔ اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم ...ہے۔ غرضیکہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہر حال مقدم رکھتے ہیں یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو ...نام دے۔

ویسے قراءت خلف امام کے سلسلے میں احناف کے پاس احادیث بھی ہیں جو اپنے موقع پر مذکور ہوں گی یہاں صرف ایک ...یث ذکر کرتا ہوں۔ موطا امام محمد میں بہ سند صحیح متصل غیر مقدوح غیر معلل یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ...اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام له قراءۃ۔ — جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

(موطا امام محمد۔ ص ۹۸)

واضح ہو کہ اس حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے ہیں اس حدیث کی روشنی میں معاندین کی پیش کردہ حدیث اور قرآن کی ...میں تعارض باقی نہ رہا اس حدیث نے بتا دیا کہ قراءتیں دو ہیں حقیقی اور حکمی جب مقتدی امام کے پیچھے ہے تو اس نے بھی حکماً ...فاتحہ پڑھ لی تو حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" پر بھی عمل ہو گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قراءت خلف الامام پر امام اعظم کا ایک استدلال

اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا ایک بہت مشہور مناظرہ ہے' کچھ لوگ حضرت امام اعظم کی خدمت میں آئے کہ ہم آپ سے قراءت خلف امام پر مناظرہ کریں گے۔ امام نے فرمایا کہ تم لوگ کئی ایک ہو' میں اکیلا' میں ہر ایک سے کیسے گفتگو کروں گا' تم لوگ کسی کو بات کرنے کے لیے چن لو کہ اس کی کہی ہوئی بات تم سب کی ہو۔ اس کا اقرار سب کا اقرار' اس کا انکار سب کا انکار ہو۔ ان لوگوں نے حضرت امام کی اس تجویز کو مان لیا اور ایک شخص کو منتخب کر لیا کہ یہ بات کرے گا۔ اس پر حضرت امام نے فرمایا: یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ جب مقتدی نے ایک کو امام مان لیا تو اس کی قراءت مقتدی کی بھی قراءت ہے۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

اس پر ایک معاند بہت خفا ہیں کہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا' لیکن افسوس کہ یہ صاحب زندہ نہیں رہے' ورنہ ہم ان سے کہتے کہ یہ قیاس عقلی نہیں' قیاس حدیثی ہے' جس کے آپ بھی قائل ہیں اور امام بخاری کو اس میں دنیا کا سب سے بڑا امام مانتے ہیں۔ حضرت امام اعظم نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح کی ہے' جو فرمایا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ افسوس کہ احناف کی مخالفت میں عمل بالحدیث کا دعویٰ اور ایسے گونگے اندھے کہ صحیح حدیث بھی نظر نہیں آئی اور اگر نظر آئی تو اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

عمل بالحدیث

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے' جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے: امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہو گا' جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہو گی اور وہ منصف ہو گا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:

(۱) امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں' جب کہ امام شافعی کا عمل ان کے برعکس ہے کہ وہ حدیث مرسل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں: قیاس موثر' قیاس مناسب' قیاس شبہ' قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد تو یہ بھی مختلف فیہ ہے' البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں' مگر امام شافعی قیاس کی ان چار قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

(۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں' جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے' مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے' لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں۔

منی کی نجاست وطہارت

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کیے' اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے۔ اس کی دوسری نظیر یہ ہے: غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں' احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں' اس لیے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المومنین کی وہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی' دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے کو پہن کر نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین حدیث کے خلاف قیاس پر عامل

غیر مقلدین کہتے ہیں:

(۱) یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ ام المؤمنین کا اپنا فعل ہے۔

(۲) حکم دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکار کی طرح گھناؤنی چیز ہے اس لیے دھونے کا حکم دیا۔

(۳) اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی' کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے کہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاکی کیسے ہوگی؟ یہ قیاس نہیں' بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن ہمام نے دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا:

انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی.

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے: پاخانہ' پیشاب' قے اور خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے' حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر واسطہ کے طبرانی میں مذکور ہے' تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا' وہ دور ہو گیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں' مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجلی نے کہا: ''لا بـاس بہ'' ہے امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا' مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے! یہ حدیث دونوں سندوں کے اعتبار سے ضعیف ہے' مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی اور احکام میں یہ بھی حجت ہے' اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی' مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

غیر مقلدین وامام بخاری حدیث صحیح کے خلاف ضعیف پر عمل کرتے ہیں

جب صحیح اور ضعیف احادیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔ بہ خلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماء قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے' خواہ نجاست کا کوئی اثر' رنگ' بُو' مزہ' پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بُو یا مزہ ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے۔ امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ فرمایا: چوہے اور چوہے کے ارد گرد کو پھینک دو اور بقیہ گھی کھاؤ۔ (بخاری۔ ص ۳۷)

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ یہ خود محل نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے' نیز چوہے کے اردگرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا۔ یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا استدلال ہے' چونکہ چوہے کا اردگرد چوہے سے متاثر ہوگا' اس لیے اردگرد ناپاک ہو گیا' لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزہ کا گھی میں آ جانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں' یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بُو گھی میں آ جائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آ سکتا ہے' مگر پھر اردگرد کی تخصیص نہ ہوگی' جہاں تک اثر پہنچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہیے' اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لیے رنگ یا بو یا مزہ کا سرایت کرنا ضروری نہیں' محض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی' پھر یہ حکم منجمد کا ہے۔ اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے' پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے' لہٰذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو قلے ہے' یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے' اس سے کم ہے تو ناپاک۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

اذا كان الماء قلتين لا يحمل الخبث. جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا' یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ۔ص۵۱)

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے' پھر مٹکے کی تعیین بہت مشکل ہے' مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔ کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟ دونوں فریقین کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے' جسے امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ترمذی' امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا:

لا يبولن احدكم في الماء الراكد الذي لا يجري ثم يغتسل فيه. (بخاری شریف۔ج۱ص۳۷) اس پانی میں جو ٹھہرا ہو' بہتا نہ ہو' ہرگز پیشاب مت کرو' پھر اسی میں غسل کرو۔

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں۔ امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟

امام اعظم اور امام اوزاعی کا مکالمہ

اگر دو مضامین کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں' جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں' اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم کی مکہ معظمہ میں دارالحیاطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا: کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اُٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا: کیسے نہیں؟ حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی' وہ سالم سے' سالم اپنے والد حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے' جب رکوع میں جاتے' جب رکوع سے اُٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا: ہم سے حماد نے حدیث بیان کی' وہ ابراہیم نخعی سے' وہ علقمہ سے' وہ اسود سے' وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے' اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں "عن الزهري عن سالم عن ابيه" حدیث بیان کرتا ہوں' اور آپ کہتے ہیں: "حدثني حماد عن ابراهيم عن علقمة"' حضرت امام اعظم نے فرمایا: حماد زہری سے افقہ ہیں۔ اور ابراہیم' سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں حضرت ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ صحابی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عمر علقمہ سے افضل ہیں۔ اسود اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ امام اوزاعی نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں، دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم، زیادہ ذہین، زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا، جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

ایک لطیفہ

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلیے! غیر مقلدین کے معلم اوّل میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی، میں اس کو زندہ کر رہا ہوں، اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو چپ رہے، مگر جب یہ بات شاہ عبد القادر نے سنی تو کہا: میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہو گا، مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو، سنت نہ ہو، یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ (ارواح ثلاثہ۔ ص ۹۴)

شبہات اور ان کے جوابات

اگر ہم چاہیں تو اس قسم کی صدہا نظیریں پیش کر دیں مگر مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس قسم کی ابحاث کے لیے پوری کتاب آپ کے ہاتھ ہے۔ بات اس وقت تک مکمل نہ ہو گی جب کہ معاندین کے اعتراضات میں سے چند نقل کر کے ان کی قلعی نہ کھول دی جائے۔ اس لیے اب ہم چند اعتراضات کو پیش کر کے اس کے جوابات ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں:

پہلا اعتراض:..... حدیث ''مصراۃ'' کی بحث

حدیث مصرّاۃ کی خلاف ورزی کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے، ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

لا تصرّوا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فانّه بخير النظرين بعد ان يحلبها ان شاء امسك وان شاء ردها وصاع من تمر.

بیچنے کے لیے اونٹ اور بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا نہ چھوڑو، جس نے اس کے بعد خریدا تو دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے، اگر راضی ہے تو جانور روک لے ورنہ جانور واپس کر دے اور ایک صاع کھجور بھی دے۔ (بخاری شریف۔ ج ا ص ۲۸۸)

یہ بخاری کی روایت ہے، مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ اسے تین دن تک خیار حاصل ہے، اگر لوٹائے تو ایک صاع طعام دے، گیہوں نہیں۔ اس عہد میں طعام کا اطلاق جو پر ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی بخاری میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كان طعامنا يومئذ الشعير. ان دنوں ہمارا کھانا جو تھا۔

لوگوں کی عادت تھی کہ جب جانور بیچنا ہوتا تو کچھ دن پہلے ہی سے اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے، تاکہ خریدار جب دوہے تو سمجھے کہ یہ جانور اتنا زیادہ دودھ والا ہے، تاکہ قیمت زیادہ سے زیادہ دے، یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا، اس لیے منع فرمایا گیا اور چونکہ اس میں تنازعہ کا بھی امکان قوی ہے اس لیے اس کا حل ارشاد ہوا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس خصوص میں امام شافعی کا مسلک وہی ہے' جو اس حدیث میں مذکور ہے' مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں خیار نہیں' بہ ظاہر یہ حدیث کے صریح منطوق کے خلاف ہے' مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس پر بہت محققانہ مفصل بحث کی ہے کہ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ لکھتے ہیں:

ذهبوا الى ان ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك مما تقدم ذكرنا له في هذا الباب منسوخ.

یعنی امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ مروی ہے' وہ منسوخ ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ حدیث منسوخ پر عمل جائز نہیں' اور ثابت فرمایا کہ یہ اس حدیث سے منسوخ ہے' جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا:

نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الكالي بالكالي.

نبی ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں۔

اور یہاں ایک عوض دودھ ہے جو ادھار ہے کہ ابھی وہ موجود ہی نہیں' اور دوسرا عوض ایک صاع کھجور یا جَو ہے۔ وہ بھی مشتری ابھی نہیں دے رہا ہے' اس لیے یہ اگر بیع ہے تو یہ بیع الدین بالدین ہوئی۔ اور فرمایا: نیز اس کا نسخ اس حدیث سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الخراج بالضمان.

مبیع سے مشتری جو فائدہ حاصل کرے' وہ مشتری ہی کا ہے۔

اس حدیث کو تمام اُمت نے قبول کیا حتیٰ کہ امام شافعی نے بھی۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع کے بعد مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو' جس کی وجہ سے اسے واپس کر دیا تو مشتری نے مبیع سے جو فائدہ حاصل کیا' اس کا کوئی عوض نہیں' مثلاً بکری خریدی' تین چار دن اس کا دودھ پیا' پھر کسی عیب پر واقف ہوا اور اسے واپس کر دیا تو جو دودھ پیا ہے' اس کا کوئی عوض مشتری نہیں دے گا۔ دلیل یہی حدیث ہے۔ اسی طرح مُصرَّاۃ میں کوئی ضمان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر بالفرض تاریخ نہ معلوم ہونے سے نسخ کا دعویٰ نہ بھی درست ہو تو اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث مصراۃ' دوسری حدیثوں کے معارض ہے' تو ایک حدیث کا ترک دوسری حدیثوں پر عمل کے لیے ہوا' تو یہ التزام کہ قیاس سے حدیث کو ترک کیا' سراسر غلط ہے۔

یہ حدیث اُمت کے کئی مسلمات کے خلاف ہے۔

(۱) یہ بات پوری اُمت کو مسلم ہے کہ جب کسی چیز کو کسی کا عوض قرار دیا جائے تو عوضین کی مقدار اور کم از کم جنس معلوم ہونی ضروری ہے' یہاں دودھ کی جنس تو معلوم ہے مگر مقدار معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر جانور ایک ہی مقدار میں دودھ نہیں دیتا' سوچیے! اونٹ اور بھیڑ بکری برابر ہی دودھ دیتے ہیں؟ پھر جانور کی واپسی ایک دن کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور تین دن کے بعد بھی۔ ایک دن اور تین دن میں دودھ کی کتنی مقدار بڑھ جائے گی یا گھٹ جائے گی' اور معاوضہ صرف ایک صاع کھجور یا جَو ہے' خواہ اونٹ خواہ بھیڑ' بکری' گائے' بھینس ایک دن میں واپس کرے خواہ تین دن کے بعد۔

(۲) یہ ایک صاع کھجور یا جَو اس دودھ کا ضمان ہے جو مشتری نے پیا ہے۔ اور ضمان کی شارع نے صرف دو ہی صورتیں رکھی ہیں' مثلی چیزوں میں مثل اور غیر مثلی میں قیمت۔ ظاہر ہے کہ اگر دودھ کو مثلی مانو جیسا کہ حقیقت ہے تو اس کا ضمان اتنا دودھ لازم تھا نہ کہ کھجور یا جَو۔ اور اگر اسے مثلی نہ مانیں ذوات القیم سے مانیں تو ظاہر ہے کہ اس قضیے کی مختلف صورتوں میں دودھ کی قیمت ہمیشہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایک صاع کھجور یا جَو نہ ہوگی، کم وبیش ہوگی۔ فرض کرو یہ جانور اونٹ ہے اور تین دن کے بعد واپس کیا تو ظاہر ہے کہ دودھ کی مقدار زیادہ ہوگی۔ اور اگر فرض کرو یہ جانور بکری ہے اور اسے دوسرے ہی دن واپس کیا تو دودھ کی مقدار کم ہوگی، پھر بہر صورت ہر جانور میں ایک صاع کھجور یا جَو ضمان دینا کیسے درست ہوگا؟

(۴) اس قسم کے عقد کی ممانعت فریقین کے نزدیک مسلم الثبوت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً فرمایا کہ جو کھجور درخت پر ہو اسے کسی مقررہ مقدار کھجور سے نہ بیچو، کھیتی کو مقررہ غلے کے عوض نہ بیچو، اگرچہ یہاں کھیتی سامنے ہے۔ کھجور نظر کے سامنے ہے، ایک ماہر قریب قریب صحیح اندازہ لگا سکتا ہے، مگر چونکہ کھیتی میں کتنا غلہ ہے، درخت پر کتنی کھجوریں ہیں؟ ان کی صحیح مقدار معلوم نہیں، اس لیے منع فرمادیا، یہاں بھی جہالت ہے۔ دودھ کی مقدار کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں۔ حدیث مُصرَّاۃ عندالفریقین، مسلم احادیث کے معارض ہے۔ اس لیے اس کی صحت میں شبہہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مزابنت اور محاقلت میں سود کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی ہے، اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود کی بنیاد طعم اور ثمنیت ہے، دودھ اور کھجور یا جَو میں دونوں باتیں مشترک ہیں۔ یہ حدیث کا قیاس سے ترک نہ ہوا، بلکہ حدیث کا حدیث مسلم عندالکل کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے ترک ہوا۔ اور اس کی کثیر نظیریں عہد صحابہ میں موجود ہیں۔

جسے آگ نے چھوا ہو اس سے وضو ہے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ منسوب کیا کہ حضور نے فرمایا:

الوضوء مما مست النار. — جسے آگ نے چھوا ہو اس سے وضو ہے۔

مثلاً آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بناء پر بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا:

انتوضأ من الدھن انتوضأ من الحمیم. — کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اے بھتیجے! جب حدیث رسول بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو، مگر حضرت ابن عباس اپنی رائے پر قائم رہے، اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور اُمت کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قیاس کی بناء پر حدیث کو ترک کردیا۔

جنازہ اٹھانے سے وضو رہے گا یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اُٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے کہا:

ھل یلزمنا الوضوء من حمل عیدان یابسۃ. — کیا سوکھی لکڑیاں اُٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اُٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اُٹھائے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو، لیکن اگر حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہیے تھا کہ میری مراد یہ ہے کہ اپنی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو وہ بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے مواخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جنازہ اُٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ معاندین احناف حضرت ابن عباس کو کیا کہیں گے؟

غیر مقرر شدہ مہر والی عورت کا خلوت سے پہلے مرجانے پر اس کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا' پھر مر گیا' اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ تک غور وخوض کیا' پھر یہ فتویٰ دیا: میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا' میں اپنی رائے بتاتا ہوں' اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے' اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔ اسی مجمع میں حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ موجود تھے' کھڑے ہوئے اور کہا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بروع بنت واشق کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا' یہ سن کر حضرت ابن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہیں دیکھے گئے تھے' لیکن حضرت علی نے حضرت معقل بن سنان کی یہ حدیث نہیں تسلیم کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا:

ما نصغی بقول اعرابی بوال علی عقبیه وحسبها المیراث ولا مهر لها.

اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے' اس عورت کو صرف میراث ملے گی' مہر اس کے لیے نہیں۔

حضرت علی کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی اور کچھ بھی نہیں ملے گا' اور یہی حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس اور ابن عمر کا بھی مذہب ہے۔ اب بتایئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟

ترمذی[1] میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے انہیں نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لیے مکان دلایا۔ راوی حدیث مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انہوں نے کہا: اس پر حضرت عمر نے یہ فرمایا:

لا ندع کتاب الله وسنة نبینا صلی الله علیه وسلم بقول امرأة لا ندری احفظت ام نسیت فکان عمر جعل لها السکنٰی والنفقة.

ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے' پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی' حضرت عمر نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۂ طلاق کی یہ دونوں آیتیں ہیں:

وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ. (طلاق:۱)

انہیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِكُمْ. (طلاق:۶)

جہاں خود رہتے ہو' وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم طلاق والی کے لیے ہے' اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حضرت عمر نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت

[1] ترمذی۔ ج ا ص ۱۴۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عمر کا قیاس تھا کہ انہوں نے ان آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا' تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔ بولئے! حضرت عمر کے بارے میں کیا تحقیق ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا' سب نے سکوت کیا' کیا سب صحابہ کرام قیاس تھے؟

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے' وہ ترمذی میں مذکور نہیں' البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ایسی عورت کے لیے نفقہ اور سکنیٰ ہے' یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر نے سنا' وہ مطلق مطلقہ کے لیے ہو' اور اسی پر مطلقہ ثلاثہ کو قیاس فرمایا' جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا' اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلاثہ کے بارے میں ہی ہو' تو ایک حدیث کی دوسری پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افقہ ہونا ہے' اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں لیکن اب ہمیں یہ بتایئے کہ حضرت امام مالک' امام شافعی لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لیے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا' ترمذی میں ہے:

قال بعض العلم لها السکنٰی و لا نفقة لها وهو قول مالك بن انس و اللیث بن سعد و الشافعي.

بعض اہل علم نے کہا: اسے رہنے کے لیے مکان ملے گا' نفقہ نہیں ملے گا' یہ مالک بن انس' لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے۔

ان تینوں ائمہ کو کس زمرے میں داخل مانتے ہو؟ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

ایک اور الزام

حدیث مُصرّاۃ کی طرح احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن اِشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایامِ حج میں جو جانور مکہ معظمہ قربانی کے لیے لے جائے جاتے ہیں' جنہیں ہدی کہتے ہیں۔ انہیں شناخت کے لیے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے' یا پھر ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے' اُسے اِشعار کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا۔ حضرت امام اعظم نے اشعار کو منع فرمایا' اس پر قیامت سر پر اُٹھالی گئی' حالانکہ ہم اس کی بھی بہ کثرت نظیریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی' مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا:

لا تمنعوا اماء الله مساجد الله.

اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں حاضر ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لیے فرمایا:

ولیشهدن الخیر ودعوة المسلمین.

بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔

لیکن اُم المومنین حضرت صدیقہ نے فرمایا:

لو رأی النبي صلی الله علیه وسلم ما احدثت النساء لمنعهن کما منعت نساء بني اسرائیل.

آج عورتوں نے جو بنا رکھا ہے' اگر نبی ﷺ دیکھتے' تو انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری اُمت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔ بولئے! پوری اُمت نے بھی وہی جرم کیا یا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نہیں' جو جرم ابوحنیفہ نے کیا' جو اس کا جواب ہے' وہی ہمارا جواب ہے۔

اشعار کی کراہت کی وجہ

اشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگا دیں کہ کچھ خون بہ جائے' لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے' جو گوشت پر پہنچ جاتا' اس میں بلاضرورتِ شرعیہ جانور کو ایذاء بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم نے اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادائیگی میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا۔ اس لیے سدالباب الفتنہ امام اعظم نے اسے مکروہ بتایا' جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لیے جانے سے روکنا' حدیث ''لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ'' کے منافی نہیں۔ اسی طرح اشعار میں تعدی کی بناء پر اشعار کو مکروہ کہنا' حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔

اس قسم کے الزامات حضرت امام اعظم کے عہد میں بھی لگائے گئے' جس سے بڑے بڑے ائمہ متاثر بھی ہوئے' مگر جب رو بہ رو گفتگو ہوئی تو لوگوں کے شکوک وشبہات دور ہو گئے' جس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

زیادہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اصول فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کو ترجیح ہوگی' لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ فقہ' اصول فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے' مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہے۔ اصولِ فقہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ صرف عیسیٰ بن ابان اور ان کے کچھ متبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابوالحسن کرخی وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ مسلم الثبوت اٹھا کر دیکھو' انہوں نے امام ابوالحسن کرخی ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی علماء نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا' جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں۔

پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے ناقابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بہ کثرت ہیں' مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' یہ قیاس کے خلاف ہے۔ اور یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ امام محمد اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لولا ما جاء من الاثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینۃ لکن لا قیاس مع الاثر ولا ینبغی الا ان ینقاد الاثار۔

اگر حدیث نہ ہوتی تو قیاس وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں' لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کچھ نہیں' صرف احادیث ہی کی اتباع کرنی چاہیے۔

رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا' یہ حدیث سے ثابت ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم' مگر امام اعظم نے فرمایا:

لولا ما جاء فی ھذا من الاثار لا مرت بالقضاء۔

اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتیں تو میں ایسے روزے کی قضاء کا حکم دیتا۔

احادیث کے علل قادحہ خفیہ

یہاں ایک نکتہ یہ قابل لحاظ ہے کہ احادیث کی صحت وعدم صحت میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ ایک ہی حدیث دسیوں محدثین

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے نزدیک صحیح ہے، مگر دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ جس حدیث کو صحیح کہتے ہوں وہ واقع میں بھی صحیح ہو، یا وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور جسے آپ ضعیف کہتے ہوں وہ واقع میں بھی ضعیف ہی ہو، یا دوسرے محدثین کے نزدیک ضعیف ہی ہو۔ اس کی ایک مثال وہ احادیث ہیں کہ جن سے آمین بالجہر کو ثابت کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں، اس لیے کہ اگر ان میں ایک بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو جب کہ امام بخاری نے آمین بالجہر کا باب باندھا ہے، تو اسے ضرور ذکر فرماتے، آمین بالجہر کا باب باندھنے کے باوجود بھی ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ذکر نہ کرنا، اس کی دلیل ہے کہ یہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں، مگر دوسرے محدثین اسے صحیح مانتے ہیں۔

دوسری مثال یہ حدیث ہے:

من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة. جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

معاندین اس حدیث میں طرح طرح کے کیڑے نکالتے ہیں، مگر یہ حدیث صحیح پر قدح ہر علت سے پاک ہے۔ امام محمد نے مؤطا[1] میں ایسی سند کے ساتھ جس کے تمام رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں، روایت کیا۔ امام ابن ہمام[2] نے فرمایا: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محدثین نے صحت کے معیار الگ الگ قائم کیے ہیں، مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک دیگر شروط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ راوی حدیث کو سننے کے وقت سے لے کر اداء کے وقت تک یاد رکھے ہو۔ یہ کڑی شرط امام بخاری اور مسلم کے یہاں بھی نہیں۔ امام بخاری کے یہاں حدیث معنعن میں معاصرت کے ساتھ لقاء شرط ہے۔ امام مسلم کے یہاں لقاء کی شرط نہیں، صرف معاصرت کافی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان قول و فعل نہیں، امام بخاری اس کی حدیث نہیں لیتے، بقیہ تمام محدثین لیتے ہیں۔ احناف اور جمہور محدثین کے یہاں حدیث مرسل حجت ہے، کچھ محدثین کے یہاں حجت نہیں۔ ان شرائط کے اختلاف سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں اختلاف ہو سکتا ہے، بلکہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ رواۃ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوا ہے، پھر ان ظاہر وجوہ سے ہٹ کر کبھی بہ ظاہر حدیث صحیح ہے، متصل السند ہے، تمام راوی ثقہ ہیں۔ کوئی خرابی نہیں نظر آتی، مگر ایک ماہر حدیث کا نقاد حاذق اسے کسی خفی علت کی بناء پر ضعیف کہہ دیتا ہے، پھر لطف یہ کہ محدثین خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ کبھی خود ناقد وہ وجہ نہیں بیان کر سکتا جو اس کے معلّل ہونے کی ہے، جیسے ایک صراف سونے چاندی کو پرکھ کے خود جان لیتا ہے کہ کھری ہے کہ کھوٹی، مگر دوسرے کو بتا نہیں پاتا۔ مشہور محدث ابوحاتم سے کسی نے چند حدیثوں کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے بعض کو صحیح، بعض کو مدرج، بعض کو منکر بتایا۔ سائل نے عرض کیا: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا راویوں نے آپ کو یہ تفصیل بتائی ہے؟ ابوحاتم نے کہا: نہیں! مجھے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا: کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ فرمایا: تم دوسرے ماہرین سے پوچھ لو اگر وہ میری موافقت کریں تو مانو۔ اس نے جا کر انہیں کے معاصر دوسرے محدث ابوزرعہ سے پوچھا، انہوں نے بھی وہی کہا جو ابوحاتم نے کہا تھا اب اس کو اطمینان ہوا۔[3] امام بخاری کے استاذ اور مسلم الثبوت محدث علی بن مدینی نے کہا:

ھی الھام ولو قلت للقیم بالعلل من این لك ھذا لاتکن له حجة. (فتح المغیث) یہ الہام ہے، اگر علل کے ماہر سے پوچھو کہ تم نے کس بناء پر اسے معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔

بعض محدثین نے اسی کو یوں کہا ہے:

---

[1] مؤطا امام محمد۔ ص ۹۸ [2] فتح القدیر۔ ص ۱۳۶ [3] فتح المغیث

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اثر یھجم علی قلوبھم لایمکنھم ردہ و ھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم. یہ ایک اثر ہے جو محدثین کے دل میں وارد ہوتا ہے' جسے وہ رد نہیں کر سکتے اور ایک نفسیاتی تاثر ہے جس سے وہ صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

اور کچھ حضرات نے یہ کہا کہ صحیح احادیث میں ایک خاص نورانیت ہوتی ہے' وہ جب کسی میں نہیں ملتی تو محدث جان جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محدثین کو من جانب اللہ ایسا ملکہ حاصل ہونا بعید از قیاس نہیں کہ وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ فرق کر سکیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے یا نہیں؟ یہ حضور اقدس ﷺ کا فعل ہے یا نہیں؟ حضرت امام اعظم اپنے وقت کے ہی نہیں بلکہ بعد کے اعتبار سے بھی ایک عظیم ہی نہیں' اعظم' جلیل ہی نہیں' اجل' کبیر ہی نہیں' اکبر محدث بھی تھے' اور ایسے ماہر حاذق کہ احادیث سے متعلق تمام اسرار و رموز سے کما حقہ واقف تھے اور ساتھ ساتھ بے مثال مجتہد بھی۔ انہوں نے اپنے اس خداداد ملکہ سے کام لے کر کچھ احادیث کو علل خفیہ قادحہ کی بناء پر معلل ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا' تو یہ حقیقت میں عمل بالحدیث کا ترک نہ ہوا' لیکن معاندین کا کوئی علاج نہیں۔

معانی حدیث کی فہم

پھر قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں' حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے' اسے دین میں سمجھ عطاء فرماتا ہے۔ اسی بخاری' کتاب العلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے:

فھم أعطیہ رجل مسلم. (فتح المغیث) سمجھ جو کسی مسلمان کو دی گئی ہو۔

پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں' ایک چیز سے ایک بات ایک کی سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے اخیر عمر مبارک دورانِ خطبہ فرمایا:

ان اللّٰہ خیر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ فاختار ذلک العبد ما عندہ. اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ؟ اس بندے نے حضوری بارگاہ کو پسند کیا۔

یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے' حضرت ابو سعید خدری راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ان پر تعجب ہوا کہ رو کیوں رہے ہیں؟ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندۂ مختار خود حضور اقدس ﷺ تھے' اور ابو بکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (بخاری۔ ج ۱ ص ۵۱۶)

حضرت فاروق اعظم' ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے' یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے' آپ کی خدمت میں عرض کیا: حضرت عمر نے سب کے صاحبزادوں کو اور ابن عباس کو بھی بلایا' اور دریافت کیا کہ "سورۂ نصر اذا جاء" سے کیا سمجھتے ہو؟ کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے' کچھ نے عرض کیا: ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی' ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح و تحمید کریں' استغفار کریں یعنی اس کا شکر کریں۔ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا: اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جا رہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے' حضرت امام اعظم کو اللہ عزوجل نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت و صلاحیت عطاء فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک ہوتیں اور حضرت امام اعظم کی نکتہ رس فہم معانی کے دقیق سے دقیق' ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی' جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان میں جنہیں اللہ چاہتا امام کی جلالت کو تسلیم کر لیتا' ورنہ وہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

امام اعمش کا اعتراف تفقہ

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا: حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں' ان کا جاننے والا میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا' میں نے جب کبھی ان کا خلاف کیا' پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔ ایک بار حضرت امام اعظم' حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کیے' انہوں نے امام اعظم سے پوچھا: آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے' امام اعمش نے پوچھا: کہاں سے یہ کہتے ہو؟ فرمایا: آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کر دیا۔ امام اعمش نے فرمایا: بس بس! میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں' آپ نے وہ سب ایک دن میں سناڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقهاء انتم الاطباء و نحن الصيادلة اے گروہِ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ وہ
انت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين. آدمی ہیں جنہوں نے دونوں کو حاصل کر لیا۔

(الخیرات الحسان۔ ص ۶۶۔ ۶۷)

اللہ عزوجل حضرت سلیمان اعمش کو جزائے خیر عطاء فرمائے' انہوں نے ان تمام مباحث کو جو آج تک محدثین اور فقہاء کے مراتب کی تعیین میں چلی آ رہی ہے' ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے۔ اب ہم بھی اس گفتگو کو انہیں الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

ایک لطیفہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جلالت شان گھٹانے کے لیے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آج کل کے غیر مقلدین اسے بہ طور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے بہ آں جلالت شان کہیں کہیں لغوی' صرفی لغزش ہو گئی ہے' جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں لکڑی چلی گئی۔ ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے' ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت' خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام اعظم پر لعن طعن اور سب و شتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے' یہ تو ان سے ہو نہ سکا۔ کیا یہ کہ حضرت امام اعظم کا ایک قول ڈھونڈ نکالا' جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ابو عمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ قتل بالمثقل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا: نہیں! اس پر ابو عمرو نے کہا: اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں؟ فرمایا:

لو قتله بابا قبيس. اگرچہ (جبل) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابو قبیس پر باء حرف جار داخل ہے' اس لیے اس کو یاء کے ساتھ "بـابـى قـبـيـس" ہونا چاہیے تھا اور حضرت امام اعظم نے اسے الف کے ساتھ فرمایا' یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائگی ثابت ہوتی ہے۔ اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔ بخاری "قتل ابی جهل" میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا: "انت ابا جهل" جو روایت بہ طریق محمد بن مثنیٰ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے' اس میں معتمد روایت یہی ہے' جیسا کہ فتح الباری میں ہے' حالانکہ ہونا چاہیے: ابوجہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا' اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ''بابا قبیس'' غلط ہے اور نہ ''انت ابا جھل'' غلط' اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا۔ چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے: ؎

ان اباھا وابا اباھا قد بلغا في المجد غايتاها

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں یاء کے ساتھ اور حالت رفع میں واؤ کے ساتھ اس لیے ''انت ابا جهل. ولو قتله بابا قبيس'' غلط ہے۔

ایک اور طعن اور اس کے جوابات

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آ رہا ہے اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں' وہ یہ کہ فقہاء احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں' اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب

اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام استنباط فرمائے اور انہیں دلیل بنایا' بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں' پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں' صرف اقوالِ رجال ہی ہیں' بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کی طرز سے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوالِ رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو' پھر اقوالِ رجال پھر حدیث' اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے کہ یہ ترتیب الاہم فالاہم کی ہے۔

دوسرا جواب

جن اُمور کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے' اسے آپ بتائیں!

تیسرا جواب

یہ بات بتحقیق ثابت ہو چکی کہ فقہ حنفی کی اصل بنیاد قرآن و احادیث ہیں' اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہاء نے احکام کو قرآن و احادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے' جو احکام قرآن و حدیث میں نہ مل سکے' ان میں انہوں نے قرآن و احادیث سے متخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کیے ہیں' تو آپ بتائیں کہ پھر فقہاء کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے اور یہ حقیقت میں اقوالِ فقہاء پر اعتماد کرنا نہیں' بلکہ اصل اعتماد قرآن و حدیث پر ہے۔ یہ اقوال فقہاء قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں' اس لیے یہ قابل اعتماد ہیں' جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لیے سرمایہ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاویٰ نذیریہ فتاویٰ ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں اور وہی آپ لوگوں کا معمول بہ ہے' کیا امام اعظم' امام شافعی' امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں اور میاں نذیر حسین دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ قرآن و احادیث کے برابر ہے کہ ان پر اعتماد درست ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اقوال فقہاء پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز وحرام ہوتا' جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی' اور قرآن واحادیث کے معارض ہوتی' مگر جب ان کے اقوال قرآن وحدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن واحادیث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب

اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں' اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر اُمت کا اجماع ہے اور یہ قرآن و احادیث سے بھی ثابت ہے۔ مجتہد کون ہے یا کون ہوسکتا ہے؟ اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے' ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں' اب جو مجتہد نہیں لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے' جس کا وہ مقلد ہے۔ اسے براہِ راست قرآن واحادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ اُمت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے۔ اس لیے وہ لوگ اقوالِ فقہاء سے احکام تلاش کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں' اور یہ عمل خود اجلہ محدثین' مصنفین صحاح ستہ حتیٰ کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اسے فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ خود فقہاء کی طرف رجوع کرتے۔

ابھی گزرا کہ ایک سائل حضرت سلیمان اعمش کی خدمت میں آیا' انہوں نے امام اعظم سے فرمایا کہ آپ اسے مسئلہ بتائیے۔ حضرت سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے: اس مسئلہ پر سوائے اس شخص کے جس سے لوگ حسد کرتے ہیں' کوئی اچھی تقریر نہیں کرسکتا' یعنی امام اعظم' پھر حضرت امام اعظم کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس بارے میں تمہارے شیخ کا کیا قول ہے؟ یہ لوگ بتاتے' اسی کے مطابق فتویٰ دیتے' اگر کبھی حضرت امام کے ساتھ ہوتے تو ہمیشہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے' اگر ان لوگوں کی رائے امام اعظم کی رائے سے متصادم ہوئی تو ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ امام صاحب کی رائے صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا' شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا' بیوی کیوں پیچھے رہتی' اس نے بھی برابر کی قسم کھائی' جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی' جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان' شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے؟ فرمایا کہ بیوی سے بات کرو' وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دے دو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے فرمایا: جاؤ! تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو! کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے' امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا' جب وہ بیان کرچکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا' جب شوہر کی قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی' اب قسم کہاں رہی' اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا: واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے' جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

ایک دفعہ کوفہ کے ایک شخص نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی کی اور کوفہ کے تمام علماء وفقہاء کو بھی مدعو کیا۔ امام اعظم' سفیان ثوری' مسعر بن کدام' حسن بن صالح بھی دعوت میں شریک تھے' لوگ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ میزبان پریشان حال آیا اور کہا: بڑی مشکل ہو گئی عورتوں کی غلطی سے زفاف میں دونوں بہنیں بدل گئیں' اب کیا کیا جائے؟ حضرت سفیان نے کہا: حضرت معاویہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا' اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا' ہر ایک کی زوجہ اس کے پاس بھیج دی جائے' البتہ دونوں کو مہر دینا پڑے گا۔ مسعر بن کدام نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا: آپ کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ' دونوں لڑکے آئے تو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام صاحب نے ہر ایک سے پوچھا کہ جولڑکی رات تمہارے ساتھ تھی' وہ تم کو پسند ہے؟ ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا' امام صاحب نے فرمایا کہ اب ایسا کرو کہ تم دونوں ان لڑکیوں کو جن سے تمہارا نکاح ہوا تھا' طلاق دے دو' اور جس کے ساتھ رات گزاری تھی اس سے نکاح کرلو۔ حضرت سفیان کا جواب بھی اپنی جگہ درست تھا' اس لیے کہ وطی بالشبہہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا' امام صاحب بھی اس کو جانتے تھے' مگر سوال یہ تھا کہ کیا دونوں شوہر اسے پسند کرتے؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہ تھا؟

مخالفت کے اسباب

ایک تو وہی حسد چونکہ جب امام صاحب کے فضل وکمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہوگئیں' عوام وخواص سب کے مرجع اعظم' حضرت امام ہی ہوگئے۔ یہ بات معاصرین کے لیے بہت تکلیف دِہ تھی۔ اس سے لوگ حضرت امام کا وقار گرانے کے لیے ان پر بے جا تنقیدات کرنے لگے۔

دوسرا سبب

معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی تو اظہارِ حق کے لیے حضرت امام اس کو ظاہر کرتے' اس سے لوگ چڑ جاتے۔ محمد بن عبدالرحمٰن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں' کوفہ کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ بتیس برس کوفہ کے قاضی رہے' ان سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کے لیے انہیں تنبیہ فرمادیا کرتے تھے۔ انہیں یہ بات ناپسند تھی' اس لیے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے' وہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات دیکھتے تھے' ایک دن مجلس قضاء سے فارغ ہو کر کہیں جارہے تھے' راستے میں ایک عورت کا کسی سے جھگڑا ہورہا تھا' عورت نے اس شخص کو "یا ابن الزانیین" کہہ دیا (یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے) قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضاء میں لے چلو! یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسّی اسّی یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں' جب امام صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا: ابن ابی لیلیٰ نے اس میں چھ غلطیاں کی ہیں' مجلس قضاء سے اُٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آکر فیصلے کے لیے بیٹھے' مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے' عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیے' انہوں نے کھڑا کرا کر دُرّے لگوائے' ایک ہی حد لازم تھی' انہوں نے دو جاری کیں' ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں' حالانکہ اگر کسی پر دو حدیں لازم ہوں تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے' جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانی چاہیے۔ جسے عورت نے "ابن الزانیین" کہا تھا' اس نے جب مطالبہ نہیں کیا تھا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔ اس تنقید پر اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے' کوفہ کے گورنر سے شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگادی کہ امام ابوحنیفہ فتویٰ نہیں دے سکتے' کوفہ میں اور بہت سے فقہاء تھے۔ اس صورت میں فتویٰ دینا فرضِ کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتویٰ دینا بند کر دیا۔ اسی اثناء میں ایک دن گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ان کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں۔ دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا' یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا' اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا' اب اگر میں تھوک نگل لوں تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا' تو امام صاحب نے فرمایا: بیٹی! تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو! مجھے آج کل فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ اطاعت امیر اور دیانت وامانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہوسکتی[1] لیکن جب مسائل میں خود کوفہ کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں اور کوئی حل نہ کرسکا تو اسے بھی مجبور ہو کر حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا اور حکم امتناعی

[1] ترجمہ ابن ابی لیلیٰ۔ ج ۱ ص ۴۹۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اُٹھالیا پڑا۔ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

وكان هذا المنع للامام رضى الله عنه قبل اجتماعه به و معرفته بمقام الامام فى العلم. یعنی امام صاحب کوفتویٰ دینے سے منع کرنا' آپ کی ملاقات اور آپ کے پایۂ علمی کی معرفت سے پیشتر تھا۔

(کتاب المیزان۔ ج ۱ ص ۶۲)

۔۔۔اور جب امام صاحب کے پایۂ علمی کا علم ہوا تو پکار اُٹھا:

هذا عالم الدنيا اليوم. (تبیض الصحیفہ۔ ص ۲۰) یعنی یہ آج دنیا کے عالم ہیں۔

یحییٰ بن سعید' شہنشاہ منصور عباسی کے یہاں بہت رسوخ رکھتے تھے' کوفہ کے قاضی تھے مگر کوفہ میں ان کو وہ قبولِ عام نہ حاصل ہوسکا جوحضرت امام اعظم کو تھا۔ اس پر ان کو بہت تعجب ہوتا تھا' کہا کرتے تھے کہ کوفہ والے عجیب کم عقل ہیں' تمام شہر ایک شخص یعنی امام ابوحنیفہ کی مٹھی میں ہے۔ اس پر امام اعظم نے امام ابویوسف' امام زفر اور چند اور شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی صاحب سے مناظرہ کریں۔ امام ابویوسف نے قاضی یحییٰ سے پوچھا: ایک غلام دو آدمیوں میں شریک ہے' ان میں سے ایک شخص آزاد کرنا چاہتا ہے' تو آزاد کرسکتا ہے یا نہیں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ نہیں کرسکتا۔ اس میں دوسرے حصہ والے کا نقصان ہے۔ حدیث میں ہے: ''لا ضرر ولا ضِرار'' جس کام سے دوسرے کو ضرر پہنچے جائز نہیں۔ امام ابویوسف نے پوچھا: اگر دوسرا آزاد کردے تو؟ اس پر قاضی صاحب نے کہا: اب آزاد ہو جائے گا۔ امام ابویوسف نے کہا: آپ نے اپنے قول کا رد کردیا' پہلے نے جب غلام آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا بے اثر رہا' یہ غلام پورا کا پورا غلام ہی رہا' اب دوسرے نے آزاد کیا تو وہی پہلی پوزیشن لوٹ آئی' اب کیسے آزاد ہوگیا؟

تیسرا سبب

یہ ہے کہ کچھ ناخداترس ایسے بھی تھے جوحضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کرکے منسوب کرتے تھے' مثلاً نعیم بن حماد' یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں امام نسائی نے ضعیف کہا۔ ابوالفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب تھا' امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لیے جھوٹی روایتیں گھڑا کرتا تھا اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا۔ اور بہانہ یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کے لیے کرتا ہوں' ایسے لوگوں پر حیرت نہیں۔ حیرت امام بخاری پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کرکے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلے میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کرکے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں' وہ لکھتے ہیں:

حافظ ابوالشیخ بن حبان نے کتاب السنہ میں' یا حافظ ابن عدی نے کامل میں' یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں' یا ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں' یا بخاری اور نسائی نے' بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا' یہ ان کی شان علم و اتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں ان کی پیروی نہ کی جائے' ان سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔

تلامذہ

حضرت امام اعظم کے تلامذہ کی صحیح تعداد معین کرنا مشکل ہے' یہ تلامذہ تین قسم کے تھے' ایک وہ جن کی شہرت صرف فقہ میں ہوئی' ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں' دوسرے وہ جن کی شہرت بحیثیت محدث ہوئی' ان کی بھی تعداد ہزاروں میں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ ان سب کے لیے تفصیلی بحث تو دفتر چاہتی ہے' صرف اسماء کی فہرست تیار کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات چاہئیں۔ ناظرین کی طمانیت خاطر کے لیے اتنا ہی ذکر کافی ہے کہ امام اعظم کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان محدثین کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے جو اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد' یحییٰ بن معین وغیرہ کے بھی شیخ یا شیخ الشیخ ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر مکی بن ابراہیم بلخی ہیں' جو امام بخاری کی بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات کے شیخ ہیں' بلخ کے امام ہیں۔ ان کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم' سب سے بڑے زاہد' سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظ اُس عہد میں محدث کو کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب سب سے بڑے محدث تھے۔ مشہور محدثین نے خاص اس سند سے بھی احادیث اپنی تصنیفات میں لی ہیں۔ جن کے راویوں میں حضرت امام اعظم بھی ہیں۔ امام دار قطنی نے اس کے باوجود کہ امام اعظم سے تعصب رکھتے تھے' اپنی سنن میں تینتیس (۳۳) جگہ ایسی روایات لی ہیں۔ حاکم کی مستدرک' طبرانی کی معجم صغیر' مسند ابوداؤد طیالسی میں امام اعظم کے واسطے سے مروی حدیثیں موجود ہیں' حتیٰ کہ صاحبِ خلاصہ نے امام اعظم کے ترجمے میں ترمذی' نسائی' جزء البخاری کی علامت لگائی ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ ترمذی اور نسائی نے بھی امام صاحب کی روایت لی ہے۔ علامہ ابن حجر نے تقریب میں امام اعظمؒ کے حالات میں نسائی اور ترمذی کی علامت لگائی اور تہذیب التہذیب میں ان روایتوں کا ذکر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری' امام ترمذی' ابوداؤد طیالسی' طبرانی' حاکم حتیٰ کہ دار قطنی تک امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اگرچہ کچھ درجے نیچے آ کر حضرت امام اعظم کی حدیث دانی پر کچھ معاندین نے نکتہ چینی کی ہے' مگر حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے ایسے جلیل القدر محدث گزرے ہیں کہ ان کی حدیث دانی میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصیت سے حضرت امام ابویوسف' حضرت امام محمد' حضرت عبداللہ بن مبارک' حضرت فضیل بن عیاض' حفص بن غیاث' ابوعاصم النبیل' داؤد طائی' مسعر بن کدام' یزید بن ہارون' یحییٰ بن القطان' ہشام بن عروہ' یحییٰ بن زکریا بن زائدہ وغیرہ وغیرہ' کیا کوئی عقل والا یہ مان سکتا ہے کہ اجلہ محدثین نے کسی ایسے شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے جو حدیث سے نابلد ہو' اور تک بندی کو احکام شریعت بنا کر دنیا کو گمراہ کر گیا ہو۔

ع آواز دو انصاف کو' انصاف کہاں ہے

وفات

بنی امیہ کے خاتمے کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لیے وہ وہ مظالم کیے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں' منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی پر بہت بڑا ابدنما داغ ہیں' اسی خون خوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ ابتداءً ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے' بعد میں بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتویٰ دے دیا' نفس ذکیہ بہت شجاع' فن جنگ کے ماہر' قوی طاقتور تھے' مگر اللہ عزوجل کی شانِ بے نیازی کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو ۱۴۵ھ میں داد مردانگی دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا دعویٰ کیا' ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی' خاص کوفہ میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے' بڑے بڑے ائمہ علماء فقہاء نے ان کا ساتھ دیا' حتیٰ کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے' جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا' مگر مالی امداد کی' لیکن نوشتۂ تقدیر کون بدلے۔ ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم بھی شہید ہو گئے۔

ابراہیم سے فارغ ہو کر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا' ۱۴۶ھ میں بغداد کو دارالسلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا' منصور انہیں شہید کرنا چاہتا تھا مگر جواز قتل کے لیے بہانہ کی تلاش کی' اسے معلوم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے' اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدۂ قضاء پیش کیا' امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔ منصور نے جھنجھلا کر کہا: تم جھوٹے ہو! امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت ہو گیا کہ میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں' جھوٹا ہوں تو بھی عہدۂ قضا کے لائق نہیں' اس لیے کہ جھوٹے کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ اس پر بھی منصور نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ربیع نے غصے سے کہا: ابوحنیفہ! تم امیر المؤمنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا: ہاں! یہ اس لیے کہ امیر المؤمنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔ اس پر منصور نے جزبز ہو کر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔ اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذاکرات کرتا رہتا تھا۔ منصور نے حضرت امام کو قید کر دیا' مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا' بغداد چونکہ دارالسلطنت تھا' اس لیے تمام دنیائے اسلام کے علماء' فقہاء' امراء' تجار' عوام' خواص بغداد آتے تھے' حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا' قید نے ان کی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو آپ کو خفیہ طور پر زہر دلوا دیا' جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا' سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔

ع جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

تجہیز و تدفین

وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی' جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا' قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے غسل دیا' غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے: واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ' سب سے بڑے عابد' سب سے بڑے زاہد تھے' تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں' تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے جم غفیر اکٹھا ہو گیا' پہلی بار نماز جنازہ میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا' اس پر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا' چھ بار نمازِ جنازہ ہوئی۔ اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے' حضرت حماد نے نمازِ جنازہ پڑھائی' عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے' اس لیے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی' اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے' دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے' ایسے قبولِ عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت ائمہ محدثین و فقہاء موجود تھے' جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے' سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا' مکہ معظمہ میں ابن جریج تھے' انہوں نے وصال کی خبر سن کر انا للہ پڑھا اور کہا: بہت بڑا عالم چلا گیا۔ بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا: کوفہ میں اندھیرا ہو گیا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سن کر بغداد حاضر ہوئے' جب امام کے مزار پر پہنچے' روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: ابوحنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے! ابراہیم گئے تو جانشین چھوڑ گئے' حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا' تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پُر انوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام و خواص ہے۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا: میں امام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں' روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں' جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی' جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اعلم انه لم يزل العلماء وذو والحاجات يزورون قبره ويتوسلون عنده فى قضاء حوائجهم ويرون نجح ذلك منهم الامام الشافعي رحمة الله عليه انتهٰى. (خیرات الحسان۔ص ۶۹)

یعنی جان لے کہ علماء اور اصحابِ حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں' ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا' یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔ نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی' اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء و عمائدین کو مدعو کیا' یہ مدرسہ ''مشہد ابوحنیفہ'' کے نام سے مشہور ہے' مدت تک قائم رہا۔ اس مدرسہ سے متصل ایک مسافر خانہ بھی تھا' جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔ بغداد کا مشہور دارالعلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ حضرت امام کا وصال نوے سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

۞۞۞۞۞

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ھُوَ الْفَقِیْہُ الْاَکْبَرُ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَھِیَ الْحَدِیْثُ الْاَزْھَرُ.

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ سُفُنُ النَّجَاۃِ وَمَصَابِیْحُ الْغُرَرِ

الحمد للہ سے کتاب کے شروع نہ ہونے کی توجیہ

حضرت امام بخاری نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف کو بسم اللہ سے تو شروع فرمایا' مگر اللہ عزوجل کی حمد اور شہادتین سے شروع نہیں فرمایا' حالانکہ حدیث میں ہے:

کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللّٰہ فھو اقطع. ہر عظیم الشان کام جو اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے' وہ بے برکت ہے۔

کل خطبۃ لیس فیھا شھادۃ کالید الجذعاء. جس خطبے میں شہادت نہ ہو' وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی مثل ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو امام ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اس کا سب سے صحیح اور تحقیقی جواب صرف یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں یہ نہیں کہ جب کچھ لکھنا چاہو تو حمد و شہادت کو پہلے لکھو بھی' صرف ابتداء کا حکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے حمد اور شہادتین لکھنے سے پہلے زبان سے ادا کر لیے ہوں۔

دوسرا جواب بھی ایک وزن رکھتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہوں' تو ان پر ضروری نہ ہوا کہ وہ ان پر عمل کرتے' جیسا کہ اس کے ایک راوی قرہ بن عبدالرحمٰن کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ابن حبان اور ابوعوانہ نے تصریح کی ہے' نیز یہ حدیث نسائی میں سعید بن عبدالعزیز سے بھی مروی ہے۔ اس متابعت میں قرہ کی وجہ سے جو ضعف تھا' ختم ہوگیا' لیکن واقع میں کسی حدیث کا صحیح ہونا اور بات ہے اور امام بخاری کے نزدیک صحیح ہونا اور بات ہے۔

اس کے چند اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں' مگر وہ صحیح نہیں' مثلاً یہ کہ یہ ارشاد خطبوں اور تقریروں کے ساتھ خاص ہے چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے خطبوں کو وہ کسی شعر سے شروع کرتے تھے' اس کے رد کے لیے فرمایا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک گنوار آیا اور بغیر حمد کے تقریر شروع کر دی تو حضور نے فرمایا: "بئس الخطیب انت کل امر. الحدیث" اس سے ظاہر ہے کہ خطبوں کے لیے ہے یہ جواب اس لیے صحیح نہیں کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے' واقعہ کی خصوصیت کا نہیں ہوتا۔ جب ارشاد عام ہے کہ فرمایا: کل امر ذی بال' ہر شان دار کام' تو اسے عام ہی رکھنا ضروری ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حدیث منسوخ ہے' اس لیے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلح نامہ لکھا گیا' اس میں صرف بسم اللہ ہے۔ علاوہ ازیں سلاطین کے نام حضور اقدس ﷺ نے جو والانامے بھیجے تھے' ان میں صرف تسمیہ ہے' حمد نہیں۔ اس جواب میں یہ خامی ہے کہ چونکہ تاریخ معلوم نہیں' اس لیے دعویٰ نسخ درست نہیں۔ ثانیاً: اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ صلح حدیبیہ وغیرہ سے پہلے کا یہ ارشاد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے تو بھی نسخ کا دعویٰ درست نہیں' اس لیے کہ نسخ کے لیے ضروری ہے کہ ایسا تعارض ہو جو اٹھ نہ سکے' اور یہاں ایسا نہیں' سو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مکتوبات میں حمد کا ترک بیان جواز کے لیے ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ امام بخاری نے یہ نہیں پسند فرمایا کہ ارشادِ رسول پر اپنے کلام کو مقدم کریں' باب اور سند کا مقدم ہونا بہ اعتبار ظاہر کے ہے' حقیقت میں یہ دونوں مؤخر ہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں حدیث کے توابع میں سے ہیں۔ یہ جواب اس لیے درست نہیں چونکہ تقدیم ہوتی ہے حمد الٰہی کی۔ حمد الٰہی کی تقدیم میں کوئی حرج نہیں' پھر چونکہ یہ مامور ہے اور مامور بہ پر عمل ویسے ہی ہوگا جیسے حکم کیا گیا ہے اور اس میں کوئی سوء ادب نہیں' ترجمہ باب اور سند کی تقدیم کا یہ عذر کہ حقیقۃً مؤخر ہے بے معنی ہے' اس لیے کہ اعتبار ظاہر ہے اور ظاہر میں یہ مقدم ہیں۔ ایک یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ سب سے پہلے سورۂ اقراء نازل ہوئی' اس میں صرف بسم اللہ ہے حمد نہیں۔ یہ جواب یوں ساقط ہے کہ اولاً: سورۂ اقرأ کے نزول کے وقت بسم اللہ کا نزول ثابت نہیں' ابھی تیسری حدیث آتی ہے' اس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں۔ ثانیاً: اعتبار قرآن مجید کی ترتیب عثمانی کا ہے جو منزل من اللہ ہے۔ اس میں بسم اللہ کے بعد حمد بھی ہے اور یہ کہنا کہ یہ حمد وثناء حمد نہیں' تعلیم کے لیے ہے' ادعاء بے دلیل ہے۔ الغرض! اس قسم کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں' مگر وہ سب بے وزن ہیں' یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابتداء میں حمد واجب نہیں' مستحب ہے۔ مستحب پر ثواب ضرور ملتا ہے' لیکن ترک پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر امام بخاری نے ترک کر دیا تو ان پر کیوں مواخذہ ہوتا ہے' اس لیے یہ سوال ہی سرے سے اس لائق نہیں کہ اس کو ذکر کیا جائے۔ عہد قدیم میں یہی طریقہ تھا کہ مصنفین صرف بسم اللہ پر اکتفاء کرتے تھے۔ مؤطا امام مالک' مصنف ابن عبد الرزاق وغیرہ کا یہی حال ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- بَابُ [كِتَابُ] كَيْفَ كَانَ بَدْوُ الْوَحْيِ

[وحی کی ابتداء کیسے ہوئی؟]

۱- ح: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

۱- اَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلَى امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ.

[اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے]

علقمہ بن وقاص لیثی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ کو منبر پر یہ کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: اے لوگو! اعمال نیت ہی پر ہیں۔ ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی' لہٰذا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو تا کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی جانب ہو کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے' جس کی طرف اُس نے ہجرت کی۔

(بخاری۔ کتاب الایمان۔ کتاب العتق۔ کتاب الہجرۃ۔ کتاب النکاح۔ کتاب الایمان والنذور۔ کتاب الحیل' کتاب الاکراہ۔ کتاب الطلاق' مسلم۔ کتاب الامارۃ' ابوداؤد۔ کتاب الطلاق' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب الطلاق۔ کتاب الایمان' ابن ماجہ۔ کتاب الزہد' ترمذی' مسند امام احمد' دارقطنی' ابن حبان' بیہقی)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ

یہ عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے' انتالیس مردوں کے بعد' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ۶ نبوی میں ایمان لائے۔ ۱۳ھ ۲۲ جمادی الآخرہ بروز سہ شنبہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ کے غلام ابولولو فیروز مجوسی نے نماز فجر میں آپ کو زخمی کیا' تین دن کے بعد ۲۸ ذوالحجہ بروز دوشنبہ شہید ہوئے۔ روضۂ پاک میں حضرت صدیق اکبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ عمر مبارک ۶۳ سال ہوئی۔ دس سال چھ مہینے پانچ دن بڑی شان و شوکت کے ساتھ نیابت رسول کا حق ادا کیا۔ انہیں کے عہد خلافت میں وقت کے دو عظیم فرعون' قیصر روم و کسریٰ ایران کی ہزارہا سالہ جابرانہ ظالمانہ سلطنتیں پاش پاش ہوئیں۔ عراق' ایران' مکران (بلوچستان)' شام' فلسطین' مصر وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے ممالک اسلام کے زیر نگیں ہوئے۔ چار دانگ عالم میں اسلام کی ہیبت و شوکت بیٹھ گئی جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی تھی۔ (الاعلام)

ابوحفص کنیت' فاروق اعظم لقب ہے۔ ان سے ۵۳۷ حدیثیں مروی ہیں۔ صحابہ میں عمر بن خطاب نام کے اور کوئی صاحب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نہیں، البتہ راویانِ حدیث میں اس نام کے چھ حضرات ہیں۔ صحابہ کرام میں عمر نام کے ۲۳ اور حضرات ہیں۔ اور عمرو نام کے دو سو سے زائد صحابہ کرام ہے۔ عمر اور عمرو لکھنے میں یکساں ہی ہے، اس لیے امتیاز کے لیے عمرو کے ساتھ واؤ لکھا جاتا ہے اور عمر بغیر واؤ کے، جو واؤ کے ساتھ لکھا ہو وہ عمرو ہے، عین کے فتحہ اور میم کے جزم کے ساتھ اور جو عمر بغیر واؤ کے ہے، یہ عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس پر اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام اُمت سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر فاروقِ اعظم، پھر عثمان غنی، پھر علی مرتضیٰ، پھر عشرہ مبشرہ میں سے بقیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اس حدیث کی حیثیت

ابن مندہ کی تصریح کے مطابق یہ حدیث علاوہ حضرت عمر کے، حضرت علی و حضرت سعد و حضرت ابوسعید خدری و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمر و انس و ابن عباس و معاویہ و ابوہریرہ و عبادہ بن صامت و عتبہ بن عبدالاسلمی و ہزال بن سوید و عقبہ بن عامر و جابر و ابوذر و عتبہ ابن منذر و عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ ابن مندہ کا یہ قول اگر صحیح ہے تو یہ حدیث متواتر ہے، مگر اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عمر ہی سے مروی ہے اور ان کے بعد یحییٰ بن سعید انصاری تک اس کے راوی ایک ایک رہے۔ یحییٰ بن سعید کے بعد یہ حدیث پھیلی، ابوسعید محمد بن علی قشاب نے کہا کہ ڈیڑھ سو اور ابن مندہ نے کہا کہ تین سو سے زائد۔ حافظ ابوموسیٰ مدینی اور ابواسماعیل ہروی نے کہا کہ سات سو حضرات نے یحییٰ بن سعید سے اس حدیث کو روایت کیا۔ اس پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے، مگر عند التحقیق یہ حدیث صحیح غریب مشہور ہے۔

یہ اُم الاحادیث ہے

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حماد کو بیس باتوں کی نصیحت فرمائی تھی، ان میں انیسویں یہ تھی کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں، ان پر اعتماد کرنا، پھر اس حدیث کو بھی انہیں پانچوں حدیثوں میں ذکر فرمایا۔

سببِ ارشاد

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: مکہ میں ایک شخص نے اُم قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ اُم قیس نے یہ شرط رکھی کہ اگر تم مدینہ ہجرت کر کے چلو تو تم سے نکاح کر لوں گی، انہوں نے ہجرت کی اور ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ ان کو ہم لوگ مہاجر اُم قیس کہتے تھے[1] اس پر علامہ ابن حجر نے اعتراض فرمایا کہ یہ محض قیاس ہے، اس واقعہ کو سببِ ارشاد ٹھہرانا درست نہیں، اس لیے کہ روایتاً ثبوت ضروری ہے اور روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

اسی طرح ابن بطال مشہور محدث نے بحوالہ ابن سراج یہ بتایا کہ اسلام سے پہلے عربی اپنی لڑکیوں کا نکاح عجمی نسل کے لوگوں سے نہیں کرتے تھے۔ اسلام میں ایسے نکاح ہونے لگے تو بہت سے عجمی النسل ہجرت کر کے مدینہ پہنچے کہ ہمارا نکاح عربی عورتوں سے ہو جائے، اس پر یہ ارشاد فرمایا۔ اس پر وہی ایراد ہے کہ اس کا کیا ثبوت کہ اسی وجہ سے یہ ارشاد فرمایا، یہ کہنا کہ ان لوگوں نے ایسی روایت پر اطلاع پائی جبھی تو اسے سبب ٹھہرایا۔ یہ جواب پہلی وجہ میں بھی چل سکتا ہے کہ جن لوگوں نے مہاجر اُم قیس کے واقعہ کو سبب ٹھہرایا، انہیں بھی کوئی روایت معتمد ملی ہوگی۔ واللہ اعلم!

الاعمال

یہ عمل کی جمع ہے اور مرادف فعل ہے، مگر عند الاطلاق افعال سے مراد افعال جوارح ہی ہوتے ہیں اور اعمال عام ہے افعال

---

[1] طبرانی معجم کبیر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جوارح افعال لسان' افعال قلب سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے[1] جس کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا: کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ اور رسول پر ایمان' پوچھا گیا: پھر کون؟ تو فرمایا: جہاد' پھر دریافت کیا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: حج مقبول۔

یہ عبادات' محرمات' مکروہات' مباحات سب کو شامل ہے' مگر یہاں مراد صرف اعمال صالحہ ہیں اور بہ نظر دقیق مباحات بھی۔

نیات

نیت کی جمع ہے۔ نیت' دل کے پختہ ارادے کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اور شریعت میں عبادت کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (تلویح)

ارادہ' عزم' قصد

محققین کے نزدیک ارادہ اس صفت کو کہتے ہیں جس سے دو متساوی چیزوں میں ایک کو ترجیح دی جائے خواہ قدیم ہو خواہ حادث' نیت' عزم' قصد تینوں میں ارادہ حادث مراد ہے۔ اسی لیے ان کا اطلاق باری تعالیٰ پر نہیں ہوتا' بہ خلاف ارادے کے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔

عزم' وہ ارادہ ہے جو فعل پر مقدم ہو۔

قصد' وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور فعل کے ساتھ پایا جاتا ہو۔

نیت' وہ ارادہ ہے جو عمل سے متصل ومقترن ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں عمل کی غایت بھی ملحوظ ہو۔

مثلاً: ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا' سفر شروع کرنے تک عزم ہے' سفر شروع ہونے کے بعد قصد' اور اگر اس میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ حج کا سفر ہے تو نیت۔

امام شافعی کا مذہب

وضو میں نیت شرط ہے یا نہیں؟ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے' اس لیے اگر کسی نے وضو بغیر نیت کے کیا تو اس کا وضو صحیح نہ ہوا' اس وضو سے نماز نہ ہوگی۔ ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے:

امام شافعی کا استدلال

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ الاعمال سے مراد عبادات ہیں' مطلقاً ہر عمل نہیں مثلاً مباح یا گناہ مراد نہیں۔ الاعمال پر الف لام استغراق کے لیے ہے' اس لیے اس میں تمام عبادات داخل ہیں' خواہ وہ مقصودہ ہوں خواہ غیر مقصودہ۔ اور اگر الف لام جنس کے لیے مانیں تو بھی یہی حاصل' اس لیے کہ "انما" حصر کے لیے ہے' نیز مسند الیہ کا معرفہ ہونا بھی مفید حصر ہے' اور جنس کا حصر اسی وقت ہوگا جبکہ اس کے تمام افراد کا حصر ہو۔ اگر ایک فرد بھی خارج ہوگا تو جنس کا حصر نہ ہوگا۔

یہ اتفاق فریقین الاعمال کا مضاف محذوف ہے۔

کسی خاص مضاف کے حذف پر کوئی قرینہ نہیں' اس لیے مضاف محذوف عام ہوگا' یعنی وجود' حصول وغیرہ۔

تو اب مطلب یہ ہوا کہ کوئی عمل بغیر نیت کے موجود نہیں ہوتا۔ یہ باطل اس لیے کہ اذان' قراءت' ذکر وغیرہ بہت سی عبادتوں کا وجود بالاتفاق فریقین ہو جاتا ہے۔

---

[1] حاشیہ خیالی للعبد الحکیم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تواب اس حدیث کے صدق کے لیے یہاں معنی مجازی مراد لینا لازم ہوا اور یہ معنی مجازی حکم ہے اور حکم دو ہیں: دنیوی یعنی صحت وفساد اور اُخروی یعنی ثواب۔

امام شافعی کے یہاں عموم مجاز مراد لینا جائز نہیں اس لیے بہ یک وقت دونوں مراد نہیں ہو سکتے ان دونوں میں صرف ایک ہی مراد ہوگا۔ بہ نسبت ثواب کے صحت عمل کے قریب تر ہے اس لیے کہ صحت عمل پر مرتب ہوتی ہے اور ثواب صحتِ عمل پر یعنی صحت کا ترتب عمل پر بلا واسطہ ہے اور ثواب کا بواسطہ۔ اس لیے صحت مراد لینے کو ثواب پر ترجیح ہوئی۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی اعمال ہیں خواہ مقصودہ ہوں خواہ غیر مقصودہ سب کی صحت نیت پر ہے اگر نیت ہے تو صحیح ورنہ فاسد اس لیے وضو بھی بلانیت صحیح نہیں۔

جواب

اس استدلال سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی عبادت نیت کے بغیر عبادت نہیں اس سے ہمیں انکار نہیں۔ ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ بلانیت کوئی بھی عمل عبادت نہیں حتیٰ کہ وضو و غسل بھی بغیر نیت عبادت نہ ہوں گے مگر کسی عمل کا صحیح ہونا اور بات ہے اور اس کا عبادت ہونا اور بات۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے فی نفسہٖ صحیح ہو مگر عبادت نہ ہو جیسے نکاح۔ اگر بلانیت اطاعت کیا عبادت نہ ہوا مگر شرعاً صحیح ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بغیر نیت وضو کیا تو یہ وضو صحیح اگرچہ عبادت نہ ہوگا اس پر ثواب نہ ملے گا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں: مقصودہ جیسے نماز روزے ان سے مقصود حصولِ ثواب ہے انہیں اگر بغیر نیت ادا کیا جائے تو یہ صحیح نہ ہوں گے اس لیے کہ ان سے مقصود ثواب تھا اور جب ثواب مفقود تو فواتِ مقصود کی وجہ سے اصل شے مفقود۔

دوسری عبادت غیر مقصودہ جو دوسری عبادتوں کے لیے ذریعہ ہوں جیسے نماز کے لیے چلنا وضو غسل وغیرہ۔

ان عبادات غیر مقصودہ کو اگر کوئی بہ نیت طاعت کرے گا تو اسے ثواب ملے گا اور اگر بلانیت کرے تو ثواب نہیں ملے گا مگر یہ ذریعہ و وسیلہ ہونے کے اعتبار سے شرعاً صحیح ہوں گی اور ان سے نماز صحیح ہو جائے گی اور شوافع کے استدلال سے یہ تو ثابت ہوا کہ بغیر نیت وضو عبادت نہیں۔ یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ اس معنی پر صحیح بھی نہ ہوا کہ نماز کے لیے ذریعہ بن سکے۔ یہ اگر عبادت نہ رہا تو کوئی خرابی نہیں۔ ان کا دوسرا اور اہم مقصد ذریعہ عبادت ہونا باقی رہا جیسے چلنا کہ بے نیت طاعت مسجد کی طرف چلا تو یہ عبادت نہ ہوا مگر ذریعہ نماز تو ہو گیا۔ اسی طرح غسل طہارت ظاہری جس میں وضو بھی داخل ہے بے نیت صحیح اگرچہ عبادت نہیں۔

احناف کا استدلال

شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا کہ چند باتیں انہیں بھی تسلیم ہیں: (۱) اعمال سے مراد عبادات ہیں (۲) نیت سے مراد نیت کا شرعی معنی ارادہ طاعت ہے (۳) اور یہاں ''الاعمال'' کا مضاف محذوف ہے (۴) اور یہ ضرورۃً محذوف مانا گیا ہے۔ اب احناف کہتے ہیں: جو چیز ضرورۃً مقدر مانی جاتی ہے وہ بہ قدر ضرورت ہوگی ضرورت سے زیادہ ماننے میں مفاسد کا فتح باب ہے۔

نیز اس کے حذف پر قرینہ بھی ہونا ضروری ہے خواہ عقلی خواہ لفظی خواہ معنوی تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عبادت کا ثواب بغیر نیت نہیں نیز اس حدیث کا اخیر حصہ:

''جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت عورت یا دنیا کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی''۔

اس پر قرینہ ہے کہ کسی بھی عمل خیر پر ثواب نیت ہی سے ملے گا بغیر نیت کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ ان دو عقلی اور لفظی قرائن کی وجہ سے یہاں ثواب کا محذوف ماننا ضروری ہے اور اتنے سے حذف کی ضرورت پوری ہو گئی اور ثواب حکم اُخروی ہے تو حکم دنیوی یعنی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صحت مراد لینا ساقط۔ نیز اگر حکم کو محذوف مانیں اور مراد لیں دنیوی حکم یعنی صحت' تو حدیث کا اخیر حصہ اوّل کے معارض ہوگا' کیونکہ "انما الاعمال بالنیات" کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر نیت عمل صحیح نہیں' یعنی اس کا وجود ہی نہیں اور عامل بری الذمہ نہیں' حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے بلانیت طاعت صرف حصول دنیا یا حصول عورت کے لیے ہجرت کرنے والے کی ہجرت کو ہجرت فرمایا۔ اور ان کو ادائے فرض سے بری الذمہ مانا' ورنہ لازم آئے گا کہ یہ صحابہ تارک فرض ہو کر فاسق ہوئے' کیونکہ قبل فتح مکہ ہجرت فرض تھی اور صحابہ کل عادل' تو ماننا پڑے گا کہ یہ ہجرت صحیح اور ایسے مہاجر بھی ہجرت کے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اس لیے حدیث کے اوّل و آخر کو تعارض سے بچانے کے لیے ثواب کو محذوف ماننا لازم۔ اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ یہاں محذوف ثواب ہے تو حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ اعمال کا ثواب نیت ہی پر ہے' بغیر نیت کسی عمل پر ثواب کا استحقاق نہیں۔

بلکہ اب اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اعمال کو عبادات کے ساتھ خاص رکھا جائے۔ مباحات بھی اگر بہ نیت طاعت کیے جائیں تو ان پر بھی ثواب ملے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب یہ مباحات عبادات ہو جائیں گے' مگر یہاں بحث یہ نہیں کہ کیا چیز مآل کے اعتبار سے عبادت ہو سکتی ہے بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ جو چیز فی الحال عبادت ہے وہی مراد ہے' یا جو فی الحال مباح ہے اور مآل کار عبادت ہو' وہ بھی مراد ہے۔

صرف نیت پر ثواب

اوّل حصے میں "اعمال" افعال جوارح و افعال قلب کو شامل تھا جس میں نیت بھی داخل ہے' مگر نیت کے لیے نیت ضروری قرار دینے میں تسلسل لازم آتا ہے کہ پھر اس نیت کے لیے بھی نیت ضروری ہوگی۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ وہاں "اعمال" سے نیت خارج ہے۔ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" سے نیت کے سوا جملہ اعمال کا حکم بیان فرمانے کے بعد نیت کا حکم ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو اُس کی نیت ہی کا ثواب ملے گا۔

اس کی تشریح اس حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

اذا ھَمَّ عَبدی بسَیئة فلا تکتبوھا واذا ھَمَّ بحَسَنة فلم یعملھا فاکتبوھا حسنة فان عملھا فاکتبوھا عشرًا. (بخاری۔ کتاب التوحید' مسلم۔ کتاب الایمان)

جب کوئی میرا بندہ بُرائی کا ارادہ کرے تو اسے مت لکھنا' جب بندہ کسی نیکی کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کر سکے تو وہ ایک نیکی لکھو' اور اگر اسے کرلے تو دس لکھو۔

غزوۂ تبوک میں ارشاد فرمایا: مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے۔ ہمارے ساتھ نہیں آسکے' وہ بھی ثواب میں ہمارے شریک ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب وہ ہمارے ساتھ شریک نہیں تو ثواب میں کیسے شریک ہو گئے؟ فرمایا: اپنی سچی نیت کی بدولت۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ' حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے مگر اپنی نیت کی بدولت ثواب میں شریک ہیں اور مال غنیمت میں بھی انہیں حصہ ملا۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آدمی اگر کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کر سکے تو اس پر بھی ثواب ملے گا' اسی کو دوسری حدیث میں فرمایا: "نیة المؤمن خیر من عملہ" مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے' اس طرح کہ نیت پر ثواب بلاشرط ہے اور عمل پر بشرط نیت ہے' نیز نیت میں کوئی مشقت نہیں اور عمل میں مشقت ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تفریع

وہ حکم کلی بیان فرمانے کے بعد اس پر دو جزئیے تفریع فرمائی۔ حصر کے دو جز ہوتے ہیں: وجودی' عدمی۔ اسی طرح یہاں بھی ہیں' ایک وجودی یعنی تمام اعمال کا ثواب نیت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا: "جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے"۔

دوسرے عدمی یعنی کسی عمل پر بغیر نیت ثواب نہیں۔ اس پر فرمایا:

"اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی"۔

ہجرت کے معنی

ہجرت کے لغوی معنی: چھوڑنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے:

المهاجر من هجر ما نهى الله عنه. مہاجر وہ ہے جو چھوڑ دے' وہ جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

شریعت میں ہجرت' دین بچانے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ ہجرت کبھی فرض ہوتی ہے' کبھی واجب' کبھی سنت' کبھی مستحب' کبھی حرام' کبھی مکروہ' کبھی خلاف اولیٰ۔

دنیا

"دُنُوٌّ" سے مشتق ہے' "فُعْلٰی" کے وزن پر اسم تفضیل مؤنث ہے۔ "دُنُوٌّ" کے معنی قریب ہونا' دنیا کے معنی لغوی بہت زیادہ قریب ہونے والی اور معنی عرفی سے مناسبت یہ ہے کہ دنیا زوال وفنا کے بہت قریب ہے۔

شریعت میں دنیا کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں' ایک یہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' دنیا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام مخلوقات خواہ اعراض ہوں خواہ جواہر دنیا ہیں۔

ہجرت کی اقسام

حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں چار قسم کی ہجرت ہوئی:

حبشہ کی ہجرت اولیٰ' حبشہ کی ہجرت ثانیہ' قبل فتح مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت' قبائل عرب کی مدینہ کی طرف ہجرت۔ احادیث میں جہاں کہیں ہجرت کا لفظ مطلق آیا ہے' اس سے مراد مدینے کی طرف ہجرت ہے۔ اس کے علاوہ احادیث میں ہجرت کا اطلاق ان معانی پر بھی آیا ہے: (۱) شرعی وجوہ کی بناء پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے' جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی ہجرت بھی منقطع نہ ہوگی' اور توبہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد منقطع ہوگی [۱] اور فرمایا: جب تک جہاد ہے ہجرت ہے جب تک دشمن لڑتا رہے گا' ہجرت ہے۔[۲] اسی میں ایک حدیث یہ بھی ہے: ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی' زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں منتقل ہو جائیں گے اور بقیہ زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے (۲) منہیات شرعیہ چھوڑنا۔

اس حدیث سے کتاب کے آغاز کا مقصد

ہر کام پر ثواب چونکہ حسن نیت ہی پر مبنی ہے اور نیت بد سے اچھے سے اچھا کام بے کار ہے' اس لیے امام بخاری نے اس حدیث

---

[۱] ابوداؤد' نسائی [۲] مسند امام احمد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے کتاب کا آغاز کیا کہ قاری و مقری، شیخ و تلمیذ، تعلیم و تعلم بہ نیت خیر کریں، کسی فاسد نیت سے نہ کریں ورنہ سب محنت اکارت اور رائیگاں ہے۔

۲- ح: [اَقْسَامُ الْوَحْیِ]

وحی کی اقسام

۲- عَنْ عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ یَاْتِیْكَ الْوَحْیُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ فَیُفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَاَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَیُکَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَا یَقُوْلُ قَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَلَقَدْ رَاَیْتُهٗ یَنْزِلُ عَلَیْهِ الْوَحْیُ فِی الْیَوْمِ الشَّدِیْدِ الْبَرْدِ فَیَفْصِمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِیْنَهٗ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے، فرشتہ جو کچھ کہتا ہے اس کو میں یاد کر لیتا ہوں جو کہا جاتا ہے (تو یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے) اور کبھی فرشتہ مرد کی شکل میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے، جو کچھ وہ کہتا ہے اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں وحی اترتی تو نزولِ وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی۔

(بخاری۔ کتاب بدء الوحی۔ کتاب بدء الخلق، مسلم۔ کتاب الفضائل، ترمذی۔ کتاب المناقب، نسائی۔ کتاب الافتتاح، موطا امام مالک۔ کتاب القرآن، مسند امام احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نامی نامی ہے، اُم المؤمنین، صدیقہ خطابات اور اُم عبداللہ کنیت۔ آپ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھانجے حضرت اسماء کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اعتبار سے آپ کی اُم عبداللہ کنیت رکھی۔

اُم المؤمنین خاص انہیں کے لیے نہیں، بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ. (الاحزاب:۶) نبی کی بیویاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

یہ خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام اُم رومان ہے، جن کا وصال ۶ھ میں ہوا۔

حضرت صدیقہ ۴ نبوی میں پیدا ہوئیں، ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حبالہ عقد میں آئیں، دیگر ازواجِ مطہرات کے برابر آپ کا چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد تین سال تک مکہ معظمہ رہیں۔ ہجرت کے بعد جب یہ بھی مدینہ طیبہ آگئیں تو نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ نو سال خدمت اقدس میں رہیں اور بعد وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۸ سال زندہ رہیں ۵۷ھ بہ ماہ رمضان بہ تاریخ ۱۷ شب سہ شنبہ میں بہ عمر ۶۶ سال مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ وصیت کے مطابق دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں بعد نمازِ وتر دفن ہوئیں۔

یہ تمام فضائل و کمالات میں جملہ ازواجِ مطہرات سے ممتاز ہوتے ہوئے تین ایسی خصوصیات رکھتی ہیں جو کسی میں نہ تھیں:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ بہ نسبت دیگر ازواج کے سب سے زیادہ محبت تھی۔

(۲) علم و اجتہاد میں سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرات خلفاء راشدین کے عہد ہی سے فتویٰ دیتی تھیں۔

(۳) جتنی احادیث ان سے مروی ہیں، ازواجِ مطہرات میں سے کسی سے مروی نہیں۔ اسی وجہ سے ایک قول یہ ہے کہ یہ دنیا کی تمام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عورتوں سے مطلقاً حتیٰ کہ حضرت سیّدہ فاطمہ اور حضرت خدیجہ سے بھی افضل ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ حضرت سیّدہ فاطمہ صاحبزادی ہیں' جزئیت رسول کی وجہ سے یہ سب سے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں۔

ایک فاسد استدلال

لیکن یہ استدلال بے وزن ہے' اس لیے کہ پھر لازم آئے گا کہ حضرت قاسم' حضرت طیب' حضرت طاہر' حضرت زینب' حضرت رقیہ' حضرت اُم کلثوم' حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم حضرت سیّدہ کی فضیلت میں مساوی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلکہ خلفائے راشدین سے بھی افضل ہوں' اور اس کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا نہ اہل سنت نہ روافض۔

ایک لطیفہ

ایک دفعہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی حضرت علی پر افضلیت کی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک صاحب نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا: جگر جگر ہے' دِگر دِگر ہے۔

اس پر میں نے بے ساختہ کہا کہ حضرت علی جگر ہیں کہاں؟ پھر لازم کہ حضرت زینب' رقیہ واُم کلثوم وسیّدہ فاطمہ' حضرت علی سے بھی افضل ہوں' بلکہ حضراتِ حسنین اور ان کے صاحبزادگان کا بھی حضرت علی سے افضل ہونا لازم آئے گا کہ یہ سب جگر ہیں اور حضرت علی جگر نہیں' اس پر وہ بہت چکرائے۔

یہ تو محض نقل اقوال واستدلال فاسد کا جواب تھا' ورنہ اپنا ذوق توقف ہے۔ ہاں! یہ تفصیل کی جاسکتی ہے کہ حضرت خدیجہ صدیقہ اور حضرت سیّدہ فاطمہ تمام دنیا کی عورتوں سے افضل' ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل' حضرت خدیجہ اور حضرت صدیقہ اور بناتِ کرام میں سب سے افضل حضرت سیّدہ ہیں۔

ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں' ۱۷۴ متفق علیہ' ۵۴ صرف بخاری' ۶۸ صرف مسلم نے روایت کیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ دین کا چوتھائی حصہ آپ سے مروی ہے' اجلہ صحابہ کرام دقیق سے دقیق' مشکل سے مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور تسلی بخش جواب پاتے۔ تفسیر' حدیث' فقہ' انساب' اسرارِ شریعت کی ماہر تھیں' خطابت میں بھی کمال حاصل تھا۔

حارث بن ہشام

حضرت سیف اللہ خالد بن ولید کے چچازاد اور ابوجہل لعین کے حقیقی بھائی تھے' جنگ بدر واُحد میں قریش کے ساتھ تھے۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے' یہ پہلے گھبرائے ہوئے حضرت اُم ہانی کے پاس آئے اور ان سے پناہ لے لی۔ حضرت علی چاہتے تھے کہ قتل کر ڈالیں۔ حضرت اُم ہانی آڑے آئیں' مقدمہ دربار اقدس میں پیش ہوا۔ اُم ہانی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے جسے پناہ دی ہے علی اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: اے اُم ہانی! جسے تم نے پناہ دی' اسے میں نے بھی پناہ دی۔

حضرت حارث کے بتیس صاحبزادے تھے' جن میں ابوبکر مدینے کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ خلافت فاروقی میں مکہ معظمہ سے شام کی طرف اس عزم سے نکلے کہ اب گھر واپس نہیں آنا ہے' بقیہ عمر جہاد ہی میں بسر کرنی ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ خواہش پوری فرمائی' ۱۵ھ ماہ رجب میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

نبی اور رسول کی تحقیق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی اور رسول ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں: (۱) دونوں ہم معنی ہیں' (۲) دونوں مغائر ہیں' (۳) ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے' (۴) ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

ہم لوگ ہم معنی کہتے ہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد جگہ رسول بولا گیا ہے اور مراد انبیاء ہیں۔ مثلاً فرمایا:

وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ. (البقرۃ:۸۷) موسیٰ کے بعد ہم نے مسلسل رسول بھیجے۔

حالانکہ فرق کرنے والے جو معنی رسول کے بتاتے ہیں' اس معنی میں ان میں کوئی رسول نہ تھا۔ فرمایا:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ. (البقرۃ:۲۸۵) ان رسولوں کے مابین ہم تفریق نہیں کرتے۔

اور فرمایا:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ. (النساء:۱۶۴) ان سے پہلے کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان فرمائے' کچھ کے ابھی نہیں بیان فرمائے۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ کثیر آیتوں میں ''رسول'' سے مراد تمام انبیاء کرام ہیں خواہ بہ معنی مصطلح رسول ہوں' خواہ نہ ہوں' جو لوگ دونوں کے معنی میں مغائرت کے قائل ہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ. (الحج:۵۲) تم سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہم نے بھیجے سب کا حال یہ ہوا کہ ان کی تلاوت میں کبھی کبھی شیطان نے کچھ دخل دیا۔

اس آیت میں نبی پر رسول کا عطف ہے اور عطف دلیل مغائرت ہے' جو لوگ عموم وخصوص کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ کے لیے فرمایا:

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا. (مریم:۵۴) یہ نبی رسول تھے۔

اگر ترادف ہوتا تو دونوں کا ذکر بے فائدہ ہوتا' تغائر ہوتا تو اجتماع محال' تو معلوم ہوا کہ عموم وخصوص ہے۔

انبیاء اور رُسل کی تعداد

علاوہ ازیں حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار' عرض کیا: ان میں رسول کتنے ہیں؟ ارشاد فرمایا: تین سو دس سے کچھ زائد۔ اور ایک روایت میں ہے: تین سو پندرہ[1] تیسری روایت میں ہے: تین سو تیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر رسول نبی ہے' مگر ہر نبی رسول نہیں۔ یہ دلیل ہے عموم خصوص مطلق کی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ عموم خصوص من وجہ ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں پر قرآن مجید واحادیث میں رسول کا اطلاق آیا ہے' مگر ان پر نبی کا اطلاق کہیں نہیں' تو معلوم ہوا کہ فرشتے رسول ہیں مگر نبی نہیں۔ حضرت زکریا' یحییٰ' شعیا وغیرہ نبی ہیں مگر رسول نہیں۔ حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ وغیرہ رسول بھی ہیں نبی بھی ہیں' تو ثابت ہوا کہ عموم خصوص من وجہ ہے۔

جو لوگ نبی اور رسول میں عموم خصوص مانتے ہیں' وہ نبی کی یہ تعریف کرتے ہیں: نبی وہ بشر ہے جس کے پاس من جانب اللہ وحی آئی ہو خواہ صاحب شریعت جدیدہ ودین جدید ہو خواہ نہ ہو۔ رسول وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ودین جدید ہو۔

اس تعریف پر فرشتے بہ معنی مصطلح رسول نہ ہوں گے' اطلاق کا جواب یہ لوگ یہ دیتے ہیں' یہ کہ بہ معنی لغوی ہے۔ مگر اس تعریف پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ ابھی گزرا کہ حضرت اسماعیل رسول تھے مگر یہ شریعت جدیدہ لے کر نہیں آئے۔ حضرت ابراہیم کی شریعت کے پابند

[1] مشکوٰۃ بحوالہ مسند امام احمد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تھے۔ (بیضاوی)

صحف انبیاء کی تعداد

نیز گزرا کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ یا پندرہ تھی اور صحیفے کل ایک سو چار نازل ہوئے' وہ بھی اس تفصیل سے: دس صحیفے حضرت آدم پر' پچاس حضرت شیث پر' تیس حضرت ادریس پر' دس حضرت ابراہیم پر' توریت حضرت موسیٰ پر' زبور حضرت داؤد پر' انجیل حضرت عیسیٰ پر' قرآن ہمارے حضور ﷺ پر۔ (بشیر القاری)

اس کے مطابق صاحبِ کتاب صرف نو انبیاء کرام ہوئے' اس لیے محققین نے یہی اختیار فرمایا کہ نبی اور رسول کی یہ تعریف جامع نہیں اور جامع مانع تعریف یہ ہے:

نبی وہ بشر ہے جس کی طرف وحی ربانی آتی ہو' وہ تبلیغ کا مامور ہو یا نہ ہو۔ رسول وہ ہے جس کے پاس وحی بھی آئے اور وہ تبلیغ کا بھی مامور ہو۔ (جلالین' المعتقد المنتقد' حاشیہ المستند المعتمد)

رسول کی یہ تعریف فرشتوں پر بھی بلا تکلف صادق ہے۔ فرشتوں پر جو رسول کا اطلاق ہوا ہے' اسے معنی لغوی کی طرف پھیرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لیے نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی۔

وحی کے معانی

وحی کے لغوی معنی چھ ہیں: اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام بھیجنا' دل میں بات ڈالنا' خفیہ بات کرنا' ذبح میں جلدی کرنا۔ اصطلاح شرع میں وحی اس کلام کو کہتے ہیں جو کسی نبی پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو۔

اقسام وحی

انبیاء کے حق میں وحی تین قسم پر ہے: (۱) بلا واسطہ مَلَک بنفس نفیس باری عز اسمہ کا کلام قدیم سننا جیسے شب معراج ہمارے حضور ﷺ نے سنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر سنا (۲) فرشتے کی وساطت سے کلامِ ربانی آئے (۳) انبیاء کرام کے قلوب میں معانی کا القاء کیا جائے' جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ رُوْحَ الْاَمِیْنِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ. جبریل امین نے میرے قلب میں القاء فرمایا۔

وحی کی صورتیں

یہ تینوں قسمیں سات صورتوں میں منحصر ہیں' جیسا کہ سہیلی نے ذکر فرمایا۔[۱] (۱) خواب میں ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم ہوا (۲) قلب میں القاء ہو (۳) جرس (گھنٹی) کی آواز کی صورت میں آئے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے (۴) فرشتہ کسی مرد کی شکل میں آ کر کلام ربانی پیش کرے' جیسا کہ جبریل امین' حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حاضر ہوتے (۵) جبریل امین اپنی ملکوتی شکل میں حاضر ہوں کہ ان کے چھ سو بازو ہیں' جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے ہیں (۶) اسرافیل وحی لے کر حاضر ہوں جیسا کہ امام شعبی[۲] نے فرمایا کہ ابتداءً تین سال حضرت اسرافیل وحی پر مقرر تھے' پھر جبریل امین کے سپرد یہ خدمت ہوئی۔ انہیں کی وساطت سے پورا قرآن نازل ہوا (۷) اللہ عزوجل کا کلام قدیم سنیں خواہ بیداری میں' جیسا کہ شب معراج ہمارے حضور نے سنا اور کوہِ طور پر حضرت موسیٰ نے خواہ خواب میں' جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے:

اَتَانِیْ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ میرے پروردگار نے مجھ پر بہترین تجلی فرمائی' پھر پوچھا: ملاء

---

۱ عمدۃ القاری' ۲ مسند امام احمد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الملأ الاعلی. اعلیٰ کس بارے میں بحث کر رہے ہیں؟

پھر یہ سماع حجاب کے ساتھ ہو یا بلا حجاب۔

اس حدیث میں صرف دو مذکور ہیں

وحی کی سات صورتوں میں سے اس حدیث میں صرف دو صورتوں کا بیان ہے:

ایک جرس کی آواز کے مثل؛ دوسرے فرشتہ مرد کی شکل میں آ کر کلام کرے۔ پہلی صورت کو فرمایا کہ یہ وحی آنے کی بقیہ صورتوں میں مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزولِ وحی کی تمام صورتیں سخت تھیں، مگر یہ سب سے زیادہ سخت تھی، اس کی اصل وجہ تو اللہ عزوجل اور اس کے رسول کو معلوم ہے۔

دوسری صورت کی تفصیل میں حضرت اسرافیل کی بھی حاضری شامل ہو سکتی ہے، رہ گئے حضرت جبریل تو ان کا مراد ہونا ظاہر ہے، زیادہ تر یہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں حاضر ہوتے تھے، اور کبھی اجنبی اعرابی کی بھی شکل میں جیسا کہ حدیث: ۴۳ میں مفصل مذکور ہے۔

فرشتے مستقل نوع ہیں

اس حدیث سے بہ صراحت ثابت ہوا کہ فرشتے ایک الگ مخلوق ہیں، ان کی مخصوص نوع ہے، ایسا نہیں کہ عناصر اور عناصر سے پیدا ہونے والی اشیاء کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ ہے، جو شخص مخلوقات کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ رکھے، وہ کافر ہے۔

فرشتوں کی شکل

ہر فرشتے کی ایک اپنی نوعی صورت ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دیکھا کہ پورے افق کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں۔

مگر با ایں ہمہ یہ قوت حاصل کہ جو شکل چاہیں اختیار کر لیں، جیسا کہ حضرت جبریل دحیہ کلبی یا اعرابی کی شکل اختیار کر لیتے تھے، جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں کسی کے سامنے نمودار ہوا۔

نزولِ وحی کے وقت کی حالت

حضرت ام المومنین کا یہ ارشاد: ''میں نے دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں نزولِ وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ ہوتی۔'' یہ عام ہے، ہر وحی کے لیے خواہ جرس کی آواز کے مثل ہو یا انسانی پیکر میں فرشتے کا آ کر کلام کرنے کی حالت ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نزولِ وحی سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، اس کے اثر سے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا، کبھی سرخ ہو جاتا، جیسے بخار سے بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ ویسی بے چینی پیدا ہو جاتی، تنفس تیز ہو جاتا، ناک سے خراٹے کی آواز نکلتی، جاڑوں میں چہرے سے پسینے کے قطرات یوں گرتے جیسے چاندی کے موتی جھڑ رہے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ نزولِ وحی کے وقت اگر سوار ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر لیٹے تھے کہ یہ آیہ کریمہ ''غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ'' نازل ہوئی، معلوم ہوتا تھا کہ ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں کہ بسیط وحی کی وساطت نہ ہوتی تو ران اور اونٹنی کیا ہے، پہاڑ بھی باقی نہ رہتے۔ فرمایا گیا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے تو تم اسے اللہ کے خوف سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. (الحشر:۲۱) جھکا ہوا، پاش پاش دیکھتے۔

اللہ اکبر! جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، اس کے ثقل کا جو تحمل کرے، اس کی قوت کا کیا ٹھکانہ۔ رہ گئی یہ بات "صَلْصَلَةُ الْجَرَس" والی کیفیت میں سب سے زیادہ شدت کیوں تھی؟ اس کو اللہ جانے اور اس کے رسول جانیں۔ شراح حدیث نے مختلف نکات بیان کیے ہیں، مگر سب اپنا اپنا ذوق ہے، اصل راز کسے معلوم؟

"صلصلۃ الجرس" کا مطلب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو ایسی بات بتانا چاہتے جو عقل سے ماورا ہو تو اس کے سمجھانے کے لیے عالم شہادت کی کوئی مناسب مثال ذکر فرماتے۔ یہاں جب حضرت حارث نے وحی کی کیفیت پوچھی اور اس کی یہ کیفیت عام عقول کی دسترس سے باہر تھی تو اس کو یوں سمجھایا کہ جیسے تم لوگ گھنٹے کی آواز سنتے ہو جو تسلسل کے ساتھ آتی رہتی ہے، مگر اس سے کوئی مفہوم نہیں اخذ کر سکتے۔ اسی طرح وحی کبھی اتنے جلال کے ساتھ آتی ہے کہ خطاب کی ہیبت اور ارشاد کا وزن دل پر ایسا چھا جاتا ہے جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا، مگر اس کے باوجود جب یہ کیفیت فرو ہو جاتی ہے تو پوری وحی محفوظ ہوتی ہے جیسے مسموع محفوظ ہوتا ہے۔

یہ کیفیت فرشتوں پر وحی کے مثل ہے، جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں پر کوئی حکم نازل فرماتا ہے تو ہیبت سے فرشتے اپنے بازوؤں کو سمیٹ لیتے ہیں، جن سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے پتھر پر لوہے کی زنجیر گری ہو۔ جب ان کے دلوں سے ہیبت کا یہ اثر دور ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا ارشاد ہوا؟

ان دو صورتوں میں کیا راز ہے؟

ان دو قسموں میں راز یہ ہے کہ متکلم اور سامع میں یک گونہ مناسبت ضروری ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری جو بشری ہے، دوسری باطنی جسے سوائے ان کے رب کے کسی نے نہیں جانا۔ ان دونوں حیثیتوں میں کبھی کسی کو غلبہ ہوتا کبھی کسی کو۔ جب بشری حیثیت کے غلبہ کا وقت ہوتا تو فرشتہ بہ شکل بشر آ کر کلام کرتا ہے اور جب باطنی حیثیت کا غلبہ ہوتا تو باطنی حیثیت کے مطابق صلصلۃ الجرس والی کیفیت کے ساتھ وحی آتی۔ والعلم بالحق عند ربی جلّ مجدہ.

کیفیت وحی سے کتاب کے آغاز کا نکتہ

چونکہ تمام شرائع خواہ عقائد ہوں خواہ اعمال و اقوال، سب کی بنیاد وحی پر ہے۔ اللہ کی ذات و جملہ صفات، رسول اور رسول کے تمام اوصاف، ایمانیات کی پوری تفصیل، عملیات کی جزئیات، سب کا منبع وحی ہی ہے۔ اس لیے امام بخاری نے وحی سے اپنی معرکۃ الآراء کتاب کا آغاز کیا۔ وحی کی حقانیت پر ایمان کے بعد جملہ اصول و فروع پر ایمان بہ منزلہ لازم غیر منفک کے ہے۔

۳- ح: حِرَاءٌ [حدیث حراء]

۳ - عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی، جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی، پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرمانے لگے، آپ وہاں متعدد دنوں تک عبادت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ
لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى
جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ
اقْرَأْ قَالَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ
مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ
فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي
فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ
ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ (العلق:۱-۳)
فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ
فُؤَادُهُ (تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ) فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ
خُوَيْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ
الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيتُ
عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ خَدِيجَةُ (أَبْشِرْ) كَلَّا وَاللَّهِ مَا
يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ (وَتَصْدُقُ
الْحَدِيثَ) وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي
الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ
حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى
بْنِ قُصَيٍّ ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي
الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ (الْعَرَبِيَّ)
فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ (بِالْعَرَبِيَّةِ) مَا شَاءَ
اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ
خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ
يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ
الَّذِي نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا يَا لَيْتَنِي
أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ
قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ (أُوذِيَ) وَإِنْ يُدْرِكْنِي

کرتے رہے، جب تک اپنے اہل کا اشتیاق نہ ہوتا اور اس کے لیے
توشہ لے جاتے تھے، پھر حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لاتے اور
اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے، یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جبکہ آپ
غار حراء ہی میں تھے، اس طرح کہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے عرض
کیا: پڑھیے! آپ نے فرمایا: میں نہیں پڑھتا، حضور نے بتایا: پھر
فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا:
پڑھیے! تو میں نے کہا: میں نہیں پڑھتا، تو اس نے مجھے پھر پکڑا،
دوسری بار طاقت بھر مجھے دبوچا، پھر چھوڑ کر کہا: پڑھیے! تو میں نے
کہا: میں نہیں پڑھتا، حضور نے فرمایا: پھر مجھے پکڑا اور تیسری بار
مجھے طاقت بھر دبوچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: اپنے اس پروردگار کے نام
کے ساتھ پڑھیے جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا (سورۂ
علق کی ابتدائی پانچ آیتیں مالم یعلم تک) اس کے بعد رسول اللہ
ﷺ ان آیتوں کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ آپ کا دل
دھڑک رہا تھا (دونوں شانوں اور گردن کا درمیانی حصہ کانپ رہا
تھا) ف۱ اور حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہنچ کر فرمایا: مجھے
کپڑا اُڑھاؤ! مجھے کپڑا اُڑھاؤ! تو انہوں نے حضور کو کپڑا اُوڑھا
دیا، ف۲ یہاں تک کہ آنحضور کی گھبراہٹ دور ہوگئی، ف۳ اس کے
بعد حضرت خدیجہ کو پورا واقعہ بتا کر اُن سے کہا: میں اپنی جان کو ڈر
گیا ہوں، اس پر حضرت خدیجہ نے عرض کیا: ایسا ہرگز نہ ہوگا، ف۴
(آپ کو بشارت ہو) بخدا! اللہ آپ کو ہرگز رُسوا نہ کرے گا، آپ
صلہ رحمی فرماتے ہیں ف۵ اور سچ بولتے ہیں (اور لوگوں کا بار اُٹھاتے
ہیں) اور لوگوں کو وہ چیز (مال، اخلاق وغیرہ) عطاء فرماتے ہیں جو
ان کے پاس نہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش
آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں، ف۶ اس کے بعد حضور کو
حضرت خدیجہ اپنے ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل
بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس گئیں، ورقہ زمانۂ جاہلیت
میں نصرانی ہوگئے تھے، عبرانی (اور عربی) لکھنا جانتے تھے اور انجیل
کو عبرانی (اور عربی) میں لکھا کرتے تھے، جتنا اللہ کو منظور ہوتا اور اس
وقت بہت بوڑھے نابینا ہوگئے تھے، اُن سے حضرت خدیجہ نے کہا:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

يَوْمُكَ (حَيًّا) أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ النَّبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدّٰى مِنْ رُؤُسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكُلَّمَا أَوْفٰى بِذُرْوَةِ جَبَلٍ لِّكَيْ يُلْقِيَ نَفْسَهُ مِنْهُ تَبَدّٰى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لِذٰلِكَ جَأْشُهُ وَتَقِرُّ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الْوَحْيِ غَدَا لِمِثْلِ ذٰلِكَ فَإِذَا أَوْفٰى بِذُرْوَةِ الْجَبَلِ تَبَدّٰى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ.

(ایضاً۔کتاب التفسیر۔سورۂ علق' کتاب التعبیر' کتاب الانبیاء' باب:واذکر فی الکتاب موسٰی۔اس کے علاوہ مسلم' کتاب الایمان' مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ حدیث ہے)

اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے برادر زادے کی بات سنئے! تو حضور سے ورقہ نے پوچھا: اے برادر زادے! آپ نے کیا دیکھا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا' بتایا۔ اس پر ورقہ نے حضور سے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اُتارا تھا' کاش کہ ان دنوں میں طاقتور جوان ہوتا' کاش کہ اس وقت تک میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں! جب بھی کوئی شخص آپ کی طرح شریعت لے کر آیا تو اس سے دشمنی کی گئی' (اُسے ستایا گیا)' اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا' اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کی وفات ہوگئی اور وحی رک گئی۔ پھر ایک عرصہ تک سلسلۂ وحی منقطع رہا' جس سے نبی کریم ﷺ کو اتنا غم لاحق ہوا جیسا کہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ کئی بار پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھے' تاکہ اپنے کو وہاں سے گرا دیں' پس جب کبھی چاہا کہ پہاڑ کی بلندی سے اپنے کو گرائیں' جبریل ظاہر ہو جاتے اور عرض کرتے: اے محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں' اس سے حضور کی بے چینی دور ہو جاتی اور قرار آ جاتا' پھر لوٹتے پھر وحی کے انقطاع کی مدت دراز ہونے کی وجہ سے ویسا ہی کرتے پھر جب پہاڑ کی بلندی سے اپنے آپ کو گرانا چاہتے تو جبریل وہی کہتے۔

رُویا کی تحقیق

رویا کے معنی خواب ہیں' یہاں "الصالحہ" ہے' کتاب التعبیر میں "الصادقہ" ہے' رُویائے صادقہ یا صالحہ (سچے یا اچھے خواب) وہ ہیں جو انتشار اور شیطان کے دخل سے پاک ہوں' یا جو اپنی تعبیر خود ہوں۔

ہر رویائے صادقہ انبیاء کے حق میں صالحہ ہے' مگر دیگر لوگوں کے اعتبار سے صادقہ کبھی صالحہ ہوتے ہیں کبھی نہیں' رُویا کا اطلاق کبھی مجازاً آنکھ سے دیکھنے پر بھی آتا ہے۔ آیۂ کریمہ:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ.
(الاسراء:۶۰)

ہم نے تم کو جو جلوہ دکھایا اسے لوگوں کے لیے امتحان بنا دیا۔

اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ.

یہ آنکھ سے دیکھنا تھا جیسے رسول اللہ ﷺ کو شبِ معراج دکھایا گیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس لیے ام المومنین نے "فی النوم" کا اضافہ کیا تا کہ یہ متعین ہو جائے کہ یہاں مراد خواب ہی ہے۔

انبیاء کے خواب بھی وحی ہیں

"من الوحی" کی قید اس لیے لگائی کہ معلوم ہو جائے کہ خواب بھی وحی کی اقسام میں سے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَحْیٌ. انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہیں۔

وہ دلائل نبوت جو وحی سے قبل ظاہر ہوئے، جیسے دھوپ میں ابر کا سایہ کرنا، درخت کے سائے کا آنحضور کی طرف جھک جانا، بحیرا راہب کا واقعہ، شجر و حجر کا سلام کرنا، غیبی آوازیں سننا، روشنی دیکھنا، اس میں داخل نہیں۔

مقدمات وحی کی حکمت

سچے خواب دیکھنا، غیبی آواز سننا، روشنی دیکھنا، قوائے بشری کو غیبی باتوں سے مانوس کرنے اور ان کے تحمل کی تمرین کے لیے تھا کہ جب اچانک فرشتہ آ جائے تو قوائے بشری جواب نہ دے جائیں۔

ظہور نبوت کی ابتداء

ان رویائے صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی[1] جب یہ طے ہے کہ سورۂ اقراء کا نزول رمضان میں ہوا تو معلوم ہوا کہ رویائے صالحہ کی ابتداء ربیع الاول شریف سے ہوئی۔ اسی طرح ربیع الاول شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے چار خصوصیات وابستہ ہوئیں: ولادت، وصال، تکمیل ہجرت، ظہور نبوت۔

حرا میں خلوت کی ابتداء

"ثُمَّ" ترتیب کے ساتھ تاخیر پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے مستفاد ہوا کہ بہ ذریعہ خواب وحی کی آمد کے کچھ بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں اس مخصوص خلوت نشینی کی محبت پیدا ہوئی۔

"حُبِّبَ اِلَیْهِ الْخَلَاءُ" اس بات پر قرینہ ہے کہ اس کا القاء بہ ذریعہ وحی ہی ہوا، اس لیے اس سے ثابت ہوا کہ اہل و عیال سے الگ تھلگ رہ کر پہاڑ کے غار میں یا کسی بھی جگہ خلوت نشینی سنت ہے۔ خلوت نشینی کو سادھو پن، جوگی پن کہنا سنت پر طنز ہے۔

لفظ حراء کی تحقیق

"حراء" حاء کے زبر کے ساتھ بھی ہے اور زیر کے ساتھ بھی۔ "حرا" بغیر ہمزہ کے اور "حراء" ہمزہ کے ساتھ بھی ہے، یہ منصرف بھی ہے جبکہ اس کی تاویل کی جائے اسم مکان کے ساتھ تو مذکر ہوگا سوائے علمیت کے، اسباب منع صرف میں سے کوئی اور سبب نہ ہوگا۔

اور غیر منصرف بھی جبکہ اس کی تاویل یوں ہو: "اسمُ بقعة" تو اب مؤنث معنوی ہوگا اور علم ہے ہی۔

"حِراء" حاء کے زیر اور ہمزہ کے ساتھ روایت ہے۔ دوسرے اصیلی کی روایت "حَرا حاء" کے زبر اور بغیر ہمزہ کے ہے۔

حراء کی مقدار اور جگہ

"حراء" مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں منیٰ جاتے ہوئے بائیں جانب ایک پہاڑ ہے، جس کو اب جبل نور کہتے ہیں، اس میں تین چٹانیں اس طرح مل گئی ہیں کہ ایک چھوٹا سا حجرہ بن گیا، جس میں دو آدمی تنگی کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں جانے کا ایک ہی

---

[1] سفر السعادت، فتح الباری، عینی بحوالہ بیہقی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

راستہ ہے وہ بھی دشوار گزار سکڑ سمٹ کر آدمی پہنچتا ہے اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی کہیں ۴/۱ ہاتھ اور کہیں اس سے بھی کم ہے۔ (سفر السعادت)

حراء میں خلوت کی حکمت

یہاں خلوت گزینی میں دو حکمتیں تھیں ایک تو یہ کہ یہاں سے کعبہ مقدسہ صاف نظر آتا ہے۔ کعبہ کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے اس طرح تین عبادتیں جمع ہو گئیں۔ خلوت عبادت کعبہ کی زیارت۔ دوسرے یہ کہ ''دیوان صالحین'' اسی غار میں ہمیشہ سے قائم ہوتا چلا آ رہا ہے جس میں اُمور عالم طے ہوتے ہیں۔ بعثت نبوی سے پہلے فرشتوں کا دیوان قائم ہوتا تھا بعثت کے بعد دیوان اولیاء[1] اسی میں قائم ہوتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عبدالمطلب نے اس میں خلوت گزینی کی تھی ان کی اس خلوت گزینی کی وجہ سے قریش غار حراء کو بابرکت جانتے تھے۔ واقعۂ فیل کے وقت بھی عبدالمطلب نے اس میں ابرہہ سے نجات کے لیے دعا کی تھی۔ اسی لیے آنحضور نے بھی اس کو اختیار فرمایا۔ یہ پہلی خلوت گزینی نہیں تھی بلکہ عادت کریمہ تھی کہ ہر سال رمضان میں ایک ماہ اس میں اعتکاف فرماتے تھے جیسا کہ مرقاۃ میں ہے۔

''تحنّث'' کے معنی

''يَتَحَنَّثُ'' باب تفعل سے مضارع مادہ ''حِنث'' ہے اس کے معنی گناہ کے ہیں۔ باب تفعل کی خاصیت ''تجنُّب'' ہے یعنی فاعل کا مادہ سے پہلو بچانا۔ اس طرح ''تحنث'' کے معنی گناہ سے بچنے کے ہوئے عبادت گناہ سے بچنے کا سبب ہے اس لیے اطلاق سبب علی المسبب کے علاقہ سے مجازاً عبادت کے معنی میں ہو گیا۔

یا اصل میں یہ ''يَتَحَنَّفُ'' ثا کے بجائے فا کے ساتھ تھا۔ خلاف قاعدہ فا کو ثا سے بدل دیا جیسے ''جدف'' اصل میں ''جدث'' تھا ''تحنف'' کے معنی ہوئے: دین حنیفیہ (ابراہیمی) کی اتباع کرنا تحنث بہ معنی تعبّد عرب میں رائج تھا۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اشياء كُنتُ اَتَحَنَّثُ'' کچھ کام میں عبادت کے طور پر کرتا تھا یہ اضداد میں سے بھی ہے ارتکاب گناہ کے معنی میں آیا ہے۔ اُم المؤمنین کا ارشاد ہے: ''لَا اَتَحَنَّثُ اِلٰى نَذْرِیْ'' میں اپنی نذر نہ ادا کر کے گناہ نہ کروں گی۔ اسی وجہ سے یہاں تفسیر کی حاجت پیش آئی۔

''تحنث'' کی یہ تفسیر اُم المؤمنین کی نہیں بلکہ حضرت عروہ یا امام زہری وغیرہ کسی راوی کی طرف سے ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ زہری کی تفسیر ہے مگر انہوں نے اس پر کوئی نقل نہیں پیش کی۔

حراء میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے؟

آنحضور غار حراء میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے اس بارے میں آٹھ اقوال ہیں: (۱) کسی شریعت کے تابع نہ تھے یہ جمہور کا قول ہے (۲) حضرت آدم کی (۳) حضرت نوح کی (۴) حضرت ابراہیم کی (۵) حضرت موسیٰ کی (۶) حضرت عیسیٰ کی (۷) کسی معین شریعت کے تابع نہ تھے بلکہ شرائع سابقہ میں سے جو جو باتیں پسند آئیں ان پر عمل پیرا تھے اس لیے یہ عبادت انہیں میں سے کسی کے مطابق تھی (۸) اس بارے میں توقف کیا جائے۔ امام غزالی نے اسی کو اختیار فرمایا اس لیے کہ کسی شریعت کی اتباع پر دلیل نہیں۔

---

[1] دیوان اولیاء کی پوری تفصیل بشیر القاری میں ملاحظہ کریں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لیکن احناف کا مختار یہ ہے کہ کسی سابقہ شریعت کے پابند نہ تھے' کشف صادق سے آپ کے نزدیک جو طریقہ ثابت ہوا' اسی طرح عبادت فرماتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس عبادت کو شریعت ابراہیمی یا کسی اور نبی کی شریعت کے ساتھ مطابقت رہی ہو[1] اس لیے کہ ثابت ہے کہ آپ قبل بعثت بھی نبی تھے' کبھی کسی نبی کے اُمتی نہ رہے۔ اس لیے کسی نبی کی متابعت کا سوال ہی نہیں[2] مگر دوسری روایت میں "یتحنّفُ" وارد ہے' یہ اس کی دلیل ہے کہ اس عبادت کو شریعت ابراہیمی سے مطابقت تھی کیونکہ اس کے معنی ہیں: طریق ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنے کے اور ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔

یہ طریقہ بہ ذریعہ وحی القاء ہوا

یہ عبادت جس طریقے سے بھی کرتے تھے' اس طریقے کی دریافت حضور اقدس ﷺ نے اپنے اجتہاد سے کی تھی یا من جانب اللہ اس کی تعلیم دی گئی تھی' دونوں قول ہیں' مگر جب آغاز وحی ہو چکا تھا تو ظاہر یہی ہے کہ بہ ذریعہ وحی اس کی تلقین ہوئی تھی۔

طریقۂ عبادت

یہ عبادت بالارکان یا صرف باللسان' یا صرف بالقلب تھی' یعنی کچھ مخصوص اعمال ادا فرماتے تھے' جیسے قیام' سجود' یا صرف زبان سے کچھ کلمات پڑھتے تھے' یا صرف مراقبہ فرماتے تھے' یا سب کچھ تھا۔ علماء نے الگ الگ رائیں قائم کی ہیں۔ مواہب اللدنیہ میں ہے کہ ابن مرابط وغیرہ کا قول ہے کہ یہ عبادت صرف بالتفکر تھی۔ علامہ مجد الدین شیرازی و حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا فیصلہ یہ ہے کہ بالذکر تھی۔ اخیر کی تائید میں حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے شرح سفر السعادت میں یہ فرمایا کہ ذکر' فکر سے افضل ہے' مگر اتنے سے دلیل تام نہیں ہوئی' اس کے ساتھ یہ مقدمہ بھی لگانا پڑے گا اور نبی کی یہ شان نہیں کہ مفضول پر عمل کرے' لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ یہ مقدمہ کلیۃً تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کبھی ضرورت داعی ہوتی ہے تفکر کی' اس وقت تفکر ذکر سے افضل ہوتا ہے۔ بہر حال جس نے بھی ترجیح دی' قیاس سے دی اور یہاں قیاس کو دخل نہیں' روایت ضروری ہے۔

لیکن کسی بزرگ نے اس کے ثبوت میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی' اور یہ حسن ظن کہ جب قول کیا ہے تو کوئی نہ کوئی دلیل ضروری ہوگی' سبھی کے ساتھ ہونا چاہیے' کسی ایک بزرگ کے ساتھ مخصوص کیوں ہے۔ اسی لیے بھی قول مساوی درجے میں ہوئے۔ اس لیے اس خادم کا مختار یہ ہے کہ یہاں بھی توقف ہی مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم!

کس ندانست کہ منزل گہ آں یار کجاست ❊ ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

خلوت کے فوائد

جب آدمی علائق دنیویہ سے الگ ہو کر ایک گوشے میں رہنا اختیار کرتا ہے تو ہزاروں لایعنی باتوں سے نجات پا جاتا ہے' اور دل ایک طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اب آدمی اگر متوجہ الی اللہ ہے تو یہ توجہ قوی سے قوی تر ہوگی' اس میں ثبات و استحکام ہوگا' اس تعلق میں جتنی قوت اور استمرار ہوگا' اسی قدر انوار الٰہی و اسرار الٰہی کا انکشاف ہوگا' جس سے تحمل وحی میں آسانی پیدا ہوگی۔

آدمی جب لوگوں سے اختلاط رکھتا ہے تو لامحالہ اسے ہزاروں طرح کے معاملات درپیش ہوتے ہیں' کسی کی محبت کسی سے عداوت کسی سے لڑائی' کسی سے کبھی خوش کبھی کسی سے ناراض' کبھی غم' کبھی فکر نان و خورش' لباس و سکنیٰ وغیرہ وغیرہ' خصوصاً متعلقین سے روابط اور ان روابط کے اثرات دل پر پڑتے ہیں جس سے دل کی توجہ بٹتی ہے' پھر جذبات کی تکمیل کی خواہش اور اس خواہش کے لیے جد و جہد۔ ان میں معرکہ آرائیاں' ہیجانِ نفس کا باعث ہو سکتے ہیں اور پھر اس سے جو مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں' وہ سب کو معلوم ہے۔

---

[1] درمختار [2] شامی۔ ج ۱ ص ۲۳۹۔ کتاب الصلوٰۃ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کتنے گناہوں سے آدمی خود بخود خلوت میں جا کر محفوظ ہو جاتا ہے' اسے ہر شخص جانتا ہے' اور گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق میں کتنے حارج ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں' اس لیے خلوت سے بڑھ کر گناہوں سے روکنے والی کوئی چیز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ تحمل وحی کے لیے جس صفاء قلب اور جس درجہ توجہ الی اللہ درکار تھی' اس کے لیے یہ خلوت نشینی اختیار فرمائی۔

عبادت کا فائدہ

یہ اس لیے نہیں کہ حصولِ نبوت میں کسب کو دخل ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ نبوت کسب و ریاضت و مجاہدے سے نہیں ملتی' صرف فضل ایزدی سے ملتی ہے' اس میں کسب کو اصلاً دخل نہیں' یہ دوسری بات ہے کہ جب کوئی اس منصب پر فائز ہو جاتا ہے تو عبادت و ریاضت جو نبوت کے لوازم ہیں' سب پائے جاتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ تو حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے ہی منصب نبوت پر فائز تھے' پھر حصولِ نبوت کے لیے کسب و ریاضت کے کیا معنی؟

حراء میں کتنے دن خلوت فرمائی؟

غارِ حراء میں حضور اقدس ﷺ نے کل کتنے دنوں عبادت کی؟ اور کتنے دنوں کے بعد واپس ہوتے تھے؟ اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ قیاس سے کہا گیا کہ کم از کم تین دن کے بعد واپس آتے تھے اور زیادہ سے زیادہ ایک مہینے پر یا چالیس دن پر۔

غار حراء میں عبادت کی کل مدت بعض حضرات نے ایک مہینہ بتائی ہے' اس پر مسلم شریف کی اس حدیث سے استدلال کیا' جو حضرت جابر سے مروی ہے:

جَاوَرْتُ حِرَاءً شَهْرًا۔ کہ میں حراء میں ایک مہینہ رہا۔

لیکن سب کو معلوم ہے کہ یہ نزولِ وحی کے بعد فترۃ وحی کے ایام کی بات ہے' اور یہاں گفتگو نزولِ اقراء سے پہلے والی خلوت میں ہے۔ اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی حراء میں خلوت فرمائی جیسا کہ پہلے فرمایا کرتے تھے۔

اہل کی تحقیق

"اھل" "آل اور اہل ہم معنی ہیں دونوں کے معنی گھر کے لوگ' البتہ آل کا اطلاق معززین پر ہوتا ہے' عام اس سے کہ ان کو اعزاز دینی و دنیوی دونوں حاصل ہو یا صرف ایک جیسے آل نبی و آل فرعون۔ آل کے معنی متبع و پیروکار کے بھی ہیں' اس معنی میں آل فرعون' فرعون کے تمام پیروؤں کو کہا گیا۔

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: "مَنْ اٰلُ مُحَمَّدٍ" ارشاد فرمایا: "كُلُّ تَقِيٍّ" اور دوسری حدیث میں ہے: "مَنْ تَبِعَنِيْ فَهُوَ اٰلِيْ" جو میری پیروی کرے' میری آل ہے' یہاں اہل سے مراد گھر کے لوگ بیوی بچے ہیں جن میں حضرت خدیجہ بھی داخل ہیں' جب یہاں اہل میں بیوی داخل ہے تو اہل بیت میں ازواجِ مطہرات بھی داخل ہیں' گھر والوں کے اشتیاق میں خلوت چھوڑ کر گھر تشریف لانے سے ثابت ہوا کہ بال بچوں کی محبت' ان کی خبر گیری' عبادت سے کم نہیں۔

اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

وہ خوش نصیب فخر کائنات خاتون ہیں جنہیں سب سے پہلے سید الانبیاء ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا' جب تک یہ زندہ رہیں کسی آپ نے اور سے نکاح نہیں فرمایا' انہیں کے بطن سے اولاد ہوئیں۔ ایک قول پر یہی سب سے پہلے ایمان لائیں' حضور اقدس ﷺ سے پہلے ان کا نکاح ابوہالہ ہند بن زرارہ سے ہوا تھا۔ اس سے دو فرزند ہالہ اور ہند پیدا ہوئے' دونوں ایمان سے مشرف ہوئے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہند واقعہ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے اسی میں شہید ہوئے[1] ان کے صاحبزادے کا نام ہند تھا' ان کا بصرہ کے طاعون میں وصال ہوا۔ جس دن ان کا وصال ہوا تھا' ستر ہزار موتیں ہوئی تھیں۔ سب لوگ اپنے اپنے جنازوں میں مصروف تھے' ان کا جنازہ مبارکہ اٹھانے والا کوئی نہیں تھا' یہ دیکھ کر ایک عورت نے چلا کر کہا:[2] ''وَاهِنْدَاهُ بْنِ هِنْدَاهُ وَابْنِ رَبِيْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ'' فوراً تمام جنازے چھوڑ کر لوگ ان کے جنازے پر ٹوٹ پڑے' حال یہ ہوا کہ انگلیوں کے پوروں پر ان کا جنازہ لے جایا گیا۔

اصابہ میں ہے کہ جب آیہ کریمہ ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرْ'' نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو! سب یک بارگی ٹوٹ پڑے' گھر خبر پہنچی تو حارث بن ابو ہالہ آئے' حضور کو بچانے کی کوشش کی تو ظالموں نے انہیں شہید کر ڈالا۔ راہِ خدا میں یہ پہلے شہید ہیں' یہ حارث بھی حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے یا ابو ہالہ کی کسی اور زوجہ کے بطن سے تھے' اس کی تفصیل نہیں مل سکی۔

ابو ہالہ کی موت کے بعد حضرت خدیجہ کا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا' اس سے بھی ایک لڑکی ہندہ پیدا ہوئی' عتیق بن عائذ کے مرنے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی زوجیت میں واقعہ حراء سے پندرہ سال پہلے آئیں' بہ وقت عقد ان کی عمر چالیس سال اور حضور اقدس کی پچیس سال تھی۔ نکاح پر باعث جو واقعہ ہوا' وہ کتب سیر میں مذکور و مشہور و معروف ہے۔ مکہ معظمہ ہی نہیں' عرب کی دولت مند ترین خاتون تھیں' اپنا سب مال قربان فرمایا اور ہر حال میں ہر مشکل میں سرکار کی مونس و ہمدم و ہم ساز رہیں۔

پینسٹھ سال کی عمر میں تقریباً پچیس سال رفاقت کر کے سنہ ١٠ نبوی عام الحزن میں بہ ماہ رمضان وصال فرمایا اور حجون مکہ معظمہ کے قبرستان میں جسے اب جنت المعلیٰ کہا جاتا ہے' مدفون ہوئیں' حضور اقدس خود ان کی قبر میں اترے' ان کے لیے دعائے خیر کی' اس وقت تک نمازِ جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔

اولاد

ان کے بطن سے حضور اقدس ﷺ کی چار صاحبزادیاں' حضرت رقیہ' حضرت زینب' حضرت ام کلثوم' حضرت فاطمہ اور تین صاحبزادے حضرت قاسم' حضرت طیب' حضرت طاہر تولد ہوئے۔

صاحبزادگان قبل بعثت ہی داغِ مفارقت دے گئے' چاروں صاحبزادیاں اسلام سے مشرف ہوئیں' کت خدا ہوئیں اور عہد مبارک میں تین اول الذکر وفات پا گئیں۔ حضرت سیدہ بعد وصال چھ ماہ کے بعد راہیٔ جنت ہوئیں۔

نسب' لقب' کنیت

ان کا لقب طاہرہ' کنیت ام ہند ہے۔ والد کا نام خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم ہے۔ ماں عامر بن لوی سے ہیں' حضرت خدیجہ کا نسب قصی پر جا کر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان سے حضور اقدس ﷺ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد عادت کریمہ تھی کہ بکری ذبح کر کے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: مجھے ازواج میں کسی پر اتنا رشک نہ ہوتا' جتنا حضرت خدیجہ پر ہوتا۔ حضور ان کا اکثر تذکرہ فرماتے۔ کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے کہہ دیا: آپ تو ان کا تذکرہ ایسا کرتے ہیں گویا دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں۔ فرمایا: ہاں ہاں! وہ ایسی ہی تھیں' وہ ایسی ہی تھیں' ان سے میری اولاد ہوئی۔

---

[1] زرقانی ج ا [2] زرقانی ج ا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرماتی ہیں: ایک مرتبہ ان کے تذکرے پر میں نے کہہ دیا: آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مر چکی۔ فرمایا: بات یہ ہے کہ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا' اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی' لوگ کافر تھے وہ مسلمان ہوئیں' جب میرا کوئی حامی نہ تھا انہوں نے میری حمایت کی۔

ایامِ وحی میں حضور کی خلوت

غارِ حراء میں خلوت کے ایام میں کبھی کبھی کھانا لے کر حاضر ہوتیں' ایک بار جبریل آئے اور فرمایا: خدیجہ سالن یا کھانا (راوی کو شک ہوگیا) لے کر آرہی ہیں' وہ آجائیں تو اللہ عزوجل کا اور میرا سلام کہئے! اور یہ بشارت دیجئے کہ جنت میں ان کے لیے موتی کا محل ہے' جس میں نہ شور ہوگا نہ کوئی تکلیف۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزولِ اقراء کے بعد بھی آپ ﷺ کبھی کبھی غارِ حراء میں خلوت گزینی کے لیے تشریف لے جاتے۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام عورتوں میں یہ افضل ہیں' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ قَالَ اَبُوْ كُرَيْبٍ وَّاَشَارَ وَكِيْعٌ اِلَى السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ. (بخاری ومسلم)

زمین و آسمان کی سب عورتوں سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور زمین و آسمان کی سب عورتوں سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

مراد یہ ہے کہ حضرت مریم اپنے زمانہ کی سب عورتوں سے بہتر اور حضرت خدیجہ اپنے زمانہ کی سب عورتوں سے بہتر ہیں۔ یہ اُمت تمام اُمتوں سے افضل تو جبکہ حضرت خدیجہ اس اُمت کی عورتوں سے بہتر تو مریم سے بھی افضل' لیکن ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس باب میں توقف ہی اسلم ہے۔

ضروریاتِ زندگی جمع کرنا منافی توکل نہیں

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں' ایک یہ کہ اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق اہل و عیال کے ساتھ لگاؤ کے منافی نہیں' بلکہ کمال یہی ہے کہ دونوں سے تعلق رہے' بلکہ اہل و عیال کے ہوتے ہوئے ان سے ایک دم بے تعلق ہو کر گوشہ نشینی خلافِ سنت ہے۔

دوسرے یہ کہ بہ قدرِ ضرورت کھانے پینے کا سامان آئندہ کے لیے پاس رکھنا توکل کے منافی نہیں۔

نزولِ اقرأ کی تاریخ' اس وقت عمر مبارک اور ''مَلَكٌ'' کی تحقیق

حدیث میں لفظ ''الحق'' ہے' اس سے بالاتفاق مراد وحی ہے۔ یہ واقعہ بروز دوشنبہ ۱۷ رمضان المبارک کو ہوا[1] جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

''مَلَكٌ'' اصل میں ''مَلْاَكٌ'' تھا' ''يَسْئَلُ'' کے قاعدے سے ہمزہ گر کر ''مَلَكٌ'' ہو گیا' اسی لیے اس کی جمع ملائکہ آتی ہے' ساقط شدہ ہمزہ جمع میں واپس آگیا اور تاء جمع کی تانیث کے لیے ہے۔ ''مَلْاَكٌ'' اصل میں ''مَـــاْلَكٌ'' تھا' اَلُوکٌ سے جس کے معنی پیغام رسانی کے ہیں' خلافِ قیاس قلب کر کے ''مَلْاَكٌ'' ہوا۔

فرشتوں کی حقیقت

فرشتے اللہ عزوجل اور اس کے بندوں کے مابین واسطہ ہیں' یہی پیغام لاتے ہیں' یہی تمام نعمتیں پہنچاتے ہیں' اسی مناسبت سے

---

[1] فتح الباری بحوالہ ابن سعد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان کو ملک کہا جاتا ہے۔ ملک' فرشتہ' جسم نوری علوی رکھتے ہیں۔ انہیں یہ قدرت ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کر لیں۔ یہ مختلف کاموں پر مامور ہیں' کچھ معرفتِ الٰہی میں مستغرق ہیں' کچھ عالم کا نظام چلانے پر' ان میں سے کچھ وہ ہیں جو رسول ہیں جن میں جبریل امین بھی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا. (الحج:۷۵) اللہ فرشتوں میں سے رسول منتخب فرمالیتا ہے۔

رُسُل ملائکہ سارے فرشتوں سے افضل ہیں اور انبیاء کرام کے علاوہ تمام انسانوں سے بھی حتیٰ کہ صحابہ کرام حتیٰ کہ صدیق اکبر سے بھی۔ بلا استثناء سب فرشتوں سے افضل جبریل امین ہیں۔

حراء میں جبریل علیہ السلام آئے تھے

صحیح یہ ہے کہ یہاں فرشتے سے مراد حضرت جبریل امین ہیں' اس لیے کہ پورا قرآن یہی لے کر آئے ہیں' ان کے علاوہ کوئی دوسرا ایک کلمہ نہیں لایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء:۱۹۴) اسے روح امین نے اُتارا ہے ۝

حضرت جبریل کی انبیاء کی بارگاہوں میں حاضری کی تعداد

حضرت جبریل' حضرت آدم کی خدمت میں بارہ مرتبہ' حضرت ادریس کی خدمت میں چار مرتبہ' حضرت نوح کی خدمت میں پچاس مرتبہ اور حضرت ابراہیم کی خدمت میں بیالیس مرتبہ' حضرت عیسیٰ کی خدمت میں دس مرتبہ' تین بار بچپن میں سات بار بڑے ہونے کے بعد' حضرت یعقوب کی خدمت میں چار بار' حضرت ایوب کی خدمت میں تین بار' اور سیّد الانبیاء ﷺ کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ باریابی سے مشرف ہوئے۔ (زرقانی ج۱ص ۲۳۴)

حراء میں نزولِ وحی کی صورت

پہلی حدیث میں وحی کی دو صورتیں بیان ہوئیں' ایک صلصلۃ الجرس کے مثل' دوسرے فرشتے کا انسانی شکل میں حاضر ہو کر کلام کرنا۔ حدیث کا سیاق وسباق اس پر نص ہے کہ نزولِ وحی دوسری ہی صورت میں تھی' مثلاً یہ کہنا: پڑھو! پھر بار بار دبانا' چھوڑنا' پھر یہ کہنا: پڑھو!

تفصیلی کیفیت

غار حراء سے آتے جاتے راستے میں سنتے کوئی کہتا ہے: "السلام عليك يا رسول الله" اِدھر اُدھر دیکھتے کہ کون ہے؟ مگر سوائے شجر و حجر کے کوئی نظر نہ آتا۔ غار حراء میں خلوت اور آنا جانا اسی طرح جاری رہا کہ ایک بار کوہِ حراء پر تشریف فرما تھے کہ ایک باعظمت شخص ظاہر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! آپ کو بشارت ہو! میں جبریل ہوں' آپ کے پاس اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اللہ کا پیغام آپ تک پہنچا دوں اور آپ کو بتا دوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (شرح سفر السعادت)

"ما انا بقاریٔ" کا وجد آفریں معنی

"مَا اَنَا بِقَارِئٍ" کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں' لیکن ہمارے مشائخ نے یہ ترجمہ کرایا: "میں نہیں پڑھتا" یہ ترجمہ زیادہ انسب وارجح ہے اس لیے کہ غار حراء میں حضور اقدس ﷺ مشاہدۂ ذات وصفاتِ الٰہی میں اتنے مستغرق تھے کہ وہاں کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی' جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا: "لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مُرْسَلٌ "اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس میں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشاہدہ ذات وصفات میں استغراق تام کی وجہ سے قراءت کی استدعا کا جواب یہی بنتا ہے: "میں نہیں پڑھتا"۔

نیز یہ ترجمہ محاورۂ عرب کے مطابق بھی ہے کہ یہ ترکیب حال یا استقبال کے لیے استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ قبل فتح مکہ حضرت ابوسفیان تجدید صلح کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر ان سے درخواست کی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کر دیں تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: "مَا اَنَا بِفَاعِلٍ"[1] میں نہیں کروں گا۔ خود قرآن مجید میں برادران یوسف کا قول مذکور ہے: "وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا" آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔

بار بار سینے سے لگا کر دبانے سے اس استغراق میں کمی ہوئی، تو جبریل نے عرض کیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ. (العلق:۱) اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔

جب یہ سنا کہ میں جس عالم میں تھا، اسی کی بات یہ بھی کر رہے ہیں، جس کے شہود میں مستغرق تھا، اُسی کا ذکر کرانا چاہتے ہیں تو بلا تامل پڑھا، کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اُسے جھنجھوڑا جائے۔ ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے۔ یہاں جھنجھوڑنا منافی ادب ہے۔ اس لیے سینے سے لگا کر تین بار قوت بھر دبایا، یہاں تک کہ وہ کیفیت خاص فرو ہوئی اور آپ نے بلا تکلف پڑھا۔

"الجُهد" کی تحقیق

یہاں "الجهد" کا لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے "جَهْدٌ" اور جیم کے ضمہ کے ساتھ بھی "جُهْدٌ"۔ قاموس میں "جَهْدٌ" بہ معنی طاقت اور "جُهْدٌ" کے معنی مشقت مذکور ہے اور دونوں کے معنی غایت بھی۔ عینی میں بتایا کہ دونوں کے معنی غایت اور مشقت کے ہیں، اور اسی میں محکم کے حوالے سے کہا کہ دونوں کے معنی طاقت کے ہیں۔ ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ دونوں کے معنی مشقت کے ہیں اور اسی میں محکم کے حوالے سے کہا کہ دونوں کے معنی طاقت کے ہیں۔ ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ دونوں کے معنی مشقت کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ "جُهْد" کے معنی مشقت اور "جَهْد" کے معنی طاقت۔

قرآن مجید میں دونوں لفظ وارد ہیں۔ سورۂ توبہ میں ہے: "وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ" (توبہ:۷۹) اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔ سورۂ نور اور سورۂ فاطر میں ہے: "وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ" (النور:۵۳، فاطر:۴۲) اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اور اپنی قسموں میں حد کی کوشش کی۔

جلالین میں "جُهْدَهُمْ" کی تفسیر "طاقتهم" اور "جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ" کی تفسیر "غَايَةَ اِجْتِهَادِهِمْ فِيهَا" کی ہے اس سے ظاہر کہ قرآن مجید میں "جُهْد" بہ معنی طاقت اور "جَهْد" بہ معنی غایت اجتہاد وارد ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ دونوں انہیں معنوں میں منحصر ہیں کہ "جُهْد" کا معنی طاقت ہی ہے غایت اجتہاد نہیں، یا "جَهْد" کا معنی غایت اجتہاد ہی ہے طاقت نہیں۔ اس کا احتمال بھی ہے کہ دونوں کے معنی طاقت ہوں یا دونوں کے معنی غایت اجتہاد ہوں، دونوں کے معنی طاقت ہیں۔ یہ خود قرآن مجید سے ثابت ہے کہ "لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ" (التوبۃ:۷۹) میں دونوں قراءت ہے یعنی جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی اور ضمہ کے ساتھ بھی۔ اور دونوں بہ معنی غایت اجتہاد ہیں، یہ قاموس سے ظاہر۔ ہندوستانی مطبوعہ بخاری کے حاشیے پر کرمانی کے حوالے سے دونوں کے تین معنی: طاقت، مشقت، غایت لکھے ہیں۔

[1] سیرۃ ابن ہشام

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اب یہاں چار احتمال ہیں: ''الجُهْدُ' الجُهْد'' دال کے ضمہ کے ساتھ'اس بناء پر یہ ''بَلَغَ'' کا فاعل ہے اور ''بَلَغَ'' کا مفعول ''مَبلَغَهُ'' محذوف ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا: فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ میری طاقت یا میری مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی' یعنی اس سے زیادہ کی قوت نہ رہی' اور ''الجَهْدَ' الجُهْدَ'' دال کے فتحہ کے ساتھ'اس تقدیر پر کہ یہ ''بَلَغَ'' کا مفعول بہ ہے' اور ''بَلَغَ'' کا فاعل ضمیر مستتر ہے' جس کا مرجع ''الغطُّ'' ہے' جس پر ''فَغَطَّنِي'' دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری وسعت کو پہنچ گیا' مگر فتح الباری سے ظاہر ہے کہ روایت صرف دو ہیں۔ ''الجَهْدَ'' بالفتح والنصب۔ ''اي بَلَغَ الغطُّ مِنّي غاية الوسع. ورُوِيَ بالرفع والضم اي بَلَغَ منّي الجُهْدُ مَبلَغَهُ'' جب ''بَلَغَ'' کی ضمیر فاعل کا مرجع (الغطّ) ٹھہرایا' تو دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ فرشتے نے آنحضور کو آنحضور کی طاقت بھر دبوچا۔

ایمان افروز توجیہ

یہاں ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ''مِنّي'' کے ''مِنْ'' کو تعلیل کے لیے لیں اور چونکہ نفس ذات کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی' اس لیے ''غطّ'' مضاف محذوف ہوگا' یعنی لاجل غطّي' یعنی یہ ہوئے میرے دبوچنے کی وجہ سے۔ ''الجهد'' پر عہد کے الف لام سے ''جهد'' ملک مراد ہوگی۔ اب ''الجهدُ'' کی روایت پر معنی یہ ہوئے: میرے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی۔ ''الجهدَ'' کی روایت پر ''بلغ'' کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہوگا۔ بلغ سے پہلے بھی دو فعل ہیں: ''اَخَذَ. غطَّ'' اور ''بَلَغَ'' کے بعد بھی دو فعل ہیں: ''اَرْسَلَ. قَالَ'' ان چاروں فعلوں کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہے۔ اب اگر درمیان والے فعل ''بلغ'' کی ضمیر فاعل کا مرجع ''غطّ'' کو بنایا جائے تو انتشار مرجع لازم آئے گا' اور اگر ''بلغ'' کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک ہی کو ٹھہرایا جائے تو انتشار مرجع نہ ہوگا' اس لیے بہتر یہی ہے کہ ''بلغ'' کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک ہی کو بنایا جائے۔ اب معنی یہ ہوئے: مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہا کو پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے' یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔

میں نے ان چاروں احتمالوں کا لحاظ کر کے اختصار و جامعیت کے ساتھ یہاں ترجمہ یہ کیا: طاقت بھر دبوچا۔ یہاں طاقت عام ہے خواہ حضور کی طاقت ہو خواہ جبریل کی' دونوں کو شامل ہے۔

تسمیہ کسی سورۃ کا جز نہیں

سورۂ اقرأ کے ساتھ بسم اللہ نازل نہ ہوئی' یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بسم اللہ سورۂ اقرأ کا جز نہیں اور جب سورۂ اقرأ کا جز نہیں تو کسی سورہ کا جز نہیں' لعدم القائل بالفصل۔

ف ۱: چونکہ یہ نزول وحی کا پہلا سابقہ تھا' اس لیے قوائے بشری پر یہ اثر پڑا کہ دل لرزنے لگا' اس حالت میں آپ غار حرا سے چلے' تین میل کا فاصلہ طے کر کے گھر پہنچے تو بھی دل لرز رہا تھا' دونوں شانوں اور گردن کے درمیان کا گوشت کانپ رہا تھا۔

یہاں دو روایتیں ہیں: ''فُؤَادُهُ. بَوَادِرُهُ'' فؤاد دل کو کہتے ہیں۔ ''بَوَادِر''، ''بادرة'' کی جمع ہے' دونوں شانوں اور گردن کے درمیانی گوشت کو کہتے ہیں۔ یہ انتہائی خوف کے وقت کانپا کرتا ہے' عموماً ذبح کے وقت جانور کا یہ حصہ کانپتا ہے' دونوں میں منافات نہیں' شدت خوف کی دونوں تعبیریں ہیں۔

ف ۲: اور ٹھنڈا پانی ڈالا ف ۳: اور سکون حاصل ہو گیا۔

خشیت کی توجیہ

خشیت کا مفعول بہ محذوف ہے' یعنی یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ ڈر کس بات کا تھا۔ شارحین نے بارہ اقوال نقل کیے' ان میں بعض ایسے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رکیک ہیں کہ میرا ایمان ان کے تحریر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ استاذی صدر العلماء نے ''بشیر القاری'' میں ان سب کو نقل فرمایا ہے اور ان میں جو مرجوح ہیں' ان کا رد فرما کر تین اقوال کو راجح فرمایا۔ اوّل: مجھے اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ بار نبوت کو برداشت نہ کر سکوں۔ دوم: اس کا اندیشہ کہ مخالفین کی ایذاء پر صبر نہ ہو سکے۔ سوم: اس کا اندیشہ ہو گیا کہ کہیں شہید نہ کر دیا جاؤں۔ اس قول سوم پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ مردانِ خدا' راہِ خدا میں جان دینے سے نہیں ڈرتے' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سیّد الانبیاء ﷺ ڈر جائیں۔ اس کا جواب یہ دیا کہ ڈر جان جانے کا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ شہادت سے پیغامِ ربانی کی تکمیل نہ ہو پائے گی' جیسے حضرت موسیٰ نے عرض کیا تھا: ''وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوْنِ ○ قَالَ كَلَّا'' (الشعراء: ۱۴) ''ان کا مجھ پر الزام ہے' اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں قتل نہ کر دیں ○ فرمایا: ایسا ہر گز نہ ہو گا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف صرف اس بناء پر تھا کہ جو خدمت سپرد کی جا رہی ہے' وہ انجام نہ دے پاؤں گا' مگر اس خادم کا ذوق اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ سابقاً گزر چکا کہ سابقاً مدت العمر نزولِ وحی کا بار کتنا محسوس ہوتا تھا۔ یہ نزولِ وحی کا پہلا موقع تھا' اس کا جسم اقدس پر کتنا شدید اثر پڑا' وہ بھی ظاہر ہے کہ تین میل کا راستہ طے کر کے دولت کدہ پر تشریف لائے تو بھی اتنا تاثر تھا کہ دل لرز رہا تھا اور بدن کانپ رہا تھا۔ پہلی بار جو گزرا اُس کے پیش نظر فرمایا کہ میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں کہ جب ایک بار کے نزولِ وحی سے یہ حالت ہے تو اندیشہ ہے کہ مسلسل نزولِ وحی کی تاب نہ لا سکوں گا۔ یہ کہنا کہ نبی ہونے کے یقین کے بعد یہ اندیشہ متصور نہیں ہو سکتا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ روزمرہ ہوتا رہتا ہے کہ سخت مشقت کے کام کو جان لیوا بولتے ہیں' اسی طرح اس عظیم بار کے تحمل کو جو خرقِ عادت سے کم نہیں' یہ کہنا کہ میں اپنی جان کو ڈر گیا' نبی ہونے کے منافی نہیں' اس لیے کہ مراد اس کی ناقابلِ برداشت حالت کو ظاہر کرنا ہے ف۴: کہ آپ نزولِ وحی کے بار کا تحمل یا مخالفین کی ایذاء پر صبر نہ کر سکیں یا شہید کر دیے جائیں' اس لیے کہ یہ رسوائی ہے اور اللہ عزوجل آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا۔ ف۵: صلہ رحمی' اپنے رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور اچھے سلوک کو کہتے ہیں ''الکَلُّ'' بوجھ کے معنی میں بھی ہے اور ایسے شخص کو بھی کہتے ہیں جو اپنی کفالت سے عاجز ہو۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں' یعنی آپ لوگوں کا بار اُٹھاتے ہیں یا یہ کہ عاجز کی دستگیری کرتے ہیں۔ ''تَکْسِبُ'' میں ایک روایت ''تُکْسِبُ'' بھی ہے' معدوم کے معنی ہیں: وہ چیز جو موجود نہ ہو خواہ مال ہو یا اور کوئی چیز۔ پہلی تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ آپ معدوم کماتے ہیں' یعنی جو مال آپ کے پاس نہیں اسے کما کر حاصل کرتے ہیں کسی پر بار یا کسی کے محتاج نہیں' نہ کسی سے سوال کرتے ہیں۔ دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ آپ ناداروں کو کام میں لگا دیتے ہیں یعنی ناداروں کو مال دے کر مثلاً تجارت میں۔ بعض شارحین نے فرمایا: کسب مجرد بھی متعدی بہ دو مفعول آتا ہے اور المعدوم مال اور غیر مال مثلاً عمدہ اخلاق وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اب دونوں روایتوں کا معنی ایک ہوا' یعنی آپ لوگوں کو وہ چیز عطاء فرماتے ہیں' جو ان کے پاس نہیں خواہ وہ مال ہو یا کچھ اور مثلاً عمدہ اخلاق کی تعلیم۔ وہ لوگ اقارب ہوں یا اجانب' سب پر جود و نوال عام ہے۔ حضرت خدیجہ کی عرض کا مطلب یہ ہے کہ ''آپ رشتہ داروں پر ہر طرح کا احسان کرتے ہیں بلکہ آپ کا احسان رشتہ داروں کے ساتھ خاص نہیں' ہر شخص کو عام ہے اور یہی نہیں کہ آپ صرف داد و دہش کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو عمدہ تعلیم اور اچھے اخلاق کی تلقین بھی کرتے ہیں۔

ف۶: اصل غم گسار وہ ہے جو ابتدائی مرحلے میں انتہائی ٹھوس طریقے سے ہراساں کو تسکین دے۔ حضرت خدیجہ یہ خدمت انجام دینے کے بعد حضور اقدس ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس اس غرض سے لے گئیں کہ ان کی تائید حاصل کریں کہ وہ عرب کے مسلم الثبوت عاقل' عالم' شاعر تھے' ان کو قس کہا جاتا تھا' عمر میں بھی بڑے تھے' تا کہ ان کی تائید سے ان کے موقف کو اور قوت مل جائے اور حضور ﷺ کو مزید سکون مل جائے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ورقہ

عرب کے ان چند نفوس میں تھے جو اپنی عقل سے بت پرستی کو ناپسند کرتے تھے اور دین حق کے جویاں تھے' یہ اور زید بن نفیل وغیرہ نے دین حق کی تلاش میں شام وغیرہ کا سفر کیا۔ بعض ایسے راہبوں سے جو غیر متبدل دین عیسوی پر تھے' ورقہ کی ملاقات ہوئی' اُن کے اثر سے اصل دین عیسوی کو قبول کر کے عیسائی ہو گئے' ان نصاریٰ کی طرح نہیں تھے جو محرف دین عیسوی کے پابند تھے۔

(سیرتِ حلبی ج ا ص ۲۸۰)

یہ عربی اور عبرانی' سریانی تینوں زبانوں کے ماہر تھے۔ انجیل کو عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کا بعد بعثت ۴ نبوی میں انتقال ہوا[۱] ایمان لانے کے جرم میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایذائیں دی جانے لگیں' ان کو چلچلاتی دھوپ سے تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر لٹا کر مجبور کیا جاتا کہ ایمان سے پھر جائیں' شدتِ تکلیف سے بے ہوش ہو جاتے' مگر جب ہوش آتا تو فرماتے: ''اَحد احد'' ایک بار اسی حالت میں ورقہ کا گزر حضرت بلال پر ہوا' ان سے کہا: ''اَحَدٌ اَحَدٌ'' ایک ہی کہنا' ایک ہی کہنا۔ یہ روایت اس کے منافی نہیں جو اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ اُم المؤمنین نے فرمایا: ورقہ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔ حضرت اُم المؤمنین کی مراد یہ ہے کہ اسلام کی شہرت عام اور جہاد کے فرض ہونے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ (اصابہ ج ۳ ص ۶۳۴)

حضرت ورقہ کی صحابیت

علماء سیر اور محدثین میں ان پر بڑے زور کی معرکہ آرائی ہے کہ یہ صحابی تھے یا بُحَیرا راہب کی طرح تھے' یا اخیر وقت تک نصرانی تھے۔ نصرانیت ہی پر مرے۔ اس کا ثبوت میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے:

مغازی محمد بن عائذ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ورقہ نصرانیت پر مرے۔ اس کا ایک راوی عثمان بن عطاء خراسانی ہے۔ اصابہ میں فرمایا: یہ ضعیف ہے' اس لیے یہ قول ساقط ہو گیا۔ رہ گیا یہ قول کہ یہ صحابی تھے یا بحیرا راہب کے مثل تھے' اس کا فیصلہ صحابی کی تعریف پر موقوف ہے۔

صحابی کی تعریف

علامہ ابن حجر نے نخبہ میں صحابی کی تعریف کی ہے:

مَنْ لَقِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِہٖ وَمَاتَ عَلَی الْاِسْلَامِ وَلَوْ تَخَلَّلَتْ مَرَّۃً فِی الْاَصَحِّ۔

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور اسی حالت میں آپ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر مرا ہو' اگرچہ درمیان میں مرتد ہو گیا ہے' یہی اصح ہے۔ (نخبہ ص ۸۱-۸۲)

اس میں ملاقات سے مراد معنی عام ہے جو ملاقات اور دیکھنے دونوں کو شامل ہے' یعنی واقعی ملاقات ہوئی' اگرچہ دیکھا نہ ہو جیسے نابینا صحابہ یا صرف دیکھا ہو اگرچہ ملاقات نہ ہوئی ہو' جیسے دور سے دیکھا ہو یا عہد طفلی میں شعور آنے سے پہلے دیکھا ہو۔

صحابی کی تعریف کے معیار سے حضرت ورقہ کو جانچیے تو بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی اور آپ کی تصدیق بھی کی اور آپ پر ایمان بھی لائے اور زمانہ دعوت بھی پایا' اور اپنے ایمان پر اخیر دم تک قائم رہے۔ ابھی نزول کے ۴ نبوی میں وصال ہوا' ۴ نبوی میں عام دعوت کا حکم آ چکا تھا۔ مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۲ پر ہے:

تا سہ سال حال بریں منوالے بود و — تین سال تک اسی طرح حال رہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

---

[۱] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۴' زرقانی ج ا ص ۲۴۳' اور اصابہ میں فرمایا کہ یہ مرسل جید ہے اور مرسل جمہور محدثین اور احناف کے نزدیک حجت ہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مامور بود آنحضرت باخفاء ایں امر و صبر بران' پس آنحضرت بخفیه دعوت می کرد تا نازل شد فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ ایں درسال چهارم بود۔

چھپانے اور اسی پر اکتفاء کرنے کے مامور تھے' اس لیے خفیہ دعوت اسلام دیتے' یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: "تم کو جو حکم ہے اُسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو" یہ چوتھے سال ہوا۔

جب ورقہ کا وصال ۴ نبوی میں ہوا تو ثابت ہو گیا کہ انہوں نے خفیہ دعوت کا زمانہ ضرور پایا' بلکہ او پر حضرت بلال والے واقعے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دعوتِ عام کا بھی زمانہ پایا' اس لیے کہ یہ طے ہے کہ مسلمانوں کی ایذاء رسانی' اعلانِ عام کے بعد شروع ہوئی ہے۔

زیادات المغازی اور دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے کہ ابتدائے وحی کے کوائف سننے کے بعد ورقہ نے یہ کہا:

اَبْشِرْ' اَبْشِرْ' فَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّكَ الَّذِيْ بَشَّرَ بِهِ ابْنُ مَرْيَمَ. اِنَّكَ عَلٰى مِثْلِ نَامُوْسِ مُوْسٰى وَاَنَّكَ نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ. اِنَّكَ سَوْفَ تُؤْمَرُ بِالْجِهَادِ بَعْدَ يَوْمِكَ هٰذَا وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ ذَالِكَ لَاُجَاهِدَنَّ مَعَكَ. فَلَمَّا تُوُفِّيَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُ الْقَسَّ فِي الْجَنَّةِ وَعَلَيْهِ ثِيَابُ الْحَرِيْرِ لِاَنَّهٗ اٰمَنَ بِيْ وَصَدَّقَنِيْ. (اصابہ ج ۳ ص ۶۳۴)

آپ کو بشارت ہو' آپ کو بشارت ہو' میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی ابن مریم نے بشارت دی تھی اور آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کے مثل ہیں اور بلاشبہ آپ نبی مرسل ہیں' کچھ دنوں کے بعد آپ کو جہاد کا حکم ہو گا' اگر میں اس وقت تک رہا تو آپ کے ساتھ رہ کر ضرور ضرور جہاد کروں گا' ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے قس (ورقہ) کو جنت میں ریشمی لباس میں دیکھا' اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے میری تصدیق کی تھی۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمادی کہ ورقہ مؤمن تھے' مؤمن مرے' تو اب تفصیل بالا کی روشنی میں کوئی شک نہیں رہنا چاہیے کہ ورقہ صحابی تھے رضی اللہ عنہ۔

حدیث مرسل عندالجمہور اور احناف حجت ہے

اس روایت کے بارے میں بیہقی نے کہا کہ یہ منقطع ہے' مگر سب کو معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ اور جمہور کے نزدیک منقطع حدیث کے راوی اگر ثقہ ہیں تو وہ لائق حجت ہیں۔ مرقاۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ' مُرْسَلٌ اَیْ نَوْعُ مُرْسَلٍ وَّهُوَ الْمُنْقَطِعُ. وَلٰكِنَّ الْمُرْسَلَ حُجَّةٌ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الْجُمْهُوْرِ.

ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے یعنی اس کی ایک قسم یعنی منقطع ہے اور مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔

علاوہ ازیں اس کی مؤید کثیر روایتیں ہیں' جو اصابہ وغیرہ میں مذکور ہیں' کسی میں فرمایا: میں نے اُن کو جنت میں کریب پہنے دیکھا' کسی میں ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں ہیں' کسی میں ہے: ایک ہی نہیں دو جنتوں میں ہیں' انہیں بُرا مت کہو۔ کہیں یہ آیا کہ میں نے ان کو سفید کپڑے میں دیکھا' اگر جنتی نہ ہوتے تو ان پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔

ان سب سے یہ بات بہ طور قدر مشترک ثابت ہوتی ہے کہ وہ ضرور مؤمن تھے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ زمانۂ دعوت پاچکے تھے تو اب ان کے صحابی ہونے میں کیا شبہ! یہی کثیر محدثین' علماء سیر کا مذہب ہے[1] مثلاً برہان بقاعی' علامہ برماوی' عراقی' ابن

[1] زرقانی۔ ج ۱ ص ۲۴۳

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مدہ، طبری بغوی، ابن نافع، ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

عربی، عبرانی، سریانی

یہاں روایتیں مختلف ہیں، یہاں یہ ہے:

كَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيْلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ. — عبرانی لکھنا جانتے تھے، انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے۔

اور تفسیر سورۂ علق میں بہ طریق یونس اور کتاب التعبیر میں بہ طریق معمر۔ ''العبرانی'' کی جگہ ''العربی'' اور ''بالعبرانیۃ'' کی جگہ ''بالعربیۃ'' ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے۔

انجیل کی زبان

انجیل سریانی زبان میں تھی[۱] ان روایات کی روشنی میں مطلب یہ ہوا کہ ورقہ ان تینوں زبانوں کے ماہر تھے۔ سریانی کا ترجمہ عربی میں بھی کر لیتے تھے اور عبرانی میں بھی، انجیل کو کبھی عربی میں لکھتے کبھی عبرانی میں۔

سریانی زبان کی ابتداء

سریانی زبان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ ان کی اور ان کی اولاد اور جملہ انبیاء کی زبان سریانی ہی تھی۔ اللہ عز و جل نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کا نام سریانی ہی میں سکھایا تھا تا کہ فرشتے نہ سمجھ سکیں۔ لفظ سریانی ''یسوؑ'' سے بنا ہے۔

حضرت ابراہیم کی زبان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سریانی تھی، جب نمرود کے شر کی وجہ سے بہ حکم الٰہی فرات عبور کر کے شام میں تشریف لائے تو قدرت الٰہی سے زبان بدل گئی۔ دوسری زبان بولنے لگے، سبب یہ ہوا کہ نمرود نے حضرت ابراہیم کی تلاش میں ہرکارے بھیجے تھے اور کہہ دیا تھا کہ جو شخص بھی سریانی میں کلام کرتا ہوا ملے تو اُسے گرفتار کر لاؤ۔ جب نمرود کے آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے انہیں دیکھا کہ وہ سریانی کے بجائے اور کوئی زبان بولتے تھے، تو کوئی تعرض نہ کیا، چونکہ بہ الہام الٰہی اس زبان کی تعلیم حضرت ابراہیم فرات عبور کرنے کے بعد ہوئی تھی۔ اور فرات پار والوں کی بھی یہی زبان ہو گئی، اس لیے اس کو عبرانی کہتے ہیں۔ الف نون کی زیادتی خلاف قیاس ہے۔

عربی زبان کی ابتداء

عربی زبان بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی کے وقت سے ہے، وہ جنت میں عربی بولتے تھے۔ زمین پر تشریف لانے کے بعد سریانی بولنے لگے پھر قبول توبہ کے بعد عربی بولنے لگے۔ سفیان نے فرمایا: ہر وحی آسمانی عربی ہی میں نازل ہوتی تھی۔ انبیاء کرام قوم کی زبان میں اس کا ترجمہ فرمایا کرتے تھے۔

لیکن عام طور پر یہی مشہور ہے کہ عربی زبان، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ظاہر ہوئی، انہوں نے بنی جُرہم سے سیکھی تھی، اس لیے ان کی اولاد کو مستعربہ کہا جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ بنی جرہم میں یہ زبان پہلے سے رائج تھی۔ اسی لیے بنی جُرہم کو عاربہ کہا جاتا ہے۔ اس روایت کی بناء پر حضرت اسمٰعیل کو اس زبان کا موجد نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ عربی زبان کو جو بقا حاصل ہے، یہ حضرت

---

۱ الشامل ج ۳ ص ۲۳۳ ۲ فتح الباری وغیرہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسماعیل کی رہین منت ہے۔

ابن اخیك

حضرت خدیجہ کے والد' خویلد اور ورقہ کے والد' نوفل دونوں' اسد بن عبدالعزیٰ کے بیٹے اور حقیقی بھائی تھے' اور حضور اقدس ﷺ کے والد ماجد کے پردادا' عبد مناف' اور ان دونوں کے پردادا عبدالعزیٰ حقیقی بھائی' قصی کے بیٹے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عبداللہ اور ورقہ خاندانی اعتبار سے بھائی ہوئے' اس رشتے کی بناء پر حضرت خدیجہ نے ورقہ سے یہ کہا: اپنے برادر زادے کی بات سنو! اور اسی خاندانی رشتے سے انہوں نے ورقہ کو ابن عم کہا۔ علاوہ ازیں عرب ہی نہیں ہمارے یہاں بھی سن رسیدہ آدمی کو چچا کہتے ہیں' اس عرف کے پیش نظر ''ابن اَخِیك'' کہا' مقصود یہ تھا کہ پوری توجہ سے ان کی بات سنیں۔

ناموس

ناموس کا معنیٰ ''صاحبِ سر'' ہے' یعنی راز کی باتیں بتانے والا' خواہ یہ راز خیر ہو خواہ شر۔ امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں ''باب وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوْسٰى '' میں فرمایا:

اَلنَّامُوْسُ' صَاحِبُ السِرِّ الَّذِیْ یَطَّلِعُهٗ بِمَا یَسْتُرُهٗ عَنْ غَیْرِهٖ. وہ رازدار جو ان باتوں کو بتائے جنہیں غیر سے چھپائے۔

اور جاسوس' اُسے کہتے ہیں جو شر کی پوشیدہ باتیں پہنچائے' ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوئی' یہاں ناموس موسیٰ سے مراد حضرت جبریل ہیں۔

حضرت ورقہ نے ناموس موسیٰ کہا' حالانکہ یہ نصرانی تھے' اس لیے اور چونکہ حضور اقدس ﷺ بہ اعتبار زمانہ' بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریب تھے' اس لیے بھی ان کو ناموسِ عیسیٰ کہنا چاہیے تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت متفق علیہ ہے' نصاریٰ بھی انہیں نبی مانتے تھے بہ خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ انہیں یہود نبی نہیں مانتے' بلکہ اس وقت کے نصاریٰ بھی اُن کو اقانیم ثلاثہ میں سے ایک مانتے تھے۔ ان پر بہ ذریعہ جبریل نزولِ وحی کے قائل نہیں تھے' اس لیے تعارف کے موقع پر ناموس موسیٰ ہی کہنا موزوں تھا۔

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت ذکر کی ہے' اس میں یہ ہے کہ پہلے حضرت خدیجہ تنہا ورقہ کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا: اگر تم سچ کہتی ہو تو اُن کے پاس ناموسِ عیسیٰ آئیں گے' جنہیں بنی اسرائیل یعنی یہود نہیں مانتے' پھر جب حضور اقدس ﷺ کو ساتھ لے کر گئیں تو ورقہ نے ناموسِ موسیٰ کہا' پہلی بار اپنے اعتقاد اور قرب کی بناء پر ناموسِ عیسیٰ کہا اور دوبارہ ناموسِ موسیٰ کہا بلکہ سیرت حلبی میں یوں ہے: ''انك علی مثل ناموس موسٰی و عیسٰی '' حضرت موسیٰ کا ذکر اتفاق فریقین کی بناء پر کیا' اور حضرت عیسیٰ کا اپنے اعتقاد اور قرب زمانہ کی بناء پر۔

''یومك'' سے کیا مراد ہے؟

ورقہ نے فرمایا: اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا' اس سے مراد دعوت عام کے بعد ابتلاء کا دور ہے' یا وہ زمانہ مراد ہے جب جہاد کا حکم ہوگا۔ اور گزر چکا کہ جہاد کے زمانے سے بہت پہلے ان کا وصال ہو گیا' بلکہ ظالموں کے ذات اقدس کو نشانہ ستم بنانے سے پہلے ۴ نبوی میں وصال فرما گئے۔

حضرت بلال کو ستاتے ہوئے دیکھا تو باوجود کبرسنی اور آنکھوں سے معذور ہونے کے بڑی جرأت کے ساتھ حضرت بلال سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فرمایا: ایک ہی کہنا' ایک ہی کہنا۔

فترت کی تحقیق

"وَفَتَرَ الْوَحْیُ. فَتَرَ یَفْتِرُ فُتُوْرًا وَّفُتَارًا" کے اصل معنی تیزی کے بعد رُک جانا' سختی کے بعد نرم ہو جانا اور کمزور اور سست ہونا ہیں' نیز باری کے بخار میں ناغے کے دن کو فترت کہتے ہیں۔

قرآن و حدیث میں اس زمانے کو کہتے ہیں جو حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان ہے۔ جس میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا اور یہاں رُکنے کے معنی میں ہے۔ سورۂ اقرأ کے نزول کے بعد ایک عرصے تک نزولِ قرآن نہیں ہوا۔

اس مدت کو فترتِ وحی کا زمانہ کہتے ہیں' یہ مدت کتنی ہے؟ اس میں دس اقوال ہیں: تین سال' اڑھائی سال' کچھ دن بلا تعیین[۱] دو سال[۲] چھ مہینے' چالیس دن' پندرہ دن' تین دن' بارہ دن[۳] ایک مہینہ۔ (مرقات۔ ص ۴۱۲)

مدتِ فترت کی تحقیق

عام طور پر اربابِ سیر تین سال کو اختیار کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے صرف اسی کو لیا' مغلطائی نے تیسرے قول یعنی یہ مدت بلا تعیین چند دن تھی کو اشبہ بتایا' یعنی اشبہ بالحق دلیل میں فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا ان کے رب سے جو تعلق تھا وہ اسی کا مقتضی ہے۔ علامہ زرقانی نے بھی اسی کی تائید کی ہے' یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ فتح الباری وغیرہ میں اسی طرح نقل فرمایا' مگر زرقانی میں مغلطائی کے حوالے سے تفسیر ابن عباس سے اس کی تعداد چالیس دن بتائی۔ خادم کا رجحان بھی یہی ہے کہ فترتِ وحی کی مدت چالیس دن تھی کیونکہ اڑھائی سال اور تین سال مدت ماننے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ سورۂ مدثر' اقرأ کی ابتدائی پانچ آیتوں کے بعد تین یا اڑھائی سال پر نازل ہوئی اور یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ دعوت کا حکم سورۂ مدثر سے ہوا ہے۔

مواہب اور زرقانی میں ہے:

قال النووی اول ما وجب الانذار والدعاء الی التوحید لقوله تعالی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ○قُمْ فَاَنْذِرْ○ (ج ۱ ص ۱۳۵)	نووی نے کہا کہ سب سے پہلے انذار اور توحید کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واجب ہوئی کہ فرمایا: اے چادر اوڑھنے والے○ اُٹھو اور ڈراؤ○

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین سالوں میں دعوت کا کام بند رہا' شروع ہی نہ ہوا۔ نیز ایامِ فترت میں خود حضور ﷺ کا جو حال تھا' وہ خود اس حدیث میں آگے مذکور ہے۔ وہ بتا رہا ہے کہ حضور کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ کسی کو دعوت دیتے۔

حالانکہ ثابت ہے کہ ان تین سالوں میں کثیر حضرات ایمان لا چکے تھے' یہی علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی نے کثیر صحابہ و صحابیات کے اسماء گنائے ہیں جو ان تین سالوں میں ایمان لائے' اور اجمالی طور پر یہ فرمایا کہ ان تین سالوں میں مردوں عورتوں کی متعدد جماعتوں نے پے در پے اسلام قبول کیا' علامہ زرقانی نے فرمایا کہ عراقی وغیرہ نے ایک معتد بہ مقدار کے نام گنائے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس اثناء میں رازداری کے ساتھ اسلام کا کام جاری رہا' یہاں تک کہ آیت کریمہ: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ○ (الحجر: ۹۴) "تم کو جو حکم ہے اب اسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو○" نازل ہوئی' تو علانیہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت کا کام شروع فرمایا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول۔ ورقہ کے تذکرے میں گزر چکا۔

مواہب اور زرقانی میں ہے:

---

۱ فتح الباری۔ ج ۱ ص ۹۷ ۲ اشعۃ اللمعات۔ ج ۴ ص ۵۰۹ ۳ زرقانی علی المواہب۔ ص ۲۳۶

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قالوا و كان ذالك بعد ثلاث سنين من النبوة تبرأ منه لجزم الحافظ في سيرته بان نزول الاٰية كان في السنة الثالثة (وهي المدة التي اخفى رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم امره الٰى ان اَمَرَه الله تعالٰى باظهاره فنادى قومه بالاسلام و) لم يقتصر على مجرّد المجاهرة بالدعوة بل كرَّرَ ذالك و اكّدَ وبالغ في اظهار الحجة حتّى كانه (صدّع بهٖ كما امره الله تعالٰى). (ج ا ص ۲۴۷-۲۴۸)

لوگوں نے کہا: اس آیت کا نزول نبوت کے تین سال بعد ہوا۔ حافظ نے اپنی سیرت میں فرمایا کہ تین سال کے بعد نہیں' تیسرے سال میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حال کو چھپائے رکھا' یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اس کے کھلم کھلا بیان کرنے کا حکم دیا' اس کے بعد حضور نے اپنی قوم پر اسلام کو ظاہر فرمایا اور علانیہ اشاعت کرنے لگے اور صرف اعلانِ دعوت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بار بار دعوت دی اور بہ تاکید دی اور اس میں مبالغہ کیا' گویا کہ اسلام کو بالکل آشکارا کر دیا جیسا کہ اللہ تعالٰی کا حکم تھا۔

غرضیکہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ تین سال کے اندر اندر بھی اسلام کی دعوت کا کام ہوتا رہا مگر احتیاط اور رازداری کے ساتھ۔ علاوہ ازیں یہ بات طے ہے کہ فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے ''یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ'' نازل ہوئی۔ یہ مدت تین سال ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ سورۂ مدثر تین سال پر نازل ہوئی۔ اب اگر حافظ عراقی کی بات صحیح ہے کہ آیت ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' تین سال کے اندر نازل ہوئی تو لازم آئے گا کہ سورۂ مدثر بعد میں اور یہ آیت اس کے پہلے نازل ہوئی اور یہ کسی طرح درست نہیں۔

پھر یہ کہ علامہ عسقلانی وغیرہ نے اس تاخیر کی علت یہ بتائی کہ حراء میں نزولِ وحی سے قوی پر اثر جو پڑا' وہ دور ہو جائے اور شوق زیادہ سے زیادہ ہو جائے۔ اس کے لیے تین سال کی مدت کی کوئی ضرورت نہیں' چند دن کافی ہیں۔ پھر سوچئے! اللہ عزوجل نے سارے عالم میں' اسلام کی دعوت کے لیے جسے منتخب فرمایا' اپنا حبیب بنایا' اسے تین سال تک اتنی سخت کشمکش میں مبتلا کرے کہ بار بار جان سے عاجز آ جائے' ذرا مشکل سے سمجھ میں آنے کی بات ہے' جیسا کہ مغلطائی نے کہا:

لعل هٰذا هو الاشبه بحاله عند ربه. (زرقانی ص ۲۳۶)

اُمید ہے کہ یہی حق سے زیادہ مشابہ ہو' اس کو دیکھتے ہوئے جو آپ کا مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں تھا۔

میں حضرت ابن عباس کے دونوں اقوال کو راجح سمجھتا ہوں' یعنی یہ مدت چند دن تھی اور یہ چند دن چالیس دن تھے' اس وجہ سے کہ مسلم شریف میں حضرت جابر کی فترتِ وحی کے ایام کے احوال میں یہ روایت مذکور ہے:

جاورت بحراء شهرًا. (کتاب الایمان)

میں نے حراء میں ایک مہینہ مجاورت کی۔

تو ثابت ہوا کہ یہ مدت ایک ماہ سے کم نہ تھی' زیادہ تھی۔ اور ایک ماہ سے زائد کے اقوال میں ایک ماہ سے قریب تر چالیس دن کا قول ہے' اس لیے یہ راجح ہے۔ اس کے علاوہ جتنے اقوال ہیں' ان میں کسی کا قول حضرت ابن عباس کے مرتبے کا نہیں' اور جب یہ قول از روئے درایت بھی مرجح' تو اسی کو راجح ماننا انسب ہے۔

بالکل فطری بات ہے کہ جب وحی رُکنے کی وجہ سے قلق و اضطراب ہوتا' جبریل آتے تسکین دیتے' کچھ سکون ملتا' مگر چونکہ وحی بہ دستور رُکی رہتی' اس لیے پھر وہی حال ہوتا۔ مسلسل اس کیفیت کا حل یہ سمجھ میں آیا کہ چلو پھر وہیں حراء میں جہاں پہلی بار شاہد مقصود جلوہ گر ہوا تھا' تو حراء میں مجاورت فرمائی' اور جو علاج سوچا تھا وہ شافی ہوا' پیک ربانی پیغام لے کے آ گیا۔

هٰذا ما عندي والعلم بالحق عند ربي وعلمه جل مجدهٗ اتم واحكم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایام فترت وحی میں اضطراب

عرصے تک وحی رُک جانے سے حزن و ملال اور اضطراب کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔ اتنا عظیم منصب ملنے کے بعد عرصے تک وحی نہ آنے سے یہ اندیشہ سامنے کی بات ہے کہ کہیں ناراضگی کی بناء پر تو یہ رکاوٹ نہیں، اور محبوب کی ناراضگی کتنی جان لیوا ہوتی ہے۔ یہ صرف اربابِ محبت جانتے ہیں، پھر جب کہ محبوب حقیقی ہو تو اس کا ردِ عمل کتنا شدید ہوگا؟ ظاہر ہے، اسی طرح کسی بڑے منصب کے ملنے کے بعد اس کے زوال کا خیال کتنا سوہان روح ہوتا ہے، سب کو معلوم ہے وہ بھی نبوت جیسے عظیم منصب کے بارے میں یہ تصور کتنا الم انگیز ہوگا۔

اس جان لیوا تصور کی وجہ سے قلق و اضطراب، اضطرار کی حد تک اگر پہنچ گیا تو کیا تعجب کی بات ہے اور ایسے اضطرار کی حالت میں جو فعل سرزد ہو، اس پر کوئی دار و گیر نہیں، وہ بھی اس وقت جب کہ احکام کا نزول ابھی نہیں ہوا تھا۔ اور اگر بالفرض احکام کا نزول ہوتا بھی تو احکام ہی میں یہ بھی ہے۔ ارشاد ہے: ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ'' (البقرۃ: ۱۷۳) تو جو شخص کوئی ایسا کام اضطرار کی حالت میں کر بیٹھے، جو منع ہو اور وہ خواہش سے نہ کرے اور حد سے آگے نہ بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہاں یہ کہنا کہ چونکہ یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے، اس لیے قابلِ قبول نہیں، اصولِ حدیث کی خلاف ورزی ہے، اس میں اس کا امکان ہے کہ حدیث کا اوّل حصہ جس سند سے مروی، اسی سے یہ بھی مروی ہو۔ ثانیاً: اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام زہری پر موقوف ہے، چونکہ یہ بھی ثقہ ہیں اور معمر بھی ثقہ ہیں، اس لیے اس کے قابل قبول ہونے میں کوئی تردّد نہیں ہو سکتا۔ (قسطلانی)

لفظ ''جبریل'' کی تحقیق

یہ عبرانی لفظ ہے ''ایل'' کے معنی: خدا، اور ''جبر'' کے معنی: عبد۔ جبریل کے معنی: عبداللہ اور ان کا اصل نام عبدالجلیس اور کنیت ابوالفتوح ہے۔ انبیاء کرام کے پاس پیغامِ خداوندی لانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی خدمات انجام دیتے تھے اور اب بھی دیتے ہیں۔

جبریل کی ملکوتی صورت

جبریل امین کی ملکوتی شکل یہ تھی کہ ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں، اتنے عظیم ہیں کہ پورے اُفق کو گھیر لیتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ان کو دو مرتبہ ان کی ملکوتی شکل میں دیکھا۔

جبریل ابتداء ہی سے مامور ہیں

وحی کی اقسام میں گزرا کہ ابتداء میں تین سال تک اسرافیل وحی پر مقرر تھے، پھر جبریل امین کی تقرری ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء تین سال جبریل امین خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوئے۔

مگر یہ صحیح نہیں، اولاً: گزر چکا کہ فترتِ وحی کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن تھی، تین سال نہ تھی، تو واقعہ حراء کے چالیس دن کے بعد سورۂ مدثر کا نزول ہوا، اور یہ جبریل امین لے کر حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں جو واقعہ ہے، یہ فترتِ وحی ہی کے ایام کا ہے، تو معلوم ہوا کہ ان ایام میں بھی جبریل، حضور اقدس ﷺ کی خدمت پر مامور تھے اور خدمت بھی کرتے تھے، کچھ کلام بھی کرتے تھے البتہ ان ایام میں قرآن لے کر نہیں آئے۔

فتح الباری میں ہے: یہ مراد نہیں کہ ایام فترت وحی میں جبریل حاضر ہی نہ ہوئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن لے کر نہیں آئے۔ پھر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ مسلم کہ مسلم' نسائی' حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل حاضر تھے کہ اچانک اوپر آسمان سے چرچراہٹ سنی۔ جبریل نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ایک فرشتہ ہے جو آج تک نہیں اُترا تھا۔ یہ فرشتہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا' سلام عرض کرنے کے بعد کہا: آپ کو دو ایسے نوروں کی بشارت ہو جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ سورۂ فاتحہ اور اواخر سورۂ بقرہ۔ علماء کی ایک جماعت نے فرمایا کہ یہ اسرافیل تھے۔

لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث میں نام نہیں' صرف علماء کی رائے ہے کہ یہ اسرافیل تھے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اسرافیل نہ ہوں' کوئی اور ہوں' مگر طبرانی' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا' جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے پاس نہیں آیا تھا اور نہ آئندہ کبھی کسی کے پاس آئے گا' یہ ''اسرافیل'' ہیں۔ اسرافیل نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ عزوجل نے آپ کو اختیار دے دیا ہے' اگر آپ چاہیں تو نبی عبد رہیں' چاہیں تو نبی مَلک۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے جبریل کی طرف دیکھا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں؟ انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع کیجئے' اگر میں کہہ دیتا کہ نبی ملک رہوں گا تو پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلتے۔ (زرقانی۔ج۱ص۲۳۷)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اسرافیل اس دن سے پہلے کبھی نہیں حاضر خدمت ہوئے۔ امام شعبی کے قول کے مقابلے میں جب حدیث مرفوع ہے تو ظاہر ہے کہ امام شعبی کا قول مرجوح ہوگا۔

علاوہ ازیں امام شعبی کے مذکورہ بالا قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایام فترتِ وحی تین سال تھے اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ تین سال نہیں صرف چالیس دن تھے' اس لیے یہ کہنا کہ ابتداءً تین سال اسرافیل وحی لانے پر مامور تھے' صحیح نہیں۔

اسرافیل بھی وحی لاتے تھے

مگر ان باتوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایامِ فترت میں اسرافیل وحی لے کر نہیں آئے' مگر اصل مدعیٰ ثابت ہے کہ کبھی کبھی اسرافیل بھی وحی لے کر آتے تھے' زیادہ سے زیادہ اس میں بحث ہو سکتی ہے کہ ابتداء میں وحی لائے یا نہیں لائے' چلئے! بعد ہی میں وحی لائے' اس لیے وحی کی سات صورتیں اپنی جگہ باقی رہیں۔

٤- ح: فَتْرَةُ الْوَحْيِ

[وحی کا رک جانا]

٤ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّاَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهِ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَآءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِيْ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَآءَنِيْ بِحِرَآءٍ جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ (فَدَثَّرُوْهُ) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (المدثر: ١-٥) فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ.

(ایضاً' کتاب التفسیر۔سورۂ مدثر۔سورۂ علق' کتاب التعبیر' اس کے

ابن شہاب نے کہا: اور مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فترتِ وحی کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو میں فرمایا: میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی' میں نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے' جس سے مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں لوٹ کر گھر آیا تو میں نے کہا: مجھے کپڑا اوڑھاؤ! مجھے کپڑا اوڑھاؤ! (لوگوں نے اوڑھا دیا) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: ''اے بالاپوش اوڑھنے والے! اُٹھیے (اللہ سے) ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

علاوہ مسلم' کتاب الایمان' ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے) کپڑے کو پاک رکھئے اور بت سے دور رہئے'' اس کے بعد وحی میں گرمی اور تسلسل پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن شہاب

یہ زہری سے زیادہ مشہور ہیں' پورا نام یہ ہے: محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب' کنیت ابوبکر ہے۔ تیسرے دادا شہاب کی طرف منسوب کر کے ان کو ابن شہاب کہتے ہیں اور جد اعلیٰ زہرہ کی طرف نسبت سے زہری۔ یہ حضرت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے سے ہیں اور کلاب میں جا کر ان کا نسب شجرۂ نبوی سے متصل ہو جاتا ہے۔ صغار تابعین میں سے ہیں' حضرت انس اور حضرت ربیعہ بن عباد اور کثیر صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں' متفق علیہ امام ثقہ معتمد علیہ ہیں۔ ان سے کثیر تابعین نے احادیث سنیں' بہتر سال کی عمر میں بہ ماہ رمضان المبارک ۱۲۴ھ میں وصال فرمایا' وصیت کے مطابق موضع شغب میں لب سڑک مدفون ہوئے۔

اموی شہنشاہ عبدالملک بن مروان ان کی بہت عزت کرتا تھا' ایک دفعہ اس نے سات سو اشرفیاں نذر کیں' مگر اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ احادیث کی تدوین کا کام انہوں نے شروع کیا' مطالعہ کے بہت شوقین تھے۔ جب مکان میں بیٹھتے تو کتابوں کا انبار لگ جاتا۔ انہماک میں دنیوی اُمور کی جانب توجہ نہ ہوئی۔ زوجہ محترمہ یہ دیکھتے دیکھتے ایک دن کہہ اُٹھیں: یہ کتابیں مجھ پر تین سو سوکنوں سے زیادہ شاق ہیں۔

حضرت ابوسلمہ

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں' ان کا اصل نام تو عبداللہ یا اسماعیل یا ابوسلمہ ہے' یہ اس پائے کے تابعی ہیں کہ ایک قول کی بناء پر مدینے کے فقہاء سبعہ میں یہ بھی ہیں۔ کثیر صحابہ و تابعین سے حدیثیں سنیں اور ان سے تابعین کی جماعت کثیر نے۔ مشہور محدث امام شعبی ان کے تلمیذ ہیں۔ ۹۴ھ میں بہتر سال کے ہو کے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے ایامِ سلطنت میں وصال فرمایا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

جابر نام ہے' یہ بھی صحابی ہیں' ان کے والد بھی صحابی ہیں۔ ان کے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے' ان پر بہت زیادہ نگاہِ کرم تھی۔ احادیث میں ان کے بہت دلچسپ واقعات مذکور ہیں۔ یہ انصاری خزرجی سلمی ہیں' ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں' جنہیں صرف بخاری میں' ایک سو چھبیس صرف مسلم میں اور اٹھاون وہ احادیث ہیں جو دونوں میں ہیں جنہیں متفق علیہ کہتے ہیں' اس طرح شیخین' امام بخاری' امام مسلم نے دو سو دس حدیثیں ان کی درج کیں۔

بروایت مختلفہ سن اکہتر یا چوہتر یا اٹھہتر میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت ان کی عمر مبارک چورانوے سال تھی۔

جابر بن عبداللہ صحابہ میں دو اور صاحبان ہیں: جابر بن عبداللہ راسبی' جابر بن عبداللہ بن رئاب' اور یہ جابر بن عبداللہ بن حرام ہیں' حضرت جابر نام کے تیس صحابہ کرام ہیں۔

سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟ جمہور کا قول ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی پانچ مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس حدیث کا یہ حصہ کہ اچانک میں نے یہ دیکھا کہ وہ فرشتہ جو حراء میں آیا تھا' زمین و آسمان کے مابین کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس کی دلیل ہے کہ سورۂ مدثر کی یہ آیتیں واقعہ حراء کے بعد نازل ہوئیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں حراء میں نازل ہوئیں۔

نیز اس حدیث میں تصریح ہے کہ فترتِ وحی کے بعد سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتوں کا نزول فترتِ وحی سے قبل ہوا' اس لیے ماننا پڑے گا کہ سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتوں کا نزول سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتوں سے پہلے ہوا۔

رہ گئی سورۂ فاتحہ کی روایت تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت خبر واحد ہے اور حدیث حراء مشہور۔ ظاہر ہے کہ خبر واحد کے مقابلے میں خبر مشہور کو بہرحال ترجیح ہوگی۔

ان سب اقوال میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں' فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں' اور مکمل سورت سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

۵ - ح: مُسَلْسَلٌ بِالشَّفَتَيْنِ

[ہونٹوں کو مسلسل حرکت دینا]

۵ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ○﴾ (القیامۃ:۱۶) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً (اِذَا نَزَلَ جِبْرِيْلُ بِالْوَحْيِ) وَّكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ (بِهٖ لِسَانَهٗ وَ) شَفَتَيْهِ (فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ) فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاَنَا اُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ سَعِيْدٌ اَنَا اُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَاَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى (اَلْاٰيَةَ الَّتِيْ فِيْ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ) ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ○﴾ (القیامۃ:۱۶-۱۷) قَالَ جَمْعُهٗ لَكَ فِيْ صَدْرِكَ وَتَقْرَاَهٗ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ○﴾ (القیامۃ:۱۸) قَالَ (فَاِذَا اَنْزَلْنَا) فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَاَنْصِتْ ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ○﴾ (القیامۃ:۱۹) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا اَنْ تَقْرَاَهٗ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ اِذَا اَتَاهُ جِبْرِيْلُ اسْتَمَعَ فَاِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَاَهُ النَّبِيُّ صَلَّى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں "تم جلد یاد کرنے کی خواہش میں نزولِ قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نازل ہونے سے شدت محسوس فرماتے تھے' (جب جبریل وحی لے کر اُترتے) (اور اپنی زبان) اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے حضور پر شدت طاری ہوتی جسے جان لیا جاتا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں تمہیں سمجھانے کے لیے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلاتے تھے۔ سعید بن جبیر (تلمیذ ابن عباس) نے کہا: میں تم لوگوں کے لیے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے حضرت ابن عباس ہلاتے تھے' تو انہوں نے اپنے ہونٹوں کو ہلایا' تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ کی ان آیات کو اُتارا: "جلد یاد کرنے کی کوشش میں (نزول) قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلاؤ' اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے بے شک ہمارے ذمے ہے اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور اس کا بیان کرنا' تو جب ہم پڑھ چکیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں' تو جب ہم اُسے نازل کر چکیں تو اُسے غور سے سنئے اور خاموش رہیے' پھر اُس کا بیان ہمارے ذمے ہے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا قَرَأَہٗ.

(ایضاً سورۂ قیامہ۔ کتاب فضائل قرآن۔ کتاب التوحید و مسند امام احمد بن حنبل باختلاف الفاظ ترمذی۔ سورۂ قیامہ نسائی۔ کتاب الافتتاح مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ)

یعنی یہ ہمارے ذمہ ہے کہ آپ اس کو پڑھتے رہیں گے'' اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جبریل حاضر ہوتے تو آپ بہ غور سنتے رہتے، گردن جھکائے رہتے، جب جبریل چلے جاتے تو نبی ﷺ ویسا ہی پڑھ لیتے جیسا جبریل نے پڑھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

عبداللہ نام ہے، حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے ہیں، ان کی والدہ اُم الفضل لبابہ بنت الحارث ہیں، جو اُم المؤمنین حضرت میمونہ کی حقیقی بہن ہیں، کنیت ابوالعباس اور ابوالخلفاء ہے، اور حبر اُمت، ترجمان القرآن القاب ہیں۔ شاہانِ عباسیہ سب آپ ہی کی نسل سے ہیں، اس لیے ابوالخلفاء کنیت ہوئی۔ ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے، حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت تیرہ سال آپ کی عمر تھی۔ ۶۸ھ میں اکہتر سال کے ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیر کے ایامِ خلافت میں طائف شریف میں انتقال فرمایا۔ محمد بن حنفیہ حضرت علی کے صاحبزادے نے نمازِ جنازہ پڑھائی، نماز کے لیے جب جنازہ رکھا گیا تو ایک سفید پرندہ آ کر کفن میں گھس گیا، بہتیرا تلاش کیا گیا نہ ملا، دفن کے بعد ایک غیبی آواز آئی، کوئی کہہ رہا ہے:

یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ (الفجر: ۲۷-۳۰)

اے اطمینان والی جان! ۝ اپنے رب کی طرف واپس ہو اس حالت میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۝ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو ۝ اور میری جنت میں آ ۝

عبادلہ اربعہ

چار وہ صحابہ جن کے نام عبداللہ ہیں، جنہیں عبادلہ اربعہ کہتے ہیں، ان میں یہ بھی ہیں، بقیہ تین یہ ہیں: عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، لیکن احناف کے نزدیک عبادلہ اربعہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بجائے عبداللہ بن مسعود ہیں۔ (فواتح الرحموت)

امام احمد نے فرمایا: چھ صحابہ سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہیں اور بقیہ مندرجہ ذیل حضرات ہیں:
حضرت ابوہریرہ: ان کی روایات کی تعداد سب سے زیادہ ہے، عبداللہ بن عمر، اُم المؤمنین عائشہ، جابر بن عبداللہ، انس رضی اللہ عنہم۔
ابن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں، ان میں پچانوے متفق علیہ اور ایک سو بیس افرادِ بخاری اور انچاس افرادِ مسلم سے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لیے دعا کی تھی: ''اے اللہ! انہیں حکمت، فقہ، تاویل عطا فرما'' اس کی برکت سے کم سنی ہی میں ان کے علم و فضل کا سکہ سب پر بیٹھ گیا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بہت قریب تھے، اہم سے اہم اُمور میں اجلہ صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ میں شرکت فرماتے تھے۔

امام مسروق نے فرمایا: حضرت ابن عباس اجمل الناس، افصح الناس، اعلم الناس تھے، اسی لیے ان کو حبر اُمت بھی کہا جاتا ہے، اخیر عمر مبارک میں آنکھوں میں موتیا بند اتر آیا تھا۔ معالجین نے عرض کیا: ہم موتیا بند نکال دیں گے، لیکن پانچ دن آپ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ فرمایا: اللہ کی قسم! میں موتیا بند نہیں نکلواؤں گا۔ پانچ دن تو بڑی بات ہے، ایک رکعت بھی نہیں چھوڑ سکتا، جب آنکھیں سپید ہو گئیں تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

اِنْ یَّاْخُذِ اللّٰہُ مِنْ عَیْنَیَّ نُوْرَهُمَا ۔۔۔ فَفِیْ لِسَانِیْ وَقَلْبِیْ مِنْهُمَا نُوْرٌ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قلبي ذكي وذهني غير ذي دخل   وفي فمي صارم كارم كالسيف مطرور

"اللہ نے میری آنکھوں سے روشنی لے لی تو کیا ہوا' اس کے عوض میری زبان میرا دل روشن ہے' میرا دل صاف ستھرا اور میرا دماغ فساد سے خالی ہے' میرے منہ میں ایسی زبان ہے جو تلوار کی طرح تیز طرار مقابلے میں غالب ہے"

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ شدت اور سختی محسوس فرماتے تھے' جیسا کہ مفصل گزرا' جب جبریل قرآن سناتے تو حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پڑھتے' حاضرین پڑھنے کی وجہ سے ہونٹوں کی حرکت کو دیکھتے۔ مقصود یہ تھا کہ کوئی لفظ یاد سے رہ نہ جائے' جس طرح جبریل لے کر آئے ہیں بعینہ اسی طرح محفوظ کر لوں' جیسے حضور اقدس ﷺ اس وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے۔ ابن عباس نے اسی طرح ہونٹ ہلا کر اپنے تلامذہ کو دکھایا جن میں سعید بن جبیر شہید بھی تھے' جیسے حضرت ابن عباس نے اپنے ہونٹوں کو ہلایا' ویسے ہی سعید بن جبیر نے بھی ہونٹ ہلا کر اپنے تلامذہ کو دکھایا۔

اس میں شدت در شدت تھی' ایک تو نزولِ وحی کی شدت' دوسرے بغور سننا اور ساتھ ساتھ پڑھنا۔ اس پر سورۂ قیامہ کی یہ آیات نازل ہوئیں: "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" تک' یعنی قرآن نازل ہونے کی حالت میں آپ یاد کرنے کی کوشش میں پڑھا نہ کریں' پورے قرآن کا آپ کے سینے میں جمع فرما دینا محفوظ کر دینا تاکہ آپ اسے بہ آسانی پڑھ لیں ہمارے ذمے ہے' جب ہم قرآن بواسطہ جبریل پڑھیں' نازل فرمائیں تو خاموشی سے بہ غور سنا کریں' اس کے بعد اس کے مطابق پڑھیں۔ پھر اس کا بیان یعنی آپ کو یہ قدرت دینا کہ اسے بہ آسانی پڑھیں' ہمارے ذمے ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد جب قرآن نازل ہوتا تو حضور اقدس ﷺ سر جھکا کر بہ غور سنتے' جب جبریل چلے جاتے تو پڑھتے۔

سعید بن جبیر

سعید بن جبیر' کنیت ابو محمد ہے' مشاہیر تابعین میں سے ہیں' بہت بڑے فقیہ' محدث' مفسر تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب "جَهْبَذُ الْعُلَماء" ہے" جَهْبَذ" پرکھنے والا' دانا کے معنی میں ہے' ان کے تبحر علمی اور جلالت شان پر اتفاق ہے۔ بڑے عابد' زاہد' شب زندہ دار تھے' ہر سال دو بار مکہ معظمہ حاضر ہوتے۔ ایک بار حج کے لیے ایک بار عمرہ کے لیے' دو راتوں میں پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے۔ رات میں خشیت خداوندی سے مسلسل رونے کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی' زبردست مستجاب الدعوات تھے۔ ان کے گھر میں ایک مرغ تھا' جس کی آواز پر رات میں اُٹھ بیٹھتے' ایک رات مرغ کسی وجہ سے نہ بول سکا' آنکھ نہیں کھلی' نماز فجر قضا ہو گئی' نماز کے قضا ہونے کی اذیت پر زبان سے مرغ کے بارے میں یہ کلمات نکل گئے' اسے کیا ہو گیا تھا کہ آج نہیں بولا' اللہ اس کی آواز ختم کر دے' وہ مرغ پھر زندگی بھر نہ بول سکا۔ یہ دیکھ کر والدہ ماجدہ نے کسی کے لیے بددعا کرنے سے منع فرمایا' والدہ ماجدہ کے بہت فرمانبردار تھے۔

ایک مرتبہ بچھو نے ہاتھ میں ڈنک مار دیا' والدہ نے حکم دیا کہ کسی سے جھڑوا لیں' سخت کشمکش میں پڑ گئے' جھاڑ پھونک کو وہ اپنے اعلیٰ توکل کے خلاف جانتے تھے اور اِدھر والدہ کی اطاعت فرض۔ بالآخر یہ ایک جھاڑنے والے کے پاس پہنچے' نیش زدہ ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ مشہور ثقفی ظالم حجاج نے شعبان ۹۵ھ میں انہیں شہید کیا' مزار پاک واسط میں ہے' ستانوے سال آپ کی عمر مبارک ہوئی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سعید بن جبیر کی شہادت

واقعہ شہادت کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج کے مظالم اور خلاف شرع کاموں پر علانیہ تنقید فرماتے تھے اس لیے اس ظالم نے انہیں گرفتار کرایا، مکہ معظمہ میں گرفتار ہوئے، راستہ بھر دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات میں نوافل پڑھتے، گرفتار کر کے لے جانے والے سپاہی نے جب یہ دیکھا تو تین دن کے بعد کہا: بخدا! مجھے یقین ہے کہ میں آپ کو ایسے شخص کے پاس لے جا رہا ہوں جو آپ کو ضرور بالضرور قتل کرے گا، میں آپ کو چھوڑتا ہوں، کہیں چلے جایئے۔ فرمایا کہ حجاج کو جب یہ پتہ چلے گا کہ تم نے مجھ کو گرفتار کر کے چھوڑ دیا ہے تو تمہارے لیے خطرہ ہے، کہیں تم کو قتل کر دے، میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میری وجہ سے تم بلا گناہ قتل کیے جاؤ۔

دعا میں حلاوت قبول ہونے کی علامت ہے

جب حجاج کے روبرو تشریف لے گئے تو فرمایا: ایک بار مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو دعا میں حلاوت محسوس ہوئی تو ہم تینوں نے شہادت کی دعا مانگی تھی۔ دعا میں حلاوت اس کے مقبول ہونے کی نشانی ہے، میرے ان دونوں ساتھیوں کو شہادت نصیب ہو چکی، میں منتظر ہوں۔ حجاج نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا: سعید بن جبیر، حجاج نے کہا: نہیں شقی بن کسیر، فرمایا: والد نے یہی نام رکھا ہے، میں شقی ہوں کہ سعید، یہ اللہ عزوجل خوب جانتا ہے۔ حجاج نے کہا: نہیں! تم شقی ہو، فرمایا: غیب کا جاننے والا کوئی اور ہے، حجاج نے کہا: سن لو! میں تمہاری دنیا کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا، فرمایا: اگر میں جانتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو تیرے سوا کسی اور کو معبود نہ بناتا۔ پھر اس نے حضور اقدس ﷺ اور حضرت معاویہ تک خلفاء راشدین کے بارے میں الگ الگ سوال کیے، سب کے اہل سنت کے عقیدے کے مطابق جوابات ارشاد فرمائے۔ پھر حجاج نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے جو خلفاء ہوئے ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا: ان کو اپنے اپنے اعمال کی جزاء ملے گی، کچھ جزا پا کر مسرور ہوں گے، کچھ ہلاک، میں ان کا ذمہ دار نہیں۔ حجاج نے پوچھا: عبدالملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا: اگر صالح نیک تھا تو اپنی نیکی کا بدلہ پائے گا اور اگر بدکار تھا تو اللہ کے قابو سے نکل نہ سکے گا۔ حجاج نے پوچھا: میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا: تم خود اپنے آپ کو خوب جانتے ہو، حجاج نے کہا: میرے بارے میں اپنا علم ظاہر کرو، فرمایا: میری بات تم کو بری لگے گی، پسند نہ آئے گی۔ حجاج نے کہا: جو کچھ بھی ہو اس کو ظاہر کرو۔ فرمایا: اچھا تو سنو! تم نے حدود الٰہی کو پامال کیا، ظلم و ستم کیے، کتنے اللہ کے ولیوں کے قتل جیسی معصیت پر جرأت کی۔ حجاج بولا: میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے عضو عضو کاٹ ڈالوں گا، فرمایا: تم میری دنیا بگاڑو گے میں تمہاری آخرت بگاڑ دوں گا۔ حجاج نے پوچھا: کس طرح قتل ہونا پسند کرتے ہو؟ بتاؤ! فرمایا: تم پسند کرو جس طرح مجھے قتل کرو گے، اسی طرح میں آخرت میں تمہیں قتل کروں گا، پوچھا: کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ تم کو معاف کر دوں؟ فرمایا: عفو اللہ کی طرف سے ہے، رہ گیا تو، نہ تو تیرے لیے براءت ہے نہ عفو۔ اب غصے میں جل بھن کر جلاد کو حکم دیا: انہیں لے جا کر قتل کر دو۔ جب جلاد مقتل میں لے چلے تو آپ ہنسے، حجاج نے حکم دیا کہ واپس لاؤ، اس نے پوچھا: ہنسے کیوں؟ فرمایا: اللہ کے حضور تیری جرأت پر اور اللہ کے حلم پر۔ انتہائی طیش میں آ کر حکم دیا: میرے سامنے دربار میں قتل کرو، جب قتل کے لیے لٹایا تو آپ نے پڑھا: "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ○" (الانعام: ۷۹) حکم دیا قبلہ سے منہ پھیر دو، آپ نے تلاوت کی: "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (البقرۃ: ۱۱۵) گرج کر حکم دیا کہ منہ کے بل لٹا دو۔ آپ نے پڑھا: "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی○" (طٰہٰ: ۵۵) جھلا کر حکم دیا: ذبح کر دو۔ حضرت سعید نے فرمایا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اسے یاد رکھنا یہاں تک کہ قیامت کے دن میری تیری ملاقات ہو۔ پھر دعا فرمائی: اے اللہ! میرے بعد اسے کسی پر قابو نہ دینا کہ اسے قتل کر سکے، اس کے بعد شہید

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کردیئے گئے۔ تن اقدس سے سر جدا ہونے کے بعد تین بار کلمہ پڑھا جو تیسری بار پورا سنا گیا۔ ذبح کے وقت بہت زیادہ خون نکلا' اس پر ظالم کو حیرت ہوئی' طبیب کو بلا کر پوچھا' طبیب نے بتایا کہ اور قتل کیے جانے والوں کا خون خوف سے سوکھ جاتا تھا اور ان پر خوف کا اثر بالکل نہ تھا۔ ہنسی خوشی جان دی' اس لیے خون زیادہ نکلا' اس کے تین دن کے بعد حجاج کے پیٹ میں پھوڑا ہو گیا' لاکھ علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا' سولہ دن کے بعد یا چھ مہینے کے بعد انتہائی اذیت اٹھا کر مرا۔

حجاج کہتا تھا کہ جب میں سوتا ہوں تو سعید آ کر میرے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور فرماتے ہیں: اے اللہ کے دشمن! تو نے مجھے کیوں قتل کیا؟ میں چیختا کہ میں نے سعید کو کیوں قتل کر دیا۔ حجاج کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا' پوچھا: کیسی گزری؟ بتایا کہ اور قتلوں کے عوض میں ایک بار قتل کیا گیا اور سعید کے عوض ستر بار قتل کیا گیا۔

خوشا رسمے بنا کردند بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک تطبیق

اس آیت میں قرآن' مصدر قراءت پڑھنے کے معنی میں ہے' قرآن جو کلام پاک کا علم ہے مراد نہیں۔ ''عَلَيْنَا بَيَانَهٗ'' کی تفسیر یہاں ''اَنْ تَقْرَاَهٗ'' منقول ہے۔ اور کتاب التفسیر میں ''اَنْ نُّبَيِّنَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ'' اور ابن جریر نے ''اَنْ نُّبَيِّنَكَ بِلِسَانِكَ'' نقل کی۔ یہ صرف الفاظ کا اختلاف ہے' معنی تینوں کے ایک ہیں۔ ''اَنْ تَقْرَاَهٗ'' کے معنی ہیں: آپ کا اسے پڑھنا۔ ''اَنْ نُّبَيِّنَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ'' یا ''بِلِسَانِكَ'' کا ظاہر معنی یہی ہے کہ قرآن مجید کا زبان پر جاری کرنا' اور یہی ''فَاسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ لَهٗ'' کے مناسب بھی ہے' ورنہ تناسب معنوی باقی نہیں رہے گا۔

بعض مفسرین نے ''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ'' کی یہ تفسیر کی ہے کہ معانی کا بیان کرنا مراد ہے' اس تقدیر پر ''فَاتَّبِعْ'' کی تفسیر ''فَاسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ'' مناسب نہ ہوگی' بلکہ یہ ہوگی: ''فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ بِقِرَاءَتِكَ'' ان کے پڑھنے کے بعد پڑھیے۔

تعلیم معانی خطاب سے مؤخر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

چونکہ ''عَلَيْنَا بَيَانَهٗ'' سے پہلے ''ثُمَّ'' ہے جو تراخی کے لیے آتا ہے' تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ ممکن ہے کہ معانی قرآن کی تعلیم خطاب کے بعد ہو۔ اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے' مگر اس پر اتفاق ہے کہ وقت حاجت سے تاخیر جائز نہیں' اس کی پوری تفصیل کتب اصول میں موجود ہے۔

جبریل صرف واسطہ نزول تھے

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ جبریل امین علیہ السلام صرف نزول کے واسطہ تھے۔ رہ گیا قرآن کا پڑھانا' اس کے معانی کی تعلیم' یہ اللہ عزوجل نے خود اپنے ذمہ کرم پر لے لیا تھا۔

اس حدیث کو امام بخاری یہ بتانے کے لیے لائے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے لفظ لفظ کے یاد کرنے کا کتنا اہتمام تھا۔

ایک اشکال کا جواب

یہ سورۂ مکی ہے' اور حضرت ابن عباس ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور امام بخاری کا اسے بدء وحی کے باب میں لانا بتا رہا ہے کہ ابتداء کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت ابن عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے' پھر وہ کیسے فرماتے ہیں کہ میں یوں اپنے ہونٹوں کو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہلاتا ہوں جیسے رسول اللہ ﷺ ہلایا کرتے تھے۔ اس کے دو جواب شارحین نے دیئے ہیں' ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ کسی صحابی نے ان کو بتایا ہو۔ دوسرا یہ کہ ہوسکتا ہے کہ کبھی حضور اقدس ﷺ ہی نے ہونٹ ہلا کر انہیں دکھایا ہو۔ ابوداؤد طیالسی کی ایک روایت اسی کی مؤید ہے۔

حدیث مسلسل کا مطلب

اس حدیث کا نام "مسلسل بہ تحریک الشفتین" ہے۔ حدیث مسلسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بہ وقت ارشاد حضور اقدس ﷺ نے کوئی خاص کام کیا ہو' اور ہر راوی "اِلٰی یَوْمِنَا هٰذَا" بہ وقت روایت اس کام کو کرے۔ اس کام کے نام پر اس حدیث کا نام مسلسل بہ فلاں رکھ دیا جاتا ہے' جیسے حدیث مسلسل بالمصافحہ ہے کہ بہ وقت ارشاد حضور اقدس ﷺ نے صحابی سے مصافحہ کیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہاں حضور اقدس ﷺ نے ہونٹ ہلائے۔ حضرت ابن عباس نے اپنے تلامذہ کے سامنے ہونٹ ہلائے' سعید بن جبیر نے اپنے تلامذہ کے سامنے' اور یہ سلسلہ چلتا رہا' لیکن علامہ عینی نے فرمایا: اس کا تسلسل متصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

اللہ عزوجل پر کچھ واجب نہیں

"عَلَيْنَا" میں "عَلٰی" ہے اور علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے اور اللہ عزوجل پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وجوب کبھی بہ معنی ضرور آتا ہے' اور یہی یہاں مراد ہے۔ اور یہ ضرورت وعدے کی بناء پر ہے کہ جب یہ فرمادیا کہ یہ ہمارے ذمے ہے تو چونکہ خلفِ وعدہ محال بالذات ہے' اس لیے ضروری ہوا۔

٦- ح: [مُدَارَسَةُ الْقُرْاٰنِ]

٦ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ (بِالْخَيْرِ) وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ (فَيَنْسَلِخُ) فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ (فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ) كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ.

دورۂ قرآن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان میں ہوتی تھی' جب جبریل ملاقات کرتے اور وہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کر کے قرآن کا دور کرتے' (یہ سلسلہ رمضان کے ختم ہونے تک رہتا) (جب جبریل رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرتے) اس وقت آپ چلتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے۔

(ایضاً۔ کتاب الصوم۔ کتاب المناقب۔ کتاب بدء الخلق۔ کتاب فضائل القرآن۔ کتاب الادب' مسلم۔ کتاب الفضائل' ترمذی۔ کتاب الجہاد' نسائی۔ کتاب الصیام' دارمی۔ مقدمہ' مسند امام احمد)

حضور ﷺ اجود الناس ہیں

"اَجْوَدُ النَّاسِ"، "اَجْوَدُ" جود کا اسم تفضیل ہے۔ جُود کے معنی "اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی" کسی کو اس کے لائق کوئی چیز دینی' اسی کو سخاوت بھی کہتے ہیں۔ "اجود الناس" کے معنی ہوئے: سب لوگوں سے زیادہ سخی۔ اس حدیث میں "اَجْوَدُ النَّاس" فرمایا اور ناس اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے' مگر اسے لازم ہے پوری مخلوق سے زیادہ سخی ہونا' جب آنحضور تمام انسانوں سے زیادہ سخی ہیں تو تمام مخلوقات سے بہ درجۂ اولیٰ زیادہ سخی ہوئے' جیسا کہ ایک حدیث میں خود ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل سب سے بڑا اجواد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے' پھر انسانوں میں سب سے بڑا سخی میں ہوں' پھر میرے بعد وہ سب سے زیادہ سخی ہے' جو علم حاصل کر کے اس کو پھیلائے۔

رمضان میں زیادہ فیاضی کی وجہ

رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی' یعنی آپ ہمیشہ بلا استثناء سارے جہان سے زیادہ سخی تھے مگر رمضان میں دوسرے دنوں کی بہ نسبت اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان موسم رحمت ہے' ان دنوں رحمتِ الٰہی کا نزول بہ نسبت دوسرے دنوں کے زیادہ ہوتا ہے' جیسا کہ حدیث میں فرمایا: اس کا اوّل رحمت اور اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے۔ اور فرمایا: رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر اور نفل کا ثواب فرض کے برابر۔ امام زہری نے فرمایا: رمضان میں ایک تسبیح دوسرے دنوں کی ستر تسبیحوں کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا: رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ لوگ جہنم سے آزاد ہوتے ہیں۔

رمضان میں سخاوت کی یہ زیادتی اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے' جبریل رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے اور حضور اقدس ﷺ اور وہ قرآن مجید کا دور کرتے' یعنی کبھی حضور پڑھتے اور جبریل سنتے' کبھی جبریل پڑھتے اور حضور سنتے۔ عمر مبارک کے اخیر سال قرآن مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا' بقیہ سال ایک بار ہوتا۔ اس وقت جود و نوال کی زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ جبریل کی تین خصوصیات تھیں' ایک تو آنحضور کے محبِ خاص تھے' دوسرے فرشتہ مقرب بلکہ سیّد الملائکہ تھے' تیسرے یہ کہ رب العلمین کے فرستادہ تھے' یہ تین خصوصیات تو وہ ہیں جو جبریل میں ہمیشہ پائی جاتی تھیں' مگر اس وقت خاص خصوصیت یہ ہوتی کہ کلامِ ربانی قرآن مجید کا دور کرنے آتے۔ ان وجوہ کی بناء پر مسرت در مسرت جتنی حاصل ہوتی رہی ہوگی وہ حضور ہی جانیں' اس سبب سے دریائے کرم پورے جوش پر ہوتا۔

غور کریں تو یہاں تین سبب اس کے محرک تھے' ایک رمضان جو اللہ عزوجل کی ان گنت نعمتوں کی برسات کا موسم ہے' دوسرے جبریل کی ملاقات کہ یہ مزید نعمت ہے خصوصاً جبریل کی ان خصوصیات کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئیں' خاص کر رب العالمین کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے' تیسرے قرآن کا دور جس سے قرآن کریم کے نئے نئے اسرار و معارف کا فتح باب ہوتا۔ ان نعمتوں کے شکریے میں زیادہ سے زیادہ جود و کرم فرماتے۔ ہر سال رمضان میں یہ دور اس لیے ہوتا کہ رمضان المبارک ہی کی سب سے متبرک رات شب قدر میں پورا قرآن جبریل امین لوحِ محفوظ سے اخذ کر کے آسمانِ دنیا کی طرف یعنی پہلے آسمان پر لائے' وہاں فرشتوں کو لکھا دیا' فرشتوں نے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ لکھ کر بیت العزت میں محفوظ کر دیا' یہ پہلے آسمان میں ایک متبرک جگہ کا نام ہے' پھر حسب اقتضاء حکمت و حکم ربانی وہاں سے جبریل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا تیئیس سال کی مدت میں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں حدیث حراء میں گزرا کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء ۱۷ رمضان کو ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ رحمت الٰہی رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ متوجہ رہتی ہے۔

رات کے انتخاب کی حکمت سب پر ظاہر ہے کہ جو سکون اور یکسوئی رات میں ہوتی ہے' وہ دن میں واردین صادرین کی وجہ سے کہاں نصیب' علاوہ ازیں محب و محبوب کی ملاقات کے لیے رات ہی منتخب ہے۔

اس حدیث کا حسن ترتیب ملاحظہ کریں' پہلے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سارے جہاں سے بڑھ کر جواد تھے' پھر ترقی کر کے فرمایا کہ رمضان میں جود و نوال دوسرے ایام کے بہ نسبت زیادہ تھا' پھر اور آگے بڑھے اور فرمایا کہ جب جبریل امین رمضان کی رات میں آ کر دورۂ قرآن کرتے تو پھر جود و نوال کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

...ی کی حد

آخر میں حضور اقدس ﷺ کی سخاوت کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے، ہوا کتنی ارزاں اور کتنی ضروری ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر منٹ ہوا کی احتیاج ہے اور فراواں اتنی کہ کہیں بھی ہو بہ قدرِ ضرورت موجود، بلکہ ضرورت سے زیادہ موجود، مگر کوئی کمی نہیں، تو ہوا سے بڑھ کر کون سخی۔ فرماتے ہیں: ہوا کی سخاوت تمہیں معلوم ہے، مگر حضور اقدس ﷺ بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے، رُکی ہوئی ہوا میں وہ بات کہاں جو چلتی ہوا میں ہے، مگر قربان اس جو اد اعظم کے کہ چلتی ہوا بھی اس کی دریوزہ گر۔

ریاح اور ریح کے استعمال کا فرق

عام طور پر مشہور ہے کہ ریاح جمع ہو تو اس سے اچھی اور نفع بخش ہوا مراد ہوتی ہے، قرآن مجید میں ہے: ''هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ'' (الفرقان:٤٨) اور ریح واحد کا اطلاق نقصان رساں تباہ کن ہوا کے لیے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''اَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ'' (الحاقۃ:٦) خود حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا'' (یونس:٢٢)۔

مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں، اکثری ہے، ورنہ قرآن مجید میں ریح واحد اچھی ہوا کے معنی میں موجود ہے۔ ارشاد ہے: ''وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ''۔

فوائد

اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(١) سخاوت بہترین وصف ہے، مؤمن کو سخی وجواد ہونا چاہیے۔

(٢) رمضان میں حتی المقدور زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنی چاہیے۔

(٣) لزوماً یہ بھی ثابت ہوا کہ جن ایام کو کوئی شرعی خصوصیت حاصل ہو، اُن میں سخاوت زیادہ پسندیدہ ہے کہ جن ایام میں کوئی نعمت ملے اُن ایام میں سخاوت عند اللہ بھی محبوب ہے، سب سے بڑی نعمت ربیع الاوّل شریف، وہ بھی بارہ ربیع الاوّل میں ملی ہے، اس لیے اس دن زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنی چاہیے۔

(٤) رمضان شریف میں خصوصیت سے قرآن مجید کی تلاوت زیادہ کرنی چاہیے۔

(٥) قرآن مجید کی تلاوت تمام اذکارِ مستحبہ سے افضل ہے، ورنہ حضور اقدس ﷺ اور جبریل امین اسی کو کرتے جو تلاوت سے افضل ہوتا۔

(٦) قرآن مجید کا بہ کثرت ورد کرنا چاہیے، حفاظ کو چاہیے کہ دوسرے سے سنیں بھی اور دوسرے کو سنائیں بھی۔

(٧) رات میں قرآن مجید پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس پر تجربہ شاہد ہے کہ رات میں بہت جلد یاد ہوتا ہے۔ صلحاء، علماء، مشائخ کی بار بار زیارت کرنی چاہیے اگر انہیں گراں نہ ہو، وغیر ذلک!

دیگر کتب الٰہیہ کے نزول کی تواریخ

علماء فرماتے ہیں کہ صحف ابراہیم پہلی رمضان کو نازل ہوئے، توراۃ ٦ رمضان کو، انجیل ١٣ رمضان کو، قرآن کے نزول کی ابتداء ٢٧ رمضان سے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

٧- ح: حديث هرقل

٧- اخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود ان عبد الله بن عباس اخبره ان ابا سفيان بن حرب اخبره ان هرقل ارسل اليه في ركب من قريش وكانوا تجارا بالشام في المدة التي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ماد فيها ابا سفيان وكفار قريش فاتوه وهم بايلياء فدعاهم في مجلسه وحوله عظماء الروم ثم دعاهم ودعا ترجمانه فقال ايكم اقرب نسبا بهذا الرجل الذي يزعم انه نبي فقال ابو سفيان فقلت انا اقربهم نسبا فقال ادنوه مني وقربوا اصحابه فاجعلوهم عند ظهره ثم قال لترجمانه قل لهم اني سائل هذا عن هذا الرجل (الذي يزعم انه نبي) فان كذبني فكذبوه فوالله لولا الحياء من ان ياثروا علي كذبا لكذبت عنه ثم كان اول ما سالني عنه ان قال كيف نسبه فيكم قلت هو فينا ذو نسب قال فهل قال هذا القول منكم احد قط قبله قلت لا قال فهل كان من ابائه من ملك قلت لا قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفاؤهم فقلت بل ضعفاؤهم قال ايزيدون ام ينقصون قلت بل يزيدون قال فهل يرتد احد منهم سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه قلت لا قال فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال قلت لا قال فهل يغدر قلت لا ونحن منه في مدة لا ندري ما هو فاعل فيها قال ولم تمكني كلمة ادخل فيها شيئا غير هذه الكلمة قال فهل قاتلتموه قلت نعم قال فكيف كان قتالكم اياه قلت الحرب بيننا وبينه سجال ينال منا وننال منه قال ماذا يامركم قلت يقول اعبدوا الله وحده ولا تشركوا به شيئا واتركوا ما يقول اباؤكم ويامرنا بالصلوة والصدق والعفاف والصلة فقال للترجمان

[حدیث ہرقل]

امام زہری نے فرمایا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں خبر دی کہ ابوسفیان بن حرب نے انہیں خبر دی کہ ہرقل نے قاصد بھیج کر حضرت ابوسفیان کو مع اُن کے ساتھیوں کے جو قریش کے شتر سوار تھے بلایا، جبکہ یہ لوگ شام میں بغرضِ تجارت موجود تھے اس زمانے میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان اور کفارِ قریش سے صلح فرمائی تھی (یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں)، یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے اور ہرقل مع اپنی جماعت کے ایلیا (بیت المقدس) میں تھا، ہرقل نے ان لوگوں کو اپنے اجلاس میں بلایا اور اس کے آس پاس عمائد روم بیٹھے تھے، پھر اُن کو اپنے قریب بلایا اور اپنے ترجمان کو بلایا، ترجمان نے ان سے پوچھا: تم میں کون شخص ان سے نسب میں زیادہ قریب ہے، جو اپنے کو نبی گمان کرتے ہیں، ابوسفیان نے کہا: میں ان سب سے زیادہ اُن سے نسب میں قریب ہوں۔ اس کے بعد ہرقل نے کہا: ان (ابوسفیان) کو میرے قریب کر دو، اور ان کے ساتھیوں کو ان کے قریب کر کے پس پشت بٹھا دو۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ان کے ساتھیوں سے کہو کہ میں اس شخص (ابوسفیان) سے اُن (مدعیٔ نبوت) کے بارے میں سوال کرتا ہوں اگر یہ مجھ سے غلط بیانی کریں تو تم ان کی تکذیب کر دینا، (ابوسفیان نے) کہا: بخدا! اگر مجھ کو اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ ساتھی واپس جا کر میرے جھوٹ کو نقل کریں گے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ضرور جھوٹ بولتا، سب سے پہلی بات آپ کے متعلق اس نے مجھ سے جو پوچھی یہ تھی: تمہارے یہاں اس کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ ہم میں عالی نسب ہیں، پھر ہرقل نے پوچھا: کیا یہ بات (دعوٰی نبوت) تم میں سے کسی نے اُن سے پہلے کبھی کی ہے؟ میں نے جواب دیا: نہیں! ہرقل نے پوچھا: کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ میں نے کہا: نہیں! ہرقل نے پوچھا ان کی اتباع اونچے طبقے کے لوگوں نے کی ہے یا دبے ہوئے لوگوں نے، میں نے کہا: دبے ہوئے لوگوں نے، ہرقل نے پوچھا: کیا و

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قَالَ لَهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ اَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ فَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِيْ نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَاَلْتُكَ هَلْ قَالَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ اَحَدٌ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَّاْتَسِيْ بِقَوْلٍ قِيْلَ قَبْلَهُ وَسَاَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهِ مِنْ مَّلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَّطْلُبُ مُلْكَ اَبِيْهِ وَسَاَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقَدْ اَعْرِفُ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَسَاَلْتُكَ اَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ اَنَّ ضُعَفَائَهُمُ اتَّبَعُوْهُ وَهُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَاَلْتُكَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ فَذَكَرْتَ اَنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ وَكَذٰلِكَ اَمْرُ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ وَسَاَلْتُكَ اَيَرْتَدُّ (مِنْهُمْ) اَحَدٌ سَخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ وَسَاَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَاَلْتُكَ بِمَا يَاْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ اَنَّهُ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَيَاْمُرُكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ فَاِنْ كَانَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا (فَاِنَّهُ نَبِیٌّ) فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَیَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّهُ خَارِجٌ وَّلَمْ اَكُنْ اَظُنُّ اَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ اَنِّيْ اَعْلَمُ اَنِّيْ اَخْلُصُ اِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَائَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ بَعَثَ بِهٖ دِحْيَةَ الْكَلْبِيْ اِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ بُصْرٰى اِلٰى هِرَقْلَ فَقَرَاَهُ فَاِذَا فِيْهِ

بڑھتے جارہے ہیں یا کم ہورہے ہیں؟ میں نے کہا: کم نہیں ہورہے ہیں، بلکہ بڑھتے جارہے ہیں، ہرقل نے پوچھا: کیا ان میں سے کوئی ان کے دین کو ناپسند کر کے اس میں داخل ہونے کے بعد پھرا بھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں! ہرقل نے پوچھا: اس بات (دعویٰ نبوت) کرنے سے پہلے تم لوگ ان کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں! ہرقل نے پوچھا: کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں! لیکن ہم زمانہ مصالحت میں آئے ہیں، خبر نہیں کہ وہ اب کیا کررہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: مجھے اس کے سوا کسی ایسی بات کے ملانے پر قدرت نہیں ہوئی جس میں تنقیص کا پہلو ہو۔ ہرقل نے پوچھا: تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے پوچھا: جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟ میں نے کہا: جنگ ہمارے ان کے درمیان ڈول کے مانند رہی، کبھی ان کے ہاتھ میں کبھی ہمارے ہاتھ میں (کبھی وہ فتح پاتے ہیں، کبھی ہم)، ہرقل نے پوچھا: وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ فرماتے ہیں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور اپنے باپ دادا کی باتیں چھوڑ دو اور ہمیں نماز کا اور سچ بولنے کا اور پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، تو اُس نے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہو کہ میں نے تم سے اُن کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں عالی نسب ہیں اور رسول اسی طرح اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے ہیں، میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ یہ بات تم میں سے کسی نے ان سے پہلے بھی کہی ہے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں! میں نے کہا: اگر کسی نے یہ بات ان سے پہلے کہی ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ یہ پہلے کی کہی ہوئی بات کے پیچھے پڑے ہیں، اور میں نے تم سے دریافت کیا تھا کہ کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے، تو تم نے بتایا کہ نہیں! میں نے کہا: اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اپنا آبائی ملک چاہتے ہیں، اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ اس بات کے کہنے سے پہلے تم ان کو جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے تھے؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں! میں اتنی بات یقینی طور پر جانتا ہوں کہ یہ جب انسان پر جھوٹ نہیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باندھتے تو اللہ پر ہرگز جھوٹ نہیں باندھیں گے' میں نے تم سے پوچھا
تھا کہ اونچے طبقے کے لوگوں نے ان کی اتباع کی ہے یا دبے ہوئے
لوگوں نے؟ تو تم نے بتایا کہ دبے ہوئے لوگوں نے ان کی اتباع
کی ہے۔ (ابتداءً) یہی لوگ رسولوں کے متبع ہوتے ہیں اور میں
نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے ہیں؟ تو تم
نے بیان کیا کہ بڑھتے جاتے ہیں' اور یہی ایمان کا حال ہے یہاں
تک کہ کامل ہو جائے۔ اور میں نے تم سے دریافت کیا تھا کہ ان
کے دین میں داخل ہونے کے بعد اسے ناپسند سمجھ کر (ان میں سے)
کوئی پھرتا بھی ہے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں! اور یہی حال ایمان کا
ہے جب اس کی تازگی دلوں میں رچ بس جائے (تو پھر نکلا نہیں
کرتا) اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو
تم نے بیان کیا کہ نہیں! اور رسولوں کی یہی شان ہے کہ وہ عہد شکنی
نہیں کرتے' اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتے
ہیں؟ تو تم نے بیان کیا کہ وہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو
اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور بت پرستی سے منع کرتے ہیں
اور نماز اور سچ اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں' اگر تمہاری یہ باتیں
سچی ہیں تو وہ بلاشبہ نبی ہیں' بہت جلد وہ میرے پاؤں تلے کی زمین
(بیت المقدس) کے مالک ہو جائیں گے اور مجھے یقین تھا کہ وہ
ظاہر ہونے والے ہیں' مگر یہ خیال نہ تھا کہ تم (قریش) میں سے
ہوں گے' کاش! مجھے یقین ہوتا کہ ان تک پہنچ سکوں تو سفر کی صعوبت
برداشت کر کے ان سے ملاقات کرتا' کاش! میں ان کے پاس ہوتا
تو میں ان کے پاؤں دھوتا رہتا' پھر رسول اللہ ﷺ کا وہ خط منگایا
جو حضور اقدس ﷺ نے دحیہ کلبی کے بدست بصریٰ کے حاکم
کے پاس بھیجا تھا تو اس نے اس والا نامہ کو ہرقل کے پاس پہنچایا تھا
اس کے بعد اس کو پڑھا' اس میں لکھا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ
الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ
بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ (اَسْلِمْ) يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم والا ہے
یہ دعوت نامہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی
جانب سے روم کے شہنشاہ ہرقل کے پاس بھیجا جاتا ہے' جو ہدایت
کی اتباع کرے اس پر سلام' اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْيَرِيْسِيِّيْنَ وَ ﴿يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:٦٤).

دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے (اسلام قبول کر)، اللہ تجھے دوگنا اجر عطاء فرمائے گا، اور اگر تم نے روگردانی کی تو تجھ پر رعایا کا بھی گناہ ہوگا، اور اے اہل کتاب! ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں، کسی کو اس کا شریک نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا، اس کے بعد اگر وہ مانیں تو تم لوگ کہہ دو (اے اہل کتاب!) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

قَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ فَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ وَ(اُمِرْنَا) اُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِاَصْحَابِيْ حِيْنَ اُخْرِجْنَا لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ اِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْاَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتّٰى اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْاِسْلَامَ وَاَنَا كَارِهٌ وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ اِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ اِيْلِيَاءَ اَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَاَلُوْهُ اِنِّيْ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَاْنُهُمْ وَاكْتُبْ اِلٰى مَدَايِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ هُوَ اَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْهُ اَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَاَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَهٗ بِرُوْمِيَةَ وَكَانَ نَظِيْرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ اِلٰى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى اَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهٖ يُوَافِقُ رَاْيَ هِرَقْلَ

ابوسفیان نے کہا: جب ہرقل سوال و جواب کر چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے بعد شور وشغب ہونے لگا، یہاں تک کہ آوازیں بلند ہو گئیں (اور ہمارے بارے میں حکم دیا گیا) تو ہم باہر نکال دیئے گئے، باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بخدا! ابوکبشہ کے بیٹے (نبی ﷺ) کی شان بہت بڑھ گئی، اتنی کہ ان سے شہنشاہِ روم ڈرنے لگا، اس وقت سے مجھے اس بات کا یقین رہا کہ آنحضور ﷺ بہت جلد غالب ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل فرما دیا اور میں اس سے پہلے اسلام کو ناپسند کرتا تھا۔ (امام زہری ہی سے مروی ہے) کہ ابن ناطور جو ہرقل کا دوست اور ایلیاء کا حاکم اور شام کے نصرانیوں کا مخدوم تھا، بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء (بیت المقدس) آیا تو ایک دن صبح پریشان آیا، اس پر اس کے بعض ارا کین سلطنت نے پوچھا: (کیا بات ہے!) آپ کا مزاج ہم خلافِ معمول پا رہے ہیں۔ ابن ناطور نے کہا: ہرقل کاہن تھا، علم نجوم میں نظر رکھتا تھا، ارا کین کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے آج رات جب ستاروں میں نظر کی تو یہ دیکھا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہو گیا۔ اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: صرف یہود ختنہ کراتے ہیں، آپ ان کی فکر نہ کریں، اپنے حدودِ مملکت کے شہروں میں فرمان بھیج دیجیے کہ یہاں جتنے یہودی ہوں قتل کر دیے جائیں۔ اسی اثناء میں ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر ہرقل کو پہنچا دو، ہرقل نے اس شخص سے حال معلوم کیا، پھر حکم دیا: لے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عَلٰى خُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهُ نَبِيٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِيْ دَسْكَرَةٍ لَّهُ بِحِمْصَ ثُمَّ اَمَرَ بِاَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَاَنْ يَّثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَاٰى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَاَيِسَ مِنَ الْاِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ اِنِّيْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اٰنِفًا اَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَاَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهُ وَرَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَاْنِ هِرَقْلَ. (بالفاظ مختلفہ یہ حدیث ان ابواب میں بھی ہے: کتاب الجہاد' کتاب التفسیر (دو مقامات پر)' کتاب الشہادات' کتاب الجزیہ' کتاب الادب (دو مقامات پر)' کتاب الایمان' کتاب الاحکام' کتاب المغازی' خبر واحد' کتاب الاستیذان' کتاب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ' علاوہ ازیں امام مسلم نے کتاب المغازی میں اور ترمذی نے کتاب الاستیذان میں' ابوداؤد نے کتاب الادب میں اور نسائی نے کتاب التفسیر میں بھی ذکر کیا ہے)

جاؤ! دیکھو یہ ختنہ شدہ ہے یا نہیں؟ لوگوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتایا کہ یہ ختنہ شدہ ہے' ہرقل نے اس سے عرب کے بارے میں پوچھا: کیا اہل عرب ختنہ کراتے ہیں؟ اس نے بتایا: عرب والے ختنہ کراتے ہیں۔ اب ہرقل نے کہا: یہی اس زمانے کا بادشاہ ہے جو غالب آ گیا' پھر ہرقل نے رومیہ کے اپنے ایک دوست کے پاس لکھا اور یہ ہرقل کا علم میں ہم پلہ تھا اور ہرقل حمص (جو دارالسلطنت تھا) چلا آیا اور وہیں رہا یہاں تک کہ ہرقل کے دوست کا جواب آیا' وہ بھی ہرقل کے ساتھ اس بات پر متفق تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور یہ کہ وہ بلاشبہ نبی ہیں' پھر ہرقل نے روم کے عمائدین کو حمص کے محل میں جمع ہونے کی اجازت دی' جب سب جمع ہو گئے تو محل کے دروازوں کو بند کرا دیا' پھر ان کے سامنے آ کر بولا: اے رومیو! کیا تم کو کامیابی اور ہدایت کی خواہش ہے اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک باقی رہے؟ (اگر ہے) تو اس نبی سے بیعت کر لو' اس پر وہ سب جنگلی گدھوں کی طرح بھڑک کر دروازوں کی طرف بھاگے' مگر دروازوں کو بند پایا' جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہا: ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ' (جب واپس ہو گئے تو) ہرقل نے کہا: میں نے ابھی جو بات کہی تھی' اس لیے کہی تھی کہ میں دین پر تمہاری پختگی کو آزما رہا تھا' وہ میں نے دیکھ لی' اس کے بعد سب نے اس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے' ہرقل کا آخر وقت تک یہی حال رہا (یعنی وہ نصرانی ہی مرا)۔

امام بخاری نزولِ وحی کی ابتداء بلکہ انتہائی کیفیت بھی بیان کر چکے اور جس پر وحی آتی ہے' وہ نبی ہوتا ہے اور جسے تبلیغ احکام کا حکم ہوتا ہے' وہ رسول بھی ہوتا ہے' تو از روئے روایت مہبط وحی کی رسالت ثابت کرنے کے بعد ان کی رسالت کے لیے ایک اور مستحکم ثبوت پیش کرتے ہیں جو ایک نصرانی کی شہادت ہے' وہ بھی وقت کے سب سے بڑے فرعون کی' ہوس اقتدار جس کے مسلمان ہونے میں آڑے آئی۔ الفضل ما شهدت به الاعداء.

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل

جلیل القدر تابعی امام مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ ابن عباس' ابن عمر اور ابو ہریرہ وغیرہ کثیر صحابہ سے حدیثیں سنیں اور ان سے کثیر تابعین نے' خلیفہ ارشد عمر بن عبد العزیز کے استاذ تھے' نابینا ہو گئے تھے' ۹۰ھ کے بعد ان کا وصال ہوا۔

ابو سفیان

ان کا نام صخر ہے' نسب نامہ یہ ہے: صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔ ابو سفیان کنیت ہے اسی کے ساتھ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مشہور ہیں' دوسری کنیت ابوحنظلہ ہے' واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کی رات میں ایمان لائے اور مؤمنین مخلصین میں ہوگئے۔ غزوۂ طائف میں شریک ہوئے' تیر سے ایک آنکھ نکل گئی۔ حضور اقدس ﷺ کو خبر ملی تو اُن کے پاس تشریف لائے' دیکھا کہ ڈھیلا ہاتھ میں لیے ہیں' فرمایا: یہ آنکھ راہِ خدا میں گئی ہے' اگر کہو تو دعا کردوں آنکھ ٹھیک ہوجائے' یا کہو تو دعا کردوں' اس کے عوض جنت ملے؟ عرض کیا: جنت اختیار کرتا ہوں۔ دوسری آنکھ جنگ یرموک میں جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں رومیوں سے ہونے والی لڑائیوں میں سب سے بڑی اور فیصلہ کن ہوئی' پتھر لگنے سے راہِ خدا میں قربان ہوگئی۔ اس کے بعد مدینہ میں آکر رہائش اختیار کرلی۔ باقی ماندہ زندگی یہیں گزاری۔ ۳۴ھ میں اٹھاسی سال کی عمر پا کر یہیں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن نصیب ہوا' یہ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان کو رسول اللہ ﷺ نے "قدید" کے مشہور بت مناۃ کے برباد کرنے کی مہم پر بھیجا تھا۔

حضور ﷺ کی ایک عطا

غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت میں سے ان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطاء فرمایا۔ ابوسفیان نے کہا: یہ میرا بیٹا یزید بن معاویہ ہے' اس کو بھی کچھ دیجئے' ان کو بھی سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطاء فرمایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور ایک درہم تین ماشے ۱/۵ رتی اور روپیہ سوا گیارہ ماشے کا' تو چالیس اوقیے لگ بھگ ساڑھے چار سو روپے بھر چاندی ہوتے ہیں۔

یزید بن ابوسفیان

یہ حضرت یزید رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے' اپنے چچا معاویہ بن حرب کی طرف نسبت کر کے پکارے جاتے تھے۔ جنگ یرموک میں ایک دستے کے سپہ سالار تھے' ان کے والد ابوسفیان اسی دستے میں تھے کہ اسی وقت ابوسفیان کی آنکھ شہید ہوگئی' بہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو شام پر حاکم بنایا تھا۔ مدت العمر بڑے حسن وخوبی سے حکمرانی فرمائی۔ ابوسفیان نام کے صحابہ میں متعدد حضرات ہیں' مگر ابوسفیان بن حرب صرف یہی ہیں' ان سے حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔

ہرقل

ہرقل بروزن دمشق' ہا کو کسرہ' را کو فتحہ قاف ساکن' اس کے معنی غربال (چھلنی) کے ہیں۔ عہد رسالت میں روم کا جو شہنشاہ تھا' اس کا نام ہے۔ قیصر اس کا لقب ہے' اس زمانے میں ہر ملک کے بادشاہوں کے الگ الگ لقب تھے' جیسے روم کے بادشاہ کا قیصر' ایران کا کسریٰ' ترک کا خاقان' حبشہ کا نجاشی' قبط کا فرعون' مصر کا عزیز' اسکندریہ کا مقوقس' یمن کا تبع' ہندوستان کا رائے' چین کا فغفور' یونان کا بطلیموس۔

غالباً روم کے بادشاہ کا قیصر کہلانا' ہرقل ہی سے شروع ہوا ہے۔ شارحین حدیث نے وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ قیصر کے معنی چیرنے کے ہیں' چونکہ اس کی پیدائش کے وقت اس کی ماں دردِ زہ میں انتقال کر گئی تھی' اس لیے اس کو ماں کا پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا' اس لیے قیصر کہلانے لگا۔ اس پر یہ بد دماغ فخر کرتا کہ میں پیشاب کے مقام سے نہیں پیدا ہوا' ہرقل ہی دنیا کا وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے دینار ایجاد کیا اور زر کا جا بنوایا۔

والا نامہ کی برکت

عینی میں ہے کہ ہرقل نے والا نامہ کو بہ حفاظت تام سونے کی ڈبیہ میں رکھا' یہ اور اس کی نسل ہمیشہ اس کا بہت اعزاز واکرام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اُڑ گئے تھے۔ یہ خط اس کے پاس ایک زرّیں صندوق میں سونے کے قلم دان میں محفوظ تھا۔ اس بادشاہ نے بتایا کہ یہ وہ خط ہے جو تمہارے نبی نے ہمارے دادا کے پاس بھیجا تھا۔ ہمارے خاندان میں یہ والا نامہ ہے' ہمارے بزرگ ہمیشہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے ہیں کہ اس کی بہت حفاظت کرنا' تعظیم وتکریم کرنا' جب تک یہ ہمارے خاندان کے قبضے میں ہے' سلطنت ہمارے خاندان میں باقی رہے گی۔

ہرقل کافر مرا

صحیح یہی ہے کہ اسے ایمان نصیب نہ ہوا' اس نے اکتیس سال حکومت کی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرات شیخین نے جس قیصر کے قبضے سے ملک شام آزاد کرایا تھا' وہ یہی قیصر تھا یا دوسرا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مر گیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں اس کا بیٹا حکمران تھا اور عہد فاروقی میں اس کا پوتا۔ اس کے پوتے ہی کو مجاہدین اسلام نے شام سے نکالا تھا' جو قسطنطنیہ بھاگ گیا' اور وہاں سینکڑوں برس اس کی نسل حکمران رہی۔

فتح قسطنطنیہ

یہاں تک کہ ۱۴۵۳ء/ ۸۵۷ھ میں محمد فاتح عثمانی المتوفی ۱۴۸۱ء/ ۸۸۶ھ رحمۃ اللہ علیہ نے قسطنطنیہ فتح فرمایا' قیصر کل چالیس ہوئے اور ان کی سلطنت کی مدت پانچ سو سات سال رہی' لیکن علامہ ابن حجر نے اس کو اظہر فرمایا کہ عہد فاروقی تک یہی ہرقل تھا جو قسطنطنیہ بھاگا۔

تعظیم وتوہین کے اثرات

جب حضور اقدس ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر نے کوئی گستاخی نہیں کی' والا نامہ کی تعظیم وتکریم کی' تو فرمایا: اس نے اپنا ملک بچا لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی نسل میں صدہا سال حکومت باقی رہی اور ایران کے مغرور خسرو پرویز نے والا نامہ پھاڑ کر پھینک دیا اور گستاخی کی تو فرمایا: ''مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهٗ'' اللہ اس کے ملک کو برباد فرمادے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عہد فاروقی میں کسریٰ کا پورا ملک نگین اسلام کے تحت آگیا اور عہد عثمانی میں خاندانِ کسریٰ کا آخیر تاجدار یزدجرد مارڈالا گیا۔

ع غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

قریش

قریش کس کا لقب ہے' اس میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کا لقب ہے' کثیر علماء سیر ونسب نے اسی کو صحیح کہا' یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام نووی نے فرمایا: یہی صحیح اور مشہور ہے' حافظ عراقی نے کہا: یہ اکثر کا قول ہے۔ حافظ صلاح علائی نے اس کو صحیح کہا اور محققین کا مذہب بتایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قریش فہر بن مالک کا لقب ہے۔ امام زہری نے فرمایا: یہی سارے نساب کہتے ہیں۔ علامہ زرقانی نے فرمایا: اسے بھی اکثر کا قول کہا گیا ہے۔ دمیاطی حافظ عراقی علامہ احمد خطیب قسطلانی نے اس کو صحیح کہا۔ عراقی کی سیرت منظوم میں ہے:

اما قریش فالاصح فِهر جماعها والاکثرون النّضر

لیکن ایک بزرگ نے ان دونوں قولوں میں یہ تطبیق دی کہ نضر کے اگرچہ تین لڑکے تھے: مالک' صلت' مخلد' مگر نسل صرف مالک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے چلی یونہی مالک کی نسل صرف فہر سے باقی رہی' تو جو بھی نضر بن کنانہ کی نسل ہے' وہ فہر کی بھی نسل ہے' قریش خواہ نضر کا لقب ہو خواہ فہر کا' حاصل ایک ہی ہوا کہ سارے قریش کا نسب فہر کے واسطے سے نضر بن کنانہ تک پہنچتا ہے۔ چند اور اقوال بھی ہیں مگر لائق توجہ نہیں۔

قصی کا لقب قریش نہیں

تیسرا قول باطل یہ ہے کہ قصی بن کلاب کا لقب قریش ہے' مگر یہ اس لائق نہیں کہ اس پر کان دھرا جائے' یہ روافض نے اس لیے گھڑا ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم قریشی ہونے سے نکل جائیں' تا کہ ان کی خلافت اہل سنت کے مسلمات کے مطابق بھی صحیح نہ رہے۔ اس لیے کہ یہ حضرات قصی کی اولاد نہیں' حضرت صدیق اکبر کا نسب نامہ یہ ہے:

شجرہ صدیقی

ابوبکر بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی' ساتویں پشت میں مرۃ بن کعب بن لوی پر جا کر حضور اقدس ﷺ سے مل جاتا ہے' اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے:

شجرہ فاروقی

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ ان کا نسب نویں پشت میں کعب بن لوی پر شجرۂ نبوی سے مل جاتا ہے۔

جب قصی بن مالک کی نسل سے یہ حضرات نہیں' تو اگر یہ مان لیا جائے کہ قریش قصی کا لقب ہے تو یہ دونوں حضرات قریشی نہ ہوں گے اور خلیفہ کے لیے قریشی ہونا باتفاق اہل سنت شرط' تو اہل سنت کی مسلمہ شرط پر بھی یہ حضرات خلیفہ نہ ہوں گے۔

ابوسفیان کے ساتھ کتنے آدمی تھے؟

''رَکْبٌ'' راجح یہ ہے کہ ''رَکبٌ'' کی اسم جمع ہے' جیسے ''رجُلٌ'' کی اسم جمع ''قومٌ'' ہے۔ دس اور دس سے زیادہ سواروں کو ''رَکْبٌ'' کہتے ہیں جو سفر میں ہوں۔ اس قافلے میں تیس افراد تھے' یہ لوگ شام کے مشہور شہر غزہ سے بلائے گئے تھے' ان میں حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی تھے۔

صلح حدیبیہ

اس سے مراد صلح حدیبیہ کا زمانہ ہے' یہ صلح ۶ھ میں ہوئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے اواخر ۶ھ میں والا نامہ بھیجا تھا اور اوائل محرم ۷ھ میں ہرقل کو ملا تھا۔

ایلیاء

اس میں چھ لغات ہیں: ''اِیلِیَاءُ'' بروزن کبریاء ''اِیلِیَا'' بغیر ہمزہ کے ''اِلْیَاء'' ایلاء اعطاء کے وزن پر ''اَلْاِیلِیَا''، ''اَلْاَیْلِیَا'' معرف بلام' یہ عبرانی لفظ ہے' بیت اللہ کے معنی میں اور بیت المقدس کا علم ہے۔

دعوت اسلام کے مکتوب

صلح حدیبیہ کے بعد جب اہل مکہ کی طرف سے اطمینان ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے اردگرد کے بادشاہوں' رئیسوں کے نام اسلام لانے کی دعوت بہ صورت مکتوب بھیجی۔ شاہ ایران خسرو پرویز کے نام' شاہ روم ہرقل کے نام' نجاشی شاہ حبشہ کے نام' مقوقس شاہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسکندریہ کے نام وغیرہ وغیرہ۔ ہرقل کے پاس والا نامہ لے کر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ والا نامہ لے کر پہلے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس گئے۔ اس نے عدی بن حاتم کے سپرد کر دیا' حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ عدی بن حاتم کے ساتھ ہرقل کے پاس بیت المقدس پہنچے اور والا نامہ دیا۔

ہرقل اس وقت بیت المقدس میں آیا ہوا تھا' اس کا سبب یہ تھا کہ ایران اور روم میں برسہا برس سے بہت خون ریز تباہ کن جنگ جاری تھی۔ ٹھیک اس دن جس دن بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش پر فتح عظیم حاصل ہوئی' ہرقل کو ایرانیوں پر مکمل فتح حاصل ہوئی' ہرقل اس کی خوشی میں شکرانہ ادا کرنے حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا تھا' اس شان سے کہ راستے بھر فرش اور فرش پر پھول بچھائے گئے۔

ترجمان

اس میں چار لغت ہیں' تاء اور جیم کو زبر' دونوں کو پیش' تاء کو زبر جیم کو پیش' تاء کو پیش جیم کو زبر' ترجمان کے معنی ہیں: فصیح' تیز زبان' خوش بیان اور تاوان' وہ شخص جو ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنے پر قادر ہو' یہاں یہی مراد ہے۔

اَخْلُصُ اِلَیْہ

اس کا مصدر ''خلوص'' یا ''خلاص'' ہے' یہ متعدد معنی میں آتا ہے: نجات پانا' الگ تھلگ ہونا' خالص ہونا' اور جب اس کا صلہ ''الی'' یا ''باء'' آتا ہے تو اس کا معنی: پہنچنا ہوتا ہے۔

تَجَشَّمْتُ

''تَجَشُّم'' کے معنی ریت کے بڑے ٹیلے پر چڑھنا' چن لینا' قصد کرنا' اور مشقت اُٹھا کر کوئی کام کرنا' یہاں یہی معنی ہے اور مراد ہجرت ہے' یعنی اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ جاؤں تو ہجرت کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

دحیہ بن خلیفہ قدیم الاسلام کبار صحابہ میں نہایت حسین وجمیل تھے' جب شام میں والا نامہ لے کر گئے تو ان کو دیکھنے کے لیے عورتیں نکل پڑیں۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے' حضرت جبریل زیادہ تر انہیں کی شکل میں حاضر ہوتے۔ جنگ یرموک میں بھی شرکت کی تھی' اخیر میں دمشق کے قریب مزہ نامی ایک گاؤں میں آ بسے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بہ قید حیات رہے' ابوداؤد کو چھوڑ کر صحاح ستہ میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں' صحابہ میں دحیہ نام کے صرف یہی ایک صحابی ہیں۔

عظیم بُصریٰ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا والا نامہ بصریٰ کے حاکم حارث بن شمر غسانی کے ذریعے ہرقل کے پاس بھیجا تھا' حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ والا نامہ پہلے حارث کے پاس لے گئے' حارث نے عدی بن حاتم کے ہمراہ انہیں بیت المقدس بھیجا' جہاں ہرقل ایرانیوں پر مکمل فتح کی خوشی منانے کے لیے گیا تھا۔ حارث بن شمر غسانی عربی النسل تھا' دنیوی طمع میں نصرانی ہو گیا تھا اور ہرقل کا باج گزار بصریٰ کا حاکم تھا۔

عدی بن حاتم

عدی بن حاتم بھی اس وقت نصرانی تھے' فتح مکہ کے بعد ایمان سے مشرف ہوئے اور راسخ الاعتقاد مخلص صحابی ہوئے۔ اوائل عہد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صدیقی میں جب عرب کے قبائل میں ردت پھیلی تو یہ مع اپنے قبیلے طے کے ایمان پر ثابت رہے۔ اس زمانے میں بھی زکوٰۃ لے کر بارگاہِ صدیقی میں حاضر ہوئے۔ دوسروں کو ردّت سے بچنے کی تلقین فرماتے رہے۔ بصریٰ مدینہ و دمشق کے مابین شام کا سرحدی شہر ہے جسے حوران بھی کہتے ہیں۔

فَقَرَاَهٗ

جب میر منشی نے والا نامہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پڑھا: ''مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ'' تو ہرقل کے بھائی نے غصے میں آ کر والا نامہ میر منشی کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہرقل نے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا؟ اس کے بھائی نے کہا: انہوں نے اپنے نام سے خط کی ابتداء کی اور آپ کو عظیم الروم' صاحب الروم لکھا' ملک الروم نہیں لکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت متکبر ہے' اپنے کو بڑا اور آپ کو حقیر و ذلیل جانتا ہے۔ ہرقل نے اپنے بھائی سے کہا: تم کم عقل ہو' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس خط کے مضمون پر مطلع ہونے سے پہلے اس کو پھینک دیا جائے' اگر وہ اللہ کے رسول ہیں تو ان کو ضرور اپنے نام سے شروع کرنا چاہیے اور اپنے نام کو میرے نام سے پہلے لکھنا چاہیے' یہ بالکل صحیح لکھا کہ میں صاحب الروم ہوں' میں مالک روم نہیں' مالک روم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

بدعاية الاسلام

اس میں باء معنی میں ''اِلٰی'' کے ہے اور ''دِعَايَة'' مصدر مفعول کے معنی میں ہے یعنی ''مَدْعُوّ'' اور اضافت' اضافت بیانیہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''اَدْعُوْكَ اِلَى الْمَدْعُوِّ الَّذِيْ هُوَ الْاِسْلَام'' ایک روایت میں ہے: ''بداعية الاسلام'' اب یہ صفت ہے' کلمہ محذوف کی اب تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''ادعوك الٰی كلمة داعية الی الاسلام'' وہ کلمہ' کلمہ طیبہ ہے۔

اليريسيين

یہاں چار روایات ہے: ''اليريسين' الاريسين' اليريسيين' الاريسيين'' اخیر کی دو روایتوں میں یائے نسبت کے ساتھ ہے' اوّل یریسی کی اور دوم اریسی کی جمع ہے۔ ابن فارس نے کہا: یہ لفظ عربی نہیں' جوہری نے کہا کہ شامی ہے۔ اس کے یہ معانی ہیں: امراء' ٹیکس وصول کرنے والے' خدام و متعلقین' متکبرین۔

کاشت کار' یہاں یہی معنی ہے' اس لیے کہ ابن اسحٰق نے بہ روایت زہری اکارین اور مدائنی نے الفلاحین تخریج کیا ہے۔ برقانی نے اپنی روایت میں اکارین کی تفسیر حراثین کی ہے۔ حراث اور فلاح کے معنی کاشتکار کے ہیں' چونکہ رعایا میں کثرت کاشت کاروں کی تھی' اس لیے تغلیباً بتسمیۃ الکل باسم الجزء پوری رعایا مراد ہے' اور اگر اس روایت میں یریسیین بہ معنی متعلقین لیا جائے تو بھی رعایا کا مراد ہونا ظاہر ہے۔

عبداللہ بن اریس

عبداللہ بن اریس کے متبع یہود و نصاریٰ' یہ بنی اسرائیل میں بہت ظالم گزرا ہے' اس نے اپنے نبی کو شہید کیا۔

ابن ابی کبشہ

ابن ابی کبشہ سے مراد ابوسفیان کی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' ابو کبشہ کون تھا؟ شراح نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں' ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں کوئی گمنام شخص ابو کبشہ تھا' اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی سے ناراض ہوتے تو اسے اُس کے کسی گمنام دادا کی طرف منسوب کرتے۔ دوسری وجہ یہ بتائی کہ عرب میں بنی خزاعہ سے ایک شخص تھا جس کا نام رجز بن عامر بن کعب تھا' اس کو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابو کبشہ کہتے تھے۔ اس نے قریش کے عقیدے کے خلاف بت پرستی کی مخالفت کی تھی' اور مشہور ستارہ شعریٰ کی پرستش کی دعوت دیتا تھا' قریش بت پرستی کی مخالفت میں اشتراک کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف توجیہات کی گئی ہیں' ابوسفیان کا مقصود صرف تحقیر تھی' اس لیے والد ماجد یا دادا صاحبان کی طرف منسوب کر کے ابن عبداللہ یا ابن عبدالمطلب نہیں کہا' حالانکہ حضور عام طور پر ابن عبدالمطلب سے مشہور بھی تھے' عبدالمطلب کی عظمت کی پورے عرب پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی' ان کی جانب نسبت کرنے میں عظمت کا اظہار تھا' اس لیے بجائے ابن عبدالمطلب کے ابن ابی کبشہ کہا۔

بنی الاصفر

اس سے مراد رومی ہیں' اصفر کے معنی پیلے رنگ والے کے ہیں۔ رومیوں کو بنی الاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اصفر بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اصفر کا نام اصفر اس لیے پڑا کہ ان کے والد روم بن عیص نے شاہ حبشہ کی لڑکی سے شادی کی تھی' اس سے یہ پیدا ہوا' اس کا رنگ زردی مائل تھا' اس لیے اس کو اصفر کہنے لگے۔ ابن الانباری نے کتاب التیجان میں یہ وجہ بیان کی کہ اصفر کی پردادی' حضرت سارہ نے بچپن میں اس کو سونے کے اتنے زیورات پہنا دیئے کہ اس کہ جھلک سے زرد دکھائی دیتا تھا' اس لیے اس کو اصفر کہنے لگے۔

ابن الناطور

تین طرح منقول ہے' ناطور طائے مہملہ کے ساتھ' ناظور ظاء معجمہ کے ساتھ' ناطورا طاء مہملہ اور اخیر میں الف کے ساتھ' اس کے معنی باغبان کے ہیں۔ ناطور اور ناظور کو کسی نے کہا: عربی ہے' کسی نے عجمی بتایا' مگر ناطورا عجمی ہے۔

امام زہری کی ابن ناطور سے' عبدالملک بن مروان کے زمانے میں دمشق میں ملاقات ہوئی۔ اس سے انہوں نے خود یہ باتیں سنی ہیں' اس لیے" وکان ابن الناطور "امام زہری کا قول ہے' امام زہری کے آگے حدیث ابوسفیان میں جو راوی ہیں وہ یہاں نہیں' یعنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس یہ روایت نہیں' بلکہ امام زہری نے بلاواسطہ ابن ناطور سے یہ سنا ہے۔

اسقفًا

یہاں سات طرح روایت ہے" اُسْقُفًّا "الف کو پیش سین ساکن قاف کو پیش فا' مشدد وزبر الف کے ساتھ" اُسْقُفًا "فاء کی تشدید کے بغیر" سُقِفّا "سین سے شروع جس پر پیش ہے قاف کو زیر فاء مشدد وزبر کے ساتھ" سُقُفًّا "سین اور قاف کو پیش فاء کو دو زبر الف کے ساتھ۔ معنی ان چاروں کا ایک ہے' دینی پیشوا جو عیسائیوں میں پادری ہوتا ہے۔" اُسْقِفَ "باب افعال سے فعل ماضی مجہول" سُقِّفَ "باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول" سُقِفَ "نصر کا فعل ماضی مجہول ان تینوں کے معنی یہ ہوئے کہ یہ شام کے نصرانیوں کا پادری بنایا گیا۔

خبیث النفس

ردی النفس' متفکر' سست' کسی مسلمان کو خبیث النفس کہنے کی حدیث میں ممانعت ہے۔ مسلمان اپنے آپ کو بھی نہ کہیں' غیروں کو کہہ سکتے ہیں۔

بطارقۃ

یہ بطریق کی جمع ہے' اس کے معنی مشیر کار' رکن سلطنت کے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حزاء

کاہن کے معنی میں ہے، کاہن اس کو کہتے ہیں جو شیاطین کے القاء سے آئندہ کے حالات بتائے، یا علم نجوم کے ذریعے، یا اعضاء کے خطوط اور ساخت اور چہرے کے تل دیکھ کر گزشتہ اور آئندہ کے احوال کی خبر دے، آگے ہے:

''ینظر فی النجوم'' اور ستاروں میں نظر رکھتا تھا، اور اسے ''حزّاء'' کی تفسیر ٹھہرائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہرقل نجومی تھا اور اگر اسے ''کَانَ'' کی خبر ثانی بنائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہرقل کاہن بھی تھا اور نجومی بھی۔ اس تقدیر پر کاہن کے صرف دو معنی ہوں گے۔ علم نجوم حق ہے، مگر اب اس پر عمل منسوخ ہو گیا ہے اور کہانت بقیہ دو معنوں کے اعتبار سے لغو و مہمل ہے، اس پر اعتماد جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

مَنْ اَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ. (ابن ماجہ)	جو کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی، وہ اس سے بیزار ہو گیا جو محمد ﷺ پر اتارا گیا۔

ملك الختان قد ظهر

جس بادشاہ کے ملک میں ختنوں کا دستور ہے، وہ غالب آ گیا۔

یہاں دو روایات ہیں: ''مُـلْكُ'' اور ''مَـلِكُ'' دونوں کا حاصل وہی ہے، یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ صلح حدیبیہ کو قرآن نے فتح مبین فرمایا، اور یہی صلح حدیبیہ ہی اسلام کے غلبہ کا سبب بنی۔ زمانۂ جنگ میں لوگ ڈر سے مدینہ آتے جاتے نہیں تھے، مسلمانوں سے تعلقات نہیں تھے، جب صلح کی وجہ سے تمام خطرات مٹ گئے اور اہل عرب آزادی کے ساتھ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے تو ان پر اسلام کی حقانیت اور صداقت آشکارا ہونے لگی اور اسلام پھیلتا گیا اور مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگا، سببِ غلبہ کو غلبہ سے تعبیر کرنا عام محاورہ ہے۔

ایک عجیب و غریب بات

شراح حدیث نے یہاں ایک عجیب و غریب بات لکھی ہے کہ ہرقل نے یہ بات اس طرح جانی کی علوئین (زحل و مشتری) کا برج عقرب میں قران ہر بیس سال پر ہوتا ہے۔ اس طرح عہد نبوی میں تین قران ہوئے، پہلے قران کی ابتداء میں ولادت ہوئی۔ دوسرے قران کے اختتام پر نزول قرآن کا غار حرا سے آغاز ہوا۔ تیسرے قران کے اختتام کے قریب صلح حدیبیہ ہوئی، انہیں ایام میں ہرقل نے ستاروں میں دیکھ کر یہ کہا تھا۔ پھر وجہ استدلال میں تحریر فرمایا کہ چونکہ برج عقرب مائی ہے، علوئین کا اس میں قران اس کی دلیل ہے کہ ملک الختان کا ظہور ہو گیا۔

میں علم نجوم سے واقف نہیں، اس لیے کچھ نہیں عرض کر سکتا، مگر ہر ناظر پر ظاہر ہے کہ یہ استدلال دو طرح سمجھ میں نہیں آتا، اوّل یہ کہ جب علوئین کا برج عقرب میں قران مطلقاً ملک الختان کے غلبہ کی علامت تھی تو یہ غلبہ پہلے قران یا اس سے پہلے والے قران میں کیوں نہیں ہو سکتا۔ دوسرے برج عقرب کے مائی اور اس میں علوئین کا قران ملک الختان کے ظہور کی دلیل کس طرح ہے، یہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اب یا تو یہ کہیے کہ کچھ مقدمات محذوف ہیں، تو ان کو مذکور ہونا چاہیے، یا پھر یہ کہیے کہ کتب سابقہ میں یہ علامت مذکور تھی کہ جب فلاں صدی میں اور صدی کے فلاں حصے میں علوئین کا قران برج عقرب میں ہوگا تو یہ ظہور ہوگا۔ علوئین کے برج عقرب میں مطلقاً قران کو دلیل بتانا کسی طرح درست نہیں اور بہتر تو یہ ہے کہ شروح احادیث کو ایسی باتوں سے خالی رکھیں تو اچھا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یخبر عن خبر

اس شخص کے الفاظ ابن اسحاق نے یوں روایت کیے کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوئے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں' کچھ لوگ ان کے تابع ہو گئے ہیں اور کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے' ان میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں' میں انہیں اسی حال پر چھوڑ آیا ہوں۔

رُومیّۃ

یہ ملک روم کا ایک بہت عظیم شہر تھا' اس کی شہر پناہ بیس میل لمبی تھی' وسط شہر میں صغر نامی نہر بہتی تھی' اس پر کئی ایک پل تھے ''باب'' نصاریٰ کا سب سے بڑا پیشوا یہیں رہتا تھا' یہاں چھ سو گز مربع زمین پر ایک گرجا تھا' جس کی چھتیں رانگے کی اور فرش سنگ مرمر کا تھا۔ اس گرجے کے شہ نشیں میں ایک سونے کی کرسی تھی' جس پر ''باب'' بیٹھ کر دربار لگایا کرتا تھا۔ اس کے پیچھے چاندی میں منڈھا ہوا ایک دروازہ تھا' جو تہہ خانے میں جانے کے راستے پر تھا۔ اس تہہ خانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ''بطرس'' کی قبر تھی۔ اس شہر کے دوسرے گرجا میں دوسرے حواری ''بولص'' کی قبر تھی۔

رومیہ میں ہرقل کے جو دوست تھے جن کو ہرقل نے خط لکھا تھا' ان کا نام ضغاطر تھا۔ مدارج النبوت میں ہے کہ ہرقل نے والا نامہ پڑھوانے کے بعد جب شور و شغب ختم ہوا تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو رومیہ اپنے جیسے عالم فاضل اپنے دوست ضغاطر کے پاس بھیجا' یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان کی رائے کیا ہے۔ ضغاطر نے جب نامہ مبارک پڑھا اور حضرت دحیہ سے اوصاف مبارکہ سے تو اس نے کہا: ان کے یہ اوصاف ہماری کتابوں میں ہیں' اور ہمیں ان کی نبوت میں ذرہ برابر شک و شبہہ نہیں۔ اس کے بعد وہ باہر نکلا اور نصرانیوں کو مخاطب کر کے کہا: اے رومیو! احمد عربی کی جانب سے دعوتِ نامہ آیا ہے' اس میں دین کی ہدایت کی گئی ہے۔ آفتاب کی طرح ان کا نبی ہونا ہر شک سے بالاتر ہے' تم سب اللہ عزوجل کی الوہیت اور ان کی رسالت کی تصدیق کرو' یہ سنتے ہی وہ ظالم ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں شہید کر ڈالا۔

حضرت دحیہ نے واپس آ کر سارا ماجرا ہرقل سے بیان کیا' اس روایت کی بناء پر یہ ماننا پڑے گا کہ ہرقل نے حضرت دحیہ یا ان کے کسی ہمراہی کو کوئی خط بھی دیا تھا' اور حضرت دحیہ کو ''رومیہ'' بھیجنے کے بعد بیت المقدس سے حمص چلا آیا' اور ضغاطر نے باہر نکلنے سے پہلے ہرقل کے خط کا جواب بھی لکھ کر حضرت دحیہ یا ان کے کسی ہمراہی کو دے دیا تھا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ رومیہ کا یہ ہرقل کا دوست ضغاطر کے علاوہ کوئی اور ہو۔

حمص

یہ اس زمانے میں ہرقل کا دارالسلطنت تھا' یہ عمالقہ میں ایک شخص ''حمص بن مہران بن حاف'' کے نام پر ہے۔ امام ثعلبی نے فرمایا: اس شہر میں نو سو صحابہ کرام رونق افروز ہوئے۔ اس واقعہ کے دس سال بعد' عہد فاروقی میں ۱۶ھ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اسے فتح فرمایا' یہ وباؤں سے پاک شہر ہے' یہاں سانپ بچھو نہیں ہوتے۔

فکان ذالک اٰخر شان ہرقل

اس حدیث میں ہرقل کے کلمات اس قسم کے ہیں' جن سے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا کہ وہ کافر مرا یا مسلمان؟ اس کا بھی احتمال ہے کہ اخیر وقت تک شک و تردد میں رہا ہو' اس لیے راوی نے وضاحت کر دی کہ ہرقل کا اخیر دم تک یہی حال رہا اور وہ ایمان سے محروم رہا' یہی صحیح ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۸ھ میں دو ہی سال کے اندر اندر ایک لاکھ فوج لے کر وہ جنگ موتہ کے موقع پر صحابہ کرام سے جنگ کرنے کے لیے مآرب تک آیا تھا۔ پھر اسی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجی تیاریوں کی اطلاع پر غزوۂ تبوک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

واقع ہوا۔ علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کے ایام خلافت میں اسی نے پوری طاقت اور قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا' پھر کیسے یہ مان لیا جائے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا۔

علاوہ ازیں غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا کہ میں مسلمان ہوں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا دشمن جھوٹا ہے مسلمان نہیں' وہ اپنی نصرانیت پر باقی ہے۔

فتح الباری میں ہے کہ ہرقل جب شام سے قسطنطنیہ جانے لگا تو اس نے رومیوں کے سامنے تین باتیں رکھیں' یا تو مسلمان ہو جاؤ یا مسلمانوں کو جزیہ دو' یا صلح کر لو' انہیں درب تک وداع کرنے کے لیے رومیوں نے قبول نہیں کیا' اس کے بعد وہ شام سے نکلا' جب درب پہنچا تو سرزمین شام کو رخصتی (یعنی الوداعی) سلام کرتے ہوئے کہا: اے سرزمین سوریہ! تجھے سلام' پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قسطنطنیہ چلا گیا۔

ان سب سے ظاہر ہے کہ اس کے ضمیر کی آواز کچھ بھی رہی ہو' مگر سلطنت کی حرص نے اُسے ایمان سے محروم رکھا۔

❁❁❁❁❁

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲- کِتَابُ الْاِیْمَانِ

[ایمان کا بیان]

ایمان بنیاد ہے

انسان جن چیزوں کا شرعاً مکلف ہے اس کی دو قسمیں ہیں: یا تو اس کا صدور دل سے ہوگا یا اس کا صدور دیگر اعضاء سے۔ اوّل ایمان ہے، ثانی اعمال یا اقوال۔ سارے اعمال و اقوال کی بنیاد ایمان ہے، اگر ایمان نہ ہو تو سارے اعمالِ حسنہ و اقوالِ صالحہ کالعدم۔ ارشاد ہے:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَاعَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًاO﴾ (الفرقان:۲۳) ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌO تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةًO﴾ (الغاشیہ:۳-٤).

کافروں نے جو کچھ کیا تھا ہم نے ان سب کو بکھرے ہوئے ذرّے بنایاO (الفرقان:۲۳) کام کریں، مشقتیں جھیلیں O بھڑکتی آگ میں بھنیں O (الغاشیہ:۳-۴)

اس لیے امام بخاری نے کتاب الایمان کو سب پر مقدم فرمایا۔

ایمان کی تعریف

ایمان کے لغوی معنی کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔ قرآن کریم میں برادرانِ یوسف علیہ السلام کا قول مذکور ہے: ’’وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا‘‘ (یوسف:۱۷) آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔ اصطلاحِ شریعت میں تمام ضروریاتِ دین کو دل سے سچ ماننے اور زبان سے ان کی سچائی کے اقرار کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ یہ تصدیق و اقرار تحقیقاً ہو خواہ تقلیداً[1] زبان سے اقرار ایمان کا رکن ہے، یا اجراء احکام کے لیے شرط، دونوں قول ہیں، اور اس خادم کے نزدیک دونوں درست ہیں۔ تصدیق قلبی کسی حال میں ساقط نہیں، البتہ اقرار باللسان بعض صورتوں میں معاف ہے، جیسے حالت اکراہ میں یا ایسی حالت میں ایمان نصیب ہوا کہ اقرار کا وقت نہ مل سکا، مگر اس کے رکن ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جیسے قراءت، قیام، رکوع، سجود نماز کے ارکان ہیں، مگر عاجز سے ساقط ہو جاتے ہیں[2] اصل ایمان تصدیق قلبی ہے مگر دنیا میں مؤمن ہونے کا حکم لگانے کے لیے اقرار باللسان ضروری بھی ہے اور کافی بھی، اگر کوئی زبان سے تمام ضروریات کی تصدیق کرے تو اس کو مسلمان ہی کہیں گے، باطن کا حال اللہ عزوجل کے سپرد ہے۔ (فتح الباری)

ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں، ...... اعمال ایمان کے جز ہیں یا نہیں؟

ایمان کے سلسلے میں کثیر اختلافات ہیں، ان میں بنیادی اختلاف دو ہیں: اعمال و اقوال ایمان کے جز ہیں یا نہیں؟ ایمان گھٹتا بڑھتا

[1] عینی [2] المستند المعتمد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی، امام احمد و جمہور محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز مانتے ہیں۔ اور امام اعظم و جمہور متکلمین و محققین
...ثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز نہیں مانتے۔ اسی کی فرع ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا بھی مسئلہ ہے۔ فریق اوّل کے نزدیک اعمال و
...ال کی زیادتی سے ایمان بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے۔ اور فریق ثانی کے نزدیک ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ صحیح و راجح یہی ہے
...اعمال واقوال ایمان کے جز نہیں، اور ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔

...ائل

اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ فرائض و واجبات کا تارک یا گناہوں کا مرتکب کافر نہیں، مومن ہے۔ اب
...اعمال واقوال کو ایمان کا جز قرار دیں تو لازم آئے گا کہ کسی گناہ کا مرتکب، مسلمان نہ رہے، اس لیے کہ انتفاء جز مستلزم ہے انتفاء کل
...اس لیے ماننا پڑے گا کہ اعمال واقوال، ایمان کے جز نہیں۔ اور جب اعمال واقوال، ایمان کے جز نہیں تو ایمان نہ گھٹے گا نہ بڑھے

قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں ایمان کا محل قلب کو بتایا گیا ہے، فرمایا: ''اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ'' (المجادلۃ:۲۲)
...کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا۔ اور ارشاد ہے: ''مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ''
(المائدہ:۴۱) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دلوں نے ایمان نہیں قبول کیا۔ جب ایمان کا محل دل ہے
...دل کا کام تصدیق ہے نہ کہ عمل کرنا تو ثابت ہوا کہ ایمان تصدیق کا نام ہے، اعمال واقوال اس کے جز نہیں۔
نیز قرآن مجید میں جگہ جگہ ایمان پر عمل کا عطف ہے، اور عطف میں اصل یہ ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا مغایر ہو، تو ثابت ہوا
...ایمان عمل کے مغایر ہے، نیز آیت کریمہ ''وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ'' (النساء:۱۲۴) جو بھی
...عورت نیک کام کرے اور وہ مومن ہو۔ اس میں ایمان کو اعمالِ صالحہ کی شرط قرار دیا ہے، کسی چیز کی شرط اس سے خارج ہوتی ہے،
...کا جز نہیں ہوتی، تو ثابت ہوا کہ اعمال، ایمان کا جزء نہیں۔ مزید یہ کہ آیۂ کریمہ ''وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا'' (الحجرات:۹)
...لڑنے والے مسلمانوں کو مومن فرمایا، حالانکہ قتال میں دونوں یا ایک فریق ضرور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ گناہ
کبیرہ کا مرتکب مومن ہے، کافر نہیں اور اگر اعمال کو ایمان کا جز مانیں تو لازم آئے گا کہ کبیرہ کرنے والا مومن نہ ہو، کافر ہو جائے۔
علاوہ ازیں منافقین کے بارے میں فرمایا کہ وہ مومن نہیں، حالانکہ وہ ایمان کا اقرار کرتے تھے۔ یہ اسی بناء پر ہے کہ وہ تصدیق
نہیں کرتے تھے تو ثابت ہو گیا کہ ایمان تصدیق ہی کا نام ہے۔ ایک جگہ فرمایا: ''اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ'' (النحل:۱۰۶)
...مگر وہ جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہو (وہ مومن ہے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان صرف تصدیقِ قلبی ہی کا نام

جب یہ بات قرآن کریم کی ان نصوص سے ثابت ہو گئی کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے، اعمال اس کے اجزاء نہیں اور تصدیق نہ
گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے تو ثابت ہو گیا کہ ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔
اس کی تحقیق یہ ہے کہ تصدیق کسی بات کو اس طرح سچ جاننے کو کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کا ذرہ برابر شائبہ بھی دل میں باقی نہ
رہے اگر یہاں جانب مخالف کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا تو اس کے وجود و عدم سے تصدیق گھٹتی یا بڑھتی۔ مثلاً ایک درجہ وہ ہوتا ہے جس میں
جانب مخالف کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا یہ سب سے اعلیٰ تصدیق ہوتی ہے، دوسرے وہ کہ جس میں جانب مخالف کا شائبہ ہے، یہ پہلے سے
کمتر درجے کی ہوتی ہے پھر جس میں جانب مخالف کچھ زیادہ ہے، یہ دوسرے سے بھی کمتر درجے کی ہوتی ہے، مگر چونکہ تصدیق اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اذعانی کیفیت کا نام ہے جس میں جانب مخالف کا ادنیٰ سا بھی شائبہ نہ ہو اس لیے نہ یہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔

ان سب دلائل کے جواب میں امام شافعی وغیرہ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ ہم جو اعمال کو داخل ایمان مانتے ہیں یا ایمان کی زیادتی و نقصان کے قائل ہیں اس سے مراد وہ ایمان کامل ہے جو دخول فی النار سے بچانے والا ہو۔ رہ گیا نفس ایمان جو خلود فی النار سے منجی اور مآل کار موجب جنت ہو اس کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ صرف تصدیق قلبی ہے مگر چونکہ متعدد احادیث و آیات میں ایمان کی زیادتی کا صراحۃً ذکر ہے اور بہت سی ایسی بھی ہیں جن سے ایمان کی زیادتی و نقصان ثابت ہوتا ہے اس لیے ہم نصوص کی صحیح کے لیے کہتے ہیں کہ ایمان زیادتی و نقص قبول کرتا ہے۔ اس کے جواب میں احناف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایمان بہ معنی مذکور ضرور زیادتی و نقصان قبول کرتا ہے اس سے ہمیں بھی انکار نہیں۔ اس تقدیر پر یہ نزاع لفظی ہوگا کہ احناف جو کہتے ہیں کہ ایمان زائد و ناقص نہیں ہوتا ان کی مراد وہ ایمان ہے جو خلود فی النار سے منجی ہو۔ اور شوافع وغیرہ جو کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے اس سے ان کی مراد ایمان کامل ہے جو دخول فی النار سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ نیز احناف اور ان کے ہمنوا یہ کہتے ہیں کہ زبان عربی میں زیادتی و نقصان مقدار کی صفت ہے۔ اور ایمان چونکہ مقولہ کیف سے ہے اس لیے وہ زائد و ناقص نہیں ہوتا البتہ شدید اشد ضعیف اضعف ہوتا ہے۔ جن آیات و احادیث سے ایمان کے زائد و ناقص ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے ان میں یہی شدت و ضعف مراد ہے جس کو یوں سمجھے کہ ایمان گز فٹ انچ سے نہ ناپا جا سکتا ہے نہ رتی تولے سیر سے تولا جا سکتا ہے۔ اگر وہ گز فٹ انچ سے ناپا جا سکتا تو تولا جا سکتا تو ضرور زائد و ناقص ہوتا کسی کا ایمان گز بھر کسی کا انچ بھر ہوتا یا کسی کا تولہ بھر کسی کا چھٹانک بھر مگر چونکہ نہ یہ ناپا جا سکتا ہے نہ تولا جا سکتا ہے اس لیے زیادت و نقصان سے متصف نہ ہوگا البتہ قوی اقویٰ ضعیف اضعف ہوگا۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا: ''بَلٰی وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ'' (البقرۃ:۲۶۰) ایمان تو ہے مگر چاہتا ہوں کہ دل اطمینان ہو جائے۔ طمانیت تصدیق سے زائد کوئی چیز نہیں تصدیق ہی کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ مثل مشہور ہے: شنیدہ کے بود مانند دیدہ ہمیں حرمین طیبین کے وجود کا یقین کامل ہے مگر دیکھنے پر جو بات ہوگی وہ اس وقت نہیں یہ صرف کیفیت کی زیادتی ہے مقدار کی نہیں۔

اقول: مگر اُردو زبان عربی کے مثل اتنی وسیع نہیں کہ مقدار کے لیے الگ لفظ ہو اور کیفیت کے لیے الگ گھٹنا بڑھنا کم زیادہ ہونا اُردو میں مقدار کی بھی صفت ہے اور کیفیت کی بھی اس لیے اگر اُردو میں کوئی یہ کہے کہ ایمان گھٹتا ہے یا بڑھتا ہے کم یا زیادہ ہوتا ہے کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ ''فَلْیَتَأَمَّلْ''

علاوہ ازیں احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ایمان اجمالی ہے مثلاً اجمالی طور پر یہ یقین کرنا کہ مذہب اسلام حق ہے دوسرے تفصیلی یعنی تمام ضروریاتِ دین کو مفصلاً حق ماننا مثلاً اللہ ایک ہے وحدہٗ لاشریک ہے حی و قیوم ہے اور خالق و رازق ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بدیہی بات ہے کہ ایمان اجمالی میں گھٹنے بڑھنے کا سوال ہی نہیں ایمان تفصیلی ضرور گھٹتا بڑھتا ہے اس سے انکار بداہت کا انکار ہے۔

اقول: یہ بہ نظر دقیق ایمان کی کمی زیادتی نہیں بلکہ متعلق ایمان کی کمی زیادتی ہے یعنی ان باتوں کی کمی زیادتی جن پر ایمان لایا گیا یعنی مؤمن بہ کی۔ اور یہی مراد ان آیتوں اور احادیث سے ہے جن سے صراحۃً یا کسی طرح ایمان کی کمی زیادتی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً آیۂ کریمہ ''وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا'' (الانفال:۲) جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان زائد ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیات خود ایمان نہیں مؤمن بہا ہیں یعنی ایمان کی متعلق ہیں ان پر ایمان لایا گیا ہے اس لیے یہاں زیادتی سے مراد وہی مؤمن بہ کی زیادتی ہے مصدر بہ معنی مفعول بہ شائع ذائع ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ضروریاتِ دین

ایمان کی تعریف میں جو ضروریاتِ دین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ دینی باتیں ہیں جن کا دین سے ہونا ایسا قطعی یقینی دلیل سے ثابت ہو جس میں ذرّہ برابر شبہہ نہ ہو اور ان کا دینی بات ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہو۔ خواص سے مراد علماء ہیں اور عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم نہیں، مگر علماء کی صحبت میں رہتے ہوں۔ اس بناء پر وہ دینی باتیں جن کا دینی بات ہونا سب کو معلوم ہے، مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں تو وہ ضروریاتِ دین سے نہیں، مثلاً عذابِ قبر، اعمال کا وزن، یونہی وہ باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے، مگر ان کا دین سے ہونا عوام و خواص سب کو معلوم نہیں تو وہ بھی ضروریاتِ دین سے نہیں، جیسے صلبی بیٹیوں کے ساتھ اگر پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا۔

جن دینی باتوں کا ثبوت قطعی ہو اور وہ ضروریاتِ دین سے نہ ہوں، ان کا منکر اگر اس کے ثبوت کے قطعی ہونے کو جانتا ہو تو کافر ہے اور اگر نہ جانتا ہو تو اسے بتایا جائے، بتانے پر اگر حق مانے تو مسلمان اور بتانے کے بعد بھی اگر انکار کرے تو کافر۔

(شامی ج ۳ ص ۳۰۹)

وہ باتیں جن کا دین سے ہونا سب کو معلوم ہے، مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں، ان کا منکر کافر نہیں، اگر یہ باتیں ضروریاتِ مذہب اہل سنت سے ہوں تو گمراہ اور اگر اس سے بھی نہ ہوں تو خاطی۔

ضروریاتِ مذہب اہل سنت

مذہب اہل سنت کی ضروریات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا مذہب اہل سنت سے ہونا سب عوام و خواص اہل سنت کو معلوم ہو، جیسے عذابِ قبر، اعمال کا وزن۔

تعلیقات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہیں کہیں بلا سند کچھ احادیث و اقوالِ صحابہ و اسلاف نقل کرتے ہیں، جیسے کہتے ہیں: ابن عمر نے کہا، ابن عباس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، ان کو تعلیقات کہا جاتا ہے چونکہ ان کی سندیں مذکور نہیں تو کسی کو شبہہ کی گنجائش تھی کہ یہ معتبر ہیں یا نہیں، اس لیے شراحِ بخاری نے اس پر خصوصیت کے ساتھ تنبیہ کی ہے کہ چونکہ امام بخاری نے اس کا التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف صحیح و مستند ہی احادیث درج کریں گے، اس لیے تعلیقات کے اس کتاب میں درج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام بخاری کے نزدیک صحیح و مستند ہیں۔ بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ امام بخاری کا کسی تعلیق کو صیغۂ جزم (یعنی یقین) کے ساتھ ذکر کرنا ان کی جانب سے اس کے صحیح ہونے کا حکم کرنا ہے اور صیغہ تمریض سے ذکر کرنا اس کی تصحیح کا حکم نہیں، لیکن اس کو واہی بھی نہیں کہا جاسکتا، اس لیے کہ اگر وہ واہی ہوتی تو اس کتاب میں نہ درج کرتے۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔

قرطبی نے کہا کہ بخاری کی تمام تعلیقات صحیح و مستند ہیں، سند اس لیے نہیں ذکر کی تا کہ اصل کتاب میں جن سخت شرائط کی پابندی کی ہے ان میں اور جو ان شرائط پر نہیں ہیں، دونوں میں فرق کر دیں، یعنی جو احادیث سند کے ساتھ ذکر کی ہیں، ان میں جن شرائط کا لحاظ کیا ہے ان شرائط پر تعلیقات پوری نہیں اترتیں۔

وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ مِنَ الْإِيْمَانِ. اللہ کے لیے محبت، اللہ کے لیے بغض، ایمان سے ہے۔

(ابوداؤد۔ مصنف ابن ابی شیبہ)

ان الفاظ کے ساتھ یہ تعلیق کہیں نہیں ملی۔ کتبِ حدیث میں بہ الفاظِ مختلفہ اس معنی کی احادیث ہیں، مثلاً ابوداؤد میں حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

افضل الاعمال الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ. تمام اعمال سے افضل اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے عداوت کرنا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا:

اوثق عری الایمان الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ. ایمان کی سب سے مضبوط گرہ اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے عداوت کرنا ہے۔

ابوداؤد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:

من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان. جس نے اللہ کے لیے محبت کی اللہ کے لیے عداوت کی اللہ کے لیے دیا اللہ کے لیے منع کیا اس نے ایمان کامل کرلیا۔

اللہ کے لیے محبت وعداوت کا مطلب

اللہ کے لیے محبت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے اس لیے محبت کی جائے کہ وہ دین دار ہے اور اللہ کے لیے عداوت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے عداوت ہو تو اس بناء پر ہو کہ وہ دین کا دشمن ہے یا دین دار نہیں اسی طرح اللہ کے لیے دینے اور منع کرنے کا بھی مطلب یہ ہے کہ کسی کو کچھ دے اس سے تو اللہ کی رضا مطلوب ہو اور کسی کو کچھ دینے سے انکار کرے تو اس سے بھی اللہ کی خوشنودی مقصود ہو۔
امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ محبت وعداوت گھٹتی بڑھتی ہے اور جب یہ ایمان سے ہے تو ثابت ہوا کہ ایمان بھی گھٹتا بڑھتا ہے۔
ہمارا جواب یہ ہے کہ محبت وعداوت بھی کیفیات نفسانیہ سے ہیں تو لازم یہ آیا کہ ایمان بہ اعتبار کیف گھٹتا بڑھتا ہے اس کے ہم منکر نہیں۔

ت ۲ - وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ اِلٰى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ اَنَّ لِلْاِيْمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُوْدًا وَّسُنَنًا فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اِسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْاِيْمَانَ فَاِنْ اَعِشْ فَسَاُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتّٰى تَعْمَلُوْا بِهَا وَاِنْ اَمُتْ فَمَا اَنَا عَلٰى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيْصٍ.

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان کے لیے فرائض وعقائد وحدود اور سنن ہیں جس نے ان سب کو پورا کیا اس نے ایمان کو کامل کرلیا اور جس نے ان کو پورا نہیں کیا اس نے اپنا ایمان کامل نہ کیا اگر میں زندہ رہا تو تم سے ان سب کو بیان کروں گا تاکہ تم ان پر عمل کرو اور اگر میں وفات پا گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی آرزو نہیں۔
(ابوالحسین عبدالرحمن ابن عمر بن یزید' کتاب الایمان میں' مصنف ابن ابی شیبہ)

عمر بن عبدالعزیز

عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ' خلفائے راشدین میں سے ایک ہیں۔ جلیل القدر تابعی اپنے وقت کے امام عادل' زاہد' متورع ہیں۔ ان کی والدہ ام عاصم لیلیٰ بنت عاصم بن فاروق ہیں' ۶۱ھ میں حلوان مصر کے ایک شہر میں پیدا ہوئے' جس سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے' یعنی ۶۱ھ میں اور ۱۰۱ھ ۲۰ یا ۲۵ تاریخ کو رجب کے مہینے میں پنج شنبہ یا جمعہ کو لگ بھگ چالیس سال کی عمر میں وصال ہوا۔ ان کا لقب اشج بھی ہے' اشج کے معنی ہیں' سر یا چہرے کے زخم والا' بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر مار دیا تھا' اس کا نشان رہ گیا۔
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری نسل میں ایک لڑکا ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا' وہ خلیفہ ہوگا' زمین کو عدل

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے بھر دے گا جیسا کہ ظلم سے بھری ہوگی۔

یہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے ۸۶ھ لغایت ۹۳ھ سات سال والی رہے۔ اسی زمانے میں ولید بن عبدالملک کے حکم سے مسجد نبوی کی توسیع کی۔ ازواجِ مطہرات کے حجروں کو مسجد میں داخل کیا‘ جس سے روضۂ اقدس بھی اندرون مسجد آ گیا۔

سلیمان بن عبدالملک نے ان کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ دس صفر ۹۹ھ کو مرا‘ اس کے مرنے کے بعد خلیفہ ہوئے‘ چونکہ یہ بنی اُمیہ کی چیرہ دستیوں پر سخت پابندی لگائے ہوئے تھے‘ اس لیے وہ ان کے دشمن ہو گئے تھے‘ ان کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار کا لالچ دے کر انہیں زہر دلایا۔ اسی کے اثر سے بیس دن بیمار رہ کر دیر سمعان میں حلب کے قریب وصال فرمایا‘ وہیں دفن ہوئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کی مدتِ خلافت وہی تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ حضرت صدیق اکبر کی مدتِ خلافت دو سال تین مہینے دس دن تھی۔ ۱۳ ربیع الاوّل کو بیعت ہوئی اور خلافت کے تیسرے سال ۲۲ جمادی الآخرہ کو وصال فرمایا‘ لیکن یہ صحیح نہیں‘ اس لیے کہ ان کی مدتِ خلافت دو سال پانچ مہینے دس یا پندرہ دن تھی۔

ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک اور مقدس ناخنوں کے تراشے تھے‘ وصیت فرما گئے تھے کہ انہیں میرے کفن میں رکھ دیا جائے‘ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے اس وقت نماز پڑھی‘ جب یہ مدینے کے حاکم تھے۔ فرمایا: میں نے کسی کو ان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھنے والا نہ دیکھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اُمت کے پہلے مجدد ہیں۔ امام نووی نے فرمایا کہ کثیر علماء نے بھی یہی فرمایا ہے‘ اتنے زبردست عالم تھے کہ مشہور تھا کہ اس وقت کے علماء ان کے تلامذہ ہیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی ہے۔ ان کے عہد میں صحابہ کرام کے وجود سے دنیا خالی ہو چکی تھی جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صدی گزرنے پر آج کا کوئی جاندار زندہ نہ رہے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بخاری میں صرف ایک حدیث مروی ہے‘ رواۃ میں ایک اور صاحب عمر بن عبدالعزیز بن عمران ہیں جن کی حدیث نسائی نے لی ہے۔

عدی بن عدی بن عمیر

یہ تابعی ہیں‘ یہ اپنے والد اور چچا حضرت عرس بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں‘ یہ دونوں صحابی ہیں اور ان سے کثیر تابعین نے روایت کی۔ امام بخاری نے فرمایا: یہ اہل جزیرہ کے سردار ہیں‘ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے جزیرہ اور موصل کے عامل تھے۔ اسی زمانے میں ان کو یہ لکھا تھا‘ ۱۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں اور نہ ترمذی میں‘ البتہ ابوداؤد‘ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

ان للایمان فرائض

شراح حدیث نے اپنے وجدان کے مطابق یہ تفسیر کی ہے کہ فرائض سے مراد اس کا معنی فقہی ہے‘ یعنی جو عبادتیں فرض ہیں‘ جیسے نماز روزہ زکوٰۃ حج‘ جہاد علم دین کی تحصیل وغیرہ وغیرہ شرائع سے مراد اعتقادات ہیں۔ حدود سے مراد منہیات شرعیہ ہیں اور سنن سے مراد مستحبات ہیں۔ اس سے بھی امام بخاری کی غرض یہی ہے کہ اعمال جزو ایمان ہیں اور یہ گھٹتے بڑھتے ہیں‘ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مذہب یہی تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخیر میں فرمایا: جس نے ان کو کامل طور پر ادا کیا' اس نے ایمان کامل کر لیا' تو معلوم ہوا کہ یہ ایمان کامل کے اجزاء ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

انصاری خزرجی' فقہاء و عباد صحابہ میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے' بہت حسین وجمیل' شجاع' سخی تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایمان لائے' عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے' سب سے پہلے اجتہاد کی اجازت انہیں کو ملی' جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے دریافت فرمایا: اے معاذ! فیصلہ کیسے کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ سے' فرمایا: اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ فرمایا: رسول اللہ کی سنت سے' فرمایا: اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کیا: کامل غور و خوض کے بعد اپنی رائے (قیاس) سے' فرمایا: اس اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے فرستادے کو خیر کی توفیق دی۔

ان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے' کبھی کبھی اپنے ساتھ سواری پر بھی بٹھا لیتے۔ ان کے بارے میں فرمایا: قرآن چار آدمیوں سے سیکھو: ابن مسعود' سالم مولیٰ ابوحذیفہ' ابی بن کعب' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔

اس کے علاوہ یہ ملکی سیاست و جنگی مہمات میں بھی صائب رائے رکھتے تھے' حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم ان سے تمام مشکلات میں مشورہ لیتے۔ ایک بار حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ امین اُمت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد شام کی پوری افواج کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے' مگر عمواس کے طاعون نے انہیں بھی نہیں چھوڑا' حضرت ابوعبیدہ کے چند ہی دن بعد ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں وصال فرمایا' اس وقت عمر مبارک چونتیس سال کی تھی' ان سے ایک سو ستاون احادیث مروی ہیں' بیس حدیثیں بخاری و مسلم دونوں میں ہیں' تین صرف بخاری نے' ایک صرف مسلم نے روایت کی ہے۔

ت ۳ - وَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً. اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ تھوڑی دیر ایمان کی باتیں کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اِجْلِسْ بِنَا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بلاشبہہ مؤمن تھے' اس لیے ان کے اس فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آؤ! تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان کی باتیں کریں' یا یہ مطلب ہے کہ دلائل و آیات میں غور و خوض کر کے ایمان کو اور مضبوط بنائیں' یا یہ مطلب ہے کہ تجدید ایمان کریں' جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ. قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہو' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیسے ایمان تازہ کریں؟ فرمایا: لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر۔

(مسند احمد و طبرانی)

پہلے معنی کی تائید اس تعلیق کی دوسری روایت سے ہوتی ہے' جیسے ابن ابی شیبہ نے اسود بن ہلال سے روایت کیا کہ

قَالَ لِىْ مُعَاذٌ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً يَعْنِىْ نَذْكُرُ اللّٰهَ. مجھ سے معاذ نے کہا: آؤ کچھ دیر بیٹھ کر مؤمن ہو لیں یعنی اللہ کا ذکر کریں۔

نیز اسی میں اسود بن ہلال ہی سے ہے کہ حضرت معاذ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے فرمایا' اس کے بعد دونوں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ت ٤ - وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ الْيَقِيْنُ الْإِيْمَانُ كُلُّهُ. حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یقین پورا ایمان ہے۔

(رستہ و ابونعیم حلیہ میں، بیہقی، کتاب الزہد میں)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

ان کا نام عبداللہ ہے، کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، یہ سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ ابتداء ہی میں حضرت عمر سے بھی پہلے ایمان لائے، بعض لوگوں نے کہا: یہ چھٹے مسلمان ہیں، ان کی والدہ اُم عبد بھی ایمان سے مشرف ہوئیں۔ بعض احادیث میں ان کو ابن اُم عبد بھی فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے حبشہ بھی ہجرت کی اور مدینے کی طرف بھی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے، خادم خاص، صاحب سر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نعلین مبارک اتارتے تو یہ انہیں اپنی آستین میں رکھ لیتے۔ اسی لیے ان کو صاحب سرّ وصاحب نعلین وصاحب سواک اور صاحب وسادہ کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے لیے ابن اُم عبد جو پسند کریں مجھے بھی پسند ہے اور جسے یہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں، بہت دبلے پتلے تھے، قد بھی بہت مختصر تھا، لمبے آدمی بیٹھے ہوتے اور یہ کھڑے ہوتے تو برابر ہی رہتے۔ غزوۂ بدر میں ابوجہل کا سر انہوں نے ہی تن سے جدا کیا۔ مجتہدین صحابہ کی صف اوّل میں ہیں۔ فقہ حنفی کی زیادہ تر بنیاد انہیں پر ہے، فقہ حنفی ہی کیا، مطلق فقہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اسے بویا عبداللہ بن مسعود نے، سینچا علقمہ نے اور کاٹا ابراہیم نخعی نے اور اسے گاہا حماد نے اور اسے پیسا ابوحنیفہ نے اور گوندھا ابویوسف نے اور روٹی پکائی امام محمد نے اور ساری دنیا ان کی روٹی کھاتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا قاضی اور بیت المال کا خازن بنایا تھا۔ ابتداء خلافت عثمانی تک اسی منصب پر رہے، پھر مدینہ طیبہ واپس آئے، وہیں ۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمر مبارک ساٹھ سے کچھ اوپر تھی۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے، یہ اس درجے کے صحابی ہیں کہ ان سے چاروں خلفاء راشدین اور کثیر صحابہ نے حدیث روایت کی، تابعین ان کے علاوہ ہیں۔ عبادلہ اربعہ میں یہ بھی ہیں، عبادلہ اربعہ سے مراد چار وہ علم وفضل میں ممتاز صحابہ کرام ہیں جن کے نام عبداللہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ چار حضرات یہ ہیں: عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، لیکن فقہاء کے نزدیک عبادلہ اربعہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بجائے حضرت عبداللہ بن مسعود داخل ہیں۔ اس میں یہ تطبیق ہے کہ پہلی محدثین کی اصطلاح ہے اور دوسری فقہاء کی۔ ان سے ۸۴۸ حدیثیں مروی ہیں، ۶۴ بخاری اور مسلم نے، ۲۱ صرف بخاری نے، ۳۵ صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ

"الصبر نصف الایمان والیقین کلہ" صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا تردّد وشک کا شائبہ نہ ہو۔ یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ ایمان صرف یقین اور تصدیق کا نام ہے۔

ت ٥ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ. اور حضرت ابن عمر نے فرمایا: انسان تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس بات کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، نام عبداللہ ہے، اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان کی ماں زینب بنت مظعون، حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں، یہ اپنے والد ماجد کے ساتھ مکہ میں بچپن ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے،

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اپنے والد ہی کے ساتھ ہجرت کی۔ کم سنی کی وجہ سے غزوۂ بدر و غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہوئے۔ جنگ اُحد میں شرکت کرنا چاہتے تھے مگر واپس کر دیئے گئے' اس کے بعد یہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ عبادلہ اربعہ میں سے ہیں' بہت بڑے عابد و زاہد' محتاط متقی تھے۔ حضرت جابر نے فرمایا: ہم میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ دنیا کی طرف جھکا' سوائے ابن عمر اور عمر کے۔ میمون بن مہران نے کہا: میں نے ابن عمر سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا۔

ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے' کلمہ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے' ان بزرگوں میں سے ایک یہ بھی ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ حجاج ایک بار دیر تک خطبہ دیتا رہا اور نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ فرمایا: اے حجاج! سورج تیرا انتظار نہیں کرے گا۔ عرفات مزدلفہ وغیرہ میں جہاں حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا تھا' حجاج سے آگے بڑھ کر قیام فرماتے' اس وجہ سے حجاج ان سے چڑتا رہتا۔ حجاج نے ایک شخص کو انہیں شہید کرنے پر مقرر کر دیا' اس شخص نے نیزے کی انی زہر میں بجھالی۔ عرفات سے واپسی میں راستے میں بھیڑ کر کے یہ شخص ان سے چپک گیا۔ اور یہ زہر آلود انی ان کے قدم کی پشت میں چبھا دی' اس کے صدمے سے چند دن بیمار رہ کر واصل بحق ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذوالحجہ میں وصال ہوا۔

حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی' مکہ معظمہ کے قریب فخ میں یا ذوطویٰ میں مہاجرین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

نزولِ وحی سے ایک سال قبل پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۷۳ھ میں وصال ہوا چھیاسی سال کی عمر پائی۔

ان سے دو ہزار چھ سو تیس حدیثیں مروی ہیں' ایک سو ستر امام بخاری اور مسلم دونوں نے اور اکیاسی صرف بخاری نے اور امام مسلم نے اکتیس لیں۔

صحابہ میں ایک بزرگ اور عبداللہ بن عمر حرمی ہیں' ان سے وضو کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے۔ بعض لوگوں نے ان کے صحابی ہونے میں کلام بھی کیا ہے۔

لا یبلغ العبد' الخ

تقویٰ کے اصل معنی ہیں: کسی چیز سے مکمل طور پر بچنا' اور شریعت میں شرک' کفر' گناہ سے بچنے کو کہتے ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں: اوّل کفر و شرک سے بچنا' دوم گناہ سے بچنا' تیسرے شبہات سے بچنا۔ ایک چوتھا درجہ صوفیاء کرام کے نزدیک ہے' یعنی ما سویٰ اللہ سے بچنا۔

تقویٰ کے تینوں مدارج کی بنیاد خشیت خداوندی ہے' اس لیے تقویٰ کے معنی خشیت خداوندی کے آتے ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں تقویٰ اس معنی میں وارد ہے' جیسے:

"اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ" "صرف مجھی سے ڈرو۔" "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ" "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔"

حاك

اس کے معنی کھٹکنے اور تردد کے ہیں' یہاں مراد وہ باتیں ہیں جن کے حلال و حرام ہونے میں تردد ہو' اس کے مباح ہونے پر ظن غالب نہ ہو۔ اس اثر کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ صحیح معنی میں متقی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایسی باتوں سے بھی نہ بچے جن کی حلت و حرمت مشکوک ہو۔

یہی مضمون مسلم شریف کی ایک حدیث میں یوں مذکور ہے جو حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: نیکی اور برائی کیا ہے؟ تو فرمایا:

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.

نیکی، خوش اخلاقی ہے اور برائی ایسا کام کرنا ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ پسند نہ ہو کہ لوگ اس سے باخبر ہوں۔

اسی کو عطیہ سعدی کی حدیث میں جسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، یوں بیان فرمایا:

لَا يكون الرجل مِنَ المتقين حتّٰى يدع ما لا باس به حذرًا لما باس به.

کوئی اس وقت تک متقی نہیں ہوگا جب تک اس کام سے بھی نہ بچے جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس سے بچنے کے لیے جس میں حرج ہے۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کو یوں بیان فرمایا:

تمام التقوٰى ان تتقي اللّٰه حتّٰى تترك مَا يرى انه حلال خشية ان يكون حرَامًا.

پورا تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ سے ڈرے، یہاں تک کہ جسے مباح جانا جاتا ہو، اُسے بھی نہ کرے، اس اندیشے سے کہ کہیں حرام نہ ہو۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن باتوں کی حلت و حرمت کے بارے میں شرع سے واضح نص موجود نہ ہو اور اس کی حلت و حرمت کے بارے میں دلائل شرعیہ متعارض ہوں، اس سے بچا جائے۔ اسی بناء پر فقہ کا یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں علمائے اہل سنت اختلاف رائے رکھتے ہوں، ان سے بچا جائے، بشرطیکہ اپنے مذہب کی بناء پر کسی محظور و ممنوع کا ارتکاب نہ لازم آتا ہو۔

۸- ح: اَرْكَانُ الْاِسْلَامِ [ارکان اسلام]

۸- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

(بخاری۔ کتاب التفسیر، مسلم۔ کتاب الایمان، ترمذی۔ کتاب الایمان، نسائی۔ کتاب الایمان، مسند امام احمد، بیہقی)

بُنِيَ الْاِسْلَامُ

صلاۃ کے سولہ معانی ہیں، قرآن و حدیث میں زیادہ تر اس کے پانچ معانی آتے ہیں: مطلق دعا، نماز، طلب رحمت کی دعا (درود)، انزال رحمت، استغفار۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس کا فاعل بندہ ہو اور متعلق انبیاء نہ ہوں تو مطلق دعا یا نماز مراد ہوگی۔ اور اگر اس کے متعلق انبیاء ہوں تو طلب رحمت (درود) اور اگر اس کا فاعل اللہ ہو تو مراد انزالِ رحمت اور جب فرشتے ہوں تو استغفار، یہاں نماز مراد ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ صحیح طریقے سے پڑھے۔

زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی و پاکی کے بھی ہیں اور اچھی طرح بڑھنے کے بھی، یہاں فقہی زکوٰۃ مراد ہے۔ صیام، صوم کے معنی رُکنے کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ عبادت کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے جماع سے رُکا جائے۔

حج کے لغوی معنی قصد و ارادے کے ہیں، یہاں مراد حج فقہی ہے۔

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے، جیسا کہ عبد الرزاق کی روایت میں تصریح ہے، یا یہ مطلب ہے کہ پانچ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ارکان پر ہے' جیسا کہ مسلم میں ہے۔

صرف ان پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد اس لیے قائم ہے کہ عبادت مفروضہ منحصر ہے بدنی اور مالی میں۔ اگر محض مالی ہے تو زکوٰۃ ہے اور بدنی کی دو صورتیں ہیں' صرف قولی ہے یا صرف بدنی' صرف بدنی روزہ' صرف قولی توحید اور رسالت کی شہادت' یا قولی بدنی دونوں ہے' یہ نماز ہے اور مالی بدنی دونوں ہے تو حج ہے۔

اس حدیث میں حج' صیام سے پہلے مذکور ہے حالانکہ روزہ ۲ھ میں اور حج ۹ھ میں فرض ہوا' نیز روزہ ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے اور حج صرف مال داروں پر۔ روزہ ہر سال فرض ہے اور حج عمر میں صرف ایک بار' اس کا مقتضی تھا کہ صیام حج پر مقدم ہوتا۔ اور مسلم میں بہ طریق سعد بن عبیدہ صیام' حج پر مقدم ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے کہا: ''والحج و صیام رمضان'' تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: نہیں! ''صیام رمضان والحج'' میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' نیز مسلم میں بہ طریق حنظلہ جو روایت ہے' اس میں صیام' حج پر مقدم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بخاری میں روایت بالمعنی ہے' اور واؤ چونکہ مطلق جمع کے لیے آتا ہے' ترتیب نہیں چاہتا اس لیے کوئی حرج نہیں۔ خود کتاب التفسیر میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے' اس میں صیام حج پر مقدم ہے۔

یہاں ایک شبہہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ پانچوں چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں تو لازم آئے گا کہ ان میں سے کسی ایک کا تارک مسلمان نہ رہے۔ یہ اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب علامہ کرمانی نے یہ دیا کہ یہاں اسلام سے مراد کمال اسلام ہے اور یہ طے ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا تارک کامل مؤمن نہیں' جیسے کسی مکان کا کوئی ستون یا کونہ گر جائے تو وہ مکان ناقص ضرور ہوگا' مگر مکان رہے گا۔

۹- ح: شُعَبُ الْاِيْمَان [ایمان کے شعبے]

۹ - عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ساٹھ سے کچھ زائد شعبے ہیں اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

(مسلم۔ کتاب الایمان' نسائی۔ کتاب الایمان' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ' ترمذی۔ کتاب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اپنی اس کنیت کے ساتھ اتنے مشہور ہوئے کہ نام گمنام ہو گیا' جتنا ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے' کسی کے نام کے بارے میں اتنا اختلاف نہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: بیس قول ہیں' اور علامہ نووی نے فرمایا کہ تیس سے زیادہ اقوال ہیں۔ ایک روایت ہے کہ ان کا نام جاہلیت میں عبد شمس تھا اور مسلمان ہونے کے بعد عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ علامہ عینی نے فرمایا: سب سے قریب تر یہ قول ہے کہ ان کا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن تھا اور والد کا صخر' قبیلہ اوس کے فرد تھے۔ اپنی کنیت کے بارے میں خود بتایا کہ میں بکریاں چراتا تھا' میری ایک چھوٹی بلی تھی' اس سے دل بہلاتا تھا تو لوگوں نے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس بلی کو آستین میں رکھے رہتے۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا' فرمایا: اے ابو ہریرہ! اب یہی عام و خاص کے زبان زد ہو گیا۔ ''هُرَيْرَة'' ''هِرَّة'' کی تصغیر ہے' ''هِرَّة'' کے معنی بلی' ''هُرَيْرَة'' کے ''بلیا'' اور ابو ہریرہ کے معنی ''بلیا'' کے والد۔

ان کی ماں کا نام میمونہ یا امیمہ تھا' ایک زمانے تک اسلام سے مشرف نہ ہوئیں۔ ابو ہریرہ کی درخواست پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دعا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔

خیبر کے سال ایمان لائے' اصحابِ صفہ کے نقیب تھے۔ ان کی دیکھ بھال' تعلیم و تربیت ان کے سپرد تھی' مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔

تمام غزوات میں ہمرکاب رہے' صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں انہیں سے مروی ہیں۔ اجلہ صحابہ کرام ان سے حدیثیں پوچھتے اور لوگوں کو ان کے پاس بھیجتے۔ خود فرمایا: تم لوگ کہتے ہو کہ ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے' اللہ کے یہاں جانا ہے' میں مسکین تھا' کھانے کو مل جاتا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا' مہاجرین بازاروں میں تجارت میں رہتے' انصار اپنے کام میں' میں ان موقعوں پر موجود رہتا کہ یہ لوگ نہ ہوتے' میں ان باتوں کو یاد رکھتا جو یہ لوگ یاد نہ رکھتے۔ پہلے ان کا حافظہ اتنا قوی نہ تھا' ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' ضعف حافظہ کی شکایت کی' فرمایا: اپنی چادر پھیلا! انہوں نے چادر پھیلا دی' حضور اقدس ﷺ نے دو چلو اس میں ڈالے' پھر حکم دیا کہ چادر سینے سے لگا لو' انہوں نے ایسا ہی کیا۔ فرماتے ہیں: پھر میرا حافظہ اتنا قوی ہو گیا کہ اس کے بعد پھر کچھ نہیں بھولا۔ (بخاری۔ کتاب العلم۔ ص ۲۲)

یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم کے دو برتن عطاء فرمائے ہیں' ایک تو لوگوں میں پھیلاتا ہوں' اگر دوسرے کو ظاہر کروں تو یہ ٹینٹوا کاٹ ڈالا جائے۔ (ایضاً۔ ص ۲۳)

ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں' تین سو پانچ امام بخاری و امام مسلم دونوں نے' ترانوے صرف بخاری نے اور ایک سو لوے صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

ان سے آٹھ سو حضرات نے روایت کی ہے' جن میں صحابی بھی ہیں اور تابعی بھی۔ اجلہ صحابہ مثلاً حضرت ابن عمر' حضرت جابر' حضرت انس' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ان سے احادیث اخذ کیں۔

اللہ کے اس فضل پر یوں شکر ادا کرتے: یتیمی میں پلا' مسکینی کی حالت میں ہجرت کی' بسرہ بن غزوان کا نوکر بنا' انہوں نے میری شادی بھی کر دی' اس اللہ کا شکر جس نے دین کو پشت پناہ اور ابو ہریرہ کو امام بنا دیا۔ اتنی کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان کرنے کے باوجود روزانہ ہزار رکعت نفل پڑھتے۔ ۵۹ھ میں اٹھہتر سال کی عمر پا کر مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا' یہ دعا مانگا کرتے: اے اللہ! ۶۰ھ اور چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ دعا قبول ہوئی' یزید پلید کے تسلط سے سال بھر پہلے واصل بحق ہوئے۔

بضع

با کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ' دونوں لغتیں ہیں۔ اہل لغت کا اس کے بارے میں سخت اختلاف ہے کہ اس کا اطلاق کتنے عدد سے لے کر کتنے تک ہوتا ہے۔ قزاز نے کہا کہ تین سے او پر نو تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: تین کے اوپر دس تک۔ کسی نے کہا: ایک سے نو تک۔ کسی نے کہا: دو سے دس تک۔ کسی نے کہا: چار سے نو تک۔ خلیل نے کہا: "بِضْعٌ" کے معنی سات ہیں۔ صحیح وہی ہے جو قزاز نے کہا کہ بضع تین سے اوپر نو تک بولا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے' غلبہ روم والی حدیث میں خود حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

یا ابا بکر البضع ما بین الثلث الی تسع۔ اے ابوبکر! بضع تین اور نو کے مابین کو کہتے ہیں۔

مسلم کی ایک روایت نیز ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کی روایت میں "بِضْعٌ وَسَبْعُونَ" ہے۔ نیز علامہ عینی نے لکھا کہ بخاری میں بھی ابو ذر ہروی کے طریقہ سے یہی ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہی صواب ہے' اس کو حلیمی اور نووی نے ترجیح دی' اس لیے کہ یہ ثقہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ اور اقل کی روایت میں کوئی لفظ اس کے مخالف نہیں۔ (عمدۃ القاری)

شُعْبَة

اس کے معنی ٹکڑے اور گروہ کے ہیں اور درخت کی شاخ کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایمان سے مراد ایمان کامل اور شعبوں سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایمان کی علامت ہیں' جیسا کہ انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے: ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں' ان میں سب سے اعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کا پڑھنا اور ادنیٰ تکلیف دِہ چیز کا راستے سے ہٹانا ہے۔ ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور موذی چیزوں کا راستے سے ہٹانا اصل ایمان نہیں' ایمان کی علامت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں مجموعی طور پر ان تمام شعبوں کو بیان نہیں فرمایا' اعلیٰ اور ادنیٰ کو بیان فرما دیا' بقیہ کو مبہم رکھا' وہ کیا کیا ہیں؟ شراح حدیث نے بڑی جدوجہد کر کے یہ گنتی پوری کی ہے' لیکن اسلم طریقہ یہ ہے کہ اس کی کوشش نہ کی جائے تو اچھا ہے۔ اوّلاً تو حدیث میں تعیین عدد نہیں' ستر سے اوپر کتنے شعبے ہیں؟ مذکور نہیں۔ ثانیاً احتمال ہے کہ یہ مبالغہ کے لیے ہو اس لیے اجمالی طور پر ہی ایمان کو رکھا جائے کہ ایمان کے ستر سے زائد سے شعبے ہیں' جیسے انبیاء کرام و ملائکہ پر اجمالی ایمان ہے کہ سب برحق ہیں' تعداد کتنی ہے کسے معلوم؟

اور حق تو یہ ہے کہ پورا دین اور دین کے سارے اصول و فروع' سارے فرائض و واجبات' مستحبات کے ہر ہر فرد ایمان کے شعبے ہیں۔

الحیاء

حیاء کو اُردو میں شرم کہتے ہیں' حیاء کے لغوی معنی ہیں: عیب لگائے جانے کے اندیشے سے چھپنا۔ شریعت میں حیاء کے معنی: انسان کا وہ وصف جو اُسے بُرائی سے بچنے پر اُبھارے اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے روکے۔ اس کی قدرے تفصیل ترمذی کی اس حدیث میں ہے:

الاستحیاء من اللّٰہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وَعٰی وَالبطن وما حوٰی وتذکر الموت والبلٰی.

اللہ عزوجل سے کما حقہ حیاء کرنے کے معنی یہ ہیں کہ سر اور سر میں جتنے اعضاء ہیں ان کی اور پیٹ کی اور پیٹ جن اعضاء کو گھیرے ہے' ان کی بُرائیوں سے حفاظت کرے اور موت اور مٹی میں ملنے کو یاد کرے۔

یہاں ایک شعبہ یہ ہے کہ حیاء انسان کو کبھی حق کہنے سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے' کبھی بعض مسائل شرعیہ کی دریافت سے روک دیتی ہے' پھر یہ ایمان کا شعبہ کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ یہاں حیاء کے شرعی معنی مراد ہیں اور حیاء شرعی کبھی ان چیزوں سے نہیں روکے گی' بلکہ اس پر اُبھارے گی' اس لیے کہ عند الضرورت حق بات نہ کہنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنا' جو حکم شرعی نہ معلوم ہو اس کو پوچھنا واجب ہے۔ اسے جاننے کی کوشش نہ کرنا شرعاً قبیح و گناہ ہے' جو حیاء ان چیزوں سے روکے' وہ شرعی حیاء نہیں' عرف میں جسے حیاء کہتے ہیں' وہ مراد نہیں۔

اسی سے یہ شبہہ بھی دور ہو گیا کہ حیاء فطری ہوتی ہے' پیدائشی طور پر آدمی میں پائی جاتی ہے۔ پھر یہ ایمان کی شاخ کیسے؟ جواب ظاہر ہے کہ جب یہاں شرعی حیاء مراد ہے اور شرعی حیاء کے حصول میں کچھ کوشش اور کسب کو بھی دخل ضرور ہے۔

۱۰- ح: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ [جس سے مسلمان سلامت رہیں]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۰- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ. (بخاری۔ کتاب الرقاق، مسلم ابوداؤد نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

سہمی، قرشی، صحابی ابن صحابی ہیں، ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر مشہور و معروف صحابی ہیں، یہ اپنے والد سے پہلے ایمان لائے، ان کے والد ان سے بارہ یا گیارہ سال بڑے تھے۔

عبادلہ اربعہ میں ان کا بھی نام ہے اور یہ ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں، جن سے بہت زیادہ حدیثیں مروی ہیں، بہت زیادہ عابد، زاہد، شب زندہ دار بزرگ تھے۔ راتوں کو خلوت میں روتے روتے ان کی پلکیں خراب ہو گئی تھیں۔ غالباً اسی کے اثر سے اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اس کے باوجود بہت پائے کے عالم بھی تھے۔ انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی تھی، اس لیے ان کے پاس تمام صحابہ کرام سے زیادہ احادیث کا خزانہ تھا، اگرچہ روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے بھی آگے ہیں، ان کی لکھی ہوئی حدیثوں کی تعداد سات سو ہے۔

"عن عمرو بن شعیب" کی توضیح

بخاری اور مسلم کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ایک مشہور سند ہے: "عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" یہ آپ ہی کے سلسلے کی ایک سند ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے صاحبزادے محمد ہیں اور محمد کے صاحبزادے شعیب۔

اس سند میں ایک ابہام ہے، اگر "ابیه وجده" دونوں ضمیروں کا مرجع عمرو کو بنایا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ عمرو نے اپنے والد شعیب سے اور شعیب نے عمرو کے دادا یعنی محمد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو نقص یہ لازم آتا ہے کہ محمد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی اور نہ زمانہ پایا، تو حدیث مرسل ہو گئی۔ اور اگر "عن ابیه عن جده" میں "ابیه" کی ضمیر عمرو کی طرف اور "جده" کی ضمیر شعیب کی طرف راجع مانی جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ عمرو نے اپنے والد شعیب سے اور شعیب نے اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا تو حدیث منقطع ہے، اس لیے کہ شعیب کی اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اسی نقص کی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے عمرو بن شعیب کی کوئی حدیث صحیحین میں نہیں لی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شعیب کی ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے سات سو حدیثیں مروی ہیں۔ سترہ پر شیخین بخاری و مسلم متفق ہیں، آٹھ صرف بخاری میں اور بیس مسلم نے تنہا لی ہیں۔ مکہ یا طائف یا مصر میں بہ ماہ ذوالحجہ سن تریسٹھ یا پینسٹھ یا سڑسٹھ یا بہتر یا تہتر میں، بہتر سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔ صحابہ میں عمرو نام کے اٹھارہ حضرات ہیں۔

اسلام کے ارکان بیان کرنے کے بعد وہ حدیث ذکر کی جس میں اجمالی طور پر یہ مذکور ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ اس کے بعد سے ان احادیث کو تحریر کر رہے ہیں، جن میں ان شعبوں کا فرداً فرداً تذکرہ ہے۔

"المسلم" سے مراد

مسلمان کامل ہے اس لیے کہ سیبویہ نے تصریح کی ہے کہ جب جنس مطلق بولتے ہیں تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے، جیسے بولتے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہیں: ''الرجل زید'' مرد تو زید ہے۔ ابن جنی نے کہا کہ عرب کا طریقہ ہے کہ جب کسی کی مدح کرنا چاہتے ہیں تو اس پر اسم جنس کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کعبہ کو البیت کہتے ہیں' اسی طرح ذم بھی۔

یہاں ید (ہاتھ) سے بہ طور عموم مجاز' ظاہری اور باطنی دونوں مراد ہیں۔ باطنی سے مراد قوت و قبضہ وغلبہ وتصرف ہے۔ زبان اور ہاتھ کی تخصیص اس لیے کی کہ زیادہ ایذائیں انہیں سے دی جاتی ہیں۔ زبان کو مقدم اس لیے کیا کہ زبان کی ایذاء رسانی بہ نسبت ہاتھ کے زیادہ ہے۔ ہاتھ سے صرف موجودین کو ایذاء پہنچائی جاسکتی ہے مگر زبان سے حاضر غائب' زندہ مردہ سبھی کو ایذاء دی جاسکتی ہے۔ نیز زبان کی ایذاء بہ نسبت ہاتھ کے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مشرکین کی ہجو کرو' یہ ان کے لیے تیر سے زیادہ سخت ہے۔ اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے:

جراحات السّنان لها التیام ولا یلتام ما جرح اللّسان

''نیزے کے زخم اچھے ہوجاتے ہیں' (لیکن) زبان کا زخم نہیں اچھا ہوتا''۔

ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ ہاتھ سے لکھ کر کسی غائب کو ایذاء پہنچائی جائے' مگر زبان کی برابری تحریر کہاں کرسکتی ہے۔

مہاجر

مہاجر کے شرعی معنی مراد ہیں' یعنی وہ جس نے دین بچانے کے لیے اپنا وطن چھوڑا اور ہَجَرَ سے اس کا لغوی معنی مراد ہے' یعنی چھوڑنا۔ اب یہ خطاب یا تو مہاجرین سے ہے کہ صرف ہجرت پر بھروسہ نہ کرلینا' دیگر مامورات ومنہیات سے بھی غافل مت ہوجانا۔ مہاجر کامل وہ ہے جو تمام منہیاتِ شرعیہ سے دور رہے یا جب فتح مکہ کے بعد ہجرت بند کردی گئی تو ایک فطری بات ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں نے جب ہجرت کے فضائل سنے ہوں گے تو ان کے دل میں حسرت پیدا ہوئی ہوگی' کاش! کہ ہم لوگ بھی فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے ہوتے اور ہجرت کرلیے ہوتے۔ رحمت عالم نے ان کے زخم پر مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یا یہ کہ اگرچہ مدینہ طیبہ کی جانب وہ مخصوص ہجرت جو عہد نبوی میں تھی اب نہیں' مگر زمانے کے انقلاب سے ہجرت قیامت تک جاری رہے گی۔ قیامت تک کے تمام مہاجرین کو ہدایت فرمائی کہ تم نے دین بچانے کے لیے ہجرت کی ہے تو اس کا پاس کرتے رہنا اور تمام منہیاتِ شرعیہ سے بچتے رہنا' یا مراد یہ ہے کہ جو مسلمان بھی منہیاتِ شرعیہ سے بچتا رہے گا' وہ ایک مہاجر سے کم نہیں۔

یہ حدیث بھی جوامع الکلم سے ہے

یہ حدیث بھی ان جوامع الکلم میں سے ہے جنہیں محدثین نے اُم الاحادیث میں شمار کیا ہے۔ غور کیجیے! چند الفاظ ہیں' مگر ان میں معانی کے سمندر موجزن ہیں۔ پہلا حصہ بندوں کی تمام حق تلفیوں سے بچنے اور تمام حقوق کی ادائیگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور دوسرا حصہ حقوق اللہ کی بجاآوری میں ہر قسم کی کوتاہی پر قدغن لگا رہا ہے۔ اب ذرا سا غور کرنے پر اس کی شرح میں ہر ذی علم دفتر پر دفتر تیار کرسکتا ہے۔ اگر مسلمان ان دونوں حصوں پر عمل پیرا ہوجائیں تو ہمارا سماج امن کا گہوارہ بن جائے اور انسان کا بھی ظاہر وباطن کندن ہوجائے۔

۱۱- ح: اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ [کون سا اسلام افضل ہے؟]

۱۱- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا مسلمان افضل ہے؟ فرمایا: جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(مسلم ونسائی۔ کتاب الایمان' ترمذی۔ کتاب الزہد)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

ان کا نام عبداللہ ہے' یمن کے باشندے اور قبیلہ اشعر کے فرد ہیں' قبل ہجرت مکہ میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہاں سے غزوۂ خیبر کے موقع پر واپس آ کر مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کی' یہ صحابہ کرام میں زبردست عالم اور مفتی تھے۔ حکمرانی اور سیاست کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زبید عدن سواحل یمن کا حاکم بنایا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ اور کوفہ کا گورنر بنایا۔ فارس کا مشہور شہر اھواز انہوں نے فتح فرمایا۔ شام کے جہاد میں شریک ہوئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معتمد خاص تھے۔ اخیر عمر میں مکہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۴۱ھ یا ۴۴ھ یا ۵۰ھ میں یا ۵۲ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

ان سے تین سو احادیث مروی ہیں' پچاس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ تنہا بخاری نے چار اور تنہا مسلم نے پندرہ حدیثیں ان سے روایت کی ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت انس اور طارق بن شہاب نے ان سے حدیث لی۔ صحابہ کرام میں ابوموسیٰ نام کے چار حضرات ہیں: ایک یہ' دوسرے ابوموسیٰ انصاری' تیسرے غافقی' چوتھے الحکمی۔ رواۃ حدیث میں ابوموسیٰ نام کے بہت ہیں' ابوداؤد میں دو اور بقیہ نسائی میں ہیں۔

سائل کون تھا؟

اس حدیث میں سائل کا نام نہیں' مگر اسی سند کے ساتھ مسلم میں یہ ہے کہ ''قلنا'' اور ابن مندہ میں ''قلتُ'' ہے' اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ سوال کرنے والے ابوموسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء تھے۔ سب کی طرف سے انہوں نے سوال کیا' جب کسی بات کے پوچھنے پر چند اشخاص راضی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شخص سوال کرے تو یہ سب کا سوال ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کی تینوں تعبیریں درست ہیں' خواہ یوں کہیں کہ میں نے پوچھا' خواہ یوں کہیں کہ ہم لوگوں نے پوچھا' خواہ یوں کہیں کہ لوگوں نے پوچھا' سب صحیح ہے۔

ای الاسلام

''ای'' ہمیشہ ایسی چیزوں پر داخل ہوتا ہے جو متعدد ہوں' اور اسلام ایک ہی چیز ہے اس میں تعدد نہیں' اس لیے شراح نے تاویل کی کہ یہاں مضاف محذوف ہے' یعنی اصحاب۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''ای اصحاب الاسلام افضل'' کون مسلمان افضل ہے؟ اس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے' جس میں ''ای الاسلام'' کے بجائے ''ای المسلمین'' ہے' یا اعمال محذوف ہے یعنی ''ای اعمال الاسلام'' ہے۔ اس تقدیر پر یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے۔ سائلین نے پوچھا کہ کون سا اسلام کا عمل افضل ہے؟ جواب دیا: وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے' جواب سے یہ اشارہ فرمایا کہ تم کو یہ پوچھنا چاہیے کہ کون مسلمان افضل ہے؟ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

''يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ'' (البقرۃ:۱۸۹) لوگوں نے پوچھا یہ تھا کہ چاند کیوں چھوٹا بڑا ہوتا ہے؟ کیوں ڈوبتا نکلتا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ جواب یہ دیا گیا کہ اس سے لوگوں کو مہینے کی گنتی معلوم ہوتی ہے اور حج کا وقت۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں یہ پوچھنا چاہیے کہ اس سے فائدہ کیا ہے؟ یہ مت پوچھو کہ کیوں ایسا ہوتا ہے؟

۱۲- ح: اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ [کون سا اسلام بہتر ہے؟]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۲ - عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا: کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔

(بخاری۔ کتاب الاستیذان، مسلم۔ کتاب الایمان، ابوداؤد۔ کتاب الادب، ابن ماجہ۔ کتاب الاطعمہ، مسند امام احمد بن حنبل)

سائل کون ہے؟

تحقیقی طور پر ان کا نام نہیں معلوم ہوسکا، بعض لوگوں نے کہا: یہ سائل حضرت ابوذر غفاری ہیں۔ ابن حبان کی ایک حدیث ہے کہ ہانی بن عروہ، شریح کے والد نے اس کے ہم معنی سوال کیا تھا، ان کو اسی قسم کا جواب ملا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہی یہاں بھی مراد ہوں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے، اس لیے الفاظ بدل گئے۔

ای الاسلام خیر

یہاں ''ایُّ'' کے بعد اعمال مضاف محذوف ہے۔ اب سوال یہ ہوا کہ اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے۔ پہلی حدیث میں ''افضلُ'' ہے اور اس میں ''خیرٌ'' ہے، یہ دونوں ہی اسم تفضیل ہیں، مگر افضل کا مادہ ''الفضل'' ہے جو قلت کا مقابل ہے۔ اس لیے افضل سے مراد کثرتِ ثواب ہے اور خیر کا مادہ خیر ہے جو نفع کے معنی میں ''شرٌّ'' کا مقابل ہے۔ اب پہلی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کون سا مسلمان زیادہ ثواب والا ہے اور اس حدیث کے سوال کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے کس عمل میں زیادہ نفع ہے؟

کھانا کھلانا

''تطعم'' دو مفعول چاہتا ہے، مفعول اوّل کا حذف عموم کے لیے ہے، یعنی سب مخلوق کو کھانا کھلاؤ، خواہ وہ مال دار ہو خواہ وہ غریب ہو خواہ شناسا ہو خواہ غیر شناسا، انسان ہو یا حیوان سب کو کھلاؤ۔

سلام کرنا

عادت یہ ہے کہ انسان عموماً انہیں کو سلام کرتا ہے جنہیں پہچانتا ہے، لوگ اجنبی کو سلام نہیں کرتے۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ ہر مسلمان کو سلام کرو، خواہ اسے پہچانتے ہو خواہ نہ پہچانتے ہو۔

کسے سلام کرنا چاہیے؟

البتہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

ولا تبدأوا الیھود والنصاری بالسلام۔ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔

یہود و نصاریٰ کے حکم میں تمام غیر مسلم ہیں، اور وہ بدمذہب جن کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہو، مثلاً قادیانی، رافضی، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد، مودودی، نیچری وغیرہ۔ اسی طرح ان بدمذہبوں کو بھی سلام کرنا جائز نہیں جو گمراہ ہیں، اگرچہ ان کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلی، حدیث میں ہے:

لا تجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم۔ تقدیر کے منکرین کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ انہیں سلام کرو۔

(ابوداؤد)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بلکہ بدمذہبوں کے سلام کا جواب بھی دینا جائز نہیں۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ نافع سے راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: فلاں آپ کو سلام کہتا ہے' فرمایا: میں نے سنا ہے وہ بدمذہب قدریہ ہو گیا ہے' اگر یہ صحیح ہے تو میرا سلام اس سے مت کہنا۔ اس کے تحت مرقات میں ہے:

فانه ببدعته لایستحق جواب السلام وان کان من اهل الاسلام۔ بدمذہبی کی وجہ سے وہ سلام کے جواب کا مستحق نہ رہا' اگرچہ اہل اسلام میں سے ہے۔

اسی طرح فاسق معلن کو بھی سلام کرنا منع ہے۔ درمختار میں ہے:

یکره السلام علی الفاسق لو معلناً۔ فاسق معلن کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

غیر اسلامی سلام

آپس میں یا غیروں کو وہ سلام ہرگز نہ کرے جو غیر اسلامی ہو۔ رام رام جے رام جی کی نمستے' اس لیے کہ یہ مذہبی شعار ہے' کوئی اگر کسی کو کہے: السلام علیکم! تو ہر شخص جان جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے' اور اگر کوئی جے رام جی کی نمستے کہے تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ہندو ہے۔

اسی طرح گڈ مارننگ' گڈ نائٹ وغیرہ نہ کہے' حدیث میں ہے:

لیس منا من تشبه بغیرنا لاتشبهوا بالیهود ولا بالنصاری فان تسلیم الیهود الاشارة بالید وتسلیم النصاری الاشارة بالکف۔ ہم میں سے وہ نہیں جو غیروں کا شعار اختیار کرے' یہود و نصاریٰ کا شعار نہ اختیار کرو' یہود کا سلام ہاتھ سے اشارہ اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا۔

یعنی یہود و نصاریٰ کچھ بولتے نہیں' صرف ہاتھ اور ہتھیلی سے اشارہ کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی یہ عادت ہو گئی ہے کہ سلام کے وقت اشارہ کرتے ہیں' اگرچہ زبان سے بھی کہتے ہیں' مگر السلام علیکم ہی کہنا کافی ہے' ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

کون سا عمل افضل ہے؟

پہلی حدیث میں مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھنے اور منہیات کے ترک کو افضل الاسلام فرمایا۔ اس حدیث میں کھانا کھلانے اور سلام کرنے کو خیر الاسلام فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ نہ اُس حدیث میں حصر مقصود ہے نہ اس حدیث میں' بلکہ سائلین اور وقت کے لحاظ سے جس کی ضرورت زائد تھی' اس کو بیان فرمایا۔ جب پہلی حدیث کے سائلین یا حاضرین میں ان دو باتوں کی ضرورت تھی تو اسے بیان فرمایا۔ اور اس حدیث کے سائلین یا حاضرین میں یہ کمی دیکھی تو انہیں بیان فرمایا۔ اس میں ایک دقیق اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ اگرچہ بعض اعمال بعض سے فی نفسہ افضل ہیں' مگر کبھی خاص وجہ سے کوئی خاص عمل افضل اور بہتر ہو جاتا ہے۔ اس سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو گئی کہ کسی میں جہاد کو افضل الاعمال بتایا کسی میں کلمہ طیبہ کے پڑھنے کو وغیرہ وغیرہ۔ مثلاً کسی عالم سے پوچھے کہ کس صدقہ نافلہ میں زیادہ ثواب ہے' تو یہ جواب دے گا کہ دینی مدرسہ کی امداد' لیکن اسی عالم سے پوچھے کہ کسی کے پاس پانچ روپے ہیں' ان کا کوئی پڑوسی بھوکوں مر رہا ہے تو اب کس میں ثواب زیادہ ہے؟ تو یہی عالم جواب دے گا کہ اس بھوکے مسلمان پڑوسی کی جان بچانے میں۔

حدیث زیر بحث کے بارے میں ایک اندازہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی فرمایا تھا' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جب سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو میں حاضر ہوا' میں نے جب بہ غور روئے انور کو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دیکھا تو کہہ اُٹھا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ پہلا ارشاد جو سنا' یہ تھا:

ایھا الناس افشوا الاسلام واطعموا الطعام وَصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام.

اے لوگو! سلام پھیلاؤ' کھانا کھلاؤ' رات میں جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھو' سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ۔

ظاہر ہے کہ ایسے وقت جب مکہ سے لٹے پٹے خانماں برباد مہاجرین مدینہ طیبہ آ رہے ہیں' ان کی کوئی یہاں شناسائی نہیں' اجنبی ہیں' اس کی ضرورت تھی کہ ان کو اپنایا جائے' ان کو بھوکا نہ رہنے دیا جائے۔ خود جنگ بُعاث کی وجہ سے انصار میں کافی تناؤ تھا۔ اس وقت افشاء سلام' اطعام طعام کی حاجت شدید تھی۔ لوگ نماز کے عادی نہ تھے' وہ تہجد سے اس وقت واقف بھی نہ ہوں گے۔ انہیں رجوع الی اللہ کے لیے نماز کی کتنی شدید ضرورت تھی' اس لیے ان تین چیزوں کو اس موقع پر خصوصیت سے بیان فرمایا۔

پھر سلام وطعام ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی افادیت سے کسی عاقل کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں محبت یگانگت پیدا کرنے کے لیے مجرب تیر بہدف عمل ہیں۔

۱۳- ح: حُبُّ الْمُؤْمِنِ [محبت مؤمن]

۱۳- عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی مؤمن نہیں جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(مسلم۔ کتاب الایمان' ابن ماجہ۔ مقدمہ' داری۔ کتاب الرقاق' نسائی۔ کتاب الایمان' ترمذی' مسند امام احمد)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ' ان کی والدہ مشہور صحابیہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا ہیں' یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص ہیں۔ دس سال تک خدمت اقدس میں حاضر رہے' جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس دس سال کے تھے۔ ان کی والدہ نے خدمت میں لا کر پیش کر دیا' پھر وصال کے بعد ہی ساتھ چھوڑا۔ غزوۂ بدر جیسے خطرناک موقع پر بھی ساتھ ساتھ تھے مگر لڑنے کے لائق نہ تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا: غزوۂ بدر میں شریک تھے؟ فرمایا: میں کہاں رہتا ساتھ ہی تھا' خدمت کرتا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوحمزہ رکھی' حمزہ ایک ساگ ہے جسے فارسی میں ترہ تیزک اور اُردو میں چنسر کہتے ہیں۔ عربی میں اس کا دوسرا نام جرجیر ہے' جو انہیں مرغوب تھا' یہ چن چن کر لایا کرتے۔ ایک دفعہ انہیں آنحضور نے ذوالاذنین کہہ کے نوازا۔

ایک بار کنواں کھدوایا' پانی کھاری تھا' خدمت اقدس میں عرض کیا' سرکار تشریف لے گئے' اس کنویں میں لعاب دہن ڈالا' اس کنویں کا پانی مدینے کے تمام کنوؤں سے زیادہ میٹھا ہو گیا۔ ان سے بے پناہ محبت فرماتے' احادیث میں ان کے بڑے دلچسپ قصے مذکور ہیں۔

ایک دفعہ اُم سلیم حاضر ہوئیں' عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ انس آپ کا خادم ہے' اس کے لیے دعا فرمائیں! یہ دعا کی: اے اللہ! اس کے مال اس کی اولاد میں برکت دے! اس کی عمر دراز فرما! اسے بخش دے! اس دعا کی برکت یہ ہوئی کہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی صلبی اولاد دو کم دو سو کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا ہے۔ صرف ان کی اتنی بلکہ اس سے بھی زائد اولاد ہوئی' جن میں دو بیٹیاں بقیہ سب بیٹے۔ ان کا باغ ہر سال دو بار پھل دیتا' ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی' سو سال سے زائد عمر پائی' خود فرماتے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بن کر زندگی سے اُکتا گیا ہوں۔

حضور اقدس ﷺ کے ساتھ آٹھ غزوات میں جنگ کی' وصال کے بعد زمانے تک جہاد کرتے رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں بصرہ آئے تا کہ یہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں' بصرہ کے ساکن صحابہ کرام میں سب کے بعد ان کا وصال ہوا' محمد بن سیرین نے آپ کو غسل دیا' ۹۳ھ میں واصل بحق ہوئے' بصرہ کے قریب اپنے محل میں جو طف میں تھا' دفن ہوئے۔

حضور اقدس ﷺ کا موئے مبارک ان کے پاس تھا' وصیت فرما گئے تھے کہ اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا' ایسا ہی کیا گیا۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی' ایک سو اڑسٹھ متفق علیہ ہیں اور تراسی افراد بخاری سے اور اکانوے افرادِ مسلم سے ہیں۔ اس پائے کے صحابی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ جیسے کنز الاحادیث نے بھی ان سے حدیث اخذ کی ہے۔

مؤمن کامل

اس حدیث میں ایمان سے مراد ایمانِ کامل ہے' محبت کسی کی طرف دل کے میلان کو کہتے ہیں' یہاں محبت سے مراد پسندیدگی ہے' مراد یہ ہے کہ کامل مؤمن وہی ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس کو لازم ہے کہ جو بات اپنے لیے ناگوار جانے وہ دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔ یعنی آدمی یہ چاہتا ہے کہ ہم آرام' اعزاز کے ساتھ خوش وخرم رہیں۔ کوئی ہماری توہین وتذلیل نہ کرے' کوئی ہمیں ایذاء نہ پہنچائے' کوئی ہمارا حق غصب نہ کرے' اسی طرح یہ بھی چاہے کہ میرا بھائی اعزاز و اکرام کے ساتھ خوش وخرم رہے' نہ اس کی توہین وتذلیل ہو' نہ اس کا حق غصب کیا جائے۔

اس سے بہ طور لزوم یہ بھی سمجھ میں آیا کہ ہر شخص اگر اس کا عادی ہو جائے تو معاشرہ صاف ستھرا رہے گا اور زندگی چین واطمینان سے گزرے گی۔ ظاہر ہے کہ لڑائی جھگڑا کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ انسان تنگ دلی سے یہ چاہنے لگتا ہے کہ سب کچھ ہمیں میسر ہو' دوسرے محروم رہیں۔ اس حدیث میں تواضع' مروّت' امداد باہمی ایک دوسرے کے کام آنے اور دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بلیغ ترین ترغیب ہے۔ حسد' کینہ' عداوت' بغض' ایذاء رسانی' حق تلفی' تفوق' ترفع' تحقیر وتذلیل سے دور رہنے کی انتہائی دل نشین پیرائے میں تلقین ہے۔ اسی لیے علماء نے اس حدیث کو بھی جوامع الکلم اور اُم الاحادیث میں سے شمار فرمایا ہے۔

١٤- ح: حُبُّ الرَّسُوْلِ [محبت رسول ﷺ]

١٤- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی مؤمن نہیں جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

١٥- عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مؤمن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(یہ دونوں حدیثیں مسلم اور نسائی۔ کتاب الایمان میں بھی ہیں)

قسم کا فائدہ اور متشابہات کا حکم

یہ قسم صرف بعد میں مذکور شی کی اہمیت بتانے کے لیے ہے' اللہ عزوجل پر "ید" کا اطلاق متشابہات سے ہے۔ متشابہات میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تین مذہب ہیں، ان کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔ یہ مذہب اسلم ہے، تاویل کی جائے مگر ایسی جو محکمات کے معارض نہ ہو، مطابق ہو۔ یہ مذہب سالم ہے اور متاخرین کا یہی طریقہ ہے۔ ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے معارض ہو، یہ زائغین کا مذہب ہے جیسا کہ مجسمہ کرتے ہیں۔ یہ حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے، اس اختلاف مذاہب کی بنیاد یہ آیہ کریمہ ہے:

اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا. (آل عمران:۷)

جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی اور تاویل ڈھونڈنے کے لیے، اور ان کا صحیح معنی اللہ ہی جانتا ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت میں اگر ''اِلَّا اللّٰہ'' پر وقف کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ متشابہات کے معنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، اور اگر ''اللّٰہ'' کو معطوف علیہ اور ''الراسخون فی العلم'' کو معطوف مانا جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ متشابہات کے معنی اللہ اور پختہ علم والے جانتے ہیں۔ اب اس سے مستفاد ہوا کہ پختہ علم والے بھی متشابہات کے معنی جانتے ہیں، یہی مذہب سالم ہے اور پہلے والا اسلم ہے۔

متشابہات کے معنی حضور جانتے ہیں

اس سلسلے میں ایک بحث یہاں یہ پیدا ہوتی ہے کہ متشابہات کے معنی حضور اقدس ﷺ جانتے ہیں یا نہیں؟ صحیح یہی ہے کہ جانتے ہیں، ورنہ خطاب لغو ہو جائے گا۔ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل نے رسول سے خطاب ایسا کیا جو رسول سمجھ نہ پائے۔ اب پہلی تفسیر کی بناء پر حصر اضافی ہوگا، یعنی حصر امتی کے اعتبار ہے، یا حصر حقیقی ہے اور مراد علم ذاتی ہے، رہ گیا علم عطائی وہ بہ عطاءِ الٰہی دوسروں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اب مذہب اسلم و سالم کی تقسیم وقوع کے اعتبار سے ہوگی۔

مذہب سالم پر یہاں ''ید'' سے مراد قدرت و اختیار ہے۔ ''ید'' بہ معنی قدرت و اختیار عرب میں شائع و ذائع ہے، جیسے ہاتھ ہمارے عرف میں عام طور پر بولتے ہیں: یہ بات ہمارے ہاتھ میں ہے، یعنی اختیار میں ہے۔ اب اس جملے کا مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے اختیار میں میری جان ہے!

محبت کے اسباب و اغراض

''احب''، ''محبۃ'' سے اسم تفضیل ہے، محبت کسی کی جانب دل کے میلان، جھکاؤ کو کہتے ہیں۔ شراح حدیث نے فرمایا: محبت کی دو قسمیں ہیں: طبعی اور جبلی جس میں آدمی کو اختیار نہیں ہوتا۔ وہ مراد نہیں اس لیے کہ محبت کو ایمان فرمایا اور ایمان اختیاری شی ہے۔ دوسرے عقلی کہ انسان اسے اپنی عقل کے تقاضا سے اختیار کرتا ہے۔ اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ حب عقلی کے اسباب تین ہیں حسن و جمال، جود و نوال، فضل و کمال، یہ تینوں اسباب حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس میں اتنے اعلیٰ درجۂ کمال پر موجود ہیں کہ کسی مخلوق میں اس درجے کا تو کیا اس کا عُشرِ عشیر بھی پایا جانا محال ہے۔ حضور اقدس ﷺ اپنے ہر وصف میں بھی ممتنع النظیر ہیں، ان معنی میں کہ آنحضور ﷺ کے کسی وصف میں کسی مخلوق کی بہ تمامہ شرکت محال ہے۔ علامہ بوصیری نے فرمایا:

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

''حضور اقدس ﷺ اپنی خوبیوں میں شریک سے منزہ ہیں، حضور میں جو جوہر حسن ہے وہ غیر منقسم ہے،'' حتی کہ حضرت شیخ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا: آنحضرت مرآۃ جمال وکمال اوست[1] آنحضرت اللہ عزوجل کے جمال وکمال کے آئینہ ہیں۔
تو جب کہ حضور اقدس ﷺ تمام اسباب محبت کے جامع اتم ہیں' اس طرح کہ دوسرا اس میں آپ کا شریک نہیں' تو عقلاً یہ لازم ہوا کہ آنحضور ﷺ کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو' اور آپ تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں۔

شراح پر ایک تعقب

شراح عام طور پر یہاں "لا یومن" سے ایمان کامل مراد لیتے ہیں' اور توجیہ میں یہ کہتے ہیں کہ اصل ایمان حضور اقدس ﷺ کو سارے جہان سے افضل واجل ماننا ہے۔ رہ گئی محبت تو یہ ممکن ہے کہ کسی کی عظمت دل میں بہت زیادہ ہو اور محبت کم ہو' جیسے ایک باپ کے دل میں بیٹے کی محبت استاذ سے زیادہ ہو سکتی ہے اور استاذ کی عظمت بیٹے سے زیادہ' لیکن یہ توجیہ اصل میں محبت کی دونوں قسموں کے فرق سے ذہول کی وجہ سے ہے۔ ورنہ جب محبت سے مراد عقلی واختیاری مراد لیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ اصل ایمان ہی یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو سارے جہان سے زیادہ محبوب مانیں' اس لیے اس حدیث میں "لا یومن" میں ایمان کامل کی تخصیص بلا مخصص ہے۔ اور مراد مطلق ایمان ہے اور وہ جو محبت وعظمت کا فرق ہے' وہ محبت طبعی اور عظمت کے مابین ہے' محبت عقلی اور اعتقاد عظمت میں تلازم حقیقی ہے۔

اور وہ جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: اے عمر! تمہارا کیا حال ہے' صرف مجھ سے محبت رکھتے ہو یا اور کسی چیز سے؟ عرض کیا: حضور سے بھی محبت رکھتا ہوں اور مال واولاد سے بھی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کے سینے پر دست مبارک مارا اور پوچھا: اب کیا حال ہے؟ عرض کیا: مال اولاد کی محبت ساقط ہو گئی' مگر اپنی محبت باقی ہے۔ پھر دوبارہ دست اقدس ان کے سینے پر مارا' پوچھا: اب؟ عرض کیا: یارسول اللہ! سب کی محبت نکل گئی' صرف آپ کی محبت باقی ہے۔ فرمایا: اب تمہارا ایمان تام ہوا۔ اس میں محبت سے مراد محبت طبعی ہے کہ وہ ابتداء حضرت عمر کے دل میں تھی' مگر حضور اقدس ﷺ نے اپنی شفقت بے غایت سے توجہ فرما کر اپنے ماسوا سب کی محبت ان کے دل سے نکال دی۔ اور ان کو اپنی ذات میں فانی اور اپنی ذات کے ساتھ باقی بنا دیا۔ محبت طبعی بھی ماسوا رسول کی' ان کے دل سے نکال دی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر اس حدیث میں محبت سے مطلق محبت مراد لی جائے تو ایمان سے ایمان کامل مراد لینا ضروری ہوگا' مگر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ محبت طبعی اختیاری نہیں اور ایمان اختیاری ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مومن حضور اقدس ﷺ کی ذات وصفات ان کے انعام واحسان کو مسلسل یاد کر کے کوشش کرے کہ اس کے دل میں غیر رسول کی محبت طبعی بھی رسول سے زیادہ نہ رہنے پائے' یہ کمال ایمان ہے۔

اور اگر اس حدیث میں محبت سے حب عقلی واختیاری مراد لی جائے تو "لا یومن" سے مطلق ایمان مراد ہونا ظاہر ہے۔

۱۶- ح: حَلَاوَةُ الْإِيْمَانِ [حلاوت ایمان]

۱۶- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس میں تین چیزیں ہوں' وہ ایمان کی چاشنی پائے گا' جس کو اللہ اور رسول ساری دنیا سے زیادہ پیارے ہوں اور کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ ہی کے لیے کرے' جو مسلمان ہونے کے بعد کفر میں

[1] اشعۃ اللمعات' ج ۱ ص ۴۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ. لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو۔

(بخاری۔باب:من کرہ ان یعود فی الکفر۔کتاب الادب' مسلم۔کتاب الایمان' نسائی۔کتاب الایمان' ابن ماجہ۔کتاب الفتن' مسند امام احمد' ترمذی)

حلاوت ایمان

امام نووی نے فرمایا کہ حلاوت سے مراد یہاں استلذاذ ہے' مطلب یہ ہے کہ جس میں یہ تین باتیں ہوں گی' وہ ایمان کے مقتضیات پر لذت پائے گا' یعنی عبادت وطاعت کرنے میں اور اس سلسلے میں مشقت اُٹھانے میں اسے لذت ملے گی۔

اس تشبیہ میں اشارہ ہے کہ جیسے شہد ایک میٹھی اور لذیذ چیز ہے' لیکن صفراوی مریض کو کڑوی معلوم ہوتی ہے' اسی طرح ایمان کا حال ہے' جو کفر وضلالت کے بیمار نہیں' ان کے لیے لذیذ اور میٹھی شی ہے اور جو گمراہی کے مریض ہیں' ان کے نزدیک ناگوار وناپسندیدہ ہے۔

یہ حدیث اُم الاحادیث میں سے ہے

امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث اسلام کے اصول میں اصل عظیم ہے' اس لیے کہ جمیع ماسوٰی سے زیادہ اللہ اور رسول کی محبت اور اللہ ہی کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے بغض' اور کفر کی طرف واپس ہونے سے خوف اسی کو ہوگا' جس کا ایمان قوی سے قوی تر ہوگا۔

جب کسی کا ایمان پختہ ہوگا تو اس کو اس بات پر یقین کامل ہوگا کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے یا ملتا ہے یا ملے گا' سب کا دینے والا اللہ ہی ہے اور سب کچھ رسول کے واسطے ہی سے ملا ہے اور ملے گا۔ رسول ہی وہ واسطہ عظمٰی ہیں جنہوں نے اللہ کی معرفت کرائی۔ انہیں کے ذریعہ ہمیں اسلام جیسا سچا دین ملا' تو لامحالہ اس کے دل میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سب سے زیادہ پیدا ہوگی اور جب اللہ اور رسول کی اس درجہ اعلیٰ محبت پیدا ہوجائے گی تو لامحالہ اگر کسی سے محبت کرے گا تو اللہ ہی کے لیے کرے گا' یعنی اس لیے کرے گا کہ اس کے ساتھ محبت کرنے سے اللہ راضی ہوگا۔ اس لیے کہ یہ اللہ کا محبوب ومقبول بندہ ہے' اور جب اللہ اور رسول کی محبت رگ وپے میں رچ بس جائے گی تو اس کا یہ لازمی اثر ہوگا کہ کفر سے نفرت پیدا ہوجائے گی۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ ایمان اور ان تینوں چیزوں میں تلازم ہے۔ جب ایمان پایا جائے گا تو یہ تینوں باتیں بھی پائی جائیں گی اور جب یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی تو ایمان بھی ضرور پایا جائے گا۔

۱۷- ح: حُبُّ الْاَنْصَارِ [محبت انصار]

۱۷ - عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰيَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَاٰيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ.

حضرت انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے' انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔

انصار

ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب' یہ بھی لکھا گیا ہے کہ نصیر کی جمع ہے' جیسے شریف کی جمع اشراف۔ ہر تقدیر پر اس کے معنی ''مدد کرنے والوں'' کے ہیں۔ ان کا نام انصار اس لیے پڑا کہ انہوں نے نبی ﷺ کی مدد کی۔ یہ اوس وخزرج کی اولاد اور ان کے حلفاء وموالی کا نام ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اوس وخزرج

دونوں بھائی تھے' ان کے والد کا نام حارثہ یا ثعلبہ العنقاء تھا' اس کی گردن بہت لمبی تھی' اس لیے اس کو عنقاء کہتے تھے' یہ لوگ اصل میں یمن کے باشندے تھے' سدّ مآرب کے ٹوٹنے سے جب یمن تباہ ہو گیا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آ کر بس گئے' یمن میں ان کے مورثِ اعلیٰ کا نام قحطان تھا۔ کلبی نے کہا کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہے' اس تقدیر پر کُل عرب اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے۔

بعضوں نے کہا: نہیں! قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد نہیں' اس تقدیر پر عرب کی اصل دو ہوئے: آلِ اسماعیل' آلِ قحطان[1]

ویسے بعض لوگوں نے اس پر بہت لمبی بحث کی ہے کہ انصار آلِ اسماعیل ہیں یا نہیں؟ بخاری شریف' کتاب الانبیاء میں حضرت ابو ہریرہ کا قول مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت ہاجرہ کے بارے میں فرمایا:

فتلك امّكم يا بنى ماء السماء. — یہ تمہاری ماں ہیں' اے بارش کے بیٹو!

اس سے مراد اہلِ عرب ہیں' اس لیے کہ ان کی زندگی بارش کے ہی پانی پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ پورے عرب بنی اسمٰعیل ہیں۔ اوس وخزرج پہلے بنی قیلہ کہے جاتے تھے' قیلہ ان کی ماں کا نام تھا' حضور اقدس ﷺ نے ان کا نام انصار رکھا۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَّهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَرِيْمٌ ○ (الانفال:۷۴)۔ — اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی' وہی سچے ایمان والے ہیں' ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ○

نفاق

باب مفاعلت کا مصدر ہے' لزام' قتال کے وزن پر۔ اس کے معنی دورُخی کرنے کے ہیں' اور شریعت میں زبان سے اسلام کے اقرار اور دل میں کفر چھپائے رکھنے کے ہیں۔

حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ انصار کرام جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور خانماں برباد مہاجرین کو جگہ دی' ان کی ہر طرح مدد کی۔ سارا عرب اسی وجہ سے انصار کا مخالف ہو گیا' مگر اس کی انہوں نے پرواہ نہ کی۔ ان سے ہر ایمان والے کو لازمی طور پر محبت ہو گی' ان سے عداوت وہی رکھے گا' جس کے دل میں چور ہو گا۔

توجیہ

مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو حصر کا افادہ کرتے ہیں' اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کی علامت صرف انصار کی محبت ہے اور منافق کی علامت صرف انصار سے عداوت ہے' حالانکہ ایمان کی متعدد نشانیاں بتائی گئی ہیں' یوں ہی منافق کی بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر ادعائی ہے' حقیقی نہیں۔ انصار کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ ان کی شان ایسی ہے کہ یہ ایمان صادق اور نفاق کے معیار ہیں کہ ان سے محبت کرنے والا صادق الایمان ہی ہو گا اور ان سے عداوت رکھنے والا منافق ہی ہو گا' مراد یہ ہے کہ جو انصار سے انصار ہونے کی وجہ سے عداوت رکھے' یعنی اس بناء پر کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو جگہ دی' ان کی ہر طرح مدد کی' ان کے لیے سارے عرب کی عداوت مول لی' وہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتا' وہ ایمان کا لاکھ دعویٰ کرے وہ منافق ہو گا' جیسا کہ دوسری حدیث میں تصریح ہے: "لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ" انصار سے صرف مؤمن ہی محبت رکھے گا۔

---

[1] عمدۃ القاری عینی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۸ - ح: [اَلْعُقُوْبَاتُ كَفَّارَةُ الْاِثْمِ]

۱۸ - اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ اِدْرِیْسَ عَائِذُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَّهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصَوْا فِیْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰی مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِی الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَطَهُوْرٌ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَی اللّٰهِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَآءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰی ذٰلِكَ.

(کتاب المغازی۔ کتاب الحدود۔ کتاب الاحکام۔ کتاب مناقب الانصار' مسلم۔ کتاب الحدود' ترمذی' نسائی' داری)

عقوبات گناہ کا کفارہ ہیں

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقیب بنائے گئے تھے' یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت فرمایا' جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت تھی: (ان باتوں پر) مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے' چوری نہ کرو گے' زنا نہ کرو گے' اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے اور خود گھڑ کر کسی پر بہتان نہ باندھو گے' اچھی بات میں نافرمانی نہ کرو گے' جس نے اس کو پورا کیا' اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اور جو ان گناہوں میں کسی کا ارتکاب کر بیٹھے اور اس کو دنیا میں سزا دے دی جائے تو یہ اس کے لیے کفارہ اور پاک کرنے والی ہے اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کرے اور اللہ عزوجل اس کو چھپائے رکھے تو یہ اللہ کے سپرد ہے' چاہے اسے معاف فرما دے' چاہے (آخرت میں) سزا دے تو ہم نے ان سب پر حضور کی بیعت کی۔

حضرت عبادہ بن صامت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ

دونوں عقبہ میں اور سارے غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے انہیں کو فلسطین کا قاضی بنایا تھا' پھر ان کو پورے شام کا قاضی بنایا' اس وقت یہ حمص میں مقیم رہے۔ طویل' جسیم' خوبصورت' عالم فاضل بزرگ تھے۔ اخیر عمر میں فلسطین منتقل ہو گئے۔ وہیں یا رملہ میں ۳۴ھ میں وصال ہوا۔ مزار مقدس بیت المقدس میں مشہور و معروف ہے۔ ان سے ایک سو اسی حدیثیں مروی ہیں' چھ متفق علیہ ہیں اور دو دو بخاری و مسلم کے افراد میں سے ہیں۔ عبادہ بن صامت صحابہ میں صرف ایک ہی ہیں اور عبادہ نام کے بارہ حضرات ہیں۔

پہلی حدیث میں فرمایا: انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ اب یہ حدیث اس دعویٰ کے لیے بہ منزلہ دلیل کے ذکر کی' یعنی انصار کی محبت کیوں ایمان کی علامت ہے؟ اس لیے کہ انہوں نے انتہائی نازک وقت میں اپنا تن من دھن اسلام پر قربان کرنے کی بیعت کی' اور جو بیعت کی وہ کر کے دکھا بھی دیا' اسی سبب سے ان کا نام انصار رکھا گیا۔

''شَهِدَ'' کے معنی

''شھد'' کے معنی ''حضر'' کے ہے' اسی سے ''شاھد'' بہ معنی ''حاضر'' ہے' جیسا کہ حدیث مشہور ''فليبلغ الشاھد الغائب'' میں اور نماز جنازہ کی دعا ''وشاھدنا وغائبنا'' میں ہے۔ ان دونوں جگہوں میں ''غائب'' کے تقابل سے ''شاھد'' کے معنی ''حاضر'' متعین ہیں اور جب ''شاھد'' کے معنی ''حاضر'' احادیث سے ثابت اور احادیث قرآن کی تفسیر تو آیہ کریمہ ''اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا'' (الاحزاب: ۴۵) میں شاہد بہ معنی حاضر لینے پر کوئی قباحت نہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بدر

اس مشہور جگہ کا نام ہے جہاں ١٧ رمضان ٢ھ میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن مشہور غزوہ ہوا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ سے چار منزل تقریباً اسی میل کے فاصلے پر مکہ معظمہ کے راستے میں ہے، یہاں سال بہ سال میلہ لگتا تھا۔ بدر نامی ایک شخص نے یہاں کنواں کھدوایا تھا، اسی کے نام پر کنویں کا پھر اس جگہ کا نام پڑ گیا۔ اسے منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ اس میں ایک سبب علمیت ہے اور دوسرا تانیث اگر اسے ''بئر'' کا علم مانیں اور اگر قلیب کا علم مانیں تو مذکر ہوگا اور منصرف۔

نقباء

نقباء، نقیب کی جمع ہے جس کے معنی سردار، ذمہ دار نگہبان کے ہیں۔ عقبہ پہاڑ کی گھاٹی کو کہتے ہیں، یہ وہی عقبہ ہے جہاں اب مسجد عقبہ ہے۔ اس کے قریب جمرۃ العقبہ ہے، جسے جمرہ کبریٰ، جمرہ اخیرہ اور عوام بڑا شیطان کہتے ہیں۔

بیعت عقبہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال ایام حج میں مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔ ١١ نبوی میں جب آپ اسی غرض سے اس عقبہ کے پاس پہنچے تو یہاں انصار کے قبیلہ خزرج کے چند اشخاص ملے جو مکہ معظمہ اس غرض سے آئے تھے کہ قریش سے امداد باہمی کا معاہدہ کر کے ان کے حلیف بن جائیں۔ انہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے مدینے کے یہود سے نبی آخر الزماں کی آمد آمد کی خبر سن رکھی تھی، اسلام کی دعوت سن کر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا: یہ وہی نبی ہیں، کہیں یہود ایمان لانے میں تم پر سبقت نہ کر جائیں، اور کہا: ہم جس کے لیے آئے ہیں، اس سے یہ بہتر ہے، ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، یہ چھ حضرات تھے:

ابوالہیثم بن تیہان، اسعد بن زرارہ (متوفی ١ھ)، عوف بن حارث، رافع بن مالک بن حارث، جنگ احد میں شہید ہوئے۔ قطبہ بن عامر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مدینہ طیبہ واپس گئے اور آئندہ سال پھر آنے کا وعدہ کر گئے۔ مدینہ پہنچ کر وہاں اسلام کی تبلیغ کی، جس سے متعدد سعادت مندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حسب وعدہ دوسرے سال بارہ حضرات مدینے سے آئے، ان میں حضرت عبادہ بن صامت بھی تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی، یہ بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔

مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی

ان لوگوں نے درخواست کی کہ مدینے کے نومسلموں کو دین سکھانے اور تبلیغ کے لیے کوئی صاحب ہمارے ساتھ کر دیئے جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا مصعب بن عمیر شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

تیسرے سال سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بہتر افراد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، سب نے اسی عقبہ میں بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ حضرات کو ان کا نقیب بنایا، نو قبیلہ خزرج کے اور تین اوس کے۔ انہیں میں ایک نقیب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔

اسلام کی تاریخ میں ان دونوں خصوصاً بیعت عقبہ ثانیہ کی بڑی اہمیت ہے، اسی دوسری ہی بیعت کے موقع پر مدینہ طیبہ ہجرت کرنا طے ہوا تھا۔ انصار کرام نے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا اور رحمت عالم نے ان میں ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرمایا۔ بعد میں ہونے والی ساری فتوحات اور کامیابیوں کی یہ بیعت مقدمہ تھی۔ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخریہ فرمایا کہ میں لیلۃ العقبہ میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حاضر تھا' جب ہم نے اسلام پر میثاق کیا تھا' میں بدر کی شرکت سے بڑھ کر اس کو اہم سمجھتا ہوں' اگرچہ لوگوں میں بدر کا چرچا زیادہ ہے۔

عصابۃ

عصابہ' یہ دس سے لے کر چالیس آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں' اس کے لیے واحد نہیں' اس کی جمع عصائب اور عُصَب بھی آتی ہے۔

بیعت

''بـایعونـی '' اس کا مادہ ''بَیْعٌ'' ہے' جس کے معنی بیچنے کے ہیں۔ مبایعت کا معنی آپس میں خرید و فروخت کرنا ہے' مگر یہاں مبایعت کا معنی آپس میں عہد و پیمان کرنے کے ہیں' گویا جس کے پاس جو تھا اس نے دوسرے کو بیچا۔ صحابہ کرام کے پاس جان و مال آل و اولاد تھی' وہ بیچا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ جنت کو بیچا۔ ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ'' (التوبہ:۱۱۰) بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں' اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

قتل اولاد

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو' اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ عرب میں رائج تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور لڑکوں کو بھی فقر و فاقہ کے اندیشے سے مار ڈالتے تھے' یہ بہت ہی وحشیانہ' بہیمانہ فعل ہے' خون ناحق کے ساتھ قطع رحم و درندگی بھی ہے۔

بہتان

بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جسے سن کر آدمی مبہوت ہو جائے' مثلاً جھوٹا الزام رکھنا' کسی پر جھوٹ باندھنا' اس کی نہ کہی ہوئی بات اس کے سر منڈھنا' اس کا بھی احتمال ہے کہ یہاں خاص زنا کی تہمت مراد ہو۔

افتراء

افتراء کا مادہ ''فریۃ'' ہے' جس کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ افتراء کے معنی جھوٹ گھڑنا ہے' ہر بہتان گھڑا ہوا ہوتا ہے۔ اب افتراء اس کی صفت یا تو' توضیح کے لیے ہے' یا اس میں تجرید ہے۔ ''بیـن ایـدیکم وارجلکم'' سے مراد یا تو دل ہے کہ یہ ہاتھ و پاؤں کے درمیان ہے' یا انسان کی ذات مراد ہے۔

گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں

اچھے کام میں نافرمانی نہیں کرو گے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کام کا بھی حکم دیں گے وہ اچھا ہی ہوگا' اس لیے ''فی معروف'' کی قید بیعت کرنے والوں کی تطییب کے لیے تھی اور یہ بتانے کے لیے کہ میں جو بھی حکم دوں گا وہ اچھا ہی ہوگا' یا مراد عموم ہے یعنی میری اور میرے بعد جو بھی تم پر حاکم ہو' اس کی ہر اچھی بات میں اطاعت کرو گے' اشارہ فرمایا کہ معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق

بیعت کا بدلہ

مبایعت میں طرفین کی جانب سے عوض ہوتا ہے' صحابہ کرام نے اپنی جانب کا عوض پیش کر دیا۔ اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جانب سے عوض پیش فرما رہے ہیں کہ جو اس بیعت پر ثابت قدم رہا' اسے اللہ عزوجل ضرور بالضرور اجر عطاء فرمائے گا' یہ اجر کیا ہے؟

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان روایت میں اس کی توضیح نہیں، مگر صنابحی کی روایت میں "بالجنة" ہے۔

حدود وکفارہ ہیں یا نہیں؟

ان گناہوں میں سے کسی کا اگر کسی نے ارتکاب کیا اور اسے اس پر سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے۔ عام طور پر سزا سے حدود اور تعزیر مراد لیا جاتا ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد اگر اس مرتکب پر حد جاری ہو گئی، اس کی تعزیر ہو گئی تو اس کا وہ گناہ معاف ہو گا۔ یہی جمہور کا مسلک ہے، ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے، دوسری احادیث بھی ہیں، مثلاً وہ حدیث جو ترمذی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

من اصاب ذنبا فعوقب به في الدنيا فالله اکرم من ان يثني العقوبة علی عبده في الآخرة.

جس نے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا دے دی گئی تو اللہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ اسے آخرت میں دوبارہ سزا دے۔

دوم: جو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے روایت کی:

من اصاب ذنبا اقيم عليه ذالك الذنب فهو کفارة له.

جس سے کسی گناہ کا صدور ہوا اور اس گناہ کی سزا اسے دے دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔

سوم: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کی:

ما عوقب رجل علی ذنب الا جعله الله کفارة لما اصاب من ذالك الذنب.

کسی کو گناہ پر سزا دے دی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سزا کو اس گناہ کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے۔

احناف کا مسلک اور دلیل

احناف کا مسلک یہ ہے کہ حدود وتعزیرات گناہوں کے لیے کفارہ نہیں۔ احناف کی دلیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے، جسے حاکم نے مستدرک میں اور بزار اور امام احمد نے اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے، جسے سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے صحیح مانا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا ادري الحدود کفارة لاهلها ام لا.

میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔

یہ حدیث مثبت مدعیٰ نہیں

اگر ہمارا مسلک توقف ہوتا، جب تو اس سے استدلال صحیح ہوتا، ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ کفارہ نہیں، اور عدم علم، علم عدم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس ارشاد کے وقت معلوم نہیں تھا، بعد میں بتا دیا گیا۔ علاوہ ازیں اصول حدیث کا یہ قاعدہ مسلم ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ حدود کے کفارہ ہونے کو ثابت کرنے والی احادیث مثبت ہیں، اور یہ نافی، اس لیے اس پر وہ احادیث راجح ہوں گی۔

احناف کا استدلال

(۱) قرآن مجید میں ڈاکوؤں کی سزا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (البقرۃ: ۱۱۴)

یہ سزا ان ڈاکوؤں کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بھاری عذاب ہے ○

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ آیت اس پر نص ہے کہ سزا صرف دنیا میں ان کی رسوائی کے لیے ہے' اس سزا کے بعد بھی آخرت کا عذاب عظیم ان کے لیے ہے' تو ثابت ہو گیا کہ حدود کفارہ نہیں' ورنہ آخرت کا عذاب ان کے لیے نہ ہوتا۔

(۲) نیز اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی' حالانکہ حدیث میں فرمایا گیا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا' یا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں' تو جب توبہ کر لینے سے گناہ باقی نہ رہے تو حد کو بھی ساقط ہو جانا چاہیے کہ جب گناہ ہے ہی نہیں تو پاک کس سے کریں گے۔

(۳) کافر پر بھی حد ہے اور کافر کے گناہوں سے پاک ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں' پھر اُن پر حد کیوں؟

(۴) حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم.

ماعز کے لیے مغفرت چاہو' اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک اُمت پر تقسیم کی جائے تو سب کو کفایت کرے۔

سوال یہ ہے کہ حد جاری ہو گئی' گناہوں سے پاک ہو گئے' پھر استغفار کی کیا ضرورت؟ معلوم ہوا کہ حد گناہوں کا کفارہ نہیں' رہ گئی یہ بات کہ انہوں نے توبہ بھی کر لی تھی' پھر استغفار کی کیا حاجت؟ ضرور انہوں نے توبہ کر لی تھی' مگر توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں' یہ کیسے معلوم' تو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ بھی استغفار کرو' یا یہ کہ استغفار سے مراد یہ ہے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کی دعا کرو۔

تطبیق

(۱) جب کہ قرآن مجید کی نص قطعی اور حدیث اور قیاس تینوں سے ثابت ہو گیا کہ حدود نہ گناہوں کے لیے کفارہ ہیں نہ مطہر' اور حدیث بھی نص قرآنی کی مؤید ہے تو لامحالہ ان احادیث کی تخصیص کرنی پڑے گی جن کے ظاہر سے حدود کے کفارہ ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے' اوّل یہ کہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ آدمی جب سزا پاتا ہے تو توبہ ضرور کرتا ہے جیسا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گزرا' اور غامدیہ خاتون کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفرله.

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر ناجائز ٹیکس لینے والا بھی کرتا تو اسے بخش دیا جاتا۔

چونکہ یہ سزائیں توبہ کے لیے سبب ہیں اور سبب بول کر مسبب مراد لینا عرف عام ہے' اس لیے ان تمام احادیث میں مراد یہ ہے کہ وہ حدود و تعزیر کے ساتھ توبہ بھی کرے تو کفارہ ہیں۔

تعارض کے وقت بجائے قرآن مجید کے احادیث ہی میں تقیید کی جائے گی۔

(۲) ایک تاویل یہ ہے کہ ان سب میں "عوقب" وغیرہ سے مراد مصائب و آلام و تکالیف ہیں' جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ اگر مسلمان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ اس سلسلے کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

ہر تکلیف مسلمان کے لیے سیئات کا کفارہ ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا

مسلمان کو جو تکلیف' اذیت' اندوہ' حزن' غم پہنچتے ہیں یہاں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ھم ولا حزن ولا غمّ حتی الشوكة يشاكها الا كفّر اللّٰه بها من خطاياه. (بخاری ومسلم)
تک کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:

لا تسبوا الحمی فانها تذهب خطايا بنی آدم كما يذهب الكير خبث الحديد.
بخار کو برا مت کہو یہ بنی آدم کے گناہوں کو ایسے دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی میل کو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عز وجل نے فرمایا:

اذا ابتليت عبدی بحبيبتيه ثم صبر عوضتهما الجنة يريد به عينيه. (بخاری)
جب میں اپنے کسی بندے کی دونوں آنکھیں لے لوں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض اسے جنت دوں گا۔

نیز سب کو معلوم ہے کہ ارشاد فرمایا' بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد فی سبيل اللّٰه. وزاد ابو داؤد والنسائی سبع وصاحب ذات الجنب والمرأة تموت بجمعٍ عن جابر بن عتيك.
شہید پانچ ہیں: جو طاعون میں مرا' جو پیٹ کی بیماری میں مرا' جو ڈوب کر مرا' جس پر دیوار گری اس سے دب کر مرا اور اللہ کے راستے میں شہید۔ ابوداؤد اور نسائی میں جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہید سات ہیں' پانچ یہ اور جو نمونیہ میں مرا اور جو عورت بچہ پیدا ہونے کے صدمے سے مرے۔

اسی قسم کی احادیث کا پورا دفتر ہے۔ ان چند احادیث سے ظاہر کہ امراض' آلام' تکالیف' اذیتیں' غم و اندوہ' حزن و ملال' یہ سب گناہوں کا کفارہ ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں بعض ایسے اہم ہیں کہ ان میں مرنے والا شہید ہوتا ہے۔ حدیث عبادہ اور بقیہ ان سب احادیث میں جو اوپر گزریں' اس کا بھی احتمال ہے کہ یہی سزائیں مراد ہوں۔ اگرچہ یہاں علماء نے عام طور پر صغائر کی تخصیص کی ہے' لیکن یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں کا کفارہ کر دے گا' بتا رہا ہے کہ اللہ عز وجل کی شانِ کریمی سے کیا بعید کہ وہ مصائب و آلام کو کبائر کا بھی کفارہ بنا دے۔ حضرت علی کی حدیث میں اس کا اشارہ واضحہ موجود ہے' اس میں فرمایا: ''فاللّٰه اكرم ان يثنی العقوبة علی عبده فی الآخرة'' اس میں ''ان يثنی'' کا فاعل اللہ عز وجل ہی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ دنیا میں جو سزائیں ملیں وہ بھی اللہ عز وجل ہی نے دیں۔ حدود و تعزیر کو کوئی نہیں کہتا کہ اللہ نے حد جاری کی' اگرچہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے مگر یہاں گفتگو عرف کی ہے۔ پھر روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جب انسان کسی بیماری یا مصیبت میں پھنستا ہے تو بہت صدق دل سے توبہ کرنے لگتا ہے' وہی تاویل یہاں بھی ہو سکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان مصائب و آلام کے ساتھ توبہ کرے اور چونکہ یہ مصائب و آلام توبہ کے اسباب ہیں' اس لیے اسی پر اکتفاء فرمایا۔

یہ بیعت کب ہوئی تھی؟

علاوہ ازیں حدیث زیر بحث میں ایک اختلاف یہ ہے کہ یہ بیعت کب ہوئی تھی۔ علامہ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی اور علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت بیعۃ العقبۃ الاولیٰ کے وقت ہوئی اور یہی امام قاضی عیاض اور دوسرے ائمہ اسلام کی رائے ہے۔ اس تقدیر پر اس حدیث زیر بحث میں ''فعوقب'' سے حدود و تعزیر مراد ہو ہی نہیں سکتے' اس لیے کہ اس وقت تک حدود و تعزیر نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شرک مستثنیٰ ہے

''وَمن اصاب من ذالك'' میں '' ذالك'' کا اشارہ مذکور کی طرف ہے اور مذکور میں شرک بھی ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاذ اللہ کوئی اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور اسی حالت میں قتل کیا جائے تو اس پر فریقین کا اجماع ہے کہ یہ جہنمی ہے، جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم سے کفر وشرک خارج ہیں، اس لیے کہ فرمایا گیا: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ'' (النساء:۱۱۵) اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز نہیں معاف فرمائے گا، جب کتاب اللہ سے کتاب اللہ کی تخصیص درست تو حدیث کی بہ درجہ اولیٰ درست۔

۱۹- ح: [حِفَاظَةُ الدِّيْنِ وَاَهَمِّيَّتُهٗ]

۱۹ - عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَّتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ.

دین کی حفاظت واہمیت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں اور بھیڑیں ہوں گی، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے جنہیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا۔

(بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ کتاب الفتن۔ کتاب علامات نبوت۔ کتاب الرقاق، ابوداؤد، نسائی، مؤطا امام مالک، مسند امام احمد)

حضرت ابوسعید خدری الخزرجی انصاری رضی اللہ عنہ

ابوسعید کنیت ہے، نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید یا عبد بن ثعلبہ بن عبید۔ عبید کے والد کا نام ابجر ہے اور انہیں کو خدرہ بھی کہتے ہیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خدرہ، ابجر کی ماں کا نام ہے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر باوجود صغرسنی کے جوش جہاد میں لشکر میں شامل ہو گئے، مگر بعد میں کم سنی کی وجہ سے لوٹا دیئے گئے، اس کے بعد بارہ غزوات میں ہمرکاب سعادت رہے، ان کے والد نے غزوۂ اُحد میں جام شہادت نوش فرمالیا تھا، یہ صحابہ میں بہت عالم فاضل مشہور تھے۔

نہایت جری حق گو بزرگ تھے، چونکہ اوائل عہد میں جو حاکم تھا وہی نماز بھی پڑھاتا تھا، مروان بن الحکم جب مدینے کا حاکم تھا۔ نماز عیدین بھی پڑھاتا تھا، لوگ نماز پڑھ کر بغیر خطبہ سنے ہوئے چل دیتے تھے۔ یہ خطبے میں بہت دل آزار باتیں کہتا تھا جو سنی نہیں جاتی تھیں۔ یہ دیکھ کر مروان نے چاہا کہ نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھے۔ مروان منبر کی طرف بڑھا کر خطبہ پڑھے۔ حضرت ابوسعید نے اس کے کپڑے پکڑ کر گھسیٹا کہ منبر پر نہ چڑھ جائے، مگر وہ منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ پڑھا، اس پر حضرت ابوسعید نے فرمایا: تم لوگوں نے سنت بدل ڈالی۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۱)

واقعۂ حرہ میں یزیدی ظالموں نے ان کی ریش مبارک نوچ ڈالی تھی، غالباً یہ مروان والے واقعہ کا انتقام تھا، مکثرین حدیث میں یہ بھی ہیں، ان سے گیارہ سو ستر احادیث مروی ہیں، چھیالیس امام بخاری اور مسلم دونوں نے، سولہ تنہا بخاری نے اور باون مسلم نے تنہا روایت کیں۔

اجلہ صحابہ مثلاً خلفائے راشدین، اپنے والد مالک اور اپنے ماں جائے بھائی قتادہ بن نعمان سے احادیث روایت کرتے ہیں، ان کی جلالت شان اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر و اور حضرت ابن عباس نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے۔ تابعین کی گنتی نہیں، ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا، اور وہیں جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ صحابہ کرام میں سعد بن مالک وقاص اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سعید بن مالک عذری ان کے ہم نام ہیں۔

لغات

''اَوْشَكَ'' کے معنی: سرعت' تیزی' جلدی کے ہیں' کہا جاتا ہے: ''اوشك فلان' ای اسرع ''فلاں نے جلدی کی'' ''اوشك'' یہاں افعال مقاربہ میں سے ہے' اس کے معنی ہیں: قریب ہے۔ ''غَنَمٌ'' لفظ مؤنث اور اسم جنس ہے' قلیل کثیر سب پر بولا جاتا ہے' نر پر بھی اور مادہ پر بھی۔ یہ بکری اور بھیڑ دونوں کے لیے آتا ہے۔ ''شعف' شعاف'' پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں'' ''فِتَن' فتنة'' کی جمع ہے' یہ عموماً ناپسند چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ آزمائش ہے۔

حدیث کا مفاد

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کفر و معاصی کا اتنا غلبہ ہو جائے گا کہ دین داروں کو آبادی میں رہنا سخت دشوار ہوگا' مجبور ہو کر اس زمانے میں دین دار گوشہ نشینی اختیار کر لیں گے۔ یہ گوشہ نشینی کہیں بھی ہو' پہاڑ کی چوٹیوں کا ذکر بہ طور تمثیل ہے۔ یوں ہی غنم کا بھی' مراد یہ ہے کہ دین دار دین بچانے کے لیے کہیں بھی گوشہ نشین ہو جائیں گے اور قوت لایموت کے لیے حلال و طیب مال پر قناعت کریں گے۔

انسان تین قسم کے ہیں: مفید' مستفید' منفرد۔ مفید وہ ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے' مستفید وہ کہ خود دوسروں سے فائدہ حاصل کرے' منفرد وہ کہ دوسروں سے اسے فائدہ لینے کی حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے' مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز۔

٢٠- ح: قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

[اس (اللہ تعالیٰ) نے آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بعد بھی ذنب سے محفوظ رکھا]

٢٠- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ قَالُوْا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا.

(یہ حدیث افراد بخاری سے ہے' مسند امام احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جب کوئی حکم دیتے تو انہیں کاموں کا حکم دیتے' جن کی انہیں طاقت ہوتی' اس پر صحابہ عرض کرتے: یارسول اللہ! ہم آپ کی طرح نہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بعد بھی گناہ سے محفوظ رکھا' اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوتے حتیٰ کہ اس کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک پر ظاہر ہو جاتا' پھر فرماتے: میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی معرفت رکھتا ہوں۔

حدیث کا مطلب

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ لوگوں کو ایسے ہی اعمال کا حکم دیتے جس کو لوگ آسانی کے ساتھ پابندی سے کر سکیں' ایسے اعمال کا حکم نہیں دیتے کہ آدمی کچھ دن جوش میں کرے' پھر چھوڑ دے اور صحابہ کرام کو شوق تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کریں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ معصوم ہیں' ہم معصوم نہیں' ہمیں زیادہ سے زیادہ عمل کرنا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لازم ہے اس پر غضب طاری ہو گیا۔ فرمایا: میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اللہ کا علم رکھنے والا ہوں۔

مراد یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کی محرک دو چیزیں ہیں: خشیت خداوندی اور اس کی معرفت' جتنی زیادہ اس کی معرفت ہوگی اتنی ہی زیادہ اس کی خشیت ہوگی' چونکہ میری معرفت تم سب لوگوں سے زائد ہے' اس لیے میرے اندر خشیت الٰہی بھی تم سب لوگوں سے زائد ہے۔

''اتقاکم'' ''قوتِ عملیہ'' میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی جانب اشارہ ہے اور ''اعلمکم'' ''قوتِ علمیہ'' میں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں

ذنب کے معنی کی تحقیق

''ان اللّٰہ قد غفر لك'' کا مطلب ہم نے یہ بتایا کہ آپ معصوم ہیں' اس کی وجہ یہ کہ ذنب کے معنی گناہ کے بھی ہیں اور الزام کے بھی۔ قرآن مجید میں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول مذکور ہے: ''وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ O'' (الشعراء: ۱۴) ان کا مجھ پر الزام ہے' مجھے اندیشہ ہے کہیں مجھے قتل نہ کر دیں O ''غفر'' کے معنی چھپانے کے ہیں۔ عباب میں ہے: ''الغفر تَغْطِيَةٌ'' اور اس کے معنی مٹانے کے بھی ہیں۔

اب ''قد غفر اللّٰہ الخ'' کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر جتنے بھی الزامات لگے یا لگائے جائیں گے' سب کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا۔ ماضی کے الزامات کا مٹایا جانا ظاہر ہے اور آئندہ کے الزاموں پر ماضی کا اطلاق اس لیے ہے کہ ان کا مٹایا جانا یقینی ہے۔ عرض کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ عز و جل نے گناہوں سے پاک اور معصوم رکھا ہے' حتیٰ کہ دشمنوں نے جو الزام لگائے ان کو بھی محو فرما دیا اور آئندہ بھی جو لگائے جائیں گے' کالعدم ہوں گے۔

عام طور پر ذنب کے معنی گناہ کے کیے جاتے ہیں اور ''غَفَرَ'' کے معنی بخشنے کے' اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا صدور ہوا' مگر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمایا۔ اب اگر کسی کو یہی اصرار ہو کہ ذنب کے معنی گناہ ہی کے ہیں تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ ''غَفَرَ'' کے اصل معنی چھپانا اور ڈھانکنا ہے۔ عینی میں ہے:

''الغفر فی اللغة الستر وفی العباب الغفر التغطية''[1] ''غَفَرَ'' کا معنی لغت میں چھپانا ہے' عباب میں ''غَفَرَ'' کا معنی ڈھانکنا ہے۔ اس تقدیر پر اس کا معنی وہی ہوگا جو ہم نے کیا' یعنی گناہوں سے محفوظ رکھا۔ قسطلانی' ص ۸۵ میں ہے ''ای حال بینك وبين الذنوب فلا تاتيها لان الغفر الستر'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو گیا' اس لیے آپ سے گناہ صادر نہ ہوا۔

۲۱- ح: نَجَاةُ الْمُؤْمِنِ [مؤمن کی نجات]

۲۱- عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى أَخْرِجُوا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان

---

[1] ج ۱ ص ۱۶۶

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهَرِ الْحَيَا اَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِّنْ خَيْرٍ.

(بخاری۔ کتاب صفۃ الجنۃ والنار' مسلم۔ کتاب الایمان' نسائی' موطاامام مالک' دار قطنی)

ہو' اسے دوزخ سے نکالو' اس پر ایسے بھی لوگ نکالے جائیں گے جو جل کو کوئلہ کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے' پھر ان کو نہر حیاء یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا' راوی حدیث مالک کو شک ہے' اس سے ان کے جسم سے اس طرح (تیزی) سے گوشت اُٹھے گا جیسے بہتے پانی کے کنارے پر سبزہ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ وہیب نے کہا: ہم سے مالک نے جو حدیث بیان کی' اس میں ''نہر الحیاۃ'' کہا اور ''خردل من خیر''۔

لغات

''مثقال'' کا مصدر ''ثقل'' ہے' یہ اصل میں اسم آلہ ہے اور یہاں مطلق وزن اور مقدار مراد ہے۔ مثقال' شرعی سو عدد جَو دُم بریدہ متوسط کے ہم وزن ہوتا ہے اور سابق مروّجہ وزن سے چار ماشے چار رتی ہے۔ حیاء کے معنی شرمندگی ہے اور حیاء بغیر ہمزہ کے بہ معنی بارش کے ہے' بعض روایت میں حیاء ہے' مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح حیاء بغیر مد کے ہے۔ ''حِبَّۃٌ'' کی جمع ''حِبَبٌ'' بہ معنی بیج کے ہے خواہ کسی چیز کا ہو اور گیہوں کا دانہ۔

مؤمن انجام کار نجات پائے گا

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مؤمن گنہ گار ایسے بھی ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے' لیکن ایمان کی یہ دولت پھر جہنم سے نکالے جائیں گے' جہنم میں رہنے کی وجہ سے یہ کالے ہو جائیں گے' ان کو نہر حیات یا نہر حیا میں غوطہ دیا جائے گا' جس سے یہ اپنی حالت پر آ کر تروتازہ ہو جائیں گے۔

۲۲- ح: [فَضْلُ الْفَارُوْقِ الْاَعْظَمِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ]

فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

۲۲- عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِّنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنَ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب کی حالت میں کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے' وہ لوگ کرتا پہنے ہوئے تھے' کسی کا کرتا سینے تک' کسی کا اس سے کم اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے' وہ ایسا لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے جس کو گھسیٹ رہے تھے' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضور نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: دین۔

(بخاری۔ کتاب التفسیر۔ فضل عمر۔ کتاب التعبیر' مسلم۔ کتاب الفضائل' ترمذی' نسائی' دارمی' مسند امام احمد)

حدیث کی توجیہ

اس حدیث سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل ہوں۔ یہ اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف بھی ہے اور اس کا کوئی قائل بھی نہیں' مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مطلقہ احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے' اس لیے وہ احادیث اس کی مخصص ہیں' اور مراد یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سوا اور سب لوگوں سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دین زائد ہے اور وہ ان لوگوں سے افضل ہیں۔

۲۳- ح: [اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ]

حیاء ایمان سے ہے

۲۳ - عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِى الْحَيَآءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے قریب سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء سے (بچنے کی) نصیحت کر رہے تھے' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اس لیے کہ حیاء ایمان (کی علامت) ہے۔

(بخاری۔ کتاب الادب۔ باب: الحیاء۔ بخاری' مسلم۔ کتاب الایمان' ترمذی۔ کتاب البر' نسائی۔ کتاب الایمان' ابوداود۔ کتاب السنۃ' ابن ماجہ۔ مقدمہ کتاب الزہد' موطا امام مالک۔ کتاب حسن الخلق' مسند امام احمد)

حیاء ایمان سے ہے

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک انصاری کے بھائی بہت شرمیلے تھے' ان کے بھائی ان کو سمجھا رہے تھے کہ حیاء مت کرو' اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو فرمایا: اسے اپنے حال پر چھوڑ دو' حیاء ایمان سے ہے' یعنی ایمان کے آثار میں سے ہے۔ حیاء کبھی واجب و فرض ہوتی ہے جیسے کسی ناجائز و حرام کے ارتکاب سے حیاء' کبھی مندوب جیسے مکروہ سے بچنے میں حیاء' کبھی مباح کسی مباح شرعی کے کرنے سے حیاء۔

۲۴- ح: [حَدُّ الْقِتَالِ]

قتال کی حد

۲۴ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو جب وہ ایسا کریں تو ان لوگوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا' مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(مسلم)

"الناس" سے کیا مراد ہے؟

"الناس" سے مراد تمام کفار ہیں' بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف مشرکین مراد ہیں' جیسا کہ نسائی کی روایت میں بجائے "الناس" کے "المشرکین" وارد ہے' مگر یہ تخصیص درست نہیں۔ اس لیے کہ حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ تمام کفار کو عام ہے' خواہ وہ مشرک ہوں خواہ نہ ہوں۔ اور نسائی کی روایت کی توجیہ یہ ہے کہ جب یہ حکم تمام کفار کے لیے ہے تو مشرکین کے لیے بھی ہے تو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ مجھے مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا گیا' یہاں تک کہ وہ ایمان کی شہادت دیں۔

اقرار ایمان دنیوی احکام کے اجراء کے لیے کافی ہے

"حَتّٰى يَشْهَدُوْا" سے ظاہر ہو گیا کہ اقرار ایمان کے بعد مؤمن ہونے کا حکم لگا دیں گے' اگر ظاہراً اس اقرار کی تکذیب نہ کرتا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مثلاً ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتا ہے' بت پوجتا ہے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ ہرگز مومن نہیں۔

بے نمازی کا حکم

امام شافعی اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ بے نمازی کا قتل کرنا واجب ہے' امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید رکھا جائے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے۔ امام شافعی پر دو طرح سے نقض ہے' ایک یہ کہ بے نمازی کو قتل کا حکم دیتے ہیں اور تارکِ زکوٰۃ کے قتل کو جائز نہیں رکھتے۔ اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ حدیث میں ''اقاتل'' وارد ہے' یہ باب مفاعلت سے ہے' جس کی خاصیت مشارکت ہے' ''قتال'' کے حکم سے قتل پر استدلال درست نہیں۔

حق اسلام کی توضیح

مراد یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد انہیں بے مہار نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اگر کوئی ایسا جرم کریں گے جو موجب قتل ہوگا تو انہیں اور سزا قتل کیا جائے گا' مثلاً کسی کو قتل کریں گے تو قصاص واجب ہوگا' زنا کریں گے تو اس کی سزا ان کو دی جائے گی۔

''حسابھم علی اللّٰہ'' کا مفاد

اقرار ایمان کے بعد اس پر مؤمن کے احکام جاری ہوں گے اور اگر اس کے دل میں کھوٹ ہے تو اللہ عزوجل خوب جانتا ہے' اس کا حساب لے گا۔

۲۵- ح: [اَلْإِيْمَانُ هُوَ الْعَمَلُ] — ایمان عمل ہے

۲۵- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ. (مسلم' ترمذی' نسائی۔ کتاب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' پھر پوچھا گیا: اس کے بعد؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا' پھر پوچھا گیا: اس کے بعد؟ فرمایا: حج مبرور۔

لغات

جہاد کا مادہ ''جَھْدٌ'' ہے' اس کے لغوی معنی مشقت کے ہیں' اصطلاح شرع میں جہاد کے معنی ہیں: اسلام کی حفاظت واشاعت اور بلندی کے لیے مخالفین اسلام سے جنگ کرنا۔ ''مبرور'' ''بِرٌّ'' سے ہے' یہاں مبرور سے مراد مقبول ہے۔ ''بِرٌّ'' کے لغوی معنی سچ کرنے کے ہیں۔ اور محاورہ میں مختلف معانی کے لیے آتا ہے' نیکی وہ کام جس میں گناہ نہ ہو' قسم پوری کرنا' ریاء سے خالی کوئی نیک عمل کرنا' رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا' مطلق احسان۔

حج مبرور کی علامت

حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ آدمی حج کے بعد پہلے سے زیادہ دین دار ہو جائے۔

ایمان عمل قلب ہے

حضور اقدس ﷺ سے سوال یہ ہوا تھا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ایمان لانا' جو لوگ عمل کو ایمان کا جز مانتے ہیں' وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ عمل افعال جوارح کے ساتھ خاص نہیں' قلب کے فعل کو بھی عمل کہتے ہیں' بلکہ فعل بھی کہتے ہیں۔ اس سے دو باب پہلے خود امام بخاری نے فرمایا: ''ان المعرفة فعل القلب'' اسی باب میں قول پر عمل کا اطلاق تسلیم کیا۔ ''عما كانوا يعملون'' کی تفسیر فرمائی ''عن لَا اِلٰهَ اِلَّا الله'' اس سے پہلے والی آیت میں ''بما كنتم تعملون'' کے عموم میں تصدیق داخل ہے۔ اگر دل کے افعال پر عمل کا اطلاق درست نہ ہوتا تو ''تعملون'' میں تصدیق قلبی کیسے داخل ہوتی' اس لیے اس سے اعمال کے داخل ایمان ہونے پر استدلال تام نہیں۔ ہاں اس حدیث میں اگر عمل سے مراد اقرار باللسان لیں تو معاملہ بے غبار ہے۔

''افضل الاعمال'' کا مطلب

اس سے قبل گزر چکا کہ مختلف احادیث میں ''افضل الاعمال'' کا اطلاق مختلف عبادات پر آیا ہے' وہیں یہ توجیہ بھی گزری کہ سائلین یا سامعین یا وقت کے لحاظ سے فرمایا' یا ہر جگہ ''مِنْ'' محذوف مانا جائے' مراد یہ ہے کہ افضل الاعمال میں سے یہ بھی ہے اور فلاں عمل بھی اور فلاں عمل بھی۔

حج افضل ہے یا جہاد؟

اس حدیث کے سیاق سے ثابت ہے کہ جہاد حج سے افضل ہے' لیکن یہ بھی مطلقاً نہیں' جہاد اگر فرض عین ہو جائے' مثلاً دشمن ہجوم کر کے کسی آبادی کو گھیر لیں تو بلاشبہہ حج سے افضل ہے۔ اس عہد مبارک کی عمومی حالت یہی تھی' ورنہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حج جہاد سے افضل ہو' مثلاً جہاد فرضِ عین نہیں' یا ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جہاد فرض ہی نہ ہو اور ایک شخص پر حج فرض ہو چکا ہے تو اس کے لیے حج ہی افضل ہوگا' مختصر یہ کہ اعمال میں فضیلت کی ترتیب کلی اور قطعی نہیں مقرر کی جا سکتی۔

۲۶- ح: مُؤْمِنًا اَوْ مُسْلِمًا

۲۶ - عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى رَهْطًا وَّسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ (فَقُمْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهٗ) فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُّ لِمَقَالَتِيْ فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ اَوْ مُسْلِمًا ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُّ لِمَقَالَتِيْ وَعَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهٗ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يَّكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ.

(ایضاً۔ کتاب الزکوۃ' مسلم۔ کتاب الایمان۔ کتاب الزکوۃ' ابو داود)

[مومن یا مسلمان]

حضرت سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ مال دیا اور سعد وہاں بیٹھا ہوا تھا اور انہیں میں سے ایک ایسے شخص کو کچھ نہیں دیا جو مجھے بہت پسندیدہ تھا (میں اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گیا اور رازدارانہ لہجے میں) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فلاں کو کچھ نہیں دیا' بخدا میں اسے مومن جانتا ہوں' فرمایا: یا مسلمان۔ پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا' مجھے اس کا جو حال معلوم تھا اس نے پھر مجھے سوال کرنے پر مجبور کیا' میں نے عرض کیا: حضور نے اس کو کیوں نہیں عطا فرمایا؟ بخدا! میں اس کو مومن جانتا ہوں' ارشاد فرمایا: یا مسلمان۔ پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا لیکن اس کا حال جو مجھے معلوم تھا' اس نے مجھے پھر سوال کرنے پر مجبور کیا' میں نے وہی سوال دُہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب ارشاد فرمایا' پھر فرمایا: اے سعد! میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا مجھے زیادہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پیارا ہوتا ہے' ایسے شخص کو اس لیے دیتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو اوندھا جہنم میں نہ گرا دے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

وقص کے معنی توڑنے کے ہیں' وقّاص مبالغہ کا صیغہ ہے' بہت توڑنے والا۔ ان کا نام مالک اور کنیت ابواسحٰق ہے۔ نسب نامہ یہ ہے: مالک بن وُہیب یا اُہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ کلاب تک پہنچ کر ان کا نسب شجرۂ نبوی سے مل جاتا ہے۔ یہ وُہیب حضرت آمنہ کے چچا تھے اور بہ روایتے انہیں نے حضرت آمنہ کا عقد' حضرت عبداللہ سے کیا تھا۔ حضرت سعد ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' جب سامنے آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں' کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے۔

آپ اسلام قبول کرنے والوں میں پانچویں یا ساتویں فرد ہیں۔ اسلام قبول کرتے وقت ان کی عمر مبارک چودہ یا سترہ سال کی تھی۔ عشرۂ مبشرہ اور مہاجرین اوّلین میں سے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کی' تمام غزوات میں شریک ہوئے' غزوۂ اُحد میں جب عام انتشار پھیل گیا' یہ ان چودہ جاں نثار بہادروں میں سے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سپر بنے ہوئے تھے' بہت ماہر تیرانداز تھے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھا اُٹھا کر ان کو تیر دیتے تھے اور فرماتے:

ارم يا سعد فداك ابى وامى. اے سعد! تیر چلائے جاؤ' تم پر میرے ماں باپ قربان۔

یہ محبت بھرا جملہ سوائے ان کے اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر کے کسی کے لیے کبھی نہیں فرمایا۔

ان کا خطاب فارسِ اسلام' فاتحِ ایران بھی ہے' سب سے پہلے راہِ خدا میں انہوں نے تیر چلایا' اور سب سے پہلے انہوں نے دشمن اسلام کو جہنم رسید کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کے فاتح' لشکر کے سپہ سالار بھی تھے۔ کوفہ کو انہوں نے بسایا' عرصے تک کوفہ کے حاکم رہے' اخیر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو فتنے اُٹھے سب سے الگ تھلگ رہے۔ مدینے سے دس میل کی دوری پر عقیق میں ایک عالیشان مکان بنوایا تھا' اسی میں رہتے تھے۔ یہیں ۵۵ھ یا ۵۷ھ میں ستر سال سے زائد عمر پا کر وصال فرمایا' جنازہ مبارکہ وہاں سے اُٹھا کر مدینے لایا گیا۔ مروان نے نمازِ جنازہ پڑھائی' جنت البقیع میں آسودہ ہیں' عشرۂ مبشرہ میں سب کے بعد یہ واصل بحق ہوئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰهُمَّ سَدِّدْ سهمه واجب دعوته. اے اللہ! ان کا تیر بے خطا بنا اور ان کی دعا قبول فرما۔

ان کے اثر سے صحابہ کرام میں سب سے زیادہ تیرانداز تھے اور ان کی دعا ہمیشہ قبول ہوئی' لوگ ان کی دعائے خیر کی اُمید رکھتے اور ان کی بددعا سے ڈرتے تھے۔

ان سے دو سو ستر احادیث مروی ہیں' پندرہ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے اور پانچ افراد بخاری سے اور اٹھارہ افراد مسلم سے ہیں۔ صحابہ کرام میں سعد نام کے سو سے زائد افراد ہیں۔

لغات

''رھط'' اس جماعت کو کہتے ہیں جو دس سے کم ہو' یعنی کم از کم تین سے لے کر نو تک' جو سب کے سب مرد ہوں کوئی عورت نہ ہو۔ بعضوں نے کہا: سات سے دس تک کو رہط اور سات سے کم تین تک کو نفر کہتے ہیں۔ نو سے اگر کچھ زائد ہو جائے تب بھی رہط کا اطلاق درست ہے۔ نیز اس کے معنی اپنے قبیلے والوں کے بھی ہیں۔ نیز قریبی مورث کی اولاد کو بھی کہتے ہیں۔ یہ اسم جمع ہے' اس کے لیے واحد نہیں۔ ''ان یکبّه الله'' اوندھے منہ گرنے کے معنی میں ہے۔ یہ ان چند عجیب وغریب افعال میں سے ہے کہ مجرد سے متعدی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آتا ہے اور باب افعال سے لازم۔ اس کے مثل اور چند افعال ہیں، جیسے ''اَحْجَمَ. حجَم. اَنْسَلَ. نَسَلَ. اَمْرٰی. مَرٰی. اَنْزَفَ نَزَفَ. اَنْشَقَ البعیر رفع راسها. نَشَقَ. اَقْشَعَ. قَشَعَ رَجُلًا'' واقدی میں ہے: ان کا نام جعیل بن سراقہ ضمری تھا۔ ''اُرَاہٗ'' مشہور و معروف روایت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، جس کے معنی ہیں: میں گمان کرتا ہوں، مگر امام نووی نے فرمایا کہ صحیح ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے، معنی میں ''اَعْلَمُ'' کے، یعنی میں یقینی طور پر اسے مسلمان جانتا ہوں، اس لیے کہ اگر یقین نہ ہوتا تو حضور اقدس ﷺ کی تلقین کے باوجود بار بار تکرار نہ کرتے۔ ''او مسلما'' واؤ کے سکون کے ساتھ ''اَوْ'' تقسیم یا تنویع یا شک اور شریک کرنے کے لیے آتا ہے، امام قاضی عیاض نے فرمایا: اسے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا خطا ہے، تحقیق یہ ہے کہ یہ اضراب کے لیے ہے، جس پر قرینہ ابن اعرابی کی یہ روایت ہے جو ان کی معجم میں ہے: ''لا تقل مؤمن قل مسلم'' مؤمن مت کہہ مسلمان کہہ۔

تالیف قلب کے لیے عطاء

حضور ﷺ کی عادتِ کریمہ تھی کہ نئے اسلام لانے والوں کو تالیف قلب کے لیے کچھ عطاء فرمادیا کرتے تھے، ایسے ہی افراد میں سے کچھ لوگوں کو عطاء فرمایا اور ایک صاحب کو کچھ نہیں دیا، اس پر حضرت سعد نے وہ عرض کیا جو حدیث میں مذکور ہے۔

تلقین کی وجہ

ایمان اور اسلام حقیقی معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، مگر اسلام کا اطلاق بسا اوقات ظاہری اطاعت و فرمانبرداری پر ہوتا ہے چونکہ مؤمن ہونے کی بنیاد تصدیق قلبی پر ہے اور یہ باطنی چیز ہے اور مسلمان ہونے کا مدار اطاعت پر ہے، یہ ظاہری چیز ہے۔ باطنی چیز پر اطلاع عوام کا کام نہیں، اور ظاہری حالت کو ہر شخص جان سکتا ہے، جب حضرت سعد نے اس کے مؤمن ہونے کا یقین کر کے قسم کے ساتھ بیان کیا تو حضور نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ باطنی چیز پر کیسے اتنا یقین کرتے ہو کہ اس پر قسم کھا بیٹھے۔ یہ کہو کہ اس کو مسلمان جانتا ہوں، یہ احتیاط عہد رسالت تک محدود تھی، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ دلوں کا حال جانتے تھے اور مؤمن و منافق کو خوب پہچانتے تھے، عہد رسالت کے بعد چونکہ کسی پر منافق ہونے کا حکم لگانا منع ہے، اس لیے اگر کوئی اسلام کا اقرار کرتا ہے تو اسے بلا دریغ مؤمن کہیں گے، اس لیے کہ اب باطنی حال جاننے کا یقینی ذریعہ نہیں، اب مدار اقرار پر ہے۔

یہ صاحب مؤمن مخلص تھے

یہ شخص مؤمن مخلص تھے جیسا کہ بعد کے حصے سے ظاہر ہے کہ فرمایا: جسے میں نہیں دیتا وہ مجھے زیادہ عزیز ہوتا ہے، اور حضرت سعد سے جو فرمایا، اس سے صرف انہیں ایک اصولی بات کی تعلیم دینی مقصود تھی، اس شخص کے بارے میں شبہہ کا اظہار مقصود نہ تھا۔

ت٦ - وَقَالَ عَمَّارٌ ثَلَاثٌ مَّنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيْمَانَ الْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ.

حضرت عمار نے فرمایا: جس نے تین چیزوں کو جمع کرلیا اس نے ایمان (کی علامتوں) کو جمع کرلیا، اپنے نفس سے انصاف کرنا اور سب کو سلام کرنا اور تنگ دستی میں خرچ کرنا۔

(ابو القاسم لالکائی، امام احمد۔ کتاب الایمان، یعقوب ابن شیبہ، مسند، جامع معمر، مصنف عبد الرزاق، مسند بزار، بغوی، شرح السنۃ، ابن الاعرابی، معجم وطبرانی کبیر)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

یہ اولادِ قحطان سے یمن کے باشندے تھے، ان کے والد یاسر یمن سے مکہ آئے اور ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بنے، اس نے اپنی کنیز حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے یاسر کا نکاح کردیا، جن سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ ابو حذیفہ نے حضرت عمار کو آزاد کردیا۔ یہ اور ان کے والدین قدیم الاسلام ہیں، ان کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں ابو جہل نے شہید کردیا۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت عمار اور ان کے والد کو ظالم طرح طرح سے ستاتے، تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا دیتے، تکلیف کی شدت کی وجہ سے ان کے حواس مختل ہو جاتے۔ ایک بار اسی عالم میں رحمت عالم ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا:

اصبروا یا آلَ یاسر فان موعد کم الجنة. اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔

ایک بار ستم شعاروں نے انہیں آگ میں ڈال دیا، حضور اقدس ﷺ نے شفقت سے ان کے آبلوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی:

یا نار کونی بردا وسلامًا علی عمار کما کنتِ علی ابراهیم، تقتلك الفئة الباغية. اے آگ! عمار پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا، جیسا کہ ابراہیم پر ہوئی تھی، اے عمار! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ شرف صرف ان کو اور حضرت صدیق اکبر کو ملا کہ ان کے والدین بھی مسلمان ہوئے، مگر یہ حصر صحیح نہیں، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت معاویہ کو بھی یہ شرف ملا ہے۔

یہ تیس سے کچھ اوپر اسلام لانے والوں میں سے ہیں، پہلے حبشہ ہجرت کی، پھر مدینہ طیبہ، تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اسی میں ۳۷ھ میں ترانوے یا چورانوے سال کی عمر پا کر شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ حضرت علی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شہادت کے وقت جسم پر جو کپڑے تھے، اسی میں ان کی وصیت کے مطابق دفن فرمایا۔ ان سے دو سو ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ دو بخاری اور مسلم دونوں نے، تین صرف بخاری نے اور ایک صرف مسلم نے روایت کی۔

ایمان سے مراد کمال ایمان

''فقد جمع الایمان'' سے مراد یہ ہے کہ اس نے کمال ایمان جمع کر لیا، جیسا کہ شعبہ کی روایت میں یوں ہے: ''فقد استکمل الایمان''۔ ''العالم'' اگرچہ ماسوی اللہ کو کہتے ہیں مگر یہ اپنے عموم کلی پر نہیں، اولاً عالم میں حیوانات، نباتات، جمادات بھی داخل ہیں، وہ ہرگز مراد نہیں۔ مراد یہ ہے جو سلام کرنے کے اہل ہوں خواہ اس سے تعارف و رشتہ ہو خواہ نہ ہو، اس سے کافر بدمذہب فساق نکل گئے، اس لیے کہ وہ سلام کے اہل نہیں، جیسا کہ حدیث: ۱۲ میں دلائل مذکور ہوئے۔

حدیث کا مطلب

حدیث کا مطلب یہ ہے: جس مسلمان میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ کامل الایمان ہے، ایک یہ کہ اپنے ساتھ انصاف کرتا ہو، اپنے ساتھ انصاف کا مطلب یہ ہے کہ تمام مامورات کو ادا کرتا ہو اور تمام منہیات سے بچتا ہو۔ انصاف کی ضد ظلم ہے اور کفر و شرک اور معصیت کا ارتکاب نفس پر ظلم ہے، اس لیے انصاف کا مطلب ہوا: تمام معاصی سے اجتناب، دوسرے ہر مسلمان غیر فاسق کو سلام کرنا خواہ ان سے اس کی جان پہچان ہو خواہ نہ ہو، کوئی تعلق ہو خواہ نہ ہو، تیسرے تنگدستی کے باوجود راہِ خدا میں خرچ کرتا ہو۔

۲۷- ح: كُفْرَانُ الْعَشِيْرِ [شوہر کی ناشکری کرنا]

۲۷- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ قِيْلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی، میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا، کفر (ناشکری) کرتی ہیں، عرض کیا گیا: کیا اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ ارشاد فرمایا: نہیں! وہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں، اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زمانہ بھر احسان

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کرو، پھر اگر تم سے کوئی بات ناپسند دیکھے تو کہہ دے گی: میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

(ایضاً۔ کتاب النکاح۔ باب: کفران العشیر۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: صلوٰۃ الکسوف۔ کتاب الجماعۃ۔ باب: ومن صلی وقد امتاز۔ کتاب الاذان۔ باب: رفع البصر الی السماءِ فی الصلوٰۃ' کتاب بدء الخلق۔ باب: فی صفۃ الشمس والقمر' مسلم۔ کتاب العیدین۔ کتاب الکسوف)

''دھر'' کے معنی زمانہ' ابد' دنیا کی پوری مدت' کسی قوم کی پوری مدت' آتا ہے۔ کفر کے اصل معنی چھپانے کے ہیں' یہاں احسان چھپانا مراد ہے' یعنی ناشکری۔ نیز کفر کے معنی براءت اور بیزاری کے بھی ہیں' یہاں مراد ناشکری ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناشکری گناہ ہے۔ لزوماً ثابت ہوا کہ احسان شناسی واجب ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ جس طرح اعمالِ صالحہ پر ایمان کا اطلاق آتا ہے' اسی طرح معاصی پر کفر کا اطلاق وارد ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم اس وقت مخلوق اور موجود ہے' جہنم اُمورِ غیبیہ سے میں ہے۔ اسے حضور اقدس ﷺ نے ملاحظہ فرمایا' اس سے ثابت ہوا کہ حضور غیب جانتے تھے۔ عورتوں کے جہنم میں زیادہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ بقیہ گناہوں میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں' اور یہ گناہ شوہر کی ناشکری' احسان فراموشی چونکہ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے' اس لیے یہ جہنم میں زیادہ نظر آئیں۔ پھر شوہر کی ناشکری تو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتوں کو ناقصات عقل بہ اعتبار اکثر کے فرمایا گیا کہ ان میں زیادہ تر کم عقل ہوتی ہیں' ورنہ بعض بعض تو مردوں سے بھی زیادہ عاقل ہوتی ہیں۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے' مفصل باب الکسوف میں آئے گی۔

۲۸- ح: [حُکْمُ الْقِتَالِ]

۲۸ - عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِاَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِيْ اَبُوْ بَكْرَةَ فَقَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قُلْتُ اَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ. (بخاری۔ کتاب الفتن' نسائی۔ کتاب التحریم' ابن ماجہ۔ کتاب الفتن' مسلم' ابوداؤد)

آپس میں قتال کا حکم

حضرت احنف بن قیس نے فرمایا: میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لیے چلا' مجھ سے حضرت ابوبکرہ ملے اور انہوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے بتایا: اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں' تو انہوں نے کہا: واپس ہو جاؤ! اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر لڑیں ف۱ تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قاتل تو جہنمی ہوگا مگر مقتول کیسے ہوگا؟ فرمایا: مقتول اس لیے ہوگا کہ وہ اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کا عزم مصمم رکھتا تھا۔ ف۲

احنف بن قیس

تابعی ہیں' ان کا اصل نام ضحاک یا صخرہ ہے اور کنیت ابو بحر ہے۔ مشہور احنف کے ساتھ ہیں' احنف کے معنی ٹیڑھے پاؤں والا' وہ شخص جس کا پاؤں مڑا ہوا ہو اور وہ پاؤں کی پیٹھ کے بل چلتا ہو۔ انہیں زمانۂ اقدس ملا' اسی عہد میں مسلمان بھی ہوئے لیکن زیارت سے محروم رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' مروالروذ انہوں نے فتح کیا' اس لشکر میں ان کے جھنڈے کے نیچے امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین بھی تھے۔ حضرت عمر و علی و عباس وغیرہ صحابہ سے حدیث سنی' ان سے امام حسن بصری وغیرہ نے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۶۷ھ میں کوفہ میں ان کا وصال ہوا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ

ان کا نام نفیع ہے یا مسروح' یہ طائف کے باشندے تھے' حارث بن کلدہ کے غلام' ان کی ماں وہی سمیہ ہے جو زیاد کی ماں ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ فرمایا اور یہ اعلان کر دیا کہ جو غلام میرے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے' تو یہ چرخی کے ذریعہ فصیل سے اترے' چرخی کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں' اسی بناء پر حضور نے ان کی کنیت ابو بکرہ رکھی اور حسب اعلان انہیں آزاد کر دیا انہیں آزادی تو مل گئی لیکن محبوب خدا کی غلامی میں وہ مزہ آیا کہ عمر بھر خدمت ہی میں رہے' یہ فضلاء صحابہ اور ان کے عابدین میں ہیں ۵۲ھ میں وفات پائی' ان سے ایک سو بتیس حدیثیں مروی ہیں' آٹھ پر شیخین متفق ہیں اور پانچ تنہا امام بخاری نے اور ایک امام مسلم نے تنہا روایت کی ہے۔

"ھذا الرجل" سے کون مراد ہے؟

اس حدیث میں "ھٰذا الرجل" سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ خود بخاری' کتاب الفتن میں بجائے "ھٰذا الرجل" کے "ابن عم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" وارد ہے' نیز اسماعیلی کی روایت میں یعنی "علیًّا" موجود ہے۔

یہ واقعہ جنگ جمل کا ہے' حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا روکنا اس بناء پر تھا کہ ظاہر حدیث کے اعتبار سے انہوں نے یہی سمجھا تھا کہ جب دو مسلمان لڑیں تو کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیے یا اس بناء پر تھا کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ظاہر نہ ہو سکا تھا کہ حق پر کون ہے؟ حضرت احنف جنگ جمل میں شریک نہ ہوئے' مگر پھر حضرت علی کا حق پر ہونا ان پر ظاہر ہو گیا اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے۔

ف ۱: اس سے مراد جب دو مسلمان ناحق لڑیں' آپس میں لڑنے کا کوئی شرعی جواز نہ ہو' نہ قاتل کے پاس نہ مقتول کے پاس اور اگر لڑائی کی کوئی شرعی وجہ ہو تو یہ حکم نہیں۔ اگر شرعی جواز کی وجہ کسی کے پاس ہو تو اسے لڑنا جائز بلکہ باعث اجر' گنہگار ہے وہ ہوگا جس کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں اور اگر دونوں کے پاس شرعی جواز کی وجہ ہو تو کوئی گنہ گار نہ ہوگا جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں تھا۔ حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے لڑائی کو ضروری جانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد پر عمل فرمایا۔ اگر چہ بہ اجماع اہل سنت حضرت علی حق پر تھے اور ان کے محاربین سے خطاء اجتہادی ہوئی اور مجتہد سے اگر خطاء اجتہادی واقع ہو تو بھی اسے اور اس کے مقلدین کو ایک ثواب ملتا ہے۔ صحابہ کرام کے آپس میں مشاجرات میں کلام منع ہے۔ اللہ عزّ وجل نے تمام صحابہ کرام کے لیے فرمایا: "وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی" (النساء: ۹۵' الحدید: ۱۰) اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے' اور ارشاد ہے: "رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (التوبہ: ۱۰۰) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وجہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات نفسانیت و دنیاداری کی وجہ سے نہیں' جو اختلاف ہوا' اجتہاد میں خطاء کی وجہ سے ہوا۔

ف ۲: صحیح و محقق مذہب یہ ہے کہ گناہ کا محض ارادہ گناہ نہیں' مگر جب گناہ کا اتنا پختہ عزم کر لے جتنا گناہ کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے تو گناہ کا ایسا پختہ ارادہ و عزم گناہ ہے۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے' اگر چہ یہاں مقتول نے مسلمان کو قتل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں چلائے' مگر حدیث میں موجب نار اس کی قتل کی حرص کو بتایا' اور حرص فعل قلب ہے' فعل جوارح نہیں۔

۲۹- ح [اَلسِّبَابُ مِنَ الْجَاهِلِيَّةِ] گالی دینا جاہلیت ہے

۲۹- عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ اَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَّعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّيْ

حضرت معرور نے کہا: میں نے مقام ربذہ پر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی' جو لباس ان پر تھا ویسا ہی لباس ان کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَعَيَّرْتَهُ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَاَعِينُوهُمْ.

غلام پر تھا' میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا: میں نے ایک شخص (غلام) کو ماں کی گالی دی تھی؛ (اس نے نبی ﷺ سے شکایت کی) اس پر حضور نے فرمایا: اے ابوذر! تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے' تم میں کچھ جاہلیت ہے' تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے ویسا ہی اسے کھلائے اور جیسا خود پہنے ویسا ہی اسے بھی پہنائے' ان کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو' اور اگر ایسا کام دو تو ان کی مدد کرو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

یہ بنی غفار بدوی قبیلے کے فرد ہیں۔ بنی غفار' بنی کنانہ کی ایک شاخ ہے' ان کا اصل نام ''جُنْدُبْ'' یا ''جُنْدَبْ'' ہے یا ''جِنْدَبْ'' تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام بُریر ہے۔ یہ بھی سابقین الی الاسلام میں سے ہیں۔ خود فرمایا: میں چوتھا یا پانچواں مسلمان ہوں۔ مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے' پھر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے' غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور پھر وصال اقدس تک حاضر رہے۔ غزوۂ تبوک میں ابتداءً نہ شریک ہوئے' بعد میں اکیلے چلے' راستے میں اونٹ مر گیا' اپنا سامان لادے ہوئے بالکل یک و تنہا اس وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ سرکار تبوک میں قیام فرما تھے۔ ان کو تن تنہا آتا دیکھ کر فرمایا: اللہ! ابوذر پر رحم فرمائے! تنہا آیا ہے' تنہائی میں مرے گا اور تنہا ہی قبر سے اُٹھے گا۔ یہ غیب کی خبر حرف بہ حرف پوری ہوئی' ان کا مسلک یہ تھا کہ حاجت سے زیادہ مال جمع کرنا حرام ہے' اپنے اس اجتہاد پر بہت سخت تھے۔ لوگوں پر اس سلسلے میں بہت سخت تنقید فرماتے تھے' جس سے خلفشار مچا رہتا' عاجز آ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دے دیا کہ ربذہ میں جا کر رہو' وہیں اکیلے رہتے' وہیں تنہائی میں وصال فرمایا۔ اتفاق سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہنچ گئے' انہوں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہیں دفن فرمایا۔ ۳۲ھ میں وصال فرمایا' ان سے دوسو اکیاسی حدیثیں مروی ہیں' بارہ متفق علیہ' دو افرادِ بخاری سے اور ستر افرادِ مسلم سے ہیں۔

لغات

''ربذۃ'' مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلے پر عراق کی طرف ذاتِ عرق کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ''حُلّة'' چادر اور تہبند دونوں کے مجموعے کو حلّہ کہتے ہیں۔ ''سابَبْتُ'' معنی میں ''سَبَبْتُ'' کے ہے' یعنی میں نے بُرا کہا۔

تکمیل

کتاب الادب' باب: ''ما ینھی عن السباب واللعن'' میں اس حدیث کا اگلا حصہ یوں ہے: معرور نے کہا: میں نے دیکھا کہ ان پر ایک چادر تھی اور ان کے غلام پر ایک چادر تھی' تو میں نے کہا: اگر آپ غلام کی چادر لے کر پہن لیتے تو پورا جوڑا ہو جاتا اور غلام کو کوئی اور کپڑا دے دیتے' تو حضرت ابوذر نے فرمایا: میرے اور ایک شخص (غلام) کے درمیان سخت کلامی ہو گئی' اس کی ماں عجمیہ تھی' میں نے اس کی ماں کو کچھ کہہ دیا' اس نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا' اس پر حضور نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے فلاں کو گالی دی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: اس کی ماں کو کچھ کہا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: تم میں کچھ جاہلیت ہے' میں نے عرض کیا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس وقت تک بڑھاپے کے باوجود؟ حضور نے فرمایا: ہاں! (بخاری۔ کتاب العتق۔ کتاب الادب، مسلم۔ کتاب الایمان والنذور، ابوداؤد)

تطبیق

کتاب الایمان اور کتاب العتق میں "علیہ حلة" آیا ہے اور کتاب الادب میں "برد"۔ حلّہ پورے جوڑے چادر اور تہبند کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے یہ فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ حضرت ابوذر صرف چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے غلام بھی۔ سابقہ روایت میں "حلةٌ" کا ذکر بہ طور مجاز ہے۔

اس حدیث میں "سابیت رجلا" سے مراد غلام ہے، جس پر حدیث کا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ حضرت ابوذر نے غلام کے ساتھ لباس میں مساوات کی علت اس واقعہ کو بنایا ہے۔ مطابقت اسی صورت میں ہوگی کہ جس شخص کو حضرت ابوذر نے گالی دی تھی، وہ غلام ہو۔

کسے بُرا کہا تھا؟

یہ قصہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ کہہ دیا تھا: او کالی عورت کے بچے! انہوں نے دربارِ نبوی میں شکایت کر دی، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا: تم میں جاہلیت ہے۔ اس ارشاد کے سننے کے بعد حضرت ابوذر نے اپنا رخسار زمین پر رکھ کر حضرت بلال سے فرمایا: میں زمین سے اپنا رخسار اس وقت تک نہیں اُٹھاؤں گا جب تک تم میرے رخسار کو قدم سے نہ روندو، بالآخر حضرت بلال کو ان کی ضد پوری کرنی پڑی۔ (قسطلانی)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کسی مسلمان کو بُرا کہنا حرام ہے۔

۳۰- ح: [إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ]

شرک ظلمِ عظیم ہے

۳۰- عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (لقمان:۱۳) قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان:۱۳).

(کتاب الانبیاء۔ کتاب التفسیر۔ کتاب استتابۃ المرتدین، بخاری، مسلم، ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی، انہیں کے لیے امن ہے" (یہ صحابہ کرام پر شاق ہوا) اس پر صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم (گناہ) نہیں کیا، اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: "بے شک شرک ظلم عظیم ہے"۔

لغات

"ظلم" کے لغوی معنی "وضع الشیء فی غیر محلہ" یعنی جس چیز کی جگہ جو ہو اس کے بجائے اسے دوسری جگہ رکھ دینا۔ عرف میں "ظلم" کا اطلاق ستانے اور ناحق مال لینے پر ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کا اطلاق ہر گناہ پر ہوتا ہے اور کفر وشرک پر بھی۔

توضیح

جب سورۂ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کی ظلم سے آمیزش نہیں کی،

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝ (الانعام:۸۲) انہیں لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۝

''بِظُلْمٍ'' نکرہ تحت النفی مفید عموم ہے۔''الامن'' کے متعلق ''لھم'' کی تقدیم مفید حصر تو آیت کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ جن کے ایمان کے ساتھ کسی بھی ظلم کی آمیزش نہ ہوئی' اگرچہ وہ کوئی گناہ ہی کیوں نہ ہو' صرف انہیں کے لیے امن و ہدایت ہے اور جن کے ایمان سے کسی ظلم کی اگرچہ وہ کوئی گناہ ہی کیوں نہ ہو' آمیزش ہوئی تو نہ ان کے لیے امن ہے اور نہ ہدایت۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم میں کون ایسا ہے جس نے کوئی نہ کوئی ظلم نہ کیا ہو' تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: یہاں ظلم سے مراد اس کی اعلیٰ قسم شرک ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۝ (لقمان:۱۳) بے شک شرک ظلم عظیم ہے۝

اشارہ فرمایا کہ ''بِظُلْمٍ'' کی تنوین تعظیم کے لیے ہے' اس جگہ یہ ہے کہ صحابہ کے سوال پر سورۂ لقمان کی یہ آیت نازل ہوئی اور کتاب التفسیر میں وہ ہے جو ہم نے لکھا۔ علامہ ابن حجر نے یہ تطبیق دی کہ ہوسکتا ہے کہ سورۂ لقمان کی یہ آیت جلد ہی نازل ہوئی ہو۔ راوی کو اس کا علم نہ رہا ہو' حضور نے اس کی نشاندہی کی تو راوی نے یہ سمجھا کہ اسی وقت نازل ہوئی ہے۔

ف۱: ایمان کے ساتھ کفر و شرک کی آمیزش سے مراد یہ ہے کہ وہ منافق نہیں کہ ظاہر میں ایمان کا اقرار اور اندر کافر ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ ایمان کا مدعی ہے' اور اپنے کو مؤمن مخلص یقین کیے ہوئے ہے' مگر اس سے کفر کا صدور ہو گیا اور وہ اپنی جہالت سے کفر کو کفر نہیں جانتا' جیسے اس زمانے کے قادیانی' نیچری' وہابی' رافضی وغیرہ ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم میں کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو' اور ظلم سے مراد ان کی گناہ ہے' تو صحابہ اقراری گناہ گار ہوئے' حالانکہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل گناہ سے محفوظ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اقرار یا تو بر سبیل تواضع ہے یا یہ کہ ان کی مراد وہ افعال ہیں جن کی حرمت کا انہیں علم نہ تھا' یا ابھی اس کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی' ان کا ارتکاب وہ کرتے تھے۔ بعد میں حرمت نازل ہوئی یا بعد میں انہیں حرمت کا علم ہوا' تو ایسے افعال کو انہوں نے ظلم سے تعبیر کیا' یا غایت کرم سے اپنے بعد آنے والوں کے لیے سوال کر لیا اور بر بناء ''كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ'' ان کو ''اَيُّنَا'' سے تعبیر فرمایا' یا گناہ سے مراد وہ صغائر ہیں جو بلا قصد و اختیار سرزد ہو جائیں۔

۳۱- ح: [اٰيَةُ النِّفَاقِ] نفاق کی علامت

۳۱ - عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (کتاب الشہادات۔ کتاب الوصیت۔ کتاب الادب' مسلم۔ کتاب الایمان' ترمذی' نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی نشانیاں تین ہیں' جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے وعدہ خلافی کرے اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

اس حدیث میں منافق کی تین ایسی علامتیں بیان فرمائیں' جن کا تعلق قول' عمل' نیت میں سے ایک ایک سے ہے۔ کذب فساد قولی ہے' خیانت فساد عمل ہے اور وعدہ خلافی فساد نیت ہے۔

آیت کے معنی علامت کے ہیں اور علامت کبھی شی کے لوازم سے ہوتی ہے اور لوازم کبھی ملزوم سے اعم ہوتے ہیں۔ لازم اعم کا وجود ملزوم کے وجود کو مستلزم نہیں' جیسے ماشی انسان کے لوازم میں سے ہے مگر چونکہ یہ لازم اعم ہے' اس لیے مشی کے وجود سے انسان کا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ضرور لازم نہیں۔ تمام چوپائے ماشی ہیں مگر انسان نہیں۔ اسی طرح یہ علامتیں منافق کے لوازم عامہ میں سے ہیں کہ جو منافق ہوگا اس میں یہ تینوں باتیں ضرور ہوں گی‘ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس میں یہ باتیں پائی جائیں‘ وہ منافق بھی ضرور ہو جیسے کفار مشرکین‘ اس لیے اگر کسی مسلمان میں یہ باتیں پائی جائیں تو اسے منافق کہنا جائز نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں نفاق کی علامت ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں: ایک نفاق فی الاعتقاد کہ جو زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہے اور دل میں کفر رکھے۔ دوسرے نفاق فی العمل‘ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام کرے جو مسلمانوں کے شایانِ شان نہ ہو‘ منافقین کے کرتوت ہوں‘ جیسے یہ تینوں عیوب‘ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو‘ وہ نفاق فی العمل کا مرتکب ہے۔

۳۲- ح: [اَلْفُجُوْرُ اٰيَةُ النِّفَاقِ] گالی بکنا نفاق کی علامت ہے

۳۲- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس میں یہ چاروں باتیں ہوں گی ف۱ وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہوگی‘ اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جائے گی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے‘ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے‘ جب بات کرے تو جھوٹ بولے‘ جب عہد کرے تو دغا کرے‘ جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

(بخاری۔ کتاب الجزیہ۔ کتاب المظالم‘ مسلم۔ کتاب الایمان‘ ابوداؤد۔ کتاب السنۃ‘ ترمذی۔ کتاب الایمان‘ نسائی۔ کتاب الایمان‘ مسند امام احمد)

ف۱: اس میں ان تین کے علاوہ چوتھی علامت یہ بتائی کہ جب جھگڑے تو گالی دے۔ نیز اس حدیث میں صاف صاف فرمایا کہ جس میں یہ چاروں باتیں ہوں گی‘ وہ خالص منافق ہوگا۔

اب یہاں بھی یہی کہنا پڑے گا کہ منافق خالص سے منافق فی العمل مراد ہے‘ یا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے کے منافقین کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جس کلمہ گو میں یہ چاروں برائیاں اکٹھی ہوں تو سمجھ لو کہ وہ پکا منافق ہے۔

نفاق کی علامات صرف چار میں منحصر نہیں

نفاق کی علامتیں انہیں چاروں میں منحصر نہیں‘ ان کے علاوہ بھی دوسری احادیث میں اور قرآن کریم میں نفاق کی اور بھی علامتیں مذکور ہیں جیسے گزر چکا کہ انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے‘ اور بقیہ احادیث میں متفرق طور سے مذکور ہیں‘ مثلاً:

جس نے جہاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا اور اسی حالت میں مرا‘ نماز میں سستی کرنا‘ نماز کو مکروہ وقت میں پڑھنے کی عادت ڈال لینی‘ اذان کے بعد مسجد سے بے نماز پڑھے بلا ضرورت چلا جانا‘ جب کہ لوٹنے کی نیت نہ ہو‘ وغیرہ وغیرہ۔

۳۳- ح: [اَهَمِّيَّةُ الْجِهَادِ] جہاد کی اہمیت

۳۳- سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْتَدَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌۢ بِيْ وَتَصْدِيْقٌۢ بِرُسُلِيْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوَدِدْتُ اَنِّيْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور نے فرمایا: اس شخص کے لیے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے اور اس کو جہاد کے لیے صرف اللہ عزوجل پر ایمان نے اور تمام پیغمبروں کی تصدیق نے نکالا ہو‘ اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے یا تو اسے ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ گھر واپس کرے ف۱ یا اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ.

(بخاری۔ کتاب الجہاد مسلم۔ کتاب الامارۃ نسائی ابن ماجہ مسند امام احمد)

کو شہید کرا کے جنت میں داخل کرے اگر میں یہ نہ سمجھتا کہ میری اُمت پر یہ شاق ہوگا تو میں کسی سریہ سے پیچھے نہ رہتا اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

لغات

"انتدب" کا مادہ "ندب" ہے اس کا صلہ جب لام یا "اِلٰی" آتا ہے تو اس کے معنی بلانے اور اُکسانے کے ہوتے ہیں۔ (قاموس)

"انْتَدَبَ" کے معنی قبول کرنا، بہت جلد اچھی جزاء دینا، کفیل ہونا ہے۔ یہاں ارجح یہ ہے کہ ذمہ دار اور کفیل ہونے کے معنی میں ہے اس لیے کتاب الجہاد میں بجائے "انْتَدَبَ" کے "تکفّل" ہے۔

ف۱: مراد یہ ہے کہ اگر اس جہاد میں مالِ غنیمت ہاتھ نہیں آیا تو جہاد کا ثواب ضرور ملے گا یا پھر ثواب اور مالِ غنیمت دونوں ملے گا۔ اور ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ "او" "واؤ" کے معنی میں ہے اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں واؤ ہی ہے اور "اُدْخله الجنة" سے مراد یہ ہے کہ مقربین کے ساتھ بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرماؤں گا اور اس کے تمام گناہوں کو معاف کردوں گا۔

سریہ چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں، عرب کا مقولہ یہ ہے کہ "خیر السرایا اربعة مائة رجل" بہترین سریہ وہ ہے جس میں چار سو مرد ہوں۔ کتب حدیث و سیر میں سریّہ سے مراد مجاہدین کی وہ جماعت ہے جس میں حضور اقدس ﷺ شریک نہ ہوں۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جہاد ایسی بہترین عبادت ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے صحیح ایمان کے ساتھ جہاد میں نکلے گا تو وہ بہرحال نفع میں رہے گا، یا تو اسے مالِ غنیمت اور ثواب دونوں ملے گا یا نہیں تو ثواب کہیں نہیں گیا اور کام آ گیا تو بلا حساب و کتاب جنت میں جائے گا۔ حضور اقدس ﷺ باں فضل و کمال و عظمت و جلال فرماتے ہیں: اگر تم لوگوں پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر چھوٹے سے چھوٹے لشکر کے ساتھ بھی ضرور جاتا، لیکن چونکہ میرے ساتھ تم سب لوگ نکل پڑتے، اس سے تمہیں دشواری ہوتی، اس لیے میں ہر سریّہ کے ساتھ نہیں جاتا۔ میری آرزو ہے کہ راہِ خدا میں بار بار شہید کیا جاؤں، زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔

۳۴- ح: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا [جس نے ایمان کے ساتھ روزہ رکھا]

۳۴ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (بخاری۔ کتاب الصوم۔ کتاب الایمان ابوداؤد ترمذی نسائی مؤطا امام مالک)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے شبِ قدر میں عبادت کی ایمان کے ساتھ ف۱ اور ثواب کی نیت سے ف۲ اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے اور جس نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رکھا، اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ ف۳

ف۱: اس سے ثابت ہوا کہ بغیر ایمان کے بڑے سے بڑا عمل بے کار ہے۔ ف۲: معلوم ہوا کہ بے نیت ثواب کسی عمل صالح پر ثواب نہیں۔ ف۳ مراد گناہِ صغیرہ ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں، فرضِ کفایہ ہے۔ فرض عین ہوتا تو حضور اقدس ﷺ ہر سریّہ میں ضرور شریک ہوتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ت ۷ - اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ. حق اور آسان دین ہی اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

(الادب المفرد للبخاری، مسند امام احمد، طبرانی، مسند ابن ابی شیبہ)

''الحنیفیۃ''، ''حنیف'' کا مصدر جعلی ہے، حنیف اسے کہتے ہیں جو باطل سے منہ موڑ کر حق کا پابند ہو۔ ''الحنیفیہ'' کے معنی ہوئے: حق۔ ''السمعۃ'' کے معنی سہل، آسان ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو دین اسلام سب سے زیادہ پسند ہے، جس میں ہر باطل سے روگردانی کر کے حق کی پابندی ہے اور جس پر عمل سہل و آسان ہے، پسندیدگی کی زیادتی، ادیانِ سابقہ کے اعتبار سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر اب تک جتنے دین اللہ کے نازل ہوئے ہیں، وہ سب اپنی اپنی جگہ پسندیدہ تھے، مگر یہ دین، دینِ اسلام سب سے زیادہ پسند ہے۔

۳۵- ح: [اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ] دین آسان ہے

۳۵ - عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَّلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ.

(نسائی۔ کتاب الایمان، مسند امام احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ دین آسان ہے اور جو بھی دین میں سختی اختیار کرے گا، دین اس پر غالب آ جائے گا، اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب رہو اور بشارت دیتے رہو اور صبح و شام اور کچھ آخر شب میں چل کے (سفر میں) مدد لو۔

لغات

''یشاد'' کا مصدر ''مشادۃ'' ہے، جس کے معنی ہیں: آپس میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ ''سدّدوا'' کے معنی ہیں: صحیح طریقے سے کام کرو، یا میانہ روی اختیار کرو۔ ''قاربوا'' کے معنی ہیں: قریب قریب رہو۔

حدیث کا مفہوم

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام آسان دین ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ اسلام میں جتنے اعمالِ صالحہ ہیں ہم سب کر لیں یہاں تک کہ اعمالِ صالحہ کی فہرست ختم ہو جائے تو ایسا نہیں ہو سکتا، آدمی عمل کرتے کرتے تھک جائے گا، مگر اعمالِ صالحہ ختم نہ ہوں گے۔

یا مراد یہ ہے کہ جو شخص اعمالِ دینیہ میں تعمق و تقشف کی وجہ سے سخت سے سخت پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا، وہ ایک نہ ایک دن تھک ہار کر بیٹھ جائے گا، یہ غیب کی خبر ہے۔ ابن منیر نے کہا: ہم نے بھی اور لوگوں نے بھی دیکھا کہ جو سخت سے سخت تر پر کاربند ہونے کا کوشاں ہوا، وہ رہ گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اکمل و افضل اعمال کی طلب نامحمود ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نوافل و مستحبات میں حد سے زیادہ بڑھ کر مبالغہ نہ کرو کہ اس سے افضل ترک ہو جائے گا، فرض و واجب قضا ہو جائے، جیسے کوئی رات بھر عبادت کرتا رہا، صبح کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اور نتیجے میں نمازِ فجر فوت ہو گئی یا جماعت نہ ملی، اس قسم کا افراط و غلو منع ہے، میانہ روی اختیار کرو اور اعلیٰ و افضل کی استطاعت نہیں تو اس سے قریب کی جتنی استطاعت ہو، اس کو کرو۔ لوگوں کو بشارت دو، ہر نیک عمل پر ثواب ملے گا، اگرچہ وہ قلیل ہی ہو جیسے مسافر کہ اگر رات دن چلتا رہے تو منزل تک شاید ہی پہنچ پائے اور جو مناسب وقت میں سفر کرے وقفہ وقفہ میں آرام کرتا جائے تو آسانی سے منزل تک پہنچ جائے گا، یا ''استعینوا بالغدوۃ'' خاص مسافروں کے لیے ارشاد ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں رخصت ہے رخصت پر عمل کرے، مثلاً بیمار کو بجائے غسل کے تیمم کی اجازت ہے تو خواہ مخواہ غسل نہ کرے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس سے ضرر کا اندیشہ ہے۔

ت۸ - اِنَّ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَّفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی بندہ اسلام لائے اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر اُس گناہ کو جو اس نے اسلام لانے سے پہلے کیا تھا معاف فرما دے گا اور اس کے بعد حساب شروع ہوگا' ایک نیکی کے عوض دس نیکیوں سے سات سو تک لکھی جائیں گی اور ایک برائی کے بدلے ایک' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔

(نسائی۔ کتاب الایمان' ابوذر ہروی' مسند حسن ابن سفیان' اسماعیلی' دارقطنی بہ الفاظ مختلفہ)

۳۶- ح: اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهُ

[جب تم میں سے کوئی اپنا اسلام اچھا کر لے]

۳۶ - عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّكُلُّ سَيِّئَةٍ يَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنا اسلام اچھا کر لے تو جو نیکی بھی کرے گا' دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائے گی اور برائی صرف ایک لکھی جائے گی۔

اسلام کے اچھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ظاہر باطن ہر طرح مسلمان رہے' اس کے دل میں نفاق اور کھوٹ نہ رہے۔

"یکفر اللّٰہ" تکفیر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں' مراد یہ ہے کہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے' ان پر کوئی مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ "کان زلفھا" زلف کے معنی آگے کرنے کے ہیں' مراد یہ ہے کہ جو اس نے پہلے حالت کفر میں کیے تھے۔ "القصاص" کے معنی کسی چیز کا کسی سے مقابلہ کرنا' مراد یہ ہے کہ ہر عمل کی اس کے مناسب جزا ملے گی۔ "ضعف" کے معنی کم از کم دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام اپنے ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مومن جو نیک عمل کرتا ہے' اس پر کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ جتنا اللہ عزوجل چاہے' ثواب عطاء فرمائے گا اور گناہ کرنے پر چاہے معاف فرما دے کوئی سزا نہ دے اور اگر معاف نہ فرمائے گا تو صرف ایک ہی گناہ کی سزا دے گا۔ حدیث میں ہے: دس گنا سے سات سو گنا تک' مگر یہ تحدید کے لیے نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" (البقرہ:۲۶۱) اور اللہ جس کے لیے چاہے اس سات کے لیے سو گنا سے زیادہ بڑھائے' اللہ وسعت والا ہے' خوب جانتا ہے۔

۳۷- ح: [اِنَّ الدَّوَامَ عَلَى الْاَعْمَالِ اَحَبُّ]

اعمال پر پابندی پسندیدہ ہے

۳۷ - عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَاَةٌ قَالَ مَنْ هٰذِهٖ قَالَتْ فُلَانَةُ (لَاتَنَامُ بِاللَّيْلِ) تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ (مِنَ الْاَعْمَالِ) فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ فـ۳ اِلَيْهِ مَادَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے' اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی' حضور نے دریافت فرمایا: یہ کون ہے؟ عرض کیا: یہ فلاں عورت ہے ف۱ جو رات میں نہیں سوتی' ام المومنین نے اس عورت کی نماز کا حال بیان کیا' (یہ رات بھر نوافل پڑھتی رہتی ہے) اس پر ارشاد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(ایضاً۔باب:التہجد'مسلم'نسائی'موطا امام مالک) فرمایا: چھوڑو! اتنا ہی عمل کرو جس کی طاقت تم رکھتے ہو ف۲ بخدا! اللہ تعالیٰ نہیں تھکے گا تم خود ہی تھک جاؤ گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل بہت پسند تھا جسے آدمی ہمیشہ کرے۔

لغات

''مہ'' اسم فعل معنی میں چھوڑ دینے کے ہے۔ ''یمل'' کا مصدر ''ملال'' اور ''مل'' ہے' جس کے معنی گھبرانے' اُکتانے اور تھکنے کے ہیں' یہاں اخیر معنی مراد ہے۔ ف۱: ان کا نام خولاء بنت تویت تھا۔ ف۲: مطلب یہ ہے کہ یہ بات پسندیدہ نہیں کہ نوافل بہ کثرت پڑھنا شروع کر دیے جائیں' پھر چھوڑ دیے جائیں' بہت زیادہ پسندیدہ وہ کام ہے جو آدمی پابندی کے ساتھ بلاناغہ ہمیشہ کرے' اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ یہ مت وہم کرو کہ اللہ عزوجل کے خزانے میں کوئی کمی ہے یا وہ اعمال کا ثواب دیتے دیتے تھک سکتا ہے یا گھبرا سکتا ہے' وہ ملال سے منزہ ہے' تم جتنا زیادہ عمل کرو گے' اللہ عزوجل اس کا تم کو ثواب دے گا۔

نوافل و مستحب پر پابندی چاہیے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نوافل و مستحبات پر بھی پابندی اور مداومت اللہ عزوجل کو پسند ہے' اس لیے میلاد' قیام' فاتحہ' عرس وغیرہ اُمورِ خیر اگر کوئی بلاناغہ پابندی سے کرتا ہے تو یہ پابندی اسے ناجائز و حرام نہیں کر دے گی بلکہ یہ مزید پسندیدگی کا باعث ہوگی۔
ف۳: ''اَحَبُّ الدین'' میں مضاف محذوف ہے یعنی دین کے اعمال میں سب سے زیادہ وہ عمل پسندیدہ ہے جو ناغہ کے ساتھ نہ ہو۔

۳۸- ح: [اَلْمُؤْمِنُ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ]

مؤمن بالآخر نجات پائے گا

۳۸- عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ خَيْرٍ وَّيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ وَّيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ. (وَفِيْ رِوَايَةٍ) مِنْ اِيْمَانٍ مَكَانَ مِنْ خَيْرٍ.

(ایضاً۔کتاب التوحید'مسلم۔کتاب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سب لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں جَو کے برابر بھی خیر (ایمان) ہوگا اور وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے برابر خیر ف۱ (ایمان) ہوگا اور وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں ذرّہ کے برابر خیر (ایمان) ہوگا۔ (اور دوسری روایت میں) ''خیر'' کے بجائے ''ایمان'' آیا ہے۔

لغات

اس حدیث میں تین لفظ یکے بعد دیگرے آئے ہیں: ''شعیرۃ'' جَو' ''برۃ'' گیہوں' ''ذرّہ'' ذرّے' ان چھوٹے چھوٹے غبار کے ریزوں کو کہتے ہیں جو دھوپ میں اس وقت نظر آتے ہیں' جب دھوپ مکان کے اندر پڑ رہی ہو۔

ایمان بہ اعتبار مقدار کے چھوٹا بڑا ہوتا ہے

اس حدیث کے ظاہر سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان بہ اعتبار مقدار کے بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے' مثلاً کسی کا جَو کے برابر' کسی کا گیہوں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے برابر، کسی کا ذرّے کے برابر، لیکن حقیقت میں یہ ایمان کی مقدار کو بیان فرمانا نہیں بلکہ غیر محسوس کو بہ طور تمثیل محسوس فرض کر کے سمجھانے کے لیے ارشاد ہوا، یا یہ کہ مؤمن بہ کے اجمال و تفصیل کے اعتبار سے یہ فرمایا گیا۔ اس کو یوں سمجھئے! مثلاً زمانہ فترت کے موحدین کی نجات کے لیے کفر و شرک سے تبرّی اور اعتقاد توحید کافی ہے، ابتدائے بعثت میں توحید کے ساتھ رسالت اور جتنا قرآن نازل ہوتا گیا، اس کی تصدیق ضروری تھی، علیٰ ھذا القیاس! ایمان تفصیلی کے مقابلہ میں صرف اعتقاد توحید کو مثقال ذرّہ سے تعبیر فرمایا اور اس سے کچھ زیادہ کو بُرّہ سے اور اس سے زیادہ کو شعیرہ سے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ مؤمن بہ کی مقدار زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

ف: یہاں ''من خیر'' ہے اور خیر عمل صالح کو بھی عام ہے مگر مراد ایمان ہے، قرینہ عقلیہ بھی اس کا مقتضی ہے اور دوسری روایت میں ''خیر'' کے بجائے ایمان وارد ہے۔ قرینہ عقلیہ یہ ہے کہ اس خیر کا محل ''قلبك'' کو بتایا اور قلب محل ایمان ہے نہ کہ محل اعمال، نیز یہ مدار نجات ہے اور مدار نجات ایمان ہی ہے، نہ کہ صرف اعمال۔

''من قال لا الہ الا اللّٰہ'' کے ساتھ یہ فرمایا کہ اس کے دل میں ایمان ہو، یہ اس کی دلیل ہے کہ اقرار اور شے ہے اور ایمان شے آخر۔ نیز یہ کہ نجات کے لیے اقرار باللسان شرط ہے، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

''لا الہ الا اللہ'' پورے کلمہ طیبہ کا علم ہے

''لا اللہ الا اللّٰہ'' پورے کلمہ طیبہ کا علم اور نام ہے، جیسے قرآن مجید کی سورتوں کا نام رکھتے ہیں، سورۃ الحمد، سورۂ قل یا ایھا الکافرون وغیرہ، ابتدائی جز پر کل کا نام رکھ دیتے ہیں۔ یہاں اس سے کم کی تخفیف ممکن نہ تھی۔ صرف ''لا'' نام رکھتے تو سمجھ میں نہ آتا اور ''الٰہ'' بھی ملاتے تو کفر صریح ہوتا، اس لیے پورا لا الٰہ الا اللہ، کلمہ طیبہ کا نام ہوا۔

۳۹- ح: جس دن کوئی نعمتِ خاص ملے اس دن عید منانا مشروع

۳۹ - عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهٗ يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰيَةٌ فِيْ كِتَابِكُمْ تَقْرَءُوْنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا قَالَ اَىُّ اٰيَةٍ قَالَ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۳) قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِيْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی (کعب احبار) نے آپ سے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ لوگوں کی کتاب میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں، اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمر نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے کہا: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ الآية'' حضرت عمر نے فرمایا: ہم اس دن کو جانتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جہاں یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، وہ جگہ عرفات تھی اور وہ دن جمعہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے تھے۔

(ایضاً۔ کتاب المغازی۔ کتاب حجۃ الوداع۔ تفسیر سورۂ مائدہ۔ کتاب الاعتصام، مسلم۔ آخر الکتاب، ترمذی۔ کتاب التفسیر، نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب الایمان)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یوم ولادت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عید منانے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ عزوجل کی کوئی خاص نعمت ملے اس دن عید منانا جائز ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر یہ بات ناجائز وحرام ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کعب احبار کو یہ جواب دیتے کہ وہ تمہارا دین ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے اس دن عید مناؤ! ہمارے مذہب میں یہ سب ناجائز وحرام ہے' مگر حضرت عمر نے یہ نہیں فرمایا بلکہ کعب احبار کو مذکورہ بالا جواب دے کر مطمئن کر دیا کہ ہم اس دن پہلے ہی سے عید مناتے ہیں اور وہ بھی اس تفصیل سے کہ وہ جگہ بھی ہمارے لیے عید کی جگہ ہے' وہ تاریخ بھی عید کی تاریخ ہے' وہ دن بھی عید کا دن ہے' اور ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کی سب سے بڑی نعمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' تو جس دن یہ نعمت ملی یعنی یوم ولادت کو عید منانا بلاشبہ جائز و مستحسن ہوگا۔ اسی لیے جمہور اُمت کا معمول ہے' بارہ ربیع الاوّل کو بڑے دھوم دھام سے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریب مناتے ہیں۔

٤٠- ح: [اَرْكَانُ الْاِسْلَامِ]

٤ - عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا فَاِذَا هُوَ يَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ. (ایضاً۔ کتاب الصوم۔ کتاب الشہادات۔ ص ۳۶۱' کتاب الحیل۔ ص ۳' مسلم۔ کتاب الایمان۔ ص ۸-۹۔ ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۱' نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ج ۱۔ کتاب الصوم۔ ص ۱' کتاب الایمان۔ ص ۲۳' دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۲۰۸' موطا۔ ص ۹۴)

ارکانِ اسلام

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اہل نجد سے ایک صاحب حاضر ہوئے' ان کے بال پراگندہ تھے' ہم ان کی آواز کی گونج کو سنتے تھے' مگر وہ کیا کہہ رہے ہیں ہم سمجھ نہیں پاتے تھے' یہاں تک کہ وہ قریب آئے' اب سمجھ میں آیا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوال کر رہے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دن ورات میں پانچ نمازیں۔ انہوں نے کہا: ان کے علاوہ بھی کچھ نمازیں ہیں؟ فرمایا: نہیں! مگر یہ کہ تو نفل پڑھے [۱] اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور رمضان کے روزے' انہوں نے عرض کیا: اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں! مگر یہ کہ تو نفلی روزے رکھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے زکوٰۃ کو ذکر فرمایا' انہوں نے پوچھا: اس کے سوا اور کچھ؟ ارشاد فرمایا: نہیں! ہاں! تو چاہے تو صدقہ نافلہ دے' اس کے بعد یہ شخص واپس ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے: اللہ کی قسم! نہ میں اس پر زیادہ کروں گا [۲] نہ کمی کروں گا' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص فلاح پا گیا' اگر سچا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو محمد ہے' یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے ہیں اور ان چھ بزرگوں میں سے ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان آٹھ فیروز بختوں میں سے ہیں جو سابقین اسلام میں سرفہرست ہیں۔ ان سب پر مزید کہ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کی ذمہ داری جن چھ اساطین اُمت کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سپرد کی تھی، ان میں یہ بھی تھے۔ ان کی والدہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ان کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوۂ بدر کے موقع پر ان کو اور سعد بن زید بن نفیل کو مشرکین کے کارواں کے تجسس میں بھیجا گیا تھا، اسی اثناء میں بدر کا معرکہ ہو گیا، یہ دونوں جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن شرکاءِ بدر کی فہرست میں داخل ہیں، اسی وجہ سے ان کو مالِ غنیمت سے حصہ بھی ملا۔ اس کے علاوہ تمام مشاہد میں ہمرکاب رہے، احد کی قیامت خیز گھڑی میں یہ بھی ثابت قدم رہے اور ذاتِ اقدس ﷺ کے لیے سپر بن گئے جو حملہ ذاتِ والا پر ہوتا، اس کو اپنے ہاتھ پر روکتے، اسی میں ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ اس دن پچہتر زخم کھائے تھے، ان کو بارگاہِ نبوت سے طلحۃ الخیر اور طلحۃ الجود کے خطابات ملے تھے۔ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ کے افسوس ناک فوجی معرکہ، جمل میں ناگہانی کسی طرف سے ایک تیر آ لگا اور یہی تیر، تیرِ قضا بن گیا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ تیر مشہور فسادی مروان نے چلایا تھا، شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک چونسٹھ، باسٹھ یا اٹھاون سال کی تھی۔ پہلے قنطرہ قرہ میں مدفون تھے، تیس سال کے بعد اپنی صاحبزادی کو خواب میں دکھایا کہ قبر میں تری آ گئی ہے، تب قبرِ انور سے نکالے گئے اور بصرہ دار الہجرتین میں دفن ہوئے اور یہیں مزارِ اقدس زیارت گاہِ خلائق ہے۔[1] ان سے اڑتیس حدیثیں مروی ہیں، دو شیخین متفق ہیں اور دو صرف بخاری نے اور تین صرف مسلم نے لی ہیں۔

یہ صاحب کون تھے؟

فتح الباری میں ہے کہ ابن بطال نے کہا کہ یہ ضمام بن ثعلبہ تھے جو بنی سعد بن بکر کے قائد وفد تھے، اسی پر قسطلانی اور مرقاۃ نے اقتصار کیا، لیکن یہ یقینی نہیں، اس کا بھی احتمال ہے کہ کوئی اور صاحب رہے ہوں۔

توجیہات

انہوں نے سوال کیا تھا اسلام کے بارے میں، حضور اقدس ﷺ نے صرف فرائض کی تلقین فرمائی، مگر اسلام کے بنیادی رکن شہادتین کو ذکر نہیں فرمایا، اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں، انہیں صرف فرائض کی تعلیم کی حاجت ہے لیکن کتاب الصوم میں ان کا سوال یہ ہے:

اخبرنی ماذا فرض اللہ علیَّ من الصلوٰۃ. — مجھے بتایئے کہ اللہ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟

ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے اور روایت بالمعنی شائع و ذائع ہے تو ظاہر ہے کہ سوال فرائض ہی کے بارے میں تھا، اس لیے جواب میں نماز روزہ وغیرہ پر اکتفاء فرمایا۔

ارکانِ اربعہ میں حج بھی ہے، اس کا اس میں ذکر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا ہو۔ دوسرا یہ کہ یہاں روایت میں کمی ہے، کتاب الصوم میں اتنا زائد ہے:

فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ. — انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے تمام احکام بتائے۔

اسی سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ اس حدیث میں صرف ان فرائض کی ادائیگی پر فلاح کی خبر دی، حالانکہ اگر کوئی تمام فرائض کا پابند ہو اور منہیات سے نہ بچے تو مستحقِ فلاح نہیں، پھر صرف فرائض کی ادائیگی پر فلاح کی کیوں خبر دی گئی۔ ظاہر ہے کہ شرائعِ اسلام فرائض، واجبات، محرمات سب کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں اس وقت تک جتنے احکام نازل ہو چکے تھے خواہ از قسم مامورات ہوں خواہ از قسم منہیات، سب بتائے۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ ص ۲۵۵

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ف ا: مگر یہ کہ نفل ادا کرنے یہ استثناء متصل ہے یا منقطع دونوں قول ہیں' احناف اس کے قائل ہیں کہ یہ استثناء متصل ہے اور شوافع اس کے قائل ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ اگر یہ استثناء متصل مانا جائے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے علاوہ اور کچھ فرض نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھو تو شروع کرتے ہی واجب ہو جائیں گے' اس لیے کہ استثناء متصل میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے اور اگر یہ استثناء منقطع ہے تو چونکہ اس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوتا' اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ فرائض یہی ہیں۔ ان کے علاوہ نوافل ہیں' پڑھو گے تو ثواب پاؤ گے' نہیں پڑھو گے تو کوئی گناہ نہیں۔

اس کی بنیاد ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے' احناف کے نزدیک نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ اگر کوئی نفل نماز یا روزہ شروع کر کے توڑ دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد: ۳۳) اپنے اعمال باطل مت کرو ○

امام احمد اپنی مسند میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

اصبحت انا وحفصة صائمتين فاهديت لنا شاة فاكلنا' فدخل علينا النبى صلى الله عليه وسلم فاخبرناه فقال صُوْمَا يوما مكانه. (قسطلانی)

میں نے اور حفصہ نے روزہ رکھا' اسی دن ایک بکری ہدیے میں ہمارے پاس آئی' ہم نے کھا لیا' اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے بتایا' فرمایا: اس روزے کے عوض ایک اور روزہ رکھو۔

دار قطنی میں ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے روزہ رکھ کر توڑ دیا' حضور نے اس کی قضا کا حکم دیا۔

آیت میں "لا تبطلوا" نہی ہے اور نہی میں اصل تحریم اور حدیث میں "صُوْمَا" امر ہے اور امر میں اصل وجوب۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ نفل شروع کر کے اسے پورا کرنا واجب توڑنا گناہ' توڑ دیا تو اسے دوبارہ ادا کرنا واجب ہے۔ نیز اس پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے کہ نفل شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ نیز حج نفل کے بارے میں شوافع بھی اسی کے قائل ہیں کہ اگر شروع کر کے توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے' بلکہ اگر بلا قصد فاسد ہو جائے تو بھی بقیہ ارکان کی ادائیگی واجب ہے اور پھر اس کی قضا بھی۔ اور یہ جو احادیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر توڑ دیا' اس کا محمل عذر ہے یعنی کسی عذر کی بناء پر ایسا کیا' اور عذر کی وجہ سے احناف کے نزدیک بھی نفل روزہ توڑنا منع نہیں' مگر قضا واجب ہے۔ کسی حدیث میں یہ وارد نہیں کہ اس کے بعد قضا نہیں فرمایا' عذر سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے مگر قضا نہیں ساقط ہوگی۔

اس حدیث میں صرف پانچ ہی نمازوں کو فرض بتایا' اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ وتر اور عیدین واجب نہیں اور احناف اسے واجب کہتے ہیں۔ تشریح سوم میں گزر چکا ہے کہ یہ حدیث یہاں مختصر ہے' کتاب الصوم میں اتنا زائد ہے کہ اسلام کے تمام احکام کی تعلیم دی' اس عموم میں وتر اور عیدین بھی آ گئے۔

ف ۲: ان صاحب نے واپس ہوتے وقت کہا تھا: میں اس پر نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ حالانکہ زیادتی بہر حال محمود ہے۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ کوئی فرائض و واجبات پر عمل کرے اور محرمات سے بچے تو فلاح کا مستحق ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ اپنی قوم کے نمائندے تھے ان کی مراد یہ ہے کہ قوم تک آپ کا پیغام پہنچانے میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ جتنا حضور نے ارشاد فرمایا اس کو بلا کم وبیش قوم کو بتا دوں گا کہ یہ ارشاد فرمایا۔

تیسرا یہ کہ قبول و تسلیم کے موقع پر یہی نیاز مندی کی دلیل ہوتی ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ کے حکم پر بلا کم و بیش عمل کروں گا اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ موقع قبول وتسلیم ہی کا تھا' انہوں نے اپنی کمال نیاز مندی کو ظاہر فرمایا۔

۴۱- ح: [فَضِيْلَةُ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ] نمازِ جنازہ کی فضیلت

۴۱ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَّمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطٍ. (نسائی۔ کتاب الجنائز)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے رہے' یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے اور اُسے دفن کر لیا جائے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب لے کر لوٹے گا اور ہر قیراط اُحد کے برابر ہوگا اور جو صرف نمازِ جنازہ پڑھ کر میت کے دفن سے پہلے ہی لوٹ آیا' تو وہ صرف ایک قیراط لے کر لوٹا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ افضل یہی ہے کہ جنازے کے پیچھے پیچھے چلے۔ اس لیے کہ اس میں "اتبع" کا لفظ وارد ہے۔ "اتبع" کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے' یہی احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک آگے آگے چلنا بہتر ہے۔

نیز یہ ثابت ہوا کہ صرف نمازِ جنازہ ہی پڑھ کر دفن میں شرکت کے بغیر نہ آئے اور اگر کسی ضرورت سے واپس ہونے کی جلدی ہو تو ولی سے اجازت لے کر واپس ہو۔

ت۹ - قَالَ اِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِيْ عَلٰى عَمَلِيْ اِلَّا خَشِيْتُ اَنْ اَكُوْنَ مُكَذَّبًا.

ابراہیم تیمی نے کہا: میں نے جب اپنے قول کا عمل سے موازنہ کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں جھوٹا تو نہیں۔

(بخاری فی التاریخ' امام احمد بن حنبل۔ کتاب الزہد' ابوالقاسم لالکائی فی سنتہ)

ابراہیم تیمی

تابعین کے فقہاء وعباد میں سے ہیں' بہت عمدہ واعظ تھے' مشہور ظالم حجاج بن یوسف نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا' سپاہی ہم نام ہونے کی وجہ سے غلطی سے انہیں پکڑ کر لے گئے اور جیل میں بند کر دیا۔ کچھ لوگوں نے کہا: آپ کو غلطی سے پکڑا گیا ہے آپ اُسے ظاہر کر دیں۔ فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنے آپ کو بچالوں اور ایک بے گناہ سزا پائے۔ اسی قید کی حالت میں ۹۲ھ میں وصال فرمایا۔ ان کی حیرت انگیز باتوں میں سے یہ ہے کہ ایک ایک مہینے تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اس تعلیق میں "مُكَذَّبًا" ذال کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور کسرہ کے ساتھ بھی۔

توجیہ

یہ ان کا ارشاد بہ طور تواضع ہے کہ میں وعظ کہتا ہوں' لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں اور خود میرا کیا حال ہے' میں جانتا ہوں۔ میرا عمل میرے قول کے مطابق بھی ہے یا نہیں' اللہ جانے۔

ت۱۰ - وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ اَدْرَكْتُ ثَلَاثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ مَا مِنْهُمْ اَحَدٌ يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَلٰى اِيْمَانِ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ.

عبداللہ بن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہ سے ملاقات کی' وہ سب کے سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے' ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو یہ کہتا کہ میں جبریل ومیکائیل کے ایمان پر ہوں۔

(تاریخ ابن خیثمہ صحابہ کی تعداد کے بغیر' محمد بن نصر مروزی' کتاب الایمان میں تفصیل کے ساتھ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابن ابی ملیکہ

ان کا پورا نام عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ ہے۔ تابعین کے علماء مشاہیر میں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قاضی اور مؤذن تھے۔ عبادلہ اربعہ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ اور اسماء بنت الصدیق اور حضرت ابو ہریرہ اور عقبہ بن حارث اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور حضرت علی اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا، مگر ان سے روایت نہیں کی۔ ان سے ایک مخلوق نے اخذ احادیث کی سعادت حاصل کی اور ان کے تلامذہ میں مشہور محدث ابن جریج ہیں، ۱۱۷ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

توجیہ

ابن ابی ملیکہ نے تیس صحابہ کرام کا جو یہ قول نقل فرمایا، اس کی توضیح ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، جو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں:

لما كان اليوم الذى دخل فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة اضاء منها كل شىء فلما كان اليوم الذى مات فيه اظلم منها كل شى وما نفضنا ايدينا عن التراب وانا لفى دفنه حتى انكرنا قلوبنا. (مشکوۃ۔ ص ۵۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دن مدینہ تشریف لائے ہر چیز روشن ہوگئی اور جب وفات پائی تو ہر چیز پر تاریکی چھا گئی، ہم ابھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن ہی کر رہے تھے، ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مشاہدے سے جو ایمانی طمانیت قویہ حاصل تھی، وہ باقی نہ رہی، جب اس قدر قریب زمانے میں یہ حال تھا تو برسہا برس گزرنے کے بعد جو دلوں کا حال ہوا، اس کا جب عہد رسالت سے موازنہ کرتے اور بیّن فرق محسوس کرتے تو گھبرا کر یہ اندیشہ ظاہر کرتے کہ اعمال میں جو اخلاص اور عبادت میں جو حضور وشہود تھا، اس میں کمی ہوگئی، کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ نفاق ہو۔ یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہے۔

یا ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس دور میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کا ازالہ ضروری ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

من رای منکم منکرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه وذالك اضعف الايمان. (مشکوۃ۔ ص ۴۳۶)

تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو اپنے دل سے ناپسند کرے، یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

صحابہ کرام کی جو حیثیت تھی، اس کے پیش نظر ان کو اپنے ہاتھ سے ان خرابیوں کو دور کرنا چاہیے تھا، مگر اپنے اندر اس کی استطاعت نہ پاکر اسے دور نہ کر پائے۔ اسی کے بارے میں ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نفاق تو نہیں۔

اقول: ان پر پیچ راہوں سے ہٹ کر سیدھی سادی بات یہ ہے کہ خوف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کسی خطرے کا احساس۔ یہ حضرات ایمان کی قیمت جانتے تھے اور کوئی بھی قیمتی چیز رکھتا ہے تو اس کی کما حقہ، حفاظت اسی وقت کر سکتا ہے جب ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے۔

وہ ہوشیار تھیلی میں اپنا موتی محفوظ رکھتا ہے جو ہر شخص کو جیب تراش گمان کرے۔

اسی کے مطابق صحابہ کرام ہر وقت اس سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمارا ایمان سلب نہ ہو جائے، کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے، جیسے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرشتے معصوم ہیں' اسی لیے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہمارا ایمان جبریل اور میکائیل کے ایمان کے مثل ہے کہ جیسے انہیں سلب ایمان کا اندیشہ نہیں' ہمیں نہ ہو۔ وہ فرشتے ہیں اور معصوم ہیں' ان کو زوالِ ایمان کا کوئی خطرہ نہیں' یہ اُن حضرات کے کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔

''ایمانی کایمان جبریل'' کا مطلب

اس تعلیق کے نقل کرنے سے امام بخاری کی غرض' امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر تعریض ہے' اس لیے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اقول ایمانی کایمان جبریل ولا اقول مثل ایمان جبریل.

میں کہتا ہوں: میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے' یہ نہیں کہتا: جبریل کے ایمان کے مثل ہے۔

امام ابن ہمام نے مسایرہ میں اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ مثلیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام صفات میں مساوات ہو' اور تشبیہ صرف ایک صفت میں قدرے اشتراک پر بھی درست ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان تمام صفات میں جبریل کے ایمان کے برابر ہے۔ ہاں! میں یہ کہتا ہوں کہ میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے' اس معنی میں کہ اس میں ادنیٰ سا شک وشبہہ کا شائبہ نہیں۔ مثل کے معنی برابری کے' خود حدیث میں وارد ہیں۔ حدیث ربا میں ہے:

مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ وَّالْفَضْلُ رِبًا.

برابر' برابر' دست بہ دست' اور زیادتی سود ہے۔

اور امام بخاری نے جو فرمایا' وہاں تشبیہ کی نفی تھی' ممکن الزوال نہ ہونے میں اور امام صاحب کے قول میں تشبیہ ہے' عدم شک وشبہہ میں' اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک چیز کو کسی چیز کے ساتھ ایک وصف میں اشتراک کی بناء پر تشبیہ دی جائے اور دوسرے وصف کے اعتبار سے نفی کی جائے جیسے زید' شیر کی طرح ہے یعنی بہادری میں' زید شیر کی طرح نہیں' درندگی میں۔

دوسرے علماء نے اس کی اور بھی توجیہیں کی ہیں' مگر میرے نزدیک یہ خود محلِ نظر ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہیں۔ شامی نے خلاصہ سے حضرت امام کا یہ قول نقل فرمایا:

اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کایمان جبریل ولکن یقول 'امنت بما' امن بہٖ جبریل.

میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی یہ کہے: میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے' ہاں! یہ کہے کہ میں اس پر ایمان لایا' جس پر جبریل ایمان لائے۔

(ج ۲ ص ۲۴۷)

ت ۱۱ - **وَيُذْكَرُ** عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا اَمِنَهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ. (فریابی' امام احمد بن حنبل۔ کتاب الایمان بمعناہ)

حضرت حسن بصری نے فرمایا: اللہ سے مؤمن ہی ڈرتا ہے اور اللہ سے منافق ہی نڈر رہتا ہے۔

۴۲- ح: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ

[مسلمان کو گالی دینا فسق ہے]

۴۲ - **عَنْ زُبَيْدٍ** قَالَ سَاَلْتُ اَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُاللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ.

زبید نے کہا: میں نے ابووائل سے مرجئہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے حدیث بیان کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

(بخاری۔ کتاب الایمان۔ ص ۲۶' ابوداؤد۔ ص ۲۴۴۔ کتاب الفتن ص ۸' مسلم۔ کتاب الایمان۔ ص ۱۱۶' ترمذی۔ کتاب البر۔ ص ۵۱۔ کتاب الایمان۔ ص ۱۵۔ ۵۶' نسائی۔ کتاب التحریم۔ ص ۷۳' ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ ص ۲۹۴۔ مقدمہ۔ ص ۷۔ ۹' مسند امام احمد)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابووائل

یہ تابعی اور کوفہ کے باشندے حضرت عبداللہ بن مسعود کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت تعریف کرتے تھے' ان کے علاوہ فاروقِ اعظم' حضرت علی' حضرت عمار و دیگر صحابہ سے روایت کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کر سکے' بعثت کے وقت دس سال کے تھے' ۸۲ھ میں وصال ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ ابوسعید بن صالح کہتے ہیں کہ ابووائل ہمارے جنازوں کی نماز پڑھاتے تھے اور ان کی عمر ڈیڑھ سو سال تھی۔

مرجئہ

گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے' جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا' جس نے دل سے ضروریاتِ دین کی تصدیق کر لی' وہ جہنم سے آزاد ہے۔ ایک آن کے لیے بھی جہنم میں نہیں جائے گا' ان کے پانچ فرقے ہوئے جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔

مرجئہ یا تو ارجاء سے ہے' جس کے معنی پیچھے کرنے کے ہیں' یا رجاء بہ معنی اُمید سے بنا ہے۔ ''سباب'' کے معنی ہیں: کسی کو عیب لگانا' خواہ وہ عیب اس میں ہو خواہ نہ ہو' اس میں سب سے زیادہ قباحت ہے۔ ''فسوق'' کے معنی نکلنے کے ہیں' اور شرع میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کرنے کے ہیں۔ یہ مرادف ہے' گناہ کے' کفر و شرک تک کو عام ہے ''کفر'' کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں اور شریعت میں مذہب اسلام سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔

''قتالہ کفر'' کی توجیہ

اس پر اجماع ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں ہے اور قرآن کی اس آیت سے کہ فرمایا:

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۔ (الحجرات:۹) — اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں' تو ان کے مابین صلح کرادو۔

اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں' پھر اس حدیث میں اسے کفر کیوں کہا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مسلمان سے لڑنے پر کفر کا اطلاق تغلیظاً ہے یا کفر سے مراد ناحق شناسی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' بھائی کو لازم ہے کہ بھائی کے ساتھ مل جل کر رہے' لڑے بھڑے نہیں۔ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان سے لڑا تو اس کی حق تلفی کی' یا اس بنا پر مسلمان' سے لڑنے کو کفر کہا گیا کہ یہ کفار کے فعل کے مشابہ ہے کہ مسلمان سے لڑنا مسلمان کا کام نہیں' کافر کا کام ہے' یا یہاں کفر کے لغوی معنی مراد ہیں' یعنی چھپانا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے' اس پر آنچ نہ آنے دے اور جب اس سے لڑا تو اس کے حق کو چھپایا۔

اقول: مشتق پر حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ماخذ اس کی علت ہے' اس لیے حدیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان سے محض مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا کفر ہے۔ کسی مسلمان سے مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا ضرور کفر ہے۔

مرجئہ کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے ساتھ گناہ سے کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ یہ حدیث ان کے اس عقیدے کا رد ہے۔ صاف صریح ارشاد ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق و گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

۴۳- ح [جبریل] — حدیثِ جبریل

۴۳- عَنۡ اَبِيۡ هُرَيۡرَةَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ اِذْاَتَاهُ رَجُلٌ يَمْشِيْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْاٰخِرِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِحْسَانُ قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ سَاُحَدِّثُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اِذَا وَلَدَتِ الْمَرْاَةُ رَبَّتَهَا فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَاِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُؤُوْسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا فِيْ خَمْسٍ لَّا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ﴾ (لقمان:۳۴) ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ رُدُّوْاعَلَيَّ فَاَخَذُوْا لِيَرُدُّوْا فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ جَآءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ.

(بخاری۔کتاب التفسیر۔سورۂ لقمان' مسلم۔کتاب الایمان' ابن ماجہ۔مقدمہ ص۹' کتاب الفتن۔ص ۳۰۵' مسند امام احمد۔ج ۲ ص ۲۶)

ﷺ مجمع عام میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص پیدل چلتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی ملاقات پر اور آخر قبر سے اُٹھنے پر ایمان لائے' وا اس نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے' اس طرح کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے' اور نماز ادا کرے اور فرض زکوٰۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھے۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! احسان کیا ہے؟ فرمایا: احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے' پھر اس طرح کہ اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہو تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے' اس نے عرض کیا: قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: جس سے اس کے بارے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کی نشانیوں کو بتاتا ہوں: جب عورت اپنے آقا کو جنے' یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے اور جب ننگے پاؤں ننگے بدن رہنے والے لوگوں کے سردار ہو جائیں' یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے' (قیامِ قیامت کا وقت) اُن پانچ چیزوں میں سے ہے' جنہیں اللہ کے سوا (بے اس کے بتائے) کوئی نہیں جانتا (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:) بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور بارش برساتا ہے' مادہ کے پیٹوں میں کیا ہے جانتا ہے' پھر وہ شخص لوٹ گیا' آنحضور نے فرمایا: اُسے واپس لاؤ! لوگوں نے لوٹانے کی کوشش کی مگر (جب باہر جا کر دیکھا) تو وہ غائب تھے' فرمایا: یہ جبریل تھے لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔

تکمیل

اپنی طرز کے خلاف ہم نے یہ حدیث کتاب التفسیر سے لی ہے' اس لیے کہ اس میں ''فی خمس لا یعلم ھن الا اللہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ'' کا اضافہ تھا' مسئلہ علوم خمسہ پر بحث کی تکمیل کے لیے اس آیت پر بھی بحث ضروری تھی۔ قرطبی نے کہا: یہ حدیث اس لائق ہے کہ اس کو اُم السنہ کہا جائے' اس لیے کہ یہ احادیث کے جملہ علوم کو متضمن ہے' اسی لیے امام بغوی نے مصابیح اور شرح السنہ دونوں کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا' جیسے قرآن کریم سورۂ فاتحہ سے شروع کیا گیا کہ وہ اُم الکتاب ہے' اجمالی طور سے قرآن کریم کے جملہ علوم پر مشتمل ہے۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ حدیث تمام ظاہری باطنی عبادات کے وظائف پر مشتمل ہے' خواہ ایمان ہو خواہ جوارح کے اعمال

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہوں' خواہ دلوں کا اخلاص ہو یہاں تک کہ شریعت کے کل علوم اس کی طرف راجع ہیں اور اس سے نکلتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ہم اس مبارک حدیث کے جو مختلف حصے مختلف صحابہ کرام یا مختلف طرق یا مختلف کتابوں میں ہیں' سب کو یکجا کر کے اپنے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتنے صحابہ سے مروی؟

بخاری و مسلم کے علاوہ یہ حدیث بہ الفاظِ مختلفہ کچھ زیادتی کمی قدرے تقدیم و تاخیر کے ساتھ خود حضرت ابو ہریرہ' نیز حضرت عمر' حضرت انس' حضرت جریر بن عبداللہ بجلی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو عامر اشعری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے ابوداؤد' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل' بزار' صحیح ابوعوانہ' طبرانی وغیرہ میں مذکور ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے بیٹھنے کے لیے امتیازی جگہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بغیر کسی امتیاز کے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے' اگر کوئی ناآشنا اجنبی حاضر ہوتا' پہچان نہیں سکتا تھا' اسے پوچھنا پڑتا: رسول اللہ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو ہم حضور کے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ بنا دیں جس پر تشریف رکھیں تاکہ اجنبیوں کو پوچھنا نہ پڑے۔ اجازت ملنے پر صحابہ نے ایک چبوترہ بنا دیا' جس پر حضور تشریف رکھا کرتے اور صحابہ اس کے پہلو میں بیٹھتے۔ ایک دن مجمع عام میں حضور' اسی چبوترے پر اخیر عمر مبارک میں خطبہ دے رہے تھے۔ فرمایا: مجھ سے جو چاہو پوچھو' حاضرین پر ہیبت طاری ہوگئی' جس کی وجہ سے کوئی کچھ دریافت نہ کر سکا کہ اچانک ایک صاحب پیدل چلتے ہوئے نمودار ہوئے۔ نہایت خوبصورت' انتہائی سفید و شفاف کپڑے پہنے ہوئے جس پر نام کو بھی میل نہ تھا۔ ان کے بدن سے بہترین خوشبو اُٹھ رہی تھی' ڈاڑھی اور بال بالکل سیاہ' نہ تو ان کی ہیئت مسافروں جیسی تھی' نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا۔ تعجب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ حاضرین نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا: ہم پہچانتے نہیں کہ یہ کون ہے؟

انہوں نے فرش کے کنارے پہنچ کر عرض کیا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام کا جواب دیا' اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے نزدیک آ جاؤں! فرمایا: آ جاؤ' کئی بار نزدیک آنے کا اذن طلب کیا' ہر بار اجازت ملی' وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آنحضور کے بالکل نزدیک آ کر آنحضور کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر اور اپنا ہاتھ حضور کے زانو پر رکھ کر بیٹھ گئے اور مندرجہ ذیل سوالات کیے:

یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے سب فرشتوں' اس کی تمام کتابوں اور اس کے کل رسولوں' جملہ نبیوں پر اور اس کی ملاقات پر اور موت پر اور قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھنے پر ایمان لاؤ' حساب' میزان' جنت دوزخ پر ایمان لاؤ' اور تقدیر پر ایمان لاؤ کہ اس کا اچھا بُرا' میٹھا کڑوا سب اللہ کی طرف سے ہے۔

یہ جواب سن کر اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا' حاضرین کو حیرت ہوئی کہ سوال بھی کرتے ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس کی گواہی دو کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں' اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یقیناً اللہ کے رسول ہیں' اور فرض نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو اور فرض زکوۃ دو' رمضان کے روزے رکھو' اگر بیت اللہ جانے کی استطاعت ہو تو حج کرو' عمرہ کرو' جنابت سے غسل کرو' کامل طریقے سے وضو کرو' اس نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا۔

پھر پوچھا: یارسول اللہ! مجھے احسان کے بارے میں بتائیے؟ فرمایا: احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو' اس طرح اس کی خشیت رکھو گویا اسے دیکھ رہے ہو' اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا' پھر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دریافت کیا: قیامت کب آئے گی؟ اس سوال پر حضور ﷺ نے گردن جھکالی کوئی جواب نہ دیا' یہاں تک کہ انہوں نے تین بار یہی سوال دُہرایا تو سر اقدس اُٹھا کر فرمایا:

قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا' وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس کے بعد انہوں نے قیامت کی نشانیاں پوچھیں' یا یہ کہ آنحضور نے از خود فرمایا: میں تمہیں قیامت کی کچھ نشانیاں بتاتا ہوں' فرمایا: قیامت کی نشانیاں یہ ہیں کہ باندی اپنے آقا کو جنے گی' ننگے بدن ننگے پاؤں رہنے والے' گونگے' بہرے حکومت کریں گے' بھک منگے' بکریوں' کالے اونٹوں کے چرواہے محلوں میں فخر کریں گے۔

قیامت کب آئے گی؟ یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں' پھر آنحضور نے سورۂ لقمان کی یہ اخیر آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے' وہ بارش برساتا ہے اور ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے' جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کل کیا کمائے گا' کسی کو نہیں معلوم کہ کہاں مرے گا' اس میں کوئی شک نہیں' اللہ جاننے والا بتانے والا ہے ○ (لقمان:۳۴)

اس کے بعد یہ شخص چلے گئے' جب چلے گئے تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: انہیں واپس لاؤ' صحابہ کرام نے ہر طرف تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ اب حضور نے فرمایا: تم لوگ جانتے ہو یہ کون تھے؟ یہ جبریل تھے' تم لوگوں نے اس وقت کچھ نہیں پوچھا تو یہ آئے تھے کہ تم کو دین سکھائیں' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! جب بھی جبریل آئے' میں نے پہچان لیا' مگر اب کی بار نہ پہچان سکا۔ یہ واپس ہونے کے لیے جب مڑ چکے تھے' تب پہچانا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ تین دن کے بعد حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے ملاقات کی اور دریافت فرمایا: تمہیں معلوم ہے وہ سائل کون تھے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں' فرمایا: وہ جبریل تھے' تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

نکات

بخاری میں جتنا حدیث کا متن ہے' اس پر وارد بہت سے شبہات اس حدیث کے متفرق متون کو جمع کر دینے سے دور ہو گئے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ روایتوں میں جو تقدیم و تاخیر اور کمی و زیادتی ہے' وہ راویوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے اپنی یادداشت یا ضرورت کے مطابق ذکر کیا۔

اب چند ضروری گوشوں کی توضیح باقی رہ گئی ہے' وہ حاضر ہیں:

(الف) جبریل اس خاص ہیئت کے ساتھ اجنبی بن کر کیوں حاضر ہوئے؟ مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں کو اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم حضور اقدس ﷺ سے سوالات کریں' اس لیے ہم لوگوں کی خواہش رہتی تھی کہ کوئی ذہین دیہاتی آکر کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ اسی حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ نے اذن عام دے دیا تھا کہ جو پوچھنا چاہو پوچھو' مگر ہیبت کی وجہ سے کوئی کچھ نہ پوچھ سکا' اس لیے جبریل امین اجنبی بن کے حاضر ہوئے کہ صحابہ یہی سمجھیں کہ یہ کوئی دیہاتی ہیں۔ اگر صحابہ کرام کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ جبریل ہیں تو اس کا امکان تھا کہ صحابہ پر ان کی بھی ہیبت طاری ہو جاتی۔ ہو سکتا ہے ان کی زیارت میں انہماک ہو جاتا اور ان کے سوالات و جوابات کو کما حقہ مستحضر نہ رکھ پاتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(ب) بچھونے کے کنارے ہی سلام کرنے کے بعد بار بار نزدیک آنے کا اذن مانگنا' اس لیے تھا کہ تمام حاضرین ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نیز یہ بتانا تھا کہ بزرگوں کے بہت نزدیک بلا ان کی اجازت کے نہیں ہونا چاہیے' خصوصاً جب مجلس بھری ہوئی ہو۔

(ج) گردنیں پھلانگتے اس لیے آئے کہ ہوسکتا ہے کہ بغیر اس کے قریب آنا ممکن نہ ہو' نیز یہ بدویانہ طریقہ اس لیے اختیار کیا کہ لوگ یہی سمجھیں کہ واقعی یہ کوئی بدوی ہیں۔

(د) گھٹنے سے گھٹنے ملا کر' زانو اقدس پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے۔ یہ بتانے کے لیے کہ تلمیذ و استاذ میں جتنی موانست ہوگی' قرب ہوگا' اتنا ہی زیادہ فیض ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''فوضع یدیه علی فخذیه'' اس میں ''یدیه'' کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ ''رجل'' ہے' البتہ ''فخذیه'' کی ضمیر میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ اس کا مرجع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں' تو وہ معنی ہوں گے جو ہم نے بیان کیے' دوسرے یہ کہ اس کا مرجع بھی ''رجل'' ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ آنے والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانو پر رکھے۔ اسی میں ادب زیادہ ہے اور پہلے میں یگانگت کا بہت زیادہ اظہار' نیز بدویت کا بھی۔ ہم نے پہلی شق اس لیے اختیار کی کہ سلیمان تیمی کی روایت میں یہ تصریح ہے: ''وضع یده علی رکبتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم'' ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے' نیز بغوی اور اسماعیل تیمی نے اسی پر جزم فرمایا اور طیبی نے اسی کو ترجیح دی۔

(ہ) سفید شفاف بے داغ لباس پہن کر حاضر ہوئے' اس میں اشارہ ہے کہ تلمیذ کو استاذ کے سامنے اس طرح حاضر ہونا چاہیے کہ اس کا ذہن پندار کے داغ سے ملوث نہ ہو۔

(و) سیاہ بال جوانی کی نشانی ہے' اس میں اشارہ ہے کہ طلب علم کا بہترین زمانہ جوانی ہے۔

(ز) انتہائی خوبصورت' بہترین خوشبو کے ساتھ آنے میں یہ تلقین ہے کہ تلمیذ کو استاذ کے حضور اچھی سے اچھی ہیئت میں حاضر ہونا چاہیے' جس سے اس کی طرف میلان قلب ہو' ایسی ہیئت سے نہ حاضر ہو کہ اسے تکدر یا نفرت ہو۔

ف: ایمان باللہ' ایمان بالرسول' ایمان بالملٰئکہ وایمان بالکتب کی تشریح' ہر مسلمان جانتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کتاب میں متعدد جگہ آئے گی' توضیح طلب باتیں تین ہیں: موت پر ایمان' اور اس کی ملاقات پر ایمان' اور بعث آخر یا یوم آخر پر ایمان۔

(الف) موت ایسی چیز ہے کہ اس کا سبھی کو یقین ہے' پھر اس پر خصوصیت سے ایمان لانے کا ذکر غالباً اس بناء پر ہے کہ موت کا یقین سب کو ضرور ہے' مگر اس سے غفلت عام ہے' مراد یہ ہے کہ موت سے غفلت نہ برتی جائے' اسے یاد رکھا جائے' یا اس سے پوری دنیا کا کلیۃً فنا ہو جانا مراد ہے۔

(ب) بعث سے مراد قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھنا ہے' اور یہ بہرحال آخر ہے' اب آخر صرف توضیح و تاکید کے لیے ہے' جیسے کہتے ہیں: ''کامس الذاهب'' حالانکہ ''امس'' کا معنی ہے: کل گزشتہ کے' یا اس بناء پر کہ بعث دو ہیں: ایک عدم سے وجود میں آنا' یا ماں کے پیٹ سے دنیا میں آنا' دوسرے قیامت کے دن' یہ دوسرا پہلے کی بہ نسبت آخر ہوا۔

(ج) یوم آخر سے مراد قیامت ہے' اس کو یوم آخر اس لیے کہتے ہیں کہ جن ایام کی حد ہمیں معلوم ہے' ان میں سب سے آخری دن ہے۔ یوم آخر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جو احوال و اہوال اور معاملات پیش آئیں گے' ان سب پر ایمان لانا' مثلاً حساب کتاب' وزنِ اعمال' پل صراط پر گزر' جنت دوزخ' جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(د) اللہ کی ملاقات سے مراد یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے' یا یہ کہ اس کی رؤیت مراد ہے کہ مؤمنین کو اس کی زیارت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوگی، جیسا کہ اس کے بارے میں احادیث مشہورہ وارد ہیں، یہ اگرچہ یومِ آخر کے احوال میں داخل ہے، مگر اہمیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ بھی ذکر کیا۔

ایمان اور اسلام مرادف ہیں یا نہیں؟

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان و اسلام دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن یہ کلیۃً صحیح نہیں۔ یہاں جن اُمور کو اسلام بتایا وفد عبدالقیس کی حدیث میں انہیں کو ایمان بتایا۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَO فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَO

اس بستی میں جتنے مؤمن تھے ہم نے سب کو باہر کیاO ہم نے اس بستی میں صرف ایک گھر مسلمان کا پایاO

(الذاریات:۳۵-۳۶)

یہاں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو مؤمن بھی فرمایا اور مسلمان بھی، اس سے ظاہر کہ مؤمن اور مسلمان مرادف ہیں، تو ثابت ہوا کہ ایمان اور اسلام بھی مرادف ہیں۔

لیکن اس حدیثِ جبریل اور دیگر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام متغائر ہیں۔ نیز قرآن مجید ہی میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات:۱۴)

گنواروں نے کہا: ہم ایمان لے آئے، آپ فرمادو: ایمان نہیں لائے ہاں! یہ کہو: ہم تابع ہو گئے، ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کہاں داخل ہوا۔

اس آیت میں ایمان کی نفی کر کے، اسلام کا اثبات ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایمان اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ اطلاق میں کہیں کہیں تغائر کی بو آتی ہے، ورنہ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔

ہم کتاب الایمان کی ابتداء میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ایمان، تصدیق اور اقرار باللسان دونوں کا نام ہے۔ ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں، اور اسلام کے لغوی معنی تابع دار ہونے کے ہیں۔ شرع میں اسلام کے معنی ہیں: اس دین کا پابند ہونا جو اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ لائے۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی دین کا پابند اسی وقت ہوگا جب اس کے اصول کو سچ جانے اور اس کے صحیح ہونے کا اقرار کرے، اور یہی جاننا ایمان ہے اور جب انسان کسی کے اصول کو سچ جان لے گا اور اس کا اقرار بھی کر لے گا، تو اس کا پابند بھی ہوگا۔ لہٰذا ایمان و اسلام ایک ہوئے۔

ہاں اطلاق میں کہیں کہیں اسلام ظاہری اعمال کی ادائیگی پر بولا گیا ہے۔ اس لحاظ سے فرق صرف اعتباری ہوگا، اس سے کسی کو انکار نہیں۔ حدیثِ جبریل اور سورۂ حجرات کی اس آیت میں یہی اطلاق ہے، ورنہ حدیث جبریل کا اخیر اس کا رد ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان سب کو دین فرمایا، جس میں ایمان بھی داخل ہے، اور خود قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ. (آل عمران:۸۵)

جو اسلام کے علاوہ کسی دین کو قبول کرے اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور ارشاد ہوا:

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ:۳)

تمہارے لیے دین اسلام کو میں نے پسند کیا۔

ان آیات میں صرف اسلام کو دین بتایا، کیا ایمان دین سے خارج ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، اور ضرور نفی میں ہے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ثابت ہوا کہ ایمان اور اسلام دو متضاد چیزیں نہیں۔ مسلمانوں کے عرف میں بولتے ہیں: فلاں ایمان لایا' یا بولتے ہیں: فلاں اسلام لایا۔ دونوں کے معنی بلا کسی دغدغہ کے ایک ہیں' ہاں اطلاق کے اعتبار سے شریعت میں اس کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہو گی۔ ایمان اور اسلام دونوں کا ایک مفہوم پر اطلاق جیسے وفد عبدالقیس والی حدیث اور سورۂ ذٰریٰت کی مذکورہ آیت میں۔ اسلام کا اور ایمان کا الگ الگ معنوں میں اطلاق جیسے سورۂ حجرات کی آیت میں۔

تقدیر کا معنی

تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ ہر بھلائی برائی اللہ عز وجل نے اپنے علم ازلی کے موافق مقدر کر دی ہے' جو بات جیسے ہونے والی تھی اور جو شخص جو کچھ کرنے والا تھا' اللہ عز وجل اسے ازل سے جانتا تھا' اسی کے مطابق لکھ لیا۔ اب اس کے خلاف نہیں ہو سکتا' محال ہے' یہ نہیں کہ اللہ عز وجل نے لوگوں کے احوال جانے بغیر جو چاہا لکھ دیا' اور اب ہم اس لکھنے کی وجہ سے ویسا ہی کرنے پر مجبور ہیں' بلکہ مثلاً زید کے ذمے برائی لکھی' اس لیے کہ اللہ عز وجل کو معلوم تھا کہ برائی کرے گا' اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا تو اس کے ذمے بھلائی لکھتا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اللہ عز وجل نے انسان کو جمادات پتھر کنکر کی طرح بے حس و حرکت بے اختیار نہیں بنایا' بلکہ ایک نوع اختیار بھی دیا ہے کہ کسی کام کو چاہے تو کرے' چاہے تو نہ کرے۔ اسی کے ساتھ عقل بھی دی کہ وہ بھلے برے' نفع نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان و اسباب مہیا فرما دیئے کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ان سامان سے کام لے۔ اسی اختیار پر مواخذہ ہے' اپنے آپ کو جمادات کی طرح مجبور محض سمجھنا' یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہے۔

تقدیر کے منکرین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کا مجوس فرمایا' وجہ شبہہ یہ ہے کہ مجوس دو خالق مانتے ہیں' خالقِ خیر یزداں' خالقِ شر اہرمن' اور قدریہ یعنی تقدیر کے منکرین انسانوں کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں' انہوں نے دو ہی نہیں کروڑوں خالق مانے۔

تقدیر و قضا ہم معنی ہیں' قضا کی تین قسمیں ہیں: مبرم حقیقی' جو علم الٰہی میں کسی چیز پر معلق نہیں' معلق محض' ملائکہ کے صحیفوں میں جس کا معلق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہو' معلق شبیہ مبرم' صحف ملائکہ میں جس کی تعلیق مذکور نہیں' مگر وہ علم الٰہی میں معلق ہے۔

مبرم حقیقی کی تبدیلی محال ہے' اگر محبوبانِ بارگاہ اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انہیں اس سے روک دیا جاتا ہے' مثلاً فرشتے قوم لوط پر عذاب لے کے آئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہ آں قرب و اختصاص بہت کچھ عرض و معروض کی' یہاں تک کہ ان کی عرض و معروض کو قرآن کریم نے مجادلے سے تعبیر فرمایا۔ ارشاد ہے:

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ. (ھود:۷۴) ابراہیم ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

مگر چونکہ یہ عذاب مبرم حقیقی تھا' اس لیے نہ رکا۔

قضاء معلق' اولیاء کرام کی دعاؤں' ان کی توجہ' اعمالِ حسنہ سے ٹل جاتی ہے۔

معلق شبیہ مبرم تک عامۂ اولیاء کرام کی رسائی نہیں' اکابر کی ہے' جو ان کی دعا' توجہ سے ٹل جاتی ہے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو فرمایا:

اِنِّیْ اَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ. میں قضاء مبرم کو بدل دیتا ہوں۔

اور اسی کو حدیث میں فرمایا گیا:

اِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ. دعا قضاء مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

تقدیر کے مسائل عقول متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں' ماوشما کس گنتی میں؟ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم کو اس میں بحث

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کرنے سے روک دیا گیا۔ اس میں زیادہ غور و خوض بحث و تمحیص بہت نقصان دہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ استدلالی نہیں' صرف کشفی ہے' لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ مسئلہ جتنا ہی دقیق اور عام عقلوں کی دسترس سے بالاتر ہے۔ اُتنا ہی لوگ اس میں کرید کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے عام فہم سے قریب کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے' وہ یہ ہے: ہم چلتے ہیں' پھرتے ہیں' اُٹھتے ہیں' بیٹھتے ہیں' کھاتے ہیں' پیتے ہیں' زندگی کے روزمرہ کے معمولات میں مشغول رہتے ہیں' یہ ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں ہم جو چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں' جو نہیں چاہتے ہیں نہیں کھاتے پیتے' ہم جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں نہیں چاہتے ہیں نہیں جاتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف رعشے کی بیماری والا ہے کہ وہ لاکھ چاہے کہ اس کا سر اور اس کا ہاتھ اس کا پاؤں نہ ہلے' مگر وہ روک نہیں سکتا۔ فالج زدہ' مفلوج عضو کو لاکھ چاہے حرکت نہیں دے سکتا۔ اس کے برخلاف ایک تندرست انسان جب چاہے' جس عضو کو چاہے حرکت دے سکتا ہے' حرکت سے روک سکتا ہے' تندرست کی حرکات و سکنات' رعشہ و فالج زدہ کی طرح بے اختیار نہیں' مگر اس اختیار کے باوجود روزمرہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک انسان ایک بات کو چاہتا ہے' اس کے لیے لاکھ جتن کرتا ہے' سب تدبیریں کر ڈالتا ہے' مگر وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس سے سمجھ میں آیا کہ ہمیں اختیار بھی ہے' قدرت بھی ہے' مگر بالکلیہ نہیں' ہمارا اختیار ہماری قدرت کسی اور قدرے والے اختیار والے کے ماتحت ہے' یہی تقدیر ہے۔

احسان کی توضیح

''احسان'' بابِ افعال کا مصدر ہے' اس کا مادہ ''حَسَنْ'' ہے' جب اس کا مفعول بغیر حرف جر کے آتا ہے' تو اس کے معنی اچھا کرنے کے آتے ہیں اور جب الٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: کسی کو نفع پہنچانے کے' یہاں پہلا معنی مراد ہے' عبادت کے اندر احسان کیا ہے؟ اسے یوں فرمایا:

اَنْ تعبدَ اللّٰه كانَّكَ تراه فان لم تكن تراه فانّه يراك.

اللہ کی یوں عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو' پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ تم عبادت میں یہ تصور رکھو گویا کہ اللہ عزوجل کو تم دیکھ رہے ہو' کیونکہ تم اسے نہیں دیکھتے اور نہ دیکھ سکتے ہو' مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے' اسی کو دوسری حدیث میں یوں فرمایا:

اُعْبُدْ رَبَّكَ فِيْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ كَعِبَادَتِكَ فِيْ حَالِ الْعِيَانِ.

ہر حالت میں اپنے رب کی یوں عبادت کرو جیسے حالت مشاہدہ میں کرتے ہو۔

اس تقدیر پر احسان کا صرف ایک درجہ ہوا' وہ یہ کہ اللہ کی عبادت یوں کریں' گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں' دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو' اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں عبادت کرو کہ گویا تم کو وہ دیکھ رہا ہے۔

اب احسان کے دو درجے ہوئے' ایک یہ کہ عبادت کے وقت یہ خیال جما رہے کہ اللہ عزوجل کو ہم دیکھ رہے ہیں' دوسرے یہ کہ یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال جما رہے کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب بندے کو یہ حضور حاصل ہو کہ اللہ عزوجل ہم کو ہمارے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے تو پھر نہ کوئی طاعت چھوٹے گی نہ اس کے آداب و شرائط میں کوئی کمی ہوگی اور نہ کسی گناہ پر جرأت ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مالک دروازے پر بیٹھا ہوا نوکروں سے کام لے رہا ہے' نوکر اپنے کام میں لگے ہیں' مالک کو نہیں دیکھتے مگر یہ جانتے ہیں کہ مالک ہم کو دیکھ رہا ہے' تو کام میں نہ کمی کریں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے نہ قصداً کام بگاڑیں گے' بہ خلاف اس کے کہ مالک موجود نہ ہو۔

لیکن اگر دربار شاہی میں کوئی شہنشاہ کے روبرو موجود ہو' شہنشاہ کے چہرے پر اس کی نظر ہو تو اس کا کیا حال ہوگا' ظاہر ہے۔ کیا وہاں حکم عدولی کی جرأت ہوگی' تعمیل حکم میں تاخیر کی مجال ہوگی۔ کیا آداب دربار کی خلاف ورزی ہوگی' کیا کوئی اپنے کو لایعنی باتوں میں مشغول رکھے گا' خصوصاً جبکہ شہنشاہ ایسا ہو' جو ظاہر و باطن سب اس پر منکشف ہوں' آنکھوں کی چوری سے لے کر سینے کے اندر تک مطلع ہو' دل کی دھڑکنوں کے ساتھ خطرات بھی اس سے پوشیدہ نہ ہوں' عمداً تو بہت دور ہے' کیا دل میں بغاوت' سرکشی' حکم عدولی کا وہم بھی آسکے گا؟

اور سوچو! جبکہ شہنشاہ مالک حقیقی ذوالجلال والجبروت ہو' اور اس کے ساتھ حسن و جمال میں بھی ''لا شریك له'' تو حاضر باش کا کیا حال ہوگا۔

ع ذوق ایں می نشناسی بہ خدا تا نہ چشی

یہ حضور اقدس ﷺ کے ان جوامع کلم میں سے ہے کہ اس کی تشریح سے دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں' یہی تصوف کی اصل ہے' جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی اور جو لکھی گئیں یا جو لکھی جائیں گی' وہ ایک قطرہ بھی اس بحر ناپیدا کنار کا نہیں۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایمان اصل الاصول ہے' اس کی فرع اعمال ہیں' اعمال کے ادائیگی کے اعتبار سے تین درجے ہیں:

(۱) حسب تفصیل فقہ' شرائط کے ساتھ ارکان ادا کر لیے جائیں' اس سے آدمی فرض سے سبک دوش ہو جاتا ہے' یہ عوام کے لیے ہے۔

(۲) عبادت میں کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود ہمیں دیکھ رہا ہے' یہ خواص کا مقام ہے۔

(۳) عبادت میں یہ حضور و شہود ہو' گویا عابد معبود کو دیکھ رہا ہے' یہ اخص الخواص کا مقام ہے۔

عمارہ بن قعقاع کی روایت اور حضرت انس کی حدیث میں ''ان تعبد الله'' کے بجائے ''ان تخشى الله'' ہے' اب احسان سے مراد عبادت کا احسان نہیں ہوگا' بلکہ اسلام کا احسان ہوگا۔ اب سوال یہ ہوا کہ اسلام کا احسان کیا ہے؟ جواب ارشاد ہوا:

اللہ سے یوں ڈرتے رہو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو' اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں ڈرتے رہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہاں ''تخشى الله'' کا مفعول محذوف ہے' جو عموم کا افادہ کرتا ہے کہ ہر وقت اللہ سے ان دونوں تصورات میں سے ایک کے ساتھ ڈرتے رہو' خواہ حالت عبادت میں ہو خواہ کسی اور حالت میں' یہ دوام اپنے دونوں مدارج میں سے کسی ایک درجے میں جسے بھی نصیب ہو جائے' اس کے مدارج کا اندازہ کون لگا سکے گا؟ ''وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ O'' (آل عمران: ۷۴)

''كانك تراه'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بیداری کے ساتھ چشم سر سے دیدار الٰہی ممکن نہیں۔ ورنہ ''كَاَنَّكَ'' (گویا دیکھ رہے ہو) نہ فرماتے' بلکہ یہ فرماتے: یوں عبادت کرو کہ اسے دیکھو! اس پر مسلم شریف کی یہ حدیث دلیل ہے کہ فرمایا:

واعلموا انكم لن تروا ربكم حتى تموتوا. جان لو! موت سے پہلے اپنے رب کا دیدار ہرگز نہ کرو گے۔

حضور اقدس ﷺ کا دیدار الٰہی کرنا احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ یہ احادیث اس کے لیے مخصص ہیں۔ رہ گیا خواب میں تو وہ صحابہ کرام اولیاء کرام کے لیے حاصل ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: ''رأيت ربي في سكك المدينة'' میں نے اپنے رب کو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مدینے کی گلیوں میں دیکھا۔ اس سے مراد یہی خواب میں دیکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مدینے کی گلیوں میں رہتے ہوئے میں نے رب کا جلوہ دیکھا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو سو مرتبہ اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو کئی مرتبہ خواب میں رب تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔

عبادت کے معنی

قاضی بیضاوی، علامہ نسفی وغیرہ مفسرین نے عبادت کے یہ معنی بتائے ہیں:

اقصی غاية الخضوع و التذلل. کسی کے لیے انتہائی حد تک عاجزی و فروتنی کرنا۔

اقصیٰ غایت تذلل، عبادت اور اس سے کم درجہ تعظیم ہے۔

اقصیٰ غایت کی حد کیا ہے؟ اس کا دارومدار نیت پر ہے، اس کی قدرے توضیح یہ ہے کہ انسان مختلف اشخاص و ہستیوں کے سامنے تذلل ظاہر کرتا ہے، مثلاً چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے سامنے، بیٹا باپ کے سامنے، شاگرد استاذ کے سامنے، مرید شیخ کے سامنے، اُمتی نبی کے روبہ رو اور ایک عابد معبود کے حضور۔

ہر شخص پر ظاہر ہے کہ تذلل کے یہ سب مدارج یکساں نہیں، ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ اقصیٰ غایت تذلل عبادت، اس سے فروتر تعظیم، جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے کہ اس کا دارومدار نیت پر ہے۔ کسی ہستی کو واجب الوجود اعتقاد کر کے واجب الوجود کے خواص ولوازم میں سے کسی ہستی کے لیے ثابت مان کر یا کائنات عالم کی تدبیر میں کسی کے لیے ایسا دخل ماننا کہ اس کے بغیر نظام نہیں چل سکتا، یا نفع وضرر پہنچانے یا تخلیق و ایجاد میں کسی کو مستقل بالذات ماننا، اس معنی میں کہ وہ بے اذنِ الٰہی کے جو چاہے کرے، یا تحلیل و تحریم کا اختیار مستقبل ماننا یا کسی کی ذات وصفات کو ذاتی مان کر تذلل کرنا غایت تعظیم اور عبادت ہے اور ان مذکورہ تصورات کے بغیر کسی کے لیے تذلل کرنا عبادت نہیں۔

عبادت اور تعظیم میں فرق

اور صحیح بات تو یہ ہے کہ عبادت اور تعظیم کی حد فاصل ہر عاقل جانتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے الفاظ کا جامہ پہنانا ذرا مشکل ہے، سجدہ ایک فعل ہے، دو زانو بیٹھنا ایک فعل ہے، یہی کبھی عبادت ہے کبھی تعظیم۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے جو سجدہ کیا، یہ تعظیم تھا، اور نماز کا سجدہ، عبادت۔ جبریل امین خدمت اقدس میں باادب تلمیذ کی طرح دو زانو بیٹھے، یہ تعظیم اور قعدہ میں عبادت۔ روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت دست بستہ کھڑا ہونا تعظیم، اور نماز میں عبادت ہر عام حالات میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑے رہتے ہیں، یہ نہ تعظیم ہے نہ عبادت، اور کسی مقتداء دینی کے لیے کھڑے ہو گئے یا اس کے سامنے کھڑے ہیں تو یہ تعظیم، اور مالکیہ کے یہاں مطلقاً نماز میں اور احناف و شوافع کے یہاں رکوع کے بعد سجدے سے پہلے کھڑا ہونا عبادت۔

اس لیے ماننا پڑے گا کہ تعظیم و غیر تعظیم عبادت و غیر عبادت میں سب کو امتیاز آتا ہے، البتہ الفاظ کے قالب میں اسے ڈھالنا ذرا متعذر رہے، اور یہ صرف عبادت اور تعظیم ہی کی بات نہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو سب جانتے ہیں، مگر اس کی تعریف پوچھو تو کم ہی لوگ بتا پائیں گے، مکان و زمان، حرکت و سکون، کون نہیں جانتا مگر ذرا اس کی تعریف پوچھ کر دیکھو! اور ان کی جو تعریفیں کی جاتی ہیں کتنی آسان ہیں، وہ فلسفے کے متعلم اور معلم سے پوچھو۔

غیر مقلدین کی خود ساختہ تعریف کا ردّ بلیغ

آج کل کچھ لوگوں نے عبادت کی تعریف یہ گھڑ لی ہے کہ کسی کو مافوق الفطرت قوت کا مالک اعتقاد کر کے اس کی قربت ورضا کی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اصل کرنے کے لیے کوئی کام کرنا[1] یہ تعریف نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، نہ صحابہ سے منقول ہے نہ علمائے سلف سے، نہ علماء خلف سے۔ انعامی اعلان کے باوجود آج تک نہیں بتایا گیا اور نہ قیامت تک کوئی بتا سکتا ہے اور بداہۃً باطل ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ساری اُمت ہی نہیں انبیاء کرام خود اللہ عزوجل، مشرک ہو۔ وہ یوں کہ بنصِ قرآنی ثابت ہے کہ انبیاء کرام میں فوق الفطرت قوتیں تھیں، کہ یہ بھی ثابت ہے کہ اُمتیوں میں بھی تھیں۔ حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے وحوش وطیور و جنات کا تابع ہونا، ہوا کا ان کے قابو میں ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا اور عصا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی کی مورت میں جان ڈالنا، مادرزاد اندھے اور برص والے کو شفاء دینا، مردے جلانا، حضرت آصف بن برخیا کا سینکڑوں میل کی دوری سے بلقیس کا منوں وزنی تخت پلک جھپکنے کے اندر لانے کی قوت، یہ سب مافوق الفطرت قوتیں ہی تو ہیں، پھر یہ تعریف بالمجہول۔ فوق الفطرت کی تحدید کیا ہے، اس کو کوئی صاحب متعین کر دیں اور تعریف بالمجہول، تجہیل محض و باطل۔ اس لیے یہ تعریف من گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ لایعنی المنجر الی الکفر ہے۔ (پوری تفصیل کے لیے بجرڈیہہ کی روداد مناظرہ کا مطالعہ کریں)

"ما المسؤل عنها باعلم من السائل" کی محققانہ بحث

ما المسؤل عنها باعلم من السائل. قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا، وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہاں نفی اسم تفضیل پر داخل ہوئی، جو صرف معنی تفضیل کی نفی کرتی ہے، بالکلیہ مشتق منہ کی نفی نہیں کرتی، جس کا مفاد یہ ہوا کہ قیامت کے بارے میں، میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو، اُتنا میں بھی جانتا ہوں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے، بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے علم میں ہم اور تم برابر ہیں۔ اس قدر پر علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی دونوں شارحین کا اتفاق ہے کہ یہ تساوی فی العلم پر دلالت کرتا ہے۔ عینی میں ہے:

مشعرة بوقوع الاشتراك فى العلم والنفى توجه على الزيادة فيلزم ان يكون معناه انهما متساويان فى العلم به. (ج ا ص ۲۹۳) یہ علم میں اشتراک کو بتا رہا ہے اور نفی زیادت کی طرف متوجہ ہے، اس لیے لازم ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ دونوں اس کو جاننے میں برابر ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ قیامت کب آئے گی، یہ جبریل بھی جانتے تھے اور حضور اقدس ﷺ بھی جانتے تھے، اس پر قرینہ ہی نہیں بلکہ بڑی مضبوط دلیل ابوفروہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

فنكس فلم يجبه ثم اعاد فلم يجبه ثلاثا ثم رفع رأسه وقال ما المسؤل عنها الحديث. اس سوال پر حضور نے سر جھکا لیا، کوئی جواب نہیں دیا، تین بار یہی ہوا تو سر اقدس اُٹھایا اور فرمایا: مسئول عنہا سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ (فتح ج ا ص ۱۱۲، عینی ج ا ص ۲۸۴)

اگر حضور اقدس ﷺ کو قیامت کا علم نہ تھا اور اس جملے کا یہی مطلب ہے کہ تمہاری طرح میں بھی نہیں جانتا تو دیگر سوالات کے جواب کی طرف بلا توقف کیوں نہیں فرما دیا۔ اتنے غور کی کیا حاجت تھی کہ انہیں تین بار سوال دُہرانا پڑا۔ بات بالکل صاف ہے کہ اگر نہ جانتے ہوتے تو بلا توقف فرما دیا ہوتا، لیکن بات یہ ہے، جانتے تھے مگر بتانے کی اجازت نہ تھی، تو اگر فرماتے کہ میں نہیں بتاؤں گا تو جو

[1] روداد مناظرہ بجرڈیہہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس سوال سے مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوتا' اور اگر فرماتے کہ میں نہیں جانتا تو جھوٹ ہوتا۔ اس لیے غور فرما کر ایسا جواب دیا کہ نکتہ شناس سمجھ جائیں اور راز' راز رہے۔

اس سوال کی وجہ علامہ قرطبی نے یہ بتائی ہے:

المقصود من هذا السوال كف السامعين عن السوال عن وقت الساعة لانهم كانوا قد اكثروا السوال عنها فلما حصل الجواب بما ذكر حصل الياس من معرفتها. (عینی ج۱ص۲۹۱)

اس سے مقصود سامعین کو قیامت کے وقت کے بارے میں سوال سے روکنا تھا' کیونکہ اکثر لوگ اس کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ جب یہ جواب مل گیا تو سامعین کو اس کے جاننے سے مایوسی ہوگئی۔

اور اگر بالفرض یہی مراد لے لیا جائے کہ نہ جاننے میں مساوات مراد ہے' تو اس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ اس وقت نہیں جانتے تھے۔ یہ اہلِ سنت کے عقیدے کے معارض نہیں۔

علم غیب کے سلسلہ میں اہل سنت کا عقیدہ

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ جمیع ما کان وما یکون حتیٰ کہ غیوب خمسہ کا بھی علم آپ کو عطاء فرمایا گیا' اس لیے تکمیل قرآن کے پہلے اگر کچھ غیوب آپ پر مخفی رہے تو یہ اس عقیدے کے معارض نہیں۔ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ حدیث تکمیل قرآن کے بعد کی ہے۔

نبوۃ کا معنیٰ' اور غیب دانی خاصہ نبی ہے

اس کی توضیح یہ ہے کہ علم غیب کے سلسلے میں دو مرتبے ہیں' ایک یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب جانتے تھے' یعنی قدر معتد بہٖ یہ ابتدا ہی سے ہے' اس لیے کہ نبی کے معنیٰ ہیں: غیب کی خبر دینے والے۔ المنجد میں ہے: "النبوة الاخبار عن الغيب او المستقبل بالهام الله. النبى المخبر عن الغيب او المستقبل بالهام الله"[۱] اس کے ترجمہ مصباح اللغات میں ہے جو ایک فاضل دیوبندی کا ہے: اللہ کے الہام سے غیب کی خبریں بتانے والا' آئندہ کی پیش گوئی کرنے والا۔ علاوہ ازیں نبی کے خواص لازمہ میں غیب دانی ہے۔ علامہ عبدالباقی زرقانی علی المواہب میں لکھتے ہیں:

قال الغزالى النبوة عبارة عما يختص به النبى ويفارق به غيره وهو يختص بانواع منّ الخواص. احدها انه يعرف حقائق الامور المتعلقة بالله وصفاته وملائكته والدار الآخرة علما مخالفا لعلم غيره بكثرة المعلومات وزيادة الكشف والتحقيق. ثانيها ان له فى نفسه صفة بها تتم الافعال الخارقةُ للعادة كما ان لنا صفة تتم بها الحركات المقرونة بارادتنا وهى القدرة. ثالثها ان له صفة بها يبصر الملائكة ويشاهدهم كما ان للبصير صفة بها يفارق الاعمىٰ. رابعها ان

نبوت وہ وصف ہے جو نبی کے ساتھ خاص ہے' جس کی وجہ سے وہ غیر سے ممتاز ہوتا ہے' نبی چند قسم کے خواص کے ساتھ مختص ہوتا ہے' اوّل یہ کہ نبی اللہ عزوجل اور اس کی صفات اور فرشتوں اور دارِ آخرت سے متعلق اُمور کی حقیقت جانتا ہے۔ کثرتِ معلومات کشف وتحقیق کی زیادتی کی وجہ سے نبی کا یہ علم دوسروں کے علم سے ممتاز ہوتا ہے۔ ثانی: نبی میں ایک صفت (قوت) ہوتی ہے' جس کی وجہ سے وہ معجزات دکھاتا ہے' جیسے ہمیں یہ قوت ہے کہ ہم اپنے ارادے سے جو چاہتے ہیں' کرتے ہیں' یہی قدرت ہے۔ ثالث: نبی میں ایک قوت ہوتی ہے' جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے' جیسے

[۱] ص ۷۸۴

له صفة بها يدرك ما سيكون في الغيب. بینا کے اندر ایک قوت ہے' جس کی وجہ سے وہ اندھے سے علیحدہ ہے۔ رابع: اسے ایک ایسی قوت حاصل ہوتی ہے' جس سے یہ جان (ج ا ص ۱۹-۲۰) لیا کرتا ہے کہ غیب میں کیا ہوگا۔

اسی لیے نبی اس وقت تک نبی نہ ہوگا' جب تک غیب دان نہ ہو' اسے غیب دانی پر قدرت نہ ہو' اس مرتبے میں جمیع علم ما کان وما یکون کا علم داخل نہیں۔ قدر معتد بہ لازم ہے' جیسے ہر مسلمان کو دینی باتوں کا علم ہے مگر ہر مسلمان عالم نہیں کہلاتا۔ عالم وہ ہے جو دین کے معتد بہ علم سے مشرف ہو۔ اس درجے میں دس بیس بلکہ سو دو سو باتوں کا نہ جاننا عالم ہونے کے منافی نہیں۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بھی بعض سوالوں کے جواب میں فرمایا: ''لا ادری'' میں نہیں جانتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے ہی سوالوں کے جواب میں فرمایا: ''لا ادری''۔

اسی طرح جب نبی علم غیب قدر معتد بہ جانتا ہے' بلکہ اسے یہ قوت ہے کہ غیب جان لیا کرے تو دس بیس یا بالفرض سو دو سو غیب کی باتوں پر اگر اطلاع اس درجے میں نہ ہوئی تو یہ نبی کے غیب دان ہونے کے منافی نہیں' جیسے سیدنا امام اعظم اور امام مالک کا چند مسائل کا نہ جاننا' ان کے امام اعظم اور امام مجتہد ہونے کے منافی نہیں۔

دوسرا درجہ ''جمیع ما کان و مایکون'' کا حصول' یہ کب حاصل ہوا؟

دوسرا مرتبہ یہ ہے: جمیع ما کان وما یکون اور علوم خمسہ بشمول علم قیامت جاننے کا۔ یہ مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ حاصل ہوا۔ تکمیل قرآن کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں' جو اس دعویٰ کے منافی ہو۔

جب حدیث جبریل کے بارے میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ نزول قرآن کی تمامیت کے بعد کی ہے' تو یہ حدیث اہل سنت کے عقیدے کے مزاحم نہیں۔

رہ گیا اس کا ثبوت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام قیامت کا علم تھا' اس کے لیے الدولۃ المکیہ' الفیوض الملکیہ' الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں۔ سردست صرف علامہ ابراہیم بیجوری قدس سرہ کے شرح قصیدہ بردہ کی ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں:

ولم يخرج صلى الله عليه وسلم من الدنيا الا بعد ان اعلمه الله تعالى بهذه الامور الخمسة. اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر اس کے بعد کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں باتوں کا علم عطا فرما دیا۔ (ص ۴۷)

علامات قیامت

علامات قیامت کثیر ہیں' مگر اس حدیث میں صرف تین بیان فرمائیں۔ اوّل: لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔

اس حدیث میں ''ربتها'' کا لفظ آیا ہے' یہ ''ربٌّ'' کی تانیث ہے' رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔ اضافت کے ساتھ اس کا اطلاق ہر پالنے والے پر آتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو فرمایا:

اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ (یوسف: ۲۳) یہ تو میری پرورش کرنے والا ہے' اس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا۔

عرف میں اس کے معنی آقا اور مالک کے بھی آتے ہیں۔ بیع سلم میں ''ربّ المال'' کا لفظ عام ہے۔ اس حدیث میں آقا ہی کے معنی میں ہے۔ بلا اضافت ''رب'' کا اطلاق اللہ عزوجل کے علاوہ دوسرے پر جائز نہیں' بلکہ کفر ہے۔ غیر خدا پر اضافت کے ساتھ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کا اطلاق یہ عربی کے ساتھ خاص ہے۔ ہمارے عرف میں اضافت کے ساتھ بھی غیر خدا پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رؤساء معززین بلکہ بادشاہانِ وقت بھی لونڈیوں کو بیبیوں کی طرح رکھیں گے' ان سے اولاد ہوگی' یہ اولاد اپنی ان ماؤں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے جو آقا لونڈی کے ساتھ کرتا ہے' بلکہ بادشاہ وقت کی لونڈی کے بطن سے جو اولاد ہوگی' ان میں بادشاہ ہوں گے اور یہ مائیں ان کی رعایا۔

یا مراد یہ ہے کہ لونڈیوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگی' ناخدا ترس لوگ اُمِ ولد کو بھی بیچ ڈالیں گے اور وہ پھر دست بہ دست بکتی ہوئی اپنی اولاد کی ملکیت ہوگی۔

یہ دونوں علامتیں ظاہر ہو چکیں' شاہانِ بنی عباس میں سوائے امین کے سب لونڈی زاد تھے۔

یا یہ کنایہ ہے' اس بات سے کہ لوگ اپنی حقیقی ماں کے ساتھ لونڈی جیسا برتاؤ کریں گے۔ ماں کو لونڈیوں کی طرح رکھیں گے' ان کی حق تلفی' نافرمانی کریں گے' ایذاء پہنچائیں گے' یعنی اولاد اپنی ماں کے ساتھ آقا کی طرح برتاؤ کرے گی۔ یہ تاویل مذکورہ متن پر بالکل چسپاں ہے کہ فرمایا: عورت اپنے آقا کو جنے گی۔

یہ اس طرح کہ عورت کا لفظ عام ہے' آزاد اور لونڈی دونوں کو' بلکہ عربی میں ''اِمْــرَأَةٌ'' لفظ قریب قریب آزاد عورت کے ساتھ خاص ہے۔

یہاں حدیث دولفظوں کے ساتھ مروی ہے: ''رَبَّهَا'' اور ''رَبَّتَهَا''۔ ''رَبَّتَهَا'' کے معنی مالکہ کے ہیں' اس کا بھی وہی حاصل ہے کچھ مبالغہ کے ساتھ۔ لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے ماں کی زیادہ اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ اب حدیث کا یہ مفہوم ہوا کہ لڑکے تو لڑکے' لڑکیاں اپنی ماؤں کے ساتھ مالکہ جیسا برتاؤ کریں گی۔

دوم: ننگے بدن' ننگے پاؤں رہنے والے' گونگے' بہرے' سردار اور حکمران ہوں گے۔

سوم: بھک منگے' کالے اونٹوں اور بکریوں کے چرانے والے محل میں فخر کریں گے۔

آج جو دنیا کا حال ہے' اس کو دیکھو! چودہ سو برس کی یہ غیب کی خبر کس طرح حرف بہ حرف ثابت ہو رہی ہے۔

علوم خمسہ کی بحث

ارشاد فرمایا: قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں ہے' جنہیں اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا' جیسا کہ سورۂ لقمان کی اس آیت میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ م بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌO (لقمان:۳۴)	بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور مادہ کے پیٹ میں کیا ہے' جانتا ہے' کل کیا ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا اور کوئی اپنے اٹکل سے نہیں جانتا کہ کہاں مرے گا؟ بے شک اللہ جاننے والا' بتانے والا ہےO

اب یہاں سوال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ علوم خمسہ اپنے محبوب ﷺ کو بتائے یا نہیں؟ احادیث میں بہ کثرت ایسے واقعات ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان باتوں کی خبر دی۔

حضرت امام حسن کی ولادت سے پہلے' حضرت عباس کی اہلیہ اُمِ الفضل سے فرمایا: فاطمہ کے ایک بچہ ہوگا' اس کی پرورش تم کرو گی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جنگ بدر کے ایک دن قبل فرمایا: یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے، ویسا ہی ہوا۔
جنگ احزاب کے خاتمہ پر فرمایا: اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکتے۔
جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا: کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں، اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عطاء فرمائے گا۔ دوسرے دن جھنڈا حضرت علی کو دیا اور فتح حاصل ہوئی۔
فتح مکہ سے پہلے حضرت علی اور حضرت زبیر کو بھیجا کہ خاخ تک چلے جاؤ، وہاں ایک عورت ملے گی، اس کے پاس خط ہے، اسے مع خط پکڑ کر لاؤ۔
ایک حدیث[1] میں ہے کہ فرمایا: جب سب لوگ مر جائیں گے، بارش ہوگی، جس سے سب کے جسم اپنی حالت پر ہو جائیں گے۔
حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نے اپنی وفات اور مدفن کی خبر دی، فرمایا:

عسٰی ان لا تلقانی بعد عامی ھٰذا لعلک اَنْ تَمُرَّ بمسجدی و قبری.
اس سال کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو سکے گی، اب تم میری مسجد اور میری قبر سے گزرو گے۔

تو جب ان علوم خمسہ میں سے اتنے اُمور کو حضور جانتے تھے تو معلوم ہوا کہ حدیث کے اس ارشاد اور آیہ کریمہ میں حصر صرف علم ذاتی واجب قدیم غیر مخلوق ممتنع الزوال کے اعتبار سے ہے، یعنی ان چیزوں کا علم ذاتی ازلی واجب قدیم صرف اللہ عزوجل کو ہے۔ ان چیزوں کا علم ذاتی ازلی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔
رہ گیا علم عطائی حادث ممکن، یہ نہ اللہ عزوجل کی صفت اور نہ شرعاً عقلاً جائز کہ ان اُمور کا علم، بلکہ مطلق علم بلکہ باری عز اسمہٗ کی کوئی صفت، عطائی حادث ممکن ہو۔ اس پر اجماع اُمت ہے کہ جو شخص باری تعالیٰ کی کسی بھی صفت کو عطائی یا حادث یا ممکن مانے وہ کافر ہے، تو پھر یہ کہنا کہ علم عطائی حادث ممکن بھی باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔
اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ ''فی خمس لا یعلمھن الا اللّٰہ'' اور آیہ کریمہ ''اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ'' (لقمان: ۳۴) میں علم سے مراد علم ذاتی واجب قدیم ہے، یا علم عطائی حادث ممکن یا مطلق علم۔ اب اگر کہیں کہ علم عطائی حادث مراد ہے تو لازم ہے کہ باری تعالیٰ کا علم، عطائی حادث ممکن ہو اور یہ کفر بلکہ مجموعہ کفریات، اور اگر کہیں کہ مطلق علم مراد ہے خواہ ذاتی واجب قدیم خواہ عطائی حادث ممکن، تو بھی محذور مذکور اپنی جگہ کہ پھر بھی لازم آئے گا کہ باری تعالیٰ کا کچھ علم عطائی حادث ممکن ہے اور اللہ عزوجل کی کسی بھی صفت کو عطائی حادث ممکن ماننا بالاتفاق کفر ہے۔
اس لیے شق اوّل متعین کہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کا علم ذاتی قدیم واجب باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور ان چیزوں کا علم ذاتی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔

اہل سنت انبیاء کرام و اولیاء عظام کے لیے علم غیب عطائی مانتے ہیں......اس کی تائیدات

ہم اہل سنت انبیائے کرام یا ان کے توسط سے اولیاء کرام کے لیے ان علوم خمسہ کا یا دیگر غیوب کا علم مانتے ہیں تو بہ عطائے الٰہی مانتے ہیں۔ ان کے علم کو علم عطائی حادث ممکن مانتے ہیں، ہماری اس تقریر کی تائید میں چند علماء معتمدین کے ارشادات سنئے! اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب
مراد یہ ہے کہ ان اُمور غیبیہ کو اللہ عزوجل کے بتائے بغیر عقل

[1] مشکوٰۃ، ص ۴۸۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عقل کس اینہا راند اند۔ از امور غیب اندکہ جز خدا کسے آں را نداند۔ مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بداند۔

کے حساب سے کوئی نہیں جانتا' سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ وحی یا الہام کے ذریعہ بتادے۔

عارف باللہ ملا احمد جیون' استاذ' سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہما نے تفسیراتِ احمدیہ میں فرمایا:

ولك اَنْ تقول اِنَّ علم هٰذه الخمسة وان كان لا يعلمه الا اللّٰه لكن يجوز ان يُّعَلِّمها من يشاء من محبيه واولياء ه بقرينة قوله تعالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ علٰى ان يكونَ لخبير بمعنى المخبر. (ص۴۰۵)

تم کو چاہیے کہ یہ کہو کہ ان پانچوں کا علم صرف اللہ کو ہے' لیکن جائز ہے کہ اللہ عزوجل اپنے محبین' اولیاء میں سے جسے چاہے بتا دے' اس پر قرینہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''بے شک اللہ جاننے والا' بتانے والا ہے''۔ اس طرح کہ خبیر معنی میں مخبر کے ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے:

اى من حيث ذاتها. واما باعلام اللّٰه العبد فلا مانع منه كالانبياء وبعض الاولياء. قال تعالٰى: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَاشَاءَ. (البقرة:۲۵۰) وَقَالَ تَعَالٰى: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (جن:۲۶-۲۷) قالَ العلماء الحق انه لم يخرج نبيّنا من الدنيا حتّٰى اطلعه اللّٰه تعالٰى. (ج۳ص۲۶۰)

یہاں مراد علم ذاتی ہے' رہ گئی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عطاء فرمائے' اس سے کچھ مانع نہیں جیسے انبیاء' اولیاء' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کے علم میں سے لوگ اتنا ہی پاتے ہیں جتنا وہ چاہتا ہے' اور فرمایا: عالم الغیب اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو اپنے غیب پر مسلط نہیں فرماتا۔ علماء نے فرمایا: حق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلع فرمادیا (ان پانچوں پر بھی)۔

بحث کے اختتام پر بخاری کے شارحین جلیلین اجلین' علامہ عینی وعلامہ قسطلانی کے ارشاد کو جو انہوں نے اسی حدیث جبریل کے تحت ارقام فرمائے ہیں' ہدیۂ ناظرین کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں:

فمن ادّعٰى علم شىء منها غير مستند الٰى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان كاذبًا فى دعواه.

(عینی۔ج۱ص۳۲۷' فتح الباری۔ج۱ص۱۱۴)

جو شخص حضور اقدس ﷺ کی طرف نسبت کیے بغیر ان پانچ چیزوں سے کسی ایک کا دعویٰ کرے (کہ میں جانتا ہوں) وہ جھوٹا ہے۔

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ان پانچوں میں سے سب کا یا کسی ایک کا مثلاً قیامِ قیامت کا علم' حضور اقدس ﷺ کے بلاواسطے حاصل ہے' وہ جھوٹا ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ نکلا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ان پانچوں کا علم حضور اقدس ﷺ کے واسطے سے ان کے بتانے سے حاصل ہوا' وہ سچا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو ان پانچ چیزوں کا جن میں قیامِ قیامت کا وقت بھی داخل ہے' حاصل ہے۔

اس آیت میں پانچ کی تخصیص کی حکمت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی ہر صفت ذاتی واجب قدیم ہے۔ پھر اس آیت میں پانچ کی تخصیص کیوں ہے؟ اس کا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایک جواب تو ملا احمد جیون قدس سرہٗ نے دیا ہے:

(الف) فائدتہ ان ہذہ الخمسۃ معظم الغیوبات لان مفاتیحہا فانہ ان وقف مثلاً علی ما فی غد وقف علی موت زید وتولد عمرو وفتح بکر و مقہوریۃ خالد وقدوم بشر وغیر ذالک مما فی الغد وھکذا القیاس. (تفسیرات احمدیہ۔ ص ۴۰۵)

اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ معظم غیوب اوران کی کنجیاں ہیں' اس لیے کہ مثلاً اگر کوئی یہ جان گیا کہ کل کیا ہوگا (تو وہ کل رونما ہونے والی ساری باتوں کو) مثلاً زید کی موت' عمر کی پیدائش' بکر کی فتح' خالد کی مغلوبیت' بشر کی آمد وغیرہ کو جان جائے گا۔ علیٰ ھذا القیاس!

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی اہمیت کی وجہ سے ان پانچوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

(ب) دوسری وجہ ان پانچ چیزوں میں علمِ قیامت بھی ہے' اوپر گزر چکا کہ علمِ قیامت کے بارے میں بہ کثرت سوالات ہوتے تھے اور خود جبریل امین نے قیامت کے بارے میں سوال کیا' اس لیے اس کی تخصیص فرمائی۔

(ج) عرب کے کاہن' نجومی' علم مافی الغد وغیرہ جاننے کے مدعی تھے' ان کی تکذیب کے لیے بالخصوص ان کو ذکر فرمایا۔

بعض منکرینِ علمِ رسول نے ذاتی اور عطائی کی تقسیم کو تدقیقات فلسفیانہ[1] کہہ کر مسترد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

ذاتی وعطائی کا فرق نہ ماننے والوں کا ردّ

اس پر گزارش ہے کہ اگر اس فرق کو تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن مجید' احادیث کریمہ میں اتنا زبردست تعارض پڑے گا کہ اُٹھائے نہ اُٹھے گا۔ مثلاً ارشاد ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ. (النمل:۶۴)

فرمادو کہ زمین وآسمان کے رہنے والوں میں کوئی غیب نہیں جانتا ہے سوائے اللہ کے۔

اور فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ. (آل عمران:۱۷۹)

اللہ کی یہ شان نہیں (اے عام لوگو!) کہ تمہیں علم غیب دے دے' ہاں! اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کے لیے چن لیتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰى غَیْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن:۲۶)

عالم الغیب اپنے علم غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔

بولئے! اس تعارض کا کیا جواب ہے؟ علاوہ ازیں حضور اقدس ﷺ کے بارے میں فرمایا: ''وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ O'' (التوبہ:۱۲۸) مسلمانوں پر بہت مہربان رحم فرمانے والے ہیں O

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بارے میں فرمایا:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ O (یوسف:۵۵)

میں حفاظت کرنے والا' علم والا ہوں O

انسان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا O (دھر:۲)

ہم نے انسان کو سننے والا' دیکھنے والا بنادیا O

[1] ـ بوارق منثور نعمانی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور خود قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے اپنے آپ کو رؤف' رحیم' حفیظ' علیم' سمیع' بصیر فرمایا۔ اس تعارض کا کیا جواب ہوگا؟

اس لیے اس فرق کو ماننا ناگزیر ہے کہ اللہ عزوجل کی ہر صفت ذاتی' واجب' قدیم' غیر متناہی' غیر مخلوق اور انبیاء' اولیاء اور تمام مخلوقات کی ہر صفت عطائی' حادث' ممکن' متناہی' مخلوق اور یہی فرق علم غیب میں بھی ہے۔ آیاتِ نفی میں مراد علم ذاتی' قدیم' واجب غیر متناہی' غیر مخلوق اور آیاتِ اثبات میں علم عطائی' ممکن حادث' متناہی مخلوق۔

اس بحث کو اگر بہ تمامہا دیکھنا ہو تو الدولۃ المکیۃ' الفیوض الملکیہ' خالص الاعتقاد' ادخال السنان' الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں۔ اس حدیث پر کلام کچھ تفصیلی ہو گیا۔

ع لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

٤٤- ح: [اَلْإِتِّقَاءُ مِنَ الْمُشْتَبِهَاتِ حِفَاظَةُ الدِّيْنِ]

٤٤ - عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَّا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَّرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

مشتبہات سے بچنا دین کی حفاظت ہے

عامر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت نعمان بن بشیر سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: حلال و حرام دونوں الگ الگ ممتاز ہیں' ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے' جو مشتبہ چیزوں سے بھی بچے' اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا' اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑا' وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چرائے' اس کا خطرہ قوی ہے کہ یہ جانور شاہی چراگاہ میں چلے جائیں' سن لو! ہر بادشاہ کی محفوظ شاہی چراگاہ ہوتی ہے' سن لو! اللہ کی زمین میں اس کی شاہی چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں' سن لو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' اگر یہ ٹھیک ہے تو پورا جسم ٹھیک ہے' اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا' سن لو! وہ دل ہے۔

(بخاری۔ کتاب الایمان۔ ۳۹۔ کتاب البیوع۔ ۲۔ کتاب المساقاۃ۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸' مسلم۔ کتاب البیوع' ترمذی۔ کتاب البیوع۔ ۱' نسائی۔ کتاب البیوع۔ ۱۔ کتاب القضاۃ۔ ۱۱' ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ ۱۴' ابوداود۔ کتاب البیوع۔ ۲' دارمی۔ کتاب البیوع' مسند امام احمد۔ ۱' وغیرہ)

عامر

یہ شعبی سے مشہور ہیں' ان کی کنیت ابوعمرو' نام عمرو تھا۔ اجل تابعین میں سے ہیں' ان کے معتمد اور ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔ انہوں نے سینکڑوں صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا' خود فرمایا: میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی ہے' کوفہ کے قاضی تھے۔ خلافت عثمان کے چھٹے سال پیدا ہوئے اور پہلی صدی گزرنے کے بعد ۱۰۱ھ لغایت ۱۰۶ھ میں اسی سے زائد عمر پا کر وصال فرمایا' مزاج میں خوش طبعی تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

یہ بھی صحابی ہیں اور ان کے والد اور والدہ بھی۔ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا' یہ نعمان بن بشیر ہیں۔ جب کوفہ' حضرت مسلم' امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت لینے گئے تو یہ کوفہ کے گورنر تھے۔ یہ بہ ظاہر لوگوں کو بیعت سے منع کرتے تھے اور اندر ترغیب دیتے تھے اور تباہ کاروان اہلِ بیت کو یزید پلید نے انہیں کی سپردگی میں مدینہ واپس کیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے حمص کے والی تھے' جب اہل حمص نے بغاوت کر دی تو یہ حمص سے نکل کر' دمشق یا کہیں اور جا رہے تھے۔ خالد بن خلی کلاعی نے' دمشق اور حمص کے مابین' یوم واسط کے معرکے میں انہیں گھیر کر ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں شہید کر دیا۔ نعمان نام کے تیس سے زائد صحابہ ہیں' مگر نعمان بن بشیر صرف یہی ہیں۔ ان کی ماں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھیں' ان سے ایک سو چودہ حدیثیں مروی ہیں۔

مشتبہات کی تفسیر

مشتبہات سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں چار اقوال ہیں: (۱) وہ چیزیں جن کا حلال یا حرام ہونا قرآن و حدیث میں صراحۃً مذکور نہ ہو' اور حلت و حرمت کے دلائل کے تعارض کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا ہو کہ یہ حلال ہیں یا حرام (۲) علماء کے مابین مختلف فیہ چیزیں' یہ بھی دلائل میں تعارض ہی کی وجہ سے ہو گا' اس لیے یہ بھی اوّل ہی میں داخل ہو گئیں' لیکن یہ ممکن ہے کہ قسم اوّل سے مراد وہ چیزیں ہوں کہ جن کے بارے میں کسی نے بھی کوئی ایک رائے نہ قائم کی ہو' اور سبھی مجتہدین متردّد ہوں' یقیناً ایسی چیزوں سے بچنے ہی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔ رہ گئیں وہ چیزیں جن کے بارے میں مجتہدین نے کوئی رائے قائم کر لی' جیسے کہ ہزار ہا مسائل ایسے ہیں۔ جن سے بچنے کے حکم کا یہ مطلب ہو گا کہ ان تمام کو ترک کر دیا جائے۔ ان سب کے ترک میں کتنی قباحت ہے' وہ علماء سے پوشیدہ نہیں۔ اُمت کا اس پر عملاً اجماع مؤلف ہے کہ جو شخص جس مجتہد کا مقلد ہے' اس کے فیصلے پر عمل کرے' اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں' ہاں جہاں تک ہو سکے اختلافِ علماء سے بچے (۳) اس سے مراد مکروہات ہیں (۴) خلاف اولیٰ مراد ہیں۔

ابن منیر اپنے شیخ قیاری سے ناقل ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ مکروہ حلال و حرام کے مابین ایک گھاٹی کے مثل ہے' جو بے باکی سے مکروہات کا ارتکاب کرتا رہے گا' اس کے لیے خطرہ ہے کہ حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھے' یوں ہی جرأت کے ساتھ جو بے دغدغہ خلاف اولیٰ پر عمل کرتا رہے گا' اس کے لیے خطرہ ہے کہ مکروہ کا ارتکاب کرنے لگے اور پھر حرام تک پہنچ جائے۔

اس کی تائید ابن حبان کی اس روایت سے ہوتی ہے' جس میں یہ زائد ہے:

اجعلوا بین الحلال والحرام سترة من الحلال من فعل ذالك استبرأ لعرضه ودينه وَمَنْ اِرْتَعَ فيه كان المُرتع في جنب الحمٰى يوشكُ ان يقع فيه.

حلال و حرام کے درمیان حلال کا پردہ رکھو' جس نے یہ کیا' اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جس نے اس میں (یعنی حلال و حرام کی درمیانی چیز میں) منہ مارا' وہ شاہی چراگاہ کے پہلو میں چرنے والے کے مثل ہے' خطرہ ہے کہ شاہی چراگاہ میں نہ جا پڑے۔

حلال و حرام کے مابین مکروہات و خلاف اولیٰ ہی ہیں' تو متعین ہو گیا کہ یہی دونوں مراد ہیں' مگر اس تقدیر پر حلال سے حلال قطعی اور حرام سے حرام قطعی مراد ہوں گے ورنہ مکروہات اور خلاف اولیٰ درمیانی چیز نہ ہو سکیں گے' لیکن حدیث میں ایک لفظ ہے: ''لا یعلمها كثير من الناس'' اسے بہت لوگ نہیں جانتے' یعنی یہ کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام' اگرچہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ یہ متعین کر رہا ہے کہ اس سے مراد مجتہد فیہ اُمور ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اب ضروری ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص کیا جائے جن پر تحقیقاً یا تقلیداً اس کا حکم منکشف نہیں ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ جن باتوں کے بارے میں تمہیں یہ نہ معلوم ہو کہ یہ حلال ہیں یا حرام ان سے بچو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ حرام ہی ہوں کہ مشکوک کے استعمال کی عادت پڑی رہے گی تو حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھو گے۔ اس کی تائید خود امام بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو کتاب البیوع میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

فمن ترك ما شبه عليه من الاثم كان لما استبان له اترك وَمَنْ اِجترأ على ما يشك فيه من الاثم او شك ان يواقع ما استبان. (بخاری۔ ج ۱ ص ۲۷۵)

جب آدمی ایسی چیزوں کے قریب نہیں جائے گا جن میں گناہ کا شبہہ ہے تو جس کا گناہ ہونا ظاہر ہو اس سے اور زیادہ دور رہے گا اور جو ایسی چیزوں پر جرأت کرے گا جن کے گناہ ہونے نہ ہونے کا پہلو برابر ہے تو اس سے کیا بعید کہ کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مشتبہات سے وہی چیزیں مراد ہیں، جن کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ نہ ہوا ہو فیصلے کے بعد وہ مشتبہات میں داخل ہی نہیں ہیں۔ حلال بیّن یا حرام بیّن میں داخل ہو گئیں۔

رہ گئیں وہ چیزیں جن کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ یہ حلال ہیں یا حرام یا جس مجتہد کا مقلد ہے، اس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، وہ مشتبہات میں داخل ہیں، ان سے اجتناب ہی کرنا چاہیے، جیسے نبیذ تمر کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دے دی جائے تو اسے حرام نہیں کہوں گے، مگر خود استعمال نہیں کرتا۔ مشہور مثال خچر کا جھوٹا پاک ہے کہ ناپاک، یہ مشکوک ہے، اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

ان دقیق باتوں سے قطع نظر ایک تفسیر وہ بھی ہے، جو خود امام بخاری نے کتاب البیوع میں کی ہے کہ کسی مخصوص جزوی واقعہ میں کسی چیز کے بارے میں شک ہو جائے تو اس سے بچا جائے، مثلاً ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس مرد اور عورت کو دودھ پلایا ہے تو ان کی آپس میں شادی نہ کی جائے، یا جیسے خود حدیث میں ہے کہ گھر میں ایک کھجور تھی، حضور نے اسے نہیں تناول فرمایا کہ شاید یہ صدقہ کی ہو، یا جیسے شکار کے لیے اپنے شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا، کسی طرف سے کسی غیر مسلم نے بھی چھوڑا تھا، شکار پر دونوں کتے ملے، یہ معلوم نہیں کس نے پکڑا تھا تو نہ کھایا جائے۔

اس سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ حضرت بشر حافی کی بہن امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دریافت فرمایا: ہم اپنی چھتوں پر سوت کاتتے ہیں، حکام کی مشعلیں جب نکلتی ہیں تو ہم پر روشنی پڑتی ہے۔ اس روشنی میں کاتیں یا بند کر دیں؟ دریافت فرمایا: کون ہو؟ بتایا کہ بشر حافی کی بہن ہوں، رونے لگے، فرمایا: ورع تمہارے گھر سے نکلا ہے، تم اس روشنی میں مت کاتو۔

حضرت مالک بن دینار چالیس سال تک بصرہ میں رہے، اخیر دم تک وہاں کی کھجور نہیں کھائی۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ شاہی چراگاہ ظاہر ہے کہ عمدہ سے عمدہ ہوگی، سرسبز و شاداب ہوگی، جانور جب اس کے قریب رہے گا تو یہ خطرہ بالکل سامنے ہے کہ جانور اس میں جا پڑے۔ نفس امّارہ کی نظر میں حرام چیزوں میں بہت کشش ہوتی ہے، جب کوئی ان مشتبہ چیزوں پر عمل کرلے گا، جن کا سرا حرام چیزوں سے ملا ہوا ہے تو اندیشہ ہے کہ نفس امّارہ انسان کو گناہوں میں مبتلا کر دے، اس لیے اپنی آبرو اور دین بچانے کے لیے ضروری ہے کہ مشتبہ باتوں سے بھی دور رہیں۔

دل کی اہمیت

سلسلہ اسباب کی رو سے دل ہی کا نشان سب سے پہلے ماں کے پیٹ میں بنتا ہے اور خلقت تام ہونے اور نفخ روح کے بعد بھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سب سے پہلے حرکت میں آتا ہے اور مرنے کے وقت سارے اعضاء بیکار ہو جانے کے بعد یہی سب کے بعد بند ہوتا ہے اور یہی روح کا مرکز ہے۔ اسی کی حرکت پر حیات کا مدار ہے' جس طرح ظاہر جسم میں اس کی حیثیت حاکم کی ہے' اسی طرح باطن میں بھی یہی حکمران ہے' یہ اگر درست ہے تو سب درست' یہ اگر بگڑا تو سب بگڑے۔ خیالات دل ہی میں پیدا ہوتے ہیں' وہیں جڑ پکڑتے ہیں' پھر دل ہی حکم کرتا ہے تو اعضاء اسے عملی جامہ پہناتے ہیں' اسی لیے قرآن مجید میں بھی اور احادیث میں بھی مختلف عنوانوں سے دل کی نگہداشت اور تصفیہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور صوفیاء کرام اپنے سارے اعمال و مشاغل پر دل کا تصفیہ مقدم رکھتے ہیں اور اس چیز سے بچتے ہیں جو اس میں مخل ہو۔ حضرت ابراہیم ادھم کے صاحبزادے چھت سے گر کر جان بحق ہو گئے۔ اطلاع ملی تو فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ جو مجھے اس کی طرف سے غافل کرتا' اس کو لے لیا' خود حضور اقدس ﷺ کی عادت تھی کہ کہیں سے مال آتا تو جب تک سب تقسیم نہ فرما لیتے' کاشانے میں تشریف نہ لے جاتے۔ یہ سب وہی دل کی حفاظت ہے کہ دل میں غیر کا گزر نہ ہونے پائے' اور اگر کوئی گزر کرنے کی کوشش کرے تو بار نہ پائے۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ یہ ان تین یا چار حدیثوں میں سے ہے جو مدار اسلام ہیں۔ یہ ثلث اسلام ہے۔ ابن عربی نے کہا کہ اس سے تمام احکام کا استخراج ہو سکتا ہے اور جو بھی عاقل فہیم اس کے معانی پر غور کرے گا' اس پر یہ صداقت واضح ہو جائے گی۔

۴۵- ع: [وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ]

وفد عبد القیس

۴۵- عَنْ اَبِیْ جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ يُجْلِسُنِيْ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَقَالَ اَقِمْ عِنْدِيْ حَتّٰى اَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِّنْ مَالِيْ فَاَقَمْتُ مَعَهٗ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَّاْتِيَكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُّخْبِرْ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَّنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ

ابو جمرہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عباس کے ساتھ بیٹھتا تھا' وہ مجھے اپنے تخت پر بٹھایا کرتے' مجھ سے انہوں نے کہا کہ میرے پاس رہو تا کہ جب میرا وظیفہ آ جائے تو میں تمہیں کچھ دوں' میں ان کے پاس دو مہینے رہا' پھر حضرت ابن عباس نے مجھے بتایا: عبدالقیس کا وفد جب نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دریافت فرمایا: کون لوگ ہو؟ یا فرمایا: کون وفد ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ربیعہ' فرمایا: قوم یا وفد کو مرحبا! نہ رسوا ہوئے نہ شرمندہ ف۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! شہر حرام کے علاوہ اور کسی مہینے میں ہم حاضر نہیں ہو سکتے' ہمارے اور حضور کے مابین کفار مضر کا قبیلہ ہے' ہم کو واضح حکم دیں ف۲ جو ہم اپنے پیچھے والوں کو بتا دیں اور جس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں' انہوں نے پینے والی چیزوں کے بارے میں بھی پوچھا' حضور نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا' صرف اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا' دریافت کیا: کیا جانتے ہو صرف اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں' فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَرَآئکُمْ. محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں' نماز کی پابندی کرنی اور زکوٰۃ دینی اور رمضان کا روزہ رکھنا اور تم لوگ غنیمت سے پانچواں حصہ یاد کرو اور انہیں چار چیزوں سے منع فرمایا: حنتم اور دباء اور نقیر اور مزفت سے۔ ف۳ کبھی مقیر کہتے اور فرمایا: اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بتا دینا۔ ف۴

(کتاب العلم۔باب:تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبد القیس۔کتاب الصلوٰۃ۔باب:قول اللہ منیبین الیہ۔کتاب الزکوٰۃ۔باب:وجوب الزکوٰۃ۔کتاب الجہاد۔باب:فرض الخمس۔باب:مناقب قریش۔کتاب المغازی۔باب:وفد عبد القیس۔کتاب الادب۔باب: قول الرجل مرحباً۔کتاب خبر الواحد۔باب:وصاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفود العرب۔کتاب التوحید۔باب:قول اللہ بل ھو قرآن مجید، مسلم۔کتاب الایمان۔کتاب الاشربۃ' ابوداؤد۔کتاب الاشربہ۔کتاب السنۃ' ترمذی۔کتاب السیر۔کتاب الایمان' نسائی۔کتاب العلم۔کتاب الایمان۔کتاب الاشربہ۔کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد)

ابو جمرہ

ان کا نام نصر بن عمران یا عاصم بن واسع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص تلمیذ اور عظیم المرتبت تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباس وابن عمر اور کثیر صحابہ کرام سے احادیث سنیں۔ یہ نیشاپور میں رہتے تھے' پھر ''ذ'' سرخسی چلے گئے اور وہیں ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ بصرہ میں فوت ہوئے۔ اس کنیت یا جمرہ نام کے صحاح ستہ اور مؤطا میں کوئی راوی نہیں۔ ابو جمرہ کے جد حضرت نوح بن مخلد صحابی تھے۔ جب یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا: کس قبیلے سے ہو؟ عرض کیا: ضبیعہ ربیعہ سے فرمایا: ربیعہ کی شاخوں میں سب سے اچھے عبد القیس ہیں اور عبد القیس میں تمہارا قبیلہ۔

یہ حضرت ابن عباس کی خدمت میں اس وقت حاضر تھے' جب حضرت ابن عباس حضرت علی کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے' حضرت ابن عباس ان کو تخت پر بٹھاتے تھے' یہ عوام اور حضرت ابن عباس کے مابین ترجمانی کا کام انجام دیتے تھے۔

لغات

''سریر'' کی جمع ''اَسِرَّۃ وسُرُرٌ'' ہے' اس کے مندرجہ ذیل معانی ہیں: تخت' زیادہ تر تخت شاہی کے لیے آتا ہے' سر اور گردن کے ملنے کا جوڑ' خواب گاہ' مالک' نعمت' خوش حالی' ٹیلے کی اوپر کی ریت۔ ''وفد'' وہ منتخب لوگ جو مہمات کے سرانجام کرنے کے لیے بادشاہوں' حکام رؤساء کے یہاں بھیجے جائیں۔ بعض نے کہا: وفد کے لیے سوار ہونا ضروری ہے' یہ جمع ہے یا اسم جمع' دونوں قول ہیں۔ وفود اس کی نہیں' وافد کی جمع ہے۔ ربیعہ' یہ نزار بن معد بن عدنان کے بیٹے ہیں' نزار کے دو بیٹے تھے: ربیعہ اور مضر' عبد القیس ربیعہ کی پانچویں پشت میں نیچے ہیں' یہ لوگ بحرین' قطیف' ہجر میں رہتے تھے۔ ''غیر خزایا ولا ندامٰی. خزایا' خِزْیَان'' کی جمع ہے' اس کا مصدر ''خِزْیٌ'' ہے' جس کے معنی رسوا ہونے' ذلیل ہونے کے ہیں۔ ''ندامٰی' ندمان'' کی جمع ہے جو نادم کے معنی میں ہے' یا نادم ہی کی جمع ہے۔ ''الشھر الحرام'' اس سے یہ چار مہینے مراد ہیں: رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم۔ محرم میں الف لام آتا ہے رجب پر نہیں' یہاں حرام کے معنی عزت واحترام والے کے ہیں۔ اہل عرب ان مہینوں میں لڑائی بند رکھتے تھے۔ مضر' یہ ربیعہ کا حقیقی بھائی تھا' یہاں مراد اس کی نسل کے لوگ ہیں جو بنی مضر کہلاتے تھے' اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ''حَنتَم'' سبز رنگ کا گھڑا' مراد مٹی کا ایسا گھڑا ہے جس میں پالش لگا کر چکنا کر دیا گیا ہو' اس میں یہ لوگ شراب بناتے تھے یا دوسری جگہوں سے اس میں شراب آتی تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''دُبَّاء'' پکا ہوا سوکھا کھوکھلا کدو۔ ''نَقیر'' درخت کے تنے کا گودا نکال کر بناتے تھے ''مُزَفَّت'' وہ گھڑا جس پر رال پوت دیا گیا ہو ''مُقَیَّر'' بھی اسی کو کہتے ہیں۔

وفد عبد القیس

یہ وفد ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا' حاضری سے پہلے ہی یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے' یہ کل پینتالیس افراد تھے[1] ان کے امیر حضرت اشج تھے' ان کا نام منذر تھا' اس وفد کی حاضری کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی۔ حضور نے ارشاد فرمایا: تمہارے پاس عبد القیس کا وفد آ رہا ہے جو اہل مشرق کے بہترین لوگ ہیں' ان میں اشج عصری بھی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس وفد کے لوگ جب مدینہ حاضر ہوئے تو سواریوں سے اتر کر تیزی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' اور دست اقدس و پائے مبارک کو بوسے دیئے[2] اور اشج نے اُتر کر اونٹ کو باندھا' سب سامان اکٹھا کیا' غسل کیا' سب سے عمدہ کپڑا پہنا' مسجد میں آئے دو رکعت نماز پڑھی[3] پھر حاضر ہوئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قریب داہیں طرف بٹھایا اور فرمایا: تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں: عقل اور وقار۔

حضرت اشج رضی اللہ عنہ

اس قبیلے کے ایمان لانے کا قصہ یہ ہے کہ اس قبیلے کے ایک فرد منقذ بن حبان مدینہ طیبہ تجارت کے لیے آتے جاتے تھے' ہجرت کے بعد ایک بار جب یہ مدینہ طیبہ میں تھے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منقذ کے قریب سے گزرے' منقذ آگے بڑھ کر آپ سے ملے' حضور نے ان کے قبیلے اور ممتاز لوگوں کے احوال نام بہ نام دریافت فرمائے۔ منقذ مسلمان ہو گئے' سورۂ فاتحہ وغیرہ یاد کر کے اپنے وطن ہجر واپس گئے' چھپ چھپا کر نماز پڑھتے تھے۔ حضور نے ایک والا نامہ بنی عبد القیس کے کچھ لوگوں کے پاس بھیجا' مگر منقذ نے کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ ان کی زوجہ کو اس کی خبر لگ گئی' یہ اشج کی لڑکی تھیں۔ لڑکی نے باپ کو بتا دیا' منقذ اور اشج کی ملاقات ہوئی تو اشج بھی مسلمان ہو گئے' پھر اشج نے اپنی قوم عصر اور محارب کے پاس جا کر والا نامہ پڑھ کر سنایا' اس کے نتیجے میں سب کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا اور یہ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

نبیذ اور اس کا حکم

یہاں اختصار ہے' مسلم شریف میں ہے کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے پوچھا کہ گھڑے میں نبیذ بنانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت ابن عباس نے منع فرمایا' تو ابو جمرہ نے کہا: میں بھی سبز گھڑے میں میٹھی نبیذ بنا کر پیتا ہوں۔ اس سے طبیعت کو قرار حاصل ہوتا ہے فرمایا: مت پی اگرچہ شہد سے زیادہ میٹھی ہو' پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

کھجور' منقی وغیرہ کو پانی میں بھگو دیتے تھے' جب اس کا اثر پانی میں آ جاتا ہے تو اس کا پھوکس پھینک کر صاف پانی پیتے تھے' اسی کو نبیذ کہتے ہیں جب تک اس میں نشہ نہ آئے' اس کا بالاتفاق پینا جائز ہے۔ اور نشہ آور ہونے کے بعد حرام۔

ف ۱: کہ بغیر لڑائی کے اسلام قبول کر لیا' نہ تم میں کوئی قتل ہوا نہ قیدی بنایا گیا' جس سے تمہیں شرمندگی اور رسوائی ہوتی۔

ف ۲: یعنی ایسے اعمال وعقائد بتا دیں جن کی پابندی سے اللہ عزوجل راضی ہو جائے اور ہمیں جنت عطاء فرمائے' اس لیے کہ جنت کا حصول محض اس کے فضل وکرم سے ہے۔ عقائد و اعمال اس کے فضل کے لیے ذریعہ و واسطہ ہیں۔

---

[1] ابوداود [2] ابوداود [3] اشعۃ اللمعات۔ ج ۴۔ باب: المصافحۃ والمعانقۃ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اللہ اور رسول کا استعمال

یہ لوگ مسلمان تھے' ایمان باللہ کے معنی خوب جانتے تھے' یہ عرض لاعلمی ظاہر کرنے کے نہیں' بلکہ ادباً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک ہی صیغہ استعمال کرنا ممنوع نہیں' صحابہ کی سنت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی داخل ہے۔ رسول کا انکار اور اللہ پر ایمان کا ادّعاء حقیقت میں اللہ کا انکار ہے۔ شہادت سے مراد یہ ہے کہ اسے دل سے سچ مانے اور زبان سے ظاہر کرے' ورنہ محض اقرار بلا تصدیق بے کار ہے بلکہ یہی نفاق ہے۔

ایمان اور اعمال میں تغایر...... اس کی دلیل

اس حدیث میں الایمان باللہ پر اقام الصلوٰۃ وغیرہ کا عطف اس کی دلیل ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء نہیں' ورنہ عطف صحیح نہ ہو گا۔ اقام الصلوٰۃ سے مراد یہ کہ نماز کی پابندی کریں اور جملہ شرائط کے ساتھ اچھی طرح ادا کریں۔ یہاں حج مذکور نہیں' اس لیے کہ اس وقت حج فرض نہ ہوا تھا' یہ واقعہ ۸ھ کا ہے اور حج ۹ھ میں فرض ہوا۔

چونکہ جہاد فرض ہو چکا تھا اور مالِ غنیمت میں خمس بیت المال کے لیے منجانب اللہ متعین ہے' اس لیے انہیں خمس ادا کرنے کی خصوصیت سے ہدایت فرمائی' ان کی کفار مضر سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث پر ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ پہلے چار چیزوں کا حکم دیا اور بیان فرمایا پانچ۔ شہادت' نماز' زکوٰۃ' روزہ' خمس کی ادائیگی اور اگر اقام الصلوٰۃ وغیرہ کو شہادۃ پر عطف مانیں تو یہ سب ایمان باللہ کی تفسیر ہوں گے اور سب مل کر ایک ہوں گے' پھر تین رہ گئے۔ علامہ نووی نے یہ جواب دیا کہ اصل مقصود چار ہی ہیں' یہ لحاظ فرما کر کہ یہ قوم مجاہد ہے' ادائیگی خمس کا مزید حکم دیا اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

ف۳: ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان میں شرابیں بناتے تھے اور دوسری جگہوں سے ان میں شراب لاتے تھے' ان برتنوں کے استعمال کرنے سے شراب کی یاد آتی۔ اندیشہ تھا پھر کہیں شراب نہ پینے لگیں' لہٰذا حکم دیا کہ ان برتنوں کو بھی استعمال نہ کرو' جن سے شراب کا لگاؤ تھا۔

ف۴: اس سے معلوم ہوا کہ حکم شرعی بتانے کے لیے ضروری نہیں کہ انسان پورا عالم ہو' جس کو جو حکم شرعی یا دینی بات معتمد طریقے سے معلوم ہو اور اچھی طرح یاد ہو تو دوسروں کو بتا سکتا ہے۔

ت ۱۲ - قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ. نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! جہاد اور نیت باقی ہے۔

(مسلم' ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ کتاب الحج' ترمذی۔ کتاب السیر' نسائی۔ کتاب الحج۔ کتاب البیعۃ' دارمی۔ کتاب السیر' مسند امام احمد)

پوری حدیث یوں ہے: ”لا هجرة بعد الفتح الخ“ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں' ہاں! جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب تم جہاد کے لیے بلائے جاؤ تو گھر سے نکلو۔ پوری حدیث بخاری کے باب: الحج' الجہاد' جزیہ وغیرہ میں موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب جبکہ مکہ فتح ہو گیا اور دارالاسلام ہو گیا تو مکہ سے ہجرت کر کے حصولِ خیر کا دروازہ بند۔ ہاں! جہاد اور نیت حسنہ کے ساتھ اعمال خیر کر کے جتنا چاہو ثواب حاصل کرو۔ اس سے خاص وہ ہجرت جو اس عہد میں تھی' مراد ہے' یعنی مدینہ طیبہ ہجرت کرنا' ورنہ گزر چکا کہ ہجرت مطلقہ قیامت تک باقی رہے گی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

٤٦- ح: اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِہٖ

[جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے]

٤٦- عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِہٖ یَحْتَسِبُھَا فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور اس کی نیت ثواب کی ہو تو یہ اس کے لیے صدقہ (کارِ ثواب) ہے۔

(بخاری۔ کتاب النفقات۔ باب: فضل النفقۃ علی الاھل۔ ص ۸۰۵، مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ۔ ص ۳۲۸، نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ ص ۶۰، دارمی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الاستیذان۔ ص ۳۵، مسند امام احمد)

٤٧- ح: لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ

[تم جو بھی خرچ کرو اس سے تمہاری نیت رضائے الٰہی ہو]

٤٧- عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْھَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فَمِ امْرَاَتِکَ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جو بھی خرچ کرو اور اس سے تمہاری نیت رضاء الٰہی ہے تو تم کو اس پر ثواب ملے گا یہاں تک کہ اپنی زوجہ کے منہ میں جو لقمہ ڈالو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

(کتاب الجنائز۔ مفصل۔ باب: رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ۔ ص ۱۷۳، کتاب المغازی۔ کتاب حجۃ الوداع۔ ص ۶۳۳، کتاب المرضیٰ۔ باب: قول المریض انی وجع۔ ص ۸۴۶، کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء یرد الوباء۔ ص ۹۴۳، کتاب الفرائض۔ باب: میراث البنات، مسلم۔ کتاب الوصیۃ۔ ص ۵۰، ابوداؤد۔ کتاب الوصایا۔ ص ۲، ترمذی۔ کتاب الوصایا۔ ص ۱، موطا امام۔ کتاب الوصیۃ۔ ص ۴، دارمی۔ کتاب الوصایا، مسند امام احمد)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا نام عقبہ ہے یہ بنی خزرج کے فرد جلیل القدر انصاری صحابی ہیں۔ عقبہ ثانیہ اور بدر کے علاوہ تمام مشاہد میں شریک رہے۔ امام بخاری و ابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ بدر میں بھی شریک رہے، یہ بدری کے ساتھ مشہور ہیں، لیکن ایک فریق یہ کہتا ہے کہ مقام بدر میں اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے بدری کہلاتے ہیں۔ ان سے ایک سو دو احادیث مروی ہیں۔ نو متفق علیہ اور ایک افرادِ بخاری اور سات افرادِ مسلم سے ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۴۰ھ سے قبل وصال فرمایا۔ صحابہ میں ایک یہ ابومسعود نام کے اور دوسرے صاحب غفاری ہیں۔

ان دونوں احادیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی مباح کام بھی بہ نیت خیر کیا جائے تو اس پر بھی ثواب ہے۔ اہل وعیال کی پرورش انسان کرتا ہی ہے لیکن اگر ان کی پرورش رضاء الٰہی کے لیے ہو تو اس پر بھی ثواب ہے۔

باب ۱۲- اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ

دین خیر خواہی ہے، اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکموں اور عام مسلمانوں کے لیے۔

(مسلم۔ کتاب الایمان، ابوداؤد۔ کتاب الادب، نسائی۔ کتاب البیعۃ، محمد ابن اسحٰق بن خزیمہ۔ کتاب السیاسۃ، تھوڑے تغیر و الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر کیے۔)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لغات

"اَلنَّصِیْحَۃُ. نصحتُ العسلَ" سے ماخوذ ہے یعنی میں نے شہد کو آلائش و گندگی سے پاک و صاف کیا کسی کے ساتھ سچی خیر خواہی جس میں کوئی فریب نہ ہو نصیحت ہے۔ "اَئِمَّۃ" امام کی جمع ہے اس کے معنی پیشوا کے ہیں خواہ دینی پیشوا ہو جیسے سلف صالحین، ائمہ مجتہدین یا دنیوی جیسے سلطان اسلام اور حکام اسلام یا دونوں جیسے خلفاء راشدین۔

یہ حدیث بھی جوامع الکلم میں سے ہے اپنے اندر معانی کا بے پایاں خزانہ رکھتی ہے یہاں تک کہ پورے دین کو محیط ہے مثلاً اللہ کے ساتھ نصیحت کا معنی یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات پر ایمان لائیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں نہ ذات نہ صفات نہ عبادت میں۔ اسے صفات جلال و کمال کے ساتھ متصف مانیں ہر عیب و نقص سے اسے منزہ مانیں۔ اس کی کتاب کو حق مانیں اس کی کما حقہ تلاوت کریں اس پر عمل کریں اس کی نشر و اشاعت کریں رسول کے ساتھ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسالت کی تصدیق کریں سارے جہاں سے زیادہ ان سے محبت رکھیں۔ سارے جہاں سے بڑھ کر ان کی تعظیم کریں ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی برداشت نہ کریں ان کے احکام کی پابندی کریں جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کے قریب نہ جائیں۔ ان کی ہمیشہ حمایت کریں ان کی سنت زندہ رکھیں ان کے آداب و اخلاق کو عادت بنائیں ان کے اصحاب و اہل بیت سے محبت کریں۔ اللہ اور رسول کے ساتھ نصیحت حقیقت میں بندے اور اُمتی کی طرف راجع ہے۔ اللہ اور رسول ناصح کی نصیحت سے مستغنی ہیں۔ سلاطین و حکام کے لیے نصیحت یہ ہے کہ ہر جائز حکم میں ان کی اطاعت کریں اور ہر حق بات میں ان کی مدد کریں۔ غلطی پر نرمی سے سمجھائیں بلا ضرورت شرعیہ ان کے خلاف تلوار نہ اُٹھائیں وغیرہ وغیرہ۔ ائمہ مجتہدین کے لیے نصیحت یہ ہے کہ ان کی روایت قبول کریں احکام میں ان کی تقلید کریں ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں۔ عامۂ مسلمین کے لیے نصیحت یہ ہے کہ ان کی دنیا و آخرت کے مصالح میں رہنمائی کریں خیر کی تلقین کریں برائی سے روکیں انہیں دین کی تعلیم دیں نیکی میں ان کی مدد کریں ان کے عیوب چھپائیں ان پر شفقت کریں وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نصیحت فرض کفایہ ہے۔ جب معلوم ہو کہ اس کی نصیحت قبول ہو گی اور اسے کوئی ضرر نہیں پہنچایا جائے گا اور اگر اسے اس کا اندیشہ ہو تو اسے اختیار ہے نصیحت کرے تو بہتر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ عامۂ مسلمین میں یہ بھی داخل ہے اپنے لیے نصیحت یہ ہے کہ ہر وقت خوف خدا رکھے اور شریعت کا پابند رہے۔

۴۸ - ح: [اَلنُّصْحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ اَلدِّیْنُ] ہر مسلمان کی خیر خواہی دین ہے

۴۸ - عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز کی پابندی زکوۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر۔

(بخاری نے کتاب مواقیت الصلوۃ۔ کتاب البیعۃ علی الصلوۃ۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: البیعۃ علی ایتاء الزکوۃ۔ کتاب البیوع۔ باب: ھل یبیع حاضر لباد۔ کتاب الشروط۔ باب: اول، مسلم نے کتاب الایمان میں نسائی نے کتاب البیعۃ میں دارمی نے کتاب البیوع میں امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی احمسی رضی اللہ عنہ

بنی کہلان سے تھے یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے قبل والے رمضان یعنی ۱۰ھ میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور مذکورہ بیعت کی اس بیعت کو اتنا نبھایا کہ ایام فتنہ میں الگ تھلگ رہے۔ ایک بار ان کا غلام ایک گھوڑا تین سو میں خرید کر لایا گھوڑا بہت عمدہ تھا۔ دیکھ کر مالک کے پاس تشریف لائے فرمایا: یہ گھوڑا تین سو سے زیادہ کا ہے اسے آٹھ سو دیا اور فرمایا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہیں نے رسول اللہ ﷺ سے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی بیعت کی ہے۔ نہایت حسین و جمیل تھے اس لیے ان کو اس امت کا یوسف کہتے تھے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی پھر قرقیسا رہنے لگے تھے وہیں ۵۱ھ میں وصال فرمایا ان سے سو حدیثیں مروی ہیں آٹھ بخاری اور مسلم دونوں نے تنہا بخاری نے ایک اور مسلم نے چھ لی ہیں۔

۴۹ - عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَالْوَقَارِ وَالسَّكِيْنَةِ حَتّٰى يَاْتِيَكُمْ اَمِيْرٌ فَاِنَّمَا يَاْتِيْكُمُ الْاٰنَ ثُمَّ قَالَ اسْتَعْفُوْا لِاَمِيْرِكُمْ فَاِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اُبَايِعُكَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهُ عَلٰى هٰذَا وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّيْ لَنَاصِحٌ لَكُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

(ایضاً۔ کتاب الشروط۔ باب: اوّل۔ کتاب الاحکام۔ باب: کیف بایع الامام، مسلم۔ کتاب الایمان، نسائی۔ کتاب البیعۃ)

زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا جس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا یہ (منبر پر) کھڑے ہوئے پہلے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا: تم لوگوں پر لازم ہے کہ صرف اللہ سے ڈرو! جو اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور وقار و سکون کے ساتھ رہو یہاں تک کہ تمہارا کوئی حاکم آ جائے اور وہ ابھی آئے گا پھر کہا: اپنے متوفی امیر کے لیے دعائے مغفرت کرو اس لیے کہ وہ معاف کرنے کو پسند کرتے تھے پھر فرمایا کہ ان سب کے بعد سنو! میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام کی بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضور نے مجھ پر یہ شرط لگائی: اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتے رہنا میں نے اس پر بیعت کی اس مسجد کے رب کی قسم! میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور اتر آئے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کی جانب سے کوفہ کے حاکم تھے ۵۰ھ میں ان کا وصال ہو گیا چونکہ کوفہ والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی بہت غالب اکثریت تھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ان کو اپنی حسن تدبیر سے رام کیے ہوئے تھے۔ ان کے وصال کے بعد اندیشہ تھا کہ کوئی شورش نہ ہو جائے اس لیے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ دیا اور انہیں وقار و سکون کے ساتھ رہنے اور شورش و انتشار سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت حضرت جریر کو اپنا نائب بنا دیا تھا اس لیے انہوں نے یہ خطبہ دیا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت مغیرہ کے وصال کی خبر ملی تو انہوں نے زیاد بن سمیہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

اس حدیث میں خیر خواہی کے لیے مسلمان کی قید احترازی نہیں کافر کے ساتھ بھی خیر خواہی لازم ہے۔ کافر کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اسے اسلام کی دعوت دے۔

❁❁❁❁❁

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳- کِتَابُ الْعِلْمِ

[علم کا بیان]

علم کی تعریف

صحیح یہ ہے کہ علم اجلیٰ بدیہیات سے ہے‘ ہر خاص وعام جانتا ہے کہ علم کیا چیز ہے‘ اس لیے یہ اصطلاحی تعریف سے مستغنی ہے‘ نیز اس کی تعریف بہت زیادہ مشکل ہے‘ ہزار ہا سال غور وخوض بحث وتمحیص کے بعد بھی آج تک منقح نہ ہو سکی‘ ہمارے حضرات ماتریدیہ نے علم کی تعریف یہ کی: علم ایک ایسا نور ہے جو اللہ عزوجل نے انسان کے قلب میں پیدا فرمایا ہے کہ اس سے جس چیز کا تعلق ہوتا ہے‘ وہ منکشف ہو جاتی ہے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی قوت ہے۔

علم کی تقسیم

یہاں امام بخاری کا مقصود علم کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنا نہیں‘ بلکہ علم کے متعلقات بیان کرنا ہے۔ ان کی علم سے مراد علم دین ہے‘ جو اللہ عزوجل کی رضا کا موجب ہے‘ علم کی اپنے متعلقات کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: علم ظاہر‘ علم باطن۔ علم ظاہر علم شریعت ہے‘ تفسیر‘ حدیث‘ فقہ اور اس کے ذرائع‘ علم صرف ونحو‘ لغت‘ معانی‘ بیان وغیرہ۔ علم باطن کی دو قسمیں ہیں: علم معاملہ یعنی دل اور نفس کو پاک صاف ستھرا بنانا‘ اخلاقِ بد ومحرمات سے اجتناب اور اخلاقِ حسنہ‘ خلوص‘ صبر‘ شکر‘ زہد‘ تقویٰ‘ قناعت وغیرہ کا حصول‘ دوسرے علم مکاشفہ‘ یہ وہ علم ہے جو تزکیۂ نفس کے بعد من جانب اللہ تعالیٰ عطاء ہوتا ہے‘ جو باتیں عقولِ متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں‘ ان کا ان کے ذریعہ انکشاف ہوتا ہے‘ مثلاً ذات وصفاتِ باری تعالیٰ وغیرہ[1] علم مکاشفہ سے ہی حضور اقدس ﷺ کی ذات وصفات کی کچھ حقیقت واضح ہوتی ہے۔

”کتاب العلم“ کی ”کتاب الایمان“ سے مناسبت

عمل بغیر علم کے ناممکن ہے‘ اس لیے امام بخاری نے اعمال پر علم کو مقدم کیا اور چونکہ عمل ہو یا علم‘ بغیر ایمان کے عند اللہ کالعدم ہے۔ ایمان ان سب کی بنیاد ہے‘ اس لیے ایمان کو علم سے بھی پہلے ذکر فرمایا‘ اگرچہ ایک وجہ سے علم کو ایمان پر بھی مقدم ہونا چاہیے‘ اس لیے کہ علم کے بغیر ایمان لانا بھی ممکن نہیں‘ مگر چونکہ مقصود یہاں وہی علم ہے جس کا اللہ کی بارگاہ میں اعتبار ہے اور وہ بغیر ایمان معتبر نہیں‘ اس لیے ایمان کو علم پر مقدم کیا۔

---

[1] قسطلانی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

٥٠- ح: [تَضْيِيعُ الْأَمَانَةِ آيَةُ الْقِيَامَةِ]

تضییع امانت قیامت کی علامت ہے

٥٠- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَمَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ أَيْنَ أُرَاهُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔ (اسے امام بخاری نے کتاب الرقاق۔ باب: رفع الامانۃ میں اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے' مسند امام احمد میں بھی ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے بات کر رہے تھے کہ ایک دیہاتی آئے اور پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے رہے' حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے کہا: حضور نے اس کا سوال سنا' مگر ناپسند فرمایا (اس لیے جواب نہیں دیا)' کچھ لوگوں نے کہا: سنا ہی نہیں' جب آنحضور بات پوری کر چکے تو فرمایا: قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ ان دیہاتی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں! ارشاد فرمایا: جب امانت ضائع کی جائے' قیامت کا انتظار کرو۔ انہوں نے عرض کیا: امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: جب نااہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

اعرابی

عرب کے دیہاتوں میں رہنے والوں کو اعرابی کہتے ہیں' اعرابی اگر صحابی ہے تو اس کا ترجمہ گنوار نہیں کرنا چاہیے' گنوار تحقیر کے لیے بولا جاتا ہے اور صحابہ کی تحقیر جائز نہیں۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں' ایک یہ کہ سائل کو لازم ہے کہ جب شیخ یا مفتی کسی سے بات میں مشغول ہو تو اس وقت سوال نہ کرے' جب بات پوری کر لے تو سوال کرے اور زیادہ ادب یہ ہے کہ جب وہ متوجہ ہو تو سوال کرے' دوسرے یہ کہ قاضی' مفتی' مدرس کو چاہیے کہ حاضر ہونے والوں میں اقدم فالاقدم کی ترتیب کا لحاظ رکھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عالم و شیخ کو چاہیے کہ عوام کی غیر مناسب باتوں پر صبر کرے' بلکہ ان کی ایذاؤں پر بھی۔ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے اور سب کی حاجت پوری کرے۔ ان دیہاتی نے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھا تھا' مگر جواب میں علامت ارشاد فرما کر یہ تلقین کی کہ اگر کوئی سائل اپنی حیثیت سے زائد کا سوال کرے' یا ایسی بات پوچھے جسے ظاہر کرنا مناسب نہ ہو تو اسے کوئی تسلی بخش جواب دے دے۔ یہاں امانت سے صرف مال کی امانت مراد نہیں بلکہ عام ہے' خواہ وہ علم ہو خواہ کوئی دینی یا دنیوی عہدہ' مثلاً قضا' حکومت' افتاء' تدریس' تقریر وغیرہ۔ مراد یہ ہے کہ زمانہ ایسا آئے گا کہ اہل موجود ہی نہ ہوں گے' ناچار نااہل کو کام دیا جائے گا۔ یہ بھی مراد ہے کہ دیانت اُٹھ جائے گی' اہلیت پر کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا بلکہ خوشامد' چاپلوسی و رشوت' رشتہ وغیرہ پر۔

"حَدَّثَ وَأَخْبَرَ" کے مابین فرق

متاخرین محدثین "اَخْبَرَنَا" اور "حَدَّثَنَا" کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ اگر شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے "حَدَّثَنِی" سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر تلمیذ قراءت کرے' شیخ سنے تو "اَخْبَرَنِی" سے' پھر اگر تلامذہ دو یا دو سے زائد ہوں تو بجائے واحد متکلم کے صیغہ جمع متکلم لاتے ہیں' یعنی "حَدَّثَنَا" اور "اَخْبَرَنَا"۔ امام ترمذی کا یہی مسلک ہے' جیسا کہ انہوں نے ترمذی کے اندر میں فرمایا ہے: "قراءة علیه وانا اسمع"۔

"حَدَّثَ وَأَخْبَرَ" میں امام بخاری کے یہاں فرق نہیں

بلکہ متقدمین کے یہاں بھی "حَدَّثَ وَأَخْبَرَ" میں کوئی فرق نہیں' یہی امام بخاری کا مسلک ہے' اپنے مسلک کی تائید میں فرمایا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(۱) ت ۔ مجھ سے حمیدی نے کہا: سفیان بن عیینہ کے نزدیک ''حَدَّثنا'' اور ''اَخبَرَنا'' اور ''سمعتُ'' ایک تھا۔

(۲) ت ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی اور وہ سچے ہیں اور سچے مانے ہوئے ہیں۔

(۳) ت ۔ شقیق نے کہا: عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔

(۴) ت ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔

(۵) ت ۔ ابوالعالیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اس میں جو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) ت ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے، وہ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔

(۷) ت ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے، وہ تمہارے رب تبارک تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی چار تعلیقوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ راویانِ حدیث کبھی ''حَدَّثَنَا'' بولتے ہیں کبھی ''سمعت'' اور دونوں کے معنی ایک ہیں، اور بعد کی تین تعلیقوں سے یہ بتانا ہے کہ سند میں بجائے ''حَدَّثنا'' یا ''سمعت عن فلان عن فلان'' بھی کہنا درست ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو ''حَدَّثنا'' یا ''سمعت'' کا ہے۔

حدیث معنعن

جس حدیث کی پوری سند ''عن'' کے ساتھ مذکور ہو، اس کو معنعن کہتے ہیں، اس کے صحیح ہونے کے لیے امام بخاری کے یہاں یہ شرط ہے کہ تلمیذ اور شیخ میں کسی اور دلیل سے ملاقات ثابت ہو۔ امام مسلم اور دیگر محدثین، لقاء ضروری نہیں جانتے، صرف معاصرت یعنی دونوں کا ایک زمانے میں ہونا ضروری قرار دیتے ہیں، مزید توضیح مقدمہ میں دیکھیں۔ ان ساتوں تعلیقوں کو امام بخاری نے دوسرے مقامات پر سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

''حَدَّثَ'' اور ''اَخبَرَ'' کے معنی ایک ہی ہیں، اس کی دلیل میں امام بخاری نے یہ حدیث پیش فرمائی۔

۵۱- ح: [اَلنَّخْلَةُ] — **نخلہ**

۵۱ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَّا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ قَالَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کے مثل ہے، مجھے بتاؤ! وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا اور میرے جی میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، مگر میں شرم کی وجہ سے نہ بولا، پھر لوگوں نے عرض کیا: حضور بتائیں! فرمایا: یہ کھجور ہے۔

(امام بخاری نے بالفاظ مختلفہ اس حدیث کو یہاں کے علاوہ کتاب العلم میں دو جگہ مزید اور کتاب البیوع۔ باب: بیع الجمار، کتاب الاطعمۃ۔ کتاب الادب۔ باب: لا یستحی من الحق، مسلم۔ کتاب المنافقین، مسند امام احمد، ترمذی، نسائی نے بھی کچھ ردوبدل کے ساتھ ذکر کیا ہے)

لغات

''شَجَرٌ'' تنا دار درخت کو کہتے ہیں، ''مِثْل'' اور ''مَثَل'' دونوں روایت ہے، یہ کلمۂ تشبیہ ہے، مثل کے لغوی معنی نظیر کے ہیں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور عربی معنی کہاوت کے ہیں اور مجازی معنی عجیب وغریب حال کے ہیں، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

وجہ شبہ

مطلب یہ ہے کہ اس درخت کا عجیب وغریب حال مؤمن کے حال کے مثل ہے۔ یہ عجیب وغریب حال یہ ہے کہ کھجور کا درخت جتنا نفع بخش ہے اور کوئی درخت نہیں۔ اس کا پھل نہایت شیریں، لذیذ، مفید ہے۔ اور پھل آتے ہی اسے کھانا شروع کرتے ہیں، پھر پکنے کے بعد سکھا کر رکھ لیتے ہیں، سال بھر کھاتے ہیں، اس کی گٹھلی چوپائے کی غذا ہے، یہ ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہے اور بہت بڑی عمر رکھتا ہے، جب سوکھ جاتا ہے تو بھی نفع بخش، اس کی پتیوں سے چٹائی، ٹوکری بناتے ہیں، تنے کا ستون لگاتے ہیں، اس کے ریشوں کو گدّوں میں بھرتے ہیں۔ ایسے ہی مؤمن ہمیشہ تر وتازہ راضی برضائے الٰہی رہتا ہے، زندگی میں دوسروں کے کام آتا ہے، لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی نفع پہنچاتا ہے۔

استدلال

اوّل: ''اَخْبَرَ'' اور ''حَدَّثَ'' ایک ہی ہے، یہ اسی روایت سے ثابت ہے، اس لیے کہ ''حَدَّثَ'' اور ''اَخْبَرَ'' میں فرق کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر تلمیذ پڑھے اور شیخ سنے تو اس کی تعبیر ''اَخْبَرَ'' ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''حَدِّثونی مَا هِیَ'' حالانکہ صحابہ عرض کرتے تو اس اصطلاح کے مطابق اِخبار ہوتا۔ تلمیذ کے پڑھنے کو حضور نے تحدیث سے تعبیر فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ''حَدَّثنا'' اور ''اخبرنا'' ایک ہی ہے، فرق کرنے والے ''اَخْبَرَنا'' اور ''انبأنا'' کو ایک مانتے ہیں، تو جب ''اَخْبَرَ'' اور ''حَدَّثَ'' ایک تو ''انبأ'' ''حَدَّثَ'' بھی ایک۔

دوم: اس حدیث کے مختلف طرق اور روایت میں الفاظ مختلف ہیں۔ یہاں ''حَدِّثونی'' ہے اور کتاب التفسیر میں یہ روایت نافع ''اَخْبِرُونی'' ہے اور نافع سے اسماعیل کی روایت میں ''اَنْبِئُوْنی'' ہے، خود اسی کتاب العلم میں باب: الحیاء من العلم میں یہ روایت اسماعیل یہ ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''اَخْبِرنا بِهَا'' تو ثابت ہوا کہ ''حَدَّثَ''، ''اَخْبَرَ'' اور ''انبأ'' ایک ہی ہیں۔

تکمیل

مختلف روایات بخاری یکجا کرنے سے یہ حدیث پوری یوں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہم لوگ حاضر تھے، کھجور کی گوند پیش کی گئی، آنحضور نے اسے تناول فرمایا اور فرمایا: ایک ایسا درخت ہے جو مسلمان کی طرح بابرکت ہے، سدا بہار ہے، بتاؤ! وہ کون سا ہے؟ لوگوں کا ذہن جنگلی درختوں کی طرح گیا، لوگوں نے کہا: فلاں درخت ہے، میری سمجھ میں آ گیا کہ یہ کھجور ہے، جی میں آیا عرض کر دوں، لیکن سب سے چھوٹا تو عمر دس سال کا تھا اور حاضرین میں حضرات ابوبکر وعمر بھی تھے، وہ چپ تھے، شرم کی وجہ سے میں چپ رہا۔ پھر حاضرین نے عرض کیا: حضور ہی بتائیں! فرمایا: یہ کھجور ہے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا تو فرمایا: اگر تم بتا دیتے تو مجھے وہ خوشی حاصل ہوتی جو اتنے اتنے سے نہ ہوتی۔

فوائد

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استاذ طلبہ کے امتحان کے لیے سوال کر سکتا ہے۔

(۲) علمی چیستان (پہیلیاں) اس نیت سے پوچھنا کہ تلامذہ کے ذہن میں تیزی پیدا ہو، جائز ہے، لیکن علماء کا امتحان لینے یا انہیں ذلیل کرنے کی نیت سے پوچھنا حرام۔

(۳) حیاء اچھی چیز ہے اگر اس سے کوئی نقصان نہ ہو یا کسی فائدے سے محرومی نہ ہو۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(۴) اپنے بزرگوں کا ادب کرنا چاہیے اور ان کے سامنے بلاضرورت بات نہیں کرنی چاہیے۔
(۵) یہ ہوسکتا ہے کبھی کبھار کوئی نکتہ اجلہ علماء کے ذہن میں نہ آئے اور کسی بچے کے ذہن میں آ جائے۔
(۶) اگر کوئی بزرگ امتحاناً کوئی سوال کرے اور اس کا جواب ذہن میں آ جائے تو عرض کر دینا چاہیے۔

اخذ حدیث کے طریقے

(۱) شیخ خود پڑھے شاگرد نہیں۔
(۲) شاگرد قراءت کرے، استاذ سنے، جیسا کہ زمانہ دراز سے یہی طریقہ رائج ہے، اسے عرض بھی کہتے ہیں۔
(۳) شیخ اپنی کوئی کتاب تلمیذ کو دے، اسے مناولت کہتے ہیں۔
(۴) تلمیذ کوئی کتاب استاذ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کرے کہ اس کی مجھے اجازت دے دیں، استاذ اس کتاب پر اطمینان کر کے شاگرد کو اجازت دے دے، اسے بھی عرض کہتے ہیں، اور حقیقت میں یہ مناولت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حجر نے اسے عرض مناولت کہا ہے۔

چونکہ بعض متشدد محدثین اس کے قائل تھے کہ روایت اسی وقت صحیح ہے جبکہ استاذ خود پڑھے اور تلمیذ سنے، اس لیے امام بخاری نے اس پر بہت زور دیا کہ استاذ کی قراءت تلمیذ پر اور تلمیذ کی استاذ پر دونوں صحیح ہیں، اور بعد میں اسی پر اتفاق ہو گیا۔ اب اس کے بعد یہ اختلاف ہے کہ دونوں برابر ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے، اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔

(۱) تلمیذ کا استاذ کے سامنے پڑھنا زیادہ راجح ہے، یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ابوذئب وغیرہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی مذہب ہے۔
(۲) استاذ کا پڑھ کر تلمیذ کو سنانا، یہ ارجح ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، بعض لوگوں نے کہا: یہ صرف اہل مشرق کے جمہور کا مذہب ہے۔
(۳) دونوں مساوی ہیں، یہی اکثر علماء حجاز و کوفہ اور امام مالک اور ان کے متبعین اہل مدینہ کا اور کثیر جماعت کا مذہب ہے۔

امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری نے اپنی تائید میں اسلاف کے یہ اقوال نقل فرمائے:

(۱) امام بخاری کے استاذ مشہور محدث حمیدی نے اسے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت کیا، یہ حدیث مفصل آ رہی ہے، جس میں یہ ہے کہ حضرت ضمام نے یہ عرض کیا: کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں؟ حضور نے فرمایا: ہاں! یہ استاذ پر قراءت ہوئی، پھر حضرت ضمام نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی تو ان کی قوم نے اسے تسلیم کیا تو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ بھی درست ہے۔
(۲) امام مالک نے دستاویز سے استدلال کیا کہ جب دستاویز میں کسی مُقر کا اقرار لکھا گیا اور اسے پڑھ کر سنایا گیا، اس نے ہاں کہہ دیا تو یہ اس کا اقرار ہو گیا۔ حالانکہ اس نے زبان سے صراحۃً اقرار نہیں کیا ہے، صرف ہاں کہا ہے۔ جن لوگوں نے یہ دستاویز سنی انہیں اسی کے مطابق گواہی دینی جائز ہے، اسی طرح جب قاری مقری کو سنا دے تو اسے جائز ہے کہ یہ کہے: مجھے فلاں نے پڑھایا، نیز امام مالک نے اس پر یہ دلیل بھی بیان فرمائی ہے کہ لوگ قرآن مجید کسی کے سامنے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں: مجھے فلاں نے پڑھایا۔ اسی طرح استاذ پر تلمیذ اگر پڑھے تو تلمیذ کو یہ جائز ہے کہ اس سے روایت کرے۔ امام حاکم نے علوم الحدیث میں بہ طریق مطرف لکھا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ میں سات سال امام مالک کی خدمت میں رہا، میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ اپنا مؤطا انہوں نے پڑھا ہو، ہمیشہ تلامذہ پڑھتے اور یہ سنتے۔ امام مالک اس پر شدید انکار فرماتے، جو یہ کہتا کہ روایت اسی وقت صحیح

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے جبکہ شیخ پڑھ کر سنائے' فرماتے: یہ حدیث میں کیوں نہیں کافی ہوگا جبکہ قرآن میں کافی ہے' حالانکہ قرآن کا رتبہ حدیث سے زائد ہے۔

(۳) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تلمیذ پڑھ کر شیخ کو سنائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۴) امام مالک اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: تلمیذ کا پڑھ کر شیخ کو سنانا اور شیخ کا پڑھ کر تلمیذ کو سنانا برابر ہے۔

۵۲- ح: [ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ]

۵۲ - عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ فَاَنَاخَهٗ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهٗ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ اَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هٰذَا الرَّجُلُ الْاَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا ابْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْاَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ فَقَالَ اَسْاَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ آللّٰهُ اَرْسَلَكَ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ ف۴ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ نُّصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تَصُوْمَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تَاْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ اَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلٰى فُقَرَائِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ اٰمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ وَاَنَا رَسُوْلُ مَنْ وَّرَائِيْ مِنْ قَوْمِيْ وَاَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ اَخُوْ بَنِيْ سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ۔

(اسے ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ میں اور نسائی نے کتاب الصوم میں' ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے)

حدیث ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا' اونٹ کو مسجد کے قریب بٹھایا اور اس کی ران کو پنڈلی سے باندھا' اس کے بعد پوچھا: تم میں محمد کون ہے؟ ف۱ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکیہ لگائے سب کے ساتھ وہیں بیٹھے تھے' ف۲ ہم نے بتایا: یہ گورے شخص جو تکیہ لگائے ہوئے ہیں' حضور سے مخاطب ہو کر اس شخص نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیری بات سن رہا ہوں' اس شخص نے کہا: میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں اور میں کچھ سختی سے سوال کروں گا' آپ اپنے جی میں مجھ پر خفا نہ ہوں۔ ف۳ فرمایا: جو تیرا جی چاہے پوچھ! اس نے کہا: آپ کے پروردگار اور آپ سے پہلے والوں کے پروردگار کی قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا اللہ نے آپ کو سب لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے؟ فرمایا: ہاں! پھر اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں؟ فرمایا: ہاں! ف۵ اس کے بعد اس نے کہا: آپ کو اللہ کی قسم ہے! کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں اس مہینے کا روزہ رکھیں؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں! کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہمارے مال داروں سے زکوٰۃ لے کر ہمارے محتاجوں میں تقسیم کریں؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ف۶ اس کے بعد اس شخص نے کہا: آپ جو کچھ لائے ہیں' سب پر میں ایمان لایا' میں اپنی قوم کا قاصد ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ' سعد بن بکر کا فرد ہوں۔

لغات

"عَقَلَهٗ" اس کا مصدر "عقل" ہے یہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ اونٹ کی ران پنڈلی سے ملا کر باندھنا۔ "بین ظھرانیھم"

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے معنی ہیں: ان کے درمیان'' فلا تجد علی. وجد یجد وجدا'' کا صلہ جب ''علٰی'' آتا ہے تو اس کے معنی غصہ ہونے' خفا ہونے کے آتے ہیں اور جب اس کا صلہ ''بسا'' آتا ہے تو اس کے معنی بہت محبت کرنے کے اور جب اس کا صلہ لام آتا ہے تو اس کے معنی غمگین ہونے کے آتے ہیں۔

مسجد میں بٹھانے سے مراد مسجد کے باہر صحن میں بٹھانا ہے' جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں' جسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا' یہ تصریح ہے کہ اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بٹھایا' پھر اندر آیا اور حضرت انس ہی کی حدیث ابونعیم سے یوں ہے:

حتی اتی المسجد فاناخہ ثم عقلہ فدخل المسجد.

جب مسجد کے قریب آیا تو اس کی ران کو پنڈلی سے باندھا پھر مسجد میں آیا۔

اس میں ''اتی المسجد'' سے قریب المسجد مراد ہونا متیقن ہے' ورنہ ''فدخل المسجد'' کے کیا معنی ہوں گے؟ اسی طرح یہاں بھی ''فی المسجد'' سے مراد مسجد کے قریب ہے۔ ف۱: چونکہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے' آداب نبوت سے واقف نہیں تھے اسی لیے یوں پوچھا۔ ف۲: اس سے معلوم ہوا کہ معززین مجمع میں تکیہ لگا کر بیٹھ سکتے ہیں۔

نام نامی یا کنیت کے ساتھ پکارنا جائز نہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر یا یوں کہے کہ اے عبداللہ یا عبدالمطلب کے بیٹے' ممنوع ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا'' (النور: ۶۳) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے تم میں بعض بعض کو پکارتا ہے۔ اس کی تفسیر صاوی میں یہ ہے:

لا تنادوا باسمہ فتقولوا یا محمد ولا بکنیتہ فتقولوا یا ابا القاسم بل نادوا وخاطبوہ بالتعظیم والتکریم والتوقیر بان تقولوا یا رسول اللّٰہ یا نبی اللّٰہ یا امام المرسلین یا رسول رب العٰلمین یا خاتم النبیین وغیر ذالک واستفید من الآیۃ انہ لا یجوز نداء النبی بغیر مَا یفید التعظیم لافی حیاتہ ولا بعد وفاتہ فبھذا یعلم ان من استخف بجنابہ فھو کافر ملعون فی الدنیا والاٰخرۃ.

ان کا نام لے کر مت پکارو یعنی یا محمد نہ کہو اور نہ کنیت سے بلاؤ' یعنی اے ابوالقاسم نہ کہو' انہیں تعظیم تکریم اور توقیر کے ساتھ بلاؤ اور مخاطب کرو یوں کہ: یارسول اللہ! یا نبی اللہ! یا امام المرسلین! یا رسول رب العٰلمین! یا خاتم النبیین! وغیرہ۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لفظ سے پکارنا جائز نہیں جس میں تعظیم نہ ہو' نہ آپ کی زندگی میں نہ آپ کی وفات کے بعد' نیز معلوم ہوا کہ جو ان کی تخفیف شان کرے وہ کافر اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

مگر چونکہ ضمام ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور نہ اس ادب سے واقف تھے' اس لیے انہوں نے عام دیہاتیوں کا طریقہ اختیار کیا' چونکہ والد ماجد کا ولادت سے پہلے ہی وصال ہو گیا تھا' پرورش عبدالمطلب نے کی تھی' اس لیے عام طور پر لوگ ابن عبدالمطلب کہتے تھے خود غزوۂ حنین کے موقع پر حضور نے اپنے کو ابن عبدالمطلب کہا۔ ف۳: اس سے آزمائش مقصود تھی' اس لیے کہ بادشاہ اس کو برداشت نہیں کرتے اور رسول اس کا تحمل کرتے ہیں۔

اکثر اہل عرب اللہ عزوجل کے وجود کے قائل تھے

ان کا عقیدہ تھا کہ زمین وآسمان اور ساری خلقت کا پیدا کرنے والا اللہ ہے' بتوں کی پرستش کے لیے بھی یہ بہانہ کرتے تھے کہ ہم انہیں اس لیے پوجتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں گے' ف۴: یہاں ''اللّٰھم'' برکت کے لیے ہے۔ ف۵: یہاں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اختصار ہے' اس لیے حج کا ذکر نہیں' ورنہ مسلم وغیرہ کی روایت میں یونہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی حج کا ذکر ہے' اگر چہ ان میں جزوی اختلافات ہیں۔ ف ٦: یہ انشاء ایمان ہے اخبار نہیں' اس لیے کہ ضمام بن ثعلبہ اس سے پہلے ایمان نہیں لائے تھے' یہی تحقیق ہے' ان کے قبیلے والوں کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد' اسلام کی دعوت لے کر پہنچا تو ان کے قبیلے والوں نے انہیں تحقیق حال کے لیے بھیجا تھا' یہ جب خدمت اقدس سے واپس ہوئے اور اپنی قوم کو سب کچھ بتا دیا تو پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا' اس سے معلوم ہوا کہ ضمام بن ثعلبہ' غزوۂ حنین کے بعد حاضر خدمت ہوئے تھے' اس لیے کہ بنو سعد اس کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ ف ٧: یہ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے' جس میں حضور نے پرورش پائی۔

٥٣ - عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نُهِيْنَا فِي الْقُرْاٰنِ اَنْ نَّسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَّجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَيَسْاَلُهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَاَخْبَرَنَا اَنَّكَ تَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ فَقَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ اَللّٰهُ اَرْسَلَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَّزَكٰوةٍ فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ بِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اَللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اَللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اَللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَوَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَآ اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَّلَآ اَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں قرآن میں منع کر دیا گیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں' ہم کو یہ بات پسند تھی کہ دیہات سے کوئی ہوشیار شخص آئے اور حضور سے پوچھے اور ہم سنیں۔ ایک دیہاتی آئے' حضور سے کہا: آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے' فرمایا: اس نے سچ کہا' اس کے بعد اس نے کہا: کس نے آسمان پیدا کیا؟ فرمایا: اللہ عزوجل نے' اس نے کہا: کس نے زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا؟ فرمایا: اللہ عزوجل نے' اس نے کہا: کس نے ان میں منفعتیں رکھیں؟ فرمایا: اللہ عزوجل نے' اس نے کہا: اس کی قسم جس نے آسمان پیدا کیا اور زمین پیدا کی اور پہاڑوں کو کھڑا کیا اور ان میں منفعتیں رکھیں! کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر پانچ نمازیں ہیں اور ہمارے مالوں میں زکوٰۃ ہے' فرمایا: اس نے سچ کہا' اس نے کہا: اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: اور آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر سال میں ایک مہینے کے روزے ہیں' فرمایا: قاصد نے سچ کہا' اس نے کہا: اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج ہے' جسے وہاں تک جانے کی استطاعت ہو؟ فرمایا: قاصد نے سچ کہا' اس نے کہا: اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! میں ان پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ ان میں کچھ کم کروں گا' اس پر نبی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو بلاشبہہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

یہ آنے والے دیہاتی، ضمام بن ثعلبہ ہی ہیں، یہ اور پہلی والی حدیث ایک ہی ہے، لیکن روایت بالمعنی کی وجہ سے الفاظ مختلف ہیں اور دونوں میں کچھ نہ کچھ اختصار اور تفصیل ہے، اس لیے ہم نے اس کو الگ ذکر کیا۔

صحابہ بہ کثرت سوال کرنے سے روک دیے گئے تھے

جب لوگ بہ کثرت سوال کرنے لگے اور سوال کرنے والے ہر قسم کے لوگ تھے، مخلص بھی معاند بھی، معاندین استہزاء بھی سوال کرتے، کوئی پوچھتا: میرا باپ کون ہے؟ کوئی پوچھتا: میری اونٹنی غائب ہے، کہاں ہے؟ نیز چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، جب تک کسی چیز سے ممانعت نہ ہو، وہ مباح ہے، سوال پر حکم نازل ہو جاتا اور بہت سی چیزیں جو مباح ہوتیں، وہ حرام ہو جاتیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ. (المائدہ:۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اُتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اعظمَ المسلمين جُرمًا مَن سأل عَن شيءٍ لم يحرم فحرم مِن اجل مَسْئَلتِه.

مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے کہ ایک چیز حرام نہیں تھی، اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اس کی حرمت بیان کردی گئی۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے

یہ آیت اور حدیث اس کی دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، یعنی جس چیز سے منع نہ کیا گیا ہو، وہ حلال ہے، کسی چیز کے حرام ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

زیادہ اور کم نہ کرنے کا مطلب

یعنی آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اسے من وعن اپنی قوم تک پہنچا دوں گا، نہ اس میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کچھ گھٹاؤں گا۔

مناولت ومکاتبت

مناولت

سابقاً گزر چکا کہ مناولت کا یہ مطلب ہے کہ شیخ اپنی کتاب تلمیذ کو دے کر یہ کہے کہ اس میں وہ حدیثیں ہیں، جو میں نے فلاں سے سنی ہیں یا لی ہیں، تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کتاب کی حدیثوں کو روایت کرو۔

مکاتبت

یہ ہے کہ شیخ احادیث خود لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر کسی کے پاس بھیج دے اور اسے اجازت دے دے کہ ان احادیث کی تم روایت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کر سکتے ہو۔ اس کے قابل اعتبار ہونے کی شرط یہ ہے کہ کتاب مہر بند ہو اور جن کے ہاتھ بھیجے وہ ثقہ عادل ہوں' اگر لے جانے والے ثقہ نہیں تو ناقابل اعتبار ہے' اگرچہ مکتوب مہر بند ہو۔ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ مناولت اور مکاتبت دونوں یکساں معتبر ہیں' دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ مناولت میں استاذ' تلمیذ کو اپنے سامنے کتاب دیتا ہے' اس لیے اس میں بہ نسبت مکاتبت کے قوت زیادہ ہے' دونوں کو معتمد بھی مانتے ہیں' ان دونوں کے معتمد ہونے پر امام بخاری نے مندرجہ ذیل دلائل قائم کیے ہیں۔

ف۔ اوّل: حضرت انس نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے متعدد نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھجوائے' ان سب پر اصل کی طرح سب نے اعتماد کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتنے مصاحف لکھوائے؟

ابوحاتم نے کہا کہ حضرت عثمان نے سات مصحف لکھوائے تھے' جنہیں شام' عراق' بصرہ' کوفہ' بحرین' مکہ' یمن بھیجا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچ نسخے لکھوائے تھے' ایک اپنے پاس رکھا اور چار مختلف ممالک میں بھجوائے۔ ابوعمر دوانی نے کہا: چار لکھوائے تھے' ایک اپنے پاس رکھا اور بقیہ دوسرے ممالک میں بھیجے۔ ابوحاتم سجستانی نے کہا: سات لکھوائے تھے۔ تعداد میں اختلاف ہے' مگر اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے یہاں سے حضرت صدیق اکبر کا جمع فرمودہ صحیفہ منگایا اور اس سے متعدد نسخے لکھوائے اور مختلف ممالک میں بھجوائے۔

ف۔ دوم: عبداللہ بن عمر بن عاصم بن عمر الفاروق اور یحییٰ بن سعید انصاری اور امام مالک نے اسے جائز بتایا۔

ف۔ سوم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس یا بارہ مہاجرین کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو مکہ کی طرف بھیجا' ان کو ایک خط دیا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اسے پڑھنا اور اس میں جو لکھا ہے' اس پر عمل کرنا۔ انہوں نے دو دن کے بعد اسے پڑھا تو اس میں یہ تھا کہ بطن نخلہ تک جاؤ اور قریش کے تجارتی قافلے کی گھات میں رہنا۔ ہمراہی خوشی سے جائیں تو بہتر' کسی کو مجبور مت کرنا' یہ جب بطن نخلہ پہنچے تو قافلہ سامنے آ گیا' یہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ انتیس جمادی الآخرہ کو چاند نکل چکا تھا' انہیں انتیس کے چاند کی خبر نہ تھی۔ تیس جمادی الآخرہ سمجھ کر قافلے پر حملہ کر دیا' عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا اور حکم بن کعب اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ اگر خط لائق اعتبار نہیں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم لکھ کر نہ دیتے۔

ف۔ چہارم: یہ حدیث ذکر فرمائی۔

٥٤- ح: [اَلْكِتَابَةُ اِلٰى كِسْرٰى]

کسریٰ کی جانب والا نامہ

٥٤ - اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ رَجُلًا وَّاَمَرَهُ اَنْ يَّدْفَعَهُ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَهُ مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط بحرین کے حاکم کے پاس ایک شخص کے ہاتھ بھجوایا' بحرین کے حاکم نے یہ خط کسریٰ کے پاس بھجوا دیا' جب کسریٰ نے یہ خط پڑھا تو پھاڑ ڈالا۔ (ابن شہاب نے کہا:) میرا گمان ہے کہ ابن مسیب نے یہ کہا: اس پر حضور نے ایرانیوں کی ہلاکت کی دعا کی کہ وہ پاش پاش ہو جائیں۔

یہاں بھی وہی استدلال کیا ہے کہ اگر مکتوب حجت نہیں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیوں بھیجتے' اور جب کسریٰ نے اسے پھاڑ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ڈالا تو اس پر اتنا جلال کیوں فرمایا؟

٥٥- ح: [خَاتَم]

حدیث خاتم

٥٥ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا اَوْ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ فَقِيْلَ لَهُ اِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُوْنَ كِتَابًا اِلَّا مَخْتُوْمًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَنَسٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا یا خط لکھوانے کا ارادہ فرمایا تو عرض کیا گیا: یہ لوگ صرف مہر بند خط ہی پڑھتے ہیں، تو حضور نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا، گویا میں دست مبارک میں انگوٹھی کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ (شعبہ نے کہا:) میں نے قتادہ سے پوچھا: کس نے کہا کہ اس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت انس نے۔

یہاں بھی وہی استنباط ہے کہ اگر مکتوب، مسموع کے مثل واجب التسلیم نہیں تھا تو خط کیوں لکھا؟

٥٦- ح: ثَلٰثَةُ نَفَرٍ

[تین اشخاص (کا بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا)]

٥٦ - عَنْ اَبِيْ وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ اِذْ اَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَاَقْبَلَ اِثْنَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَرَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَاَمَّا الثَّالِثُ فَاَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ اَمَّا اَحَدُهُمْ فَاَوٰى اِلَى اللّٰهِ فَاٰوَاهُ اللّٰهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ فَاَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ.

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ بھی حضور کے ساتھ تھے کہ تین شخص سامنے سے گزرے، دو شخص تو خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک چلا گیا، یہ دونوں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک نے حلقہ میں گنجائش دیکھی وہاں بیٹھ گیا ف١ اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا ف٢ اور تیسرا چلا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے ف٣ تو فرمایا: کیا میں تمہیں ان تینوں کے بارے میں نہ بتاؤں! ایک نے اللہ کی طرف پناہ لی تو اللہ نے اسے پناہ دی، دوسرے نے حیاء کی تو اللہ نے بھی اس سے حیا فرمائی، اور ایک نے منہ پھیرا تو اللہ نے بھی اس سے نظر رحمت پھیر لی۔

(یہ حدیث امام بخاری نے کتاب الصلوۃ میں بھی ذکر کی ہے اور امام مسلم و ترمذی نے کتاب الاستیذان میں اور نسائی نے کتاب العلم میں امام مالک نے مؤطا۔ باب: السلام میں)

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ

یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حارث بن عوف ہے، بنی کنانہ سے ہیں، راجح یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے، انہوں نے خود فرمایا کہ میں غزوۂ حنین میں شریک ہوا، نیا نیا مسلمان تھا۔ جنگ یرموک میں شریک رہے، آخر عمر میں مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، سال بھر رہنے پائے تھے کہ وصال ہو گیا۔ وہیں مہاجرین کے قبرستان میں آسودہ ہیں، ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے، ٦٨ھ میں پچھتر سال کی عمر پا کر واصل بحق ہوئے، ان سے چوبیس احادیث مروی ہیں۔ یہ ایک حدیث متفق علیہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لیے صحابہ میں ابوواقد دو اور ہیں' ایک ابوواقد مولیٰ رسول اللہ ﷺ' دوسرے ابوواقد نمیری۔

تکمیل

یہ تینوں کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں مسجد اقدس پر نظر پڑی' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں موجود ہیں۔ ایک بلاتوقف حاضر ہوئے اور ایک کچھ دور آگے بڑھ کر پھر واپس ہوئے' دو مجلس میں حاضر ہوئے' ایک نہیں آیا' دونوں نے حاضر ہو کر سلام کیا' پھر بیٹھے۔ ف۱: اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں اگر جگہ خالی ہو تو اسے پُر کر دینا اچھا ہے' بشرطیکہ کسی کو ایذاء نہ دینی پڑے۔ ف۲: مجلس چیر کر جانے میں ضرور کچھ انتشار کا اندیشہ ہوتا ہے' اس لیے جگہ خالی ہوتے ہوئے بھی کنارے بیٹھنا پسندیدہ ہے' یا یہ کہ جگہ اب خالی نہ تھی' اس لیے یہ کنارے بیٹھ گئے' اس تقدیر پر مستفاد ہوا کہ اگر مجلس میں جگہ نہ ہو تو زبردستی گھسنا' لوگوں کو اُٹھا کر یا دبا کر بیٹھنا منع ہے۔

ف۳: کسی کام میں مصروف تھے' اس سے فارغ ہوئے' مثلاً صحابہ کو کوئی مسئلہ تعلیم فرما رہے تھے' وعظ کہہ رہے تھے' اس سے فارغ ہوئے۔

حضور ﷺ کا قرب' قربِ الٰہی ہے......اور اللہ کے حیاء فرمانے کا مطلب

یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے' اسے اللہ کی پناہ سے تعبیر فرمایا تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا قرب' قربِ الٰہی اور ان کے دامن میں پناہ لینی حفظ الٰہی میں پناہ لینی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ علم دین کی مجلس والے اللہ کے حفظ اور اس کی رحمت تلے ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کے حیاء فرمانے سے مراد یہ ہے کہ درگزر فرمائے' رحمت سے حصہ دے' عذاب سے محفوظ رکھے۔

حضور ﷺ سے اعراض' اعراضِ الٰہی ہے

ثابت ہوا کہ حضور سے اعراض' اللہ سے اعراض ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ مجلس خیر ہو رہی ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو اس میں ضرور شریک ہو جانا چاہیے' نیز کسی دینی مقتداء کے سامنے سے گزر ہو تو ان کی مجلس میں ضرور حاضر ہو۔ اور اگر کوئی عذر ہو تو نہ حاضر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تیسرا شخص جو چلا گیا' اسے کوئی عذر نہ تھا' یا یہ کہ وہ منافق رہا ہو' یا اللہ کے اعراض فرمانے سے مراد یہ ہے کہ ثواب سے محروم فرمایا۔

۵۷- ح: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

[حاضر پر لازم ہے کہ غائب تک (میرا یہ ارشاد) پہنچا دے]

۵۷- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ بَکْرَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ ذَکَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلٰی بَعِیْرِهٖ وَاَمْسَكَ اِنْسَانٌ بِخِطَامِهٖ اَوْ بِزِمَامِهٖ قَالَ اَیُّ یَوْمٍ هٰذَا فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ سِوٰی اسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ شَهْرٍ هٰذَا فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اسْمِهٖ فَقَالَ اَلَیْسَ بِذِی الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ

عبدالرحمٰن ابن ابی بکرا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کا تذکرہ کیا کہ حضور (حجۃ الوداع) میں اونٹ پر جلوہ فرما تھے' ایک صاحب نے نکیل تھامی' پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ ہم لوگ خاموش رہے' یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس دن کا اور کوئی نام رکھیں گے' فرمایا: کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: ہاں ہے' پھر فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم لوگ چپ رہے' یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ اس کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰى لَهٗ مِنْهُ.

اور کوئی نام رکھیں گے' پھر فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے! ہم نے عرض کیا: جی ہاں! پھر فرمایا: بے شک تمہارے خون' تمہارے مال تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت' اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں ہے' حاضر کو لازم ہے کہ غائب کو میرا یہ ارشاد پہنچا دیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب میرے ارشاد کو زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔

(امام بخاری نے یہ حدیث کتاب الحج اور کتاب التفسیر اور کتاب بدء الخلق اور کتاب الاضاحی اور کتاب الفتن میں بھی ذکر فرمائی اور امام مسلم نے کتاب الدیات میں اور نسائی نے کتاب الحج اور کتاب العلم میں' ابوداؤد نے کتاب التطوع میں' ابن ماجہ نے مقدمہ میں' دارمی نے کتاب المناسک میں اور امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کی ہے)

عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ

تابعی' حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے فرزند ہیں' ۱۴ھ میں پیدا ہوئے' یہ سب سے پہلے مولود ہیں' جو بصرہ میں مسلمانوں میں پیدا ہوئے' اپنے والد اور حضرت علی وغیرہ سے حدیث سنی' ۹۹ھ میں وفات پائی۔

یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی بہ اختلاف الفاظ ذکر کی ہے۔ ابن مندہ نے اپنے مستخرج میں سترہ صحابہ سے یہ حدیث روایت کی ہے' ف! : یہی دلیل ہے کہ یہ خطبہ دس ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا۔

یہ صاحب کون تھے......اور یہ خطبہ کب دیا تھا؟

یہ صاحب کون تھے؟ تین قول ہیں: ایک یہ کہ حضرت بلال تھے' اس کی تائید نسائی کی حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے' انہوں نے کہا کہ میں نے حج کیا اور دیکھا کہ بلال آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری کی نکیل پکڑے' اسے کھینچ رہے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صاحب حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ تھے' جیسا کہ سنن میں خود ان سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اس موقع پر میں ناقہ مبارکہ کی نکیل پکڑے رہتا' پھر انہوں نے اس خطبہ کا کچھ حصہ ذکر کیا۔ تیسرے یہ کہ یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اس کی تائید بہ طریق ابن مبارک عن عون' اسمٰعیلی کی روایت سے ہوتی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سواری پر بیٹھے بیٹھے یوم النحر میں خطبہ دیا اور میں سواری کی نکیل تھامے ہوئے تھا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہی صواب ہے۔

یہ خطبہ یوم النحر دسویں ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا' جس پر حدیث کا یہ حصہ "کیا یہ یوم النحر نہیں" دلالت کرتا ہے۔ نیز کتاب الحج میں اس کی تصریح ہے کہ یہ خطبہ یوم النحر کو دیا تھا اور منٰی میں ارشاد فرمایا تھا' جیسا کہ کتاب الحج میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں تصریح ہے کہ جمرات کے درمیان ارشاد فرمایا تھا۔

خود امام بخاری نے کتاب الحج اور کتاب الاضاحی میں اور امام مسلم وغیرہ نے جو روایات ذکر کیں' ان میں یہ ہے: ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں! حضور خاموش رہے' یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس کا کچھ اور نام رکھیں گے اب اس روایت میں جو "فسکتنا" ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ "اللّٰہ ورسولہ اعلم" کہہ کر ہم خاموش ہو گئے اور حضور نے بھی کچھ دیر خاموشی اختیار فرمائی' پھر دوسرا سوال کیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تکمیل

یہاں کی روایت میں اختصار ہے، سوال صرف دو ہیں، مگر کتاب الحج، کتاب الاضاحی کی روایت میں یہ سوال زائد ہے: ''ای بلد هٰذا'' یہ کون سا شہر ہے؟ اسی وجہ سے اخیر میں ''فی بلد کم هٰذا'' کے اتنا اور زائد ہے کہ فرمایا: تم بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو، اور اخیر میں فرمایا: سنو! کیا میں نے پہنچا دیا، سنو! کیا میں نے پہنچا دیا، لوگوں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا: اے اللہ! گواہ رہ۔ اور روایتوں میں تقدیم و تاخیر ہے۔

شاہد کے معنی ''حاضر'' ہیں

یہاں شاہد کے معنی حاضر متعین ہے اور اس پر اجماع ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ''شــــاھــد'' کے معنی حاضر ہیں، اور حاضر اگر اندھا نہیں تو اسے ناظر ہونا لازم اس لیے آیت کریمہ ''اِنَّـــا اَرْسَـلْـنَـاكَ شَـاهِـدًا'' میں شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر کرنا، اس حدیث کے مطابق ہے۔

فوائد

حدیث کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعد میں آنے والا بہ نسبت اگلے کے حدیث کو زیادہ یاد کر لے۔ اور زیادہ اچھی طرح سمجھ لے، اگر چہ بہت کم ہی سہی۔ اس لیے کہ ''او عـــی'' کے معنی زیادہ یاد کر رکھنے والا ہے اور زیادہ سمجھنے والا ہے۔ عینی میں ہے: ''من الوعی وھو الحفظ والفھم''۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطیب عند الضرورت جانور پر سوار ہو کر خطبہ دے سکتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ خطیب کو سامعین سے بلند مقام پر ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، بلکہ مجمع اگر زیادہ ہو تو ایسا کرنا بہتر ہے تا کہ آواز دور تک پہنچے اور لوگ خطیب کو دیکھ سکیں۔

ان العلماء ھم ورثۃ الانبیاء ورثوا العلم من اخذہ اخذ بحظ وافر وَمَنْ سَلَكَ طریقا یطلب العلم سھّل اللّٰہ لہ طریقًا الی الجنۃ.

بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے علم ہی میراث چھوڑی، جس نے علم حاصل کیا، اس نے پورا حصہ پالیا، جو علم طلب کرنے کے لیے کوئی راستہ طے کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔

یہ حدیث کا جز ہے، پوری حدیث حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم دین کی تحصیل کے لیے سفر کرے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے، طالب علم کی رضا کے لیے فرشتے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان والے اور زمین والے اور مچھلیاں پانی کے اندر دعائے مغفرت کرتی ہیں، بے شک عالم کی فضیلت عابد (غیر عالم) پر ایسی ہے جیسے بدر کامل کی تمام ستاروں پر، اور بلاشبہہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے درہم و دینار میراث نہیں چھوڑا، بلکہ علم چھوڑا، جس نے علم حاصل کیا، اس نے انبیاء کی میراث سے پورا حصہ لیا۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے بہ افادۂ تصحیح روایت کیا، حمزہ کنانی نے اسے حسن کہا، کچھ لوگوں نے اضطراب کی بنا پر ضعیف کہا ہے، مگر علامہ ابن حجر نے فرمایا: جو اس کے شواہد ہیں، اس سے یہ قوی ہو گئی۔ امام بخاری نے صاف صاف نہیں فرمایا کہ یہ حدیث ہے، اسی لیے یہ تعلیقات میں بھی نہیں گنی جاتی مگر جب یہاں ذکر کیا تو معلوم ہوا، اس کی کچھ اصل ان کے یہاں بھی ہے۔ پھر اس کے مضمون کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے، ارشاد باری ہے: ''ثُـمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَـا'' (فاطر: ۳۲) ہم نے اپنے منتخب بندوں کو کتاب کا وارث بنایا۔ میراث پانے والا وارث کہلاتا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ برگزیدہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بندے انبیاء کے وارث ہیں۔

ت ١٤ - قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّيْ اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَاَنْفَذْتُهَا.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم تیز تلوار میری گدی پر رکھ دو' پھر مجھے یہ گمان ہو کہ تلوار کے کام کرنے سے پہلے وہ ایک کلمہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہہ سکوں گا تو بھی میں اسے ضرور کہوں گا۔

مسند دارمی اور حلیہ میں اس کی پوری تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر' جمرہ وسطیٰ کے قریب بیٹھے تھے اور لوگ ان کے ارد گرد اکٹھے ہو کر مسائل پوچھ رہے تھے' اتنے میں ایک قریشی صاحب آ گئے اور کہا: کیا تم کو فتویٰ دینے سے روک نہیں دیا گیا ہے؟ حضرت ابوذر نے سر اُٹھا کر کہا: کیا تم میرے نگہبان ہو؟ اگر تم میری گردن پر تیز تلوار رکھ دو' الخ۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر کا مسلک یہ تھا کہ مال جمع کرنا حرام ہے' جو ملے خرچ کر ڈالو۔ اس پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے تھے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ. الاٰيَةَ. جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں' پھر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (التوبہ: ۳۴)

حضرت ابوذر پہلے دمشق میں رہتے تھے اور علانیہ ہر جگہ اپنے اس خیال کی تبلیغ فرماتے تھے۔ اس معاملہ میں ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جھگڑا تھا۔ حضرت معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا' انہوں نے حضرت ابوذر کو مدینہ بلوا لیا' ان کو سمجھایا بجھایا' مگر یہ نہ مانے اور لوگوں سے اس مسئلے میں جھگڑتے رہے' اس وجہ سے حضرت عثمان نے انہیں فتویٰ دینے سے روک دیا اور انہیں ربذہ بھیج دیا اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

علم دین چھپانے پر وعید

حدیث میں ہے کہ فرمایا: "من سئل عن علم وهو يعلم فليقل" جس سے کوئی علمی سوال کیا گیا اور وہ جانتا ہے تو اسے بتائے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: "من سئل عن علم فكتمه الجم يوم القيام بلجام من النار" جس سے کوئی دین کی بات پوچھی گئی اور اس نے نہیں بتایا تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے گا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: حق چھپانے والا گونگا شیطان ہے۔

ان احادیث کی وجہ سے کلمۂ حق نہ بیان کرنے اور وہ بھی سوال کے بعد نہ بتانے کو حضرت ابوذر گناہ جانتے تھے اور خلیفۂ وقت کی اطاعت معصیت میں نہیں۔ اس لیے حضرت ابوذر باوجود ممانعت کے احادیث بیان کرنے اور فتویٰ دینے سے باز نہیں آئے۔

۵۸- ح: يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا [آسانی پیدا کرو' سختی نہ کرو]

۵۸ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر آسانی کرو اور سختی مت کرو' خوشخبری سناؤ' نفرت مت دلاؤ۔

(امام بخاری نے کتاب الادب میں' امام مسلم نے کتاب المغازی میں' نسائی نے کتاب العلم میں ذکر کیا ہے)

بشارت کے معنی اچھی خبر دینا' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نو مسلم ہیں یا جو بچے قریب البلوغ ہیں' انہیں دین کا رفتہ رفتہ پابند بناؤ۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ارباب مملکت اور حکام پر لازم ہے کہ لوگوں پر شفقت و مہربانی رکھیں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں لوگوں کو اللہ کی رحمت اس کے فضل و کرم کی امید دلائیں لوگوں کے سامنے اس کی وسعت کرم رحم کو بیان کریں صرف اس کی شان قہر و جلال نہ بیان کریں ایسا برتاؤ نہ کریں کہ لوگ بھڑک جائیں۔

۵۹- ح: [تَعْيِيْنُ الْيَوْمِ لِلْوَعْظِ] وعظ کے لیے دن مقرر کرنا

۵۹ - عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِیْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَّا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُّ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا.

ابو وائل نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے وعظ کرتے ایک شخص نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے سامنے روزانہ وعظ کہیں فرمایا: سنو! مجھے اس سے یہ بات روکتی ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ اُکتا جاؤ! وعظ کے لیے تمہارے نشاط اور توجہ کا لحاظ رکھتا ہوں جیسا کہ نبی ﷺ ہمارے اُکتانے کے اندیشے سے ہمارا لحاظ فرماتے تھے۔

(ایضاً- کتاب العلم میں دو جگہ- اور کتاب الدعوات میں امام مسلم نے کتاب التوبہ میں ترمذی نے کتاب الاستیذان میں بھی ذکر کیا ہے)

کسی کار خیر کے لیے دن مقرر کرنا

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی اچھے کام کے لیے شرعاً وقت مقرر نہ ہو تو اس کے لیے از خود دن مقرر کرنا صحابہ کی سنت ہے۔ اسی کے پیش نظر اہل سنت میلاد شریف عرس فاتحہ کے لیے دن تاریخ مقرر کرتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جب کسی کام کے لیے دن اور وقت مقرر ہوتا ہے تو لوگ پہلے سے اپنے ضروری کام انجام دے کر اس وقت کو محفوظ رکھتے ہیں۔

اتنا لمبا وعظ نہ کیا جائے کہ لوگ اُکتا جائیں

اس سے معلوم ہوا کہ وعظ تقریر اتنی لمبی نہ کی جائے کہ سننے والے اُکتا جائیں۔ اعتبار صرف ان لوگوں کے اُکتانے نہ اُکتانے کا ہے جو دینی ذوق رکھتے ہیں ہر کس و ناکس عوام کالانعام کا نہیں۔

٦٠- ح: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِیْ [اللہ دیتا ہے میں تقسیم کرتا ہوں]

٦٠ - قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِیْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰی اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی يَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ.

حمید بن عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے: میں نے نبی ﷺ سے سنا حضور فرماتے تھے: اللہ جس کے ساتھ بہت زیادہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطاء فرماتا ہے میں صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے یہ اُمت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی مخالفین ان کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آ جائے۔

(اسے امام بخاری نے کتاب الجہاد- باب: فان للہ خمسہ اور باب: اعتصام لا تزال طائفۃ من امتی میں بھی- اور امام مسلم نے کتاب الامارۃ اور کتاب الزکوٰۃ میں ترمذی نے کتاب العلم میں ابن ماجہ اور دارمی نے مقدمہ میں نیز دارمی نے کتاب الرقاق میں بھی امام مالک نے مؤطا کتاب القدر میں امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابوسفیان کے صاحبزادے، بہت مشہور و معروف صحابی ہیں، اور اول ملوک اسلام ہیں۔ ان کی ولادت ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہوئی۔ یہ بھی ان چند صحابہ میں سے ہیں، جن کے والدین کو بھی دولت اسلام نصیب ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، لیکن انہوں نے خود یہ بتایا کہ میں عمرۃ القضاء سے پہلے مسلمان ہو گیا تھا، مگر ماں کے ڈر سے ظاہر نہ کر سکا۔ (اصابہ وغیرہ) غنائم حنین سے ان کو بھی سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمایا تھا، یہ اسلام لانے کے بعد مقرب بارگاہ ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں یہ بھی ہیں، بلکہ بہت سے حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ کاتب وحی بھی تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائیں دی ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًا وَّاهْدِ بِهٖ. (ترمذی) اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے سے ہدایت دے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمِ الْمُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ. (اسد الغابہ) اے اللہ! معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب سکھا اور اسے عذاب سے بچا۔

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا تو فرمایا: اے معاویہ! اگر تم اس چیز یعنی حکومت کو پاؤ تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔ حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ اس سے مجھے یقین تھا کہ مجھے حکومت ملے گی۔ انہیں ۱۹ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی یزید بن سفیان کے وصال کے بعد شام کا والی بنایا، اس وقت سے لے کر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے وقت تک بیس سال شام کے والی رہے۔ پھر بیس سال پورے مملکت اسلامیہ کے بادشاہ رہے۔ ۱۵ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا، اخیر عمر میں لقوہ ہو گیا تھا یہی پیام اجل ثابت ہوا۔ ان کے پاس تبرکات نبوی میں، کرتا، چادر، تہبند اور ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور موئے مبارک تھے وصیت کر گئے تھے کہ مجھے انہیں متبرک کپڑوں میں کفن دینا اور ناخن اقدس کے تراشے اور موئے مبارک میری آنکھ، ناک، منہ اور سجدہ کے اعضاء پر رکھ دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا، اسی کے مطابق کیا گیا۔ وصال کے وقت عمر ۶۸ سال کی تھی۔[1]

ان سے ایک سو تریسٹھ احادیث مروی ہیں، بخاری و مسلم نے چار اور صرف بخاری نے آٹھ اور صرف مسلم نے پانچ روایت کی ہیں، ان سے اجلہ صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم نے حدیث لی ہیں۔

ان کے عہد میں جب اندرونی طور پر اطمینان ہو گیا تو پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بجستان، سوڈان وغیرہ کے کثیر بلاد اور قوہستان وغیرہ فتح ہوئے اور قسطنطنیہ پر پہلا حملہ انہیں کے عہد میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے کچھ لوگ ان پر طعن کرتے ہیں، لیکن کسی صحابی پر طعن کرنا جائز نہیں۔ قرآن مجید میں نص صریح ہے کہ اللہ عزوجل تمام صحابہ سے راضی ہے، ان سے جنت کا وعدہ فرما لیا ہے، ان سب پر کلمۂ تقویٰ لازم فرما دیا ہے۔

ارشاد ہے:

اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی اور ان

[1] مرقاۃ، اسد الغابہ وغیرہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O (التوبہ:۱۰۰) لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہی بڑی کامیابی ہےO

اور فرمایا:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا. (الفتح:۲۶) اور ان پر کلمہ تقویٰ لازم فرما دیا اور یہ اس کے مستحق اور اہل تھے۔

اور ارشاد ہے:

''كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى '' (الحدید:۱۰) تمام صحابہ سے خواہ فتح مکہ سے پہلے کے ہوں یا بعد کے ہوں' سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے' یہ قرآن مجید کے نصوصِ قطعیہ ہیں اور جن واقعات پر طعن کیا جاتا ہے' وہ سب خبر واحد اکثر ضعاف و مجروح۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مقابلے میں اخبار آحاد وہ بھی کتب تواریخ وہ بھی ضعاف کی کوئی حیثیت نہیں' اس لیے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات پر ایمان رکھیں اور تواریخ کی لغو مہمل روایات کو سنیں بھی نہیں۔

لغات

''یُفَقِّهُ'' باب تفعیل کا مضارع ہے' اس کے معنی یہ ہیں: اس کو فقیہ بنا دیتا ہے' اس کا مادہ ''فِقْهٌ'' ہے' جس کے معنی جاننے اور سمجھنے اور حذاقت و زیرکی کے ہیں۔ اور شرعی معنی یہ ہیں: احکامِ شرعیہ فرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننا۔ ''لا تزال'' اس کا مصدر زوال ہے' ''سمع یسمع'' سے ''زَالَ یَزَالُ'' بھی آتا ہے اور ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے ''زَالَ یَزُوْلُ'' بھی' دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''زال یزال'' افعالِ ناقصہ سے ہے اور اسے حرفِ نفی لازم ہے۔ ''زال یزول'' فعل تام ہے اور اسے حرفِ نفی لازم نہیں۔ ''اُمّةٌ'' اس کے متعدد معانی ہیں: جماعت' طریقہ' مدت' پیشوا' مالک' مردِ جامع خیر' وہ شخص جو تنہا اپنی رائے پر جمنے کا عادی ہو' انبیاء کے پیرو' یہاں یہی اخیر معنی مراد ہے۔

فضیلت فقہ

''خیرًا'' نکرہ سیاق شرط میں ہونے کی وجہ سے عموم کا افادہ کرتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ عزوجل جسے تمام دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے اسے فقیہ بناتا ہے۔ ''خیرٌ'' کی تنوین کو یہاں عظمت کے لیے لیں تو معنی ہوں گے: بہت زیادہ بھلائی عطاء فرمانا چاہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اُمت کے افراد میں سب سے افضل فقیہ ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا: ''فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد''[1] ایک فقیہ' ہزار عابد غیر فقیہ سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔

نیز ایک لمبی حدیث میں فرمایا:

خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الاسلام اذا فقهوا (مسلم' مشکوٰۃ) زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ تم میں سب سے بہتر تھے' وہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہیں' جبکہ فقیہ ہوں۔

یہ افضلیت اس فقیہ کے لیے ہے جو اپنے علم سے رضائے الٰہی کا طالب ہو اور دنیا دار فقیہ بدترین خلق ہے' جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:

ان شرار الشر شرار العلماء' وان خیار الخیر سب سے بدتر بُرے علمائے ہیں اور سب سے اچھے' اچھے

---

[1] ترمذی' ابن ماجہ' مشکوٰۃ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خیار العلماء. (دارمی مشکوٰۃ) علماء ہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

مَن طلب العلم لیجاری به العلماء او لیجاری به السّفهاء اویصرف وجوه النّاس اِلیه اَدْخله الله النّار. (ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ)

جو اس لیے علم طلب کرے کہ علماء سے مقابلہ کرے گا یا جاہلوں سے جھگڑے گا یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے تعلق ہو آخرت کی رغبت رکھتا ہو دین کے معاملے میں بصیرت رکھتا ہو اللہ کی عبادت کا پابند ہو۔

حضور قاسم بھی ہیں اور خازن بھی

یہاں صرف قاسم ہے اور بخاری کتاب الجہاد میں تعلیقاً قاسم کے ساتھ خازن بھی ہے[1] معانی کا قاعدہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا متعلق یعنی اس کا مفعول وغیرہ جب محذوف ہوتا ہے تو وہ عموم کا افادہ کرتا ہے۔ یہاں "قاسمٌ خازنٌ یعطی" تینوں کے مفعول محذوف ہیں تو اس سے عموم پر دلالت ہوئی۔ معنی یہ ہوئے کہ مخلوقات میں سے جس کسی کو اب تک جو کچھ ملا یا آئندہ ملے گا ان سب کا دینے والا اللہ ہے اور ان سب کا خازن میں ہوں اور ان سب کا بانٹنے والا میں ہوں۔ جس طرح اللہ کے معطی ہونے میں کسی قسم کی کوئی تخصیص جائز نہیں اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاسم و خازن ہونے میں کسی قسم کی تخصیص جائز نہیں جس طرح تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عالم کی ہر نوع ہر فرد خواہ وہ فرشتے ہوں خواہ وہ انسان خواہ جن ہوں خواہ اور کچھ سب کو سب کچھ اللہ کی عطاء سے ملا اور ملے گا۔ اسی طرح یہ اعتقاد بھی واجب ہے کہ سب کو بلا استثناء جو کچھ ملا یا ملے گا وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے سے ملا اس لیے جن لوگوں نے اسے علم کے ساتھ خاص کیا یہ درست نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّل الخلق ہیں

حیات بھی از قسم عطاء ہے تو سب کو حیات بھی حضور ہی کے ہاتھوں ملی تو ثابت ہوا کہ ہر ذی حیات سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے اور آپ کی تخلیق سارے علم سے پہلے ہوئی۔ خواہ وہ آدم علیہ السلام ہوں خواہ وہ جبریل امین و دیگر ملائکہ۔ جس کی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جسے امام عبدالرزاق استاذ امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا:

یا جابر انَّ اللہ تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نُوْرَ نَبِیّكَ مِنْ نورہٖ. (المواہب اللدنیہ وزرقانی۔ ج ۱)

اے جابر! اللہ عزوجل نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

"وقائمةً علی الله" سے مراد

یہاں قائمین علیٰ امر اللہ ہے اور کتاب الجہاد میں "ظاھرِیْنَ عَلٰی مَنْ خَالَفَھُمْ" ہے مراد یہ ہے کہ قیامت تک میری اُمت میں کچھ لوگ حق پر قائم رہیں گے اور اپنے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے ان کے مخالف ان پر کبھی فتح نہ پائیں گے قیامت تک یہ حق پرست غالب رہیں گے اور غلبے سے مراد دلیل و برہان سے غلبہ ہے رہ گیا غلبہ بالسیف یہ ضروری نہیں کبھی ہوگا کبھی نہیں۔ سابقاً گزر چکا: "الحرب سجالٌ ینال منا ننال منه" "لڑائی ڈول ہے کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں کبھی ہم ان سے لے لیتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۴۳۹

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ. (آل عمران:۱۴۰) ان دنوں میں ہم نے لوگوں کی باری رکھی ہے۔

اسی طرح "لایضرھم" سے مراد یہ ہے کہ ان کی برہان اور دلیل کو توڑ نہیں سکتے۔

تمام کلمہ گو حق پر نہیں

"هٰذِهِ الاُمَّة" سے مراد پوری اُمت نہیں بلکہ اس کا بعض حصہ مراد ہے' جیسا کہ کتاب الاعتصام میں' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے' اس میں "طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ" ہے' یعنی میری اُمت کا ایک گروہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کلمہ گو مدعی اسلام حق پر نہیں' حق پر صرف ایک فرقہ ہے۔

ت۱۵- وَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا. (بیہقی نے مدخل میں ابن شیبہ وغیرہ سے تخریج کی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب سردار ہو جاتا ہے تو حیاء طلب علم سے مانع ہوتی ہے' اس لیے سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کر لینا چاہیے یا مراد یہ ہے کہ سردار کے لیے عالم ہونا ضروری ہے' تا کہ علم کی روشنی میں اپنے متعلقین پر سرداری کرے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرتے رہو' مطلب یہ ہوا کہ تحصیل علم کی کوئی حد نہیں۔

٦١- ح: لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ

[دو کے علاوہ میں حسد نہیں]

٦١- سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد نہیں مگر دو میں' ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور اسے راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا علم عطاء فرمایا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: انفاق المال فی حقه۔ کتاب الاحکام۔ باب: اجر من قضی بالحکمة۔ کتاب الاعتصام۔ باب: اجتهاد والقضا' مسلم۔ کتاب الصلوۃ' نسائی۔ کتاب العلم' ابن ماجہ۔ کتاب الزہد)

لغات

"حسد" کے معنی ہیں: یہ آرزو کرنا کہ کسی کی نعمت یا فضیلت اس سے زائل ہو کر مجھے ملے' یہ مذموم ہے۔ یہاں تجریداً صرف اس نعمت کے حصول کی آرزو مراد ہے' بغیر اس کے کہ دوسرے سے زائل ہو' جسے غبطہ کہتے ہیں۔ یہ محمود ہے "سلطه علیه" کے معنی غلبہ دینا' قابض بنانا' اختیار دینا۔ یہاں سیاق وسباق کے لحاظ سے اس کے معنی توفیق دینے کے ہیں' "هلكة" کے معنی خرچ کرنے کے ہیں' "حكمة" کے معنی سمجھ دار ہونا' دور اندیش ہونا۔ یہاں قرآن مجید کے معانی کا سمجھنا مراد ہے یا مطلقاً جملہ علوم دین۔

مال اور علم دین

اللہ عزوجل کسی کو مال عطاء فرمائے' یہ اس کا فضل ہے اور اسے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے' یہ دوسرا فضل ہے۔ اسی طرح علم دین اس کا فضل عظیم ہے اور علم پر عمل اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس کے نشر واشاعت کی توفیق یہ مزید فضل ہے۔ مراد یہ ہے کہ لوگ طرح طرح کی آرزو کرتے ہیں' مگر آرزو کرنے کے لائق صرف یہ دو نعمتیں ہیں' اس سے ان دونوں نعمتوں کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

٦٢- ح: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ [اے اللہ! اسے کتاب کا علم عطا فرما]

٦٢ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور یہ دعا دی کہ اے اللہ! اسے کتاب کا علم عطاء فرما!

(بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب: فضل ابن عباس' مسلم۔ باب: فضائل ابن عباس' نسائی اور ترمذی۔ کتاب المناقب' ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ' مسند امام احمد)

الکتاب

''الکتاب'' سے مراد قرآن مجید ہے' تعلیم سے مراد اس کا حفظ کرنا اور اس کے معانی کا سمجھنا ہے۔

تکمیل

پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شانۂ اقدس میں رات کو رہے' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات میں اُٹھے' استنجاء کے لیے تشریف لے گئے' انہوں نے وضو کے لیے پانی رکھ دیا' حضور نے پوچھا: یہ کس نے رکھا ہے؟ ان کی خالہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا: اس پر ان کے سر پر دست اقدس پھیرا اور سینے سے چمٹا کر یہ دعا فرمائی' اسی دعا کی برکت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وہ علم عطاء ہوا کہ ان کو حبر اُمت' بحر العلوم' رئیس المفسرین' ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔

معانقہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معانقہ جائز ہے' فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو مستحب ہے۔ (عینی)

٦٣- ح: عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً [مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کلی کرنا یاد ہے]

٦٣ - عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي وَاَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ.

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ادا یاد ہے کہ حضور نے ایک ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر کلی فرمائی تھی اور اس وقت میں پانچ برس کا تھا۔

(علاوہ بخاری نے کتاب الطہارۃ۔ باب: استعمال فضل وضوء الناس میں اور کتاب الدعوات۔ باب: الصبیان بالبرکۃ میں اور اس کا یہ حصہ وھو الذی مج رسول اللہ فی وجھہ متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے' اور نسائی نے کتاب العلم۔ الیوم واللیلہ میں اور ابن ماجہ نے کتاب الطہارۃ میں بھی ذکر کیا ہے)

محمود بن ربیع

یہ صغار صحابہ میں سے ہیں' وصال اقدس کے وقت یہ پانچ سال کے تھے' اسی سن میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے منہ پر کلی فرمائی' یہ مدنی خزرجی انصاری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں' دمشق میں قیام پذیر رہے' وہیں ۹۹ھ میں ترانوے سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔

تطبیق

یہاں صرف ''من دلو'' ہے اور کتاب الطہارۃ میں ''من بئرھم'' ہے' یعنی ان کے کنویں سے پانی لے کر مراد یہ ہے کہ حضور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اقدس ﷺ نے جس ڈول سے پانی لیا تھا' اس میں پانی ان کے کنویں سے لیا گیا تھا۔

فوائد

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ پانچ سال کے بچے کا سماع درست ہے اور اس کی روایت مقبول ہے' مگر یہ تحدید درست نہیں' اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت کہ انہوں نے اپنے والد کو غزوۂ خندق کے موقع پر دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بنی قریظہ کے محلے میں دو یا تین بار گئے اور آئے' میں نے پوچھا تو بتایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا' حالانکہ حضرت عبداللہ کی عمر اس وقت چار سال بھی پوری نہ تھی۔ یہ روایت خود امام بخاری نے مناقب زبیر میں ذکر کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانچ سال سے کم عمر میں سماع درست ہے' لیکن یہی غلط ہے کہ امام بخاری کا یہی مقصود ہے کہ پانچ سال سے کم عمر میں سماع صحیح نہیں' انہوں نے باب باندھا ہے: بچے کا سماع کب صحیح ہے؟ اس کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی۔

بچے کا سماع کب صحیح ہے؟

اس سے جہاں یہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ پانچ سال کے باشعور بچے کا سماع صحیح ہے' وہیں بہ نظر دقیق ''عـقـلـت'' سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سن کی قید نہیں' بلکہ شعور و سمجھ کی شرط ہے' اگر کوئی بچہ پانچ سال سے کم عمر میں باشعور ہو اور کسی بات کو سمجھ کر یاد رکھے تو اس کی یہ روایت صحیح ہے اور اگر زیادہ عمر کا ہو' مگر باشعور نہ ہو تو اس کا سماع صحیح نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ خوش طبعی مسنون ہے' نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے لعاب مبارک اور پس خوردہ سے برکت حاصل کرنا بھی مسنون ہے۔

ت۱۶- رَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ فِيْ حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ.

حضرت جابر بن عبداللہ نے ایک حدیث کے لیے حضرت عبداللہ بن انیس کے پاس ایک مہینے کی مسافت کا سفر کیا۔

''فی'' تعلیلیہ ہے

''فِی حَدِیْث'' میں ''فِی'' تعلیل کے لیے ہے جیسے آیہ کریمہ ''فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ'' (یوسف:۳۲) اور حدیث ''ان امرأة دخلت فی النار فی هِرَّة''۔

احادیث سننے کا شوق

یہ جگہ شام تھی یا مصر؟ پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی کہ ایک صاحب کے پاس ایک حدیث ہے' میں نے اونٹ خریدا اور کجاوہ کسا اور شام آیا' عبداللہ بن انیس کے گھر پہنچا' دربان سے کہا کہ اطلاع کر دو کہ جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا: ابن عبداللہ! میں نے کہا: ہاں! وہ باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا' میں نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے' میں ڈرا کہ کہیں یہ حدیث سننے سے پہلے مر نہ جاؤں۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگ قیامت کے دن ننگے غیر مختون اکٹھے کیے جائیں گے' انہیں اللہ عزوجل ندا دے گا' جو دور و نزدیک سے یکساں سنائی دے گی' فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' میں بدلہ دینے والا ہوں' کوئی مستحق جنت جنت میں نہیں جائے گا' اگر جہنم میں جانے والوں میں سے کوئی اس کے ظلم پر دادرس ہوگا' جب تک اس کا بدلہ نہ لے لے' یہاں تک کہ ایک تھپڑ کا بھی۔ پوچھا کہ لوگ ننگے غیر مختون کیوں ہوں گے؟ فرمایا: حسنات و سیئات کی بدولت۔ طبرانی نے مسند الشامیین اور تمام نے اپنے فوائد میں اور خطیب نے کتاب الرحلت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں بجائے شام کے مصر کہا ہے۔ امام بخاری نے "الرد علی الجهمیه" کے اخیر میں اس کا ابتدائی حصہ "انا الملك الديان" تک تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو احادیث یاد کرنے اور اسے پھیلانے کا کتنا شوق تھا کہ حضرت جابر بن عبداللہ جیسے احادیث کے خزانے نے صرف ایک حدیث سننے کے لیے اتنا لمبا سفر کیا' اور آج کیا حال ہے؟ اہل علم کو خصوصاً اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ

جہنی انصار کے حلیف تھے' عقبہ ثانیہ' بدر اور اُحد کے بعد تمام مشاہد میں شرکت کی' ایک بار تنہا ان کو ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد سلطنت میں ۵۴ھ میں شام ہی میں وفات پائی۔ ان سے پچیس حدیثیں مروی ہیں' جن میں سے مسلم نے صرف ایک ذکر کی' سنن اربعہ میں ان کی احادیث ہیں' بخاری میں صرف مذکورہ بالا ایک تعلیق مذکور ہے۔

٦٤- ح: اَلْعِلْمُ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ

٦٤ - عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰی اِنَّمَا هِیَ قِيْعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَآءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَاً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَاْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَی اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِسْحَاقُ عَنْ اَبِیْ اُسَامَةَ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتِ الْمَآءَ. (مسلم نے کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نسائی نے کتاب العلم میں ذکر کیا ہے)

[علم کی مثال زوردار بارش کی سی ہے]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے' اس کی مثال زوردار بارش کی ہے جو زمین پر برسی' کچھ زمین عمدہ تھی جس نے پانی جذب کر لیا اور گھاس اور سبزی خوب اُگائی اور کچھ زمین سخت تھی جس نے پانی جمع کر لیا' اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا' لوگوں نے پیا' پلایا اور کھیتی کی اور یہی بارش زمین کے کچھ ایسے ٹکڑے پر پڑی جو سپاٹ تھی' نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ گھاس اُگایا' یہی مثال اس کی ہے جس نے اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہنچایا' اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی اور اس کی مثل ہے جس نے اس طرف سر ہی نہیں اُٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو' جس کے ساتھ میں بھیجا گیا' قبول نہیں کیا۔ ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) نے کہا: اسحٰق نے ابواسامہ سے جو روایت کی اس میں "قبلت الماء" کی جگہ "قیلت الماء" کہا ہے۔

لغات

"ھدی" "راستہ دکھانا" قرآن و حدیث میں کبھی اس کے معنی مطلوب تک پہنچانے کے آتے ہیں' کبھی مطلوب تک پہنچانے والے راستے کو دکھانے کے معنی میں۔ "غیث" "بارش' بادل' بارش سے اُگی ہوئی گھاس' بارش کا برسنا' یہاں بارش مراد ہے۔ "نقیۃ" عمدہ۔ "کلا" گھاس خواہ ہری ہو خواہ سوکھی۔ "عُشب" ہری گھاس۔ "اجادب" "جدب" کی جمع ہے' جس کے معنی قحط کے ہیں' نیز اس زمین کو بھی کہتے ہیں جو قحط کی وجہ سے سوکھ جائے' نیز بنجر زمین کے معنی میں بھی آتا ہے اور ایسی زمین کو بھی کہتے ہیں جو سخت ہو اور پانی جذب نہ کرے' اور یہی یہاں مراد ہے۔ "قیعان" "قاع" کی جمع ہے' جس کے معنی چٹیل زمین جو چکنی برابر ہو' جس پر پانی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جذب کر سکے۔ ”قیلت“ یاء سے اس کے معنی دوپہر میں پینے کے ہیں' یہاں تجریداً صرف پینا یعنی جذب کرنا مراد ہے۔

تطبیق

حضور اقدس ﷺ نے دین کی مثال' زوردار بارش سے دی کہ جیسے ہر جگہ برستی ہے مگر زمین کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کا نتیجہ مختلف۔ ایک زمین عمدہ زرخیز ہے' پانی اپنے اندر جذب کر کے اپنے خزانے اُگل دیتی ہے' غلے سونے سبزیاں اُگاتی ہے جو جاندار کی خوراک ہیں' یہی حال ایسے افراد کا ہے جو دین قبول کر کے اسے سیکھ کر کے دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں' خود عمل کرتے ہیں' دوسروں سے عمل کراتے ہیں' دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے' کچھ اُگاتی نہیں' مگر اس جمع شدہ پانی سے دوسروں کو طرح طرح سے فائدہ پہنچتا ہے' یہ حال ان لوگوں کا ہے جو دین قبول کر کے دین سیکھتے ہیں مگر کما حقہ' اس پر عمل نہیں کرتے' مگر اس کے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے' یا مراد وہ محدثین ہیں جو احادیث حفظ کر لیتے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام کو استنباط نہیں کر سکتے' مگر ان سے احادیث سن کر دوسرے لوگ جو فقیہ ہیں' احکام کا استخراج کرتے ہیں' تیسری وہ چٹیل بنجر زمین جو نہ پانی جمع کرتی ہے اور نہ کچھ اُگاتی ہے اس پر پانی آیا' بہہ گیا' یہ حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دین قبول ہی نہیں کیا' اس پر کوئی توجہ نہ دی۔

”قال اسحٰق“ سے کون مراد ہے؟

”قال اسحٰق“ میں اسحٰق سے کون مراد ہے؟ یہ طے کرنا مشکل ہے' علامہ عسقلانی نے فرمایا: یہ اسحٰق بن راہویہ ہیں' اس لیے کہ امام بخاری زیادہ تر انہیں سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ یہ ان تینوں اسحٰق میں سے کوئی ایک ہیں: اسحٰق بن راہویہ' اسحٰق بن ابراہیم بن نصر السعدی البخاری' اسحٰق بن منصور بن بہرام الکوسج المروزی' اس لیے امام بخاری اپنی اس کتاب میں ابو اسامہ حماد بن سلمہ سے انہیں تینوں کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ بالیقین یہ فیصلہ کرنا کہ یہ اسحٰق بن راہویہ ہی ہیں' درست نہیں۔ یہی امام نسائی کی بھی رائے ہے۔ انہوں نے تقیید المہمل میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری جب بغیر نسبت کے یوں کہیں: ”حدثنا اسحٰق حدثنا ابو اسامہ“ تو انہیں تین میں سے کوئی ایک مراد لیتے ہیں۔

ت۱۷ - قَالَ رَبِيعَةُ لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ اَنْ يُّضَيِّعَ نَفْسَهُ. (الخطیب فی الجامع والبیہقی فی المدخل)

ربیعہ نے کہا: جس کے پاس کچھ بھی علم ہو اسے اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن

مدنی تابعی ہیں اور حضرت مالک کے استاذ' ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرآن' حدیث' تفسیر' فقہ کا تھوڑا سا بھی علم ہو اسے چاہیے کہ خود اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے' بے فیض نہ رہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ علم کے وقار کو محفوظ رکھے اسے حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائے' جو لوگ علماء کی عزت نہ کرتے ہوں ان کے پاس نہ جائے' غیر اہل کو تعلیم نہ دے۔

۶۵ - ح: يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ

[علم ختم ہو جائے گا اور جہالت غالب ہو گی]

۶۵ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَاُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ اَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں کہ میرے بعد کوئی بیان نہ کرے گا' ف۱ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہیں کہ علم ختم ہو جائے گا' جہالت غالب ہو گی' زنا عام ہو گا' عورتوں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

الرِّجَالُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ. کی کثرت ہوگی' مرد کم ہو جائیں گے' یہاں تک کہ پچاس عورت کا نگہبان صرف ایک (مرد) ہوگا۔

(مسلم۔ کتاب القدر' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ کتاب الفتن)

یہی حدیث بہ طریق عمران بن میسرہ یوں مروی ہے: "ان یرفع العلم ویثبت الجهل وتشرب الخمر ویظهر الزنا" علم اُٹھالیا جائے گا' اس کی جگہ جہالت لے لے گی' شراب پی جائے گی' زنا پھیل جائے گا۔

لغات

"یقل"، "قِلّت" کا مضارع ہے اور یہاں مراد عدم ہے' اس پر دلیل دوسری حدیث ہے جس میں فرمایا کہ علم اُٹھ جائے گا' اس کی جگہ جہالت لے لے گی۔ "القیّم" کسی کا ذمہ دار' متولی' شوہر' سیدھا معاملہ' یہاں مراد ذمہ دار' نگہبان ہے۔

ف۱: جب بصرہ میں تمام سکونت پذیر صحابہ کا وصال ہوگیا اور تنہا حضرت انس ہی رہ گئے تو فرمایا۔

علاماتِ قیامت

قیامت کی نشانیاں بہت ہیں' انہیں پانچوں میں انحصار نہیں' البتہ یہ پانچوں بہت اہم ہیں' دین و دنیا کی درستگی پانچ چیزوں پر مبنی ہے: دین' عقل' نفس' نسب' مال۔ اور یہ پانچوں ان کو تباہ کرنے والی ہیں۔ رفع علم اور جہالت دین کو' شراب عقل اور مال کو' مردوں کی قلت نفس کو' زنا نسب اور مال کو۔ اس لیے حدیث میں ان پانچوں کو خصوصیت سے اکٹھا کر فرمایا۔

رفع علم سے کیا مراد ہے؟

علم اُٹھانے سے یہ مراد نہیں کہ علماء ہوں گے اور علم ان کے سینوں سے مٹا دیا جائے گا' بلکہ مراد یہ ہے کہ علماء باقی نہ رہیں گے' جیسا کہ آگے مفصل آ رہا ہے۔

٦٦- ح: [فَضِيْلَةُ الْعِلْمِ] فضیلت علم

٦٦ - اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سو رہا تھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا' میں نے اتنا پیا کہ آسودگی ناخنوں سے نکلنے لگی' پھر میں نے اپنا جھوٹا عمر بن خطاب کو دیا' لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! حضور نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا: علم۔

(بخاری۔ مناقب عمر۔ کتاب تعبیر الرؤیا۔ باب: اللبن۔ باب: اذا جرى اللبن فى اطرافه و اظفاره' مسلم۔ کتاب الفضائل' ترمذی۔ کتاب الرؤیا۔ کتاب المناقب' نسائی۔ کتاب المناقب۔ کتاب العلم)

لغات

"اولتہ" یہ باب تفعیل کا ماضی مخاطب ہے' اس کا مادہ "اَوْلٌ" ہے اس کا معنی لوٹنا پھرنا ہے' تاویل کے معنی لوٹانا پھیرنا ہے۔ کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر خفی معنی پر محمول کرنے کو تاویل کہتے ہیں' اسی کی فرع خواب کی تعبیر ہے' یہاں یہی مراد ہے۔

دودھ اور علم میں مناسبت

دودھ کی تعبیر علم کے ساتھ اس مناسبت سے ہے کہ دونوں کثیر النفع اور مفید ہونے میں مشترک ہیں' دودھ انسان کی بہترین غذا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور بدن کے لیے مقوی ہے اور علم سے دین و دنیا سنورتی ہے اور علم روح کی غذا اور اس کے لیے مقوی ہے اس حدیث سے علم کی فضیلت یوں ثابت ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا عطاء فرمودہ فضلہ مبارکہ ہے۔

٦٧- ح: يَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ [فتنے پھیل جائیں گے اور ہرج بہ کثرت ہوگا]

٦٧ - عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْهَرْجُ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهٖ فَحَرَّفَهَا كَاَنَّهٗ يُرِيْدُ الْقَتْلَ.

سالم نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: علم اُٹھالیا جائے گا اور جہالت غالب ہوگی اور فتنے پھیل جائیں گے اور ہرج بہ کثرت ہوگا' پوچھا کہ یارسول اللہ! ہرج کیا چیز ہے؟ تو اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اور ہاتھ ایسے خم کیا جیسے قتل کا اشارہ کیا جاتا ہے' گویا حضور کی مراد قتل تھی۔

لغات

''ھــرج'' کے معنی فتنے اور اختلاط کے ہیں' مجازاً قتل کے معنی میں مستعمل ہے' البتہ حبشہ کی زبان میں ہرج کے معنی قتل کے ہیں' اسی وجہ سے صحابہ سمجھ نہیں پائے اور دریافت کرنا پڑا۔ ''قال'' کے معنی یہاں اشارہ کے ہیں' اس معنی میں متعدد احادیث وارد ہیں' ایک حدیث میں ہے: ''قال باصبعه السبابة والوسطی'' اس کے علاوہ اور معنوں میں آیا ہے' مثلاً ''رَفَعَ' تَنَاوَلَ' غَلَبَ'' وغیرہ۔

٦٨- ح: مَامِنْ شَيْئٍ لَمْ اَكُنْ اُرِيْتُهٗ اِلَّارَاَيْتُهٗ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا [جو چیز بھی مجھے اب تک نہیں دکھائی گئی تھی ان سب کو میں نے اپنی اس جگہ دیکھ لیا]

٦٨ - عَنْ اَسْمَآءَ قَالَتْ اَتَيْتُ عَآئِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّيْ فَقُلْتُ مَا شَاْنُ النَّاسِ فَاَشَارَتْ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ قُلْتُ اٰيَةٌ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِهَا اَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتّٰى عَلَانِيَ الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلٰى رَاْسِي الْمَآءَ فَحَمِدَ اللّٰهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَّمْ اَكُنْ اُرِيْتُهٗ اِلَّا رَاَيْتُهٗ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ مِثْلَ اَوْ قَرِيْبَ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَآءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِ الْمُوْقِنُ لَا اَدْرِيْ اَيُّهُمَا قَالَتْ اَسْمَآءُ فَيَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا بِهٖ وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ

حضرت اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہا نے کہا: میں حضرت عائشہ کے پاس آئی' وہ نماز پڑھ رہی تھیں' میں نے پوچھا: لوگوں کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا' لوگ نماز پڑھ رہے تھے' حضرت عائشہ نے کہا: سبحان اللہ! میں نے پھر پوچھا: کوئی نشانی ہے؟ تو انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا' ہاں! اس کے بعد میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہوگئی' اتنی دیر تک کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی' نماز کے بعد نبی ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا: جو چیز بھی مجھے اب تک نہیں دکھائی گئی تھی' ان سب کو میں نے اپنی اس جگہ دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی' پھر مجھے وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے مسیح دجال کے فتنے کے قریب یا مثل۔ مجھے یاد نہیں کہ اسماء نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا تھا؟ (قبر میں) پوچھا جائے گا: اس مرد کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ مؤمن یا موقن یاد نہیں رہا کہ اسماء نے کیا کہا تھا؟ کہے گا: یہ محمد ہیں' رسول اللہ ہیں' ہمارے پاس معجزات

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اَسْمَآءُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِىْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

اور ہدایت لے کر تشریف لائے' ہم نے ان کا پیغام قبول کیا' ان کی پیروی کی' یہ محمد ہیں۔ تین بار یہی کہے گا' اس سے کہا جائے گا: آرام سے سو جا! ہم جانتے تھے کہ تو ان پر یقین رکھتا تھا' لیکن منافق یا مرتاب' اسماء نے کیا کہا تھا یاد نہیں' کہے گا: میں نہیں جانتا' میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا' وہی میں نے بھی کہا۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: من لم یتوضا الا من الغسی المثقل۔ کتاب الکسوف۔ کتاب الخسوف۔ کتاب الجمعہ۔ باب: من قال فی الخطبۃ اما بعد۔ کتاب السہو۔ باب: الاشارۃ فی الصلوٰۃ۔ کتاب الاعتصام۔ باب: الاقتداء بسنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم' امام مسلم نے کتاب الخسوف میں ذکر کیا)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا

یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حواری رسول اللہ حضرت زبیر بن عوام کی زوجہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں' ہجرت سے ستائیس سال پہلے ان کی ولادت ہوئی اور مکہ ہی میں سترہ نفوس قدسیہ کے بعد مشرف بہ ایمان ہوئیں۔ شب ہجرت توشہ دان باندھنے کو کچھ نہ ملا تو اپنی کمر کا پٹکا پھاڑ کر ایک حصہ سے توشہ دان باندھ دیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات النطاقین کا خطاب عطاء فرمایا اور ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل تجھے اس کے عوض جنت میں دو نطاق عطاء فرمائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کی' اس وقت حمل سے تھیں' قباء پہنچیں تو حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ بہت شجاع' حاضر جواب' جری' صبر و استقامت کی پہاڑ تھیں۔ جب حضرت عبداللہ کے تمام ساتھی انہیں چھوڑ کر حجاج سے مل گئے اور حجاج نے حضرت عبداللہ کے سامنے تین باتیں پیش کیں: یا تو کہیں چلے جاؤ' یا پھر ہتھیار ڈال دو تمہیں پابجولاں عبدالملک کے پاس لے چلیں' یا لڑنے کے لیے تیار رہو۔ حضرت عبداللہ نے اپنی ماں سے مشورہ کیا' حضرت اسماء نے اخیر وقت تک لڑنے کا مشورہ دیا' پھر کفن لیا' دھونی دے کر خوشبو لگا کر حضرت عبداللہ کو پہنایا اور مقابلے کے لیے بھیجا' جب حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو گئے اور حجاج نے ان کی نعش مبارک کو سولی پر چڑھایا تو اپنے لخت جگر کی نعش پر تشریف لائیں اور فرمایا: ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار سواری سے اترے[1] اتنے دردناک منظر کو دیکھ کر بھی آنکھ سے آنسو تک نہیں نکلا۔ حجاج نے ان کو بلوایا' انکار کر دیا' حجاج نے کہا: سیدھی طرح سے آجا' ورنہ بال پکڑ کر گھسٹوا کر منگاؤں گا۔ یہ سن کر اس شیر دل خاتون نے کہا: بخدا! میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ بال پکڑوا کر نہ گھسٹوائے' حجاج خود آیا اور کہا: تو نے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا کیا! حضرت اسماء نے کہا: میں نے دیکھا' تو نے اس کی دنیا برباد کی' اس نے تیری آخرت خراب کر دی' میں نے سنا ہے تو انہیں طعن کے طور پر ابن ذات النطاقین کہتا ہے' میں ذات النطاقین ہوں' ایک میرا وہ نطاق ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کا کھانا لے جاتی تھی اور ایک وہ جو ہر عورت کے لیے ہوتا ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب ہوگا اور سفاک' کذاب تو ہم نے دیکھا اور سفاک تیرے سوا اور کوئی نہیں۔ (مسلم شریف)

عبدالملک بن مروان کے حکم سے جب حضرت عبداللہ کا لاشہ مبارک سولی سے اُتارا گیا اور اسے دفن فرما لیا تو مکہ ہی میں اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ۷۳ھ میں بماہ جمادی الآخرہ وصال فرمایا' سو سال کی عمر پائی' مگر نہ ایک دانت گرا تھا اور نہ دماغی توازن میں فرق آیا تھا اور نہ بینائی زائل ہوئی تھی[2] ان سے چھپن احادیث مروی ہیں' چودہ متفق علیہ' چار افراد بخاری اور چار افراد مسلم لکھے ہیں۔

---

[1] اصابہ وغیرہ [2] بدایہ نہایہ۔ ج ۸ ص ۳۴۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

"عَلانی"، "علوٌّ" سے ماضی ہے عام معنی بلند ہونے کے ہیں اور "غَلَبَ" کے معنی میں ہے۔ "غَشْيٌ، غُشْيٌ، غَشِيٌ"
کے اصل معنی ڈھکنے کے ہیں یہاں عقل کا ڈھکنا یعنی بے ہوشی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گرمی اور بہت دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ
سے مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ "تفتنون"، "فتنة" سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے فتنہ کا معنی آزمائش امتحان ہے۔ قرآن مجید
میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: "اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ" (الاعراف:۱۵۵) یہ سب تیری آزمائش ہے جوہری نے کہا: "الفتنة
الامتحان" اہل عرب سونے کو پگھلا کر جب پرکھتے ہیں تو کہتے ہیں: "فتنت الذهب" اُردو میں البتہ فتنہ بہ معنی فساد مستعمل ہے
"مسیح" کے معنی سفر کرنے والا شہر شہر گھومنے والا "دجال" دجل سے اسم مبالغہ ہے۔ "دجلٌ" کے معنی جھوٹ بولنا فریب دینا
حق کو باطل کے ساتھ ملانا باطل سے حق کو چھپانا دجال کے معنی یہاں بہت بڑا جھوٹا فریب کار ہے اور بہت بڑے جادوگر کے بھی ہو
سکتے ہیں مسیح دجال سے مراد قربِ قیامت میں آنے والا دجال ہے۔

پوری تفصیل باب الکسوف میں آئے گی صرف مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لیے بالاختصار درج ہے ۱۰ھ میں سورج میں گہن
لگا حضور اقدس ﷺ نے نمازِ کسوف کی منادی کرائی۔ صحابہ کرام نماز کے لیے جمع ہو گئے سورج گہن کی نماز حضور نے باجماعت
پڑھائی۔ اسی اثناء میں حضرت اسماء اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے آئیں کہ سب لوگوں کو دیکھا کہ نماز
پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی نماز میں ہیں پوچھا: کیا بات ہے؟ اُم المؤمنین نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ گہن ہے اس لیے نماز
پڑھی جا رہی ہے حضرت اسماء بھی نماز میں شریک ہو گئیں چونکہ حضور اقدس ﷺ نے اس نماز میں قیام بہت زیادہ طویل کیا تھا
حضرت اسماء پر گرمی اور دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی انہوں نے بار بار اپنے سر پر پانی ڈالا کہ بے ہوش نہ ہو
جائیں۔ نماز کے بعد حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا: جن جن چیزوں کو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا
ان سب کو اس جگہ مجھے دکھا دی گئیں یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ بھی دیکھیں جس طرح دجال کے ذریعہ تمہارے ایمان
و ثبات قدمی کی آزمائش ہوگی اسی کے قریب قریب قبر میں بھی امتحان ہوگا تم سے قبر میں سوال کیا جائے گا مؤمن صحیح جواب دے گا
منافق یہ کہے گا: لوگوں کو میں نے کچھ کہتے سنا تھا وہی میں نے بھی کہا تھا۔

حضور نے جمیع ما کان وما یکون کو دیکھا

حدیث کا یہ حصہ "ما من شيء لم اكن اريته الا رايته في مقامي هذا حتى الجنة والنار" میں نے اب تک جن جن
چیزوں کو نہیں دیکھا تھا ان سب کو آج اس جگہ دیکھ لیا اور یہ دیکھنا صرف عالم زیریں کے ساتھ خاص نہیں عالم بالا کی بھی تمام موجودات
کو دیکھا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ میں جانے والوں کو بالتفصیل دیکھا۔ یہ حدیث اس پر نص صریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو جمیع
ما کان وما یکون کا علم عطاء فرمایا گیا۔ خواہ رؤیت سے مراد رؤیت بصری دیکھنا مراد لیا جائے خواہ رؤیت قلبی علم مراد لیا جائے دونوں
صورتوں میں حضور کے لیے جمیع ما کان وما یکون کے علم کا حصول ثابت اس کی قدرے توضیح یہ ہے۔

اس حدیث میں "شيء" اعم العام ہے..... اور اس عموم میں ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ بھی داخل ہے

"شيء" سے مراد موجود ہے شرح عقائد میں ہے: "الشيء عندنا الموجود" اس لیے شی تمام موجودات کو عام "ما من
شيء" میں نکرہ تحت نفی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس کا معنی یہ ہوا: ہر وہ موجود جو میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی سب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دیکھ لیا' بلکہ علامہ عینی نے فرمایا:

والشیء فی قوله مَا مِن شیء اعم العام وقد وقع نکرة تحت النفی.

مَا من شیء میں شی اعم العام ہے' اور نکرہ ہوتے ہوئے نفی کے تحت واقع ہے۔

یعنی اس طرح عموم مؤکد ہو گیا کہ تخصیص کی گنجائش نہ رہی' اس لیے یہ تمام موجودات ماضیہ و آئندہ کو عام ہے' یہاں تک کہ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کے عموم میں باری تعالیٰ کا مشاہدہ بھی داخل ہے' فرماتے ہیں:

نعم اذالشیء یتناوله والعقل لایمنعه والعرف لایقتضی اخراجه. (عینی۔ج۲ص۹۷)

ہاں! اس لیے کہ شی بہ معنی موجود باری تعالیٰ کو بھی شامل ہے عقلاً محال نہیں' عرفاً ذاتِ باری تعالیٰ کو اس عموم میں داخل نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب یہاں اتنا عموم ہے کہ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ بھی داخل ہے تو جمیع ما کان وما یکون بہ درجہ اولیٰ داخل۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب خدا ہی نہ چھپا' تم پہ کروڑوں درود

ہم نے بالتفصیل کی قید اس لیے لگائی کہ اس حدیث کے دوسرے طرق میں جو الفاظ ہیں' وہ تفصیل پر صراحۃً دال ہیں' مثلاً یہ کہ میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا۔ اسی لیے علامہ عینی نے فرمایا:

وحی باطلاعه وتعریفه من امورهما تفصیلاً مَا لَمْ تعرفه قبل ذالِكَ. (ایضاً۔ج۲ص۹۸)

ان سب پر بہ ذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمایا' جن کو اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔

احکام

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے:

(۱) سورج گہن کی نماز با جماعت مشروع ہے (۲) سورج گہن کی نماز کے بعد خطبہ مسنون ہے (۳) خطبے کی ابتداء میں حمد وثنا ہونی چاہیے (۴) نماز میں ضرورت کے وقت اشارہ کی اجازت ہے (۵) جب تک بے ہوشی طاری نہ ہو جائے' وضو نہیں ٹوٹتا (۶) عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۷) جنت' دوزخ مخلوق اور موجود ہیں (۸) نماز میں عورتوں کو کسی ضرورت کے لیے بھی بلند آواز سے تسبیح منع ہے' لیکن اگر سننے والی عورت ہو تو جائز ہے (۹) اللہ عزوجل کو حضور نے بیداری میں دیکھا (۱۰) حضور اقدس ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل ہوا ہے۔

٦٩- ح: سَلُوْنِیْ عَمَّاشِئْتُمْ [جو جی چاہے پوچھو]

٦٩ - عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَشْیَاءَ کَرِهَهَا فَلَمَّا اُکْثِرَ عَلَیْهِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَبُوْكَ سَالِمٌ مَوْلٰی شَیْبَةَ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ مَا فِیْ وَجْهِهٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

(ایضاً۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکره من کثرة السوال)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو آپ کو ناگوار ہوا' جب سوالات کی اور کثرت ہوئی تو آپ کو جلال آ گیا' پھر فرمایا: تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو' اس پر ایک صاحب نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے' اس کے بعد دوسرے شخص اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: سالم شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے' جب حضرت عمر نے روئے انور میں غضب کے آثار دیکھے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرض کیا: یارسول اللہ! ہم سب اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔

لغات

''اشیاء'' الف تانیث ممدودہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور یہ شی کی جمع نہیں' اسم جمع ہے۔ اس میں الف ممدودہ زائد ہے' ورنہ الف تانیث نہ ہوگا' الف تانیث زائدہ ہے' الف ممدودہ اصلی علامت تانیث نہیں' جیسے انبیاء' اولیاء' اشیاء اصل میں شیاء تھا' نعماء کے وزن پر خلاف قیاس قلب کر کے اخیر کے ہمزہ کو ابتداء میں لائے۔ (علم الصیغہ)

سائلین میں کون تھے؟

ان کا نام عبداللہ تھا' جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں تصریح ہے' اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے نسب میں شک کرتے تھے' کبھی جھگڑے میں دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے تھے' حضور کے ارشاد کے بعد لوگوں کا شک و شبہہ دور ہو گیا۔ دوسرے صاحب کا نام سعد بن سالم مولیٰ شیبہ تھا' ان کا بھی یہی حال تھا۔

کیسے سوالات ممنوع ہیں؟

اس سے مراد ایسے سوالات ہیں' جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ وابستہ نہ ہو' مثلاً نہ اس کا اعتقاد ضروری ہو نہ عمل' ایسے سوالات ممنوع ہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ حضرت آدم نے سب سے پہلے کیا کھایا تھا؟ فدیہ اسماعیل کا دنبہ کیا ہوا؟ یا یہ کہ سوالات آزمانے کے لیے کیے جائیں' یا عاجز کرنے کی نیت سے کیے جائیں' ایسے سوالات ممنوع ہیں' ورنہ اگر علم نہیں تو کفر و ایمان و فرائض کا پوچھنا فرض' واجبات کا واجب' مستحبات کا مستحب۔ ارشاد ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ اہل ذکر (علم) سے پوچھو جو تم نہ جانتے ہو○

(الانبیاء:۷)

''سلونی عما شئتم'' کی توضیح

''مَا'' عموم کے لیے ہے دین دنیا سب کو شامل ہے' نیز اس کے عموم پر یہ دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ اور حضرت سعد نے اپنے والد کا نام پوچھا' یہ دنیوی سوال ہے۔

اس لیے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو! خواہ وہ دنیا کی بات ہو یا دین کی' میں سب بتاؤں گا۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دین و دنیا کے تمام علوم رکھتا ہو تو اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو دین اور دنیا کے جملہ علوم حاصل تھے' اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی' جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صرف دین کے جملہ علوم رکھتے تھے' دنیا کے علوم میں یہ حال تھا کہ دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ تھی۔

۷۰- ح: اِذَا تَكَلَّمَ اَعَادَهَا ثَلٰثًا

[جب نبی ﷺ کوئی بات فرماتے تو اسے تین مرتبہ فرماتے]

۷۰- عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضور جب کوئی بات فرماتے تو اسے تین بار فرماتے تا کہ وہ بات سمجھ لی جائے اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لاتے اور سلام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ثلاثًا. کرتے تو ان پر تین بار سلام کرتے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب: اذا سلم سلم ثلاثا۔ ترمذی۔ کتاب الاستیذان۔ کتاب المناقب)

تین بار سلام کی توجیہ

تین بار تکرار ہمیشہ نہیں تھا' جب ضرورت ہوتی' مثلاً بات عام فہم سے بالاتر ہوتی' یا یہ اندازہ ہوتا کہ لوگوں کے ذہن میں اچھی طرح نہیں آئی ہے' اس وقت تکرار فرماتے۔ تین بار سلام کی توجیہیں دو ہیں' ایک یہ کہ کسی کے گھر تشریف لے جاتے اور اذن کے لیے سلام کرتے تو اگر پہلی بار یا دوسری بار سلام پر اذن نہ ملتا تو تین بار سلام کرتے۔ اگر اذن ملتا تو اندر تشریف لے جاتے' ورنہ واپس ہو جاتے' جیسا کہ دوسری حدیث میں بالتصریح مذکور ہے کہ فرمایا:

اذا استاذن احدکم ثلثا فلم یوذن له فلیرجع. جب تین بار اذن چاہ لو اور اذن نہ ملے تو لوٹ آؤ۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ایک سلام اذن کے لیے کرتے' دوسرا سلام اندر جا کر تحیت کا کرتے اور تیسرا سلام واپسی کے وقت۔

۷۱- ح: ثَلٰثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ [تین اشخاص کے لیے دو اجر ہیں]

۷۱ - حَدَّثَنِیْ اَبُوْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیِّهٖ اٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِیْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ اَعْطَیْنَاكَهَا بِغَیْرِ شَیْءٍ قَدْ كَانَ یُرْكَبُ فِیْمَا دُوْنَهَا اِلَى الْمَدِیْنَةِ.

ابو بردہ عامر اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کے لیے دو اجر ہیں' ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا' اور وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہو اور اپنے آقاؤں والے کا بھی اور وہ مرد جس کی کوئی لونڈی ہو' جس سے ہم بستری کرتا تھا اور اسے اچھی طرح ادب سکھایا اور عمدہ تعلیم دی' پھر اسے آزاد کر دیا' اس کے بعد اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ حدیث بیان کرنے کے بعد عامر یعنی امام شعبی نے کہا: ہم نے تم کو یہ حدیث بلا کسی عوض کے دے دی' (حالانکہ) اس سے کم حاصل کرنے کے لیے مدینہ تک سفر کرنا پڑتا تھا۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب: اتخاذ السراری الالبیاء۔ باب: واذکر فی الکتاب مریم۔ کتاب العتق۔ باب: العبد اذا احسن عبادة ربه۔ کتاب الجهاد۔ باب: فضل من اسلم من اهل الکتابین' مسلم۔ کتاب الایمان' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' دارمی۔ کتاب النکاح' مسند امام احمد)

لغات

''موالی'' ''مولیٰ'' کی جمع ہے' ''مولیٰ' ولی یلی'' کا اسم مفعول ہے' اس کے متعدد معانی ہیں: مالک' آقا' احسان کرنے والا' جس پر احسان کیا جائے' مددگار' محب' حلیف' داماد' چچازاد بھائی' پڑوسی' جس نے غلام آزاد کیا ہو' آزاد شدہ غلام' یہاں مراد آقا ہے۔ (مرقات)

''کتاب'' سے کیا مراد ہے؟

یہاں کتاب سے مراد توراۃ اور انجیل دونوں ہیں' بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف انجیل مراد ہے۔ یہ اس تقدیر پر کہ دین عیسوی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دین موسوی کا ناسخ ہے، مگر صحیح تعمیم ہے، اس وجہ سے کہ بہت سے یہودی وہ تھے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی جیسے مدینہ طیبہ و یمن وغیرہ کے یہود، وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ نیز اہل الکتاب سے وہ تمام یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو اپنے کو یہودی یا نصرانی کہتے ہیں، اگرچہ وہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت کے پابند ہوں، اس لیے ہرقل کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا: اسلام قبول کر! تجھے دوہرا اجر ملے گا، حالانکہ یہ محرف نصرانیت کا پابند تھا، مراد خاص یہ جزوی فضیلت ہے۔ اس لیے اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ایمان لائے، وہ تمام صحابہ سے افضل ہیں کہ انہیں دوہرا اجر ہے، اور بقیہ صحابہ کو ایک اجر، کیونکہ یہ صحابہ قوتِ ایمان، زیادتی معرفت و دیگر عظیم طاعات کی وجہ سے افضل ہیں۔

ف۱: جمع اس لیے فرمایا کہ "العبد" پر الف لام جنس کا ہے، اس جنس سے مراد جمع ہے اور جمع کا جب جمع یا قائم مقام جمع کے ساتھ تقابل ہو تو آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوتی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ غلام جو اپنے آقا کا حق ادا کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غلام متعدد مالکوں کے مابین مشترک ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اپنے تمام مالکوں کا حق ادا کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غلام یکے بعد دیگرے متعدد مالکوں کی ملکیت میں ہوتا ہے تو مراد یہ ہوئی کہ جن مالکوں کے ماتحت رہا، سب کا پورا حق ادا کیا۔

لونڈی سے نکاح کرنے پر دوہرے اجر کی وجہ

ایک لونڈی کے آزاد کرنے پر، دوسرا اس سے نکاح کرنے پر۔ لونڈی سے نکاح کرنے پر مزید ثواب کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لونڈیوں سے نکاح ناپسند سمجھا جاتا ہے، اگرچہ وہ آزاد شدہ ہوں، اگر یہ نکاح نہ کرتا تو اندیشہ تھا کہ اس لونڈی کی زندگی برباد ہو جاتی۔ اس نے نکاح کر کے صرف بربادی ہی سے نہیں بچایا بلکہ اسے عزت بھی بخش دی، یہ موجبِ اجر ہے۔ نیز جب تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند ہے تو اپنے شوہر کو بھی نیکیوں پر آمادہ رکھے گی، برائیوں سے بچائے گی، تو یہ لونڈی اس کے لیے باعث خیر ہوئی۔ اس شخص نے کئی موجبِ ثواب کام کیے، اسے تعلیم دی، تربیت دی، آزاد کیا، پھر نکاح کیا۔ اس اعتبار سے وہ کئی اجروں کا مستحق ہے، لیکن ذکر دو ہی اجر فرمائے۔ لونڈی کی خصوصیت کے اعتبار سے ہے کہ بقیہ باتوں میں لونڈی کی تخصیص نہیں، کسی کو بھی تعلیم دے گا، کسی کی بھی تربیت کرے گا، ثواب پائے گا۔ تعلیم سے مراد علم دین سکھانا ہے اور تربیت سے مراد دوسری باتوں کا سلیقہ اور ہنرمندی اچھی عادت سکھانا مراد ہے۔

تکمیل

اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ ایک خراسانی امام شعبی کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا: ہمارے خراسان کے پہلے لوگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے، گویا وہ اپنی ہدی پر سوار ہے۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جو اپنے ساتھ ایام حج میں قربانی کے لیے لے جائے اور ہدی پر سواری منع ہے۔ اس پر امام شعبی[1] نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ یہ بات نہیں، ایسا شخص دوہرے ثواب کا مستحق ہے، پھر امام شعبی نے اس خراسانی سے فرمایا: ہم نے بلا کسی عوض کے مفت میں یہ حدیث بتا دی حالانکہ اس سے کم کے لیے لوگوں کو مدینہ طیبہ جانا پڑتا تھا۔ یہ حال عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانے تک رہا۔ بعد میں صحابہ کرام تمام بلاد میں پھیل گئے اور اس کی ضرورت نہ رہی کہ حدیث معلوم کرنے کے لیے مدینہ طیبہ ہی جانا ضرور ہو، بلکہ کبھی کبھی ایسا ہوا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ دوسرے بلاد میں حدیث حاصل کرنے تشریف لے گئے، جیسا کہ تعلیق: ۱۶۰ کے تحت گزرا۔

دوہرے ثواب کا استحقاق انہیں تینوں قسم کے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں، کوئی بھی شخص ایسا کام کرے جو دوہرے ثواب کا سبب ہو تو وہ دوہرا ثواب پائے گا، مثلاً بیٹا، ماں باپ کی بھی کما حقہ خدمت کرتا ہے اور حقوق اللہ بھی ادا کرتا ہے۔ یوں ہی وہ حاکم جو رعایا

[1] کتاب الایمان

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کی بھی سچائی کے ساتھ پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اللہ عزوجل کے بھی تمام حقوق ادا کرتا ہے تو یہ لوگ بھی دوہرے ثواب کے مستحق ہیں۔

۷۲- ح: عِظَةُ النِّسَاءِ

[عورتوں کو وعظ کرنا]

۷۲ - سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ اَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ عَطَاءٌ اَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ اَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَاْخُذُ فِيْ طَرَفِ ثَوْبِهٖ. (ایضاً۔ مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ، نسائی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب العلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا عطاء نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن عباس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مردوں کی مجلس سے) باہر تشریف لائے اور حضور کے ساتھ بلال تھے، حضور کو گمان ہوا کہ میری بات عورتوں تک نہیں پہنچی (حضور عورتوں کے قریب آئے) اور انہیں وعظ فرمایا اور حکم دیا کہ صدقہ کریں، (اس کا اثر یہ ہوا کہ) عورتیں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں اتار اتار کر دینے لگیں، جنہیں بلال اپنے کرتے کے دامن میں جمع کرنے لگے۔

عورتوں کے مجمع میں وعظ ممنوع ہے

اس سے ثابت ہوا کہ خاص عورتوں کے مجمع میں جا کر مرد کو وعظ کہنا جائز ہے۔ امام نووی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے کہ کسی طرف فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اس زمانہ پُرفتن میں چونکہ خشیت خداوندی نادر ہے اور ہوا و ہوس غالب ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں۔

عورت بلا اذن شوہر صدقہ کر سکتی ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت اپنا مال شوہر کی بلا اجازت صدقہ کر سکتی ہے اور جن بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر صرف کرنا جائز نہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے مال میں، شوہر کی بلا اجازت تصرف جائز نہیں۔

۷۳- ح: اَسْعَدُ النَّاسِ بِالشَّفَاعَةِ

[لوگوں میں سب سے زیادہ شفاعت کے سعادت مند]

۷۳ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَنْ لَّا يَسْاَلَنِيْ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَحَدٌ اَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَاَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ.

(بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب: صفۃ الجنۃ والنار، مسند امام احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز کون ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے یہ بات کوئی نہیں پوچھے گا، کیونکہ تمہارے حدیث کے شوق کو جانتا ہوں، قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز وہ ہوگا جس نے سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔

یہاں "قیل" ہے جس سے معلوم ہوتا کہ پوچھنے والے کوئی اور صاحب ہیں، حالانکہ اس حدیث کے پچھلے حصے سے ظاہر ہے کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پوچھنے والے حضرت ابوہریرہ ہی ہیں' اسی لیے امام قاضی عیاض نے فرمایا: یہ تصحیف ہے' صحیح ''قیل'' کے بجائے ''قلت'' ہے' جیسا کہ صفۃ الجنۃ والنار'' میں خود امام بخاری نے ''قیل'' کے بجائے ''قلت'' روایت کیا ہے۔

شفاعت کے مدارج

یہ اس لیے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے مختلف مدارج ہیں' پہلا درجہ میدانِ محشر کی ہولنا کی میں تخفیف' یہ سب کے لیے ہوگی۔ دوسرے: بعض کفار کے عذاب میں تخفیف' جیسا کہ ابوطالب کے بارے میں وارد ہے۔ تیسرے: بلا حساب وکتاب کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کرنا' چوتھے: کچھ لوگ مستحق نار ہوں گے' انہیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کرنا' پانچویں: جو جہنم میں جا چکے ہوں گے انہیں سزا کی میعاد سے پہلے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرنا' چھٹے: کچھ جنتیوں کے درجات بلند کرنا' ان میں دو پہلی والی شفاعات سے مؤمن اور کافر سبھی بہرہ ور ہوں گے اور بقیہ چار خاص مؤمنین کا حصہ ہے۔ ان چاروں میں کفار کا کوئی حصہ نہیں' تو ظاہر ہو گیا کہ مؤمنین کو کفار کی بہ نسبت کفار کے زیادہ حصہ ملا' اس لیے فرمایا: سب سے زیادہ میری شفاعت سے سعادت اندوز سچے دل سے ایمان قبول کرنے والا ہے۔

اقرار باللسان کی اہمیت

یعنی صدقِ دل سے مسلمان ہوا ہو' منافق نہ ہو۔ ''من قال'' سے ثابت ہے کہ جسے اقرار باللسان سے کوئی مانع نہ ہو' اس پر اقرار باللسان لازم ہے۔

فوائد

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ علم دین کا شوق پسندیدہ ہے' اور ثابت ہوا کہ استاذ اپنے ذہین اور شوقین تلمیذ کی حوصلہ افزائی کرے۔ نیز ثابت ہوا کہ مؤمنین کے لیے شفاعت حق ہے۔

ت۱۸ - وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَا تَقْبَلْ اِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوْا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ فَاِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتّٰى يَكُوْنَ سِرًّا.

اور عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا: دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حدیث ہو اسے لکھ لو' اس لیے کہ مجھے علم مٹ جانے اور علماء کے اُٹھ جانے کا اندیشہ ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے سوا اور کچھ نہ قبول کیا جائے' اور علم کو خوب پھیلاؤ اور (عوام میں) بیٹھو تا کہ بے علم' علم حاصل کریں کیونکہ جب تک علم کو راز نہیں بنایا جائے گا' علم اُٹھے گا نہیں۔

ابوبکر بن حزم مدنی انصاری

ان کا نام ابوبکر اور کنیت ابومحمد ہے' یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے مدینہ طیبہ کے حاکم تھے۔ اسی وجہ سے انہیں خصوصیت سے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کا وصال ۱۲۰ھ میں ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ہوا' چوراسی سال کی عمر پائی۔

تدوینِ حدیث کی ایک کڑی

تدوین حدیث کی مختصر تاریخ مقدمہ میں مذکور ہے' اسی کی ایک کڑی یہ حکم بھی ہے' چونکہ حکم صرف احادیث جمع کرنے کا ہے' اسی لیے تاکید کر دی کہ اس میں دوسروں کے اقوال نہ لکھے جائیں' تا کہ التباس نہ ہو۔ اس عہد خیر القرون میں جب علم کے اُٹھ جانے کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خطرہ تھا تو آج بہ درجۂ اولیٰ ہے اس لیے علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ علم کی حتی الوسع خوب اشاعت کریں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ حکم صرف ابوبکر بن حزم کو نہ تھا' بلکہ تمام آفاق کے لوگوں کو بھی تھا' جیسا کہ ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں ذکر کیا ہے۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حتی یکون سِرًّا" تک عمر بن عبدالعزیز ہی کا قول ہے' اس کا احتمال ضرور ہے' مگر اظہر یہ ہے کہ "ذهاب العُلَماء" تک حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے' اور بقیہ امام بخاری کا اضافہ ہے' جیسا کہ بعد میں اس کے متصل ہی امام بخاری نے سند کے ساتھ صرف "ذهاب العُلَماء" تک ذکر کیا ہے۔

۷۴- ح: قَبْضُ الْعِلْمِ [علم کا اٹھ جانا]

۷۴- عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُئُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل علم کو یوں نہیں اُٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے' ہاں! علماء کو اُٹھا کر علم بھی اُٹھا لے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے' ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا' یہ بے علم کے فتویٰ دیں گے' خود بھی گمراہ ہوں گے' لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(ایضاً۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما یذکر من ذم الرای' مسلم۔ کتاب العلم۔ ص ۱۳۔ ۱۴' ترمذی۔ کتاب العلم۔ ص ۹۵' ابن ماجہ۔ مقدمہ۔ ص ۸۰ دارمی۔ مقدمہ۔ ص ۲۶' مسند امام احمد' علاوہ ازیں نسائی۔ کتاب العلم' ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ)

تکمیل

یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی' اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے' ارشاد فرمایا: علم کو حاصل کرو' قبل اس کے کہ اُٹھا لیا جائے' اس پر ایک اعرابی نے عرض کیا: کیسے اُٹھا لیا جائے گا؟ فرمایا: علم کا اُٹھنا حاملینِ علم کی وفات ہے' یہ تین بار فرمایا۔

فوائد

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) ایسا زمانہ آ سکتا ہے کہ کوئی مجتہد نہ رہے (۲) جاہل کو مذہبی پیشوا یا مفتی بنانا حرام (۳) افتاء دینی ریاست اور مفتی دینی رئیس ہے۔

۷۵- ح: تَعْيِيْنُ الْيَوْمِ لِلْوَعْظِ [وعظ کے لیے دن مقرر کرنا]

۷۵- عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَتِ النِّسَآءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَّنَا يَوْمًا مِّنْ نَّفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَّقِيَهُنَّ فِيْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيْمَا قَالَ لَهُنَّ مَا مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِّنْ وَّلَدِهَا اِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَتِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ کی بارگاہ میں مردہم پر غالب ہیں حضور اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لیے مقرر فرما دیں' حضور نے عورتوں سے ایک دن مقرر کر کے وعدہ فرما لیا' اس دن عورتوں کے پاس تشریف لے گئے' انہیں وعظ فرمایا' انہیں جو احکام دیے' ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امْرَاۃٌ وَّاثْـنَـیْنِ فَـقَالَ وَاثْـنَـیْنِ. (اسے امام بخاری نے کتاب الجنائز باب:فضل من مات له ولد۔ کتاب الاعتصام۔باب: تعلیم الرجل امته میں اور امام مسلم نے کتاب المسافرین میں ابوداؤد نے کتاب الوتر میں نسائی نے کتاب القبلہ میں ابن ماجہ نے کتاب الاقامۃ میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے)

ارشادات میں یہ تھا: تم میں سے جو عورت تین بچے آگے بھیج دے یہ بچے اس کے لیے آگ سے آڑ ہوں گے اس پر ایک عورت نے عرض کیا: اور جس نے دو بھیجے ہوں؟ فرمایا: دو کا بھی یہی حکم ہے۔

ذکر خیر کی مجلس کے لیے دن معین کرنا سنت ہے

حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ عورتوں کی درخواست پر فرمایا: فلاں عورت کے گھر جمع ہو جانا اس دن گھر میں تشریف لے گئے اور انہیں وعظ فرمایا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ذکر خیر یا کار خیر کے لیے دن اور جگہ مقرر کرنا سنت ہے جیسے وعظ میلاد شریف نیاز فاتحہ عرس وغیرہ۔

نابالغ بچوں کے فوت ہونے کا ثواب

اس کے بعد والی حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ ایسے بچے جو بالغ نہ ہوئے ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جس عورت کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں اور اس نے صبر کیا اسے جہنم سے نجات ہے یا تو یوں کہ یہ بچے شفاعت کر کے جہنم سے بچائیں گے یا اللہ عزوجل ان کی مصیبت پر رحم فرما کر بخش دے گا۔ عورت کی تخصیص نہیں مرد بھی اس میں داخل ہیں جیسا کہ کتاب الجنائز میں حضرت انس کی حدیث میں ہے: "مَا مِنَ الناس مسلم" کسی بھی مسلمان مرد کے تین بچے فوت ہوں اور ترمذی شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث "ما من مسلمین یتوفّی لھما" یعنی جن دو مسلمانوں کے تین بچے فوت ہو جائیں تین اور دو کی بھی تخصیص نہیں بلکہ ایک بچے کے فوت ہونے پر بھی یہ ثواب ہے جیسا کہ ترمذی کی متعدد احادیث میں تصریح ہے کہ عرض کیا گیا: دو؟ تو فرمایا: دو بھی پھر عرض کیا گیا: ایک؟ تو فرمایا: ایک بھی نابالغ کی تخصیص اس لیے ہے کہ ماں باپ کو چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

ف: یہ عرض کرنے والی یا تو ام سلیم تھیں یا ام ایمن یا ام مبشر تینوں روایتیں ہیں۔

۷۶- ح:مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ [جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا]

۷۶- سَمِعْتُ رِبْعِیَّ بْنَ حِرَاشٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَکْذِبُوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَلِجِ النَّارَ.

ربعی بن حراش کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ مت باندھو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنم میں جائے گا۔

(یہ حدیث امام مسلم نے مقدمہ ترمذی نے کتاب العلم میں کتاب المناقب میں نسائی نے کتاب العلم میں ابن ماجہ نے کتاب السنۃ میں امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کی ہے)

ربعی بن حراش

ثقہ تابعی ہیں زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا ان کے دو بیٹے حجاج کے باغی تھے۔ حجاج نے ان کے پاس آدمی بھیجا حجاج کے سپاہی نے ان سے پوچھا کہ تمہارے بیٹے کہاں ہیں؟ بتا دیا: گھر میں ہیں حجاج نے جب سنا تو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ تم دونوں کے والد کے سچ بولنے کی وجہ سے معاف کر دیا۔ یہ قسم کھائی کہ اس وقت تک نہ ہنسوں گا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہے یا دوزخ میں؟ عمر بھر کبھی نہ ہنسے موت کے بعد مسکرا رہے تھے۔ ربعی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صرف اس ایک حدیث کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سننا ثابت ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت یا ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

نام علی ہے، کنیت ابوالحسن، ابوتراب ہے۔ حیدر، اسد اللہ خطابات ہیں، انہیں اپنی کنیت ابوتراب بہت پسند تھی، اس لیے کہ یہ کنیت خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی تھی، ان میں اور سیّدہ میں کچھ شکر رنجی ہوگئی، یہ مسجد میں فرش پر جا کر سور ہے، آنحضور تشریف لائے انہیں اُٹھایا، پیٹھ پر گرد لگی تھی، فرمایا: ''قم یا ابا تراب'' اے ابوتراب! اُٹھو۔

اعلانِ نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے، ان کی تربیت آغوشِ نبوی میں ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سب سے چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے ساتھ ان کی شادی فرمائی، تمام غزوات میں شریک ہوئے اور حق جان نثاری ادا کیا، سوائے غزوۂ تبوک کے، اس موقع پر حضور نے مدینہ طیبہ میں ان کو اپنا نائب بنا کے رکھا تھا۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے اور حضور کے محبوب داماد اور پروردہ ہیں۔ مدینہ طیبہ میں جب رشتہ مواخات قائم فرمایا تو ازراہِ کرم ان سے فرمایا: ''انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ'' سابقین اوّلین، خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور ان چھ افراد میں ہیں، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے راضی گئے، صحابہ کرام کی صف اوّل کے علماء ربانیین اور دنیا کے بہادروں میں سب سے یکتا ہیں۔ یہی وہ بطل جلیل ہیں جنہوں نے ابن عبدوڈ کو قتل کیا اور خیبر میں مرحب کو خاک و خون میں ملا کر خیبر فتح فرمایا۔ جنگ اُحد میں انتہائی نازک وقت میں بھی ساتھ ساتھ رہے، اس غزوہ میں سولہ زخم کھائے، مگر قدم میں لغزش نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بہ اتفاق تمام اہل حل وعقد ۳۵ھ ذوالحجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے، تین ماہ کچھ دن کم پانچ سال تک مسند آرائے خلافت رہے، اٹھارہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں نمازِ فجر کے لیے جاتے ہوئے مسجد کوفہ میں عبدالرحمٰن بن ملجم نے سر اقدس پر زہر آلود تلوار ایسی ماری کہ دماغ تک پہنچ گئی، تیسرے دن بیس رمضان کو اسی صدمے سے وصال فرمایا۔ سبطین کریمین اور عبداللہ بن جعفر طیار نے غسل دیا۔ حضرت امام حسن نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بہ روایت صحیح کوفہ ہی میں مدفون ہوئے، عمر مبارک تریسٹھ سال کی ہوئی، حضرت علی سے پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں نے بائیس اور نو تنہا بخاری نے اور پندرہ صرف مسلم نے ذکر کی ہیں۔

علم دین اور اس کی نشر و اشاعت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ضروری تھا کہ جہل بہ نام علم کے مفاسد اور اس پر جو وعیدیں وارد ہیں، ان کو بھی بیان کر دیا جائے۔ اس لیے کہ علم سے جتنا نفع نہیں ہوتا، جہل بہ صورتِ علم سے کہیں زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت احادیث کی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات دین ہیں، اب اگر کوئی فتنہ پرور اپنی کسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے یہ کہے کہ یہ حضور اقدس کا ارشاد ہے، تو اس سے دین میں کتنا بڑا رخنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں احادیث کے یاد کرنے، ان کی نشر و اشاعت کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی ہے وہیں حدیثیں گھڑ کر آنحضور کی طرف منسوب کرنے کی بہ شدت ممانعت فرمائی ہے اور اس پر سب سے بڑے عذاب جہنم کی وعید فرمائی ہے، اس اہمیت کے پیش نظر امام بخاری نے اس مضمون کی پانچ احادیث پانچ صحابہ سے مروی یہاں ذکر کیں۔

حدیث گھڑنا بہر حال حرام ہے

جھوٹی حدیثیں وضع کرنی بہر حال حرام قطعی و اشد کبیرہ گناہ ہے۔ خواہ وہ عقائد کی ہوں، خواہ احکام کی، خواہ فضائل و مناقب کی ہوں، خواہ ترغیب و ترہیب کی، یہ علم ہوتے ہوئے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس کے موضوع ہونے کو ظاہر کیے بغیر اسے بیان کرنا بھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حرام ہے۔

وضع کا حکم لگانے میں احتیاط لازم ہے

جس طرح حدیث گھڑنا حرام ہے، اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے۔ اس لیے اس معاملے میں دونوں طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ علمائے سلف ان تمام کاموں سے فارغ ہو چکے اب ہم پر ان کی اتباع لازم ہے۔ علامہ عینی نے یہاں یہ بھی تاکید فرمائی ہے کہ احادیث پوری صحت کے ساتھ پڑھی جائیں، ان میں نحوی، صرفی، لغوی غلطی نہ ہو، جتنے نام ہوں صحیح پڑھے جائیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ بھی اس وعید میں داخل نہ ہو جائے۔ اسی طرح حرف کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرے، ورنہ اس وعید میں ضرور داخل ہوگا، اگر معنی فاسد ہو گئے، ورنہ اندیشہ بہر حال ضرور ہے۔

''فلیلج النار'' کی توجیہ

''فلیلج النار'' صیغۂ امر خبر کے معنی میں ہے، یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا، اس کی مؤید مسلم شریف کی روایت بہ طریق غندر عن شعبہ ہے، جس میں فرمایا:

مَنْ یکذِب عَلَیَّ یلِج النار. جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا، جہنم میں جائے گا۔

نیز ابن ماجہ بہ طریق شریک عن منصور کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے، جس میں یوں ہے کہ فرمایا:

اِکْذَابٌ عَلَیَّ یُوْلِجُ النَّارَ. مجھ پر جھوٹ باندھنا جہنم میں داخل کرے گا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بددعا ہے۔

۷۷- عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَیْرِ اِنِّیْ لَا اَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَمَا یُحَدِّثُ فُلَانٌ وَّفُلَانٌ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اُفَارِقْهُ وَلٰكِنْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

(ابوداؤد، نسائی۔ کتاب العلم، ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے (اپنے والد) حضرت زبیر سے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کو نہیں سنتا، جیسا کہ فلاں اور فلاں بیان کرتے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو! میں رسول اللہ سے (سفر و حضر میں) جدا نہ رہا، لیکن میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا: جو مجھ پر جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

۷۸- قَالَ اَنَسٌ اِنَّهٗ لَیَمْنَعُنِیْ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ حَدِیْثًا كَثِیْرًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَیَّ كَذِبًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

(اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی کتاب العلم میں ذکر کیا ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

یہ حضرت خدیجہ کے چچا عوام کے بیٹے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے، سابقین الاولین اور عشرہ مبشرہ اور ان چھ نفوس قدسیہ میں سے ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی رہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بالکل ابتداء میں جب کہ تین یا چار حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، ایمان قبول فرمایا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اُمیہ ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتے، مگر یہ فرماتے: میں ہرگز کافر نہ ہوں گا۔ سب سے پہلے راہ خدا میں انہوں نے اپنی تلوار نیام سے نکالی، ہوا یہ کہ ایک بار مکہ میں دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ گرفتار کر لیے گئے، یہ سنتے ہی تلوار نیام سے کھینچ کر لوگوں کی بھیڑ چیرتے ہوئے نکلے اور حضور اقدس ﷺ مکہ کے بالائی حصے میں تھے، جب حاضر خدمت ہوئے، پوچھا: کیا بات ہے؟ واقعہ عرض کیا، حضور نے ان کے لیے اور ان کی تلوار کے لیے دعا فرمائی، دونوں ہجرتیں کیں، تمام غزوات میں شریک ہوئے اور بہت نمایاں معرکے سر کیے۔ غزوۂ خندق میں ایک رات سخت سردی میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے جو دشمنوں کا حال معلوم کر کے آئے؟ تین بار فرمایا، مگر کوئی تیار نہیں ہوا، تیسری بار یہ آمادہ ہو گئے اور دشمن کے کیمپ میں جا کر حال معلوم کر کے آئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا:

لکل نبی حواریون و حواری الزبیر. ہر نبی کے کچھ خاص معتمد مددگار ہوتے ہیں اور میرا خاص معتمد مددگار زبیر ہے۔

غزوۂ اُحد میں یہ بھی ان چودہ جاں نثاروں میں تھے جو شمع رسالت کے لیے حصار بنے رہے۔

جنگ جمل میں حضرت علی کے مقابل تھے، ایک بار آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی ﷺ نے ان کو حضور اقدس ﷺ کا وہ ارشاد یاد دلایا: اے زبیر! تم ایک دن علی سے لڑو گے اور تم ظالم ہو گے۔ یہ سنتے ہی میدانِ جنگ سے چل پڑے۔ بصرہ کے قریب ہی وادیٔ سباع کے ایک گاؤں سفوان میں پہنچ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ عمرو بن حرموز التیمی نے چپکے سے پیچھے سے نیزہ مار کر شہید کر دیا، حضرت علی کی خدمت میں عمرو ان کی تلوار لے کر حاضر ہوا اور کہا: میں نے زبیر کو قتل کر دیا، حضرت علی نے فرمایا: یہ تلوار مدتِ دراز تک رسول اللہ ﷺ سے مصائب دور کرتی رہی، ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت ہو[1] عمرو نے کہا: اے علی! آپ کی ذات مسلمانوں میں عجیب و غریب ہے، آپ کا دوست بھی جہنمی اور دشمن بھی جہنمی۔ اس وقت وہیں دفن کر دیئے گئے، بعد میں منتقل کر دیئے گئے۔ بصرہ میں مزار مبارک مشہور و معروف ہے، ۳۶ھ میں شہادت ہوئی، باسٹھ سال کی عمر پائی۔

اغنیاء صحابہ میں سے تھے، وفات کے وقت کروڑوں نقد ترکہ چھوڑا تھا، ان سے اڑتیس حدیثیں مروی ہیں، دو متفق علیہ اور سات افرادِ بخاری سے ہیں۔

ف ۱: ابن ماجہ میں خاص حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے۔

حضرت زبیر کے حضور سے رشتے

زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں اسے یوں روایت کیا کہ عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا: مجھے اپنے والد حضرت زبیر کے حدیث کم بیان کرنے سے تکلیف تھی، اس لیے میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا: اے بیٹے! میرے اور حضور کے مابین جو رشتہ ہے وہ تم جانتے ہو، ان کی پھوپھی صفیہ میری ماں ہیں اور ان کی زوجہ خدیجہ میری پھوپھی اور ان کی والدہ آمنہ اور میری دادی ہالہ بنت وہیب بہنیں ہیں تمہاری ماں اور ان کی اہلیہ عائشہ بہن ہیں، لیکن چونکہ میں نے حضور سے ایسا سنا ہے، اس لیے حدیث کم بیان کرتا ہوں۔

حضرت زبیر کی احتیاط کا نکتہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے میں خطا کا اندیشہ ہے، اس لیے میں احتیاط کرتا ہوں، اگرچہ حرام و گناہ بالقصد جھوٹ باندھنا ہے اور سہواً یا خطاءً اگر جھوٹ صادر ہو جائے تو معاف ہے، مگر جب کسی کو کثرت سے حدیث بیان

[1] اسد الغابہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرنے میں خطاء کا اندیشہ ہو تو ضرور بہ کثرت احادیث بیان کرنا ممنوع ہے۔ اس میں بڑا فساد یہ ہے کہ لوگ ثقہ کی روایت پر اعتماد کر کے اسے قبول کریں گے' اس کے مطابق اعتقاد رکھیں گے' اس پر عمل کریں گے حالانکہ یہ اعتقاد و عمل ایسی بات پر ہوگا' جو شارع نے نہیں فرمایا۔ اسی لیے محتاط صحابہ نے کثرت سے احادیث بیان کرنے سے پرہیز فرمایا' رہ گئے مکثرین تو انہیں اپنے حافظہ پر اعتماد اور وثوق تھا' بیان کرنے میں انہیں خطاء کا اندیشہ نہ تھا' اس لیے بیان فرمایا' یا یہ کہ ان کی عمریں زیادہ ہوئیں' نئے نئے حوادث اور واقعات پیدا ہوئے اور لوگوں نے ان سے سوالات کیے اور عندالسوال کتمان علم حرام۔ اس سے بچنے کے لیے انہوں نے جو یاد تھا' فرمادیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بالقصد جھوٹ باندھنا حرام ہے

یہاں ''متعمدًا'' نہیں لیکن ابن ماجہ اور اسماعیلی کی روایت میں ''متعمدا'' ہے' اور یہ طے ہے کہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ قصداً جھوٹ باندھا جائے' اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ اس بارے میں بھی خطاء وسہو معاف ہے۔

۷۹ - عَنْ سَلَمَةَ هُوَ ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ یَّقُلْ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا: جس نے میری طرف منسوب کر کے وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی' وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

یہ بہت مخیّر' بہادر' ماہر تیرانداز اور فاضل تھے۔ بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے' انہوں نے تین بار بیعت کی۔ شروع میں' درمیان میں' اخیر میں۔ یہی وہ بزرگ ہیں کہ ان سے بھیڑیے نے کلام کیا' ہوا یہ کہ انہوں نے ایک بھیڑیے کو دیکھا کہ وہ ایک ہرن پکڑے ہوئے ہے' انہوں نے بھیڑیے کا پیچھا کیا اور اس سے ہرن چھین لیا' اس پر بھیڑیے نے کہا: تجھے خرابی ہو! میرا اور تیرا کیا حال ہے! اللہ نے مجھے رزق دیا' تو نے اسے چھین لیا' حالانکہ وہ تیرا مال نہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: اے اللہ کے بندو! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بھیڑیا کلام کر رہا ہے۔ اس پر بھیڑیے نے کہا: اس سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کھجوروں میں اللہ کے رسول ہیں جو تم کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور تم بتوں کی عبادت پر مصر ہو۔ یہ سن کر حضرت سلمہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مشکوٰۃ میں بھی ایک بھیڑیے کے کلام کرنے کا واقعہ ہے' جس میں یہ ہے کہ ایک یہودی چرواہے کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور بھیڑیے نے یہ کہا: اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ایک صاحب ان دونوں سنگستانوں کے درمیان نخلستان میں ہیں' جو تم کو ان تمام باتوں کی خبر دیتے ہیں جو گزر چکا اور ان تمام باتوں کی بھی جو تمہارے بعد ہوں گی' اس یہودی نے خدمت میں آ کر بتادیا اور مسلمان ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا: یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے' بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ انسان جب اپنے گھر واپس ہوگا تو اس کے جوتے اور اس کا کوڑا بتائے گا کہ تمہارے گھر سے جانے کے بعد گھر والوں نے کیا کیا۔

(مشکوٰۃ۔ کتاب المعجزات۔ فصل ثانی ص ۵۴۱)

حضرت سلمہ نے مدینہ طیبہ میں ۷۴ھ میں اسی سال کی عمر پا کر وصال فرمایا' ان سے ستر حدیثیں مروی ہیں' سولہ متفق علیہ' پانچ افراد بخاری اور نو افراد مسلم سے ہیں۔

ثلاثی حدیث

بخاری میں بیس سے زائد ایسی احادیث ہیں جن کو ثلاثیات کہتے ہیں' یعنی ان کی سندیں بہت مختصر ہیں۔ امام بخاری اور حضور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ﷺ کے مابین صرف تین راوی ہیں، یہ حدیث ثلاثیات میں سب سے اعلیٰ ہے۔

روایت بالمعنی کے عدم جواز پر استدلال اور اس کا جواب

جو لوگ روایت بالمعنی جائز نہیں مانتے وہ لوگ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس لیے کہ قول لفظ و معنی کے مجموعے کو کہتے ہیں، اگر لفظ بدل گیا تو بعینہٖ وہی قول نہ رہا، لیکن جمہور روایت بالمعنی کو جائز مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے اور اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ لفظ اپنا بدل دے کہ معنی کچھ کے کچھ ہو جائیں، یہ حرام ہے، اس اختلاف کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ روایت باللفظ اولیٰ ہے۔

۸۰ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمَّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْیَتِیْ وَمَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو، جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے بلاشبہہ مجھے دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔

(بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب: كنية النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسلم۔ باب: النهی عن التكنی بابی القاسم، ترمذی۔ باب: كراهية الجمع بين اسم النبی و كنيته)

لغات

کسی چیز کے خاص نام سے اگر تعریف یا برائی ظاہر ہو تو اسے لقب کہتے ہیں، جیسے صدر الشریعہ، مفتی اعظم ہند، ورنہ اگر اس کے شروع میں ''اب'' یا ''ام'' ہو تو کنیت ہے، جیسے ابوبکر، ابوحفص، ورنہ نام ہے جیسے عمر، عثمان۔ ''شیطان'' یا تو ''شاط'' بہ معنی ''هَلَكَ'' سے مشتق ہے، اس تقدیر پر یہ فعلان کے وزن پر ہوگا، اس میں الف نون زائدتان ہوں گے اور یہ غیر منصرف ہوگا، یا ''شَیْطَنَ'' بہ معنی ''بعد'' سے مشتق ہے تو یہ فیعال کے وزن پر ہوگا، اس کا نون اصلی ہوگا، اس تقدیر پر یہ منصرف ہوگا۔ جنوں، انسانوں، جانوروں میں جو سرکش متمرد موذی ہو، اسے شیطان کہتے ہیں، یہاں مراد مشہور و معروف شیطان ہے۔

نام نامی اور کنیت کا حکم

حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ مبارک تک یہ حکم تھا کہ نام نامی اور کنیت مبارکہ ابوالقاسم کسی کی رکھنی جائز نہیں، اس کا سبب یہ تھا کہ یہود ابوالقاسم کنیت رکھتے تھے، حضور اقدس ﷺ کو دیکھتے تو پکارتے: اے ابوالقاسم! جب آپ متوجہ ہوتے تو کہتے: آپ کو نہیں بلایا ہے، چنانچہ صحیحین اور ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضور کو دیکھ کر کہا: اے ابوالقاسم! جب حضور متوجہ ہوئے تو اس گستاخ نے کہا: آپ کو نہیں، فلاں کو بلایا تھا[1] اس پر فرمایا: میرے نام پر نام رکھو کنیت نہ رکھو، اس لیے منع کر دیا گیا۔ نام نامی پر نام رکھنے کی حیاتِ مبارکہ میں بھی اجازت تھی، مگر ابوداؤد شریف[2] میں ہے کہ فرمایا:

مَنْ تَسَمّٰی بِاسْمِیْ فَلَا یَتَكَنّٰی بِكُنْیَتِیْ وَمَنْ تَكَنّٰی بِكُنْیَتِیْ فَلَا تَسَمَّ بِاسْمِیْ.

اگر میرا نام رکھو تو میری کنیت مت رکھنا اور اگر میری کنیت رکھو تو میرا نام مت رکھنا۔

---

[1] اسے امام بخاری نے کتاب الادب۔ باب: من سمی باسماء الانبیاء میں بھی اور امام مسلم نے مقدمہ میں صرف اخیر کا حصہ ذکر کیا ہے۔

[2] باب: كراهية الجمع بين اسم النبی و كنيته

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نیز ترمذی[1] میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى ان يجمع احد بين اسمه و كنيته ويسمى محمدًا ابا القاسم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام اور کنیت جمع کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ جس کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی جائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں کو جمع کرنا ممنوع تھا' صرف محمد نام رکھنا یا صرف ابوالقاسم کنیت رکھنے کی ممانعت نہ تھی۔ اور بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نام رکھنے کی اجازت تھی اور ممانعت کنیت رکھنے کے ساتھ خاص تھی۔ اس قسم کا جو بھی حکم تھا' یہ صرف حیات مبارکہ ہی تک محدود تھا' بعد وصال نام نامی اور کنیت مبارکہ دونوں کو جمع کرنا خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ثابت ہے' جیسا کہ ابوداؤد[2] میں ہے کہ حضرت علی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر حضور کے بعد میرے لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام حضور کے نام پر اور اس کی کنیت حضور کی کنیت پر رکھوں؟ فرمایا: اجازت ہے' چنانچہ حضرت علی نے محمد بن حنفیہ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔

خواب میں زیارت

یہ حدیث اس کی دلیل ہے جو بیدار بخت خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو اس نے حضور ہی کی زیارت کی۔ حضور کی زیارت کا مطلب یہ ہے کہ جو حلیہ مبارکہ منقول ہے' اس کے مطابق دیکھے' اس لیے شائقین زیارت کو لازم ہے کہ حلیہ مبارکہ یاد رکھیں' جس طرح شیطان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت نہیں بنا سکتا' اسی طرح کسی نبی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے خواب میں اگر کسی نبی کی زیارت ہو اور ان کے منقول حلیے کے مطابق تو اس نے واقعی اس نبی کی ہی زیارت کی۔ یہ حدیث ''مَــن كَـذَب عَـلَيَّ الخ'' صحیح یہ ہے کہ متواتر ہے۔ علامہ عینی اور علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ سو صحابہ سے مروی ہے۔ امام نووی سے منقول ہے کہ دو سو صحابہ سے مروی ہے' اگرچہ بعض میں یہ خاص وعید نہیں۔ امام بخاری نے یہاں پانچ صحابہ سے روایت کی' ان کے علاوہ کتاب الجنائز میں مغیرہ بن شعبہ سے' اخبار بنی اسرائیل میں عبداللہ بن عمرو سے' مناقب میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی۔

چند احادیث متواترہ

علامہ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل احادیث بھی متواتر ہیں: (۱) ''من بنى لله مسجدًا بنى الله له بيتاً في الجنة'' (۲) مسح خفین (۳) رفع یدین (۴) حدیث شفاعت (۵) حدیث حوض (۶) حدیث رؤیت باری (۷) الائمہ من قریش (۸) حدیث مسواک' مگر ان میں حصر نہیں' اس کے علاوہ اور بھی احادیث متواتر ہیں۔

حسن ترتیب

امام بخاری نے پہلے حضرت علی کی حدیث ذکر کی جو مقصود باب ہے' پھر حضرت زبیر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور پر کی طرف غلط بات منسوب کرنے سے کتنا ڈرتے تھے اور کتنا بچتے تھے! مگر اس سے بہ ظاہر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ بہ کثرت احادیث بیان کرنا مذموم ہے' اس کے ازالے کے لیے حضرت انس کی حدیث ذکر کی جو مکثرین حدیث میں سے ہیں' جس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ تکثیر حدیث اس وقت ممنوع ہے جب کہ خطاء کا احتمال ہو' ورنہ محمود و مامور ہے' پھر ختم حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پر فرمایا' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پر جھوٹ باندھنا بہر حال منع ہے' خواہ جھوٹ یوں ہی باندھے کہ بیداری میں فرمایا خواہ یوں کہ خواب میں فرمایا۔ التزاماً یہ ثابت ہو گیا کہ جس نے خواب میں زیارت نہیں کی اور پھر کہے کہ میں نے زیارت کی' یہ بھی حرام ہے کہ یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ باندھنا ہے۔

---

[1] کتاب الادب۔ باب: من رای لا یجمع بینهما [2] کتاب الادب۔ باب: الرخصة في الجمع بينهما

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۸۱- ح: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟

[کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟]

۸۱ - عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ۔

ابو جحیفہ نے کہا: میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں! صرف کتاب اللہ یا دانائی جو مسلمان کو عطاء کی گئی یا جو اس صحیفے میں ہے، میں نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ فرمایا: عقل (دیت کے احکام) اور قیدی آزاد کرنے (کی ترغیب) اور یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: فكاك الاسير۔ کتاب الدیۃ۔ باب: لا يقتل مسلم بكافر عاقله، ابوداؤد۔ کتاب الدیات، ترمذی۔ کتاب الدیات، نسائی۔ کتاب القسامہ، ابن ماجہ۔ کتاب الدیات، دارمی، مسند امام احمد)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ

پہلا حرف جیم مضموم پھر حاء مفتوح، ان کا نام وہب بن عبداللہ سوالی ہے، یہ کوفہ کے باشندے صغار صحابہ میں سے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت خاص اور معتمد تھے، حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں رہے، ان کو کوفہ کے بیت المال کا امین بنایا تھا، ۷۲ھ میں وصال فرمایا، ان سے پینتالیس احادیث مروی ہیں، دو بخاری اور مسلم دونوں نے، دو صرف بخاری نے اور تین صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

شیعوں کی تردید

شیعہ یہ گمان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کچھ خاص وحی کے اسرار مکتوب کی شکل میں عطاء فرمائے ہے، جس کی کسی کو خبر نہیں۔ اس پر جحیفہ نے یہ سوال کیا تھا، ان کے علاوہ حضرت علی سے یہ سوال قیس بن عباس اور اشتر نخعی نے بھی کیے تھے، سب کو یہی جواب ملا، البتہ صحیفے کی تفصیل میں کچھ زیادتی کہیں کہیں ہے، اس صحیفے سے مراد ایک مکتوب ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے، اس میں ان تین باتوں کے علاوہ اور بھی لکھا ہوا تھا، مثلاً یہ کہ مدینہ بھی حرم ہے، جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت، مؤمنین کے خون مساوی ہیں، اس کے ذمے کو پورا کرنے کے لیے ادنیٰ بھی کوشش کرے گا، زکوٰۃ کی مقدار۔

اس مصحف کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی خاص قرآن نہ تھا

چونکہ سوال سے یہ مقصود تھا کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب ہے، جس میں وہ اسرار ہوں جن کی کسی کو خبر نہیں، فرمایا: ایسی کوئی کتاب میرے پاس نہیں، یہ ایک مکتوب ہے مگر اس میں راز کی کوئی بات نہیں، جو سب مسلمان جانتے ہیں وہی باتیں اس میں ہیں۔ راویوں کو جو یاد رہا بیان کر دیا، اسی سے روافض کے اس قول کی بھی تردید ہوگئی جو وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید محرف ہے، اس میں اعراب بدل دیے گئے ہیں، آیتوں کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے حذف کر دیے گئے، اصل قرآن غیر محرف مکمل حضرت علی کے پاس تھا، جو ان کے بعد دست بہ دست ائمۂ معصومین کے پاس رہا، جسے امام غائب لے کر "سرمن رای" کے غار میں غائب ہوگئے کہ اگر حضرت علی کے پاس کوئی اور قرآن ہوتا تو وہ اپنے ان مخصوص معتمدین کو ضرور بتا دیتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''العَقْل'' سے مراد

''العقل'' اس سے مراد دیت ہے یعنی خون بہا' قتل کا معاوضہ ''عَقْل'' کے معنی رسّی سے اونٹ باندھنا' چونکہ دیت کے اونٹ لا کر مقتول کے گھر باندھے جاتے تھے۔ اسی مناسبت سے دیت کو عقل اور جن لوگوں پر دیت واجب ہوتی ہے' ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل کتاب الدیات میں آئے گی۔

۸۲- ح: [اَبُوْهُرَيْرَةَ مِنَ الْمُكْثِرِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین حدیث میں سے ہیں

۸۲- سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّيْ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ. (ترمذی۔ کتاب العلم۔ کتاب المناقب' نسائی۔ کتاب المناقب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیث والا نہیں' سوائے عبداللہ بن عمرو کے' اس لیے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حدیث لکھنے کی ابتداء

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی' حضور نے اجازت دے دی' اس لیے وہ لکھا کرتے تھے اور زبانی بھی یاد کرتے تھے' انہوں نے فرمایا: میں نے ہزار حدیث یاد کی ہے' مگر اس کے باوجود حضرت ابوہریرہ سے پانچ ہزار تین سو حدیثیں مروی ہیں اور ان سے آٹھ سو حضرات نے حدیث حاصل کی اور عبداللہ بن عمرو سے صرف سات سو مروی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کچھ دن طائف میں رہے اور پھر مصر جا بسے تھے۔ علاوہ ازیں یہ عبادت میں زیادہ وقت گزارتے تھے' وہاں اس کا موقع کم تھا۔ شارحین نے ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو اہل کتاب کی کچھ کتابیں مل گئی تھیں' وہ ان کا مطالعہ کرتے اور لوگوں سے بیان کرتے' اس لیے تابعین کی ایک جماعت نے ان سے حدیث اخذ کرنا ترک کر دیا' اور حضرت ابوہریرہ مدینہ طیبہ ہی میں رہتے تھے' جو اس زمانے میں علم حدیث کے شائقین کا مرجع اعظم تھا' نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حافظہ اتنا قوی فرما دیا تھا کہ جو سنتے کبھی نہ بھولتے' جیسا کہ ابھی آ رہا ہے' اس لیے عبداللہ بن عمرو کے پاس لکھنے کے باوجود اتنا ذخیرہ نہ جمع ہو سکا جو ان کے حافظے میں موجود تھا۔ رہ گیا حضرت ابوہریرہ کا یہ فرمانا کہ وہ مجھ سے زیادہ حدیث والے ہیں' یہ انہوں نے اپنے اندازے کے مطابق فرمایا۔ ان کا اندازہ یہی تھا کہ میں صرف یاد رکھتا ہوں اور وہ لکھتے بھی ہیں اور زبانی یاد بھی کرتے ہیں' تو ان کے پاس زیادہ حدیثیں ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ نے یہ عہد نبوی کی بات کی ہے' ورنہ بعد میں انہوں نے بھی احادیث کو لکھنا شروع کر دیا تھا' جس کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ جیسا کہ فتح الباری میں ابن وہب کے حوالے سے ہے' حسین ابن عمرو بن امیہ نے کہا: حضرت ابوہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور بہت سی کتابیں دکھائیں اور فرمایا: دیکھو یہ میرے یہاں لکھی ہوئی رکھی ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں احادیث کا قلم بند کرنا شروع ہو چکا تھا' اس کے علاوہ اور بھی طریقوں سے ثابت ہے اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔

۸۳- ح: [قِرْطَاسٌ]

حدیثِ قرطاس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۸۳ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قَالَ ائْتُونِيْ بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللّٰهِ حَسْبُنَا فَاخْتَلَفُوْا وَكَثُرَ اللَّغَطُ قَالَ قُوْمُوْا عَنِّيْ وَلَا يَنْبَغِيْ عِنْدِيَ التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهٖ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا تو فرمایا: لکھنے کا سامان لاؤ' میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو سکو' حضرت عمر نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) موجود ہے' جو کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا اور باتیں بڑھیں تو فرمایا: میرے پاس سے اٹھو میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد حضرت ابن عباس یہ کہتے ہوئے نکلے: بے شک مصیبت ہے اور پوری مصیبت جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی اس تحریر کے درمیان حائل ہو گئی۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: جوائز الوفود۔ باب: واخراج الیھود من جزیرۃ العرب۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو طریقے سے۔ کتاب المرضیٰ۔ باب: قوموا عنی میں دو طریقے سے۔ کتاب الاعتصام۔ باب: کراھیۃ الاختلاف میں ایک طریقے سے مسلم۔ کتاب الوصایا' نسائی۔ کتاب العلم۔ کتاب الطب)

تکمیل

یہ حدیث اس کے علاوہ بخاری میں سات جگہ وارد ہے' ان سب روایتوں کا ماحصل یہ ہے کہ وصال سے چار دن قبل' جمعرات کو مرض میں بہت شدت ہو گئی' اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ' میں ایسی بات لکھوا دوں یا لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو۔ مرض کی شدت سے جو حال تھا' اس کے پیش نظر حضرت عمر نے فرمایا: اللہ کی کتاب ہمیں کافی ہے' اس پر اختلاف ہوا' کچھ لوگ کہتے تھے کہ سامانِ کتابت لایا جائے اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں! کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا: کیا حضور نے ہمیں چھوڑ دیا' حضور سے پوچھو! آپس کی تکرار سے حضور کو تکلیف ہوئی اور فرمایا: تم لوگ چلے جاؤ[1] مسند امام احمد میں ہے کہ یہ خطاب عام نہ تھا' خاص حضرت علی سے فرمایا تھا کہ سامانِ کتابت لاؤ۔ ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ان روایات میں لفظ اگرچہ عام ہے مگر یہاں بھی مخاطب حضرت علی ہی ہیں۔

چند شبہات اور ان کے جوابات

اس حدیث میں دوسرے مقامات پر لفظ "اھجر"' "استفھموہ" کے ساتھ وارد ہے۔ "ھجر" کے معنی سرسامی کیفیت کے بھی ہیں' روافض نے زور باندھا ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ حاضرین نے کہہ دیا کہ حضور کو سرسام ہو گیا' ہذیانی حالت ہے' اسی پر بس نہیں' بلکہ اسے زبردستی حضرت عمر کے سر تھوپ دیا کہ انہوں نے یہ کہہ دیا۔ اس سلسلے میں جتنی روایتیں ہیں کسی میں حضرت عمر کی طرف یہ قول منسوب نہیں' سب میں یہی ہے: "قالوا" غور کرنے کی یہ بات ہے' جو کچھ حضرت عمر نے کہا' اسے "قال عمر" سے بیان کیا اگر یہ بھی حضرت عمر کا مقولہ ہوتا تو کیا چیز مانع تھی کہ حضرت ابن عباس اسے جرأت کے ساتھ نہ بیان فرماتے کہ حضرت عمر نے یہ کہا' حضرت عمر کے قول کو "قال عمر" سے اور اُسے "قالوا" سے تعبیر کر کے یہ بتا دیا کہ یہ حضرت عمر کا قول نہیں تھا۔ دیگر حاضرین میں سے کسی نے یہ کہا تھا۔ روافض برسہا برس سے تلاش کر رہے ہیں کہ کہیں مل جائے کہ یہ حضرت عمر کا قول ہے' مگر اب تک تو ملا نہیں آئندہ

[1] عینی۔ ج ۱ ص ۱۷۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کیا مانے گا۔ رہ گیا یہ کہ یہاں ''ھجر'' کے معنی ہذیان کے ہیں یا چھوڑنے کے اس کا فیصلہ ''استفھموہ'' نے کردیا یعنی حضور سے جس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو اس سے پوچھنے کے کیا معنی؟ اس لیے یہاں متعین ہے کہ ''ھجر'' کے معنی چھوڑنے ہی کے ہیں جب حضور نے یہ فرمایا تو حاضرین نے یہ سمجھ لیا کہ یہ جدائی کی طرف اشارہ ہے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی اور بے قراری میں کہنے لگے سرکار سے دریافت کرو کہ کیا حضور نے ہمیں چھوڑ دیا کہ ایسا ارشاد فرمارہے ہیں مستقبل قریب میں جس کا ظہور متیقن ہوتا ہے اسے ماضی سے تعبیر کرنا عام بات ہے اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا۔

تعمیل حکم نہ کرنے کے الزام کے چھ جوابات

رہ گئی یہ بات کہ حضور کے حکم کی تعمیل نہیں کی گئی اور بالخصوص حضرت عمر نے نہیں ہونے دی۔ اس پر گزارش یہ ہے کہ جب فاروقِ اعظم نے عرض کیا: ''کتاب اللّٰہ حسبنا'' اور حضور نے دوبارہ طلب نہیں فرمایا تو یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر کی بات قبول ہوگئی اور اب حکم باقی نہ رہا۔ ورنہ **اوّلاً:** حضرت عمر کے اس عرض ''کتاب اللّٰہ حسبنا'' کے بعد بھی اگر اس حکم کی تعمیل فرض تھی تو جب کہ یہ خطاب خاص حضرت علی سے تھا تو انہوں نے کیوں اس کی تعمیل نہیں کی۔ **ثانیاً:** خود حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ کیوں نہیں فرمایا کہ ہاں! پھر بھی لاؤ۔ **ثالثاً:** اس وقت حضرت عمر کا یہ عرض غلط خوف تھا تو اس کے بعد چار دن تک حضور حیاتِ ظاہری کے ساتھ رہے حضرت عمر کے جانے کے بعد کیوں نہیں لکھوا دیا۔ **رابعاً:** لازم آئے گا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرض تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی کی کہ لازم آئے گا کہ پورا دین اُمت تک نہیں پہنچایا۔ **خامساً:** جبکہ پورا دین اُمت کو زبانی سکھا دیا تو کیا مانع درپیش تھا کہ اس اہم بات کو بھی زبانی ہی نہ فرما دیا۔ **سادساً:** لازم آئے گا کہ دین ناقص رہ گیا اور یہ آیت کریمہ ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' (المائدہ:۳) کے معارض ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ سب ہوائیاں صرف عداوتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ میں اُڑائی جارہی ہیں۔ ورنہ جو منصف بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مرتبے سے واقف ہے وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سرکار رسالت پناہی کے وزیر ہیں۔

مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ۔ (ترمذی)

ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں دو زمین والوں میں سے میرے آسمان والوں میں دو وزیر جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں ابوبکر و عمر۔

وزراء کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے پیش کریں یہاں بھی حضرت فاروق اعظم نے بہ حیثیت وزیر اپنی رائے عرض کردی جسے حضور نے قبول فرمالیا بات ختم ہوگئی۔ اور یہ کوئی پہلا ہی موقع نہیں پچیس مواقع وہ ہیں جو کچھ فاروقِ اعظم نے عرض کیا اسی کے مطابق حکم الٰہی نازل ہوا ان میں بعض مواقع وہ بھی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فاروقِ اعظم کی رائے کے خلاف عمل فرمایا تو قرآن مجید نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی مثلاً بدر کے قیدیوں کے معاملے میں عتاب ہوا۔ فرمایا گیا:

لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ (الانفال:۶۸)

اگر اللہ پہلے سے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے کافروں سے فدیہ کا جو مال لیا اس پر تم پر بھاری عذاب آتا ○

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

لو نزل عذاب ما نجا منا الا عمر بن خطاب

اگر بالفرض عذاب اُترتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وسعد بن معاذ. کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔

ایسے صائب الرائے اور معتمد وزیر نے کوئی بات عرض کی اور وہ قبول ہوگئی تو اب وزیر پر اعتراض اصل میں سلطان پر اعتراض ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھوانا چاہتے تھے؟

اس بحث کے بعد اس گفتگو کی بھی حاجت باقی نہ رہی کہ حضور کیا لکھوانا چاہتے تھے اور اگر کسی کو اس کا شوق ہی ہے تو چلئے روافض کہتے ہیں: حضرت علی کے خلیفہ بلافصل کی سند لکھوانا چاہتے تھے۔ ہم کہیں گے کہ حضرت صدیق اکبر کے لیے یہی سند لکھنی چاہیے تھی۔ حضرت علی کے سلسلے میں کوئی سراغ نہیں مگر صدیق اکبر کے لیے تو ثابت ہے کہ ارشاد فرمایا:

ادعی لی ابا بکر اباك واخاك حتی اکتب کتاباً فانی اخاف ان یتمنیٰ متمنٍ ویقولُ قائل انا اولیٰ ویابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابا بکر. (مسلم۔ ج ۲ ص ۲۷۳)

ابوبکر اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلاؤ کہ میں ان کے لیے لکھ دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے اور کہے میں سب سے زیادہ مستحق ہوں، حالانکہ اللہ اور مؤمنین سوائے ابوبکر کے کسی پر راضی نہیں۔

یہی مضمون بخاری میں یوں ہے: میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا کر ولی عہد بنا دوں کہ کہیں کہنے والے کہیں نہ اور آرزو کرنے والے آرزو نہ کریں، حالانکہ اللہ اور مؤمنین ابوبکر کے سوا کسی کو ان کے ہوتے ہوئے پسند نہ کریں گے، پھر ہو سکنے میں بڑی گنجائش ہے، ہم کہتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ حضور یہی لکھوانا چاہتے تھے کہ کتاب اللہ کو کافی سمجھنا، اور جب فاروق اعظم نے یہی عرض کر دیا تو ضرورت محسوس نہ فرمائی، اسی حدیث کے اخیر کتاب الجہاد وغیرہ میں ہے:

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفود بنحو مما کنت اجیزھم.

مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا اور وفود کو اسی طرح صلہ دینا جیسے میں دیتا تھا۔

اور تیسری بات کسی راوی کے ذہن سے نکل گئی۔

ہو سکتا ہے یہی تینوں باتیں لکھوانی چاہتے تھے، جب سامانِ کتابت نہیں آیا تو زبانی ارشاد فرمایا۔

سلامت روی اسی میں ہے کہ "ہو سکتا" کے سہارے بات نہ بڑھائی جائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی کوئی وصیت نہیں کی تھی

اس حدیث سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بلافصل بنانے کی وصیت تو بہت دور ہے، خلیفہ بنانے کی بھی کوئی وصیت نہ لکھی تھی، نہ کی تھی۔

رہ گیا حضرت ابن عباس کا یہ کہنا کہ یہ بڑی مصیبت ہے، یہ ان کا ذاتی جذباتی تاثر ہے، ان سے علم وفہم اور دیانت میں حضرت عمر و حضرت علی بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں، ان حضرات کے مقابلے میں حضرت ابن عباس کی بات بالاتفاق مرجوح ہے۔

۸۴- ح: رُبَّ کَاسِیَةٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَةٌ فِی الْاٰخِرَۃِ

[بہت سی دنیا میں پہننے والیں آخرت میں ننگی ہوں گی]

۸۴- عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَیْقَظَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ایک رات

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ اَيْقِظُوا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ.

صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا: سبحان اللہ! اس رات میں کتنے فتنے نازل ہوئے اور کتنے خزانے کھلے، حجروں والیوں کو جگا دو، بہت سی دنیا میں پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب: تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل۔ کتاب اللباس۔ باب: ما کان یتجوز من اللباس۔ کتاب الادب۔ باب: التکبیر والتسبیح عند التعجب۔ کتاب الفتن۔ باب: لا یاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ، ترمذی۔ کتاب الفتن۔ ۲، مؤطا۔ کتاب اللباس۔ ۸)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا

یہ ازواجِ مطہرات میں سے ہیں، ان کا نام رملہ تھا۔ یہ پہلے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، یہ دونوں قدیم الاسلام ہیں۔ حضرت ابوسلمہ کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں، پھر مدینہ ہجرت کی، مدینے میں ان دونوں کی چار اولاد ہوئیں: زینب، سلمہ، عمر، درہ۔ حضرت ابوسلمہ کے وصال کے بعد ان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۴ھ میں عقد فرمایا۔ یزید کے تغلبؔ تک زندہ رہیں، ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کربلا کی خاک دی تھی جو حضرت امام حسین کی شہادت کے وقت سرخ ہو گئی، اسی سے انہوں نے جانا کہ حضرت امام حسین شہید ہو گئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک چوراسی سال کی تھی، حضرت ابوہریرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن ہوئیں، ان سے تین سو اٹھہتر حدیثیں مروی ہیں، جن میں تیرہ متفق علیہ ہیں۔

علمِ غیب کا ثبوت

کشمیہنی کی روایت میں ''انزل'' کے بجائے ''انزل اللّٰه'' ہے، فتنوں سے مراد عذاب ہے اور خزائن سے ہر خیر ہے۔ خواہ دینی یا دنیوی، علمی ہو یا مالی، جن میں تمام فتوحاتِ اسلامیہ داخل ہیں جو اسلام کی وسعت، قوت، ترقی، بقا و حفاظت کا سبب بنیں، اُترنے اور کھلنے سے مراد یہ ہے کہ آئندہ جو ہونے والا تھا، اس کی خبر فرشتوں کو دی۔ اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ملاحظہ فرمایا۔ اسی کے ہم معنی وہ ارشاد ہے کہ میں بارش کی طرح فتنوں کو اترتا دیکھ رہا ہوں۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے غیب کا علم عطاء فرمایا۔

حجرے والیوں سے مراد ازواجِ مطہرات ہیں، خطاب حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے، اس لیے کہ اغلب یہ ہے کہ انہیں کی باری کا دن تھا۔ ان کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ وہی سامنے تھیں یا ''ابدأ بنفسك وبمن تعول'' کے مطابق ہے، یعنی کوئی بھی عمل خیر ہو اس کو پہلے خود عمل کرنا چاہیے اور اپنے اہل و عیال سے کرانا چاہیے۔

سوتے ہوؤں کو جگا کر ذکرِ الٰہی کی تلقین کرنا جائز ہے

اس سے ثابت ہوا کہ رات میں سوتوں کو جگا کر وعظ و نصیحت مستحب ہے، خصوصاً جب کوئی پریشان کن یا مسرت آفریں بات ہو۔ حیرت انگیز بات پر سبحان اللہ! یا اللہ کا کوئی بھی ذکر کرنا مستحب ہے، رات میں آنکھ کھلے تو یادِ الٰہی کرنا مستحب ہے۔ دینی پیشوا کو چاہیے کہ اپنے متعلقین کو ایسے شر سے جس کا خطرہ ہو آگاہ کرے اور بچنے کی تدبیر بتائے۔

رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ کی توضیح

مراد یہ ہے کہ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں عیش و عشرت سے رہتی ہیں، وہ عموماً اعمالِ صالحہ سے غافل رہتی ہیں، اس لیے بہ طور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عذاب آخرت میں ننگی رہیں گی' یا خاص وہ عورتیں مراد ہیں جو دنیا میں ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جس سے جسم کی اور بال کی رنگت جھلکتی ہے' انہیں آخرت میں ننگا رکھا جائے گا' جیسا کہ آج کل عام طور پر یہی ہو رہا ہے۔ جب باریک لباس پہننے والیوں کا یہ حکم ہے تو جو عورتیں ننگے سر' ننگے گردن' ننگی کلائیوں' ننگی پنڈلیوں کے ساتھ بازار میں گھومتی پھرتی ہیں' ان کا کیا حال ہوگا!

اس میں بھی غیب کی خبر ہے۔

۸۵- ح: فَإِنَّ عَلٰى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ

[جتنے لوگ آج روئے زمین پر ہیں' سو سال کے بعد ان میں سے کوئی بھی نہ رہے گا]

۸۵ - اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِيْ اٰخِرِ حَيَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ اَرَاَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ فَاِنَّ رَاْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی' سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اپنی اس رات کا خیال دیکھا؟ جتنے لوگ آج روئے زمین پر ہیں' سو سال کے بعد کوئی بھی نہ رہے گا۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب: ذکر العشاء والعتمہ' مسلم۔ کتاب الفضائل' مسند امام احمد)

امام نووی نے فرمایا کہ حضرت ابوسعید کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد فرمایا' مسلم میں حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ وصال سے ایک ماہ قبل فرمایا۔

مراد یہ ہے کہ میری اُمت کے جتنے لوگ آج زمین پر ہیں اور بہ طریق معتاد نظر آتے ہیں' خواہ وہ کم سن ہوں خواہ معمر' سو سال پر وہ زندہ نہ رہیں گے' رہ گئے وہ لوگ جو اس کے بعد پیدا ہوں گے' وہ اس سے مستثنیٰ ہیں' حضرت عیسیٰ آسمان پر ہیں اور حضرت خضر اور الیاس نظروں سے غائب ہیں' یونہی ابلیس و دیگر اجنہ بھی۔ اس لیے یہ سب اس میں داخل نہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ سب سے اخیر صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا۔ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے۔ نیز اس سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت خاص ہے' غیر دینی باتوں کے ساتھ۔ رہ گئیں دینی باتیں تو وہ جائز ہی نہیں بلکہ موجب ثواب ہیں' یونہی احادیث سے' اپنے اہل سے اور مہمانوں سے بات کرنا بھی مستثنیٰ ہے۔

۸۶- ح: اَكْثَرَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہ کثرت (احادیث) بیان فرمائیں]

۸۶ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلَوْلَا اٰيَتَانِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا ثُمَّ يَتْلُوْ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ ﴿الرَّحِيْمُ﴾ (البقرہ:۱۵۹-۱۶۰) اِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَاِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے بہ کثرت حدیثیں بیان کیں' اگر اللہ کی کتاب (قرآن) میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث نہ بیان کرتا' پھر (سورۂ بقرہ) کی یہ آیتیں تلاوت کیں: "ہم نے جو کھلی ہوئی نشانیاں اور ہدایت نازل فرمائی جو لوگ انہیں چھپاتے ہیں' اللہ کے ارشاد "رحیم" تک' ہمارے بھائی مہاجرین کو بازار میں خرید و فروخت مشغول رکھتی اور ہمارے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الْعَمَلُ فِیْ اَمْوَالِهِمْ وَاِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبْعِ بَطْنِهٖ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُوْنَ.

بھائی انصار کو اپنے مالوں میں کام یعنی کھیتی مشغول رکھتی ہے اور ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صرف کھانے پر قناعت کر کے حاضر رہتا۔ اور ایسے موقعوں پر موجود رہتا کہ وہ لوگ موجود نہ رہتے اور وہ باتیں (سنتا دیکھتا اور) یاد کر لیتا جو وہ لوگ یاد نہ کرتے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب: جرث ما جا فی الغرس۔ کتاب الاعتصام۔ باب: الحجة علی من قال، اور اس کا جز مناقب جعفر میں بھی ہے مسلم۔ کتاب فضائل الصحابہ، نسائی۔ کتاب العلم، ابن ماجہ۔ کتاب السنۃ، مسند امام احمد)

مکثرین حدیث میں سے حضرت ابوہریرہ اوّل نمبر پر ہیں، ان سے پانچ ہزار تین سو احادیث مروی ہیں، ان کی روایت کی کثرت پر لوگوں نے طعن کیا کہ مہاجرین و انصار بھی اتنی حدیثیں نہیں بیان کرتے۔ اس پر ابوہریرہ نے وجہ بیان فرمائی، چونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ: ۱۵۹۔۱۶۰)

جو لوگ ہماری اُتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں واضح فرما دیا، ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ۝ مگر جو توبہ کریں اور سنواریں اور بیان کریں، ان کی توبہ قبول فرماؤں گا، میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں ۝

اگر یہ دونوں آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی نہ بیان کرتا، اللہ عزوجل سے ایک دن ملنے کا وعدہ ہے، میری کثرتِ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ اور صحابہ کرام اپنے اپنے کاموں میں رہتے، فرصت کے وقت حاضر خدمت ہوتے، اس لیے ان کو ارشادات کو سننے اور کوائف کے دیکھنے کا کم موقع ملتا اور میں ہر وقت خدمت میں حاضر رہتا، نہ اچھا کھاتا نہ اچھا پہنتا، جو مل جاتا کھا لیتا ورنہ صبر کرتا۔ اس لیے مجھے حدیثیں یاد کرنے کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ علاوہ ازیں حضور نے میرا حافظہ بھی بہت قوی کر دیا تھا کہ جو سنتا یاد رکھتا، کبھی نہ بھولتا۔

حضرت ابوہریرہ کے استدلال نے بتا دیا کہ جیسے قرآن مجید کا چھپانا حرام و گناہ ہے، اسی طرح احادیث کا بھی اور جیسے قرآن واجب الاعتقاد والعمل ہے، اسی طرح احادیث بھی، یہ منکرین حدیث کا ردّ ہے۔

۸۷- ح: اِعْطَاءُهٗ اَبَا هُرَيْرَةَ الْحَافِظَةَ

[آپ (ﷺ) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حافظہ عطا فرمایا]

۸۷- عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنْسَاهُ قَالَ اُبْسُطْ رِدَائَكَ فَبَسَطْتُهٗ قَالَ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهٗ فَضَمَمْتُهٗ فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدَهٗ. (بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب: اوّل۔ کتاب الحرث۔ باب: ما جاء فی الغرس، و فی فضائل الصحابہ، ج ۲۔ ص ۵۱۵، ترمذی۔ کتاب المناقب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں، پھر بھول جاتا ہوں، فرمایا: اپنی چادر پھیلا، میں نے پھیلائی تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چلّو کی طرح بنا کر اس میں کچھ ڈالا، پھر فرمایا: سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لے، میں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد میں کچھ بھی نہیں بھولا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہاں صرف ''ضم'' ہے' مگر کتاب المزارعۃ میں سینے سے لگانے کی تصریح ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے جسے جو چاہیں عطا فرما دیں

اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جسے جو چاہیں عطاء فرمائیں' یہاں صرف حضرت ابوہریرہ کی تخصیص نہیں تھی' کتاب البیوع ومزارعت میں صاف ہے: ''لن یبسط احد ردائہ'' جو بھی چادر پھیلائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چادر صرف حضرت ابوہریرہ ہی نے پھیلائی اور انہیں کو یہ نعمت ملی۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ علم دین کا چھپانا ممنوع ہے اور یہ کہ بوقتِ ضرورت اپنی خوبی بیان کرنا جائز ہے' جبکہ اپنا ترفع وتفوق مقصود نہ ہو اور اعجاب نفس بھی نہ ہو۔

۸۸- ح: حَفِظْتُ وِعَائَیْنِ

۸۸ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ.

(اسی کے ہم معنی مسند امام احمد میں ہے)

[میں نے دو برتن یاد کیے]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے (علم کے) دو برتن یاد کیے' ایک تو میں نے پھیلا دیا اور دوسرے کو پھیلاؤں تو یہ نرخرہ کاٹ دیا جائے۔

''وعاء'' کے معنی برتن ہیں' مراد وہ چیز ہے جو برتن میں ہو' محل بول کر حال مراد ہے۔ ''بُلْعُوم'' کھانا نگلنے کی نالی' چونکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ بلعوم مطلقاً حلقوم کے معنی میں ہے' اس لیے امام بخاری نے اس کی تفسیر کی۔

''وعائین'' سے مراد

حضرت ابوہریرہ اس سے یا تو دو قسم کے علوم مراد لیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ علوم لکھے جائیں تو ایک قسم سے ایک برتن اور دوسری قسم سے دوسرا برتن بھر جائے' یا واقعۃً انہوں نے ان کو لکھا یا لکھوایا تو دو برتن بھر گئے' جیسا کہ حدیث: ۸۳ میں گزرا کہ انہوں نے بھی حدیث لکھی یا لکھوائی تھی۔ اس تقدیر پر بھی حاصل وہی ہوا کہ دو قسم کے علوم اخذ کیے۔ پہلی قسم عقائد واحکام ہیں' جن کو پھیلایا دوسری قسم سے مراد فتن کی احادیث ہیں جن میں ظالم سلاطین کے نام وکالے کرتوت مذکور تھے' یزید اور عبدالملک کے مظالم سے جو واقف ہے' وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اندیشے کو بہ خوبی سمجھ سکتا ہے' تاہم کبھی کبھی تاب ضبط نہ رہتی تو اشارے کنائے میں بیان بھی فرما دیتے' جیسے ''ھلکۃ امتی علی یدا غلمۃ من قریش'' میری اُمت کی بربادی قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہے' یا جیسے دعا میں فرمایا: ''انی اعوذ باللہ من راس الستین وامارۃ الصبیان'' میں ساٹھ کی ابتداء اور لونڈوں کی بادشاہت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی دعا قبول فرمائی' ۶۰ ھ سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔ یہ یزید پلید کی ظالمانہ حکومت کی طرف اشارہ ہے' بلکہ ایک دفعہ فرمایا: اگر میں چاہوں تو ان کے نام بتا دوں۔ بعض صوفیاء نے دوسرے برتن سے علوم باطن اسرار طریقت مراد لیا ہے لیکن پھر ''قطع ھذا البلعوم'' سے مطابقت نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اسرارِ تصوف شریعت کے معارض نہیں کہ جس سے یہ اندیشہ ہوتے اولیاء کرام نے ان اسرار کو بیان فرمایا' اپنی تصنیفات میں تحریر فرمایا۔ ان سے ان پر کیا وبال آیا' ملحدین باطنیہ اس سے اپنے کفریات مراد لیتے ہیں۔ معاذ اللہ! اگر حضرت ابوہریرہ کی مراد وہ ہوتی تو پھر وہ شریعت کے پابند کیوں رہتے' نیز جب انہوں نے اس کو ظاہر نہیں فرمایا' تو ان کو کیسے معلوم ہو گیا اور یہی ارباب تصوف سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہ کو بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علم غیب عطاء فرمایا تھا' نیز ثابت ہوا کہ ایسے علوم جن کا اعتقاد اور عمل سے تعلق نہ ہو' ان کے بیان کرنے میں عزت وآبرو کا خطرہ ہو تو انہیں نہ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۸۹- ح: لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا [تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا]

عَنْ جَرِیْرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگوں کو چپ کراؤ (جب لوگ چپ ہو گئے) تو فرمایا: میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ تم میں بعض بعض کی گردن مارے۔ ؎۱

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الدیات۔ باب: قول اللّٰہ من احیاھا۔ کتاب المغازی۔ باب: حج الوداع، مسلم۔ کتاب الایمان، نسائی۔ کتاب العلم۔ کتاب المحاربہ، ابن ماجہ۔ کتاب الفتن، مسند امام احمد)

ایک شبہہ اور اس کا جواب

یہ حجۃ الوداع کے طویل خطبے کا جز ہے، جس کا کچھ حصہ حدیث: ۷۵ میں گزر چکا، اس حدیث پر کچھ لوگوں نے یہ شبہہ وارد کیا ہے کہ اس میں "لہ" زائد ہے، اس لیے کہ علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ حضرت جریر حجۃ الوداع کے بعد وصال مبارک سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے، یہ حجۃ الوداع میں موجود نہ تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حجۃ الوداع سے پہلے اسی سال رمضان میں مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ بغوی اور ابن ماجہ نے کہا ہے اور حجۃ الوداع میں حاضر تھے۔ اسی بخاری، حجۃ الوداع میں یہ لفظ ہے: "قَالَ لِجَرِیْرٍ" یہ اس بات پر نص ہے کہ حضرت جریر حجۃ الوداع میں حاضر تھے، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانے کا مفہوم

میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا، کافر نہ ہو جانے سے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اسلام چھوڑ کر کفر اختیار مت کرنا، اسلام پر ثابت رہنا اور مسلمانوں کی جان و مال کو مباح مت جاننا کہ ان سے لڑائی کر کے انہیں قتل کرو اور ان کا مال چھینو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ کافروں جیسے مت ہو جانا کہ مسلمانوں کو قتل کرو، ان کا مال چھینو، اس لیے کہ مسلمانوں کے جان و مال کو مباح جاننا، مسلمانوں کا کام نہیں، کافروں کا ہے۔

ف ۱: اس میں اخبار بالغیب ہے، ان عظیم فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو افتراق بین المسلمین کی شکل میں نمودار ہوئے۔ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کو کافروں کی طرح قتل کیا، ان کے مال کو مباح جانا، بنی امیہ بنی عباس کی خون ریزیوں، جنگوں سے لے کر تیمور لنگ نادر شاہ درانی کے حوادث اس کی صداقت کی دلیل ہیں۔

احکام

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کی قراءت کے وقت حاضرین پر چپ رہنا واجب ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ علماء جب کچھ دین کی باتیں ارشاد فرمائیں تو حاضرین کو چپ رہنا چاہیے کہ علماء کرام کی توقیر کرنی لازم ہے۔ تلمیذ شیخ کے سامنے باادب رہے، جب وہ کچھ کہے تو باادب خاموشی سے بغور سنے۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی حادثے کا اندیشہ ہو تو مسلمانوں کو خبردار کر دینا چاہیے، خصوصاً اسے جس کا بڑا استاد ہو۔

منکرین اجماع کا استدلال اور اس کا جواب

منکرین اجماع نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ اس سے ظاہر ہے کہ پوری امت کا کافر ہونا ممکن ہے، اس لیے کہ اگر یہ ممکن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نہ ہوتا تو اس سے تحذیر لغو ہوتی اور کفر سب سے بڑی گمراہی ہے تو ثابت ہوا کہ پوری اُمت کا گمراہی پر اتفاق ممکن ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمادیا:

لا تجتمع امتی علی الضلالة. میری اُمت گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی۔

اس لیے پوری اُمت کا گمراہ ہونا محال ہے، اور اس حدیث میں تحذیر، اُمت کے بعض افراد کے اعتبار سے ہے کہ کچھ افراد گمراہ ہوں گے، جیسا کہ وقوع پذیر ہوا۔

٩٠- ح: مُوْسٰی وَخَضِرٌ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

٩٠ - اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ ابْنُ جُبَیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ نَوْفًا الْبَکَالِیَّ یَزْعُمُ اَنَّ مُوْسٰی لَیْسَ بِمُوْسٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اِنَّمَا هُوَ مُوْسٰی اٰخَرُ فَقَالَ کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ حَدَّثَنَا اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوْسَی النَّبِیُّ خَطِیْبًا فِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ فَعَتَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَیْهِ اِذْ لَمْ یَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَیْهِ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ اَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِیْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَیْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ یَا رَبِّ وَکَیْفَ بِهٖ فَقِیْلَ لَهٗ احْمِلْ حُوْتًا فِیْ مِکْتَلٍ فَاِذَا فَقَدْتَّهٗ فَهُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ یُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَّحَمَلَا حُوْتًا فِیْ مِکْتَلٍ حَتّٰی کَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُئُوْسَهُمَا فَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِکْتَلِ ﴿فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ (الکہف: ٦١) وَکَانَ لِمُوْسٰی وَفَتَاهُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِیَّةَ لَیْلَتِهِمَا وَیَوْمِهِمَا فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مُوْسٰی لِفَتَاهُ ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ (الکہف: ٦٢) وَلَمْ یَجِدْ مُوْسٰی مَسًّا مِّنَ النَّصَبِ حَتّٰی جَاوَزَ الْمَکَانَ الَّذِیْ اُمِرَ بِهٖ فَقَالَ لَهٗ فَتَاهُ ﴿اَرَاَیْتَ اِذْ اَوَیْنَا اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ﴾ (الکہف: ٦٣) قَالَ مُوْسٰی ﴿ذٰلِكَ مَا کُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (الکہف: ٦٤) فَلَمَّا انْتَهَیَا اِلَی الصَّخْرَةِ اِذَا رَجُلٌ مُّسَجًّی بِثَوْبٍ اَوْ قَالَ تَسَجّٰی بِثَوْبِهٖ فَسَلَّمَ مُوْسٰی فَقَالَ الْخَضِرُ وَاَنّٰی بِاَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ اَنَا مُوْسٰی فَقَالَ مُوْسٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنْ

[حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام]

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ نوف بکالی یہ گمان کرتا ہے کہ وہ موسیٰ جنہوں نے (خضر سے ملاقات کی تھی) یہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے بلکہ کوئی اور موسیٰ تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہم سے حضرت ابی بن کعب نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: موسیٰ نبی نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا، ف۱ ان سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا ہے؟ فرمایا: میں! اس کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے موسیٰ پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے، اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے، وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے رب! کیسے ان سے ملاقات ہو؟ فرمایا: ایک مچھلی ٹوکری میں لے لو جہاں یہ غائب ہو جائے، وہیں وہ ہوں گے، موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی چلے دونوں نے ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لی جب صخرہ تک پہنچے تو سر رکھا اور سو گئے، مچھلی ٹوکری سے نکل گئی اور دریا میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی ہوئی، اور موسیٰ اور ان کے خادم کو تعجب ہوا ف۲ یہاں سے اٹھ کر دونوں بقیہ دن رات چلے، جب صبح ہوئی، موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا: ہمارا صبح کا کھانا لاؤ، اس سفر سے ہمیں تکان آ گئی ہے اللہ موسیٰ کو تکان چھوئی بھی نہیں جب تک کہ اس جگہ سے آگے نہ بڑھے جہاں جانے کا انہیں حکم دیا گیا تھا، ان کے خادم نے کہا: دیکھیے! جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے اس وقت میں مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ موسیٰ نے فرمایا: یہی تو ہم چاہتے تھے اس کے بعد دونوں اپنے نشانِ قدم پر پیچھے لوٹے، پھر جب صخرہ تک پہنچے تو دیکھا کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○﴾ (الکہف:٦٦-٦٧) يَا مُوسٰى اِنِّيْ عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا اَعْلَمُهُ ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِي لَكَ اَمْرًا﴾ (الکہف:٦٩) فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمُوْهُمْ اَنْ يَّحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَآءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسٰى مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ اِلٰى لَوْحٍ مِّنْ اَلْوَاحِ السَّفِيْنَةِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ مُوسٰى قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ اِلٰى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ○﴾ (الکہف:٧٢-٧٣) قَالَ فَكَانَتِ الْاُوْلٰى مِنْ مُوسٰى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَاِذَا غُلَامٌ يَّلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَ الْخَضِرُ بِرَاْسِهِ مِنْ اَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَاْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسٰى ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ (الکہف:٧٤) قَالَ ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○﴾ (الکہف:٧٥) قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَهٰذَا اَوْكَدُ ﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ (الکہف:٧٧) قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَاَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسٰى ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ (الکہف:٧٧-٧٨) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا

ایک صاحب سر سے پاؤں تک کپڑا تانے ہوئے ہیں' موسیٰ نے سلام کیا تو خضر نے کہا: تمہاری (اس) زمین میں سلام کہاں سے؟ جواب دیا: میں موسیٰ ہوں' پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: ہاں! موسیٰ نے ان سے کہا: (اجازت ہے کہ) میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہوں کہ آپ مجھے ان نیک باتوں میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں' خضر نے کہا: آپ ہرگز میرے ساتھ نہ رہ پائیں گے' اے موسیٰ! مجھے اللہ نے کچھ ایسا علم عطاء فرمایا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ نے کچھ ایسا علم عطاء فرمایا جسے میں نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا' اس کے بعد یہ دونوں دریا کے کنارے پیدل چلے' ان کے پاس کشتی نہ تھی' پھر ایک کشتی ان کے قریب آئی' انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں بھی سوار کر لیں' خضر کو پہچان لیا گیا' کشتی والوں نے ان کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا کہ ایک چھوٹی چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھی اور ایک یا دو چونچ سمندر میں ماریں' اس پر خضر نے کہا: میرے اور تمہارے علم کی نسبت علم الٰہی کے ساتھ وہی ہے جو اس چڑیا کی ایک چونچ کی سمندر سے ہے' حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ نکال لیا' اس پر موسیٰ نے کہا: ان لوگوں نے بغیر کرایہ ہم کو کشتی پر بڑھایا' آپ نے کشتی کو پھاڑ ڈالا کہ کشتی والے ڈوب جائیں' خضر نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے؟ موسیٰ نے کہا: میری بھول پر گرفت نہ کرو اور میرے کام میں دشواری نہ ڈالو! (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) یہ پہلی موسیٰ کی بھول تھی' اس کے بعد پھر دونوں چلے' دیکھا کہ ایک بچہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے' خضر نے اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے اوپر سے پکڑا اور اکھاڑ لیا' اب موسیٰ نے کہا: آپ نے ایک بے گناہ کو بغیر کسی جان کے بدلے مار ڈالا۔ خضر نے کہا: میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے۔ ابن عیینہ نے کہا: اس میں زیادہ تاکید ہے' ف۳۔ اس کے بعد دونوں چلے اور ایک بستی والوں کے پاس آئے' ان سے کھانا طلب کیا' ان بستی والوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا' ان لوگوں نے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس بستی میں ایک دیوار ایسی پائی جو گرا چاہتی تھی' خضر نے اسے ہاتھ سے درست کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے ان سے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ خضر نے کہا: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے! ہماری خواہش ہے کہ اگر وہ صبر کرتے تو ہمیں ان کے احوال اور سننے کو ملتے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ ایضاً۔ کتاب العلم۔ باب: ذهاب موسٰی علیه السلام فی البحر الی الخضر' والخروج فی طلب العلم۔ کتاب الاجارہ۔ باب: اذا استاجر اجیراً علی ان یقیم حائطا۔ کتاب الشروط۔ باب: الشروط مع الناس بالقول' کتاب الانبیاء۔ باب: حدیث الخضر مع موسٰی علیهما السلام میں دوطریقوں سے۔ ایضاً۔ کتاب التفسیر۔ باب: و اذ قال موسٰی لفتٰه و فلما بلغا مجمع البحرین وبینهما و فلما جاوزا قال لفتاه۔ ایضاً۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب: اذا حلف ناسیا فی الایمان۔ کتاب التوحید۔ باب: فی المشیئة و الارادة' مسلم۔ کتاب احادیث الانبیاء' ترمذی۔ کتاب التفسیر' نسائی۔ کتاب التفسیر۔ کتاب العلم' مسند امام احمد بن حنبل)

تکمیل

اس کے بعد ہے: حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ کشتی میں نے اس لیے توڑی کہ کشتی والے غریب تھے' ان کا ذریعہ معاش بھی یہی کشتی تھی' واپسی میں ایک ایسے ظالم بادشاہ پر جس کا نام بخاری۔ کتاب التفسیر۔ ج ۲ ص ۶۸۹ میں ہُدَد بن بُدد بتایا اور ایک قول یہ ہے کہ جلندیٰ تھا' ان کا گزر ہوتا جو ہر صحیح وسلامت کشتی کو چھین لیتا تھا اور عیب دار کو چھوڑ دیتا تھا۔ میں نے عیب دار کر دی کہ یہ کشتی ان غریبوں کے پاس رہے' چنانچہ واپسی میں جب یہ کشتی اس ظالم کی حدود میں داخل ہوئی تو اس نے آ کر کشتی دیکھی' ٹوٹی دیکھ کر چھوڑ دیا' اس کے بعد ان لوگوں نے تختہ فٹ کر لیا۔ یہ ظالم اندلس میں رہتا تھا۔ مقتول بچے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کی سرشت میں کفر تھا اور اس کے ماں باپ مؤمن تھے' اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں اس کافر بچے کی محبت میں وہ بھی کافر نہ ہو جائیں' میں نے اسے مار ڈالا تاکہ ماں باپ اس کی وجہ سے کافر نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے یہ چاہا کہ اللہ عزوجل اس کے عوض ان لوگوں کو کوئی نیک اور لائق اولاد عطاء فرمائے۔ بخاری۔ کتاب التفسیر میں ہے کہ اس کے عوض انہیں ایک لڑکی عطاء ہوئی۔ جمل میں ہے کہ اس کا نکاح ایک نبی سے ہوا' جن سے نبی پیدا ہوئے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شمعون انہیں کی نسل سے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ستر انبیاء ان کی نسل سے ہوئے۔ حضرت خضر نے اس مقتول کا کاندھا چیر کر دل نکال کر دکھایا' اس پر لکھا تھا: کافر ہے کبھی ایمان نہ قبول کرے گا۔ اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی' اس کے نیچے خزانہ مدفون تھا' اگر دیوار بھی گر پڑتی تو گاؤں والے سب خزانہ لے جاتے اور یہ بچے محروم رہ جاتے' ان کی ساتویں پشت میں ان کے دادا کا شح نیک صالح شخص تھے' ان کی برکت سے اللہ کو یہ منظور ہوا کہ یہ خزانہ انہیں بچوں کو ملے' اس وقت میں نے دیوار درست کر دی تاکہ یہ بڑے ہو کر اس خزانے کو حاصل کر لیں۔ (سورۂ کہف تفسیرات)

اشخاص

حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہ بنی فزارہ کے فرد اور عیینہ بن حصین کے بھتیجے تھے' ان کے قبیلے کا جو وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نوف بکالی

نوف بکالی بن فضالہ یہ تابعی تھے‘ ان کی کنیت ابورشید ہے‘ یہ عالم فاضل اہل دمشق کے مقتدا اور قاضی تھے۔ ابن تین نے کہا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربان تھے‘ یہ قاص یعنی واعظ تھے‘ کہا جاتا تھا کہ اسرائیلی روایات بہت بیان کرتے تھے‘ مشہور یہ ہے کہ یہ کعب احبار کی زوجہ کے بیٹے تھے‘ ان کو بکالی اس لیے کہتے ہیں کہ حمیر کی ایک شاخ بنی بکال کے فرد تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

مشہور انصاری صحابی ہیں‘ بیعت عقبہ اور بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی‘ اس اُمت کے سب سے بڑے قاری ہیں‘ ان کا خطاب ’’اقرأ ھذہ الامۃ‘‘ ہے‘ حضرت عمران کو سیّد المسلمین کہا کرتے تھے۔ ۱۹ھ یا بیس یا تیس میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا‘ ان سے ایک سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں‘ تین متفق علیہ‘ چار افرادِ بخاری سے اور سات افرادِ مسلم سے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ بن عمران کلیم اللہ علیہ السلام‘ حضرت یعقوب کے صاحبزادے لاوی کی نسل سے ہیں‘ ان کے والد عمران نے ایک سو ستائیس سال کی عمر پائی‘ جب ان کی عمر ستر سال کی ہوئی تو حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے میدانِ تیہ میں ایک سو ساٹھ سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔ ان کا وصال طوفانِ نوح کے ایک ہزار چھ سو بیس سال بعد ہوا‘ انہوں نے جس فرعون کو ہلاک فرمایا تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن اراشہ تھا۔ اسے چار سو سال کی عمر ملی۔ موسیٰ کا اصل تلفظ موشی تھا‘ اس کے معنی قبطی زبان میں پانی اور کچھ درخت کے ہیں۔ یہ نام آسیہ بنت مزاحم فرعون کی زوجہ نے رکھا تھا‘ اس لیے کہ ان کا تابوت آسیہ کو پانی اور درخت میں ملا تھا‘ یہ قبطی لفظ ہے‘ اسے عربی بنانے کی کوشش میں کوئی فائدہ نہیں۔

بنی اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل ہے‘ ان کے بارہ بیٹے تھے: حضرت یوسف علیہ السلام‘ بنیامین‘ دانی‘ بفتالی‘ زابلون‘ جاذ‘ یستاخر‘ اشیر‘ روبیل‘ یہوذا‘ شمعون‘ لاوی‘ ان کو اسباط بھی کہتے ہیں‘ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک‘ ایک قبیلے کا جد ہے۔ اسباط بہت زیادہ شاخوں والے گھنے درخت کو کہتے ہیں‘ یہ اور ان کی نسل بنو اسرائیل ہیں۔

یوشع بن نون

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں‘ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادمِ خاص اور ان کے صحابی و تلمیذ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے چالیس سال بعد ان کو نبوت عطاء ہوئی تھی اور انہوں نے ہی بیت المقدس فتح فرما کر جبارین کا قلع قمع کیا‘ ان کے لیے بھی سورج واپس ہوا تھا‘ یہ بیت المقدس کے محاذ پر جبارین سے جہاد فرما رہے تھے‘ جمعہ کا دن تھا‘ ان کے مذہب میں ہفتے کو لڑنا جائز نہ تھا۔ جبارین شکست کھا چکے تھے‘ بنی اسرائیل ان کا قتل عام کر رہے تھے‘ کچھ رہ گئے تھے کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہو گیا‘ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! سورج کو واپس کر دے اور سورج سے فرمایا: اے سورج! تو بھی اللہ کی اطاعت میں ہے‘ میں بھی اللہ کی اطاعت میں ہوں‘ تو ٹھہر جا! اے چاند! تو بھی اپنی جگہ رکا رہ‘ تاکہ میں ہفتہ آنے سے پہلے دشمنانِ خدا سے انتقام لے لوں۔ سورج پلٹ آیا اور دن بڑا ہو گیا‘ جب سب ظالمین کا قلع قمع ہو گیا تو ڈوبا‘ ان کو ایک سو سولہ سال کی عمر عطاء ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال بنی اسرائیل کے مقتداء رہے‘ وصال کے بعد جبل ابراہیم میں دفن ہوئے۔ (جلالین‘ صاوی‘ سورۂ مائدہ‘ مسند امام احمد)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت خضر علیہ السلام

اس میں تین لغات ہیں: ''خَضِر' خَضْر' خِضْر'' اس کے لغوی معنی سبزے کے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کا نام خضر اس لیے پڑا کہ یہ ایک چکنی سفید زمین پر بیٹھے تو اس پر سبزہ اُگ آیا[1] امام مجاہد نے فرمایا کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ جس جگہ نماز پڑھتے' ہری ہو جاتی۔ خطابی نے کہا: چونکہ بہت حسین تھے' چہرہ روشن تھا' اس لیے یہ نام پڑا' ان تینوں میں کوئی تنافی نہیں' ان کی کنیت ابوالعباس ہے' نام کے بارے میں اختلاف ہے' وہب بن منبہ نے کہا کہ ''بَلْیَا'' ہے' کسی نے ''اَبَلْیَا'' ہے' کسی نے کہا: ''ادھیا'' ہے' کسی نے کہا: ''اَلْیَسَعْ'' ہے' کسی نے کہا: ''خضرون'' ہے' علامہ ابن حجر نے فرمایا: پہلا قول زیادہ قوی ہے یعنی ''بَلْیَا''۔ ان کا نسب کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم کے بلاواسطے صاحبزادے ہیں' انہیں کی دعا کی برکت سے طویل عمر پائی۔ حضرت آدم نے اپنے صاحبزادوں کو طوفانِ نوح کی خبر دی تھی اور یہ دعا کی تھی کہ میرے تابوت کی جو حفاظت کرے گا' اسے طویل عمر ملے گی۔ یہ خدمت خضر نے انجام دی' اس لیے انہیں عمر جاوداں ملی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ قابیل کے بیٹے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس کے بھائی ہیں اور شہزادے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت نوح کے صاحبزادے سام کی نسل سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عیص بن اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہارون کی اولاد ہیں۔ بعض اہل کتاب کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی خالہ کے صاحبزادے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا زمانہ

ان کا زمانہ کیا ہے؟ یہ بھی مختلف فیہ ہے' کہا گیا ہے کہ فریدون کے زمانے میں تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ذوالقرنین اکبر کے مقدمۃ الجیش تھے' جو ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھا۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ یہ ذوالقرنین کے وزیر تھے۔ انہوں نے آبِ حیات پایا اور پیا' زندہ جاوید ہو گئے' ذوالقرنین محروم رہا۔ ابن جریر نے کہا: صحیح یہ ہے کہ فریدون سے بہت پہلے تھے' اس لیے کہ یہ طے ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کا زمانہ پایا۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟

پھر یہ اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے کہ صرف ولی؟ نبی تھے تو صرف نبی تھے کہ نبی مرسل؟ صحیح یہی ہے کہ نبی تھے' اس پر دلیل ان کا یہ ارشاد ہے: ''مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ'' (الکھف: ۸۲) اس بچے کا قتل میں نے اپنی طبیعت سے نہیں کیا' تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ انہیں اسے مار ڈالنے کا حکم بہ ذریعہ وحی ہوا تھا' اس لیے وہ واجب الاتباع تھا' اگر ولی ہوتے تو اس قول کی تاویل یہ ہوتی کہ انہیں الہام ہوا تھا اور کسی ولی کو یہ جائز نہیں کہ اسے اگر کسی کے قتل کرنے کا الہام ہو تو اسے مار ڈالے' اور وحی نبی ہی پر آتی ہے' پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں؟ امام بخاری اور کچھ محدثین کا مذہب یہ ہے کہ وہ وفات پا چکے' مگر جمہور علماء اور جمیع اولیاء کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور دجال کے بعد جب ایمان اُٹھ جائے گا' اس وقت وصال فرمائیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے ان کی ملاقات کا ثبوت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے ان کی ملاقات ثابت ہے اور اولیاء کرام کے یہاں تو متواتر ہے۔ کعب احبار نے کہا: چار نبی زندہ ہیں اور زمین والوں کے لیے امان ہیں' دو زمین میں خضر اور الیاس اور دو آسمان میں ادریس اور عیسیٰ علیہم الصلوۃ والتسلیم۔

---

[1] بخاری۔ ص ۴۸۳

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال حج میں شریک ہوتے ہیں اور احرام سے باہر آنے کے لیے ایک دوسرے کے بال اُتارتے ہیں' ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر جیسے مخفی ہیں' ان کے احوال بھی مخفی ہیں۔ الا ماشاء اللہ!

تطبیق

کتاب التفسیر میں یہ ہے: سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں یہ اختلاف ہوا کہ جن موسیٰ نے خضر سے ملاقات کی تھی' یہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ دوسرے موسیٰ یعنی موسیٰ بن میشا بن یوسف علیہ السلام ہیں'[1] جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے پہلے نبی ہوئے ہیں' اہل کتاب کا یہی خیال ہے۔

اسی کتاب العلم میں پہلے دو جگہ اور آ گے بھی مذکور ہے کہ اختلاف حضرت ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا' وہ بھی یہ کہ موسیٰ کلیم اللہ جن سے ملاقات کے لیے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور صاحب؟ تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں' پہلا اختلاف حضرت ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا کہ حضرت موسیٰ جن سے ملنے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور؟ یہ اختلاف دو صحابہ کا تھا' اتفاق سے حضرت ابی بن کعب کا گزر ہوا' ان سے دریافت فرمایا: انہوں نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ کون موسیٰ تھے؟ یہ سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں ہوا' یہ دونوں تابعی تھے' سعید بن جبیر کے دریافت کرنے پر حضرت ابن عباس نے حضرت کعب سے سنی ہوئی حدیث بیان فرما دی۔

نوف بکالی تابعی تھے اور اہل دمشق کے قاضی و امام تھے' ان کو اللہ کا دشمن کہنا حقیقی معنی میں نہیں' شدت ظاہر کرنے کے لیے زجراً حالتِ غضب میں فرما دیا اور کسی غلط بات کو سن کر حق پرست علماء کو جلال آ ہی جاتا ہے' لیکن علامہ ابن حجر نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کو نوف کے مسلمان ہونے میں کچھ شبہہ رہا ہو' اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہ کا قول بھی صحیح نہیں تھا' مگر ان کو کچھ نہیں کہا۔

ف ۱: جس میں اللہ کی نعمتوں اور بلاؤں کا ذکر اتنے مؤثر طریقے سے فرمایا کہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی۔ لوگ رو پڑے' موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ بند کر دیا تو ایک شخص نے پوچھا۔

یہاں اور کتاب التفسیر وغیرہ میں یہ ہے کہ سوال کرنے پر فرمایا کہ میں ''اعلم'' ہوں' اس پر عتاب ہوا۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم میں ایام اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں اور بلاؤں کو بیان فرما رہے تھے کہ یہ کہہ دیا کہ میں زمین میں کسی کو اپنے سے زیادہ بہتر اور علم والا نہیں جانتا۔ اس پر اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین میں ایک شخص تم سے زیادہ علم والے ہیں' اور بخاری کی عام روایتوں میں یہ ہے کہ کسی نے سوال کیا تو فرمایا۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں اختصار ہے' سائل کے سوال اور عتاب کو راوی نے چھوڑ دیا۔

حضرت موسیٰ' حضرت خضر علیہ السلام سے اعلم ہیں

پہلی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ سے یہ پوچھا کہ آپ کسی ایسے کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟ فرمایا: نہیں! اور یہاں یوں ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کون سب سے زیادہ علم والا ہے؟ تو فرمایا: میں ہوں۔ دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہی ہے' حضرت موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ جتنے اہل علم کو جانتا ہوں' ان سب سے اعلم میں ہوں۔ اس اعتبار سے یہ فرمانا غلط نہ تھا بلکہ عند التحقیق واقع کے اعتبار سے بھی صحیح ہے' فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے بدرجہا اعلم تھے' لیکن اس جواب میں خود بینی'

---

۱ عینی' کتاب العلم' ج ۲' ص ۱۹۳

خودنمائی کی بُو تھی جوان کے شایانِ شان نہ تھی' انہیں جواب میں یہ فرمانا زیادہ انسب تھا کہ اللہ اعلم یا کم از کم یہ فرماتے: "انا اعلم واللہ اعلم" اس لیے ان پر عتاب ہوا' جیسا کہ دوسری روایت میں تصریح ہے:

اعجب موسٰی بعلمه فعاتبه بما لقی الخضر. موسیٰ کو اپنے علم پر عُجب ہوا' اس لیے ان پر عتاب ہوا اور خضر کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا۔

اور حقیقت میں یہ ان کی اُمت کی تعلیم کے لیے تھا کہ وہ عُجب میں مبتلا نہ ہوں۔

دینی بات کے اختتام پر "واللہ اعلم" کہنا ادب ہے

اس سے معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ عالم جو بات بیان کرے' اس کے بعد یہ کہے: "واللّٰہ تعالٰی اعلم" اسی کے مطابق مفتیانِ کرام اپنے فتووں کے بعد واللہ تعالیٰ اعلم لکھتے ہیں۔

مجمع البحرین کہاں ہے؟......اور ایک شبہہ کا جواب

یہ مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم کون سا ہے؟ اس میں شراح حدیث و مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ جانب شرق روم اور فارس کے سمندروں کا سنگم۔ ابی بن کعب سے ثعلبی نے حکایت کی کہ یہ افریقہ میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ طنجہ مراد ہے' کچھ لوگوں نے کہا: دریائے اُردن اور قلزم کا سنگم مراد ہے' اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

یہاں شبہہ وارد ہوتا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت خضر' حضرت موسیٰ سے اعلم تھے' حالانکہ یہ محقق ہے کہ نبی کا اپنے اہل زمانہ سے اعلم ہونا ضروری ہے۔ اس کا ایک جواب زمخشری نے دیا کہ چونکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی سے تعلیم حاصل کرے۔ اس کا مفاد یہ نکلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ خضر' حضرت موسیٰ سے اعلم ہوں' اس لیے کہ دونوں نبی ہیں۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ اعتراض کیا: یہ تو تسلیم کر لینا ہی ہوا کہ حضرت خضر' حضرت موسیٰ سے اعلم ہیں' حالانکہ یہی اصل اعتراض ہے' پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا کہ حضرت خضر کی اعلیت مخصوص چیزوں کے اعتبار سے ہے' پھر بعد میں تحریر فرمایا کہ اگر حضرت خضر کو نبی مرسل مانیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اعلم ہوں' یعنی مطلقاً اور اگر ان کو صرف نبی یا ولی مانیں تو وہی مخصوص اعلیت مراد ہے۔ علامہ ابن حجر نے ابتداءً اعلم ہونے کو خاص کیا' پھر تفصیل کی۔ اگر حضرت خضر نبی مرسل ہیں تو اعلم یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر حضرت خضر کو صرف نبی یا ولی مانیں تو خاص باتوں کے اعتبار سے اعلم ہونا مراد ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ وظائف نبوت اور اُمورِ شریعت کے اعتبار سے مطلقاً اعلم ہیں اور حضرت خضر دوسری چند مخصوص چیزوں (یعنی اُمورِ غیب و حوادث وقدم) کے اعتبار سے اعلم ہیں۔

لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ جو شخص علومِ کثیرہ' وہ بھی وظائف نبوت اور احکامِ شریعت کے اعتبار سے اعلم ہو' اس کے مقابلے میں ایسے شخص کو جو مخصوص ایسی باتیں جانتا ہو' جن پر پہلا شخص مطلع نہیں' اعلم کہنا درست نہیں۔ اس لیے خادم کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ موقع چونکہ عتاب و تنبیہ و تادیب کا ہے اور تنبیہ و تادیب کے موقع پر جو عتابیہ کلمات بولے جاتے ہیں' ان سے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا' صرف تنبیہ و تادیب مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً ایک استاذ اپنے سب سے زیادہ لائق و فائق تلمیذ کو ناراضگی کی حالت میں تادیباً کہے: تم کو کچھ نہیں آتا' یا اس سے کم تر درجے کے تلمیذ کو کہے کہ تم سے زیادہ لائق تو یہ ہے۔ اسلوب بیان کا ماہر جانتا ہے کہ یہاں مراد حقیقی معنی نہیں' صرف اظہارِ عتاب ہے' اسی طرح یہاں بھی عتاب کے موقع پر اس "اعلم" کے حقیقی معنی مراد نہیں' جیسا کہ انہیں حضرات نے "کذب عدو اللّٰہ" کی توجیہ میں فرمایا' اس لیے اس سے حضرت خضر کی اعلیت پر استدلال درست نہیں۔ اس میں علماء و ارباب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کمال کو یہ تلقین کرنا ہے کہ اپنے علم و فضل پر گھمنڈ نہ کریں اترائیں نہیں تو اضع و فروتنی کرتے رہیں۔

توشہ مچھلی تھی

کتاب التفسیر میں یہ طریق یعلی ہے کہ ارشاد ہوا: ایک بے جان مچھلی لے جہاں یہ مچھلی زندہ ہو جائے وہیں وہ بندہ یعنی خضر ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنے خادم حضرت یوشع سے فرمایا: تم کو اس لیے ساتھ لے رہا ہوں کہ تم دھیان رکھنا جہاں مچھلی ہمارا ساتھ چھوڑ دے مجھے بتانا! انہوں نے فرمایا: یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ نے نمک آلود مچھلی لی بعضوں نے کہا: مچھلی کا آدھا دھڑ لیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ بھنی ہوئی مچھلی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ بھنی ہوئی نمک آلود مچھلی لی ہو۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بغیر بھنی ہوئی کچی مچھلی کھائی نہیں جاتی۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ چلتے وقت مسلم مچھلی لی تھی اس میں سے راستے میں کچھ کھالی ہو اور صخرہ کے پاس جب پہنچے تو اس کا آدھا حصہ رہ گیا تھا۔

روایات مختلفہ میں تطبیق

تفسیر میں ہے کہ جب ایک چٹان کے پاس پہنچے جس کے نیچے زمین تر تھی حضرت موسیٰ اس چٹان کے سائے میں سو گئے اسی میں دوسری روایت ہے کہ اس چٹان کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا اس کا پانی جس مردہ پر پڑتا تازہ ہو جاتا کسی طرح مچھلی پر اس کا پانی پڑ گیا مچھلی زندہ ہو گئی اور تڑپ کر سمندر میں چلی گئی اور سمندر میں جہاں ڈوبی وہاں گول سرنگ بن گئی حضرت یوشع یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر حضرت موسیٰ کو جگایا نہیں سوچا کہ جب بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا مگر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو انہیں یاد نہ رہا۔ یہاں یہ ہے کہ دونوں سو گئے اور تفسیر کی دو روایتوں میں ہے کہ صرف حضرت موسیٰ سوئے اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے اور مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں جانے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے حضرت یوشع کچھ دیر سوئے ہوں یہ بیدار ہوئے حضرت موسیٰ سوئے یا یہ کہ تغلیباً فرمایا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُO" (الرحمٰن: ۲۲) حالانکہ موتی اور مرجان صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعد میں فرمایا گیا کہ دونوں بھول گئے حالانکہ صرف حضرت یوشع بھولے تھے۔ "نسيا حوتهما" کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ بیداری کے بعد مچھلی کا حال دریافت کرنا بھولے اور حضرت یوشع بتانا۔

ف۲: یہ مقولہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو حضرت یوشع نے مچھلی کے حال کی خبر دی جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے اور کتاب التفسیر کی ایک روایت میں بھی۔ اور یہی واقعہ بھی بتاتا ہے۔ اس لیے اس وقت تو حضرت موسیٰ کو مچھلی کے واقعہ کا علم بھی نہیں تھا علم ہوا یوشع کے بتانے کے وقت مگر چونکہ یہ تعجب مچھلی کی گمشدگی پر تھا اس لیے اسی کے ساتھ ذکر فرما دیا۔

صخرہ کے بعد کتنی دیر چلے؟..... "قص" کا معنی

یہاں "يومهما" مؤخر ہے اس میں الٹ پلٹ ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ بقیہ دن اور رات چلے اس پر قرینہ یہ ہے کہ آگے فرمایا: جب صبح ہوئی اور صبح رات کے بعد ہوتی ہے نیز تفسیر کی ایک روایت میں "بقية يومهما وليلتهما" ہی ہے۔

"قص" کے معنی دو ہیں: پیچھے چلنا قصہ بیان کیا بات چیت کی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں پہلا معنی ظاہر ہے دوسرا معنی یوں کہ وہ دونوں حضرات آپس میں بات چیت بھی کرتے جاتے تھے۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ دوران سفر آپس میں بات چیت کرنا سنت ہے اس سے سفر میں کوفت نہیں ہوتی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دونوں کی ملاقات کہاں ہوئی؟

مسلم شریف میں ہے کہ لوٹ کر اس چٹان کے پاس واپس ہوئے' حضرت یوشع نے بتایا کہ یہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ بخاری' کتاب التفسیر میں ہے کہ دونوں نے مچھلی کے غائب ہونے کی جگہ کو دیکھا کہ طاق کے مثل ہے' پھر دیکھا کہ ایک صاحب بیچوں بیچ سمندر میں پانی کے اوپر ایک سبز فرش پر اس طرح کپڑے اوڑھے ہیں کہ چادر کا ایک کنارہ سر کے نیچے اور دوسرا پاؤں کے تلے' مسلم میں ہے کہ چیت سوئے تھے۔ ابن حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ اُون کا جبہ پہنے تھے' اُون ہی کا کمبل تھا' ان کے ساتھ ان کا عصا تھا جس پر ان کا کھانا باندھا ہوا تھا۔ ابن ابی حاتم کی روایت یوں ہے کہ یہ دونوں اس سوراخ میں تشریف لے گئے جو مچھلی بنا گئی تھی' پانی جم کر سخت ہو گیا تھا' اندر جزیرۃ البحر میں پہلے تو دیکھا کہ حضرت خضر سبز فرش پر کھڑے بیچوں بیچ سمندر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

بخاری کی ان روایات اور ابن ابی حاتم کی روایت میں تخالف نہیں' یہ ہو سکتا ہے کہ بخاری کی روایت میں اختصار ہو اور مراد یہی ہو کہ اس سرنگ کے اندر گئے تو حضرت خضر کو دیکھا' البتہ اخیر حصے میں ضرور تعارض ہے اور عند التعارض یہاں ترجیح بخاری ہی کی روایت کو ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا

"انّٰی' کیف' این' متٰی' حیث" کے معنی میں آتا ہے' یہاں "کیف" اور "این" کے معنی میں ہے' اگر "کیف" کے معنی میں لیا جائے تو اظہارِ تعجب کے لئے' معنی یہ ہوئے: اس زمین میں سلام کیسے؟ یہ اس بناء پر کہ وہ علاقہ کفار کا تھا' وہ سلام جانتے ہی نہ تھے' یا اس علاقہ میں ملاقات کے وقت لفظ سلام کے علاوہ اور کسی لفظ سے تحیت رائج تھی' اور اگر "ایــن" کے معنی میں لیا جائے تو سوالیہ جملہ ہوگا' یعنی تم نے سلام کیسے جانا' وہ جگہ ویران تھی' کوئی باشندہ نہ ہوگا' اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو نہیں پہچانا' ورنہ یہ تعجب نہ ہوتا اور سوال نہ کرتے' اس لیے کہ وہ غائبانہ واقف تھے' جیسا کہ آگے کے جملے سے ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا: میں موسیٰ ہوں! تو انہوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ! فرمایا: ہاں!

تفسیر۔ ج ۲ ص ۶۸۹ میں اتنا زائد ہے: اس کے بعد حضرت خضر نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ کس لیے تشریف لائے ہیں؟ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا: اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے ان اچھی باتوں میں سے کچھ کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں۔ اس پر حضرت خضر نے عرض کیا: کیا آپ کے لیے یہ کافی نہیں کہ توریت آپ کے پاس ہے' آپ کے پاس وحی آتی ہے' اے موسیٰ! میرے پاس کچھ ایسے علوم ہیں کہ ان سب کا جاننا آپ کے لائق نہیں اور آپ کے پاس کچھ ایسے علوم ہیں' جن سب کا جاننا میرے لائق نہیں۔

حضرت خضر باطنی علوم کے مطابق عمل کرنے پر مامور ہیں..... اور حضرت یوشع ساتھ تھے یا نہیں؟

اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت خضر کو حکم تھا کہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل فرمائیں اور حضرت موسیٰ کو نہ ان تمام جزئی باتوں کا علم تھا نہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل کے مامور تھے۔ حضرت خضر کا منشاء یہ تھا کہ میں باطنی احوال کے مطابق عمل کروں گا' جنہیں بظاہر آپ خلاف شرع پائیں گے اور چونکہ آپ نبی مرسل ہیں' اس لیے مجھے روکیں گے' مجھ پر اعتراض فرمائیں گے' صبر نہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ آپ مجھے ضرور ٹوکیں گے۔

پہلے فرمایا: دونوں' یعنی حضرت موسیٰ اور خضر چلے' اس سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت یوشع ان کے ہمراہ نہ تھے' لیکن یہاں "فکلموھم" جمع کا صیغہ ہے' اس سے ثابت کہ تین آدمی تھے اور تیسرے سوائے حضرت یوشع کے اور کوئی نہیں۔ اور پہلے تثنیہ کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا کہ حضرت یوشع کی حیثیت خادم اور تابع کی تھی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے: دریا میں ایک کشتی جاتی ہوئی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نظر آئی تو حضرت خضر نے آواز دی اور فرمایا کہ اور سواروں نے جو کرایہ دیا ہے ہم لوگ اس کا دگنا دیں گے۔ کشتی کے سواروں نے کشتی کے مالک سے کہا: اس خوفناک جگہ یہ لوگ ہیں کہیں چور نہ ہوں۔ کشتی کے مالک نے کہا: میں ان لوگوں کے چہرے پر نور دیکھ رہا ہوں اور ان کو بغیر کرایہ سوار کر لیا۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

یہاں لفظ ''نقص'' وارد ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا: میرے اور تمہارے علم نے باری تعالیٰ کے علم میں اتنی ہی کمی کی جتنی اس چڑیا کے ایک مرتبہ چونچ میں پانی لینے سے کمی ہوگی۔ اس پر شبہہ وارد ہوتا ہے کہ چڑیا کے ایک بار چونچ میں پانی لینے سے واقعی سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے مگر حضرت موسیٰ اور خضر ہی کیا' سارے جہان کے لوگوں کے علوم نے باری تعالیٰ کے خزانہ علم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک چونچ پانی لے لینے سے سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے مگر عرف میں یہی کہا جاتا ہے کہ کچھ بھی کمی نہیں ہوئی' یہاں اس جملے کا یہی عرفی معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے یہاں کوئی کمی نہیں ہوئی' اسی طرح مخلوقات کے علوم نے علم باری میں کوئی کمی نہیں کی' یا یہ کہ مشاہدے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک چونچ پانی سے سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوئی' اسی طرح حقیقت میں ہمارے علوم سے علم باری میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ کتاب التفسیر میں یوں ہے کہ ہمارا اور تمہارا علم باری تعالیٰ کے علم کے پہلو میں ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کا ایک چونچ پانی سمندر کے سامنے۔ اس پر بھی شبہہ ہوتا ہے کہ سمندر کا پانی کتنا ہی کثیر ہو مگر متناہی ہے' اور ایک چونچ پانی کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ متناہی کی متناہی سے ہے۔ اور علم باری عز اسمہ غیر متناہی ہے اور جملہ مخلوقات بلکہ ان دونوں حضرات کے بھی علوم خواہ کتنے ہی کثیر ہوں' متناہی ہیں اور متناہی کی غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہ صرف سمجھانے کے لیے ہے' مشاہدے کے اعتبار سے اہل عرف یہی جانتے ہیں کہ سمندر کا پانی بے حد و بے حساب ہے جو غیر متناہی کی ایک تعبیر ہے' بتانا یہ ہے کہ جیسے ایک قطرہ آب سمندر کے بے حد و بے حساب پانی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا' اسی طرح مخلوقات کے علوم کی باری تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

کتاب التفسیر وغیرہ میں ہے کہ بسولا یا کلہاڑی سے کاٹ کر تختہ اکھاڑ دیا اور اس میں کیل ٹھونک دی' ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس میں کپڑا بھر دیا اور ایک کونے میں تشریف لے گئے اور سوچنے لگے: اس شخص کے ساتھ رہ کے کیا بنالوں گا؟ بنی اسرائیل میں تھا' انہیں صبح و شام اللہ کی کتاب سناتا تھا' حکم دیتا تھا' مان لیتے تھے۔ حضرت خضر نے کہا: آپ کے جی میں کیا ہے؟ کہئے! بتا دوں! فرمایا: بتادو! حضرت خضر نے سب بتا دیا' کشتی کا تختہ اکھاڑنے کو سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی نے نہیں دیکھا اور نہ تختہ اکھاڑنے ہی کیپ دیتے۔

بچے کے قتل کی تفصیل

کشتی سے اتر کر یہ لوگ سمندر کے ساحل پر جا رہے تھے کہ دیکھا دس بچے کھیل رہے ہیں' ان میں جو سب سے زیادہ خوبصورت و ذہین تھا' اسے حضرت خضر نے پکڑا اور مار ڈالا' اس کا نام اسی بخاری' کتاب التفسیر میں جیسور بتایا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جلیسون تھا۔ مار ڈالنے کی کیفیت میں مختلف روایتیں ہیں' یہاں ہے کہ اس کے سر کو اکھاڑ دیا۔ دوسری روایت میں ہے: ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا جیسے میوے توڑے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لٹا کر چھری سے ذبح کر ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑا پتھر لے کر اس کے سر پر دے مارا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کا سر دیوار پر دے مارا۔ ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ یہ سب ہوا ہوگا' پہلے اس کے سر پر پتھر مارا' جس سے وہ گر پڑا' پھر چھری سے ذبح کر کے اس کے سر کو تن سے جدا کیا' پھر سر دیوار پر دے مارا۔ یہ لڑکا بدسرشت تھا' ابھی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے فساد مچائے رہتا' ماں باپ کو ستاتا رہتا' رات میں چوری کرتا' صبح کو جب شکایت آتی' ماں باپ جھوٹی قسم کھاتے کہ یہ رات بھر کہیں نہیں گیا ہمارے ساتھ سویا تھا۔ یہ واقعہ یا تو اُبلّہ میں ہوا تھا جو بصرہ اور عیدان کے مابین ہے' یا ایلاء میں جو بحر قلزم کے کنارے مصر سے آنے والے حجاج کے راستے میں پڑتا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ غلام عربی میں نابالغ بچے کو کہتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ ابھی نابالغ تھے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ف۳: اس میں تاکید کی زیادتی ''لک'' کے اضافے سے پیدا ہوئی۔

یتیموں کی دیوار کس بستی میں درست کی تھی؟......دونوں کی جدائی

یہ بستی انطا کیہ تھی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یہاں یہ حضرات سورج ڈوبنے کے بعد پہنچے' قریب میں کوئی ایسی بستی نہ تھی اور جاڑے کی رات تھی' ان حضرات نے اسی دیوار کے پیچھے جا کر قیام کیا۔ یہ دیوار اتنی جھکی تھی کہ بستی والے اس سے بچ کر چلتے تھے۔ حضرت خضر نے جب دیکھا کہ دیوار خطرناک ہے تو اسے سیدھا کر دیا۔ عام روایتوں میں یہی ہے کہ ہاتھ سے سیدھی کر دی۔ ایک روایت ہے کہ ستون لگا کر سیدھی کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے ڈھا کر بنانے لگے۔ یہاں ''قال بیدہ'' ہے' یہاں ''قال'' معنی میں اشارے کے ہے۔ دوسری روایت میں ''فمسحہ بیدہ'' ہے' اس پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ ہم نے ان دونوں روایتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ترجمہ یہ کیا: ہاتھ سے سیدھی کر دی۔

یہ حضرت خضر نے اس لیے کہا کہ اس سے پہلے خود حضرت خضر نے کہہ دیا تھا کہ اگر اب آپ تیسری بار جلدی کریں گے تو جدائی کا وقت ہوگا۔ اس پر خود حضرت موسیٰ فرما چکے تھے کہ اگر کچھ پوچھوں تو اپنے ساتھ مت رکھئے گا۔ اسی لیے تفسیر میں ہے کہ پہلی بار حضرت موسیٰ کا سوال نسیاناً تھا' جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اور دوسری بار بہ طور شرط تھا اور تیسری بار قصداً تھا۔ ثعلبی نے کہا کہ جب تیسری بار حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو ٹوکا تو حضرت خضر نے عرض کیا: آپ مجھے کشتی توڑنے' بچے کے مار ڈالنے اور دیوار سیدھی کرنے پر ملامت کرتے ہیں اور آپ بھول گئے' آپ نے اپنے آپ کو پانی میں ڈالا' قبطی کو قتل کیا' شعیب کی لڑکیوں کی بکریاں بلا معاوضہ چرائیں۔

مسائل مستخرجہ

(۱) طلب علم یا کسی بھی خیر کی طلب کے لیے سفر جائز ہے' بلکہ انبیاء کی سنت ہے' اگر چہ یہ سفر دریا کا ہو' اسی پر قیاس کر کے ہوائی سفر کا بھی جواز ثابت ہوا (۲) سفر کے لیے زادِ راہ رکھنا جائز ہے اور سب سے عمدہ زادِ راہ مچھلی ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس سفر میں زادِ راہ مچھلی ہوگی' وہ کامیاب ہوگا (۳) اساتذہ و مشائخ کے ساتھ باادب رہنا چاہیے' ان پر اعتراض ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیے' ان کی جو بات سمجھ میں نہ آئے' اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیے' اس کی اچھی تاویل کرنی چاہیے اور اگر بہ تقاضائے بشری کوئی بات ہو جائے' جس سے انہیں اذیت ہو تو ان سے عذر خواہی کرنی چاہیے (۴) انبیائے کرام' اولیائے عظام کے لیے مافوق الفطرت قوت ثابت ہے (۵) ضرورت پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا سوال جائز ہے (۶) مزدوری پر کام کرنا جائز ہے (۷) حکم ظاہر پر ہوگا' جب تک حقیقت حال منکشف نہ ہو جائے (۸) جب دو خرابیاں اکٹھی ہوں تو جو ان میں اخف ہو' اسے اختیار کرے (۹) شریعت کی ہر بات واجب التسلیم ہے' اگر چہ ہماری یا کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئے (۱۰) عقل نقل کے تابع ہے' نقل عقل کے تابع نہیں (۱۱) غیر نبی کا خواب یا کشف حجت شرعیہ نہیں (۱۲) اکثر مال یا جسم بچانے کے لیے جزء کا برباد کرنا یا کٹوا لینا جائز ہے (۱۳) انسان کتنے ہی بلند منصب پر ہو' اپنے کو سب سے بڑا نہ جانے' اپنی بڑائی پر گھمنڈ نہ کرے' ہمیشہ تواضع کرے (۱۴) انبیائے کرام و اولیائے عظام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فرمایا ہے (۱۵) اللہ عزوجل کا علم اور ہر صفت غیر متناہی ہے' انبیاء و اولیاء اور تمام مخلوقات کے علوم و صفات مجموعی طور بھی متناہی ہیں' وہ کتنے ہی کثیر ہوں (۱۶) اشیاء کا حسن و قبح شرعی ہے (۱۷) آزاد انسان سے خدمت لینی جائز ہے' خادم کو مخدوم کا تابع دار ہونا چاہیے (۱۸) ساتھی کا عذر قبول کرنا چاہیے (۱۹) اپنی تکلیف کا اظہار جائز ہے جبکہ بہ طور جزع فزع نہ ہو (۲۰) اللہ کے لیے جو کام کیا جائے اس میں تعب و مشقت نہیں ہوتی' اپنے لیے کرنے سے بہ تقاضائے بشری ہوتی ہے (۲۱) تین بار عذر قبول کر لینا چاہیے' اس کے بعد اختیار ہے۔

گمراہ اور ملحد صوفیہ کا ردّ

گمراہ صوفیاء اور ملحدین متصوفہ نے حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ اہل اللہ شریعت کے محتاج نہیں' ان پر بلاواسطہ اللہ عزوجل کی طرف سے علوم و احکام کا القاء ہوتا ہے' وہ اسی کے پابند ہیں۔ علامہ قرطبی نے فرمایا: یہ کفر و زندقہ ہے' یہ ضروریات دین سے ہے کہ اللہ عزوجل کی سنت یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جملہ احکام بہ واسطہ انبیاء پہنچاتا ہے۔ بغیر نبی کے واسطے کے اللہ عزوجل کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا' اس پر اُمت کا اجماع قطعی ہے۔ اور یہی قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ شریعت کا مکلف ہر مسلمان عاقل بالغ ہے' جو اپنے کو شریعت کے دائرے سے باہر جانے' وہ کافر و زندیق ہے' کسی کے باطنی علوم اگر شریعت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود۔ علاوہ ازیں حضرت خضر نے جو کچھ کیا' وہ ظاہر شریعت کے خلاف نہیں' سوائے بچے کے قتل کے' یہ بہ ظاہر ہماری شریعت کے خلاف ہے' مگر علماء نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت خضر کی شریعت میں اس کی اجازت رہی ہو' اگر نہ بھی ہو تو وہ بہر حال نبی تھے اور نبی پر من جانب اللہ تلقی احکام ہوتا ہی ہے۔ ان کا خواب بھی وحی اور الہام بھی وحی' اس لیے اس سے اپنے کفریات پر ان ملاحدہ کا استدلال' استدلال فاسد ہے۔

۹۱- ح: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا [جو اس لیے لڑے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو]

۹۱- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْقِتَالُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ اَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا وَّيُقَاتِلُ حَمِيَّةً فَرَفَعَ اِلَيْهِ رَاْسَهٗ قَالَ وَمَا رَفَعَ اِلَيْهِ رَاْسَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یارسول اللہ! اللہ کے راستے میں لڑائی کیا ہے؟ اس لیے کہ ہم میں سے کوئی غصہ کی وجہ سے لڑ رہا ہے' کوئی حمیت کی وجہ سے؟ حضور نے اپنا سر اس کی طرف اُٹھایا' راوی نے کہا کہ حضور نے سر اسی لیے اُٹھایا کہ سائل کھڑا تھا (اور حضور بیٹھے تھے) اور فرمایا: جو اس لیے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو یہ لڑائی فی سبیل اللہ ہے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب: من قاتل لتکون کلمۃ اللہ۔ من قاتل للمغنم۔ کتاب التوحید۔ باب: وقوله ولقد سبقت کلمتنا' مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ ص ۱۵۰-۱۵۱' ابن ماجہ۔ کتاب الجہاد۔ ص ۲۰۱' ترمذی' ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الجہاد' مسند امام احمد بن حنبل)

یہاں صرف "رجل" ہے اور کتاب الجہاد میں "اعرابی" ہے' یہاں صرف "غضبا" اور "حمیۃ" ہے' مگر جہاد میں "للمغنم للذکر لیری مکانہ" ہے اور کتاب التوحید میں "حمیۃ" کے ساتھ "شجاعۃ" اور "ریاء" ہے' اب پورا سوال یہ ہوا کہ کوئی غصے کی وجہ سے' کوئی حمیت کی وجہ سے' کوئی مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے' کوئی اپنی نام آوری کے لیے' کوئی اپنی بہادری

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور مرتبہ دکھانے کے لیے لڑتا ہے' جواب کا افادہ یہ ہوا کہ دین کی سربلندی کی نیت کے سوا کسی بھی غرضِ فاسد سے لڑنے والا فی سبیل اللہ نہیں' جہاد فی سبیل اللہ صرف یہ ہے کہ دین کی سربلندی کے لیے جنگ کرے۔

غصہ کی اقسام اور اس کے احکام

غضب کبھی اپنے لیے ہوتا ہے' کبھی اللہ کے لیے' اللہ کے لیے غصہ اور جنگ ہو تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اپنے لیے غصہ کبھی برحق ہوتا ہے' کبھی ناحق۔ برحق غصے کی وجہ سے جنگ کبھی فی سبیل اللہ ہو جاتی ہے' جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے:

من قتل دون مالہ فھو شھید ومن قتل دون دمہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ فھو شھید۔ (ترمذی۔ ج۱ ص۱۷۰)

جو اپنا مال بچانے کے لیے مارا گیا وہ شہید ہے' جو اپنی جان بچانے کے لیے مارا گیا وہ شہید ہے' جو اپنے دین کے لیے مارا گیا وہ شہید ہے' جو اپنے اہل کے لیے مارا گیا وہ شہید ہے۔

اور اسی قسم کی تقسیم حمیت میں بھی ہے' حمیت کبھی دینی ہوتی ہے' کبھی دنیوی' اور دنیوی میں بھی بعض صورتوں میں دینی پہلو نکل سکتا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے' اس کی شرح کے لیے دفتر چاہیے۔

فوائد

اس سے یہ فوائد حاصل ہوئے: (۱) یہ جائز ہے کہ مفتی بیٹھا رہے اور سائل کھڑا رہے (۲) مفتی اور شیخ کو چاہیے کہ سائل وتلمیذ کی طرف متوجہ ہو کر جواب دے (۳) کوئی کتنی ہی بڑی عبادت کیوں نہ ہو' نیت فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے (۴) مفتی اور شیخ کو چاہیے کہ ایسا جواب دے جو سائل کی سمجھ میں بھی آ جائے اور وہ اسے یاد رکھ سکے۔

۹۲- ح: سُؤَالُ الْيَهُوْدِ عَنِ الرُّوْحِ [روح کے بارے میں یہودیوں کا سوال کرنا]

۹۲ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَرِبِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى عَسِيْبٍ مَّعَهُ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْاَلُوْهُ لَا يَجِيْءُ فِيْهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُوْنَهٗ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْاَلَنَّهٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَكَتَ فَقُلْتُ اِنَّهٗ يُوْحٰى اِلَيْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلٰى عَنْهُ قَالَ ﴿وَيَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۝﴾ (بنی اسرائیل:۸۵).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے کے کھنڈرات میں جا رہا تھا اور آنحضور کھجور کی ٹہنی پر ٹیک لگائے جاتے تھے۔ف۱ حضور کا گزر یہودیوں کے چند آدمیوں پر ہوا' یہودیوں نے آپس میں کہا: ان سے روح کے بارے میں پوچھو! اس پر ان میں سے کسی نے کہا: مت پوچھو جواب میں ایسی بات نہ فرما دیں جو تمہیں ناگوار لگے' پھر بھی ان کے بعض نے کہا: ہم تو ضرور پوچھیں گے' چنانچہ ان میں سے ایک شخص اٹھا اور کہا: اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آنحضور نے سکوت اختیار فرمایا' میں نے اپنے جی میں کہا: آنحضور پر وحی آ رہی ہے چنانچہ میں کھڑا ہو گیا جب آثارِ وحی جاتے رہے تو فرمایا: تم سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں' فرما دو! روح میرے رب کے امر سے ہے اور ان کو بہت ہی کم علم دیا گیا۝ ف۲

(ایضاً کتاب التفسیر۔ سورہ بنی اسرائیل۔ باب: یسئلونک عن الروح۔ کتاب الاعتصام۔ باب: ما یکرہ من کثرۃ السوال۔ باب: ما یسئل عما لم ینزل علیہ الوحی۔ کتاب التوحید۔ باب: لقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین۔ باب: قول اللہ انما امرنا لشیء۔ مسلم۔ کتاب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

المنافقین۔ ص ۴۲۲ ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ سورہ بنی اسرائیل ص ۱۱۔ ۱۲ نسائی۔ کتاب التفسیر، مسند امام احمد)

تطبیق

بخاری ہی کی دوسری جگہوں میں بجائے ''خرب''، ''حرث'' ہے، دونوں میں تعارض نہیں، کھنڈروں کے مابین یا آس پاس کھیت بھی رہا ہو اس لیے کبھی کھنڈر کبھی کھیت فرما دیا۔ ف: اس سے معلوم ہوا کہ عصا رکھنا سنت ہے۔

روح کے اطلاقات...... اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روح کی حقیقت جانتے تھے

روح کا اطلاق کئی معنوں میں ہے: جبریل امین، عیسیٰ علیہ السلام، ملائکہ کی ایک مخصوص قسم جو قیامت کے دن ملائکہ کی طرح صف بستہ کھڑے ہوں گے، ایک مخصوص مخلوق، قرآن مجید، روح حیوانی۔ یہودیوں کا سوال ان میں کس روح کے بارے میں تھا، وہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔ خاص روح کے بارے میں سوال سے ان خبثاء کا مقصود یہ تھا کہ توراۃ میں نبی آخر الزماں کی علامت یہ تھی کہ ان سے روح کے بارے میں سوال ہوگا تو نہ بتائیں گے، چنانچہ مکہ کے مشرکین کو انہیں یہودیوں نے سکھایا تھا کہ تین سوال کرو: اصحابِ کہف، ذوالقرنین کون تھے؟ روح کیا ہے؟ اگر کسی کا جواب نہ دیں تو بھی نبی نہیں اور اگر تینوں کا جواب دیں تو بھی نبی نہیں۔ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں تو قرآن نازل ہوا۔ اور روح کے بارے میں فرمادیا: یہ امر رب سے ہے۔ چنانچہ روح کے بارے میں مذکورہ آیت تلاوت کی تو یہود نے کہا: ہم نے کہا تھا نہ کہ مت پوچھو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روح کی حقیقت نہ بتائی تو یہود کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ بتا نہ پائے، اس کہنے کا کیا تک تھا، وہی کہ انہیں معلوم تھا نبی آخر الزماں روح کی حقیقت نہ بیان فرمائیں گے، لیکن افسوس ہے کہ آج اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہ تھا۔ غور کیجئے! اس ارشاد سے کہ روح امر رب سے ہے، کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔

علامہ عینی کی تحقیق

علامہ عینی ان لوگوں کا رد فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

جلّ منصب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حبیب اللہ وسید خلقہ ان یکون غیر عالم بالرُّوح وکیف وقد منّ اللہ علیہ بقولہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا وقد قال اکثر العلماء لیس فی الاٰیۃ دلیلٌ علی ان الرّوح لا یعلم وانّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یعلمھا۔ (عینی۔ ج ۲ ص ۲۰۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بہت جلیل ہے، وہ اللہ کے حبیب اور تمام مخلوق کے سردار ہیں، پھر یہ کیسے ممکن کہ وہ روح کو نہ جانتے، روح کو کیسے نہیں جانیں گے حالانکہ اللہ عزوجل نے اس ارشاد سے ان پر احسان یاد دلایا ہے کہ آپ جو کچھ نہ جانتے تھے، ہم نے وہ سب آپ کو سکھا دیا اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا: اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ روح کو کوئی نہیں جانتا اور نہ اس پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روح کو نہیں جانتے تھے۔

علامہ عینی نے ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' سے اس پر استدلال کر کے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روح کو جانتے تھے، یہ بتا دیا کہ اس آیت کریمہ میں لفظ ''ما'' اپنے عموم پر ہے۔ ''ما یحتاج الیہ فی الدین'' کے ساتھ خاص نہیں، ورنہ ان کا استدلال تام نہ ہوگا اس لیے کہ جب ''ما'' کو ''ما یحتاج الیہ فی الدین'' کے ساتھ خاص کر دیا گیا، اور ظاہر ہے کہ روح کا جاننا ''ما یحتاج الیہ فی الدین'' نہیں تو استدلال ختم۔ اور جب یہ اپنے عموم پر ہے تو اس سے بلا درنگ یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا بھی علم عطاء ہوا، پھر علم مصطفےٰ کے منکرین کے استدلال فاسد کا جواب دیا کہ آیت کریمہ ''قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي'' سے یہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بھی ثابت نہیں کہ روح کا علم کسی کو نہیں دیا گیا اور نہ یہ ثابت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء نہ ہوا اور اسے اکثر علماء کا قول بتایا۔

عالم کی اقسام

عالم کی بنیادی تقسیم دو ہے: عالم امر اور عالم خلق۔ عالم امر بغیر مادے کے کُن فرمانے سے کسی شی کی ایجاد کو کہتے ہیں' اور عالم خلق مادے سے بہ تدریج کسی چیز کو پیدا فرمانے کو کہتے ہیں۔ (الملفوظ۔ ج ۲ ص ٦٠)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

لِاَنَّ الرُّوْحَ خُلِقَ بِالْاَمْرِ التَّنْجِيْزِيْ كَبَعْضِ الْمَخْلُوْقَاتِ وَاَكْثَرُ الْكَائِنَاتِ خُلِقُوْا بِالْوَصْفِ التَّدْرِيْجِيْ وَكَذَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ.

روح امر تنجیزی سے پیدا ہوئی ہے جیسے اور کچھ مخلوقات اور اکثر کائنات تدریجی سے بنائی گئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سنو! اللہ ہی کے لیے خلق اور امر ہے۔

(ص ١٢٤)

''وما اوتوا'' قراءت شاذہ ہے......اور قراءت شاذہ حجت ہے

بخاری اور مسلم کے اکثر نسخوں میں ''وَمَا اُوْتُوا'' ہے اور قرآن مجید میں ''وَمَا اُوْتِيْتُمْ'' ہے' قراءت متواترہ یا مشہورہ میں ''وما اوتوا'' نہیں۔ نیز بخاری ہی میں کتاب التفسیر میں بہ طریق عمر بن حفص اور کتاب التوحید میں بہ طریق یحیٰ ''وَمَا اُوْتِيْتُمْ'' ہے' یہ قراءت شاذہ سے ہے' جیسا کہ حضرت سلیمان اعمش نے کہا کہ ہماری قراءت ''وَمَا اُوْتُوا'' ہے' شوافع کے یہاں قراءت شاذہ حجت نہیں' مگر احناف کے یہاں ہے کہ کم از کم یہ خبر واحد کے درجے میں ضرور ہے اور خبر واحد کو سب حجت مانتے ہیں۔

ف۲: اس سے معلوم ہوا کہ سائل اگر معاند ہے تو اسے ایسا جواب دینا چاہیے جو مسکت ہو' محقق جواب اگر نہ دیں تو بھی حرج نہیں۔

٩٣- ح: لَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدٍ بِكُفْرٍ

[اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر کے زیادہ قریب نہ ہوتا]

٩٣ - عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِيَ ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ اِلَيْكَ كَثِيْرًا فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ قَالَتْ لِيْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِكُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابًا يَخْرُجُوْنَ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ.

اسود نے کہا: مجھ سے حضرت عبداللہ بن زبیر نے پوچھا کہ حضرت عائشہ تم سے بہت راز کی باتیں کہہ دیتی تھیں' انہوں نے کعبہ کے بارے میں تم سے کیا بیان کیا ہے؟ میں نے کہا: انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تمہاری قوم کا زمانہ نیا نہ ہوتا۔ ابن زبیر نے کہا: یعنی کفر سے بہت زیادہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کی موجودہ عمارت اُٹھا دیتا (اور نئی عمارت بنا کر) اس کے دو دروازے بنا دیتا' ایک سے لوگ اندر جاتے' ایک سے باہر نکلتے' پس ابن زبیر نے ایسا کیا۔

(ایضاً۔ باب: فضل مكة وبنيانها۔ کتاب التمنی۔ باب: ما يجوز من اللو' مسلم۔ کتاب الحج۔ ص ٤٣١، ٤٣٠' نسائی۔ کتاب المناسک۔ ص ١٢٨ ترمذی۔ کتاب الحج۔ ص ١٠٤' ابن ماجہ۔ کتاب الحج' دارمی۔ کتاب المناسک۔ ص ٢٤٤' مسند امام احمد)

اسود

ابن یزید بن قیس نخعی اجلہ تابعین میں سے ہیں' یہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں' انہوں نے زمانۂ اقدس پایا مگر زیارت سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مشرف نہ ہوئے' اسّی حج اور عمرے کیے مگر کبھی دونوں اکٹھے نہیں کیے' ۵۷ھ میں کوفہ میں وصال فرمایا۔

تکمیل

پوری حدیث یوں ہے: اُم المؤمنین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حطیم کعبہ میں داخل ہے یا نہیں؟ فرمایا: داخل ہے' بات یہ ہوئی کہ تمہاری قوم کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ پورا کعبہ بناتے' انہوں نے بناء ابراہیمی سے اتنا نکال دیا' پھر میں نے پوچھا کہ انہوں نے دروازہ اونچا کیوں رکھا ہے؟ فرمایا: یہ اس لیے کیا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں جسے نہ چاہیں روک دیں۔ اُم المؤمنین نے عرض کیا کہ آپ اسے قواعد ابراہیمی پر کیوں نہیں بنا دیتے؟ تو فرمایا: اگر تیری قوم کفر سے قریب تر نہ ہوتی تو ضرور میں ایسا کر دیتا۔ اور انہوں نے جو نکال دیا' اسے لے کے میں داخل کر دیتا' اور اسی کے دو دروازے زمین کے برابر بنا دیتا' ایک مشرق' ایک مغرب' لیکن اندیشہ ہے کہ یہ لوگ ناپسند کریں گے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کعبہ کی تعمیر کرنا

اسی حدیث کی بناء پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے پرانی عمارت اُٹھا کر پھر سے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی تھی' بنوائی۔ یزید بن رومان راوی حدیث کہتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر نئی تعمیر کر رہے تھے تو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد دیکھی' جو اونٹ کی کوہان نما پتھروں کی تھی' جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ جریر ان کے تلمیذ نے کہا کہ مجھے بتایئے: کہاں تک یہ بنیاد ہے؟ یزید بن رومان انہیں حطیم کے اندر لے گئے اور اشارہ کر کے بتایا کہ یہاں تک۔ جریر نے اندازہ کیا تو تقریباً کعبہ سے چھ ہاتھ لگ بھگ دور یہ جگہ تھی' پھر عبدالملک سفاک نے اپنے تغلّب کے بعد ضد وعناد میں اس عمارت کو گرا کر عہد جاہلیت کے مطابق بنوایا۔ مسلم شریف میں ہے کہ یہ درندہ ایک بار طواف کرتے کرتے یہ کہنے لگا: اللہ کے دشمن ابن زبیر نے اُم المؤمنین پر جھوٹ باندھا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حارث بن عبداللہ بن ربیعہ موجود تھے' انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ایسا مت کہو' میں نے خود اُم المؤمنین سے یہ حدیث سنی ہے' اس پر اس غاصب نے کہا: اگر ڈھانے سے پہلے میں نے سنا ہوتا تو ابن زبیر کی تعمیر باقی رکھتا۔ عباسی بادشاہ ہارون نے جب یہ حدیث سنی تو امام مالک سے اجازت طلب کی کہ اسے ڈھا کر پھر اسی طرح بنوا دوں' جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی تھی۔ امام مالک نے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کعبہ کو بادشاہوں کو کھلونا مت بنا' جس کا جی چاہے ڈھائے بنائے' اس طرح اس کی ہیبت دلوں سے جاتی رہے گی۔

کعبہ کی تعمیر کتنی مرتبہ ہوئی؟

کعبہ کی تعمیر سات مرتبہ ہوئی: اوّل فرشتوں کی' پھر حضرت ابراہیم کی' پھر عمالقہ کی' پھر جُرہُم' پھر قریش کی جس میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی' پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کی' پھر حجاج بن یوسف مشہور طاغی وظالم کی' عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس کے حکم سے یہی عمارت اب تک باقی ہے۔

حطیم کعبہ میں داخل ہے یا نہیں...... اور صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں

حطیم پورا کا پورا کعبہ میں ہے یا اس کا جزء؟ دونوں اقوال ہیں' بعض نے کہا کہ پورا حطیم کعبہ کا جزء ہے' اور بعض لوگوں نے کہا: صرف پانچ یا چھ یا سات ہاتھ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی تھی کہ میں پانچ ہاتھ کعبہ میں داخل کرتا[1]

[1] مسلم۔ ص ۴۳۰

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عبداللہ بن زبیر نے صرف پانچ ہی ہاتھ حطیم میں سے لیا تھا[1] پانچ' چھ' سات ہاتھ کا اختلاف اپنے اپنے اندازے یا اپنے اپنے ہاتھ کے اعتبار سے ہے۔

صرف حطیم کی جانب منہ کر کے نماز جائز نہیں' اس لیے کہ اس کا کعبہ کا جزء ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور استقبالِ قبلہ فرض ہے' فرض کا اثبات خبر واحد سے نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو کام فرائض وواجبات میں سے نہ ہو اور اس کے کرنے سے فتنے کا اندیشہ ہو' اس سے بچنا بہتر ہے' یوں ہی ایسی بات کا اعلان بھی نہ کرے مگر جن پر اعتماد ہو' انہیں بتا دے' خیر و شر جمع ہوں تو شر سے بچنا ضروری ہے۔ حکام اور علماء کو لازم ہے کہ اُمورِ شرعیہ کے علاوہ دیگر معاملات میں اس کا لحاظ رکھیں کہ عوام میں شورش پیدا نہ ہو' عوام بھڑک نہ جائے۔

۹۴- ح: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ [لوگوں سے وہی بات بیان کرو جس کو وہ سمجھ لیں]

۹۴ - وَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں سے وہی بات بیان کرو جس کو لوگ سمجھ لیں' کیا تم پسند کرو گے کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حضرت ابوالطفیل بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالطفیل بن عامر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سب کے بعد ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا' انہوں نے اپنی اخیر عمر میں ایک بار فرمایا کہ آج روئے زمین پر حدیث بیان کرنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہو' ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے سال پیدا ہوئے' یہ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مشرف ہوئے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص محبین میں سے تھے' ان کے ساتھ تمام معرکوں میں رہے' لیکن حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے قائل تھے' بہت ذہین فطین' بلیغ' ثقہ اور شاعر بھی تھے' پہلے کوفہ میں رہتے تھے' پھر مکہ معظمہ جا بسے اور وہیں ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی' ان سے نو حدیثیں مروی ہیں۔

ثلاثی حدیث

یہ بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے' جن کے تیسرے راوی صحابی ہیں' امام بخاری نے اپنی ہی نہیں' عام محدثین کی طرز کے خلاف یہاں پہلے حدیث کا متن ذکر کیا پھر سند۔ یہ اس لیے کہ اس کے ایک راوی معروف بن خربوذ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے' یا بیان جواز کے لیے ہے کہ دونوں جائز ہیں۔ اسی لیے بخاری کے بعض نسخوں میں سند مقدم ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: سب سے قریب تر یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے تعلیقاً اس کو لکھ لیا پھر بعد میں اس کی سند ملی۔

لوگوں کی عقل کے مطابق گفتگو کرنا چاہیے

اس کے پہلے والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے کام کو جو فی نفسہٖ اچھا ہو مگر اس سے عوام کے فتنے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو نہ کرنا چاہیے' اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسی بات جو مدارِ کفر و ایمان ہدایت وضلالت نہ ہو اور وہ عوام کی سمجھ سے باہر ہو' عوام کے سامنے نہ بیان کی جائے' جیسا کہ وارد ہے: "کلموا الناس علی قدر عقولھم" "لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کی جائے"

---

[1] ایضاً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اسی لیے فرمایا گیا: "من لم یعرف اهل زمان فهو جاهل" جو اپنے زمانے والوں کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب عوام کے سامنے غیر ضروری ایسی بات بیان کی جائے گی جو ان کی سمجھ سے باہر ہو تو اسے غلط مانیں گے اور جب یہ کہا جائے گا کہ اللہ و رسول نے ایسا فرمایا تو اندیشہ ہے کہ وہ اللہ و رسول کی تکذیب کر بیٹھیں۔ اسی بناء پر علماء قرآن مجید کا ترجمہ بلا تفسیر و حدیث کا ترجمہ بلا تشریح عوام کے سامنے بیان کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔

۹۵- ح: مَامِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

۹۵ - حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَامَعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا وَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا.

(مسلم۔ کتاب الایمان۔ ص ۵۳، ابن ماجہ۔ کتاب الاقامۃ۔ ص ۴۸)

[جس کسی نے بھی "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دی]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت معاذ ایک ہی ساتھ کجاوے میں تھے، حضور نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! انہوں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ اور سعدیک! فرمایا: اے معاذ! عرض کیا: لبیک یارسول اللہ اور سعدیک! فرمایا: اے معاذ! عرض کیا: لبیک یارسول اللہ اور سعدیک! تین بار ایسا ہوا، ف۱ فرمایا: جس کسی نے بھی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دی اور دل سے تصدیق کی، اللہ نے اسے جہنم پر حرام فرما دیا ہے۔ حضرت معاذ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اجازت دیں تو لوگوں کو اس خبر کر دوں کہ لوگ خوش ہو جائیں، فرمایا: پھر اسی پر بھروسہ کر لیں گے، ف۲ حضرت معاذ نے اپنی وفات کے وقت کتمانِ علم ف۳ کے گناہ سے بچنے کے لیے یہ حدیث بیان کر دی۔

ف۱: تین بار پکارنا اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے تھا، نیز اس لیے تھا کہ وہ پورے طور سے متوجہ ہو جائیں اور جو کچھ ارشاد ہو، اس کو پوری توجہ سے سنیں۔

حدیث کی تاویل

یہاں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ "من قلبہ" کا تعلق "صدقا" سے ہو، جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا، دوسرے یہ کہ "من قلبہ" کا تعلق "یشھد" سے ہو، اب معنی یہ ہوئے کہ دل سے گواہی دے، اس حال میں کہ وہ سچا ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ دل میں کفر ہے اور زبان پر اقرار شہادت، جیسا کہ منافقین گواہی کا اظہار کرتے تھے۔ اور ایک احتمال یہ ہے کہ کبھی صدق کے معنی ہوتے ہیں قول کے مطابق عمل کرنے کے جیسے دین دار مسلمان کو کہتے ہیں کہ بڑا سچا مسلمان ہے، اب معنی یہ ہوئے کہ شہادت کے مقتضی کے مطابق عمل بھی کرتا ہو، یعنی تمام فرائض و واجبات پر بھی عمل کرتا ہو اور نواہی سے بچتا ہو۔ اس تاویل پر یہ اعتراض نہیں پڑے گا کہ جہنم کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سرے سے جہنم میں جائے ہی نہیں، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ کچھ گنہگار مسلمان ابتداءً جہنم میں جائیں گے، پھر نکالے جائیں گے۔ اس کے دوسرے جوابات بھی ہیں کہ مراد خلود فی النار کا حرام ہونا ہے، دوسرے یہ کہ مراد وہ شخص ہے جو ایمان قبول کر کے فوراً مر جائے۔ تیسرے یہ کہ مراد یہ ہے کہ ایمان قبول کر کے اس کے موجبات پر عمل کرے۔

ف۲: یعنی لوگ عمل کرنا چھوڑ بیٹھیں گے کیونکہ اس کے ظاہر سے یہی متبادر ہے کہ محض ایمان سے جہنم حرام ہو جاتی ہے تو لوگ غلط

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فہمی میں پڑ جائیں گے کہ پھر عمل کی مشقت کیوں اُٹھائیں۔

ف۳: چونکہ کتمانِ علم پر بہت سخت وعید آئی ہے جیسا کہ حدیث: ۸۴ میں آیت گزری تو آخر وقت میں حدیث بیان فرمادی۔

فوائد

اس حدیث سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ اقدس میں تقرب اور ان کی جلالت ظاہر ہوئی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور صحابہ پر شفقت بھی۔ نیز معلوم ہوا کہ شیخ خاص علوم جو عام اشاعت کے لائق نہ ہوں' اپنے خاص تلامذہ کو بتا سکتا ہے اور اشاعت سے روک سکتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ جو بات عوام کی سمجھ سے بالاتر ہو اور ناسمجھی سے ان کے فتنے میں پڑ جانے کا خطرہ ہو اور اس کا جاننا انہیں ضروری نہ ہو' اسے انہیں نہ بتایا جائے۔

ت۱۹ - قَالَ مُجَاهِدٌ لَّا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحيٍ وَّلَا مُسْتَكْبِرٌ. (ابونعیم۔حلیہ)

امام مجاہد نے فرمایا: شرمیلا اور متکبر علم نہیں حاصل کر سکتا۔

امام مجاہد

امام مجاہد خیر اُمت ائمہ تابعین میں سے ہیں' ان کی کنیت ابوحجاج ہے' یہ عبداللہ بن سائب مخزومی کے غلام تھے۔ تابعین کے طبقہ ثانیہ میں ہیں' اپنے وقت کے تفسیر وقراءت' حدیث وفقہ میں امام تھے' مکہ معظمہ کے فقہاء وقراء میں ان کا شمار ہے' ۱۰۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک تراسی سال تھی' سجدہ کی حالت میں روح پرواز ہوئی۔ حضرت ابن عباس' ابن عمر' جابر' ابوہریرہ' عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں' تین بار قرآن مجید حضرت ابن عباس کو سنایا۔

علم حاصل کرنے میں شرم نہیں کرنی چاہیے

کتاب الایمان میں حیاء کے معنی کی تحقیق گزر چکی' ظاہر ہے کہ جو شخص کسی سے پڑھنے میں یا کچھ پوچھنے میں شرم کرے گا' وہ علم کیسے حاصل کرے گا۔ یوں ہی جو متکبر ہوگا اور اپنے آپ کو سب سے بڑا جانے گا اور کسی سے سوال کرنے میں' کسی کے شاگرد بننے میں جب ذلت محسوس کرے گا تو وہ علم سے محروم ہی رہے گا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: آپ اتنے زبردست عالم کیسے ہو گئے؟ فرمایا: جو مجھے معلوم تھا اس کے بتانے میں کبھی میں نے بخل نہیں کیا اور جو معلوم نہ تھا اس کے حاصل کرنے میں جھجک نہیں کی۔

ت۲۰ - قَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَآءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ.

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں جنہیں دینی باتیں جاننے میں شرم نہیں روکتی۔

(مسلم۔کتاب الحیض۔ص ۱۶' ابوداؤد۔کتاب الطہارۃ۔ص ۱۲' ابن ماجہ۔کتاب الطہارۃ۔ص ۱۲۴' مسند امام احمد)

مطلب یہ ہے کہ وہ بلا جھجک ہر قسم کی دینی باتیں دریافت کرتیں' یہ بہت عمدہ طریقہ ہے' شرم بے جا کی وجہ سے اگر احکام شرع نہ معلوم کیے جائیں تو عمل کیسے ہوگا۔

۹۶- ح: اِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْاَةُ [جب عورت کو احتلام ہو جائے]

۹۶ - عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ام سلیم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل حق بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا' عورت کو جب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَتِ الْمَآءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَۃَ تَعْنِی وَجْھَھَا وَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَۃُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ یَمِیْنُکِ فَبِمَ یُشْبِھُھَا وَلَدُھَا۔

احتلام ہو تو کیا اس پر غسل ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: (ہاں!) جب وہ منی کو دیکھے' یہ سن کر حضرت اُم سلمہ نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور پوچھا: یا رسول اللہ! کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں ہوتا ہے' تیرا ہاتھ گرد آلود ہو! پھر کیوں بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

(ایضاً۔ کتاب الغسل۔ باب: اذا احتلمت المرأۃ۔ کتاب الانبیاء۔ باب: خلق آدم۔ کتاب الادب۔ باب: ما لا یستحی من الحق' مسلم۔ کتاب الحیض۔ ص ۱۴۳' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ۔ ص ۱۰۷' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۱۳۔ کتاب العلم' دارمی۔ کتاب الوضوء۔ ص ۷۶' مسند امام احمد)

حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا

یہ مشہور صحابیہ حضرت انس بن مالک کی والدہ ہیں' ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں مالک بن نضر سے ہوا تھا' یہ انصار کرام کے سابقین اوّلین میں سے ہیں' مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر حضرت انس کے والد کو بھی مسلمان ہونے کی تلقین کی' اس بدنصیب نے انکار کیا اور ان پر خفاء ہوا اور خفاء ہو کر شام گیا اور وہیں مار ڈالا گیا' اس کی موت کے بعد حضرت ابوطلحہ نے انہیں پیغام دیا' اس وقت تک حضرت ابوطلحہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت اُم سلیم نے یہ شرط رکھی کہ تم اسلام قبول کر لو' حضرت ابوطلحہ نے اسلام قبول کر لیا اور دونوں کا نکاح ہو گیا۔ ان کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے' وہ طرح طرح خدمت کرتی تھیں' جو اپنے مواقع پر مذکور ہوں گی' ان کے نام میں اختلاف ہے' کسی نے کہا: سہلہ ہے' کسی نے رملہ' کسی نے رحیثہ' کسی نے رمیصاء' کسی نے غمیصاء کہا ہے۔ ان سے چودہ حدیثیں مروی ہیں' ایک متفق علیہ ہے' تین تنہا بخاری نے اور دو صرف مسلم نے لی ہیں۔

ف: یہاں حیاء سے مراد' اس کا لازمی معنی بہ طور استعارہ تبعیہ تمثیلیہ عدم ذکر مراد ہے' یعنی اللہ عزوجل حق بات بیان فرمانے کو ترک نہیں فرماتا ہے' بیان فرما دیتا ہے۔ اسی طرح میں بھی ضرور اس مسئلہ کو پوچھوں گی' اگرچہ عورتیں اس سے شرم کرتی ہیں۔

''احتلام'' کا معنی.....عورت کو بھی منی ہوتی ہے

احتلام کا مادہ ''حُلْمٌ'' ہے' جس کے معنی خواب کے ہیں۔ یہاں ''اِحْتَلَمَ'' کے معنی مباشرت کا خواب دیکھنا ہے' ''احتلم'' کے معنی بالغ ہونے کے بھی ہیں۔ حلم کے معنی صبر و سکون' بردباری عقل کے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو بھی منی ہوتی ہے' احتلام کے بعد اگر عورت اپنے جسم یا کپڑے پر منی پائے تو اس پر بھی غسل فرض ہے' جیسے مرد پر فرض ہے۔

ازواج مطہرات احتلام سے محفوظ ہیں

حضرت اُم المؤمنین کو تعجب اس لیے ہوا کہ ازواجِ مطہرات احتلام سے محفوظ ہیں' حبالہ عقد نبوی میں آنے کے بعد بھی اور پہلے بھی۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس وقت حاضر تھیں' اس میں اتنا زائد ہے کہ اُم سلیم کے اس سوال پر عورتیں ہنس پڑیں اور حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: تیرے لیے خرابی ہو! کیا عورت بھی ایسا دیکھتی ہے؟

''تربت یمینک'' کا معنی

یہ جملہ بددعا اور زجر کے لیے ہے' اس کا اصل مدلول یہ ہے کہ تو محتاج ہو جائے' لیکن عام طور پر یہ اور اس قسم کے جملے مثلاً ''لا امّ لک' قاتلہ اللہ'' وغیرہ اظہار تعجب اور پیار کے لیے بھی بولے جاتے ہیں' خصوصاً جب شفقت کے ساتھ عتاب مقصود ہو۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بچہ ماں باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟

کتاب الانبیاء باب: خلق آدم میں حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اگر مرد کی منی سبقت کرتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی سبقت کرتی ہے تو عورت کے۔ مسلم شریف باب الحیض میں حضرت انس کی حدیث میں یوں ہے کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی پیلی پتلی ان دونوں میں سے جو غالب آ جائے یا سبقت کر جائے اسی کے مشابہ بچہ ہوتا ہے۔ اور اُم المؤمنین کی حدیث میں وہیں یہ ہے کہ جب مرد کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ اپنے چچا کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کی غالب آتی ہے تو بچہ ماموں کے مشابہ ہوتا ہے۔ ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ مرد و عورت میں جس کی منی قوی ہوگی یا جس کی منی پہلے رحم میں پہنچے گی بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ سبق سے مراد غلبہ ہو تو ان سب احادیث کا حاصل ایک ہوا کہ جس کی منی کو غلبہ ہوگا بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔

فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی باتیں معلوم نہ ہوں تو انہیں بلا جھجک دریافت کرنا چاہیے اسی کو بتانے کے لیے امام بخاری نے یہ حدیث کتاب العلم میں ذکر کی ہے۔ عورتیں اپنے مخصوص مسائل براہِ راست عالم سے دریافت کر سکتی ہیں جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے شوہروں کی وساطت سے معلوم کرائیں بعض اطباء نے کہا ہے کہ عورت کو منی نہیں ہوتی ان کا اس حدیث میں رد ہے اور طبی تحقیقات سے بھی ثابت ہے کہ عورت کو بھی منی ہوتی ہے۔ علاوہ اُم سلیم کے یہ سوال مندرجہ ذیل صحابیات نے بھی کیا تھا: خولہ بنت حکیم بسرہ اور سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہن۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

٤- كِتَابُ الْوُضُوْءِ

[وضو کا بیان]

مناسبت

ایمان کے بعد بندہ جن اُمور کا مکلف ہے ان کی تین قسمیں ہیں: صرف عبادت جیسے نماز روزہ زکوٰۃ حج۔ صرف معاملات جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔ من وجہ عبادت من وجہ معاملہ جیسے نکاح ان میں عبادت کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس لیے امام بخاری نے ایمان و علم کے بعد عبادات کو ذکر کیا۔ عبادات میں نماز کئی حیثیت سے حق تقدم رکھتی ہے نماز تمام عبادتوں سے عام اور مؤکد ہے۔ اس کے مکلف امیر غریب تندرست بیمار آزاد غلام مقیم مسافر سبھی ہیں۔ اس کی ادائیگی سب سے زیادہ ہے دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے قرآن و احادیث میں ایمان کے متصلاً اس کا حکم مذکور ہے اس لیے تمام عبادات پر نماز کو مقدم کیا۔ نماز کی کچھ شرائط ہیں شرائط مشروط پر مقدم ہوتی ہیں شرائط میں طہارت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اس لیے طہارت کو سب سے پہلے ذکر کیا۔ طہارت کی انواع میں وضو بھی ہے امام بخاری نے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا۔

بعض نسخوں میں کتاب الوضو کے بجائے کتاب الطہارۃ ہے یہی زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے امام بخاری نے اس کے تحت طہارت کی جملہ انواع کو ذکر فرمایا۔

وضو کب مشروع ہوا؟ ابتداءً وضو ہر نماز کے لیے فرض تھا

وضو کب مشروع ہوا؟ علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا: یہ مدینہ طیبہ میں سورۂ انعام کی آیت کریمہ ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا'' (الانعام:٦) کے نزول سے مشروع ہوا اور محققین فرماتے ہیں کہ قبل ہجرت ہی مشروع تھا بلکہ غارِ حراء میں پہلی بار نزولِ وحی کے بعد ہی جبریل امین نے وضو کی تعلیم دی جیسا کہ ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل اور معجم اوسط للطبرانی میں حدیث مذکور ہے نیز حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ روتی ہوئیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں عرض کیا: قریش آپ کے مار ڈالنے کا معاہدہ کر رہے ہیں فرمایا: وضو کے لیے پانی لاؤ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وضو قبل ہجرت مشروع تھا۔

صحیح یہ ہے کہ ابتداءً ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا خواہ وہ محدث ہو خواہ نہ ہو۔ بعد میں یہ عموم منسوخ ہو گیا نماز کے لیے صرف محدث پر فرض رہا جیسا کہ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نماز کے لیے وضو کا حکم دیا تھا خواہ کوئی محدث ہو خواہ نہ ہو۔ جب یہ لوگوں پر شاق ہوا تو صرف حدث سے وضو کرنا برقرار رکھا۔ نیز مسلم شریف

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے (بغیر حدث کے بھی جیسا کہ بخاری میں حضرت انس کی حدیث آتی ہے) مگر فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں' حضرت فاروقِ اعظم نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور نے ایسا کام کیا ہے جو اس کے پہلے نہیں کرتے تھے' فرمایا: میں نے ایسا قصداً کیا ہے' یعنی بیان جواز کے لیے۔

صحیح یہ ہے کہ وضو اور طہارت کے وجوب کا سبب صرف حدث اور ناپاکی نہیں بلکہ سبب وجوب دو ہیں: نماز کا واجب ہونا یا ایسے کام کا ارادہ کرنا جو بغیر طہارت جائز نہ ہو' جیسے قرآن مجید چھونا' جیسا کہ اصحابِ سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا ہے جبکہ نماز کے لیے اُٹھوں۔

وضو کا معنی

مشہور یہ ہے کہ وُضو واؤ کے ضمہ کے ساتھ اس فعل کو کہتے ہیں اور وَضو واؤ کے فتحہ کے ساتھ اس پانی کو جس سے وضو کیا جائے' یہی اکثر علماء لغت کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَضو واؤ کے فتحہ کے ساتھ دونوں کے معنی میں ہے اور وُضو کوئی لغت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وُضو اور وَضو ہر ایک کے دونوں معنی ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ قول ضعیف ہے' یہی تفصیل طہور میں بھی ہے۔ ہدایہ کے حاشیہ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہٗ کے حوالے سے ہے کہ الطُّہارت' طاء کے ضمہ کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت کی جائے اور طہارت طاء کے کسرہ کے ساتھ وہ آلہ جس سے طہارت حاصل کی جائے۔ طہارت طاء کے فتحہ کے ساتھ پاکی کے معنی میں ہے۔ شرعاً حدث اور خبث سے پاکی حاصل کرنے کے ہیں' وضو وضاءت سے بنا ہے' وضاءت کے معنی صاف ستھرے' حسین ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ''وَضُؤَ الرجل ای صَار وضيئا'' شریعت میں منہ دونوں ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں۔

٩٧- ح: لَا يُقْبَلُ صَلٰوةٌ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ

[جس کا وضو ٹوٹ جائے اس کی نماز قبول نہ ہوگی جب تک کہ وضو نہ کرلے]

٩٧ - عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ مَا الْحَدَثُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ فُسَاءٌ اَوْ ضُرَاطٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو حدث ہو اس کی نماز قبول ف۱ نہ ہوگی جب تک کہ وضو نہ کرلے۔ ف۲ حضرموت کے ایک صاحب نے پوچھا: اے ابوہریرہ! حدث کیا ہے؟ فرمایا: ہوا خارج ہو' خواہ بے آواز کے یا آواز کے ساتھ۔

(ایضاً- باب: ترك الحيل' مسلم- کتاب الطہارۃ- ص ۱' ترمذی- کتاب الطہارۃ- ص ۱' داری- کتاب الوضوء- ص ۲۱' مسند امام احمد)

ف۱: قبول نہ ہونے سے مراد صحیح نہ ہونا ہے۔ ف۲: خواہ پانی سے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں پانی کے قائم مقام پاک مٹی سے۔ نسائی میں حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے کہ فرمایا: ''اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ اِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ''۔

حدث کا معنی اور اس کی اقسام

حدث کے شرعی معنی ناقض وضو کے ہیں' جو فساء اور ضراط کے علاوہ اور بھی ہیں' مثلاً پیشاب' پاخانہ وغیرہ' پھر حضرت ابوہریرہ نے حدث فساء اور ضراط کے ساتھ خاص کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سائل کو دیگر نواقض کا علم رہا ہوگا' اس لیے صرف انہیں دونوں کو ذکر کیا جنہیں وہ جانتا نہ تھا' یا یہ کہ حضرت ابوہریرہ کا مقصود حصر نہیں تمثیل ہے۔ یا یہ اضعفِ نواقض کا ذکر صراحۃً کیا اور ان سے قوی کو اقتضاءً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ جب یہ ناقض وضو ہیں تو مخاطب خود فیصلہ کرلے کہ جو ان سے زیادہ قوی ہے' مثلاً پیشاب' پاخانہ بہ درجہ اولیٰ ناقض ہوں گے۔
''صلٰوۃ من احدث'' سے متبادر ہے کہ سائل نے اس حدث کو پوچھا تھا جو نماز کے اندر ہو اور نماز میں پیشاب' پاخانہ کا ہونا نادر اور ریاح کا خارج ہونا اغلب۔ اغلب کا لحاظ کر کے حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا۔
حدث کی دو قسمیں ہیں: حدث اکبر جن سے غسل بھی واجب ہوتا ہے' جیسے جنابت' حیض' نفاس' حدث اصغر' نواقض وضو جن سے صرف وضو ٹوٹتا ہے۔

ریح کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ بُو نہ ہو

''فسـاء'' کے معنی پاخانہ کے مقام سے بغیر آواز کے ہوا خارج ہونے کے ہیں اور ضراط آواز کے ساتھ ہوا خارج ہونے کے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر آواز ہوا کا خارج ہونا بھی ناقض وضو ہے' خواہ اس میں بدبو ہو' خواہ نہ ہو۔

وضو مطلقاً ہر نماز کے لیے شرط ہے اگرچہ نماز جنازہ ہو' اور نماز سے باہر آنے کے لیے سلام فرض ہے یا نہیں؟

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو ہر نماز کے لیے شرط ہے خواہ فرائض خمسہ ہوں یا عیدین اور جنازہ ہو یا سجدۂ تلاوت۔ امام شعبی اور ابن جریر طبری سے جو منقول ہے کہ نمازِ جنازہ بغیر وضو کے بھی درست ہے' باطل ہے۔ علامہ کرمانی نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ طواف کو حدیث میں صلوٰۃ کہا گیا اور کوئی نماز بغیر وضو درست نہیں تو طواف بھی بغیر وضو درست نہیں۔ احناف کے نزدیک طواف بغیر وضو ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے بغیر وضو طواف کرلیا تو اس معنی میں صحیح ہو گیا کہ براءت ذمہ ہو گئی۔ احناف کا جواب مشہور ہے کہ یہ خبر واحد ہے' خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی' البتہ وجوب ثابت ہوتا ہے اور وجوب کے ہم بھی قائل ہیں۔ قرآن مجید میں مطلقاً فرمایا گیا: ''وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ'' اور کتاب اللہ پر زیادتی خبر واحد سے جائز نہیں۔ احناف اور شوافع کے مابین ایک اہم اختلاف ہے کہ نماز ختم کرنے کے لیے ''اَلسَّلام علیکم'' کہنا فرض ہے یا نہیں۔ شوافع فرض مانتے ہیں اور احناف صرف واجب' فرض نہیں مانتے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے نماز کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ اگر کوئی بغیر السلام علیکم کہے تشہد کے بعد نماز ختم کر دے تو نماز ہوئی یا نہیں۔ شوافع کے یہاں فرض کے ترک کی وجہ سے نہ ہوئی اور ہمارے یہاں اس معنی میں ہو گئی کہ فرض ادا ہو گیا' البتہ واجب کے ترک سے واجب الاعادہ ہوئی۔ شوافع کا استدلال اس حدیث سے ہے:

تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم. نماز کی تحریم تکبیر ہے اور سلام کے بعد نماز سے فراغت ہے۔

یہ ترکیب مفید حصر ہے تو ثابت ہوا کہ تحلیل صلوٰۃ تسلیم کے ساتھ خاص اور جزءِ اوّل بالاجماع فرض تو اس کے مثل جزء ثانی بھی۔ احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ تحریمہ کے لیے تکبیر کی فرضیت اس حدیث سے نہیں' قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے: ''وَرَبَّكَ فَكَبِّرْO'' (المدثر:۳) اپنے رب کی تکبیر کہوO اور فرمایا: ''وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىO'' (الاعلیٰ:۱۵) اور اپنے رب کا نام لیا' پھر نماز پڑھیO اس حدیث کے معارض اعرابی والی مشہور حدیث ہے' جس میں صاف صراحۃً ارشاد ہے:
''اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوٰتك'' جب تشہد پڑھ چکو یا اتنا کر چکو تو تمہاری نماز پوری ہو گئی۔ اس میں تشہد پڑھنے یا بقدر تشہد بیٹھنے پر نماز کو تام بتایا تو ثابت ہوا کہ بغیر سلام نماز تام ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام بخاری کے الزام کا جواب

احناف کے اس مسئلے پر تعریض کرتے ہوئے امام بخاری نے باب: ترك الحيل میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا۔ اور جواب وہی ہے کہ یہ حیلہ نہیں بلکہ اعرابی والی حدیث مشہور کی بناء پر ہے اور احناف اسے مطلقاً ترک نہیں کرتے' سلام کو واجب کہتے ہیں' مگر چونکہ ثبوت فرضیت کے لیے نص قطعی ضروری ہے اور یہ خبر واحد ہے' جو مفید قطع نہیں' اس لیے فرض نہیں کہتے ہیں۔

نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

اسی طرح احناف کہتے ہیں کہ حالت نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر کے باقی ماندہ سابقہ پر بناء کر کے پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ مفسد نماز کوئی عمل نہ پایا گیا ہو۔ مخالفین اس کو اس حدیث کے خلاف بتاتے ہیں' مگر منصف غور کرے۔ احناف نے یہ کب فرمایا کہ نماز میں حدث ہو جائے تو یوں ہی بلا وضو نماز پوری کر لو۔ احناف نے وضو کرنے کا حکم دیا تو بقیہ نماز باوضو ہوئی۔ اور حدیث میں یہی ہے کہ جب تک وضو نہ کرے' اور اس نے وضو کر کے نماز پڑھی' لہٰذا اس حدیث کے خلاف عمل نہ ہوا۔

٩٨- ح: غُرًّا مُحَجَّلِينَ

[پنج کلیان]

٩٨ - عَنْ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِيتُ مَعَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّاَ قَالَ اِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِىْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ.

(ایضاً۔ مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۱۲۴)

نعیم مجمر نے کہا: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا' انہوں نے وضو کیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرماتے تھے: میری اُمت قیامت کے دن بلائی جائے گی' ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے تم میں سے جو اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہے' کرے۔

نعیم ابن عبداللہ المجمر

تابعی ہیں یہ اور ان کے والد دونوں مسجد نبوی میں خوشبو سلگاتے تھے' اس لیے ان کو اور ان کے والد کو بھی مجمر یا مُجَمَّر کہا جاتا ہے یعنی خوشبو سلگانے والے۔ یہ حضرت ابوہریرہ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت جابر وغیرہ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔

مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا اور مسجد میں وضو کا پانی گرانے کی ممانعت

یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے' اس حدیث پر دو اشکال ہیں' ایک یہ کہ مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا منع ہے اور ضرورت سے مراد شرعی ضرورت ہے' مثلاً نیچے جگہ نہ ہو یا مرمت کی ضرورت ہو۔ نیز مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے اور مسجد میں اس طرح وضو کرنا کہ پانی مسجد میں گرے' جائز نہیں۔ اس لیے کہ متعدد احادیث میں مسجد کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ہے' پھر حضرت ابوہریرہ مسجد پر کیوں چڑھے اور وہاں وضو کیوں کیا؟ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے نیچے بھیڑ کی وجہ سے وضو کی گنجائش نہ رہی ہو' یا نیچے وضو کی کوئی جگہ نہ ہو' اس لیے چھت پر چڑھے اور وضو اس طرح کیا کہ پانی مسجد کے باہر گرایا' مثلاً دیوار کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور پانی نیچے گرایا' یا کوئی برتن رہا ہو جس میں غسالہ گرتا ہو۔

''امۃ'' اور ''غرا محجلین'' کے معانی

''اُمۃ'' کے لغت میں کئی معانی آتے ہیں: طریقہ' دین' زمانہ دراز' بادشاہ' وہ مرد جو جامع خیر ہو' وہ شخص جو سب سے الگ تنہا کوئی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ن رکھتا ہو امام شرعی معنی انبیاء کے متبعین کے ہے۔ اُمت کے شرع میں دو اطلاق ہیں: اُمتِ دعوت' نبی جن لوگوں کی جانب مبعوث ہے۔ اُمت اجابت' جو لوگ نبی پر ایمان لائے' یہاں اُمت سے مراد اُمت اجابت یعنی مسلمان ہیں۔

''غُرًّا'' ''اَغَرُّ'' کی جمع ہے' ''اَغَرُّ'' کے اصل معنی سفید پیشانی والے گھوڑے کے ہیں اور عرف میں شریف کے بھی معنی میں آتا ہے۔ ''مُحَجَّلٌ'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں جن کے قدم سفید ہوں' یہاں دونوں کے معنی کنایۃً سفید چمکنے والے کے ہیں۔ مطلب ہوا کہ میری اُمت کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کی برکت سے سفید و منور ہوں گے' وضو اس اُمت کی خصوصیت نہیں' جیسا کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے' اس لیے کہ خود بخاری میں حضرت سارہ کا اور جریج راہب کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن وضو کا یہ مخصوص اثر اس اُمت کے ساتھ خاص ہے' اس برکت سے اگلی اُمتیں محروم ہوں گی۔

''فمن استطاع'' ارشادِ رسول ہے...... اور ''ان یطیل غراتہ'' کا معنی

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ مزید دس صحابہ سے مروی ہے سوائے حضرت ابو ہریرہ کے اور کسی کی روایت میں ''فمن استطاع الی آخرہ'' تک نہیں' خود حضرت ابو ہریرہ سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے' مگر سوائے نعیم کے کسی اور روایت میں نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا قول ہے اور یہ حصہ مدرج ہے' لیکن جبکہ اصولِ حدیث کا یہ قاعدہ مسلم ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے تو اسے بلا دلیل اِدراج ٹھہرانا صحیح نہیں۔ علامہ عینی نے ادراس پر یہ دلیل دی کہ مسند امام احمد میں خود نعیم مجمر کا قول ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ''فمن استطاع'' رسول اللہ ﷺ کا قول ہے یا حضرت ابو ہریرہ کا' لیکن یہ محض احتمال ہے اور احتمال سے ثابت نہیں ہوتا' علاوہ ازیں یہ کہ ''مالا یدرك الا بالسماع'' کے قبیل سے ہے اور صحابی کا ایسا قول مرفوع کے حکم میں ہے۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ ہی کا قول ہے جب بھی حکم میں مرفوع کے ہوا۔ ''ان یطیل غُرَّتَهٗ'' سے مراد یہ ہے کہ جہاں تک اعضاء کے دھونے کا حکم ہے' اس سے زیادہ دھوئے' مثلاً کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا حکم ہے تو کندھوں تک دھوئے' ٹخنوں تک پاؤں دھونے کا حکم ہے تو پنڈلی بھی دھولے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو کرے' جس کے نتیجے میں قیامت کے دن اس کی نورانیت کی شعاعیں دور تک پہنچیں۔

ابن بطال کے استدلال کا جواب

ابن بطال' امام قاضی عیاض اور ابن تین' اعضاء وضو کی مقررہ حدوں سے زیادہ دھونے کو مستحب نہیں جانتے۔ ابن بطال نے اس کی تائید اس حدیث سے استدلال کیا کہ فرمایا:

من زاد علی هذا او نقص فقد اساء وظلم۔ جس نے اس پر زیادہ کیا یا کم کیا اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا۔

لیکن ابن بطال کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس میں ''هذا'' کا مشارٌ الیہ تین کا عدد ہے' مراد یہ ہے کہ جس نے تین بار سے کم یا زیادہ دھویا اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا' اس لیے مقررہ حدوں سے زیادہ دھونا سوائے حضرت ابو ہریرہ کے خود حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ دلیل ہے کہ اللہ عزوجل ﷺ نے حضور اقدس ﷺ کو ایسے خاص علوم عطا فرمائے جو سوائے حضور کے کسی نبی کو بھی نہیں عطاء فرمائے۔

۹۹۔ ح۔ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا [(نمازی نماز سے) نہ پھرے جب تک (ہوا کے نکلنے کی) آواز نہ سنے یا بُو نہ پائے]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۹۹ - عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَّعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهِ اَنَّهُ شَكَا اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِى يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِى الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَا يَنْفَتِلْ اَوْ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا.

سعید بن مسیب اور عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی یہ اُلجھن بیان کی کہ انہیں نماز میں ریح نکلنے کا شبہہ ہو جاتا ہے فرمایا: جب تک آواز نہ سنے یا بُو نہ پائے نماز نہ توڑے۔

(ایضاً۔باب:من لم یر الوضوء الا۔کتاب البیوع۔باب:من لم یر الوساوس' مسلم۔کتاب الحیض۔ص ۹۸۔۹۹' ابوداود۔کتاب الصلوٰۃ ص ۱۹۲۔کتاب الطہارۃ۔ص ۲۸' ترمذی۔کتاب الطہارۃ۔ص ۵۶' نسائی۔کتاب الطہارۃ۔ص ۱۱۴' ابن ماجہ۔کتاب الطہارۃ۔ص ۴۷' مسند امام احمد)

سعید بن میّب......اور عباد بن تمیم کا تعارف

سعید بن میسب مشہور ائمہ تابعین میں سے ہیں' حدیث' فقہ میں امامِ وقت' زہد و ورع و عبادت میں یکتا تھے' چالیس حج کیے تھے۔ احادیث ابوہریرہ اور قضایا عمر فاروق کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ کثیر صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے' ان کی کنیت ابو محمد ہے' قرشی مخزومی مدنی ہیں۔ خلافتِ فاروقی کے تیسرے سال پیدا ہوئے اور ۹۳ھ میں وصال فرمایا۔

عباد بن تمیم کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ تابعی ہیں مگر کثیر محدثین حتیٰ کہ امام ذہبی تک نے صحابہ میں شمار کیا۔ اصابہ میں امام واقدی کے حوالے سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ مجھے غزوۂ خندق اچھی طرح یاد ہے' اس وقت میں پانچ سال کا تھا' ان کے چچا سے عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب انصاری مازنی مراد ہیں۔ مسلم میں اس کی تشریح ہے' ان کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے والدین بھی صحابی ہیں اور ان کے بھائی حبیب بن زید بھی' حبیب بن زید وہ بزرگ ہیں جن کا مسیلمہ کذاب نے عضو عضو کاٹ ڈالا تھا۔ راوی حدیث عبداللہ بن زید وہ مجاہد ہیں جنہوں نے وحشی کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا' یہ ذوالحجہ ۶۳ھ کے خونی معرکے میں ۷۰ سال عمر پا کر شہید ہوئے۔ یہ غزوۂ اُحد کے شرکاء میں سے ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو بدری بھی کہا ہے' مگر یہ صحیح نہیں' مگر مجھے اس میں بھی کلام ہے کہ انہوں نے غزوۂ اُحد میں مجاہدین کی طرح شرکت کی ہو اس لیے کہ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت انس بہ طور خدمت گار موقع پر حاضر تھے' یہ بھی حاضر رہے ہوں' ان سے اڑتالیس احادیث مروی ہیں' آٹھ متفق علیہ ہیں۔

اس سے مراد خروج ریح کا یقین ہے

امام نووی نے فرمایا: بہ اجماعِ مسلمین اس سے مراد خروجِ حدث کا یقین ہے' اگرچہ نہ بُو کا پتہ چلے نہ آواز نکلے۔ اس پر دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

اذا فسا احدکم فلیتوضا. (باب الوضوء) اگر تم میں سے کسی کے بلا آواز ریح نکلے تو وضو کرے۔

علاوہ ازیں جب معنی لفظ سے وسیع تر ہوتا ہے تو حکم معنی پر ہوتا ہے اور بعض جاہلانِ زمانہ کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہوا نکلے مگر اس میں آواز نہ ہو اور نہ بدبو ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل یہ ہے کہ کسی چیز کی جو حالت ہے' حکم اسی پر باقی رہتا ہے جب تک کہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو یعنی شک یقین کو زائل نہیں کرتا۔

۱۰۰ - ح: فَتَوَضَّأَ وُضُوْءً خَفِيْفًا [آپ نے ہلکا وضو فرمایا]

۱۰۰ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ صَلّٰى وَرُبَّمَا قَالَ اضْطَجَعَ حَتّٰى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ کے یہاں سویا' نبی ﷺ رات میں اُٹھے' جب کچھ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نَفَخَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهٖ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ كُرَيْبٍ (ح) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَ فِيْ بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءًا خَفِيْفًا يُخَفِّفُهٗ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهٗ وَقَامَ يُصَلِّيْ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِّمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ عَنْ شِمَالِهٖ فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ ثُمَّ صَلّٰى مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِيْ فَاٰذَنَهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ مَعَهٗ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو اِنَّ نَاسًا يَّقُوْلُوْنَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهٗ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَّقُوْلُ رُؤْيَا الْاَنْبِيَآءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَاَ ﴿اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ﴾ (الصّٰفّٰت:١٠٢).

رات گزری تو نبی ﷺ اُٹھے اور ایک پرانی مشک سے جو لٹکی ہوئی تھی، اس سے ہلکا وضو فرمایا۔ فـ عمرو بن دینار اس کے ہلکے اور تھوڑے ہونے کو بیان کرتے تھے اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے' پھر میں نے بھی حضور کی طرح وضو کیا اور آ کر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ سفیان کبھی لفظ یسار کے بجائے شمال کہتے' حضور نے مجھے پھیر کر اپنی دائیں طرف کھڑا کیا' پھر اللہ نے جتنا چاہا حضور نے نماز (نفل) پڑھی' پھر کروٹ کے بل لیٹے اور سو گئے' یہاں تک کہ ناک سے آواز نکلنے لگی' پھر مؤذن آیا' نماز کی اطلاع دی تو حضور اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ ہم نے عمرو بن دینار سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے' عمرو بن دینار نے کہا: میں نے عبید بن عمیر سے سنا' کہتے تھے: انبیاء کا خواب وحی ہے' پھر انہوں نے تلاوت کی: ''(حضرت ابراہیم نے کہا:) اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

(ایضاً۔ باب: العلم والعظة بالليل۔ کتاب الاذان۔ باب: اذا قام الرجل عن يسار الامام واذا لم يتوضا الامام۔ باب: وضوء الصبيان۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ نساء۔ باب: ان في خلق السمٰوٰت والذين يذكرون الله قيامًا وقعودًا۔ باب: وربنا من تدخل النار وربنا اننا سمعنا مناديا۔ کتاب اللباس۔ باب: ذوائب۔ کتاب الادب۔ باب: رفع البصر الى السماء۔ کتاب التوحید۔ باب: ما جاء في تخليق السمٰوٰت والارض۔ کتاب الاذان۔ ص ۱۸۱' وغیرہ نسائی۔ کتاب الامامۃ۔ ص ۶۲۔ کتاب التطبیق۔ ص ۶۳' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۴۸)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث ہلالیہ عامریہ رضی اللہ عنہا حضرت اُم الفضل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کی بہن تھیں۔ جاہلیت میں یہ مسعود بن عمرو ثقفی کی زوجیت میں تھیں' اس نے ان کو چھوڑ دیا' تو ان کا نکاح ابورہم سے ہوا۔ ان کا بھی جب انتقال ہو گیا تو عمرۃ القضاء کے موقع پر ۷ھ میں حضور اقدس ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے مکہ معظمہ سے دس میل پہلے مقام سرف پر نکاح فرمایا اور یہیں ان کا وصال بھی ہوا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے اور کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ یہ آخری ازواج میں سے ہیں' ان کا وصال ۶۱ھ یا ۵۱ھ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کیا' انہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

فقام النبی'' کی جگہ'' فنام'' صحیح ہے

علامہ عینی نے فرمایا: ابن سکن کی روایت یہ ہے: ''فقام النبی'' کی جگہ ''فنام النبي صلى الله عليه وسلم من الليل''. قاضی عیاض نے فرمایا: یہی روایت صواب ہے' ورنہ کلام میں بے فائدہ تکرار لازم آئے گی' اس لیے کہ اس کے بعد ہے: ''فلما

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

كان في بعض الليل قام النبي صلى الله عليه وسلم'' غالباً یہی افادہ کرنے کے لیے امام بخاری نے اس سے پہلے یہ ٹکڑا نقل فرمایا:

ان النبي صلى الله عليه وسلم نامَ حتّٰى نفخ ثم صلى وربما قال اضطجع حتى نفخ ثم صلّٰى.

نبی ﷺ سوئے یہاں تک کہ ناک سے آواز آنے لگی' پھر نماز پڑھی' سفیان کبھی کہتے کہ کروٹ کے بل لیٹے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز آنے لگی' پھر نماز پڑھی۔

نوم عام ہے خواہ چت ہو خواہ کروٹ کے بل' اضطجاع کروٹ پر لیٹنے کو کہتے ہیں' نبی ﷺ کروٹ کے بل لیٹے ہوں گے' اس کو کبھی ''نَامَ'' سے بیان کیا' کبھی ''اضطجع'' سے' یہاں فیض الباری میں ہے کہ یہ سونا اور خراٹے لینا نماز نفل کے اندر بھی ہو سکتا ہے مجھے سخت تعجب ہے کہ اس احتمال کی گنجائش کہاں سے نکلی' حدیث کا سیاق وسباق اس احتمال کی ذرّہ برابر نشاندہی نہیں کرتا۔

کتنی رات گزری تھی؟

کتنی گزری تھی؟ عینی میں ہے کہ رات آدھی ہو چکی تھی یا آدھی کے قریب تھی' اسی سے انوار الباری کے اس ترجمہ کی غلطی ظاہر ہو گئی جو انہوں نے کیا ہے' جب تھوڑی رات رہ گئی۔

ف: تخفیف سے مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو کو خوب مل کر نہیں دھویا' معمولی طور پر پانی بہایا اور تقلیل سے مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو تین تین بار نہیں دھوئے اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ صرف فرائض پر اکتفاء فرمایا۔

حضور ﷺ نے ابن عباس کو کس طرح ہاتھ پھیرا؟

آنحضور ﷺ نے کس طرح پھیرا؟ اس سلسلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں' بعض میں ہے: ان کا سر پکڑ کر دائیں طرف کیا' بعض میں ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ ان کے سر پر رکھ کر دایاں کان پکڑ کر دائیں طرف کیا' اور ایک میں ہے کہ سر کا پچھلا حصہ پکڑ کر دائیں طرف لائے۔ یہ اس پر نص ہے کہ نفل کی جماعت جائز ہے' جب کہ تداعی نہ ہو اور اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو۔

انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں

اسی لیے انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں اور جو بعض روایتوں میں ہے کہ بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا' یہ بر سبیل استحباب ہے یا ہو سکتا ہے کہ سونے سے پہلے کوئی ناقض وضو پایا گیا ہو'' خلافالما في فيض الباري '' کہ کبھی کبھی انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو ہے اور دلیل میں یہی پیش کیا کہ بعض دفعہ بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا۔ ہر عاقل پر ظاہر ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد وضو کرنا کسی بھی منطق سے اس بات کی دلیل نہیں کہ آنحضور کی نیند ناقض وضو ہے۔ یہ خود حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور یہی مدار ہے اس بات کا کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر حضرت عبید بن عمیر نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب سے استدلال کیا' قتل اولاد حرام ہے' مگر خواب دیکھ کر تعمیل حکم فرمانے لگے' اگر خواب وحی نہ ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔

حدیث سے مستخرجہ احکام

اس حدیث سے یہ احکام ثابت ہوئے: علماء صلحاء کے ساتھ دن کے علاوہ رات میں رہنا کہ ان کے حالات معلوم کیے جا سکیں مستحسن ہے۔ سند عالی کی تلاش مستحسن ہے' حضرت ابن عباس اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ سے پوچھ کر حالات معلوم کر سکتے تھے مگر خود وہاں قیام پذیر ہو کر دیکھا تا کہ بیچ کا واسطہ نہ رہے' اگر دو آدمی ہوں ایک امام بن جائے' دوسرا مقتدی' جماعت کا ثواب ملے گا۔ ایک ہی وضو سے نفل وفرائض پڑھنا درست ہے' نماز میں بات کرنی نماز کو فاسد کر دیتی ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل۔ اگر نفل کی ا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرنے سے فاسد نہ ہوتی تو حضور حضرت ابن عباس کا کان پکڑ کر دائیں طرف نہ کرتے' زبانی فرما دیتے۔ یہ جائز ہے کہ مؤذن جماعت کے لیے امام کو جگائے' نمازِ تہجد ابتداءً واجب تھی' اب وجوب منسوخ ہو گیا' مسنون ہونا باقی' بہت بابرکت نماز ہے' تہجد پڑھنے والے کو حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

ت ٢١ - قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ الْإِنْقَاءُ. (امام عبدالرزاق نے موصولاً بسند صحیح ذکر کیا)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اسباغ وضو یہ ہے کہ اعضاء وضو کو خوب صاف کر لیا جائے۔

"اسباغ" کا معنی

"اسباغ" کے معنی لغت میں اہتمام کے ہیں اور اتمامِ غسل کو انقاء یعنی بدن کا اچھی طرح صاف ہو جانا لازم ہے' یہ تفسیر باللازم ہے۔ ابن منذر نے بہ سند صحیح نقل کیا کہ حضرت ابن عمر اپنے پاؤں کو سات مرتبہ دھوتے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ وہ لوگ زیادہ ننگے پاؤں چلا کرتے تھے یا بہت ہوا تو نعل جو چپل کی قسم سے ہوتا' پہنتے تھے۔ اس سے پاؤں پر میل کچیل زیادہ جمع ہو جاتا تھا' اسے صاف کرنے کے لیے سات بار دھوتے۔

١٠١ - ح: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ [وضو پورا کرنا]

١٠١ - عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ الصَّلٰوةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الصَّلٰوةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ فِيْ مَنْزِلِهٖ ثُمَّ أُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلّٰى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا.

حضرت ابن عباس کے غلام کریب سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے چلے' جب گھاٹی میں پہنچے تو اترے' اور پیشاب کیا' پھر وضو فرمایا مگر پورا وضو نہیں فرمایا' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! نماز! فرمایا: نماز تیرے آگے ہے' پھر سوار ہوئے' جب مزدلفہ آ گیا تو سواری سے اترے' وضو فرمایا اور پورا وضو فرمایا' اس کے بعد اقامت کہی گئی' حضور نے مغرب کی نماز پڑھی' پھر ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اپنے پڑاؤ پر بٹھایا' اس کے بعد عشاء کی اقامت ہوئی اور آنحضور نے نماز پڑھی' اس مغرب اور عشاء کے مابین کوئی نماز نہیں پڑھی۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرجل یوضی صاحبہ۔ کتاب الحج۔ باب: نزول بین عرفۃ وجمع' مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۱۳۷' ۴۱۴ کتاب المسافرین۔ ص ۴۔ کتاب المناسک۔ ص ۶۳' ابوداود۔ کتاب الحج' نسائی۔ کتاب الامامۃ۔ ص ۵۲' مسند امام احمد)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ حضرت زید کے صاحبزادے ہیں' ان کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور آزاد کردہ باندی تھیں۔ ان کے والد حضرت زید بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے اور یہ بھی' اسی واسطے ان کو "الحب من حب" کہا جاتا تھا' ان کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا: "حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عامل بنایا' جبکہ ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ وصال سے کچھ دن پہلے قیصر کے مقابلے کے لیے جو لشکر ترتیب دیا تھا' جس میں تمام عمائد صحابہ کو شرکت کا حکم تھا' اس کا امیر انہیں کو بنایا۔ وصالِ اقدس کے وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی' آخر وقت میں وادی القریٰ میں رہنے لگے' یہیں پچپن سال کی عمر پا کر ۵۴ھ میں وصال فرمایا' ان سے ایک سو اٹھائیس حدیثیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مروی ہیں' پندرہ متفق علیہ' افرادِ بخاری سے دو اور افرادِ مسلم سے بھی دو ہی ہیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ عنہ' ان کی کنیت ابو اسامہ ہے' ان کی ماں کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ ہے' یہ انہیں لے کر اپنے میکے گئی ہوئی تھیں' کچھ لٹیروں نے حملہ کر دیا اور انہیں اُٹھا کر لے گئے' بازار عکاظ میں بیچنے کے لیے لے گئے' حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لیے چار درہم میں زید کو خرید لیا' جب حضرت خدیجہ حضور کے حبالہ عقد میں آئیں تو یہ بھی ساتھ ساتھ آئے' کچھ دنوں کے بعد ان کے گھر والوں کو ان کی خبر لگی تو ان کے چچا اور والد حارثہ لینے مکہ معظمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضور نے انہیں اختیار دے دیا کہ چاہو تو والد کے ساتھ چلے جاؤ' چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ انہوں نے دامن رحمت عالم چھوڑنا ناپسند کیا' اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حطیم میں لے جا کر اعلان کر دیا: زید میرا بیٹا ہے' جس کی بناء پر انہیں لوگ زید بن محمد کہا کرتے' جب یہ آیہ کریمہ ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ'' (الاحزاب:۵) اولاد کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے بلاؤ' نازل ہوئی تو لوگوں نے زید بن حارث کہنا شروع کیا۔ آزاد کردہ غلاموں میں یہی سب سے پہلے ایمان لائے' ان کا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دایہ حضرت اُم ایمن سے کر دیا تھا' انہیں سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے' بعد میں حضرت زید کا نکاح زینب بنت جحش اپنی پھوپھی کی لڑکی سے کیا مگر نباہ نہ ہو سکا' حضرت زید نے طلاق دے دی' اس کے بعد حضرت زینب ازواجِ مطہرات کے زمرے میں داخل ہوئیں حضرت زید سے حضور کو اتنی محبت تھی کہ ایک دفعہ حضرت زید سفر سے واپس ہوئے' اطلاع ملی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تہبند پہنے پہنے باہر تشریف لائے اور ان سے لپٹ گئے۔ جنگ موتہ کے خونی معرکے میں رومیوں کے ہاتھوں جمادی الاولیٰ ۸ھ میں شہید ہوئے' شہادت کے وقت ان کی عمر مبارک پچپن سال تھی' اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ان سے تقریباً پانچ سال زائد تھی۔ قرآن مجید میں صحابہ کرام میں سے صرف ان کا نام مذکور ہے۔ ارشاد ہے: ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا'' (الاحزاب:۳۷) ان سے ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔

عرفہ کسے کہتے ہیں؟

عرفہ نویں ذوالحجہ کو بھی کہتے ہیں اور عرفات کو بھی' جیسا کہ یہ حدیث اور دوسری احادیث کے ظاہر سے متبادر ہے' تصریح ہے عرفہ سے چلے۔ اور اصفہانی نے کہا: عرفہ صرف نویں ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے اسی کو صحیح کہا' عرفہ ہمیشہ بغیر الف لام اور تنوین کے آتا ہے۔ عرفات اس جگہ کا نام ہے جہاں وقوف عرفہ ہوتا ہے' یہ حقیقت میں جمع ہے۔ فراء نے کہا: اس کا کوئی واحد نہیں' اس کو عرفات اور اس دن کو عرفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم اور حوا کی یہیں نویں ذوالحجہ کو ملاقات ہوئی' ایک نے دوسرے کو پہچانا' اس لیے جبریل امین نے اسی جگہ اسی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسکِ حج کی تعلیم دی۔

''شعب'' اور ''اسباغ'' کا معنی

''شعب'' پہاڑوں کے درمیان کے راستے کو کہتے ہیں' یہاں مراد وہ راستہ ہے جو حاجیوں کے لیے عرفات سے مزدلفہ جانے کے لیے مقرر ہے۔

''اسباغ'' کے معنی پورے کرنے کے ہیں' یہاں ''لم یسبغ الوضوء'' سے مراد یا تو یہ ہے کہ اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا' یا مراد یہ ہے کہ عادتِ کریمہ کے مطابق نہیں بلکہ اس سے کم دھویا' بعض لوگوں نے اس سے وضو لغوی مراد لیا' یہ صحیح نہیں' اس لیے کہ اس وضو کے بعد حضرت اسامہ نے عرض کیا: کیا نماز پڑھیں گے؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وضو ایسا تھا کہ اس سے نماز صحیح ہوتی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ قول ہے کہ اس سے کچھ لوگوں نے استنجاء مراد لیا ہے۔ حدیث کا یہ لفظ ''ولم یسبغ الوضوء'' اس کے خلاف پرنص ہے' استنجاء کے ناتمام کرنے کا کوئی معنی یہاں نہیں' نیز پھر اس گزارش کا بھی محل نہیں کہ کیا نماز پڑھنی چاہتے ہیں؟ علاوہ ازیں باب الطہارات میں تصریح ہے: ''فجعلت اصب علیه یتوضأ'' میں پانی ڈالتا رہا اور حضور وضو فرماتے رہے' استنجاء کے لیے پانی ڈالنے کا کیا مطلب؟ یہ وضو اس لیے فرمایا کہ عادتِ کریمہ تھی کہ اکثر اوقات باوضو رہتے اور اس موقع پر راستے میں ذکر مسنون ہے اور ذکر کے لیے وضو مستحب ہے۔

مزدلفہ سے مراد

مزدلفہ' عرفات اور منیٰ کے مابین ایک میدان کا نام ہے' اس کا مصدر ازدلاف ہے' جس کا مادہ زلف ہے۔ زلف کے معنی قریب کرنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں' چونکہ یہاں جمع ہو کر حجاج قربِ الٰہی حاصل کرتے ہیں' اس لیے اس کا نام مزدلفہ پڑا۔ نیز تمام دنیا کے حجاج یہاں اکٹھے ہوتے ہیں' اس لیے اس کو مزدلفہ کہنے لگے' اس کا دوسرا نام جمع بھی ہے' اس کا سبب ایک تو یہی ہے کہ لوگ اکنافِ عالم سے آکر یہاں جمع ہوتے ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا نے یہاں اکٹھے رات گزاری تھی۔

دوسرا پانی ہوتے ہوئے آبِ زم زم سے وضو ممنوع ہے

امام بخاری نے اسباغ الوضو کا باب باندھا تھا' وہ حدیث کے اس ٹکڑے کے مطابق ہے: ''فاسبغ الوضوء'' علامہ ابن حجر نے امام احمد بن حنبل کی زیادات مسند کے حوالے سے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ یہ دوسرا وضو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آبِ زمزم سے کیا تھا' آبِ زمزم سے یہ وضو یا تو اس لیے تھا کہ دوسرا پانی موجود نہ تھا یا بیان جواز کے لیے تھا ورنہ دوسرا پانی ہوتے ہوئے آبِ زمزم سے وضو نہیں کرنا چاہیے۔ بعض حضرات نے کہا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک وضو سے کوئی نماز نہ پڑھی ہو' پھر بھی دوبارہ وضو کر سکتے ہیں' مگر یہ استدلال درست نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدث ہو گیا ہو' لیکن جب حدث پر کوئی قرینہ نہیں اور اس کے معارض کوئی نص نہیں تو حدث ہو جانے کا قول بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ صرف مجلس بدل جانے کے بعد وضو ہوتے ہوئے وضو کرنا جائز ہے' جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: اور حدیث ''من زاد او نقص فقد تعدی وظلم'' کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد تین سے کم یا تین سے زیادہ کو جو سنت اعتقاد کرے' اس نے تعدی اور ظلم کیا اور ظاہر ہے کہ تین بار سے کم دھونا نہ تعدی ہے نہ ظلم' تو تین بار سے زیادہ دھونے کو تعدی اور ظلم قرار دینا' اس حدیث کی رو سے کسی طرح درست نہیں' لامحالہ اعتقاد ہی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

حاجی کے لیے عرفات یا راستہ میں نماز مغرب پڑھنا جائز نہیں

حاجی کے لیے عرفات سے سورج ڈوبتے ہی مزدلفہ چل دینا واجب ہے' اسے جائز نہیں کہ عرفات میں یا راستے میں نمازِ مغرب پڑھے۔ اس دن مغرب کا وقت مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشاء ہی کا وقت ہے' اس پر یہ حدیث نص ہے' عشاء کا وقت ہونے کے بعد ایک اذان اور ایک اقامت سے مغرب اور عشاء ساتھ ساتھ پڑھی جائے گی' درمیان میں مغرب کی سنتیں بھی پڑھنی جائز نہیں' بعد عشاء پڑھیں۔ اس حدیث میں ''ثم اقیمت العشاء'' سے مراد عشاء پڑھنا ہے' اس پر مفصل گفتگو کتاب الحج میں ہوگی۔

فوائد

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مفضول اور خادم اپنے سے افضل اور مخدوم کی خدمت میں ضروری بات عرض کر سکتا ہے۔ نیز کتاب الطہارۃ کی روایت ''فجعلت اصب'' سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے کہ وضو کے لیے کوئی دوسرا اعضاء پر پانی گرائے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

١٠٢- ح: اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ مِنْ غُرْفَةٍ

[پانی کے ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک جھاڑنا]

١٠٢ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَاءٍ فَجَعَلَ بِهَا هٰكَذَا اَضَافَهَا اِلٰى يَدِهِ الْاُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا وَجْهَهُ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنْ مَاءٍ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى حَتّٰى غَسَلَهَا ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً اُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا يَعْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ.

(ایضاً۔ ابوداؤد' نسائی۔ کتاب الطہارۃ' ابن ماجہ' مسند امام احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو کیا' اپنے چہرے کو دھویا' ف۱ ایک چلو پانی لے کر اس سے کلی بھی کی اور اسے ناک میں بھی ڈالا' پھر دوسرا چلو لیا اور ایسے کیا یعنی اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور اس سے اپنا چہرہ دھویا' ف۲ پھر ایک چلو پانی لیا' اس سے اپنا دایاں ہاتھ دھویا' پھر ایک چلو پانی لیا اور اس سے بایاں ہاتھ دھویا' پھر اپنے سر پر مسح کیا' پھر ایک چلو پانی لیا اور اسے دائیں پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ اسے دھویا' پھر دوسرا چلو لیا اور اس سے بائیں پاؤں کو دھویا' پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔

لغات

"غرفة" اسم مصدر' اسم مفعول معروف کے معنی میں ہے' ہتھیلی بھر جسے چلو کہتے ہیں' "غرفة" غین کے فتحہ کے ساتھ اگر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں: ایک مرتبہ چلو میں پانی لینا۔

"مضمض تمضمض" کے معنی منہ میں پانی لے کر پورے منہ میں گھمانے کے ہیں' جسے کلی کرنا کہتے ہیں۔ "استنشق" کے معنی ناک میں پانی ڈال کر چھینکنے کے ہیں۔

تکمیل

ابوداؤد میں ابتدائی حصہ یہ ہے: حضرت ابن عباس نے حاضرین سے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو میں تم کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے؟ پھر پانی کا ایک طشت منگایا۔

ف۱: اس سے یہ نہیں مراد کہ پہلے منہ دھویا' پھر کلی کی وغیرہ' بلکہ منہ اور ناک بھی چہرے ہی کے اجزاء ہیں' یہاں کل اجزاء مراد ہیں' جس کی تفسیر "مضمض واستنشق" سے کی۔

ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا جائز ہے

یہ بھی جائز ہے کہ ایک چلو پانی سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں بھی ڈالا جائے' مگر افضل یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ الگ پانی لیا جائے' جیسا کہ ابوداؤد اور طبرانی میں ہے: "فاخذ لكل واحد ماء جديدا" ہر ایک کے لیے نیا پانی لیا' اور سنت یہ ہے کہ دونوں دائیں ہاتھ سے کیا جائے' جیسا کہ سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کے روبرو دائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالا۔ حضرت معاویہ نے کہا: تم کو سنت نہیں معلوم! فرمایا: سنت ہمارے گھر سے نکلی اور ہمیں سنت نہ جانیں!

اما علمت ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دایاں ہاتھ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قال اليمين للوجه واليسار للمقعد. چہرے کے لیے اور بایاں استنجے کے لیے۔

ف ٢: اس نسخہ میں "فغسل بها" ہے "هاء" کا مرجع غرفہ ہے' اصیلی اور کریمہ کی روایت میں "فغسل بهما" ہے' یعنی دونوں ہاتھوں سے منہ دھویا' چونکہ ایک ہی چلّو پانی سے ایک ہی ہاتھ سے منہ دھونا متعذر تھا اور خلاف سنت بھی اس لیے دونوں ہاتھ ملا کر چہرہ دھویا۔

سر کے مسح کے لیے نیا پانی لینا

یہاں سر کے مسح کے لیے جدید پانی لینے کا تذکرہ نہیں' اس سے ظاہر ہے کہ سر کے مسح کے لیے نیا پانی نہیں لیا' مگر بخاری کی روایت میں اختصار ہے۔ ابوداؤد میں ہے: پھر ایک مٹھی پانی لے کر چھڑک دیا اور اس سے اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ نسائی میں ہے کہ دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا' اندرونی حصے پر کلمے کی انگلی سے اور باہر والے حصے پر اپنے انگوٹھوں سے۔ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے: انگلیوں کو کان میں داخل فرمایا' اعضاء دھونے کے بعد ہاتھوں میں جو تری رہ جاتی ہے' اس سے احناف کے یہاں سر کا مسح جائز ہے' اس پر یہ شبہہ کہ ہاتھ میں جو تری رہ جاتی ہے وہ ماء مستعمل ہے اور ماء مستعمل سے مسح جائز نہیں' غلط ہے' اس لیے کہ پانی مستعمل اس وقت ہوتا ہے جب عضو سے جدا ہو جائے' جب تک عضو پر ہے مستعمل نہیں۔ پوری تفصیل فتاویٰ رضویہ' ج ١' میں دیکھیں۔ ابوداؤد میں ہے:

انه عليه الصلوٰة والسلام مسح راسه بغير اخذ ماء جديد بفضل ما كان في يده. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیا پانی لیے بغیر ہاتھ میں جو تری تھی' اس سے مسح فرمایا۔

"رش" کا معنی

"رَشّ" کے معنی دھونے کے بھی ہیں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث' حضرت اسماء میں ہے:

حتيه ثم اقرصيه ثم رشيه وصلي فيه. اسے ملو' پھر چٹکی سے کھرچو' پھر دھوؤ اور اسی میں نماز پڑھو۔

اس کے علاوہ اور احادیث میں بھی وارد ہے' جن کا بیان اپنے موقع پر ہوگا۔ اگرچہ یہاں دھونے کے معنی میں متعین نہیں' بلکہ بظاہر یہی مراد ہے کہ پانی کو پاؤں پر ڈالا اور اسے دھویا جیسا کہ "حتی غسلها" سے ظاہر ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت کی توضیح

ابوداؤد کی روایت میں یہاں یوں ہے: پانی اپنے دائیں قدم پر چھڑکا' اس میں نعل مبارک بھی تھی' پھر اسے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا' ایک ہاتھ سے قدم کے اوپر اور ایک ہاتھ سے نعل کے اندر' اور مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں' تو اس کا مفاد یہ ہوا کہ قدم پر پانی چھڑک کر ہاتھ پھیر دیا' اس کا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد کی اس روایت میں مسح دھونے کے معنی میں ہے۔ علامہ عینی نے ابن الاعرابی اور ابوزید انصاری کا یہ قول نقل فرمایا:

المسح في كلام العرب يكون غسلا ويكون مسحا ومنه يقال للرجل اذا توضا فغسل اعضاءه قد تمسح. کلامِ عرب میں مسح کے معنی دھونے کے بھی ہیں اور مسح کے بھی کہ جب آدمی وضو کرتا اپنے اعضاء کو دھو لیتا ہے تو کہا جاتا ہے: "قد تمسح"۔

اور ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے' یہاں بخاری میں "حتی غسلها" ہے تو ابوداؤد کی روایت میں مسح بہ معنی "غسل" متعین ہو گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

احکام

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صرف ایک بار اعضاء وضو کے دھو لینے کے بعد فرض ادا ہو جاتا ہے اور اس سے نماز درست ہے۔ نیز یہ ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے، صرف مسح کافی نہیں۔

۱۰۳ - ح: لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا اَتٰی اَهْلَهٗ [تم میں سے کوئی جب اپنے اہل کے پاس آئے]

۱۰۳ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا اَتٰی اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا فَقُضِیَ بَیْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ یَضُرَّهٗ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: تم میں سے کوئی جب اپنے اہل کے پاس آئے تو یہ پڑھے: بسم اللہ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچائے رکھ، اب اگر کوئی اولاد ہوگی تو شیطان اسے ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ ف!

* (ایضاً۔ بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب: صفة ابلیس وجنوده۔ ج ۱ ص ۴۶۳۔ کتاب النکاح۔ باب: ما یقول اذا اتی اهله۔ ج ۲ ص ۷۷۶۔ کتاب الدعوات۔ باب: ما یقول اذا اتی اهله۔ ج ۲ ص ۹۴۵۔ کتاب التوحید۔ باب: اسماء الله مائة الا واحدة۔ ج ۱ ص ۱۱۰۰، مسلم۔ کتاب الطلاق ابوداؤد۔ کتاب النکاح، ترمذی۔ کتاب النکاح، نسائی۔ کتاب عشرة النساء۔ عمل الیوم واللیلة، ابن ماجہ، داری۔ کتاب النکاح، مسند امام احمد)

لغات

"جنبنا" باب تفعیل سے ہے، اس کا مادہ جنب ہے۔ "قضی" کا مصدر قضا ہے، اس کے متعدد معانی ہیں: حکم، حاجت پوری کرنی، مار ڈالنا، ذمے جو چیز واجب تھی اسے ادا کیا، پہنچانا، مقدر کرنا، یہاں یہی اخیر مقدر کرنا مراد ہے۔

کشف عورت سے قبل دعا پڑھنے سے امام بخاری کا مقصود

اس سے مراد یہ ہے کہ جب ارادہ کرے، جیسا کہ بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے: کشف عورت سے پہلے یہ دعا پڑھے۔ اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں بھی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے تو وضو اور دیگر امور میں بدرجہ اولیٰ سنت ہوگا، ائمہ اربعہ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے، البتہ اسحٰق بن راہویہ اور کچھ زمانۂ حال کے غیر مقلدین اسے واجب کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بسم اللہ پڑھے بغیر وضو کیا تو وضو نہ ہوگا، اس وضو سے نماز بھی نہ ہوگی، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ہے: "لا وضوء لمن لا یذکر اسم اللّٰه" جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں۔ یہ حدیث اگرچہ متعدد طرق سے مروی ہے، ابوداؤد، امام احمد نے بھی روایت کیا ہے مگر ہر طریقہ مجروح ہے، امام ترمذی اور بزار نے کہا کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔ جس کا اعتراف غیر مقلدین کے معلم ثانی شوکانی صاحب کو بھی ہے[۱] علاوہ ازیں "لا" کمال نفی کے لیے مستعمل اور وضو میں کمال یہ ہے کہ بروجہ مسنون ہو اور جب بسم اللہ نہیں پڑھی تو ایک سنت نہ ادا ہونے سے کچھ نقص رہا۔

ف: حق یہ ہے کہ یہ اپنے عموم پر ہے، اسے شیطان نہ دنیوی ضرر پہنچا سکے گا نہ دینی نہ جسمانی نہ روحانی، لیکن تاثیر پڑھنے والے کے حضور قلب اعتماد علی اللہ اور اس کے احوال کے اعتبار سے ہوتی ہے اور ان میں کسی بعض یا کل کے فقدان سے تاثیر نہیں ہوتی۔

۱۰۴ - ح: اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْخُلَ الْخَلَاءَ [جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرے]

[۱] نیل الاوطار۔ ج ۱ ص ۱۴۹

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

١٠٤ - عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

عبدالعزیز بن صہیب نے کہا: میں نے حضرت انس کو یہ کہتے سنا کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء جاتے ف تو یہ پڑھتے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبث اور خبائث سے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء عند الخلاء۔ ج ۲ ص ۹۳۶، مسلم۔ کتاب الحیض، ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ، ترمذی۔ کتاب الطہارۃ، نسائی۔ کتاب الطہارۃ، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ، دارمی، مسند امام احمد)

لغات

''اعوذ'' اس کا مصدر عوذ ہے، اس کے معنی پناہ لینے کے ہیں۔ ''خبث'' خطابی نے کہا: یہ لفظ خاء اور باء کے ضمہ کے ساتھ ہے، کچھ لوگوں نے کہا: خاء کے ضمہ کے ساتھ اور باء کے سکون کے ساتھ ہے، یہ غلط ہے۔ صحیح وہی ہے دونوں کے ضمہ کے ساتھ، مگر علامہ عینی نے تحقیق کی کہ یہ دونوں صحیح ہیں، علامہ تورپشتی نے فرمایا: بہتر یہی ہے کہ دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے، تا کہ ''الخبث'' مصدر کے ساتھ اشتباہ نہ ہو۔ ''خبث، خبیث'' کی اور ''خبائث، خبیثة'' کی جمع ہے، مراد شیاطین کے نر و مادہ دونوں ہیں۔

شرح السنہ میں ہے کہ ''الخبث'' کے معنی کفر اور خبائث کے معنی شیاطین کے ہیں۔ ابن بطال نے کہا کہ ''الخبث'' ہر شی کو عام ہے اور ''خبائث'' سے شیاطین مراد ہیں۔ ''خلاء'' مد کے ساتھ، اس کے معنی خالی جگہ ہے اور عرف میں قضاء حاجت کی جگہ کو کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ اکثر حالات میں خالی رہتا ہے۔

ف: یہاں مراد یہ ہے کہ جب بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ فرماتے، جیسا کہ خود امام بخاری نے سعید بن زید کے طریقے سے روایت کی ہے: ''اذا اراد ان یدخل الخلاء'' حکم یہ ہے کہ اگر بیت الخلاء کی کوئی عمارت ہو تو عمارت میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے اور اگر میدان میں قضاء حاجت کرتا ہے تو ستر کھولنے سے پہلے پڑھے۔ بیت الخلاء میں داخل ہونے کے یا ستر کھولنے کے بعد دعا ہرگز نہ پڑھے۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل دعا پڑھنے میں حکمت

اس دعا پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ خالی جگہیں خصوصاً ناپاک، شیاطین کی رہائش گاہ ہوتی ہیں اور قضاء حاجت کے وقت کوئی دعا پڑھی نہیں جا سکتی اور شیاطین انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر وقت درپے ہوتے ہیں تو حکم ہوا کہ پہلے ہی دعا پڑھ لے تا کہ وہ کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں۔

ایک توجیہ

یہاں شارحین نے یہ بحث چھیڑ دی کہ امام بخاری نے وضو کا بیان شروع فرمایا تھا، ابھی وضو کا مکمل بیان نہ ہوا کہ بیت الخلاء کا ذکر چھیڑ دیا، پھر وضو کے بقیہ مسائل کا ذکر فرمایا۔ اس کا کچھ لوگوں نے یہ جواب دیا کہ امام بخاری کا مقصود احادیث کا ذکر کرنا ہے، ابواب ضمنی طور پر مذکور ہیں، ان کے مابین کوئی خاص مناسبت ضروری نہیں۔ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے اس کا رد فرمایا اور یہ بات بھی واقعہ کے خلاف ہے، محققین کا کہنا ہے کہ فقہ البخاری فی الابواب اور بہ نظر دقیق سارے ابواب مرصع ہار کے موتیوں کی طرح مناسبت ہیں۔ البتہ ان کے تناسب کا جاننا سب کا کام نہیں، دونوں نے ذوق کے مطابق جوابات دیئے ہیں۔ میرے ذوق پر بات یہ ہوئی کہ وضو کے لیے تسمیہ کا بیان ضروری تھا، مگر امام بخاری کو ان کے شرط پر کوئی حدیث نہیں ملی، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے کہ کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے ہی نہیں، تو انہوں نے اوپر والی حدیث سے قیاس کر کے وضو میں تسمیہ کے مشروع ہونے پر استدلال فرمایا اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب میں اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ''التسمیة علی کل حال'' کہہ کر اشارہ فرمایا' جس طرح بات سے بات نکلتی ہے التسمیۃ علیٰ کل حال سے ذہن اس طرف گیا کہ بیت الخلاء جاتے وقت کی بھی دعا ہے تو اس کا باب باندھا' پھر جب بیت الخلاء کا ذکر چھڑ گیا تو اس کے متعلق دوسرے ابواب باندھے اس سے فارغ ہو کر اصل باب یعنی وضو کی تفصیلات بیان فرمائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعاذہ کی حکمت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استعاذہ اُمت کی تعلیم کے لیے تھا اور اظہارِ عبودیت کے لیے ورنہ بہ اجماعِ اُمت شیاطین وا جنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفوظ ہیں' شیاطین کو حضور پر کوئی بھی قدرت نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شیطان کو پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دیا تھا۔

مستحب یہ ہے کہ اس دعا سے پہلے بسم اللہ بھی پڑھے جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ معمری نے مسلم کی شرط پر حدیث مذکور بہ طریق عبدالعزیز بن مختار عبدالعزیز' صہیب سے یوں روایت کی: ''اذا دخلتم الخلاء فقولوا بسم الله اعوذ الخ'' کتاب ابن عدی میں ہے کہ سعید بن زید نے کہا: ''كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا دخل الكنيف قال بسم الله ثم يقول اللّٰهم انى اعوذ بك'' اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے مگر جب یہ مضمون ایک حدیث صحیح سے ثابت ہے تو مدعیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بیت الخلاء سے باہر کی دعا

بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد کی بھی مختلف دعائیں احادیث میں آئی ہیں' مگر ان میں کوئی بھی امام بخاری کی شرط پر نہیں تھی اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔ ترمذی' حاکم' ابن حبان' ابن خزیمہ' ابن ابی الجارود' ابوعلی طوسی نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو پڑھتے: ''غفرانك'' ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو یہ دعا پڑھتے: ''الحمد لله الذى اذهب عنى الاذى وعافانى'' دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے یہ دعا مرفوعاً نقل فرمائی: ''الحمد لله الذى اخرج عنى ما يوذينى وامسك ما ينفعنى'' نیز دار قطنی ہی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ دعا روایت کی: ''الحمد لله الذى اذاقنى لذته وابقى علىٰ قوته واذهب عنى اذاه''۔

بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد طلبِ مغفرت میں حکمت یہ ہے کہ شرمگاہ پر نظر پڑنے سے وسا وس آنے کا خطرہ قویہ ہوتا ہے عام انسان اس سے بہ مشکل بچ پاتے ہیں' فارغ ہونے کے بعد استغفار کی تعلیم دی تا کہ وہ دور ہو جائیں۔

١٠٥- ح: وَضْعُ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ [رفع حاجت کے وقت پانی رکھنا]

١٠٥- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهٗ وَضُوْءًا قَالَ مَنْ وَّضَعَ هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے گئے' میں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھا دریافت فرمایا: کس نے رکھا ہے؟ حضور کو جب بتایا گیا تو یہ دعا فرمائی اے اللہ! اسے دین میں سمجھ عطاء فرما!

(ایضاً۔ مسلم۔ فضائل ابن عباس' نسائی۔ کتاب المناقب' مسند امام احمد)

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذہانت وذکاوت تھی کہ بغیر حکم کے از خود پانی رکھ دیا۔ اس پر مسرور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا دی' اس کی برکت سے یہ حبرِ اُمت ہو گئے' اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کی خدمت بغیر حکم کے بھی کرنی چاہیے اور مخدوم کو چاہیے کہ ان کے عوض خادم کو دعائے خیر دے' اکابر کے لیے استنجاء' وضو اور دیگر ضروریات کے لیے پانی رکھنا بہتر ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کام

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

...ل سے لیا جائے۔

١٠٦- ح: إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ

[جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے]

١٠٦- عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو قبلہ کو نہ منہ کرے اور نہ پیٹھ کرے، مشرق کو منہ کر دیا مغرب کو۔

(ایضاً۔ بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: قبلۃ اھل المدینۃ۔ ج ١ ص ٥٧، مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ١٣٠، ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ٣، ترمذی۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ٦، نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ١٩، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ٢٧)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوایوب، خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم الانصاری بخاری رضی اللہ عنہ، یہ وہ فخر روزگار صحابی ہیں جنہیں ابتداء ہجرت میں ایک ماہ تک میزبان دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں، مدینہ کے مشہور معزز قبیلے بنی نجار کے چشم و چراغ ہیں، یہ وہی قبیلہ ہے جس میں حضور کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی، حضرت ابوایوب عقبہ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، آپس کی محاربات میں آپ ہمیشہ حضرت علی کے ساتھ رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا، اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر پہلا لشکر بھیجا تو اس بشارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اکابر صحابہ بھی ساتھ ہوئے، ان میں حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے، عین معرکہ کے وقت بیمار ہوئے، جب امید زیست نہ رہی تو ساتھیوں سے فرمایا: دشمن کی زمین میں جتنا قریب ہو سکے مجھے دفن کرنا، قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے قبر کھودی گئی، رات میں دفن کیے گئے، رومیوں نے پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ اس لشکر میں یزید پلید بھی شریک تھا، اس نے جواب دیا: ہمارے رسول کے میزبان معزز صحابی کی وفات ہوگئی ہے، ان کو دفن کر رہے ہیں، اگر ان کی قبر مٹائی گئی تو عرب میں ناقوس نہ بج پائے گا۔ اب تک ان کا مزار پرانوار قسطنطنیہ میں موجود ہے، اگر بارش نہیں ہوتی ہے تو ان کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے[1] ان سے ایک سو پچاس احادیث مروی ہیں، سات متفق علیہ، تنہا بخاری نے صرف ایک روایت کی ہے۔

تکمیل

کتاب الصلوٰۃ، باب: قبلۃ اھل المدینۃ، ص ٥٧ پر اتنا زائد ہے: حضرت ابوایوب نے فرمایا: جب ہم شام میں آئے تو ان کے بیت الخلاؤں (بیت الخلاؤں) کو ہم نے کعبہ کے رخ بنا ہوا دیکھا، ہم ہٹ جاتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے۔ بخاری کے علاوہ یہ اضافہ ترمذی میں بھی ہے نسائی میں کچھ تغیر کے ساتھ یوں ہے کہ ان قدچوں (بیت الخلاؤں) کو دیکھ کر حضرت ایوب نے فرمایا: بخدا! میں نہیں جان سکا کہ ان کے ساتھ کیا کروں!

[1] ...سی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

"منحرف" کی تشریح

"فننحرف عنها" میں چار احتمالات ہیں' ایک یہ کہ "عنها" کی ضمیر کا مرجع قبلہ کو مانا جائے تو دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ ہم قبلہ رُو ہونے سے پوری طرح انحراف کر کے بیٹھتے' دوسرے یہ کہ جہاں تک انحراف ممکن تھا' کرتے یا ضمیر کا مرجع مراحیض کو مانا جائے تو تیسرا احتمال یہ ہوا کہ ہم ان قدمچوں (بیت الخلاؤں) کی پابندی نہ کرتے' ترچھے بیٹھتے یا ہم ان استنجا خانوں کو استعمال نہ کرتے' ان سے ہٹ آتے۔

"نستغفر الله" سے مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ استنجا خانے قبلہ رخ بنے تھے' ان کی شناعت پر استغفار کرتے یا چونکہ ممانعت سمت قبلہ رخ کرنے کی ہے' بہ قدرِ امکان ترچھے بیٹھنے پر سمت قبلہ رخ ہو ہی جاتا' اس لیے استغفار کرتے' اور پہلی چوتھی تقدیر پر مراد یہ ہے کہ اپنے لیے نہیں' ان استنجا خانوں کے بنانے والوں کے لیے استغفار کرتے' اگر یہ معلوم ہوتا کہ اس کے بانی مسلمان ہیں۔

باب سے مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے' یہ ہے: پاخانہ اور پیشاب کے وقت قبلہ کو منہ نہ کرے مگر عمارت میں یا دیوار وغیرہ کے قریب۔ اس کے تحت جو حدیث نقل فرمائی ہے' اس میں یہ استثناء نہیں' وہ عام ہے' اس کا جواب اسماعیلی نے یہ دیا کہ "غائط" کے لغوی معنی کشادہ نیچی زمین کے ہیں اور حدیث میں یہی مراد ہے' اس لیے استثناء صحیح ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہ سب سے قوی جواب ہے' اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا کہ "غائط" کے عرفی معنی خارج شدہ نجاست کے ہیں' عرف میں لغوی معنی مجہور ہو گیا ہے' اب یہ اس معنی میں حقیقت عرفیہ ہو گیا' اس لیے اس سے عدول جائز نہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی حدیثوں میں غائط کے ساتھ بول بھی مروی ہے۔ غائط کا بول کے ساتھ ذکر معنی عرفی کو معین کر رہا ہے' ورنہ یہ ارشاد مہمل ہو جائے گا۔

ابن بطال نے یہ جواب دیا ہے اور ابن منیر نے بھی اس کی متابعت کی ہے کہ یہ استثناء بعد والی حضرت ابن عمر کی حدیث سے ماخوذ ہے اور چونکہ تمام احادیث مثل حدیث واحد کے ہیں' جیسے قرآن مجید کی تمام آیات مثل ایک آیت کے ہیں' اس لیے ایک حدیث سے دوسری کی تخصیص درست۔ علامہ عینی نے اس پر یہ فرمایا کہ پھر اسی حدیث کے ساتھ اس باب کو باندھتے۔ ابن منیر نے ایک جواب یہ دیا کہ استقبال قبلہ میدان ہی میں ہو گا' عمارت میں یا دیوار وغیرہ جبکہ حائل ہو تو استقبال نہ ہوا۔ علامہ عینی نے فرمایا: یہ درست نہیں' آدمی گھر میں قبلہ کو منہ کرے یا میدان میں' ہر جگہ قبلہ کو منہ ہو گا' گھر میں دیوار حائل ہے تو میدان میں پہاڑ ٹیلے اور خود زمین حائل ہے۔

اخیر میں علامہ عینی نے فرمایا کہ چونکہ امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے' اس لیے ان کا یہ استثناء صحیح ہے۔ جس کو یوں کہیے کہ باب باندھ کر امام بخاری نے یہ افادہ کرنا چاہا ہے کہ یہ حدیث عام نہیں' مخصوص منہ البعض ہے' اسی قسم کے افادات امام بخاری کے ابواب میں جگہ جگہ ہیں۔

قبلہ کو منہ یا پیٹھ کر کے قضاء حاجت جائز نہیں' اس سے متعلق سات مذاہب

قبلہ کو منہ یا پیٹھ کر کے قضاء حاجت جائز نہیں' اس سلسلے میں سات مذہب ہیں:

مذہب اوّل: احناف کا مسلک یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ کرنا یا پیٹھ کرنا جائز نہیں' خواہ گھر کے اندر ہو یا میدان میں اور یہی مذہب راوی حدیث حضرت ابوایوب اور امام مجاہد اور امام نخعی وسفیان ثوری اور ابوثور صاحب شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے' احناف کی مستدل یہ حدیث ہے اور اس کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(۱) عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

انا اوّل من سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یبولن احدکم مستقبل القبلۃ وانا اوّل من حدث الناس بذلك.

سب سے پہلے میں نے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قبلہ کی جانب منہ کر کے پیشاب مت کرو اور میں نے ہی سب سے پہلے لوگوں سے اسے بیان کیا۔

ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین ببول او غائط.

رسول اللہ ﷺ نے پیشاب یا پاخانے کے وقت دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے ہمیں سے منع فرمایا۔

دوسرا قبلہ بیت المقدس ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اہل مدینہ اور ایسے بلاد کے لیے خاص ہے جو بیت المقدس اور کعبہ کے مابین ہیں۔

(۳) مسلم اور چاروں صحاح میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لقد نھانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول.

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلہ کو منہ کریں۔

(۴) مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انا منکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یستدبرھا.

میں تم پر باپ کی طرح شفیق ہوں، تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم پاخانے میں آؤ تو قبلہ کو نہ منہ کرو نہ پیٹھ۔

یہ تمام احادیث عام ہیں، نہ ان میں مکان کا استثناء ہے اور نہ میدان کی تخصیص اور مناط حکم بیت اللہ کی تعظیم ہے۔ اس کی جانب منہ کرنے میں مکان و میدان سب برابر ہیں، اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو میدان میں پہاڑ اور ٹیلے بھی حائل ہیں۔ علاوہ ازیں عادت یہ ہے کہ انسان قضاء حاجت کسی نیچی جگہ کرتا ہے تو اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو وہاں بھی حائل موجود ہے پھر جبکہ زمین کروی ہے تو درمیانی بلندی ہر جگہ حائل، تو لازم ہوا کہ مکان کی طرح میدان میں بھی ممانعت نہ رہے۔ اس عقلی استدلال سے قطع نظر کرتے ہوئے احادیث کے عموم اس کی دلیل ہیں کہ یہ حکم میدان کے ساتھ خاص نہیں، نیز منہ اور پیٹھ کرنے میں کوئی تفریق نہیں۔

مذہب ثانی: مطلقاً جائز ہے، یہ عروہ بن زبیر اور ربیعہ الرؤی اور داؤد کا مذہب ہے، ان کی دلیل حدیث حضرت جابر ہے، جیسے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم روایت فرماتے ہیں:

نھانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ او نستدبرھا ببول ثم رأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلھا

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا تھا کہ پیشاب کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کریں، پھر وصال سے ایک سال پہلے میں نے دیکھا کہ حضور قبلہ رو پیشاب کر رہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ممانعت تھی مگر بعد میں منسوخ ہو گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ تعارض کے وقت ہوتا ہے جبکہ تطبیق نہ ہو سکے اور یہاں تعارض سے ہی نہیں، جس کی تفصیل ابھی آتی ہے۔

مذہب ثالث: قبلہ کی جانب منہ کرنا کہیں بھی جائز نہیں نہ عمارت میں نہ میدان میں اور پیٹھ کرنا ہر جگہ مباح ہے، حضرت امام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اعظم سے ایک روایت مرجوحہ یہ بھی ہے' اس لیے کہ عام روایات میں صرف استقبال کی ممانعت ہے۔

مذہب رابع: عمارت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا دونوں جائز ہیں' میدان میں دونوں ناجائز۔

مذہب خامس: قبلہ کی جانب منہ کرنا مطلقاً ممنوع' البتہ عمارت میں ہو تو قبلہ کی جانب پیٹھ کرنا ممنوع نہیں' صحرا میں منع ہے' ان کی دلیل بھی وہی حدیث: ۱۰۸ ہے' وہ اس طرح کہ اس میں عمارت میں قبلہ کی جانب پیٹھ کرنے کی روایت ہے' اس سے ثابت ہوا کہ قبلہ کی جانب پیٹھ کرنی جائز ہے' جبکہ عمارت میں ہو اور منہ کرنا بہرحال حرام رہا' اور میدان میں پیٹھ کرنا بھی ممنوع رہا۔ ایک روایت کی بناء پر امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے۔

مذہب سادس: کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مطلقاً تو منع ہے ہی بیت المقدس کی طرف بھی مطلقاً منع ہے' جیسا کہ معقل بن یسار کی حدیث میں تصریح ہے' یہ ابراہیم اور ابن سیرین کا مذہب ہے۔

مذہب سابع: یہ عدم جواز اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے' دوسری جگہوں کے لیے مطلقاً ممانعت نہیں' یہ ابو عوانہ کا مذہب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرق کو منہ کرو یا مغرب کو' حالانکہ مکہ معظمہ کے مغرب یا مشرق کے بلاد میں مشرق یا مغرب منہ کرنے میں بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ ضرور ہوگی' البتہ مدینہ طیبہ میں نہیں ہوگی تو معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف اہل مدینہ کے ساتھ ہے۔

بخاری کی اس حدیث میں صرف منہ کرنے کی ممانعت ہے' مگر حضرت ابو ہریرہ والی چوتھی حدیث میں تصریح ہے کہ ''ولا یستدبرھا'' اور نہ قبلہ کو پیٹھ کرے' اس لیے جس طرح قبلہ کو منہ کرنا منع ہے' اسی طرح پیٹھ کرنا بھی منع ہے۔

استنجاء کے اور احکام

اگر میدان میں قضاء حاجت کے لیے جائے تو بہت دور نکل جائے یا پردہ کر لے' جب تک زمین کے قریب نہ ہو لے' ستر نہ کھولے' جیسا کہ حدیث میں ہے' سر چھپالے' حضرت ابوبکر کی سنت ہے۔ بات نہ کرے' یہ حضرت عثمان سے مروی ہے' بائیں ہاتھ سے استنجاء کرے' فراغت کے بعد مٹی سے ہاتھ مل کر دھوئے۔ یہ حدیث میں ہے' ڈھیلا استعمال کرے' گوبر وغیرہ نجاست اور ہڈی نہ استعمال کرے' کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے' چاند یا سورج کی جانب منہ نہ ہو' حدیث میں ممانعت ہے' جمع شدہ پانی میں' راستے' سائے میں' پھلوں کے گرنے کی جگہ' ندیوں نالوں تالابوں کے کنارے قضاء حاجت نہ کرے' بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے' عضو تناسل کو تین بار سونت لے۔

۱۰۷ - ح: اِرْتَقَيْتُ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا

[میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا]

۱۰۷ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ نَاسًا يَّقُوْلُوْنَ اِذَا قَعَدْتَّ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهٖ وَقَالَ لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَوْرَاكِهِمْ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ وَاللّٰهِ قَالَ مَالِكٌ يَّعْنِي الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَلَا يَرْتَفِعُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تم قضاء حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی جانب منہ نہ کرو۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: میں ایک دن اپنے ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو اچانک میری نظر پڑ گئی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب منہ کیے بیٹھے ہیں اور فرمایا: شاید تو ان میں سے ہے جو سرین کے بل نماز پڑھتے ہیں' میں نے عرض کیا: بخدا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عِنِ الْاَرْضِ يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْاَرْضِ. میں نہیں جانتا۔ امام مالک نے فرمایا: ان کا مطلب یہ تھا کہ جو نماز پڑھے اور زمین سے نہ اُٹھے، سجدے کی حالت میں زمین سے چپکا رہے، یعنی پیٹ ران سے، ران پنڈلی سے ملا کر سجدہ کرے۔

(ایضاً۔ بخاری۔ باب: التبرز في البيوت۔ ج۱ ص۲۷۔ کتاب الجہاد۔ باب: بيوت ازواج النبي۔ ج۱ ص۴۳۷، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ، مؤطا۔ کتاب القبلہ، دارمی۔ کتاب الوضو، مسند امام احمد)

تکمیل

یہاں "على ظهر بيت لنا" ہے اور "بيوت ازواج النبي" ج۱ ص۴۳۷ میں "فوق بيت حفصة" ہے، حضرت حفصہ ان کی بہن تھیں، ان کے گھر کو اپنا گھر کہہ دیا، ہو سکتا ہے کہ جس وقت یہ حدیث بیان کی اس وقت یہ بہ طور وراثت انہیں کی ملک رہا ہو۔ یہاں صرف "مستقبلا بيت المقدس" ہے اور "التبرز في البيوت" ص۲۷، اور بیوت ازواج، ص۴۳۷ میں ہے "مستدبر القبلہ مستقبل الشام" ہے، حاصل دونوں کا ایک ہے، جب شام یا بیت المقدس کو منہ ہوگا تو قبلہ کو پیٹھ ضرور ہوگی۔

ف: اس سے یہ بات واضح ہے کہ عہد صحابہ میں یہ بات مشہور تھی کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل اور اس کا جواب

یہی حدیث امام مالک اور امام شافعی کی دلیل ہے، اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ احادیث میں قضاء حاجت کے وقت منہ یا پیٹھ نہ کرنے کا حکم عام ہے اور یہ ایک خاص واقعہ ہے اور خصوص واقعہ کے لیے عموم نہیں ہوتا، علاوہ ازیں وہ قول ہے اور یہ فعل اور فعل رسول میں اس کا بھی احتمال رہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضور کے ساتھ خاص ہو، اس لیے قول کے متعارض جب فعل ہو تو ترجیح قول کو ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ قول رسول ہے اور یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد اور ظاہر ہے کہ ارشادِ رسول کے مقابلے میں صحابی کے اجتہاد کو کبھی ترجیح نہ ہوگی، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد نہیں، صریح فعل رسول ہے۔ بعض ابنائے زمانہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی ہوئی، انہوں نے صرف منہ یا سینہ دیکھا ہوگا چونکہ حالت ایسی نہ تھی کہ اسے بہ غور دیکھتے، اچانک نظر پڑ گئی، انہوں نے منہ یا زیادہ سے زیادہ سینہ دیکھا ہوگا کہ بیت المقدس کی طرف ہے، حالانکہ استنجاء کے وقت اصل میں منہ یا سینہ قبلہ کی طرف کرنے کی ممانعت نہیں، بلکہ اعضاء استنجاء کے لیے ممانعت ہے، لیکن حدیث کے الفاظ کو بہ غور پڑھنے والا بہ خوبی معلوم کر لے گا کہ یہ محض سخن سازی ہے۔ حضرت ابن عمر کی نظر آنحضور پر اگرچہ اچانک اس حالت میں پڑی تھی مگر جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ پوری تفصیل سے دیکھا۔ غور کیجیے! کہتے ہیں کہ میں نے کچی اینٹوں پر بیٹھے دیکھا، جب یہاں تک دیکھا کہ اینٹوں پر بیٹھے ہیں، وہ بھی پکی نہیں کچی تھیں، وہ بھی صرف دو پر، تو صرف سینے تک دیکھنے کو محدود کرنا درست نہیں، پھر ایسے مشتبہ دیکھنے کو مدارِ حکم ٹھہرانا حضرت ابن عمر سے بعید ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اگرچہ ان کی نظر اچانک ہی پڑی، مگر جو بیان کر رہے ہیں، وہی دیکھا۔

حضرت صدر الشریعہ کی محققانہ توجیہ

اصل توجیہ اس حدیث کی وہ ہے جو مرشدی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ نے فرمائی کہ جن کے سامنے کعبہ نہ ہو، ان کو سمت کعبہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے اور کعبہ جن کے سامنے ہو انہیں عین کعبہ کی طرف منع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ساری دنیا تھی جیسا کہ خود انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

ان اللّٰه قد رفع لي الدنيا فانا انظر اليها الى ما ... اللہ نے دنیا میرے سامنے کر دی ہے، میں دنیا کو اور دنیا میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

هو كائن فيها الٰى يوم القيٰمة كانى انظر الٰى كفى هٰذا. قیامت تک جو کچھ ہوگا' سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

جب آنحضور کے سامنے پوری دنیا تھی تو حضور کی نگاہِ انور کے سامنے کعبہ بھی ہوگا' آپ کی پشت مبارک عین کعبہ کی جانب نہ تھی' صرف سمت کعبہ کی جانب تھی۔ حضرت ابن عمر نے صرف سمت شام کی جانب منہ اور سمت کعبہ کی جانب پیٹھ کرنے کو دیکھا۔ اور یہی جواب مذہب ثانی کی مؤید حدیث جابر کا بھی ہے کہ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے پیش نظر عین کعبہ تھا' اس سے بچ کر سمت قبلہ کی جانب پیشاب کیا' حضرت جابر نے اسی کو دیکھا اور اسی پر جواز کا قول فرمایا۔ اس وقت حضور اقدس ﷺ کا چہرۂ مبارک سمت بیت المقدس اور پشت اقدس سمت قبلہ میں تھی' عین کعبہ کی جانب نہ تھی۔ اس پر دلیل ان تینوں شہروں کا جغرافیائی وقوع ہے' اس لیے کہ مکہ معظمہ کا طول البلد ٦٧ درجے ٣٣ دقیقے پر ہے اور عرض البلد ٢١ درجے ٤٠ دقیقے پر ہے' مدینہ طیبہ ٥٧ درجے ٢٠ دقیقے' طول البلد پر ٢٥ درجے' عرض البلد پر اور بیت المقدس ٣٦ درجے اور ٢٠ دقیقے طول پر اور ٣٢ درجے ٢ دقیقے عرض پر ہے۔

جب بیت المقدس اور مدینہ طیبہ میں ٩ ٣ درجے طول کا اور مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ٧ درجے ٤ دقیقے کا تفاوت ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ عین بیت المقدس کی جانب جس کا منہ ہو' اس کی پیٹھ عین قبلہ کی جانب ہو' اگر عین بیت المقدس کی جانب منہ ہوگا تو پشت کبھی بھی عین کعبہ کی جانب نہ ہوگی' اگر دونوں ایک طول البلد پر ہوتے تو ایسا ممکن تھا کہ لامحالہ حضور کی نشست میں منہ سمت بیت المقدس کی جانب اور پیٹھ سمت قبلہ کی جانب تھی' یا منہ عین بیت المقدس کی جانب تھا تو پیٹھ سمت قبلہ کو تھی' عین کعبہ کو ہرگز نہ تھی۔

حدیث عراک کی بحث

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ابن ماجہ نے عراک بن مالک سے روایت کی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی ﷺ کے سامنے یہ تذکرہ ہوا کہ کچھ لوگ قبلہ کی جانب شرمگاہ کرنے کو بُرا جانتے ہیں۔ فرمایا: میرے استنجا خانے کی بیٹھک قبلہ رو کر دو۔ اس کا جواب شارحین نے یہ دیا کہ یہ حدیث لائق استناد نہیں۔ علل ترمذی میں ہے: محمد نے کہا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت اُم المؤمنین کا قول ہے۔ ابن حزم نے کہا: یہ حدیث ساقط ہے' اس لیے کہ اس کے ایک راوی خالد بن ابی صلت مجہول ہیں' امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عراک کا اُم المؤمنین سے سماع ثابت نہیں۔ عینی ج ٢ ص ٢٨١' میزان میں امام ذہبی نے فرمایا کہ خالد بن ابی صلت منکر ہے' یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی' مگر انہوں نے اس پر عمل نہیں فرمایا[1]۔ ظاہر ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اسی بناء پر ہوگا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث لائق استناد نہیں۔

''لاصق بالارض'' کی توجیہ

حضرت ابن عمر کی مراد غالباً یہ ہے کہ تو اُجڈ اور جاہل ہے' جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ سجدہ کرنا کیسے سنت ہے؟ اسی وجہ سے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ممانعت صرف میدان میں ہے' گھر کے اندر نہیں۔ واسع بن حبان نے کہا: میں نہیں جانتا' یعنی یہ نہیں جانتا کہ ان لوگوں میں ہوں یا نہیں' یا یہ کہ میں نہیں جانتا کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ کرنے میں عمارت اور میدان کا فرق ہے' لیکن یہ توجیہ اس صورت میں درست ہوگی جب کہ ''ان ناسا يقولون'' واسع بن حبان کا مقولہ مانا جائے' مگر واقع میں ایسا نہیں۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے جیسا کہ مسلم شریف میں تصریح ہے: ''فقال عبد الله يقول ناس'' تو اب واسع کو اُجڈ کہنے کا کوئی محل نہیں۔ صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس میں یہاں اختصار ہے۔ مسلم شریف میں ابتدائی حصہ یوں ہے: واسع نے کہا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت عبداللہ

---

[1] بیہقی' دار قطنی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابن عمر بیٹھے تھے نماز سے فارغ ہو کر میں ان کی جانب مڑا تو انہوں نے فرمایا: کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں، الخ۔ ہوسکتا ہے واسع بن حبان کے سجدے میں یہ بات دیکھی ہو اور انہیں تنبیہ فرما دی۔

١٠٨- ح: اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ

[ازواج نبی ﷺ رات کے وقت (رفع حاجت کے لیے) جاتیں]

١٠٨- عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ اِذَا تَبَرَّزْنَ اِلَى الْمَنَاصِعِ وَهُوَ صَعِيْدٌ اَفْيَحُ وَكَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْجُبْ نِسَائَكَ فَلَمْ يَكُنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ اللَّيَالِيْ عِشَآءً وَكَانَتِ امْرَاَةً طَوِيْلَةً فَنَادَاهَا عُمَرُ اَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى اَنْ يُّنْزَلَ الْحِجَابُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ الْحِجَابِ. (مسلم۔ کتاب الاستیذان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج رات میں مناصع کی طرف رفع حاجت کے لیے جاتیں، اور مناصع لمبا چوڑا میدان ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے عرض کیا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو پردے کا حکم دیجئے، پھر بھی رسول اللہ ﷺ ایسا نہ کرتے، سودہ بنت زمعہ زوجہ نبی ﷺ ایک رات عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لیے نکلیں، وہ لمبے قد کی عورت تھیں، تو حضرت عمر نے پکار کر ان سے کہا: سنو! اے سودہ! ہم نے تمہیں پہچان لیا، ان کی خواہش یہ تھی کہ حجاب نازل ہو تو اللہ نے حجاب اتارا۔

١٠٩- ح: قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ

[تمہیں اپنی ضرورت کے لیے باہر جانے کی اجازت دی گئی ہے]

١٠٩- عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ فِيْ حَاجَتِكُنَّ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي الْبَرَازَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: تمہیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ اپنی ضرورت کے لیے باہر جاؤ۔ ہشام نے کہا: یعنی قضاء حاجت کے لیے۔

(کتاب التفسیر۔ باب: لا تدخلوا بیوت النبی۔ ج ٢ ص ٧٠٧۔ کتاب النکاح۔ باب: خروج النساء لحوائجھن۔ ج ٢ ص ٧٨٨)

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

بنت زمعہ بن قیس بن عبدود قرشیہ عامریہ یہ قدیم الاسلام ہیں، ان کا نسب لوی پر جا کر شجرۂ نبوی سے مل جاتا ہے۔ ان کا نکاح پہلے ان کے چچا کے لڑکے سکران بن عمرو بن عبد شمس سے ہوا تھا، ان کے یہ شوہر بھی انہیں کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے، ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی تھی، پھر مکہ واپس آئے، ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ١٠ نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقد سے پہلے، یہی مشہور ہے۔ حضور اقدس ﷺ سے نکاح سے قبل حضرت سودہ نے یہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا پائے اقدس رکھا، یہ خواب اپنے شوہر سکران سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: اگر تم سچ کہتی ہو تو میں عنقریب مر جاؤں گا اور تم سے حضور نکاح کریں گے۔ اس کے بعد پھر دیکھا، وہ تکیہ لگائے بیٹھی ہیں اور ایک چاند آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آ گیا ہے۔ اس خواب کو بھی سکران کو سنایا تو انہوں نے وہی تعبیر بتائی، اسی دن سکران بیمار ہو گئے اور چند دن کے بعد فوت ہو گئے، پھر آنحضرت ﷺ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نے ان سے نکاح کر لیا، مکہ میں زفاف بھی فرمایا۔ یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئیں، اخیر عمر میں جب کبیر السن ہو گئیں، اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا، پھر کبھی باہر نہ نکلیں۔ علیٰ اختلاف روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں وصال ہوا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ ان کا جنازہ رات میں اُٹھایا جائے یا شوال ۵۴ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ میں وصال ہوا۔ یہ بہت قدآور جسیم خاتون تھیں، ان سے پانچ حدیثیں مروی ہیں، دو بخاری نے تخریج کی ہیں، باقی سنن اربعہ میں مروی ہیں۔

تکمیل

یہ دونوں حدیثیں ایک مفصل حدیث کا جزء ہیں، جو کتاب التفسیر میں مفصل مذکور ہے، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پردے کی پابندی کے بعد (اُم المؤمنین) سودہ اپنی ضرورت کے لیے نکلیں اور یہ جسیم عورت تھیں، انہیں جو پہچانتا تھا اس سے (پردہ کے باوجود) چھپ نہیں سکتی تھیں۔ انہیں حضرت عمر بن خطاب نے دیکھا تو کہا: اے سودہ! سنو! بخدا! تم ہم سے چھپ نہیں سکیں، دیکھو کیسے نکلتی ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ سودہ لوٹ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے، حضور کے دست مبارک میں گوشت والی ہڈی تھی، سودہ اندر آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! میں اپنی ضرورت کے لیے نکلی تھی تو عمر نے ایسے ایسے کہا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ اللہ نے حضور کی طرف وحی کی، پھر نزولِ وحی کی کیفیت فرو ہوئی اور وہ ہڈی حضور کے دست مبارک ہی میں رہی، اسے رکھا نہیں اور ارشاد فرمایا: تم لوگوں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ اپنی ضرورتوں سے باہر جا سکتی ہو۔ کتاب النکاح میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے۔

لغات

''اذا تبرزن'' اس کا مادہ براز ہے، جس کے معنی وسیع میدان کے ہیں۔ ''تبرز'' کے معنی لغوی وسیع میدان میں جانا، عرفی معنی قضاء حاجت کے لیے میدان میں جانا۔ براز باء کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے، اس کا معنی مقابلہ کے لیے نکلنا ہے۔ ''مناصع''، ''منصع'' کی جمع ہے، اس کا مادہ نصوع ہے، جس کے معنی خالص ہونے کے ہیں، ناصع ہر چیز کے خالص کو کہتے ہیں۔ ''ابیض ناصع، اصفر ناصع'' اصمعی نے کہا: وہ بیل جو خالص ایک رنگ کا ہو، مثلاً صرف سفید، صرف زرد، صرف سرخ اس کو بھی ناصع کہتے ہیں۔ عباب میں ہے کہ مناصع کے معنی مجالس کے ہیں۔ ابو سعید نے کہا: مناصع ان جگہوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ قضاء حاجت کیا کرتے ہیں۔ ازہری نے کہا کہ مناصع مدینہ سے باہر ایک جگہ کا نام تھا۔ یہی ابن جوزی نے کہا کہ مدینہ سے باہر ایک لمبا چوڑا میدان تھا جہاں قضاء حاجت کے لیے لوگ جاتے تھے، اسی کو مناصع کہتے تھے۔ سیاقِ حدیث بھی اسی کا مؤید ہے، معنی لغوی کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ وہ عمارتوں سے خالی تھا۔ ''صعید'' کے معنی ہیں: زمین کی سطح، ''افیح'' کے معنی لمبے چوڑے وسیع کے ہیں۔

تطبیق

حدیث: ۱۰۸، اور ۱۰۹ میں بہ ظاہر تعارض ہے، سرسری طور پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، مگر حدیث: ۱۰۸ کا صریح منطوق یہ ہے کہ یہ واقعہ نزولِ حجاب سے پہلے کا ہے۔ اور حدیث: ۱۰۹ میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے۔ نیز حدیث: ۱۰۸ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ازواجِ مطہرات کو باہر نکلنے سے روک دیا گیا اور حدیث: ۱۰۹ میں تصریح ہے کہ اس کے بعد بھی قضاء حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت باقی رہی۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں حضرت عمر کی خواہش یہ تھی کہ ازواجِ مطہرات رات میں بھی چہرہ چھپا کر نکلیں، ان کی یہ خواہش پوری ہوئی، مگر پھر بھی ازواجِ مطہرات کے لیے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان کی غیرت نے یہ بھی نہیں پسند فرمایا کہ وہ پردے کے ساتھ باہر نکلیں' تو انہوں نے یہ چاہا کہ اس پر بھی پابندی ہو جائے' مگر ضرورت کی بناء پر یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حدیث:۱۰۸ میں جو وارد ہے کہ ''احجب نساء ك'' اس سے مراد یہ ہے کہ رات میں منہ چھپائے بغیر نہ نکلیں۔ اور ''انزل الحجاب'' سے مراد چہرہ چھپا کر نکلنا ہے' اور حدیث:۱۰۹ میں ''بعد ما ضرب الحجاب'' سے مراد چہرے کا چھپا کر نکلنا ہے' اسی کو فرمایا کہ یہ اظہر الاحتمالین ہے' اس خادم کی بھی یہی رائے ہے۔

مصنف کی تحقیق کہ یہ دو واقعے ہیں

مگر اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دو واقعے ہیں اور دونوں حدیثوں میں حجاب کے ایک ہی معنی ہیں' جیسا کہ علامہ کرمانی' علامہ برماوی' علامہ قسطلانی کی رائے ہے۔ اب علامہ ابن حجر کا کتاب التفسیر میں' علامہ کرمانی کی اس رائے پر یہ تعقب سمجھ میں نہیں آتا' جو فرمایا: ''بل المراد بالحجاب الاوّل غير الحجاب الثاني'' اوّل حجاب سے ثانی حجاب کا غیر مراد ہے۔ حالانکہ اس کے بعد جو حاصل سے بیان فرمایا' وہ وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ واقعات دو ہیں' اس اضطراب کی توجیہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث:۱۰۸ میں جو حجاب حضرت عمر کا مقصود تھا وہ حدیث:۱۰۹ میں مذکور حجاب کے علاوہ تھا۔ اس طرح کہ حدیث:۱۰۸ میں حجاب سے چہرے کا چھپا کر نکلنا مراد ہے اور حدیث:۱۰۹ میں حضرت عمر کی خواہش یہ ظاہر ہوتی ہے کہ گھروں سے بالکل نہ نکلنے دیا جائے۔ ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث:۱۰۸ کو پہلے کا واقعہ مانا جائے اور حدیث:۱۰۸ کو بعد کا۔ اور حدیث:۱۰۹ میں ''ضرب الحجاب'' سے مراد چہرے کا چھپا کر نکلنا مراد ہے۔ اور حدیث:۱۰۹ میں ''احجب نساء ك'' سے مراد گھروں سے نہ نکلنا مراد ہو۔ ''وانزل الحجاب'' سے آیہ کریمہ ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' مراد ہو۔

آیۃ الحجاب سے کیا مراد ہے؟

یہاں مستملی کے نسخہ میں آیۃ الحجاب ہے۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں بہ طریق زبیدی ابن شہاب سے یوں روایت کی ہے:

فانزل الله الحجاب: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ. (الاحزاب:۵۳)

تو اللہ نے حجاب نازل فرمایا' یعنی یہ آیت: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اذن نہ ملے' مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود پکنے کی راہ تکو' ہاں جب بلائے جاؤ تو جاؤ اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ' نہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ' اس سے بے شک نبی کو ایذاء پہنچتی ہے' وہ جو تمہارا لحاظ فرماتے ہیں اور اللہ حق بیان فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب ازواج مطہرات سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو' اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کی زیادہ پاکیزگی ہے۔

سورۂ احزاب کی تفسیر میں خود امام بخاری نے اس آیت کے شانِ نزول میں جو حدیث ذکر کی ہے' اس سے ظاہر ہے کہ اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت ولیمہ کے موقع پر کھانا کھانے کے بعد بھی جو تین شخص بیٹھے باتیں کرتے رہے اس وقت یہ آیت اتری۔ نیز اسی میں اس کا شانِ نزول یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے خدمت اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی خدمت میں اچھے بُرے بھی حاضر ہوتے ہیں' آپ اپنی ازواج کو پردے کا حکم دیں' اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ علاوہ ازیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بہ طریق امام مجاہد اس کا شانِ نزول یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ کے ساتھ بعض اصحاب کھا رہے تھے اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عائشہ بھی شریک تھیں کہ کسی صحابی کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ پر پڑ گیا' یہ حضور کو ناگوار ہوا' اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔
ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی یہ حدیث آیت حجاب کے شانِ نزول میں ذکر کی' ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ حضور اقدس ﷺ تین بار اُٹھے کہ یہ شخص چلا جائے مگر وہ نہیں گیا' اتنے میں حضرت عمر آ گئے اور ناگواری کا اثر چہرۂ اقدس پر دیکھا تو اس شخص سے کہا: شاید تو نے رسول اللہ کو ایذاء پہنچائی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں تین بار اُٹھا کہ یہ بھی میرے ساتھ اُٹھے مگر یہ نہیں اُٹھا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ آپ پردہ کرا دیں' آپ کی ازواج اور عورتوں کی طرح نہیں۔ یہ ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہوگا' اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔

مختلف شانِ نزول میں تطبیق

علامہ ابن حجر نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ اسبابِ نزول متعدد ہو سکتے ہیں' اخیر سبب حضرت زینب کے ولیمے والا واقعہ ہے اس لیے اس آیت میں خصوصی تنبیہ اس واقعہ پر ہے۔ بقیہ واقعات چونکہ اس کے قریب قریب ہی پیش آئے' اس لیے انہیں بھی شانِ نزول قرار دیا گیا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض میں آیت حجاب سے مراد یہ آیت کریمہ ہو:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ. (الاحزاب:۵۹)

اے نبی! اپنی ازواج اور صاحبزادیوں اور مؤمنوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنے چہروں پر چادروں کا کچھ حصہ ڈالے رہیں' یہ قریب تر ہے اس سے کہ پہچان لی جائیں تو ایذاء نہ دی جائیں۔

ازواج مطہرات کے پردے کے تین مدارج

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہوا کہ ازواجِ مطہرات سے متعلق پردے کی تین صورتیں ہوئیں' ایک یہ کہ دن میں باہر نہ نکلیں رات کی تاریکی میں نکلیں' جیسا کہ حدیث: ۱۰۸ میں مذکور ہے: ''کن یخرجن باللیل'' رات میں نکلتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ رات میں بھی منہ کھولے نہ نکلیں' نکلیں تو چہرہ چھپالیں' جیسا کہ اسی حدیث ''فانزل الحجاب'' سے مستفاد ہوتا ہے اور حدیث افک میں صراحت ہے کہ اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ ہم صرف رات میں قضاء حاجت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ اور یہ طے ہے کہ واقعۂ افک نزولِ حجاب کے بعد کا ہے' اس لیے کہ حضرت اُم المؤمنین نے اس حدیث میں صاف فرمایا کہ صفوان بن معطل نے حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔ نیز یہ متفق علیہ ہے کہ حضرت زینب کے ساتھ نکاح پر ولیمے میں جو قصہ ہوا' اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی اور حدیث افک میں تصریح ہے کہ حضرت زینب بنت جحش اس وقت ازواج میں داخل تھیں اور حضور اقدس ﷺ نے ان سے بھی حضرت عائشہ کے بارے میں دریافت فرمایا' انہوں نے بھی صفائی دی۔ علامہ ابن حجر نے کتاب التفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے اور جو کتاب الوضوء میں تحریر فرما دیا تھا کہ واقعۂ افک' نزولِ حجاب سے پہلے کا ہے' کتاب التفسیر میں اس پر تنبیہ فرما دی کہ وہ لغزش تھی' اس کی تصحیح کر لی جائے۔ تیسری صورت یہ تھی کہ قضاء حاجت کے لیے بھی گھروں سے باہر جانا ممنوع ہو گیا' جیسا کہ حدیث افک کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ فرمایا: ''وذلك قبل ان تتخذ الكنف'' میدان میں قضاء حاجت کے لیے اس وقت ہم جایا کرتی تھیں جبکہ ابھی گھروں میں استنجا خانے نہیں بنے تھے۔ نیز آیت کریمہ ''وقرن فی بیوتکن'' اور اپنے گھروں ہی میں رہو' اس پر دلالت کرتی ہے۔
امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ جو پردہ مخصوص تھا' وہ یہ کہ انہیں اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بہر حال اجنبیوں سے چھپانا فرض ہے۔ حتیٰ کہ شہادت وغیرہ کے موقع پر بھی کھولنا جائز نہیں۔ نیز یہ کہ انہیں اپنی ذات کسی کے سامنے ظاہر ہونے دینا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جائز ہیں اگر چہ پردہ کے ساتھ ہوں۔ اس پر مؤطا کی حدیث سے دلیل لائے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں نے اپنے جھرمٹ میں لے کر اس طرح چھپالیا کہ کوئی انہیں نہیں دیکھ سکا۔ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اپنے جنازہ کو چھپانے کے لیے قبہ بنالیا تھا۔ اس پر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مؤطا کی اس حدیث سے اس کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کہ ازواج مطہرات پردے میں ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات کو چھپائیں' اس لیے کہ وصال اقدس کے بعد ازواجِ مطہرات حج کرتی تھیں' طواف کرتی تھیں' لوگ ان سے احادیث سنتے تھے اور صرف ان کے بدن چھپے ہوتے ذات نہیں۔ کتاب الحج میں ہے کہ ابن جریج نے جب حضرت عطاء سے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طواف کا ذکر کیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ نے انہیں حجاب سے پہلے دیکھا تھا کہ حجاب کے بعد؟ تو ابن جریج نے بتایا کہ میں نے ان کی زیارت حجاب کے بعد کی ہے' نیز انہیں ابن جریج نے کہا کہ میں اور عبید بن عمر' حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' وہ کوہِ ثبیر میں ٹھہری تھیں' ایک ترکی قبہ میں رہتی تھیں۔ ''ولها غشاء'' میرے اور ان کے مابین صرف ایک پردہ تھا' میں نے انہیں دیکھا گلابی رنگ کا پیرہن پہنے ہوئے تھیں[1] ظاہر ہے کہ اُم المؤمنین کا یہ حج نفل تھا' حج فرض تمام ازواجِ مطہرات حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کر چکی تھیں' اگر ازواجِ مطہرات پر اپنی ذات کا چھپانا فرض ہوتا تو حج نفل کے لیے نہ جاتیں اور ان کے تلامذہ ان کو نہ دیکھ پاتے۔

آیت حجاب کب نازل ہوئی' ......اور حضرت زینب سے کب نکاح ہوا؟

محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیت حجاب کس سن میں نازل ہوئی؟ ابوعبید نے کہا کہ تیسرے سال' ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت اُم سلمہ سے نکاح کے بعد۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت اُم سلمہ سے نکاح کس سن میں ہوا؟ سن تین میں یا چار میں؟ ابن سعید نے کہا: ۴ھ کے ذوالقعدہ میں' قتادہ نے کہا: ۵ھ میں۔ یہ اختلاف اصل میں دوسرے اختلاف کی فرع ہے' یہ تو طے ہے کہ آیت حجاب یعنی ''لا تدخلوا بيوت النبی'' حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کے وقت نازل ہوئی۔ حضرت زینب سے نکاح کس سن میں ہوا؟ اس میں اختلاف ہے۔ الاستیعاب[2] میں ہے کہ ابوعبید نے کہا کہ ۳ھ میں ہوا' اس لیے وہ اس آیت کا نزول ۳ھ مانتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ یہ نکاح ۵ھ میں ہوا تو وہ اس کے نزول کا وقت ۵ھ مانتے' یہی راجح ہے کہ حضرت زینب سے نکاح ۵ھ میں ہوا۔ الاکمال میں اسی پر اختصار کیا۔ اصابہ[3] میں دونوں قول ذکر کیے' مگر اخیر میں وصال کے وقت کی جو عمر بتائی' اور کس سنہ میں وصال فرمایا؟ اس سے ۵ھ متعین ہوجاتا ہے۔ اصابہ[4] میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر ۳۵ سال تھی اور پچاس سال کی عمر میں وصال فرمایا' اور ۲۰ھ سنِ وصال ہے' اس سے ظاہر ہے کہ ہجرت کے وقت تیس سال کی تھیں اور جب نکاح کے وقت ۳۵ سال کی تھیں تو ظاہر ہوگیا کہ ۵ھ میں نکاح ہوا' اور یہی آیت حجاب کے نزول کا سن ہے۔ رہ گیا ابن اسحاق کا یہ کہنا کہ آیت حجاب کا نزول حضرت اُم سلمہ کے نکاح کے بعد ہوا' غالباً ان کی مراد آیہ کریمہ ''يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ'' ہے۔

مسائل

ان دونوں احادیث سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوئے:

(۱) کسی اچھی بات کے لیے چھوٹا آدمی اپنے بزرگ کی خدمت میں بار بار عرض کرسکتا ہے (۲) اپنی ماں کو بھی نصیحت کی جاسکتی ہے اس لیے کہ حضرت سودہ اُم المؤمنین ہیں (۳) بہ نیت خیر بڑے سے بھی اچھی بات سخت لہجہ میں پیش کی جاسکتی ہے جبکہ اعتراض اور تحقیر مقصود نہ ہو (۴) عورتیں بہ وجہ مجبوری اپنی کسی حاجت کے لیے گھر سے نکل سکتی ہیں (۵) اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تین

[1] بخاری۔ ج ۱ ص ۲۱۹ [2] ج ۴ ص ۳۱۴ [3] ج ۴ ص ۳۱۳ [4] ج ۴ ص ۳۱۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فضیلتیں ثابت ہوئیں: ایک تو ان کی غیرت، دوسرے موافقت وحی، اس لیے کہ ان کی خواہش کے مطابق آیت حجاب نازل ہوئی تیسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی۔

١١٠- ح: اَلْاِسْتِنْجَاءُ بِالْمَاءِ [پانی کے ساتھ استنجاء کرنا]

١١٠- عَنْ اَبِیْ مُعَاذٍ وَاِسْمُهٗ عَطَاءُ بْنُ اَبِیْ مَیْمُوْنَةٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ اَجِیْءُ اَنَا وَغُلَامٌ مَّعَنَا اِدَاوَةٌ مِّنْ مَاءٍ یَعْنِیْ یَسْتَنْجِیْ بِهٖ.

(اسی کے بعد متصل دو اور طریقے سے)

عطاء بن ابی میمونہ نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک لڑکا جاتا، ف۱ ہمارے ساتھ پانی کا چمڑے کا برتن ہوتا، جس سے حضور استنجاء کرتے۔

لغات

''غـــلام'' وہ بچہ جو بلوغ کے قریب ہو جس کی مسیں بھیگ رہی ہوں، دودھ چھڑانے سے سات سال کی عمر کا بچہ، وہ بچہ جس کی ڈاڑھی نہ نکلی ہو۔ ''اداوۃ'' چمڑے کا پانی رکھنے کے لیے چھوٹا برتن۔

ف۱: اس کی بعد والی روایت میں ''مِنَّا'' زائد ہے، یعنی انصار میں سے ایک اور بچہ تھا۔ مسلم کی روایت میں ''نحوِی'' ہے یعنی میرا ہم عمر تھا۔

اس باب کا مقصد

امام بخاری نے پانی سے استنجاء کرنے کا باب اس لیے باندھا کہ کچھ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے اور کچھ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پانی سے استنجاء کیا ہو۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے، ان سے پوچھا گیا: پانی سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟ تو فرمایا: پھر تو میرے ہاتھ میں ہمیشہ بدبو رہے گی۔ نافع نے حضرت ابن عمر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا: ہم پانی سے استنجاء نہیں کرتے۔ ابن حبیب مالکی سے منقول ہے کہ انہوں نے پانی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا کیونکہ یہ مطعوم ہے۔ حضرت امام مالک نے اس سے انکار کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پانی سے استنجاء کیا ہو۔

''یستنجی بہ'' حدیث ہی کا جزء ہے

اور یہاں جو ''یستنجی بہ'' ہے اس کے بارے میں مہلب کے بیان کے مطابق اصیلی کا گمان یہ ہے کہ حضرت انس کا قول نہیں۔ یہ راوی حدیث امام بخاری کے شیخ کا قول ہے، جو انہوں نے اپنے قیاس سے کہا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پانی وضو وغیرہ کے لیے لے جاتے ہوں، اس لیے کہ یہی حدیث اس کے متصل سلیمان بن حرب نے اسی سند کے ساتھ شعبہ ہی سے روایت کی ہے اس میں ''یستنجی بہ'' نہیں۔ ابو عبد الملک نے کہا: یہ حضرت انس کے تلمیذ ابو معاذ کا اضافہ ہے اس لیے کہ یہ بات صحت کو نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے استنجاء کیا ہے۔ علامہ ابن حجر و علامہ عینی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی سے استنجاء کرنا کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً اسی کے بعد تیسری حدیث ہے، اس میں ''یستنجی بالماء'' ہے۔ نیز اسی بخاری کتاب میں ہے۔

۱ بخاری۔ باب: ما جاء فی غسل البول۔ ج۱ ص۳۵۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

طریق روح بن قاسم انہیں عطاء بن میمونہ سے حضرت انس کا قول مذکور ہے: ''اذا تبرز اتيته بماء فيغسل به'' جب قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں پانی لے کر حاضر ہوتا' جس سے دھوتے۔ مسلم[1] میں حضرت انس ہی کا قول ہے: ''فخرج علينا وقد استنجى بالماء'' ہم میں تشریف لائے اور پانی سے استنجاء کر چکے تھے۔

ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ اس حدیث میں ''يستنجي به'' حضرت انس ہی کا قول ہے جوانہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عمل کی حکایت کی ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس ﷺ نے پانی سے کیا ہے اور پانی سے استنجاء سنت ہے' اس میں ادنیٰ کراہت بھی نہیں۔

مسائل

علماء' صلحاء' مشائخ کی خدمت کرنی' ان کے احوال پر نظر رکھنی' جو ضرورت ہو' اسے پوری کرنا باعث شرف ہے۔ اپنے تلامذہ حتیٰ کہ نابالغ بچوں سے خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ افضل یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کرے' پھر پانی استعمال کرے' صرف ڈھیلے پر یا صرف پانی ہی پر اکتفاء بھی جائز ہے' البتہ اگر نجاست اپنے مخرج کے علاوہ بہ قدر درہم پھیل گئی ہو تو پانی سے استنجاء واجب ہے' اگر ڈھیلے اور پانی میں صرف ایک ہی استعمال کرنا ہو تو پانی افضل ہے۔ روافض کے یہاں ڈھیلے سے استنجاء جائز نہیں حالانکہ بہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے استنجے کے وقت پتھر استعمال فرمایا۔

١١١- ح: حَمْلُ الْعَنَزَةِ عِنْدَ الْاِسْتِنْجَاءِ [استنجاء کے وقت چھوٹا نیزہ لے کر جانا]

١١١ - عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ مَيْمُوْنَةَ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِّنْ مَاءٍ وَّعَنَزَةً يَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ الْعَنَزَةُ عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ۔

عطاء بن ابو میمونہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان میں قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ہم میں سے ایک اور لڑکا پانی کا برتن اور چھوٹا نیزہ لے کر جاتے' حضور پانی سے استنجاء کرتے' عنزہ وہ لاٹھی ہے جس میں پھل لگا ہو۔

''خلاء'' سے یہاں مراد میدان ہے' گھر کا بیت الخلاء مراد نہیں۔ ''عنزہ'' اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے نیچے لوہے کا پھل ہو' یعنی چھوٹا نیزہ' اسے ساتھ لے جانے کی حکمت یہ تھی کہ بہ وقت ضرورت دشمنوں اور موذی جانوروں سے بچنے کا اس سے کام لیا جائے۔ زمین کو اگر کھودنے کی حاجت ہو تو اس سے کھود لیں' مثلاً ڈھیلا حاصل کرنا یا زمین سخت ہے' چھینٹے پڑنے کا اندیشہ ہے' کپڑا وغیرہ اس پر تان کر ٹیک لگائیں' نماز پڑھنے میں اس کو سترہ بنائیں۔ یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ' باب: الصلوٰة الى العنزة' ج ا ص ا ۷ پر بھی تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے' وہاں ہے کہ جب آنحضور اپنی حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو حضور کے پیچھے میں اور ایک اور لڑکا جاتا اور ہمارے ساتھ عکازہ یا عنزہ یا عصا اور پانی کا برتن ہوتا' جب حاجت پوری کر لیتے تو ہم حضور سے برتن لے لیتے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا: عکازہ یا عنزہ یا عصا کی تردید راوی کا شک ہے' اس لیے کہ اس کے علاوہ ساری روایتیں عنزہ پر متفق ہیں' عکازہ اور عنزہ ہم معنی ہیں۔

١١٢- ح: اَلنَّهْيُ عَنِ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِيْنِ [دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت]

١١٢- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

---

[1] مسلم شریف' ج ا ص ۱۳۲ باب: النهي عن الاستنجاء باليمين

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ وَإِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهِ.

فرمایا: جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب رفع حاجت کے لیے جائے تو اپنا عضوِ تناسل دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ سیدھے ہاتھ سے پوچھے یعنی استنجاء کرے۔

(ایضاً۔باب: لا یمسك ذکرہ بیمینہ اذا بال۔ج ۱ ص ۲۷۔کتاب الاشربہ۔باب: النھی عن التنفس فی الاناء۔ج ۲ ص ۸۴۱' مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ص ۶۳۔ ۶۴' ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ۔ص ۱۸۔ کتاب الاشربہ۔ص ۲۰' ترمذی۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب الاشربہ۔ص ۱۰۔۱۶' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ص ۴۲۔ ۴۶' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ص ۱۵۔ کتاب الاشربہ۔ص ۲۳۔ ۲۴' دارمی۔ کتاب الوضوء۔ص ۱۳۰۔ کتاب الاشربہ۔ص ۲۱' مسند امام احمد)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

سلمی مدنی مشہور صحابی ہیں' ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے' کسی نے حارث کہا' کسی نے نعمان' کسی نے عمرو' ان کو فارس رسول اللہ کہا جاتا تھا' خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

خیر فرساننا الیوم ابو قتادۃ وخیر رجالتنا سلمۃ بن اکوع. (مسلم۔ج ۱ ص ۱۱۵)

آج ہمارے سواروں میں سب سے اچھے ابوقتادہ ہیں' اور ہمارے پیادوں میں سب سے اچھے سلمہ بن اکوع۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا نہیں؟ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اُحد' خندق اور اس کے بعد کے تمام مشاہد میں شریک رہے۔ مشاجرات میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ ان کی جانب سے کچھ دن مکہ کے والی بھی رہے۔

علیٰ اختلاف اقوال ۵۴ھ یا ۳۸ھ میں ستر یا بہتر سال کی عمر پا کر مدینہ طیبہ یا کوفہ میں وصال فرمایا۔ ایک قول کے مطابق ان کی نمازِ جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی' ان سے ایک سو ستر حدیثیں مروی ہیں۔ گیارہ متفق علیہ' دو افرادِ بخاری اور آٹھ افرادِ مسلم سے ہیں۔ (اصابہ' استیعاب' عینی)

پانی پیتے وقت سانس نہ لے

یعنی پانی پیتے پیتے اس طرح سانس نہ لے کہ سانس کی ہوا پانی میں جائے' اس لیے کہ اندر کی ہوا جسم کے مضر بخارات کو لے کر باہر آتی ہے' اس سے پانی کے مضر ہونے کا احتمال ہے' اس کا بھی اندیشہ ہے کہ سانس کے ساتھ ناک کی رطوبت پانی میں مل جائے' جس سے گھن آنے لگے' بلکہ سانس لینا ہو تو برتن سے منہ ہٹا کر سانس لے' بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ تین سانسوں میں پانی پینا سنت ہے۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ پانی پیتے پیتے برتن میں منہ ڈالے' باہر سے اندر کو سانس نہ لو' اس سے اندیشہ ہے کہ پانی ناک میں چڑھ جائے اور حق یہ ہے کہ ہر طرح سانس لینی منع ہے۔

شرمگاہ کو دایاں ہاتھ لگانا منع ہے

پیشاب کرتے وقت یا استنجاء کرتے وقت دائیں ہاتھ کو شرمگاہ سے لگانا ممنوع ہے' یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور یہی ظاہر ہے۔ استنجاء کرنے کو "یتمسح" سے تعبیر کرنے میں عموم کا افادہ ہوا کہ خواہ پانی سے استنجاء کرے' خواہ ڈھیلوں وغیرہ سے' بہرحال دائیں ہاتھ سے نہ کرے' بلکہ بائیں ہاتھ سے کرے۔ ممانعت کے باوجود اگر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے گا تو طہارت ہو جائے گی۔ امام احمد اور بعض اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اگر دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے گا تو طہارت ہو گی ہی نہیں۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ پانی یا ڈھیلا استعمال کرے' اور اگر صرف ہاتھ سے پوچھے تو بالاتفاق طہارت نہ ہو گی اور نہ یہ جائز ہے خواہ دایاں ہاتھ ہو خواہ بایاں' اس لیے کہ ہاتھ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے پونچھنے میں نجاست دور ہی نہ ہوگی۔

۱۱۳- ح: اَلْاِسْتِنْجَاءُ بِالْاَحْجَارِ

[پتھروں کے ساتھ استنجاء کرنا]

۱۱۳- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ لِحَاجَتِهٖ فَكَانَ لَا یَلْتَفِتُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقَالَ ابْغِنِیْ اَحْجَارًا اَسْتَنْفِضْ بِهَا اَوْ نَحْوَهٗ وَلَا تَاْتِنِیْ بِعَظْمٍ وَّلَا رَوْثٍ فَاَتَیْتُهٗ بِاَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِیَابِیْ فَوَضَعْتُهَا اِلٰی جَنْبِهٖ وَاَعْرَضْتُ عَنْهُ فَلَمَّا قَضٰی اَتْبَعَهٗ بِهِنَّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا اور حضور رفع حاجت کے لیے نکلے تھے اور حضور اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے' میں نزدیک پہنچ گیا' فرمایا: میرے لیے کچھ پتھر تلاش کرو جس سے استنجاء کروں' یا اسی قسم کا کوئی اور جملہ فرمایا اور ہڈی یا گوبر مت لانا' میں کچھ پتھر اپنے دامن میں لے آیا اور آپ کے پہلو میں رکھ دیئے اور وہاں سے ہٹ آیا' پس آپ نے قضاء حاجت کے بعد ان پتھروں کو استعمال فرمایا۔

لغات

"استنفض بها" اس کا مادہ نفض ہے' جس کے معنی جھاڑنے کے ہیں' جھاڑنے سے چیز صاف ہو جاتی ہے' اس طرح "استنفض" کے معنی ہوئے: جس سے میں صفائی حاصل کروں' جس کا حاصل استنجاء ہوا۔

کن چیزوں سے استنجاء درست ہے؟

پتھر کی تخصیص صرف اس لیے کی کہ وہاں سوائے پتھر کے اور کچھ نہ مل سکتا تھا' ورنہ پتھر کی طرح ڈھیلے کنکر وغیرہ سے بھی استنجاء بلاکراہت جائز ہے۔ اس پر دو قرینے ہیں' ایک پتھر سے جو کام لینا ہے وہ صفائی کا ہے' تو جس چیز سے صفائی حاصل ہو جائے' اس سے استنجاء ہو سکتا ہے۔ دوسرے حضور نے نہی میں تخصیص فرما دی کہ ہڈی اور گوبر مت لانا' تو معلوم ہو گیا کہ ہڈی اور گوبر اور اس قسم کی چیزوں کے سوا' دوسری چیزوں سے استنجاء بلاکراہت جائز ہے۔

بعض ظاہریہ اور بعض حنبلی حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ پتھر کے سوا اور کسی بھی چیز سے استنجاء نہیں ہو سکتا' ان کا استدلال یہ ہے کہ حضور نے پتھر کی تخصیص کر دی ہے' مگر ان کا یہ استدلال درست نہیں' اس لیے کہ یہ تخصیص مقامی مجبوری یا آسانی کی وجہ سے اتفاقی تھی کہ یہاں آسانی سے صرف پتھر ہی مل سکتا تھا یا سوائے پتھر کے ڈھیلا بالکل نہ مل سکتا ہو' اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اتفاقی تخصیص اپنے ماعدا کی نفی نہیں کرتی۔

ہڈی اور گوبر سے استنجاء ممنوع ہونے کی علت

ہڈی' گوبر' مینگنی سے استنجاء ممنوع ہونے کی احادیث میں یہ علت مذکور ہے کہ یہ جنوں کی خوراک ہے۔ بخاری' کتاب المبعث' ص ۵۴۴ میں بھی حدیث یوں ہے کہ یہ دونوں جنوں کی خوراک ہیں۔ میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا اور یہ اچھے جن تھے' انہوں نے مجھ سے سفر کی خوراک مانگی' میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی' اب یہ کسی بھی ہڈی یا گوبر کے پاس پہنچیں گے تو ان پر کھانا پائیں گے۔

اور ابوداؤد[1] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنات کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کو ہڈی اور گوبر اور کوئلے سے استنجاء کرنے سے منع فرما دیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہماری روزی رکھی ہے' تو

[1] ابوداؤد' کتاب الطہارۃ' باب: ما نہی عنہ ان یستنجی بہ' ص ۶

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضور نے منع فرمادیا۔

مسلم[1] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں کا داعی آیا' میں ان کے ساتھ گیا' میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور اس کے بعد مجھے اپنے ہمراہ لے گئے' مجھے ان کے قدم اور آگ کے نشانات دکھائے' انہوں نے آنحضور سے سفر کی خوراک مانگی تو فرمایا: ہر وہ ہڈی جو اللہ کے نام سے ذبح کی گئی ہو' جب تمہارے ہاتھ میں آئے گی اس پر پہلے والا پورا گوشت ہوگا اور ہر مینگنی تمہارے چوپاؤں کا چارہ ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں سے استنجاء نہ کرو' اس لیے کہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ یہ طریق محمد بن مثنیٰ' یوں ہی ہے' مگر بہ طریق علی بن حجر السعدی اس طرح ہے کہ ''آثار نیرانهم'' تک حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے اور اس کے بعد امام شعبی کا ہے۔ علامہ نووی نے دار قطنی وغیرہ کے حوالہ سے کہا کہ ''وسئلوه عن الزاد'' سے اخیر تک شعبی کا قول ہے' پھر فرمایا: مگر یہ بات بغیر سماع نہیں جانی جا سکتی اور ''ما لا يدرك الا بالسماع'' مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے' اس لیے یہ بھی حدیث ہی ہے: ''آثار نیرانهم'' تک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے' بقیہ کسی اور صحابی سے مروی ہے۔ بہر حال یہ بھی حضور ہی کا ارشاد ہے' حاکم نے دلائل النبوۃ میں اس کا اخیر حصہ یوں روایت کیا:

حضور نے فرمایا: میں نے انہیں ہڈی اور گوبر دیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ انہیں کیا کام دے گا' فرمایا: ہر ہڈی پر یہ لوگ پہلے والا گوشت پائیں گے اور ہر گوبر پر وہ دانہ پائیں گے' جو کھانے کے دن تھا۔ اس لیے کوئی بھی ہڈی اور گوبر سے استنجاء نہ کرے۔

ان سب روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ یہ جنوں اور ان کے چوپاؤں کی خوراک ہے۔

تطبیق

بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی درخواست پر' حضور نے دعا فرمائی تو ہڈی وغیرہ ان کی خوراک ہوئی اور مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے انہیں یہ چیزیں توشے کے لیے دیں' ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ مسلم کی روایت میں اختصار ہے' حضور نے دعا فرمائی' دعا فرمانے کے بعد ان سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے زادِ سفر یہ ہے' البتہ ابوداؤد کی روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ جنوں نے عرض کیا کہ یہ چیزیں ہمارا رزق ہیں۔ حضور اپنی اُمت کو ان سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ابتداء میں یہی ہوا کہ جنوں نے زادِ راہ کی درخواست کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور ہڈی وغیرہ انہیں زادِ راہ دی' جیسا کہ صحیحین میں ہے' مگر چونکہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے' بعد میں جب اسلام کی اشاعت ہوئی' لوگ بہ کثرت مسلمان ہوئے' مگر سب کو یہ بات معلوم نہ تھی' لوگ ہڈی سے استنجاء کرتے رہتے تھے تو بعد میں جنوں نے آکر شکایت کی کہ یہ ہماری روزی ہے' اس سے استنجاء کرنے سے آپ منع فرمادیں' جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔

جنوں کی خوراک ہڈی اور روث دونوں ہیں' یا ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور روث ان کے چوپاؤں کی۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور گوبر وغیرہ ان کے چوپاؤں کی۔ اور ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر دونوں جنوں کی خوراک ہے۔ میرا ظن غالب یہ ہے کہ ہڈی تو جنوں کی خوراک ہے' اور روث میں تفصیل ہے' اگر وہ کسی ایسی

---

[1] مسلم۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: للجهر بالقرآن فی الفجر والقراءۃ علی الجن۔ ص ۱۸۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

چیز کی مینگنی یا گوبر ہے جو انسان کھاتے ہیں تو جنوں کی بھی خوراک ہوسکتی ہے وہ اس پر وہ دانہ پائیں گے جس کے کھانے سے مینگنی بنی ہے اور ان کے چوپاؤں کی مطلقاً غذا ہے کسی بھی چیز کی ہو۔

ایک مشہور اعتراض کا محققانہ جواب

اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ گوبر وغیرہ ناپاک ہیں اور ناپاک چیزوں کا کھانا حرام ہے اور ناپاک چیز کا کھانا انسان کی طرح جنوں کے لیے بھی حرام ہے ورنہ استنجاء کرنے سے ممانعت کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ گوبر ان کے ہاتھ میں جاتا ہے گوبر نہیں رہتا بلکہ بدل کر دانہ ہوجاتا ہے تو اب ناپاک بھی نہ رہا۔ قلب ماہیت کے بعد ناپاک پاک ہوجاتا ہے جیسے یہی گوبر مٹی میں مل کر جب مٹی ہوجاتا ہے تو پاک ہوجاتا ہے۔ اس سے دیوبندی شیخ الہند صاحب کی یہ توجیہ باطل ہوگئی کہ اس کا امکان ہے کہ اس خصوص میں انسان اور جن میں تفریق ہو جیسے ریشمی لباس میں مرد و عورت کے مابین ہے۔

گوبر سے ممانعت کی دوسری وجہ اس کا ناپاک ہونا ہے جیسا کہ خود بخاری کی اس کی بعد والی حدیث میں تصریح ہے کہ یہ نجاست ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایسی چیزوں سے جو خوراک ہو استنجاء کرنا منع ہے خواہ انسان کی ہو خواہ جن کی خواہ حیوانات کی۔ اسی کے حکم میں ہر وہ چیز ہے جو شرعاً محترم ہو یا اس کی کچھ قیمت ہو جیسے کاغذ یوں ہی کسی بھی ناپاک چیز سے استنجاء کرنے کی ممانعت ہے مثلاً مینگنی وغیرہ سے۔ یہ ممانعت حد کراہت تک ہے اگر کسی نے ان ممنوع چیزوں سے استنجاء کرلیا اور نجاست دور ہوگئی تو طہارت حاصل ہوگئی اگر چہ یہ فعل مکروہ ہے اس لیے کہ مخرج نجاست اصل میں پاک تھا نجاست نکلنے کے بعد نجاست سے ملوث ہونے کی وجہ سے ناپاک ہوا تھا جب یہ نجاست کسی بھی چیز سے دور ہوگئی تو اس کے پاک ہوجانے میں کوئی شبہہ نہیں۔

١١٤ - ح: اَلنَّهْيُ عَنِ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالرَّوْثِ [گوبر کے ساتھ استنجاء کرنے کی ممانعت]

١١٤ - اَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَاللّٰهِ يَقُوْلُ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰتِيَهُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ اَجِدْهُ فَاَخَذْتُ رَوْثَةً فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَاَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَاَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ هٰذَا رِكْسٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جنگل تشریف لے گئے تو مجھے حکم دیا کہ میں تین پتھر لاؤں مجھے دو پتھر تو ملے تیسرا تلاش کیا مگر نہ ملا تو میں نے گوبر کا ٹکڑا لے لیا اور حاضر خدمت کردیا حضور نے دونوں پتھر لے لیے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے۔

(ترمذی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: استنجاء بالحجرین، نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرخصة في الاستطابة بحجرين، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الاستنجاء بالحجارۃ، مسند امام احمد)

''رِكْسٌ'' کا معنی

''رِكْسٌ، رِجْسٌ'' دونوں بہ معنی نجاست ہیں ایک لغت میں جیم کے بجائے کاف بھی ہے اور یہی ظاہر ہے اس لیے کہ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ میں ''رِكْسٌ'' کے بجائے ''رِجْسٌ'' ہے ایک قول یہ ہے کہ ''رِكْسٌ'' کے معنی ''رَدٌّ'' لوٹنے اور لوٹانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ''اُرْكِسُوْا فِيْهَا'' انہیں میں لوٹاؤ چونکہ گوبر اصل میں خوراک ہوتا ہے۔ پھر ناپاکی کی طرف لوٹتا ہے اس لیے اس کو رِکس کہتے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس پر یہ فرمایا کہ پھر اسے ''رَكْسٌ'' راء کے کسرہ کے بجائے فتحہ کے ساتھ ہونا چاہیے اس لیے اس معنی میں راء کے فتحہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ امام نسائی[1] نے فرمایا کہ رکس کے معنی جنوں کی خوراک کے ہیں۔ علامہ ابن حجر

[1] نسائی، ص ١٧۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نے فرمایا کہ اگر یہ لغت سے ثابت ہوتو پھر کوئی اشکال ہی نہیں۔ قاموس میں ہے کہ "رکس" کے معنی کسی چیز کو الٹا کرنے کے ہیں اور راء کے کسرہ کے ساتھ نجس کے معنی میں ہے۔

سند کی توضیح

اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے فرمایا کہ ابو اسحٰق نے کہا: یہ حدیث ابو عبیدہ نے مجھ سے نہیں ذکر کی' بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود نے کی ہے' یہ اپنے والد اسود بن یزید نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا' اس تفصیل کی ضرورت یہ پیش آئی کہ ابو عبیدہ' حضرت عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے ہیں اور ان کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں۔

اس پر شاذکولی نے یہ اعتراض کیا کہ اس میں تدلیس ہے اور ایسی تدلیس کہ اس سے خفی تر تدلیس میں نے سنی نہیں' اس لیے کہ ابو اسحٰق نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے ذکر کیا بلکہ صرف یہ کہا کہ ذکر کیا۔ اس کے جواب کی طرف امام بخاری نے اشارہ کرنے کے لیے اخیر میں یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ ابراہیم بن یوسف نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے والد ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی' اس میں ابو اسحٰق نے یہ بالتصریح کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن اسود نے حدیث بیان کی۔

استنجاء میں تین ڈھیلوں کا حکم

احناف کے نزدیک طہارت کے لیے تین ڈھیلوں کی شرط نہیں' اگر ایک ہی سے نجاست دور ہو جائے تو کافی ہے' البتہ تین کا پورا کر لینا مستحب ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ تین کا عدد پورا کرنا واجب ہے' اس سے کم ہو تو طہارت ہی نہ ہو گی۔ ان کی دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ کرنے اور داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے اور تین پتھروں سے کم سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔[1] اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث ہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ قضاء حاجت سے قبل محل پاک تھا' قضاء حاجت کے بعد نجاست لگنے سے ناپاک ہوا' یہ نجاست کسی چیز سے دور کر دی جائے تو محل پھر پاک ہو جائے گا' خواہ ایک بار استعمال کرنے سے یا چند بار۔ ان کی دلیل یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نے دو ہی سے استنجاء کیا۔ اگر تین ڈھیلوں کا استعمال واجب ہوتا اور اس سے کم سے طہارت نہ ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا ڈھیلا ضرور منگاتے اور استعمال کرتے۔ یہ استدلال امام طحاوی کا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ تعقب کیا کہ اس حدیث کو امام احمد نے اس اضافے کے ساتھ ذکر کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیسرا ڈھیلا لانے کا حکم دیا۔ طحاوی اس روایت سے غافل رہے' علامہ ابن حجر نے امام طحاوی پر یہ تنقید کر دی' لیکن امام ترمذی کو کیا کہیں گے جو شافعی ہیں مگر وہ بھی امام احمد والی روایت کی اس زیادتی سے غافل رہے۔ انہوں نے اس حدیث پر جو باب باندھا وہ "الاستنجاء بالحجرين" ہے۔

تین کے عدد کی توضیحات

میری گزارش یہ ہے کہ امام احمد کی روایت اگر دربارۂ احکام قابل احتجاج ہو بھی تو اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ تیسرے پتھر کے لانے کا حکم دیا' مگر کسی روایت میں یہ نہیں کہ وہ تیسرا پتھر لائے بھی اور حضور نے اسے استعمال بھی کیا اور غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جگہ ایسی تھی جہاں پتھر کے ملنے میں دشواری تھی' ورنہ وہ پہلی ہی بار لائے ہوتے' گوبر کیوں لائے؟ جس سے غالب گمان یہی ہے کہ وہ تیسرا پتھر لائے ہی نہیں۔

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۳۰

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پہلی توجیہ

احادیث میں تین عدد کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اغلب یہی ہے کہ تین سے نجاست دور ہو جاتی ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد، ابوداؤد[1] اور نسائی[2] نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم رفع حاجت کے لیے جاؤ تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جاؤ، ان سے استنجاء کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہوگا۔ حدیث کا یہ حصہ "فانها تجزی عنه" یہ تمہارے لیے کافی ہوگا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ تین کی قید اس لیے ہے کہ عموماً تین سے طہارت ہو جاتی ہے، اس سے کم سے عام طور پر نجاست کا ازالہ نہیں ہوتا، اس لیے جن احادیث میں تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفاء سے ممانعت ہے، وہ اکثر احوال کے لحاظ سے ہے، اب ان سب احادیث کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ عام طور پر تین ڈھیلوں سے کم سے نجاست دور نہیں ہوتی اور تین سے دور ہو جاتی ہے، اس لیے تین ڈھیلوں کے لیے ارشاد فرمایا۔

دوسری توجیہ

اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من استجمر فليوتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج. (ج ۱ ص ۲۹)

استنجاء میں جو ڈھیلا استعمال کرے، طاق استعمال کرے، جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا، جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔

وتر ایک کو بھی شامل ہے، لیکن ایک یہاں مراد نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ایک مراد لینے میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایک ڈھیلا استعمال کیا، اس نے اچھا کیا، جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں، تو لازم آیا کہ اگر ایک ڈھیلا بھی استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں اور یہ سرے سے استنجاء ہی کی نفی ہوئی۔ اس کے بعد وتر کا پہلا درجہ تین ہے اور "فليوتر" اپنے اطلاق سے تین کو بھی شامل، تو حاصل یہ ہوا کہ اگر ایک یا دو ڈھیلوں سے نجاست دور ہو گئی تو تین کا عدد پورا کر لینا اچھا ہے اور اگر تین عدد نہیں بھی پورا کیا تو کوئی حرج نہیں۔ یہی مستحب ہونے کا مفاد ہے، جیسا کہ اگر تین سے نجاست زائل نہ ہوئی تو چوتھا ڈھیلا استعمال کرنا ضروری ہوا۔ چار سے نجاست دور ہو گئی تو پانچویں کا استعمال بہتر ہے اور اگر کوئی پانچواں استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس!

خلاصہ یہ کہ تین یا پانچ وغیرہ ڈھیلوں سے طہارت نہ حاصل ہونے میں جو تفصیل ہے، وہی تین سے کم میں بھی جاری ہوگی، تو جس طرح اوپر کے مدارج میں وتر پورا کرنا مستحب ہے، اسی طرح تین سے کم میں نجاست دور ہو گئی تو تین کا عدد پورا کر لینا بہتر ہے، ان سب کا ماحصل یہ ہوا کہ استنجاء سے مقصود ازالۂ نجاست ہے۔ اکثر احوال میں تین سے ازالۂ نجاست ہو جاتا ہے، اس لیے ان روایات میں تین کے عدد کو ذکر فرمایا۔ شارع کو طاق کا عدد بھی محبوب ہے، تین سے یہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، چونکہ تین میں اکثر احوال کے لحاظ سے ازالۂ نجاست بھی ہو جاتا ہے اور وتر بھی ہونا پایا جاتا ہے، اس لیے اکثر روایات میں تین کو ذکر فرمایا گیا۔ یہ نہیں کہ تین کا عدد واجب ہے، اس لیے اس کو ذکر فرمایا، بلکہ اس لیے کہ یہ مزیل نجاست بھی ہے اور طاق بھی ہے۔

احادیث کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ صرف یہی ایک موقع نہیں، بہت سے دیگر مواقع پر بھی تین کا عدد مذکور ہے، مگر بالاتفاق وہاں تین بار وہ عمل فرض و واجب نہیں، مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صاحب حاضر ہوئے، خلوق (زعفرانی خوشبو) میں لت پت جبہ پہنے ہوئے دریافت کیا کہ میں کیا کروں؟ حضور نے سکوت فرمایا، پھر وحی کا نزول ہونے لگا، نزول وحی کے بعد فرمایا: جہاں جہاں یہ خوشبو تمہارے بدن پر لگی ہوا سے تین بار دھو لو اور جبہ اتار ڈالو۔ (بخاری۔ ج ۱ ص ۲۰۸، مسلم۔ ج ۱ ص ۳۷۴)

---

1. ایضاً۔ ج ۱ ص ۶
2. ایضاً۔ ج ۱ ص ۱۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کے تحت علامہ نووی نے لکھا:

انما امر بالثلث مبالغة في ازالة لونه وريحه والواجب الازالة فان حصلت بمرة لخفته لم تجب الزيادة. (شرح مسلم۔ ص ۳۷۴)

تین بار دھونے کا حکم خوشبو کے رنگ اور بو کو بالکلیہ دور کرنے کے لیے ہے اور واجب ازالہ ہے' اگر ایک بار میں حاصل ہو جائے تو اس سے زیادہ دھونا واجب نہیں۔

اسی طرح یہاں بھی خوب اچھی طرح طہارت حاصل کرنے کے لیے تین ڈھیلوں کا حکم ارشاد ہوا' اگر تین سے کم میں نجاست دور ہو جائے تو اس سے زیادہ کرنا واجب نہیں' البتہ مستحب ہے۔

تیسری توجیہ

امر کبھی کبھی اس معنی کے لیے بھی آتا ہے کہ جو کام کر رہے تھے کرتے رہو' یعنی بقاعلیٰ الفعل جیسے غزوہ سیف البحر میں جب زادِ راہ ختم ہو گیا تو قیس بن سعد اونٹ خرید کر تین دن تک تین تین ذبح کرتے اور مجاہدین کو کھلاتے' مگر اس سے اندیشہ تھا کہ اونٹ ختم ہو جاتے یا کم ہو جاتے' جس سے بار برداری میں سخت دقت ہوتی۔ اس لیے سالارِ فوج سیدنا ابوعبیدہ بن جراح امین اُمت نے اس سے روک دیا' نوبت بہ اینجا رسید کہ صحابہ کرام نے درختوں کے پتے کھا کھا کے دن کاٹے' پھر اللہ عزوجل نے کرم فرمایا اور سمندر نے ایک بہت بڑی عنبر نامی مچھلی کنارے پھینک دی جسے ان مجاہدین نے پندرہ یا اٹھارہ دن تک کھایا' حضرت قیس نے مدینہ طیبہ واپس آ کر اپنے والد حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا کہ لوگ اس لشکر میں بھوکے ہو گئے تو انہوں نے فرمایا:

انحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال انحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال انحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال انحر قال نُهِيتُ. (بخاری۔ ج ۲ ص ۶۲۶)

تمہیں چاہیے تھا کہ اونٹ ذبح کرتے' انہوں نے عرض کیا: میں نے ذبح کیا' پھر لوگ بھوکے ہوئے تو ان کے والد نے کہا کہ تمہیں اونٹ ذبح کرنا چاہیے تھا' انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ذبح کیا' پھر لوگ بھوکے ہوئے تو ان کے والد نے فرمایا کہ تمہیں اونٹ ذبح کرنا چاہیے تھا' عرض کیا: میں نے ذبح کیا' پھر لوگ بھوکے ہوئے' فرمایا: تم کو اونٹ ذبح کرنا چاہیے تھا' عرض کیا: مجھے منع کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اُس کا وقت نکل چکا تھا اور ''انحر'' کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ذبح کرو' بلکہ یہاں متعین ہے کہ معنی وہی ہیں جو ہم نے لکھے' یعنی تمہیں چاہیے تھا کہ ذبح کرتے رہتے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت اُسید بن حضیر کا ہے۔ یہ رات میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے' ان کے صاحبزادے یحییٰ پاس ہی سو رہے تھے' وہیں گھوڑا بندھا ہوا تھا' فرشتے بادل میں نورانی چراغوں کی شکل میں ان کی تلاوت سننے کے لیے اُترے جس سے گھوڑا بھڑکا' انہوں نے قراءت بند کر دی تو گھوڑا پُرسکون ہو گیا' پھر پڑھنے لگے تو پھر بدکا' پھر یہ چپ ہو گئے تو سیدھا ہو گیا' پھر پڑھنا شروع کیا تو پھر کودنے لگا' انہوں نے تلاوت بند کر کے اپنے بچے کو وہاں سے دور کر دیا' اب آسمان کی طرف نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ بادل کے ٹکڑے میں چراغ کے مثل روشنیاں ہیں' صبح کو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا تو فرمایا: ''اقرأ يا ابن حضير اقرأ يا ابن حضير[1]'' اے حضیر کے بیٹے! تم کو پڑھتے رہنا چاہیے تھا' اے حضیر کے بیٹے! تم کو پڑھتے رہنا چاہیے تھا۔

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۷۵۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہر شخص پر روشن ہے کہ یہاں ''اقــرأ'' کے معنی یہی ہیں کہ تم کو پڑھتے رہنا چاہیے تھا کیونکہ اس کا وقت گزر چکا تھا' اس لیے کہ اس کے بعد ہے کہ حضرت اُسید نے عرض کیا: میں ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحیٰ کو کچل نہ دے۔ اس کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں' اسی طرح یہاں اس حدیث میں ''ائتنی بثالثة'' کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں تیسرا لانا چاہیے تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ وہاں پتھروں کی بہت کمی تھی' حضرت عبداللہ کو تلاش کے باوجود دو ہی پتھر ملے۔ غالباً دیر ہو جانے کے اندیشے سے یہ دو پتھر اور گوبر کا ٹکڑا لائے۔ گوبر پھینک دیا اور فرمایا: ناپاکی ہے' اس کے بجائے تیسرا پتھر لانا چاہیے تھا۔

۱۱۵- ح: اَلْوُضُوْءُ مَرَّةً مَرَّةً [ایک' ایک مرتبہ وضو کرنا]

۱۱۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو فرمایا۔

(یہ حدیث افرادِ بخاری سے ہے' علاوہ ازیں ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کی ہے)

یہ فرض کا درجہ ہے کہ کم از کم اعضاءِ وضو کو ایک ایک بار دھویا جائے' مگر تین تین بار دھونا سنت ہے۔ وقت میں گنجائش ہو اور پانی بھی اتنا ہو کہ تین تین بار اعضاءِ وضو دھو سکتا ہو تو تین بار سے کم دھونا ہرگز نہیں چاہیے' یہ ترکِ سنت ہے۔ اور اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ اعضاءِ وضو تین بار دھونے سے وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو فرض ہے کہ صرف ایک ایک بار دھوئے تاکہ نماز قضاء نہ ہو۔

۱۱۶- ح: اَلْوُضُوْءُ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ [دو' دو مرتبہ وضو کرنا]

۱۱۶- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو فرمایا۔

(افرادِ بخاری سے یہ بھی ہے' صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے ذکر نہیں کیا)

ان دونوں حدیثوں میں ایک ایک بار' دو دو بار سے اعضاءِ وضو کا صرف ایک ایک بار یا دو دو بار دھونا مراد ہے۔ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو حدیث: ۱۱۵ میں مذکور ہوئی' اور اس کا وہی فائدہ ہے۔ نیز یہ رد ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ وضو میں اعضاء کا تین تین بار دھونا فرض ہے' تین بار سے کم دھونے سے وضو نہ ہوگا۔ اس بارے میں روایتیں پانچ طرح ہیں' ہر ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا' ہر عضو کو دو دو بار دھویا' ہر عضو کو تین بار دھویا' بعض اعضاء کو ایک بار دھویا اور بعض کو تین تین' یا بعض اعضاء کو دو دو مرتبہ دھویا اور بعض کو تین تین بار۔

۱۱۷- ح: اَلْوُضُوْءُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا [تین' تین مرتبہ وضو کرنا]

۱۱۷- اَنَّ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ رَاَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِاِنَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ اَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِى الْاِنَاءِ[1] فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَّيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِىْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰى

حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام حمران نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفان کو انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے (پانی کا) برتن مانگا' پہلے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا اور انہیں دھویا' پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا[2] اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' پھر تین بار منہ دھویا اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ تین بار دھوئے' پھر سر کا مسح کیا' اس کے بعد دونوں پاؤں ٹخنے تک تین بار دھوئے' پھر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. اس وضو کی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، جن میں اپنے آپ سے بات نہ کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(ایضاً۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المضمضة فی الوضوء۔ ص ۲۸، کتاب الصوم۔ باب: مسواك الرطب واليابس للصائم۔ ص ۲۵۹، مسلم کتاب الطہارۃ۔ ص ۱۱۵، ابوداؤد۔ باب: صفة وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۶، نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المضمضة والاستنشاق۔ باب: بای الیدین یتمضمض۔ ج ۱ ص ۲۶، کتاب الرقاق۔ باب: قول اللہ یا ایها الناس ان وعد اللہ حق۔ ص ۹۵۲)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اُم حکیم البیضاء بنت عبد المطلب کی صاحبزادی اروی کے صاحبزادے ہیں، حضرت بیضاء کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھیں۔ (تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۰۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سال چھوٹے ہیں یہ سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے، اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چوتھا یا پانچواں نمبر ہے۔ اسلام لانے کے جرم میں ان کا چچا حکم بن العاص انہیں چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتا تھا، جس سے دم گھٹ گھٹ جاتا، مگر ان کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا، حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی تھی۔ ان کے فضائل ومناقب مشہور ومعروف ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے پیارے تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ پھر حضرت اُم کلثوم ان کے نکاح میں دیں، اس لیے ذوالنورین ان کا خطاب ہے۔ حضرت اُم کلثوم کے وصال کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اور کوئی بیٹی ہوتی تو اس کو بھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ کی حالت بہت نازک تھی، حضور نے انہیں حضرت رقیہ کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ طیبہ ہی میں روک دیا، مگر شرکاء بدر میں شمار فرمایا اور مال غنیمت سے بھی حصہ دیا۔ اسی طرح بیعت رضوان میں بھی شریک نہ ہو سکے اس لیے کہ یہ اس وقت مکہ معظمہ قریش سے مصالحت کی گفتگو کے لیے گئے تھے، آنے میں تاخیر ہوئی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، اسی پر حضور نے بیعت رضوان لی تھی۔ حضور نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھا اور فرمایا: یہ بیعت عثمان کی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تدفین کے تین دن بعد ان کی مقرر کردہ شوریٰ کے انتخاب سے حضرت عثمان یکم محرم ۲۴ھ کو مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے[1] آپ کے عہد مبارک میں یہ بلاد فتح ہوئے:

رَی، ایران کا موجودہ دار السلطنت طہران، یہ عہد فاروقی میں فتح ہوا تھا مگر پھر ایرانیوں نے لے لیا تھا، سابور، قبرص (کریٹ) ارجان، دراب جرد، افریقہ، طرابلس، اصطخر، نیشاپور، طوس، سرخس، مرو، بیہق وغیرہ۔ آپ ہی کے ایام خلافت میں پہلا اسلامی بیڑہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تیار کیا اور قبرص پر حملہ آور ہوئے، جس کے شرکاء کے لیے جنت کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد وغیرہ)

آپ ہی کے عہد میں ایران کا آخری فرماں روا یزدجرد مارا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں اس قدر دولت کی فراوانی تھی کہ ایک لونڈی اپنے ہم وزن قیمت پر اور ایک گھوڑا ایک لاکھ درہم میں، اور ایک کھجور کا درخت ایک ہزار درہم میں بکتا تھا۔

(عینی۔ ج ۳ ص ۵)

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عثمان ایک شخص کو ایک لاکھ ایسی تھیلی دیتے تھے جن میں چار چار ہزار اوقیہ ہوتا تھا، ایک اوقیہ

[1] تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۰۸

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

چالیس درہم کا ہوتا ہے تو ہر تھیلی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم ہوئے۔
چالیس[1] دن کے محاصرے کے بعد اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن عصر کے وقت اپنے دولت کدہ میں شہید کیے گئے اور دوسرے دن ہفتہ کی رات میں جنت البقیع کے مشرقی کنارے، حش کوکب میں مدفون ہوئے، انہیں جس شقی نے شہید کیا تھا، اس کا نام رومان یمانی تجیبی ہے۔[2] شہادت کے وقت عمر مبارک بیاسی سال تھی، حضرت عثمان سے ایک سو چھیالیس احادیث مروی ہیں، جن میں گیارہ امام بخاری نے تخریج کی ہیں۔

حضرت حمران بن ابان بن خالد بن عمرو رضی اللہ عنہم

رومیوں کے ساتھ شام کے عین التمر کے مشہور معرکے میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حمران کو گرفتار کیا، یہ اس وقت بچے تھے مگر بہت ذہین تھے۔ حضرت خالد نے حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا، حضرت عثمان نے حمران کو آزاد کر کے انہیں اپنا منشی اور دربان بنا لیا۔ حجاج نے انہیں نیشاپور کا والی بنایا تھا۔ اسی سلسلے میں حجاج نے ان سے ایک لاکھ تاوان وصول کیا، پھر عبدالملک کی سفارش پر واپس کر دیا۔ ۷۵ھ میں ان کا وصال ہوا، امام بخاری نے حمران کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے، مگر پھر بھی صحیح بخاری میں ان کی روایت ذکر کی، صرف امام بخاری ہی نہیں، امام مسلم اور بقیہ اصحاب ستہ نے بھی ان کی روایت لی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ حمران کثیر الروایت ہیں، مگر میں نے یہ نہیں دیکھا کہ لوگ ان کی حدیث کو حجت بناتے ہوں۔

ف[1]: باب المضمضہ میں "بـانـاء" کے بجائے "بـوضـوء" ہے، یعنی وضو کا پانی مانگا، وضوواؤ کے فتحہ کے ساتھ، وضو کے پانی کے معنی میں ہے اور وضوواؤ کے ضمہ کے ساتھ اس فعل کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا پانی اپنے متعلقین اور خدام سے منگانے میں کوئی حرج نہیں۔

ف[2]: اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ہاتھوں کو دھو لینا چاہیے، اگر چہ سو کر نہ اٹھا ہو، دونوں کو ساتھ ساتھ دھوئے یا پہلے دائیں پھر بائیں کو۔ فقہاء کے دونوں اقوال ہیں، جو لوگ حدیث تیامن پر نظر کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے پھر بائیں کو، کچھ حضرات نے فرمایا کہ تیامن وہاں مستحب ہے، جہاں جمع ممکن نہ ہو، اور جہاں جمع ممکن ہے، وہاں مستحب نہیں جیسے سر اور کانوں اور گردن کے مسح میں۔

کلی اور ناک میں دائیں ہاتھ سے پانی ڈالا جائے گا

اس سے پتہ چلا کہ کلی اور ناک میں پانی دائیں ہی ہاتھ سے ڈالا جائے گا، دونوں کے لیے الگ الگ پانی لیا جائے گا یا ایک ہی چلو پانی سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں بھی پانی ڈالا جائے۔ ہمارا یہی مذہب ہے کہ کلی کے لیے الگ پانی لیا جائے گا اور ناک میں ڈالنے کے لیے الگ، پہلے تین بار کلی کر لیں گے پھر تین بار ناک میں پانی ڈالیں گے، جیسا کہ ابوداؤد اور طبرانی نے کعب بن عمرو الیمانی سے روایت کی:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا فاخذ لکل واحد ماء جدیدا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور ہر ایک کے لیے نیا پانی لیا۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کر کے سکوت فرمایا، یہ اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ نیز ترمذی میں ابوحیہ سے روایت ہے

[1] البدایہ ج ۷ ص ۱۹۰ [2] عینی ج ۳ ص ۵ [3] ایضاً اکمال

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ انہوں نے بیان کیا:

رأيت عليا توضأ فغسل كفيه حتى انقاهما ثم مضمض ثلاثا' واستنشق ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا وذراعيه ثلاثا ومسح براسه مرة ثم غسل قدميه الى الكعبين ثم قام فاخذ فضل طهوره فشربه وهو قائم ثم قال احببت ان اريكم كيف كان طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ترمذی۔ج۱ص۸)

میں نے حضرت علی کو دیکھا انہوں نے وضو کیا تو پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا' یہاں تک کہ ان کو خوب صاف کر لیا' پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور اپنے منہ کو تین بار دھویا اور اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا' پھر دونوں قدم ٹخنوں تک دھوئے' پھر کھڑے ہوئے اور بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پیا' پھر فرمایا: میں نے چاہا کہ تم کو دکھا دوں کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو کیسے ہوتا تھا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا' اس حدیث کا سیاق اس کی دلیل ہے کہ جیسے منہ دھونے اور ہاتھ دھونے اور سر کے مسح میں ترتیب تھی' اسی طرح کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں بھی ترتیب تھی' اس لیے ثابت ہوا کہ کلی الگ پانی سے کی اور ناک میں دوسرا پانی ڈالا۔ امام شافعی کا مذہب جو بویطی سے مروی ہے' یہی ہے۔ کتاب الام میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک ہی چلّو پانی سے کلی بھی کرے اور اس کے بچے ہوئے کو ناک میں ڈالے۔ اس کی مؤید یہ حدیث ہے کہ جس میں فرمایا:

فتمضمض واستنشق من كف واحد. انہوں نے ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی ڈالا۔

علامہ عینی نے فرمایا: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ ایک ہی چلّو پانی سے دونوں کام کیے' اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ایک ہی ہاتھ سے ناک میں بھی پانی ڈالا' پانی الگ الگ لیا۔ جب اس حدیث میں دونوں احتمال ہیں تو یہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ ایک ہی چلّو پانی سے کلی بھی کی اور ناک میں بھی ڈالا۔ ہم کہیں گے کہ دوسرا معنی مراد ہے' تاکہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے۔

مخالفین کے استدلال کا جواب

بعض حضرات نے یہ تاویل کی: مراد یہ ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں دونوں ہاتھ نہیں استعمال فرمائے' ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ایک ہی ہاتھ سے ناک میں بھی پانی ڈالا۔ تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جس ہاتھ سے کلی کی اسی ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالا' یعنی دائیں ہاتھ سے۔ ایسا نہیں کیا کہ کلی دائیں ہاتھ سے کی ہو اور ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالا ہو۔ اس میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کلی دائیں ہاتھ سے کی جائے اور ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالا جائے۔ علامہ عینی نے یہ سب توجیہات نقل کر کے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہاں بیان جواز کے لیے ہے' ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے ڈالیں گے مگر ناک صاف بائیں ہاتھ سے کریں گے۔

''استنثر'' کی توضیح

''استنثر'' کا مادہ ''نثر'' ہے' اس کے معنی ناک کے بھی ہیں اور ناک کے کنارے کے بھی اور خیشوم کے بھی' ''استنثر'' کے معنی ناک صاف کرنے کے ہیں' مگر یہاں مراد ناک میں پانی لے کر اسے صاف کرنا ہے' جیسا کہ باب المضمضۃ والی روایت میں ''استنشق واستنثر'' وارد ہے' اس روایت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی تعداد مذکور نہیں' مگر یہ بھی تین بار سنّت ہے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ اوپر کی دونوں اور دوسری بہت سی حدیثوں میں وارد ہے‘ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے۔ اگر کوئی کلی نہ کرے تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ عطاء‘ زہری‘ ابن ابی لیلیٰ‘ حماد اور اسحٰق کا مذہب یہ ہے کہ اعادہ کیا جائے۔ عطاء اور زہری کا دوسرا قول یہ ہے کہ اعادہ لازم نہیں۔ اور یہی قتادہ‘ ربیعہ‘ یحییٰ الانصاری‘ امام مالک‘ اوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام احمد نے فرمایا: ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تو اعادہ لازم‘ کلی کرنا بھول گیا تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ وضو میں اعادہ لازم نہیں خواہ کلی کرنا چھوڑے‘ خواہ ناک میں پانی ڈالنا‘ خواہ قصداً خواہ سہواً‘ البتہ غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑے گا تو غسل صحیح نہ ہوگا۔ ہمارا کہنا ہے کہ جب یہ دونوں فرض نہیں سنت ہیں تو اعادہ لازم کرنے کی کوئی وجہ نہیں‘ اس معنی میں کہ بغیر ان کے وضو صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اکمال کے لیے اور ادائے سنت کے لیے اعادہ کر لینا بھی بہتر ہے۔ سنت یہی ہے کہ کلی پہلے کرے‘ پھر ناک میں پانی ڈالے۔

سر کے مسح کے بارے میں ائمہ کا اختلاف اور دلائل

سر کے مسح کے بارے میں بھی اس حدیث میں تعداد مذکور نہیں‘ مگر یہ صرف ایک بار ہے‘ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ابھی گزری جس میں تصریح ہے کہ ایک بار مسح کیا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان کی حدیث میں بھی منہ‘ ہاتھ‘ پاؤں کے دھونے میں تین بار کی تصریح ہے‘ مگر سر کے مسح میں کوئی عدد مذکور نہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ سر کا مسح صرف ایک ہی بار تھا‘ ورنہ اس کے ساتھ بھی ”ثلثا“ مذکور ہوتا۔

امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ سر کا مسح بھی تین بار ہے‘ اس بارے میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں‘ لیکن ساتھ ہی ساتھ دو بار مسح کی بھی وارد ہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت ربیع سے ہے:

توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی راسہ مرتین. — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور سر پر دو بار مسح فرمایا۔

نسائی میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں ہے: ”مسح براسہ مرتین“ ان تمام احادیث میں علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ جن احادیث میں دو یا تین بار مسح کا ذکر ہے‘ ان سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی پانی سے دو یا تین بار مسح کیا۔ اس کے احناف بھی قائل ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

وضو کی فضیلت

”لا یحدث“ باب تفعیل سے ہے‘ جس کی خاصیت کسب ماخذ ہے‘ تو اب اس کا معنی یہ ہوا کہ بالقصد دل میں خیالات نہ لائے‘ اگر از خود آ جائیں تو انہیں دفع کرے۔ ہاں! یہ اعلیٰ درجہ ہے کہ کسی قسم کا خیال نہ کرے‘ مگر یہ مرتبہ سب کو کہاں میسر۔ خیالات سے مراد دنیوی خطرات ہیں نہ کہ دینی۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لا جھزن الجیش وانا فی الصلوۃ او کما قال. — میں نماز میں لشکر کی تیاری کے بارے میں سوچتا ہوں۔

نیز حاکم ترمذی نے کتاب الصلوۃ تالیفہ میں‘ اور عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزھد میں‘ ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں اسی حدیث کی ان الفاظ میں روایت کی:

لا یحدث فیھما نفسہ بشیء من الدنیا ثم دعا اللہ الا استجیب — ان دونوں رکعتوں میں اپنے آپ سے دنیا کی کوئی بات نہ کرے‘ پھر دعا مانگے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حاصل یہ ہوا کہ حضور قلب اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے' یعنی صغائر' جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ دو رکعت نماز ''تحیۃ الوضوء'' ہے' لیکن مسلم میں ہے: ''فیصلی ھذہ الصلٰوۃ الخمس'' اور دوسرے طریقے میں ''فالصلوات الخمس کفارات لما بینھم'' تیسرے طریقے میں ہے: ''ثم مشی الی الصلٰوۃ المکتوبۃ''[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرض مراد ہے' بہتر یہ ہے کہ یہاں نماز کو عام رکھا جائے خواہ نفل ہو خواہ فرض۔

کتاب الرقاق میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عثمان مقاعد میں بیٹھے تھے' یہ مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مؤطا امام مالک میں اتنا اور ہے کہ مؤذن نے آکر اطلاع دی کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا ہے تو پانی منگوا کر وضو فرمایا۔ اخیر میں ارشاد فرمایا: ''لا تغتروا'' فریب میں نہ آنا' یعنی یہ سمجھ کر کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ لی اور تمام گناہ معاف ہو گئے۔ گناہوں کی معافی کا یہ اچھا ذریعہ ہے' لہٰذا گناہ کیے جاؤ' گناہ سے بچنے کی کوشش نہ کرو' ایسا سوچنا بھی مت' کسی عمل کا قبول کرنا نہ کرنا' اس پر ثواب دینا نہ دینا بہر حال اللہ عزوجل کے فضل پر موقوف ہے۔

ت ٢٢ - قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَّوْلَا اٰيَةٌ مَّا حَدَّثْتُكُمُوْهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْئَهٗ وَيُصَلِّيَ الصَّلٰوةَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا قَالَ عُرْوَةُ الْاٰيَةُ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ (البقرۃ:١٥٩).

(مؤطا امام لک)

صالح بن کیسان نے کہا کہ ابن شہاب نے کہا' لیکن عروہ نے حمران سے یوں روایت کی کہ حضرت عثمان جب وضو کر چکے تو فرمایا: میں تم لوگوں سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں ف۱ اگر ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم سے نہ بیان کرتا۔ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کے اس نماز اور دوسری نماز کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ف۲ عروہ نے کہا. وہ آیت یہ ہے: جو لوگ ہماری اُتاری ہوئی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں' اس کے بعد کہ ہم نے اسے کتاب میں لوگوں کے لیے بیان فرما دیا ہے تو ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

ف۱: امام زہری نے یہ حدیث اپنے دو اساتذہ سے سنی ہے' حضرت عطاء بن رباح سے اور حضرت عروہ سے' حضرت عروہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: میں تم سے ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں' اگر ایک آیت نہ ہوتی تو بیان نہ کرتا۔ حضرت عثمان کی اس آیت سے کیا مراد تھی؟ حضرت عروہ نے بتایا کہ اس سے سورۂ بقرہ کی یہ آیت مراد ہے: ''ان الذی یکتمون ما انزلنا. الاٰیۃ'' ہم نے جو نشانیاں اور ہدایت اتاری ہیں' اس کو جو لوگ چھپاتے ہیں' اس کے بعد کہ ہم نے انہیں کتاب میں بیان فرما دیا' ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سن کر کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت حضورِ قلب سے نماز پڑھ لینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' کوئی اس فریب میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ جب اتنے ہی سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو دیگر اعمال کی کیا حاجت! اس خطرے کے ہوتے ہوئے بیان کرنا مناسب نہیں' مگر اس لیے بیان کرتا ہوں کہ اسے بیان نہ کرنے میں کتمان علم ہے' جس پر اس آیت میں وعید ہے۔ میں کتمان علم سے بچنے کے لیے یہ حدیث بیان کر رہا ہوں' تم لوگ اس سے فریب نہ کھانا۔ اعمال پر اجر موعود قبولیت پر ہے' تمہیں کیا معلوم کہ قبول ہوا یا نہیں! نیز تمہیں سوچنا چاہیے

[1] ج ا ص ۱۲۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ جب اتنے معمولی عمل پر اجر ہے تو دوسرے اہم اعمال پر کیسے کیسے اجر کی امید ہے؟ اس کے مطابق تمہیں کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اعمالِ حسنہ کرو۔

مؤطا امام مالک میں بھی یہ بہ طریق ہشام بن عروہ عن ابیہ مروی ہے' اس میں حضرت عروہ کا یہ قول مذکور نہیں کہ آیت سے حضرت عثمان کی مراد سورۂ بقرہ والی مذکور آیت ہے' بلکہ حضرت امام مالک نے فرمایا کہ یہاں آیت سے مراد یہ ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ. (ھود: ۱۱۴) دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز ادا کرو' بے شک نیکیاں برائیاں مٹا دیتی ہیں۔

(مؤطا امام مالک۔ص ۱۱' مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ص ۱۲۱' اسمٰعیلی صحیح' ابوعوانہ)

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث میں معمولی عمل پر اتنا زیادہ ثواب مذکور ہے' کوئی مبالغہ سمجھ سکتا ہے' کوئی کہہ سکتا تھا کہ حضرت عثمان سے سہو ہوا' اس لیے اس کا خطرہ تھا کہ کوئی اس سے انکار کر بیٹھے۔ اس لیے حضرت عثمان نے آیت کا حوالہ دے دیا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس حدیث کی تائید قرآن مجید سے بھی ہو رہی ہے۔ قرآن مجید سے تائید کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔

ف ۲: ہم نے عام شراح کے مطابق یہ ترجمہ کیا ہے' لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ سے دوسری نماز مراد نہیں' وہی نماز مراد ہے جو وضو کر کے پڑھی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وضو اور نماز کے مابین جو گناہ سرزد ہوں گے وہ معاف کر دیئے جائیں گے' میرے خیال میں یہی معنی ظاہر ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مغفرتِ ذنوب' اچھی طرح وضو کرنے اور حضورِ قلب سے نماز پڑھنے کے مجموعے پر مرتب ہے' مگر اسی بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے:

اذا توضأ العبد المسلم خرجت خطایاه. جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ صرف وضو ہی پر یہ اجر مرتب ہے' لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اختصار ہے' مرتب دونوں پر ہے' مگر اختصاراً اس حدیث میں صرف وضو کو ذکر کیا گیا' مگر مسلم شریف میں حضرت عثمان ہی کی اسی حدیث میں یہ ہے:

کانت صلوته ومشیه الی المسجد نافلة. وضو کے بعد اس کا نماز اور مسجد کی طرف جانا' زائد ہے' یعنی اس کا ثواب مزید ملے گا۔

ان سب میں تطبیق کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے: یہ اشخاص اور اوقات کے اعتبار سے ہے' کسی کو یہ اجر صرف وضو سے ملتا ہے' کسی کو دونوں کے مجموعے پر۔

ت ۲۳' ۲۴' ۲۵ - ذَكَرَهُ عُثْمَانُ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ناک میں پانی ڈالنے کو حضرت عثمان اور عبداللہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا۔

پہلے باب میں تقریباً پورے وضو کا تفصیلی بیان تھا' اب اس کے کچھ اجزاء کو الگ الگ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان کی حدیث گزر چکی۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم کی حدیث آگے "مسح الراس کله" میں آ رہی ہے۔ حضرت ابن عباس کی حدیث سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کون سی حدیث مراد ہے؟ اس میں کلام ہے' کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو امام احمد' ابوداؤد[1] ابن ماجہ[2] اور حاکم نے مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا:

استنثروا مرتین بالغتین او ثلاثا. دوبار خوب اچھی طرح یا تین بار ناک میں پانی ڈالو۔

اور جو ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ارشاد ہوا:

اذا توضأ احدکم واستنثر فلیفعل وذلك مرتین او ثلاثا. جب تم وضو کرو اور ناک میں پانی ڈالو تو دو بار یا تین بار ڈالو۔

لیکن علامہ عینی نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت ابن عباس کی وہ حدیث ہے جو باب ''غسل الوجہ'' ص ۲۶ میں مذکور ہے اگرچہ اس نسخہ میں ''استنثار'' کا ذکر نہیں' صرف ''استنشاق'' مذکور ہے' مگر دوسرے نسخہ میں ''استنشق'' کے بجائے ''استنثر'' ہے' اگر کسی نسخہ میں ''استنثر'' نہ بھی ہوتا صرف ''استنشق'' ہوتا تو بھی کوئی حرج نہ تھا' اس لیے کہ ''استنشاق''' ''استنثار'' کے معنی میں اور ''استنثار''' ''استنشاق'' کے معنی میں مستعمل ہے' اگرچہ لغوی اعتبار سے دونوں کے معنی میں فرق ہے۔ ''استنشق'' کے معنی ناک میں پانی ڈالا اور ''استنثر'' کے معنی ناک صاف کیا۔

یہ تینوں تعلیقات مفصل تین جگہ مذکور ہیں' مگر ہم نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ تیسری تعلیق سے کون سی حدیث مراد ہے' اس کو ذکر کیا ہے۔

۱۱۸ - ح: اَلْاِسْتِنْثَارُ فِي الْوُضُوْءِ [وضو میں ناک صاف کرنا]

۱۱۸ - اَنَّـهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرے ف[1] اور جو پتھر ف[2] سے استنجاء کرے وہ طاق بار کرے۔

(مسلم' نسائی' ابن ماجہ' موطا کلھم فی الطہارۃ' مسند امام احمد' ایضاً۔ باب: الاستجمار وترا۔ ص ۲۸' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ کلھم فی الطہارۃ دارمی۔ کتاب الوضوء' موطا۔ کتاب الطہارۃ' مسند امام احمد)

ف[1]: جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں ناک صاف کرنا واجب ہے' ان کی دلیل یہی حدیث ہے' اس لیے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے' مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے[3] کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا:

فتوضأ کما امرك به. جیسے اللہ نے تجھے حکم دیا ہے' ویسے ہی وضو کرو۔

قرآن مجید میں صرف سر کا مسح اور تین اعضاء کا دھونا مذکور ہے' تو معلوم ہوا کہ صرف اتنے ہی سے وضو پورا ہو جاتا ہے بقیہ باتیں سنت ہیں یا مستحب۔ ناک صاف کرنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب ناک کی رطوبت اور رینٹھ' کھنکار نکل جائے گا تو قراءت میں آسانی اور حسن پیدا ہو جائے گا' صفائی الگ حاصل ہوگی۔ بعض اطباء نے بیان کیا کہ اگر کوئی اس کا التزام کرے کہ ناک میں پانی ڈال کر اتنے زور سے اندر کھینچے کہ حلق تک پہنچ جائے تو اسے نزلہ نہیں ہوگا۔

[1] کتاب الطہارۃ۔ ص ٥٦ [2] کتاب الطہارۃ۔ ص ٣٤ [3] نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ٦٩

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حکمت

وضو کی ابتداء میں ہاتھ دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ پانی میں تین وصف ہیں: رنگ، بو، مزہ، ہاتھ میں پانی لینے سے رنگ معلوم ہو گیا، کلی کرنے سے مزہ کا پتہ چل گیا، ناک میں ڈالنے سے بو معلوم ہو جاتی ہے۔

ف ۲: "استجمار" کا مادہ جمار ہے، جمار چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں، اسی سے حج کا جمرہ بھی بنا ہے، یہاں مراد ہے: پتھر یا ڈھیلے سے پیشاب یا پاخانہ کی جگہ صاف کرنا۔

۱۱۹ - ح: اَلْاِسْتِجْمَارُ وِتْرًا [پتھر سے طاق بار استنجاء کرنا]

۱۱۹ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَلْیَجْعَلْ فِیْ اَنْفِهٖ مَاءً ثُمَّ لِیَنْثُرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ وَاِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلْیَغْسِلْ یَدَهٗ قَبْلَ اَنْ یُدْخِلَهَا فِیْ وَضُوْئِهٖ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم وضو کرو تو اپنی ناک میں پانی ڈالو، پھر اسے صاف کرو اور جو پتھر سے استنجاء کرے، وہ طاق بار کرے اور جب تم سو کر اُٹھو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھولو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ رات میں ہاتھ کہاں کہاں گیا؟

(ایضاً مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۸۷۔ ۸۸، ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۴۹، نسائی۔ کتاب الطہارۃ فی الترجمہ۔ ص ۱۱۵)

"اذا استیقظ" کی قید اتفاقی ہے

یہ قید احترازی نہیں اتفاقی ہے، اس لیے یہ حکم عام ہے خواہ سونے کے بعد وضو کرنا ہو یا بیدار رہنے کے بعد وضو کرنا ہو، دونوں صورتوں میں یہ سنت ہے کہ ہاتھ دھو کر برتن میں ڈالیں۔ اس کی ایک علت تو حدیث میں مذکور ہے، دوسری علت یہ ہے کہ اگر بے وضو ہاتھ دھوئے بغیر ہاتھ پانی میں ڈال دے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا، قابل وضو نہیں رہے گا، اس لیے کہ ماء مستعمل کی تعریف عامہ متون میں یہ کی:

ما ازیل به حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة.

وہ پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت بدن پر استعمال کیا گیا۔

چونکہ وضو کے لیے نیت شرط نہیں تو جب ہاتھ پانی میں گیا تو حدث خود دور ہو گا اور وہ پانی مستعمل ہو گیا، بلکہ اگر باوضو بھی ہو اور وضو کرنے کی نیت سے پانی میں ہاتھ ڈالے گا تو وہ مستعمل ہو جائے گا۔

اگر پانی کا برتن بہت بڑا ہو کہ یہ اسے جھکا کر پانی نہیں لے سکتا، پانی نکالنے کے لیے کوئی چھوٹا برتن نہ ہو، تو پہلے بائیں ہاتھ کی صرف انگلیوں سے پانی لے کر دائیں ہاتھ کو دھولے، اس کے بعد دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ دھوئے، یا اگر کپڑا ہو تو اسے پانی میں ڈال کر بھگولے اور اس سے ہاتھ دھوئے۔

دوسری روایتوں میں "اللیل" کا ذکر بھی اتفاقی ہے

اس قید سے نیز دوسری روایتوں میں جو "اللیل" وغیرہ مذکور ہے، اس سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم صرف رات میں سو کر اُٹھنے والے کے لیے ہے، مگر حدیث میں ہاتھ دھونے کی جو علت مذکور ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ رات میں سونے والے کے ساتھ یہ حکم خاص نہیں، اس لیے کہ جس طرح رات میں سونے کی حالت میں ہاتھ کہاں کہاں پڑا، معلوم نہیں ہوتا، اسی طرح دن میں بھی سونے میں معلوم نہیں ہوتا، بلکہ سونے کی بھی قید نہیں، جاگنے میں بھی ہاتھ کہاں کہاں جاتا ہے، ہمیشہ خیال نہیں رہتا۔ علت مذکورہ دن میں سونے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں بھی اور جاگنے میں بھی پائی جاتی ہے' اس لیے حکم عام ہوگا' اس لیے کہ جب شارع کوئی حکم بیان کرنے کے بعد اس کی کوئی علت بیان کریں تو حکم اسی پر دائر ہوگا۔ (فتح الباری۔ ج ۱ ص ۲۳۱)

مطلب یہ ہوا کہ جب یہ معلوم نہیں کہ ہاتھ کہاں رہا تو ہوسکتا ہے کہ نجاست پر پڑا ہو اور یہی نجس ہاتھ پانی میں پڑا تو پانی ناپاک ہوجائے' اس لیے پہلے ہاتھ دھولو۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ تھوڑے پانی میں نجاست پڑ جائے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے' اگرچہ نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں محسوس نہ ہو' اس لیے کہ اگر پانی کے نجس ہونے کے لیے نجاست کے اثر کا ظہور ضروری ہوتا تو اس احتیاطی حکم کی حاجت نہ تھی' بلا خطر ہاتھ ڈالتے' اگر نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہوتا تو پانی پھینک دیا جاتا' نہ ظاہر ہوتا تو وضو کر لیتے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مقام شک میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے' علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صورتِ مذکورہ میں ہاتھ دھونے کا حکم احتمال نجاست کی بناء پر ہے یا تعبدی ہے' اگر یہ حکم تنجیس کی بناء پر ہے تو جسے یقین ہو کہ میرا ہاتھ نجاست سے آلودہ نہیں ہوا ہے' پاک ہے وہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتا ہے' مگر ہمارے یہاں دوسری علت پانی کا مستعمل ہونا بھی ہے تو اس صورت میں پانی تو نجس نہ ہوگا مگر مستعمل ہوجائے گا' للہذا بغیر دھوئے ہاتھ برتن میں بالکل نہ ڈالے' اور اگر یہ امر تعبدی ہے تو اگرچہ یقین ہو کہ ہاتھ پاک ہے' بغیر دھوئے برتن میں نہ ڈالے۔ یہاں دھونے کی تعداد مذکور نہیں' مگر مسلم وغیرہ میں تصریح ہے کہ تین بار دھوئے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ دو یا تین بار دھوئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تین کی تحدید ضروری نہیں۔ ایک بار بھی دھونا کافی ہوگا' تین بار دھونا بہتر ہے تا کہ تثلیث کی سنت پوری ہوجائے۔

بخاری' کتاب بدء الخلق' باب: ''صفة ابليس و جنوده'' میں ہے کہ جب تم سو کر اُٹھو اور وضو کرو تو ناک تین بار صاف کرلو' اس لیے کہ شیطان تمہارے ناک کے بانسے پر رات گزارتا ہے۔ مسلم' کتاب الطہارۃ میں بھی ہے' مگر اس میں وضو کرنے کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سو کر اُٹھنے کے بعد اگر وضو بھی نہ کرنا ہو تو تین بار ناک صاف کرلے' لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کا کوئی قائل نہیں' اور یہ بھی اس پر محمول ہے کہ اگر وضو کرے تو ناک میں پانی ڈالے' لیکن اگر کوئی حدیث کے ظاہر الفاظ پر نظر کرتے ہوئے سو کر اُٹھنے کے بعد ناک صاف کرلیا کرے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس حدیث کے مطابق ثواب کا مستحق ہوگا۔

عام کتب میں تسمیہ کا ذکر نہیں' البتہ طبرانی کی اوسط میں ہے:

ان يسمى قبل ان يدخل. برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے۔

اس عہد میں عام طور پر لگن کی قسم کے برتنوں سے وضو کیے جاتے تھے اور اب جب کہ عام طور پر لوٹے سے وضو کیا جاتا ہے تو پانی میں ہاتھ ڈالنے کی حاجت ہی نہیں' مگر وضو کرنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھونا سنت ہے' اگر وضو لوٹے سے کرے تو بائیں طرف رکھے اور اگر لگن وغیرہ سے کرے تو دائیں طرف رکھے۔

۱۲۰- ح: وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

[(وضو میں خشک رہ جانے والی) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے]

۱۲۰ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ فَاَدْرَكَنَا وَقَدْ اَرْهَقْنَا الْعَصْرَ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلٰى اَرْجُلِنَا فَنَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ.

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے' حضور ہم سے اس وقت ملے جب عصر کا وقت تنگ ہوگیا تھا' ہم نے وضو کرنا شروع کیا اور (عجلت میں) اپنے پاؤں پر پانی چپڑنے لگے تو حضور نے بلند آواز سے دو یا تین

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اَوْ ثَلَاثًا. بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

(ایضاً کتاب العلم۔ باب: من رفع صوته بالعلم۔ ص ١٤۔ باب: من اعاد الحديث ثلثا ليفهم۔ ص ٢٠، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک کلھم فی الطہارۃ، دارمی۔ کتاب الوضوء مسند امام احمد)

ف ١: مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ واپس ہوتے ہوئے، جیسا کہ مسلم میں مفصل ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ آرہے تھے، جب ہم پانی پر پہنچے تو کچھ لوگوں نے عصر کی نماز کے وقت جلدی کر دی، انہوں نے وضو کیا، اس حالت میں کہ وہ جلدی میں ہوں، جب ہم وہاں پہنچے تو یہ دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں، انہیں پانی نہیں پہنچا تھا تو فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

مسح سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں مسح سے کیا مراد ہے؟ محض گیلا ہاتھ پھیرنا، یا بے توجہی اور عجلت کی وجہ سے اچھی طرح نہ دھونا، یا اس طرح دھونا کہ کچھ اعضاء دھلے بغیر رہ جائیں؟ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ امام بخاری نے یہی سمجھا کہ صحابہ کرام صرف پاؤں کے مسح پر اکتفاء کر رہے تھے، اس لیے انہیں تنبیہ فرمائی۔ اس پر تنبیہ نہیں ہے کہ پاؤں دھویا تھا اور ایڑیاں بغیر دھلی رہ گئی تھیں۔ اگر امام بخاری کا یہ سمجھنا درست ہوتا تو پھر "ويل للاعقاب" نہ فرمایا جاتا بلکہ "ويل للمسح" فرمایا جاتا، یا "ويل للرجل" فرمایا جاتا، نیز مسلم شریف کی دوسری روایت جو حضرت ابوہریرہ سے آئی ہے، اس پر صریح دلالت کرتی ہے کہ صحابہ نے پاؤں دھوئے تھے، ایڑیاں دھونے سے رہ گئی تھیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

راى رجلا لم يغسل عقبه فقال. ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے ایڑی نہیں دھوئی تھی تو فرمایا۔

علامہ عینی نے فرمایا: ایک روایت میں یہ آیا ہے:

راى قوما توضؤا و كانهم تركوا من ارجلهم شيئاً. کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کر چکے ہیں اور حالت یہ ہے کہ اپنے پاؤں کا انہوں نے کچھ حصہ بغیر دھلا چھوڑ دیا ہے۔

امام طحاوی کی بھی یہی رائے ہے کہ اس حدیث میں مسح اپنے حقیقی معنی میں ہے، اس کے پہلے پاؤں پر مسح کرنے کا حکم تھا، اس حدیث سے منسوخ ہو گیا، لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ پھر "ويل للاعقاب" فرمانا صحیح نہ ہوتا۔ مشروع پر عمل موجب نار کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز مسلم کی حضرت ابوہریرہ والی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے، اس لیے متعین ہے کہ "نمسح" یہاں اس پر محمول ہے کہ ہم اچھی طرح نہیں دھو رہے تھے، عجلت کی وجہ سے ایڑیاں بے دھلی رہ گئی تھیں، اس پر یہ ارشاد فرمایا۔

روافض کا رد

روافض یہ کہتے ہیں کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض نہیں، مسح کرنا فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت وضو میں صحیح قراءت "وارجلکم" لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ "رؤوسکم" پر معطوف ہے "ایدیکم" پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ صحیح قراءت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، غلط ہے، دونوں قراءتیں صحیح ہیں، لام کے کسرہ کے ساتھ بھی اور لام کے فتحہ کے ساتھ بھی۔ لام کے فتحہ کے ساتھ بھی قراءت متواترہ ہے۔ اس تقدیر پر متعین ہے کہ "ارجلکم" کا عطف "ایدیکم" پر ہو اور لام کے کسرہ والی قراءت کی بنا پر لام کو کسرہ جوار کی وجہ سے ہے، مجرور ہونے کی وجہ سے نہیں، اور اگر اسے "رؤوسکم" پر معطوف مانیں تو "ارجلکم" کے لام کے فتحہ کی کوئی توجیہ نہیں ہو پائے گی۔ علاوہ ازیں احادیث اس بارے میں اتنی کثیر ہیں جو معناً متواتر نہیں تو مشہور ضرور ہیں، نیز

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ صرف تین حضرات سے مسح رجل کا قول روایت کیا گیا ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، مگر بعد میں ان لوگوں نے بھی اس سے رجوع کرلیا ہے۔ (عینی۔ ج ۲ ص ۲۱)

''ویل'' کا معنی

''ویـل'' کے معنی ہیں: خرابی، ہلاکت، یہ زجر کے موقع پر بولتے ہیں۔ ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ویل، جہنم میں ایک ایسی وادی کا نام ہے۔ جس میں اتنی گرمی ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈال دیئے جائیں تو وہ بھی جل جائیں[1] اس سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے۔ (بہارِ شریعت۔ حصہ دوم ص ۳)

ایک قول یہ ہے کہ جہنمیوں کی پیپ کو ویل کہتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ویل ان مصادر میں سے ہے، جن کے لیے افعال نہیں، یہ ہلاکت اور عذاب کے معنی میں مستعمل ہے، یہاں عذاب ہی کے معنی میں ہے۔

ت ٢٦- وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، بخاری فی التاریخ بمعناہ)

اور (مشہور تابعی) محمد بن سیرین جب وضو کرتے تو انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے۔

ابن سیرین

ان کا نام محمد ہے، مشہور ابن سیرین کے ساتھ ہیں، کنیت ابوبکر ہے، ان کے والد سیرین جنگ عین التمر میں گرفتار ہوئے۔ ان کی قسمت نے یاوری کی کہ ان کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی نصیب ہوئی۔ حضرت انس نے بیس ہزار درہم پر انہیں مکاتب بنایا، یعنی اتنا ادا کردو تو تم آزاد ہو۔ انہوں نے یہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کرلی۔ محمد بن سیرین کی والدہ کا نام صفیہ ہے۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزاد کردہ باندی تھیں، یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں کہ جب ان کا سیرین سے نکاح ہونے والا ہوا تو تین ازواجِ مطہرات نے انہیں خوشبو لگائی اور ان کے لیے دعا کی، تیرہ اصحاب بدر جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، ان کے نکاح میں شریک ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب نے دعا کی، بقیہ حضرات نے آمین کہا۔ محمد بن سیرین، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں حضرت امام حسن بصری کے وصال کے سو دن کے بعد وصال فرمایا۔ یہ ان ائمہ تابعین میں سے ہیں جن کی عظمت و جلالت متفق علیہ ہے، حدیث و فقہ کے امام ہیں۔ تیس صحابہ کرام کی زیارت کی اور حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کثیر تابعین سے روایت کی۔ فن تعبیر کے امام منفرد ہیں۔ زہد و ورع، تقویٰ، خشیت خداوندی، علم و فضل سب ان میں جمع تھا۔ اشعث نے کہا: جب ان سے حلال و حرام کے بارے میں کچھ پوچھا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ معلوم ہوتا یہ پہلے والے نہیں ہیں۔ مہدی نے کہا کہ ہم ان کی مجلس میں ان سے خوب باتیں کرتے، وہ بھی کرتے، مگر جب موت کا ذکر آتا تو چہرے کا رنگ اُڑ جاتا، زرد پڑ جاتا، بالکل بدل جاتے۔ حلف بن ہشام نے کہا: اللہ عزوجل نے ان کو اچھی عادت، اچھا جسم اور خشوع عطاء فرمایا تھا، لوگ انہیں دیکھتے تو اللہ یاد آجاتا۔ (اکمال، عینی۔ ج ۱ ص ۷۱)

وضو کرتے وقت انگوٹھی کی جگہ دھونا

ابن ماجہ نے حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا توضا حرك خاتمه.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی انگوٹھی ہلاتے۔

[1] عمدۃ القاری، عینی۔ ج ۳ ص ۹

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خود ابن سیرین سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اپنی انگوٹھی انگلی میں گھمائی' اور اس تعلیق میں یہ ہے کہ انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے تھے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب انگوٹھی تنگ ہوتی' اس کے اندر پانی نہ پہنچتا تو انگوٹھی اتار کر اس کی جگہ دھوتے تھے اور جب ڈھیلی ہوتی اور اس کے اندر پانی پہنچنے کا ظن غالب ہوتا تو صرف گھمانے پر اکتفاء کرتے تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ انگوٹھی کی جگہ دھونے سے مراد یہ ہے کہ اسے گھما دیتے تاکہ پانی اس کے اندر بھی پہنچ جائے۔ اسی پر عمل بھی ہے کہ اگر انگوٹھی ڈھیلی ہو کہ بغیر ہلائے اس کے اندر پانی پہنچ جائے تو نہ ہلانے کی حاجت نہ گھمانے کی' البتہ بہتر یہ ہے کہ ہلائے' اور اگر تنگ ہے کہ بغیر ہلائے اندر پانی نہ پہنچے تو ہلانا فرض۔ اور اگر اتنی تنگ ہے کہ ہلانے گھمانے پر بھی پانی اندر نہ جائے تو اتار کر اسے دھونا فرض ہے۔

اس مضمون کی احادیث اور بھی ہیں' بیہقی نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب وضو کرتے' اپنی انگوٹھی ہلاتے۔ ابن قتیبہ کی غریب الحدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا: انگوٹھی کی جگہ کا خیال کر۔ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے بھی مروی ہے کہ یہ لوگ جب وضو کرتے تو انگوٹھی ہلا لیتے۔

۱۲۱ - قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُوْنَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ ف۱ قَالَ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ. (مسلم۔ کتاب الطہارۃ' نسائی۔ کتاب الطہارۃ)

محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اور لوگ ایک برتن سے وضو کر رہے تھے' میں نے سنا کہ انہوں نے کہا: لوگو! وضو پوری طرح کرو' اس لیے کہ حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایڑیوں ف۲ کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

محمد بن زیاد کا تعارف

محمد بن زیاد' حضرت عثمان بن مظعون مشہور صحابی کے آزاد کردہ غلام ہیں' قرشی جمحی ہیں' مدنی الاصل ہیں' مگر بعد میں بصرہ کی سکونت اختیار کر لی تھی' ثقہ تابعی ہیں۔

ف۱: "مِطْهَرَةٌ" اسم آلہ ہے' حدیث میں ہے: "السواك مِطهرَة للفم و مرضاة للرب" مسواک منہ کی صفائی اور رب تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ یہاں مراد وہ برتن ہے جس میں وضو کے لیے پانی رکھا ہو' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد حوض' گڑھا وغیرہ ہو۔

ف۲: حدیث میں اگرچہ خصوصیت واقعہ کی وجہ سے صرف ایڑیوں کا ذکر ہے' نیز عام طور پر بے پرواہ عجلت باز ایڑیوں سے غفلت برتتے ہیں' مگر حکم ان تمام اعضاء کو عام ہے جو ایسے ہیں کہ اگر خاص خیال کر کے وہاں پانی نہ پہنچایا جائے تو دھونے سے رہ جائیں گے' مثلاً ایڑیاں' ٹخنے' کونچیں' انگلیوں کی گھائیاں' کہنیاں' آنکھ کے کوئے' انگوٹھی کے اندر' ہر شخص کے لیے ان کا خیال کرنا مستحب ہے' اور لاپرواہ لوگوں پر فرض ہے[۱]۔ اسی لیے امام بخاری نے حضرت ابن سیرین کا قول نقل فرمایا' حاکم نے عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا: ایڑیوں اور تلووں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔ مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور ناخن کے برابر قدم پر پانی نہیں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا' فرمایا: جا! اچھی طرح وضو کر' وہ گئے اور پھر آئے اور نماز پڑھی۔ (کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۱۲۵)

۱۔ بہار شریعت۔ حصہ دوم ص ۱۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مسائل مستنبطہ

(۱) پاؤں کا دھونا فرض ہے (۲) ہر عضو کو پورا دھونا فرض ہے ''للاکثر حکم الکل'' یہاں نہیں (۳) علماء پر واجب ہے کہ ان پڑھے لکھے لوگوں کو مسائل بتائیں (۴) ضرورت کے وقت مسئلہ بتاتے وقت آواز بلند بھی کی جا سکتی ہے (۵) عالم مخاطب کو جھڑک بھی سکتا ہے (٦) عذاب جسم اور روح دونوں پر ہوگا' صرف روح پر نہیں (۷) عذاب جہنم اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے' معنی مجازی مراد نہیں کہ اپنے گناہوں کو دیکھ کڑھنے کا نام ہو۔

۱۲۲- ح: اَلتَّوَضِّيْ فِي النِّعَالِ

۱۲۲ - عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ رَاَيْتُكَ تَصْنَعُ اَرْبَعًا لَّمْ اَرَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ رَاَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْاَرْكَانِ اِلَّا الْيَمَانِيَّيْنِ وَرَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَاَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَاَيْتُكَ اِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ اَهَلَّ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ اَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ اَمَّا الْاَرْكَانُ فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ اِلَّا الْيَمَانِيَّيْنِ وَاَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَّيَتَوَضَّاُ فِيهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا وَاَمَّا الصُّفْرَةُ فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا فَاِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَصْبُغَ بِهَا وَاَمَّا الْاِهْلَالُ فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ.

[جوتوں سمیت وضو کرنا]

عبید بن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو چار ایسی باتیں کرتے دیکھ رہا ہوں جنہیں آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ کرتے ہوں انہوں نے پوچھا: اے ابن جریج! وہ کون کون سی باتیں ہیں؟ ابن جریج نے کہا: میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کعبہ کے ارکان میں صرف رکن یمانی اور رکن حجر اسود کو ہاتھ لگاتے ہیں اور میں نے آپ کو بال صاف کی ہوئی سبتی چپل پہنتے دیکھا اور میں نے آپ کو یہ دیکھا کہ آپ بالوں کو زرد خضاب سے رنگتے ہیں اور مکہ والے چاند دیکھتے ہی تلبیہ کہنے لگتے ہیں' مگر میں نے آپ کو دیکھا کہ یوم ترویہ سے پہلے تلبیہ نہیں پکارتے۔ اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا: ارکان کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے یمانیین کے اور کسی رکن کو ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا اور بغیر بال کی جوتیوں کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ بغیر بال کی چپل پہنتے تھے اور اس میں وضو فرماتے تھے' اس لیے میں انہیں پہننا پسند کرتا ہوں' رہا زرد رنگ کا خضاب تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بالوں میں زرد رنگ کا خضاب لگاتے دیکھا ہے' اس لیے میں بھی پسند کرتا ہوں کہ یہ خضاب لگاؤں' تلبیہ پکارنے کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضور اس وقت تک تلبیہ نہیں کہتے تھے جب تک کہ آپ کی سواری نہ چل دیتی۔

(ایضاً۔ کتاب اللباس۔ باب: نعال السبتیہ۔ ج ۲ ص ۸۷۰' مسلم۔ کتاب الحج۔ باب: الافضل ان یحرم حین تنبعث به راحلته ابوداؤد۔ کتاب المناسک۔ باب: وقت الاحرام' ترمذی شمائل۔ باب: ما جاء فی نعال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء فی النعال' ابن ماجہ۔ کتاب اللباس۔ باب: الخضاب بالصفرۃ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ید بن جراح

یہ تابعی مدنی بنی تیم کے آزاد کردہ غلام ہیں' ان میں اور مکہ معظمہ کے مشہور ومعروف امام' فقیہ' محدث' عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج میں کوئی رشتہ نہیں۔ بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ ابن جریج مکی کے چچا ہیں' یہ غلط ہے۔ جریج' جرج کی تصغیر ہے' اس کے معنی سامان رکھنے کے تھیلے کے ہیں' جیسے جرجی کہتے ہیں۔

رعایت باب

امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: ''باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین'' چپل میں پاؤں ہوتے ہوئے پاؤں دھونا ہے' ان پر مسح نہیں کرنا ہے۔ اس باب کے باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ اصحاب ظواہر اور روافض پاؤں پر بھی مسح کافی سمجھتے ہیں' دھونا ضروری نہیں جانتے۔ اور یہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی مروی ہے' مثلاً حضرت علی وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بلکہ اس سلسلے میں ایک حدیث مرفوع بھی ترمذی وابوداؤد میں مذکور ہے' لیکن عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے' وہ وضو ہوتے ہوئے دوبارہ وضو کرنے کے وقت مروی ہے' جیسا کہ امام طحاوی نے جو روایت کی' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

رأیت علیا رضی الله عنه صلی الظهر ثم قعد للناس فی الرحبة ثم اتی بماء فمسح بوجهه ویدیه ومسح براسه ورجلیه وشرب فضلة قائما ثم قال ان ناسا یزعمون ان هذا یکره وانی رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصنع مثل ما صنعت وهذا وضوء من لم یحدث. (طحاوی۔ ج۱ص۳۰)

نزال بن سبرہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر پڑھی' پھر صحن میں لوگوں کے لیے بیٹھے' کچھ دیر کے بعد پانی پیش کیا گیا تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا اور سر اور پاؤں پر مسح فرمایا اور بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا' پھر فرمایا: لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے' حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی یعنی وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیتے ہوئے دیکھا ہے' یہ اس کا وضو ہے جس کا وضو ٹوٹا نہ ہو۔

امام طحاوی نے اس پر فرمایا کہ اگر اس حدیث کو پاؤں پر مسح کی دلیل ٹھہرایا جائے تو اس میں چہرے اور ہاتھوں کے لیے بھی مسح ہی کا لفظ ہے تو لازم ہوگا کہ چہرے اور ہاتھوں پر بھی مسح کافی ہو۔ لامحالہ اس حدیث میں مسح کے معنی غسل خفیف مراد لینا پڑے گا' یعنی حضرت علی کی عام عادت جس طرح وضو کرنے کی تھی' اس سے کم دھویا۔ رہ گیا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور جو بھی اس قسم کی احادیث ہیں' ان سب میں مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اس وقت موزوں پر جوتے پہنتے تھے' چونکہ ان کے جوتے چپل کی طرح ہوتے تھے کہ قدم کے اوپر صرف دو تسمے ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے اصل میں موزوں پر مسح کیا اور راوی نے یہ سمجھا کہ یہ چپل پر مسح ہے۔ علامہ عینی وغیرہ نے امام طحاوی سے الگ ایک بہت قوی دلیل نقل کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر موزے اتنے پھٹ جائیں جن سے قدم ظاہر ہونے لگے تو ان موزوں پر مسح جائز نہیں اور چپل میں قدم کی پیٹھ تقریباً کل کھلی رہتی ہے تو اس پر مسح کیسے جائز ہوگا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: یہ استدلال صحیح ہے' مگر اس پر اجماع کے دعوی میں نزاع ہے' اس لیے کہ صحابہ وتابعین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ پاؤں پر مسح جائز ہے۔ علاوہ ازیں عکرمہ' قتادہ' شعبی بھی اس کے قائل ہیں۔ امام حسن بصری نے فرمایا کہ واجب پاؤں دھونا ہے یا مسح۔ اور بعض اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ غسل اور مسح دونوں کا جمع کرنا واجب ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اجماع کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اقل کی مخالفت اجماع میں مضر نہیں اور تواتر شرط نہیں۔ اس کے بعد حضرت عطاء کا یہ قول پیش کیا کہ عبدالملک

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نے کہا: میں نے عطاء سے پوچھا: کیا آپ کو کسی صحابی کے بارے میں یہ خبر ملی ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں۔

اقــول: اس پر منازع بہت کچھ کہہ سکتا ہے' امام طحاوی نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ پاؤں کو دھویا جائے' مسح نہ کیا جائے۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ موزے اگر اتنے پھٹے ہوں کہ قدم ظاہر ہوں تو مسح درست نہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی' اور اگر امام طحاوی کی مراد یہ ہوتی کہ اس پر اجماع ہے کہ پاؤں کا مسح کافی نہیں تو البتہ ابن حجر کا اعتراض وارد ہوتا۔ اور اگر بالفرض یہی مراد لیا جائے کہ امام طحاوی کی مراد یہی ہے کہ پاؤں پر مسح کافی نہیں' اس پر اجماع ہے' اگر چہ یہ ان کے ارشاد سے کسی طرح ظاہر نہیں تو اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ امام طحاوی کی مراد صحابہ کرام کا اجماع ہے' اور یہ صحیح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو مروی ہے' اس کے بارے میں گزر چکا کہ وہ وضو ہوتے ہوئے وضو تھا' یا یہ کہ جوتوں کے ساتھ موزے بھی پہنے تھے' اور مسح اصل میں موزوں پر تھا۔

رکن عراقی اور شامی کا استلام نہیں

قصہ یہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی جو تعمیر کی تھی' وہ جنوب کی جانب قواعد ابراہیم پر تھی اور جانب شمال جو حطیم کا حصہ ہے' وہ چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف جنوبی ارکان یمانی اور حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے' پھر جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی تعمیر میں جانب شمال بھی بڑھا کر قواعد ابراہیم پر تعمیر کی اور حطیم اندر آ گیا تو صحابہ کرام چاروں ارکان کو ہاتھ لگانے لگے' پھر عبدالملک کے حکم سے حجاج نے اس تعمیر کو ڈھا کر حطیم کو باہر کر دیا اور قریش کی تعمیر کے مطابق بنا دیا' تو جو واقف کار تھے وہ رکن عراقی اور شامی کو طواف کے وقت ہاتھ نہیں لگاتے تھے' صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے اور کچھ لوگ چاروں ارکان کو ہاتھ لگاتے رہے' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر کے بعد سے رواج پڑ گیا تھا۔ عبید بن جریج کو یہ راز معلوم نہ تھا' اس لیے انہوں نے حضرت ابن عمر سے یہ سوال کیا۔ یہ اختلاف عمل عہد تابعین تک رہا۔ اب اس پر اجماع ہو گیا کہ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو طواف کی حالت میں ہاتھ لگایا جائے۔ فرق یہ ہے کہ رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگائیں گے اور حجر اسود پر دونوں ہاتھ رکھ کر منہ سے بوسہ دیں گے' اگر اس کا موقع مل جائے تو' ورنہ صرف ہاتھ یا لکڑی سے اشارہ کافی ہے۔ تفصیل کتاب الحج میں آئے گی' یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

''اَلسِّبْتِيَّةَ'' کی تحقیق

سبتیہ' سبت کی طرف منسوب ہے' اس کے معنی میں کئی قول ہیں۔ سلم کے پتوں میں پکائی ہوئی گائے کی کھال' یا ہر پکائی ہوئی کھال' سر مونڈنا' ایک بازار کا نام ہے' یہاں مراد وہ کھال ہے جس پر بال نہ ہوں' سبت کے معنی سر مونڈنے کے ہیں چونکہ اس کے بال اڑا دیئے گئے ہیں' اس لیے اس کو سبتیہ کہتے ہیں۔ نعل جو اس عہد میں پہنتے تھے وہ چپل کی طرح ہوتا تھا' جس کے پشت پر دو تسمے ہوتے تھے' جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مقدس کے بارے احادیث میں وارد ہے۔ سبتی نعل پہننے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں' اس عہد میں کم پہنتے تھے' اس لیے عبید بن جریج کو پوچھنا پڑا۔

''یتوضا'' اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے

صرف اتنا ہی حصہ باب کے مطابق ہے' یہاں متعین ہے کہ ''یتوضا'' کے معنی دھونے کے ہیں' اس لیے کہ ''توضی'' دھونے کے معنی میں مستعمل ہے' اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مسح فرمایا ہوتا تو ''یمسح'' فرماتے۔ علاوہ ازیں اگر مسح مراد ہوتا تو ''فیھا'' نہ ہوتا' ''علیھا'' ہوتا۔ ''فیھا'' فرما کر تعیین کر دی کہ دھونا ہی مراد ہے' یعنی چپل پہنے پہنے پاؤں دھوتے جیسا کہ ابوداؤد' باب ''صفۃ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وضوء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: اے ابن عباس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے؟ تمہیں دکھادوں! انہوں نے عرض کیا: ضرور! تو انہوں نے وضو شروع فرمایا' یہاں تک کہ سر کا مسح فرمایا' پھر ایک لپ پانی دائیں پاؤں پر ڈالا' حالانکہ چپل پاؤں میں تھی' پھر پاؤں کو ادھر اُدھر موڑا' پھر دوسرے پاؤں کے ساتھ بھی یہی کیا۔ (کتاب الطہارۃ۔ باب: صفة وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

"زرد رنگ رنگتے ہیں" اس کی توجیہ

اس سے یا تو صرف بالوں پر زرد رنگ کا خضاب کرنا مراد ہے یعنی کسم ہے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر کپڑے اور عمامہ بھی زرد رنگ کے استعمال کرتے ہوں' جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی ڈاڑھی کو زرد رنگ سے اتنا رنگتے کہ کپڑے لت پت ہو جاتے' یہ زرد رنگ سے اپنے تمام لباس کو رنگتے یہاں تک کہ عمامے کو بھی۔ (کتاب اللباس۔ باب: فی المصبوغ)

تلبیہ کس وقت پکاری جائے؟

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ تلبیہ کس وقت سے پکارا جائے؟ کچھ لوگوں نے کہا: جب ذوالحجہ کا چاند دیکھا جائے اس وقت سے۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد نے فرمایا: جب سواری چلنے لگے' جیسا کہ اس حدیث میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے' ہمارا مسلک یہ ہے کہ احرام کی نماز سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہونے سے پہلے تلبیہ شروع کردے۔ ہماری دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جو حضرت سعید بن جبیر شہید مظلوم سے مروی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا: مجھے اس پر تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کہنے کے وقت کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: میں اس معاملے کو سب سے زیادہ جانتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی حج کیا' پھر بھی ساتھیوں میں اختلاف ہوگیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد (ذوالحلیفہ) میں احرام کی دو رکعتیں پڑھیں' اسی وقت تلبیہ کہا' جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے' ان لوگوں نے سنا (باہر والوں نے نہیں سنا)' پھر جب مسجد سے باہر تشریف لاکر سواری پر بیٹھے اور سواری لے کر چلی تو تلبیہ کہا۔ اسے ان لوگوں نے سنا جو وہاں موجود تھے' لوگ جماعت در جماعت آکر شامل ہوتے جاتے تھے' پھر جب شرف البیداء پر چڑھے تو تلبیہ کہا' اسے بہت بڑی جماعت نے سنا' بخدا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں جگہ تلبیہ کہا' جس نے جو سنا اسے بیان کیا۔ (ابوداؤد۔ کتاب المناسک۔ باب: وقت الاحرام)

اس حدیث سے مختلف روایات میں تطبیق بھی ہوگئی۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا' ان کا سکوت دلیل تصحیح ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس کے بارے میں کہا: یہ حدیث صحیح ہے مسلم کی شرط پر ہے۔ نیز امام طحاوی نے بھی اس کی تخریج کی ہے' اس کی بقیہ تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔

١٢٣- ح: اَلتَّيَامُنُ فِيْ كُلِّ شَيْئٍ [ہر چیز میں دائیں جانب اختیار کرنا]

١٢٣- عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُنَّ فِيْ غُسْلِ ابْنَتِهِ ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے (جو غسل دے رہی تھیں) اپنی صاحبزادی کے غسل کے بارے میں فرمایا: دائیں طرف سے اور اعضاء وضو سے شروع کرنا۔

(ایضاً کتاب الجنائز۔ باب: یبدأ بمیامن المیت۔ ص ١٦٧ میں تین طریقے سے' مسلم۔ کتاب الجنائز۔ باب: البدأ بمیامن المیت و مواضع الوضوء۔ نسائی۔ کتاب الجنائز۔ باب: میامن المیت و مواضع الوضوء منه' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: غسل المیت)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا

انصاریہ ہیں، ان کا نام نسیبہ بنت کعب، یا الحارث ہے، خواتین بلکہ صحابیات میں یہ اپنی گونا گوں خصوصیات میں منفرد و ممتاز ہیں یہ بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں، مردہ عورتوں کو غسل دیتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کی ماہر تھیں۔ سات غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئیں، جن میں خیبر بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے گھر جا کر قیلولہ فرمایا کرتے۔ ان سے چالیس حدیثیں مروی ہیں، چھ یا سات متفق علیہ ہیں، ایک افرادِ بخاری سے ایک ہی افرادِ مسلم سے ہے۔

تکمیل

ان سے حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مراد ہیں، جیسا کہ مسلم[1] کی روایت میں تصریح ہے۔ پوری حدیث کتاب الجنائز میں یوں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا وصال ہوا، ہم انہیں غسل دے رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا انہیں تین یا پانچ یا اس سے بھی زائد بار، جتنی ضرورت سمجھنا خالص پانی یا بیری کے پانی سے نہلانا، اخیر میں کافور ملا لینا اور جب نہلا کر فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتلانا۔ اُمِ عطیہ کہتی ہیں کہ جب ہم فارغ ہوئیں تو حضور کو بتایا۔ حضور نے اپنا تہبند عطاء فرمایا اور یہ فرمایا کہ اسے ان کا ازار بنانا۔ یہ روایت محمد بن سیرین کی ہے۔ ان کی بہن حفصہ نے انہیں اُمِ عطیہ سے، جو روایت کی اس میں یہ ہے: انہیں طاق بار نہلانا تین یا پانچ یا سات بار، غسل کی ابتداء دائیں طرف اور وضو کے اعضاء سے کرنا۔ اُمِ عطیہ نے کہا: ہم نے کنگھی کر کے ان کے بالوں کے تین حصے کر کے پیچھے کی طرف کر دیئے۔

باب کے ساتھ مناسبت

امام بخاری نے اس پر باب یہ باندھا ہے: "باب التيمن في الوضوء والغسل" غسل اور وضو میں دائیں طرف سے شروع کرنا۔ اور یہ حدیث میت کے غسل کے بارے میں ہے، مگر ہے بہر حال وضو اور غسل ہی کے بارے میں، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا تو ثابت ہوا کہ تیامن مطلقاً ہر وضو اور غسل میں پسندیدہ ہے۔

وضو کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا، غسل کا مفصل بیان آگے آرہا ہے، یہاں غسل کے ذکر کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ یہ حدیث غسل ہی کے ذکر پر مشتمل ہے، وضو ضمنی طور پر ہے۔ اس لیے امام بخاری نے غسل کا اضافہ فرمایا۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ غسل میں تیامن پسندیدہ ہے، وہیں وضو میں بھی تیامن کا اثبات صراحۃً بغیر کسی تردّد کے ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ صریح طور پر فرمایا کہ دائیں طرف اور مواضع وضو سے شروع کرنا، تو تیامن کا حکم وضو کے لیے بھی ہوا۔

حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا

یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں جو بعثت سے دس سال پہلے جب کہ عمر مبارک تیس سال تھی، پیدا ہوئیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت قاسم ان سے بڑے تھے۔ ان کا عقد ان کے خالہ کے لڑکے، حضرت ابو العاص سے ہوا تھا، بعثت کے بعد یہ ایمان سے مشرف ہوئیں مگر ابو العاص ان کے ساتھ ایمان نہ لائے، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر میں یہ مشرکین کی طرف تھے، یہ بھی قید ہوئے، ان کے بھائی عمرو ان کو رہا کرانے کے لیے جب مدینہ آئے تو حضرت زینب نے فدیے میں وہ ہار ان کو دیا جو حضرت خدیجہ نے حضرت زینب کو شادی کے موقع پر دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو پہچان لیا، حضرت خدیجہ یاد آ گئیں، رقت طاری ہو گئی، حضرت خدیجہ کے لیے کلمات ترحم فرمائے، یہ پسند خاطر نہ ہوا کہ بیٹی کو ماں کی نشانی سے محروم کر دیا

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۳۰۵

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہہ سن کے بغیر فدیہ ابوالعاص کو آزاد کر دیا البتہ یہ عہد لے لیا کہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو بھیج دیں گے انہوں نے وعدہ پورا کیا۔ حضرت زینب جب مدینہ کے لیے چلیں تو ہبار بن الاسود اور ایک اور سنگ دل نے انہیں دھکا دے یہ ایک چٹان پر گر پڑیں جس سے سخت چوٹ آئی ایسی کہ زندگی بھر اچھی نہ ہو سکیں اسی میں وصال ہوا۔ سن وصال آٹھ ہجری ہے۔ حضرت زینب کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچ کر وصال فرما گئے اور ایک صاحبزادی حضرت اُمامہ ہوئیں جن کے بارے میں احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو گود میں لے کر نماز پڑھتے سجدے میں جاتے تو اتار دیتے جب سجدے سے اُٹھتے تو پھر گود میں لے لیتے۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی نے حضرت اُمامہ سے نکاح فرمایا۔ (استیعاب اصابہ۔ ج ۴۔ ذکر زینب)

مسائل مستنبطہ

میت کو غسل دیتے وقت پہلے اس کو وضو کرایا جائے البتہ نہ کلی کرائی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے اس لیے کہ منہ اور ناک سے پانی نکالنا بہت دشوار ہوگا۔ یہی احناف کا مذہب ہے جو احناف کی کتابوں میں درج ہے۔ علامہ نووی کو غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے لکھ دیا کہ احناف وضو سے میت کے غسل کو شروع کرنا مستحب نہیں جانتے میت کے غسل میں بھی ہر عضو میں پہلے دائیں کو دھویا جائے مطلقاً ہر طہارت میں تیامن مستحب ہے خواہ غسل ہو خواہ وضو ہو خواہ زندہ کرے خواہ مردہ کو طہارت کرائی جائے۔ اشارۃً ثابت ہوا کہ دایاں عضو بائیں سے افضل ہے۔ تکمیل کا جو حصہ ہم نے نقل کیا اس سے ثابت ہوا کہ میت کو بیری کے پانی سے غسل دیا جائے اور اخیر میں کافور ملے ہوئے پانی سے طاق بار غسل دیا جائے جو تین سے کم نہ ہو زیادہ کی کوئی حد نہیں جتنے میں میت خوب صاف ستھری ہو جائے مگر طاق عدد پورا کیا جائے۔ مرد کے استعمال شدہ لباس کو عورت کے کفن میں دیا جا سکتا ہے۔ بزرگانِ دین کے لباس کو بہ طورِ تبرک کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے بزرگوں کی استعمال کردہ چیزوں سے برکت حاصل کرنا عہدِ رسالت سے معمول ہے عورت کے بالوں کو پیچھے کی طرف کر دیا جائے۔

١٢٤- ح: اِسْتِحْبَابُ التَّيَمُّنِ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ

[ہر چیز میں دائیں کا استحباب]

١٢٤- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِيْ تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهِ وَفِيْ شَانِهِ كُلِّهِ.

حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام دائیں سے شروع کرنا پسند تھا جوتا پہننا کنگھا کرنا طہارت کرنا ہو (کچھ بھی ہو)۔

(ایضاً۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: التیمن فی دخول المسجد وغیرہ۔ ج ۱ ص ۶۱۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: التیمن فی الاکل وغیرہ۔ ج ۱ ص ۸۱۰۔ کتاب اللباس۔ باب: الترجل۔ ج ۲ ص ۸۷۸ مسلم۔ کتاب الطہارۃ ابوداؤد۔ کتاب اللباس ترمذی۔ کتاب الجمعۃ نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب الغسل۔ کتاب الزینۃ ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ مسند امام احمد)

تکمیل

کتاب الصلوۃ وغیرہ میں "مَا اسْتَطَاعَ" کا اضافہ ہے مطلب ظاہر ہے کہ جن اعضاء میں تیامن ممکن ہے انہیں میں تیامن فرماتے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تیامن کہاں مستحب ہے؟

اس کے عموم سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ ہر کام میں بیت الخلاء میں داخل ہونا' لباس اتارنا' جوتا اتارنا بھی ہے کیاان سب میں بھی تیامن مستحب ہے؟ اس کا جواب علامہ عینی وعلامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ سوائے ''وھو بکل شیء علیم'' اور صفاتِ باری میں وارد اس قسم کی آیات کے ہر عام مخصوص منہ البعض ہے۔ یہ عام بھی دوسرے دلائل سے مخصوص منہ البعض ہے' جن چیزوں کے بارے میں تصریح ہے کہ بائیں طرف سے شروع کی جائیں' وہ مخصوص ہیں' یا یہ کہ شان کا معنی وہ فعل ہے جو مقصود ہو' جن میں تیاسر (بائیں طرف سے ابتداء) مستحب ہے' وہ فعل مقصود نہیں بلکہ اصل میں وہ سب از قسم ترک و متروک ہیں' جیسے لباس اتارنا' جوتا اتارنا' مسجد سے باہر آنا' بیت الخلاء میں جانا بھی ایک قسم کے ترک ہی کے لیے جاتے ہیں۔ علامہ نووی نے اس کی یہ تفصیل کی کہ جو افعال تشریف و تکریم کے قبیل سے ہیں' ان میں تیامن مستحب ہے' جیسے لباس وغیرہ پہننا' مسجد میں جانا' مسواک کرنا' سرمہ لگانا' ناخن کتروانا' کنگھا کرنا وغیرہ وغیرہ اور جن میں تشریف و تکریم نہ ہو' ان میں بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے' جیسے بیت الخلاء میں جانا' مسجد سے باہر ہونا' لباس اتارنا وغیرہ وغیرہ۔

وضو میں ہاتھ پاؤں دھونے میں تیامن مستحب ہے' اس پر اہل سنت کا اجماع ہے' البتہ روافض واجب مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر دائیں اعضاء پہلے نہ دھوئے گئے تو وضو ہی نہ ہوگا۔

١٢٥ - ح: خُرُوْجُ الْمَاءِ مِنْ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا جاری ہونا]

١٢٥ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوْءَ فَلَمْ يَجِدُوْهُ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ الْاِنَاءِ يَدَهٗ وَاَمَرَ النَّاسَ اَنْ يَّتَوَضَّئُوْا مِنْهُ قَالَ فَرَاَيْتُ الْمَآءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ اَصَابِعِهٖ حَتّٰى تَوَضَّئُوْا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِهِمْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور عصر کا وقت ہو چکا تھا' لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا مگر لوگوں نے نہیں پایا' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (تھوڑا سا) وضو کا پانی لایا گیا' رسول اللہ ﷺ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔ (حضرت انس نے) کہا: میں نے دیکھا کہ حضور کی انگلیوں کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے یہاں تک کہ ان کے آخری شخص نے بھی وضو کر لیا۔

(ایضاً۔ کتاب المناقب۔ باب: علامات النبوۃ۔ ج١ص ٥٠٤' مسلم۔ کتاب الفضائل' ترمذی۔ کتاب المناقب' نسائی۔ کتاب الطہارۃ' دارمی مقدمہ' مؤطا۔ کتاب الطہارۃ' مسند امام احمد)

نماز کا وقت شروع ہوتے ہی پانی کی تلاش واجب ہے

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب نماز کا وقت آ جائے تو پانی کی تلاش واجب ہے' جب پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے' نماز کا وقت ہونے سے پہلے پانی کی تلاش واجب نہیں' ورنہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام پہلے تلاش کرتے۔ نماز کا وقت ہونے کے بعد اگر گمان ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ہے تو تلاش کر لینا ضروری ہے' تلاش کیے بغیر تیمم جائز نہیں' حتیٰ کہ اگر تلاش کیے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی ملا تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنی لازم ہے' اگر نہ ملا تو نماز ہوگئی۔ اگر گمان غالب ہے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں تو تلاش کرنا ضروری نہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پانی کس برتن میں تھا؟

یہ پانی کس برتن میں تھا؟ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک میں ہے: ''بقدح رحراح'' کم گہرائی کا چوڑا پیالہ۔ ایک روایت ''زجاج'' شیشے کا پیالہ۔ ایک میں ''جفنة'' بڑے پیالے میں' ایک میں'' میضاة'' ہے' یعنی وضو کرنے کے برتن میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت یوں ہے کہ ایک شخص گیا اور ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لایا' وہ اتنا چھوٹا تھا کہ حضور نے ہاتھ پھیلایا تو اس میں نہ آسکا تو حضور نے انگلیاں سمیٹ لیں۔ ص ۳۲ پر باب: الوضوء والغسل من المخضب کے تحت جو روایت ہے' وہ اس کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے' اس لیے کہ اس میں یہ ہے کہ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ وضو کرنے کے لیے گھر گئے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واقعہ سفر کا نہیں' اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سفر کا ہے' ورنہ تلاش کے بعد پانی نہ ملنے کا کیا سوال۔

انگشتان مبارکہ سے پانی ابلنے کا واقعہ عظیم مجمع میں ہوا

کتنے آدمی تھے؟ اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں' کسی میں ہے: پندرہ سو تھے' کسی میں ہے: آٹھ سو تھے' کسی میں ہے: تین سو سے کچھ زائد تھے' کسی میں ہے کہ ستر تھے' انگشتانِ مبارک سے پانی اُبلنے کا یہ واقعہ ایک عظیم مجمع میں ہوا' مگر اس کی روایت صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں' چاہیے تھا کہ اتنے عظیم مجمع میں سے سبھی لوگ اسے روایت کرتے' اس قسم کے سوالات بہت سے معجزات اور واقعات کے سلسلے میں ہو سکتے ہیں' اس لیے یہیں ہم اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

(۱) حضرت انس نے یہ معجزہ بیان فرمایا مگر کسی صحابی نے انکار نہیں فرمایا' ایسے موقع پر سکوت دلیل تصدیق ہوتا ہے' اس لیے کہ صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ جھوٹ اور باطل پر سکوت کریں۔

(۲) ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابہ کرام ہیں' مگر ان میں سے کتنوں سے احادیث کی روایت ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس مجمع میں جو حضرات شریک تھے' ان میں سے صاحبِ روایت سوائے حضرت انس کے اور کوئی نہ ہو۔

(۳) بہت سے حضرات کو دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے احادیث روایت کرنے کا موقع کم ملا' جیسے حضرات خلفائے راشدین حتیٰ کہ عشرہ مبشرہ۔

(۴) اصحابِ کتب نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کیں وہ کسی خاص نکتے کو سامنے رکھ کر درج کی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے ایسی روایتیں جو دیگر صحابہ کرام سے اس قسم کے واقعات میں یا کسی بھی واقعے میں مروی ہوئیں' کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئیں' مثلاً امام بخاری کو لے لیجیے! ان کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں' جن میں پانچ لاکھ غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد تھیں' مگر ان کی کتابوں میں کل دس ہزار احادیث بہ مشکل ہوں گی۔

(۵) حضرت انس کو عمر طویل عطاء ہوئی' اس لیے کہ ان کا وصال ۹۲ھ میں ہوا اور روایت میں علو سند یعنی رواۃ کی کمی کی بہت اہمیت ہے' چونکہ حضرت انس کی مرویات میں علو سند ہے' اس لیے ان کو مصنفین نے لیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے حضرات کی روایت میں یہ علو سند نہ ہو' اس لیے ان کو مصنفین نے نہیں لیا۔

فوائد

دنیا و آخرت کے تمام پانیوں سے افضل وہ مقدس پانی ہے جو حضور اقدس ﷺ کی انگشتانِ مبارک سے نکلا' حتیٰ کہ زمزم اور آبِ کوثر سے بھی۔ اس پانی سے صحابہ کرام نے وضو فرمایا' تو ثابت ہوا کہ آبِ زمزم شریف سے بھی وضو جائز ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک ڈول زمزم منگایا' اس میں سے کچھ پیا اور وضو فرمایا۔ قاضی عیاض نے فرمایا: اس معجزے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کو صحابہ کرام سے کثیر التعداد ثقہ راویوں نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا۔ یہ واقعہ ایک مجمع کثیر میں ہوا تھا' کسی سے بھی انکار مروی نہیں' یہ دلیل ہے کہ یہ معجزہ بلاشبہہ صحیح ہے۔

ت ٢٧ - وَكَانَ عَطَاءٌ لَّا يَرٰى بِهٖ بَاْسًا اَنْ يُّتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوْطُ وَالْحِبَالُ. (اخبار مکہ لمحمد بن اسحٰق الفاکہی)

عطاء اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ انسان کے بال سے دھاگے اور رسیاں بنائی جائیں۔

انسان کے بالوں سے دھاگے اور رسیاں بنانا

اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصود امام شافعی کا ردّ ہے' وہ انسان کے بال کو جسم سے جدا ہونے کے بعد نجس کہتے ہیں۔ حضرت عطاء سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ اگر انسان کا بال ناپاک ہوتا تو اس سے دھاگے اور رسیاں بنانا کیسے جائز ہوتا؟ اور ان سے نفع حاصل کرنا کیسے درست ہوتا؟

احناف کا مذہب یہ ہے کہ انسان کا بال جسم سے جدا ہونے بلکہ انسان کے مرنے کے بعد بھی پاک رہتا ہے' نہ صرف انسان بلکہ ہر جانور کا سوائے خنزیر کے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس میں خون نہیں ہوتا' جیسے ہڈی' سینگ' پٹھے' دانت' کھر' اُون' پر وغیرہ۔ امام مالک اُون اور پر اور بال کو پاک کہتے ہیں بقیہ کو ناپاک۔ عمر بن عبد العزیز' حسن بصری' حماد' داؤد ان چیزوں کے ساتھ ساتھ ہڈی کو بھی پاک مانتے ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان تمام چیزوں میں زندگی ہوتی ہے' اس لیے موت بھی ان میں اثر انداز ہوگی اور موت سے جاندار ناپاک ہو جاتا ہے' اس لیے یہ چیزیں بھی ناپاک ہوئیں۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ نجس کرنے والی چیز بذاتہٖ موت نہیں' بلکہ دم مسفوح کا رُک جانا ہے' اس لیے کہ دم مسفوح ناپاک ہے' اس لیے جسم کے جن جن حصوں میں رُک گیا وہ حصے ناپاک ہو گئے۔ اور جن اجزاء میں خون تھا ہی نہیں' ان میں نہ رُکا' وہ اجزاء ناپاک ہوئے۔

ابراہیم بکری اور ماوردی نے یہ روایت کی کہ امام مزنی نے کہا کہ امام شافعی نے اس قول سے رجوع کر لیا کہ آدمی کا بال ناپاک ہے' اور وہ بھی اس کی طہارت کے قائل ہو گئے۔ ایک قول امام شافعی کا ربیع جیزی سے مروی ہے کہ بال کھال کے تابع ہے' کھال کی نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اور کھال کی طہارت سے پاک ہو جاتا ہے۔

فضلاتِ مبارکہ طاہر ہیں

یہاں بحث عام انسانوں کے بال کی تھی مگر بعض شوافع نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کی بحث چھیڑ دی۔ سلسلہ یوں پیدا ہوا کہ شوافع پر یہ معارضہ کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ معاذ اللہ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حتیٰ کہ ماوردی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے موئے مبارک اس لیے تقسیم فرمائے تھے کہ لوگ برکت حاصل کریں' لیکن برکت حاصل کرنا پاک ہونے پر موقوف نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا کہ اس قسم کی بات بہت سے شافعیوں نے کہی ہے' بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ چونکہ موئے مبارک بہت تھوڑے' ایک دو لیے گئے تھے' اس لیے معاف ہیں۔ علامہ عینی ان قسم کی باتوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وحاشا شعر النبی علیه الصلٰوة والسلام من ذلك وكيف قال هذا وقد قيل بطهارة فضلاته فضلا عن شعره الكريم.

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک اس سے برتر ہے' قائل نے یہ کیسے کہہ دیا حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلاتِ مبارکہ کو پاک کہا گیا ہے' چہ جائیکہ موئے مبارک۔

اس کے بعد فضلاتِ مبارکہ کی طہارت پر استدلال کرتے ہیں' فرمایا: اس بارے میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں کہ صحابہ کرام

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نے جسم اقدس سے نکلے ہوئے مبارک خون کو پیا' مثلاً ابوطیبہ حجام اور قریش کے ایک بچے نے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے جیسا کہ بزار' طبرانی' حاکم' بیہقی' ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پیا ہے' نیز اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے بول مبارک پیا' جیسا کہ حاکم' دارقطنی' طبرانی' ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابورافع کی زوجہ سلمٰی نے غسالہ مبارک پیا' تو حضور نے فرمایا: اللہ نے تیرے بدن کو آگ پر حرام فرما دیا۔ بحث کے اخیر میں حضرت علامہ عینی کی غیرتِ ایمانی کو جوش آ گیا۔ فرماتے ہیں:

انا نعتقد انه لايقاس عليه غيره وان قالوا غير ذلك فاذني عنه صماء.

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو اس کے سننے سے میرا کان بہرا ہے۔

فضلاتِ مبارکہ کی طہارت امتی کے اعتبار سے ہے' خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں طاہر نہیں۔

اجزاءِ انسانی سے انتفاع جائز نہیں

انسان کے بال وغیرہ کی طہارت کے احناف قائل ہیں' مگر انسان کے کسی جزء سے انتفاع کو ناجائز کہتے ہیں' مثلاً بال کی رسیاں بٹ کر ان میں جانور باندھا جائے' اس میں انسان کی تحقیر ہے۔ فقہاء نے تحریر فرمایا کہ حجامت اور خط بنوانے کے بعد بال ناخن بے حرمتی کی جگہ نہ پھینکے جائیں' کہیں دفن کر دیئے جائیں۔

ت۲۸ - وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا وَلَغَ فِي إِنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوْءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ.

زہری نے کہا: جب کتا برتن میں منہ ڈال دے اور اس کے سوا وضو کے لیے پانی نہ ہو تو اسی سے وضو کرے۔

ت۲۹ - وَقَالَ سُفْيَانُ هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ (المائدہ:٦) وَهٰذَا مَآءٌ وَّفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ. (مصنف ولید بن مسلم)

اور سفیان ثوری نے کہا: اور یہی قرآن مجید سے سمجھ میں آتا ہے' اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے کہ فرمایا: "پھر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو" اور یہ پانی ہے اور اس سے دل میں کچھ کھٹک ہے' اس پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

سفیان ثوری

ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق' ان کو ثوری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص ثور نام کا گزرا ہے۔ یہ کبار تبع تابعین میں سے ہیں' اپنے وقت میں جملہ علوم وفنون خصوصاً حدیث وفقہ کے امام تھے۔ یہ ان چھ اصحاب مذہب ائمۂ مجتہدین میں سے ہیں' جن کے مذہب کا اتباع کیا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ ان کے مذہب پر تھے۔[1] بہت عابد زاہد مرتاض بزرگ تھے' ان کی جلالت قدر' ان کا وفورِ علم' ان کی دین میں پختگی' ان کا تفقہ' ان کا ثقہ ہونا متفق علیہ ہے۔ ان کے تلمیذ حضرت سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ایک بار ہمیں صبح کا کھانا اور عمدہ دودھ پلایا' اس کے بعد فرمایا: چلو! دو رکعت شکریے میں نماز پڑھیں۔ ابن وکیع بھی تھے' انہوں نے کہا: اگر ہمیں حلوہ' بادام کھلاتے تو تراویح پڑھنے کو کہتے۔[2] سلطان وقت مہدی نے انہیں بھی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہدۂ قضاء سپرد کرنے کو بلایا' یہ بھاگ گئے۔ مہدی کے کارندے ہمیشہ انہیں تلاش کرتے رہے' بالآخر بہ وقت تلاش کر کے مہدی کے پاس لائے۔ مہدی نے عہدۂ قضاء کا پروانہ لکھ کر دیا' یہ پروانہ لے کر دربار سے نکلے اور باہر آ کر

---

[1] وفیات الاعیان۔ ج ۲ ص ۳۸۶ [2] ایضاً

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا اور غائب ہو گئے' ہر چند تلاش کی گئی مگر نہیں ملے[1] اسی حالت غیبوبت ۱۶۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ رات میں عشاء کے وقت دفن ہوئے' ان کی پیدائش ۹۵ھ یا ۹۶ھ یا ۹۷ھ میں ہوئی تھی' کوفہ کے باشندے تھے' حضرت امام اعظم کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابن عاصم نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: میں نے گیارہ سو مشائخ سے حدیثیں لکھیں' مگر ان میں سفیان سے افضل کوئی نہ تھا' یہ حدیث میں تدلیس کرتے تھے۔

توضیح باب

یہاں امام بخاری نے باب کے تین اجزاء کیے ہیں: ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد انسان کے بال کا حکم' دوسرے کتوں کے جھوٹے کا حکم' تیسرے ان کے مسجد میں گزرنے کا حکم' اس تیسرے جزء کا حاصل یہ ہوا کہ کتے کا بال جسم سے جدا ہونے کے بعد بلکہ اس کا جسم پاک ہے یا ناپاک؟

مناسبت

ان تینوں مسائل کو وضو سے یہ مناسبت ہے کہ اگر انسان یا کتے کا بال پانی میں گر جائے یا کتا پانی میں منہ ڈال دے تو پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اس سے وضو درست ہے یا نہیں؟ اس کے پہلے باب یہ تھا کہ جب نماز کا وقت آ جائے اور پانی نہ ہو تو پانی تلاش کیا جائے' اگر وضو کرنے کے قابل پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھی جائے۔ اس باب میں کچھ ایسی چیزیں بیان کیں جن کی طہارت اور نجاست کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' اگر یہ چیزیں پانی میں پڑ جائیں تو وہی اختلاف پانی میں بھی ہوگا۔ تلاش کے بعد اگر ایسا پانی ملا جس میں ان تین چیزوں میں کوئی ایک یا دو یا تینوں پڑی ہوں تو کیا حکم ہوگا؟ جو لوگ طہارت کے قائل ہیں' ان کے نزدیک اس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم درست نہ ہوگا' جو نجاست کے قائل ہیں' ان کے نزدیک تیمم کرنا ضروری ہوگا۔

غایت باب

ظاہر ہے کہ جب ان چیزوں کی طہارت و نجاست میں اختلاف ہے تو اس کا بیان کرنا ضروری تھا' تاکہ ناظرین کو امام بخاری کی رائے معلوم ہو جائے' اگرچہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں امام بخاری کی رائے واضح طور پر ظاہر نہ ہو سکی۔ انسان کے بال کے سلسلے میں تو ظاہر ہو گیا کہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں' مگر کتے اور کتے کے جھوٹے کے بارے میں بات صاف نہیں ہوئی۔ اس باب سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ کتا اور اس کا جھوٹا پاک ہے' ورنہ اس باب کے تینوں اجزاء میں مناسبت نہیں رہے گی' اس لیے کہ وہ انسان کے بال کو پاک مانتے ہیں' اب اگر یہ کہا جائے کہ وہ کتے کو اور اس کے جھوٹے کو ناپاک مانتے ہیں تو انتہائی بے تکی بات ہوگی۔ نیز حضرت زہری کے قول کا کوئی فائدہ نہ ہوگا' بلکہ وہ بالکل بے محل ہوگا' اس لیے کہ ان کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتے کا جھوٹا پاک مانتے ہیں۔ غرضیکہ یہ باب ظاہر کر رہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک کتا اور اس کا لعاب پاک ہے اور اس کے بعد باب باندھا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے۔ اس کے تحت یہ حدیث لائے کہ اس صورت میں برتن کو سات بار دھوئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کتے کے لعاب کو ناپاک مانتے ہیں' اس لیے کتے کے لعاب کے بارے میں ان کی قطعی رائے کیا ہے وہ مشتبہ رہ گئی۔ ہماری اس تقریر سے صاحب فیض الباری کا یہ ادعاء بھی ساقط ہو گیا کہ امام بخاری کتے کے جھوٹے کو ناپاک مانتے ہیں اور مصنف ایضاح البخاری کا یہ دعویٰ بھی باطل ہو گیا کہ امام بخاری کتے کے لعاب کو پاک مانتے ہیں۔

ہاں! کتے کے بال اور کتے کے جسم کے بارے میں' البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ دونوں پاک ہیں' جیسا کہ

---

[1] ایضاً ص ۲۹۰

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

احناف اور جمہور کا مذہب ہے۔ برخلاف امام شافعی کے کہ وہ ہر جانور کا بال جو جسم سے جدا ہو جائے ناپاک مانتے ہیں۔ امام مالک کتے کے جھوٹے کو پاک مانتے ہیں۔

اس تعلیق سے معلوم ہوا کہ حضرت امام زہری کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے اور حضرت سفیان ثوری کے نزدیک مشکوک ہے' اگر چہ آیۂ کریمہ ''فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا'' سے ان کا استدلال یہ بتا رہا ہے کہ وہ بھی کتے کے جھوٹے کو پاک مانتے ہیں' اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ماء سے مراد پاک پانی ہے۔ اس لیے اس آیت سے کتے کے جھوٹے سے وضو درست ہونے پر استدلال اسی وقت درست ہوگا جب کہ وہ اسے پاک مانیں' لیکن بعد میں چونکہ تشریح کر دی کہ اس پانی کے بارے میں مجھے تردد ہے' اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ سفیان ثوری اسے مشکوک مانتے ہیں۔

١٢٦- ح: اَلتَّبَرُّكُ بِشَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک سے تبرک حاصل کرنا]

١٢٦ - عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ اَنَسٍ اَوْ مِنْ قِبَلِ اَهْلِ اَنَسٍ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعْرَةٌ مِنْهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

حضرت محمد بن سیرین نے عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں' جنہیں ہم نے حضرت انس یا حضرت انس کے اہل سے حاصل کیا ہے۔ وا عبیدہ نے کہا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال میرے پاس ہو' یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

١٢٧ - عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ رَاْسَهٗ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَوَّلَ مَنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِهٖ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب (حجۃ الوداع میں) سر اقدس منڈوایا تو حضرت ابوطلحہ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے موئے مبارک لیا۔

عبیدہ

عبیدہ بن عمرو' یا قیس بن عمرو سلیمانی مرادی کوفی' جلیل القدر تابعی ہیں' ان کو زمانۂ جاہلیت بھی ملا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے ایمان لائے' مگر زیارت نہ کر سکے۔ علم و فضل میں قاضی شریح کے ہم پلہ تھے۔ جب قاضی شریح کو کوئی اشکال پیش آتا تو ان کو لکھتے' ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا نام نامی زید بن سہل بن الاسود نجاری ہے' یہ ان منتخب روزگار افراد میں سے ہیں جو بیعت عقبہ سے لے کر تمام مشاہد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ مخصوص و معتمد اصحاب میں سے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان سے عقد کر لیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ ہی میں وصال فرمایا' حضرت عثمان نے نماز جنازہ پڑھائی' ان کا سن وصال ۳۲ھ ہے۔

تکمیل

حجۃ الوداع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رمی جمرہ اور قربانی سے فارغ ہوئے تو حلاق کو بلایا اور پہلے داہنی طرف سے سر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

منڈوایا' اور حضرت ابوطلحہ کو بلا کر عطا فرمایا اور فرمایا: اسے لوگوں میں تقسیم کر دو' انہوں نے ایک ایک دو دو بال تقسیم کر دیے' پھر بائیں جانب منڈوا کر انہیں کو عنایت فرمایا' انہوں نے اپنی زوجہ حضرت اُم سلیم کو دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: انہیں خوشبو میں رکھنا۔

(مسلم۔باب:السنة یوم النحر ان یرمی ثم ینحر ثم یحلق۔ ص ۴۲۱' صحیح ابو عوانہ' مسند امام احمد)

حلاق کون تھے؟ اس میں دو قول ہیں' ایک یہ کہ معمر بن عبداللہ تھے' یہی صحیح ہے جیسا کہ امام بخاری نے خود ذکر فرمایا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خراش بن امیہ تھے' مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے موقع پر سر اقدس مونڈا تھا۔

ف۱: چونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے زیر پرورش تھے۔ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا ان کی والدہ تھیں' ان حضرات سے موئے مبارک حضرت انس کو ملا اور ان سے حضرت محمد بن سیرین کو۔ اس تعلیق کی بناء پر ان کے والد سیرین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

موئے مبارک سے تبرک حاصل کرنا

حضرت امام بخاری کا مقصود اس حدیث کے لانے سے یہ ہے کہ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک سر اقدس سے جدا ہونے کے بعد بھی پاک ہیں' اگر وہ پاک نہ ہوتے تو نہ حضور اقدس ﷺ انہیں حضرت ابوطلحہ کو دیتے اور نہ تقسیم کرنے کو فرماتے اور نہ صحابہ بہ طور تبرک رکھتے اور نہ عبیدہ یہ تمنا کرتے کہ ایک موئے مبارک میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک پاک تو تمام انسانوں کے بھی بال پاک ہیں۔

مسائل

حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک کو بہ طور تبرک رکھنا ان سے برکت حاصل کرنا درست ہے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری روایتیں اس سلسلے میں بہ کثرت ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کچھ موئے مبارک اپنی ٹوپی میں رکھتے تھے' اس ٹوپی کو پہن کر لڑائی میں جاتے اور اس سے مدد طلب کرتے۔ جنگ یمامہ میں یہ کلاہ مبارک گر گئی' اس پر حضرت خالد نے بہت سخت حملہ کر دیا' جس میں کئی صاحب شہید ہو گئے۔ اتنا سخت حملہ ان کے ساتھیوں کو ناپسند ہوا' اس پر حضرت سیف اللہ نے فرمایا: میں نے اتنا سخت حملہ ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے نہیں کیا ہے بلکہ اس میں موئے مبارک تھے' مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں مشرکین کے ہاتھ نہ لگے[1]۔ موئے مبارک کی طرح جن چیزوں کو حضور اقدس ﷺ سے نسبت ہو' ان کو بھی بہ طور تبرک رکھنا' ان سے برکت حاصل کرنا درست ہے۔ علماء اور مشائخ نائبانِ رسول ہیں' اس لیے ان کے بال' لباس وغیرہ متعلق اشیاء سے برکت حاصل کرنا درست ہے۔ مردوں کو سر کا منڈانا سنت یا کم از کم مستحب ہے۔ احرام سے باہر آنے کے لیے سر منڈانا بہ نسبت بال کتروانے کے افضل ہے۔ اپنے دوستوں' خادموں کو عطیات دینا سنت ہے۔ ایسے عطیات میں برابری ضروری نہیں' جو شخص تقسیم کرے' اس کو زیادہ دیا جا سکتا ہے۔ سر منڈانے یا کتروانے میں سنت یہی ہے کہ دائیں طرف سے پہلے صاف کرائے۔ یہی احناف کا مذہب مختار ہے جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے۔ (ج ۲ ص ۲۸۲)

۱۲۸- ح: اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ [جب برتن میں کتا پی لے]

۱۲۸- عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي اِنَاءِ اَحَدِكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کتا تمہارے برتن میں پی لے تو اسے سات بار دھوؤ۔

---

[1] عمدۃ القاری' عینی۔ ج ۳ ص ۳۷

فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا.

(مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ، مؤطا)

تکمیل

مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے دوسرے طرق سے بجائے ''شرب'' کے ''ولغ'' ہے۔ اور یہی حضرت ابوہریرہ کے جمہور تلامذہ سے مروی ہے۔ ''شَرِبَ'' کی روایت پر یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ ''شرب' فی'' کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا، بلاواسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ ''شرب'' یہاں ''ولغ'' کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اس کا ''فی'' کے ساتھ تعدیہ درست ہے۔ ''شرب'' کے معنی محض پینا ہے اور ''ولغ'' کے معنی برتن میں منہ ڈال کر زبان سے پینا ہے، یہ کتوں اور درندوں کے ساتھ خاص ہے۔ مسلم میں پوری حدیث یہ ہے: جب کتا تمہارے برتن سے پی لے تو اس کی پاکی اسے سات بار دھونا ہے اور پہلی بار مٹی سے، اور بلی منہ ڈال دے تو صرف ایک بار دھونا ہے۔ علاوہ مسلم کے یہ تفصیل ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا اور امام ابوداؤد نے کہا کہ یہاں بلی کا ذکر موقوف ہے۔

کتے کے جھوٹے برتن کو دھونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف

یہ حدیث احناف اور جمہور کی متدل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، اگر ناپاک نہ ہوتا تو ایسے برتن کو دھونے کا وہ بھی سات بار حکم نہ ہوتا۔ اس کا جواب کچھ لوگوں نے یہ دیا کہ یہ دھونا بہ طور نظافت کے ہے، لیکن جو احادیث کی روح سمجھتے ہیں وہ اپنی حس سلیم سے یقین کریں گے کہ اس برتن کے دھونے کا حکم بہ طور نظافت کے نہیں، ناپاکی دور کرنے کے لیے ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ اس کے علاوہ مسلم شریف کی یہ روایت ہے کہ فرمایا:

طهور اناء احدكم اذا ولغ الكلب فيه ان يغسله سبع مرات. (ج ا ص ۱۳۷) — جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کی پاکی سات بار دھونا ہے۔

یہ نص صریح ہے، اس پر کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، نیز مسلم میں انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن میں جو کچھ ہو اسے گرا دو کتے کے منہ ڈالنے کے بعد بھی اگر وہ پاک ہوتا تو اس کا پھینکنا اضاعت مال ہوتا جو حرام ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ وہ ناپاک ہو گیا۔ اس کا عموم اس کی دلیل ہے کہ ہر کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، خواہ وہ پالتو ہو یا چھٹا ہوا (آوارہ) شکاری ہو یا غیر شکاری، شہری ہو یا دیہاتی، جنگلی ہو یا اہلی۔ مالکیوں کے اس بارے میں چار مذہب ہیں: کتے کا جھوٹا پاک ہے، ناپاک ہے، مطلقاً، بہ ضرورت جو پالا گیا ہو، اس کا جھوٹا پاک ہے بقیہ کا ناپاک، شہری کا پاک، جنگلی دیہاتی کا ناپاک۔

خطابی نے کہا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتے کی زبان ناپاک ہے، جب زبان ناپاک ہو جو اس کا جزء ہے تو اس کے بدن کے تمام اجزاء زبان کی طرح ناپاک ہیں، اس لیے کتے کے بدن کا کوئی جزء کسی چیز سے چھو جائے تو وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔

اقول: اس حدیث سے ثابت یہ ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جھوٹے کی نجاست اس کے لعاب کے ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے، لعاب زبان ہی کے ذریعہ باہر آتا ہے، اس لیے لعاب لگنے کی وجہ سے زبان ناپاک ہوئی، زبان بذاتہ ناپاک نہیں، جسم کی کسی رطوبت کے ناپاک ہونے سے جسم کے عین کا نجس ہونا لازم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ حصہ جہاں نجاست ہے، ناپاک ہوگا، جیسے پیشاب نجس ہے۔ اس کی نجاست سے مثانہ، قضیب بھی ناپاک ہوتے ہیں، تو کیا مثانے اور قضیب کے پیشاب سے نجس ہو جانے کو پورے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جسم کی نجاست پر دلیل بنایا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں اور ضرور نہیں تو لعاب لگنے سے کتے کی زبان کے نجس ہو جانے کو پورے جسم کے نجس ہونے کی دلیل بنانا کیسے درست ہے۔

کرمانی نے کہا: چونکہ کتا نجس العین ہے' اس لیے اس کا بیچنا خریدنا جائز نہیں' جیسا کہ احادیث میں آیا ہے:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب ومهر البغي وحلوان الكاهن. رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت اور زنا کے معاوضہ اور کاہن کی اُجرت سے منع فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا:

ان ثمن الكلب من السحت. کتے کی قیمت مال حرام ہے۔

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ کتے سے شرعاً انتفاع جائز ہے' گھر' مویشی' کھیت کی حفاظت کا کام اس سے لینا جائز ہے' شکار کرنا جائز ہے تو اس کی بیع بھی درست ہے۔ شکار کی اجازت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ. (المائدہ:۴) اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھالیا اور انہیں شکار پر چھوڑ دیا۔

حفاظت کے لیے یا شکار کے لیے پالنے کی اجازت متعدد احادیث میں بھی وارد ہے' یہ ارشاد ابتداء کا ہے۔ جب حضور اقدس ﷺ نے مطلقاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا' جیسا کہ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا' یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے ساتھ دیہات سے کوئی کتا آتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے' بعد میں گھر' کھیت' مویشیوں کی حفاظت کے لیے کتے پالنے کی اجازت ملی تو ان کا استثناء کر دیا گیا۔

اقول: علامہ کرمانی کے استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ کتا نجس العین ہے' اور ہمیں یہی تسلیم نہیں' اس لیے ان کا استدلال ساقط۔

کتے کے لعاب میں مضر جراثیم کی جدید تحقیق

میں نے علماء سے سنا ہے کہ موجودہ دور میں خوردبین سے یہ معلوم ہوا کہ کتے کے لعاب میں مضر جراثیم ہوتے ہیں' جو پانی میں مل کر برتن سے چپک جاتے ہیں۔ تجربے سے ثابت ہوا کہ بغیر سات بار دھوئے ہوئے دور نہیں ہوتے' چھ بار بھی دھو کر دیکھا تو یہ جراثیم موجود تھے۔ اسی حدیث کی بناء پر امریکہ کا ایک ڈاکٹر مشرف بہ اسلام ہو گیا کہ تمام دنیا مادی وسائل کے باوجود صدیوں تک جس کا پتہ نہ چلا سکی وہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی غیب بیں نظروں سے دیکھا اور دنیا کو اس کے ازالے کی ترکیب بھی بتا دی۔ یہ بات اگر صحیح ہے تو سات بار دھونے کا حکم ان جراثیم سے بچنے کے لیے بہ طور حفظانِ صحت طبیاً ہے' یہ تشریعی حکم نہیں۔ حضرات مالکیہ اپنی صفائی میں یہ کہہ سکتے ہیں' مگر ہم مسلم شریف کی روایت سے ثابت کر آئے ہیں کہ کتے کے منہ ڈالنے سے برتن میں جو ہوتا ہے' وہ ناپاک ہو جاتا ہے تو مطلقاً دھونے کے حکم کو طبی نقطۂ نظر سے نہیں کہہ سکتے' یہ کہہ سکتے ہیں کہ سات بار عدد کی تعیین طبی نقطۂ نظر سے ہے۔ رہ گیا دھونے کا حکم تو یہ تشریعی ہے۔

تقریباً تمام طرق میں یہی ہے کہ سات بار دھونے کا حکم دیا' اسی پر شوافع کا عمل ہے۔ احناف طہارت کے لیے تین بار دھونا کافی سمجھتے ہیں' البتہ سات بار دھونے کو مستحب۔

احناف کی دلیل اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے' جسے دارقطنی نے بہ روایت حسن روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقه ثم اغسله ثلث مرات.
جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے پھینک دو اور برتن تین بار دھوؤ۔

امام طحاوی نے یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اپنی مروی حدیث کے خلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ دینا اس کی دلیل ہے کہ انہیں اس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تھا' ورنہ لازم آئے گا کہ وہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے کر عادل نہ رہے۔ اس طرح ان کی تمام مرویات ناقابل اعتبار ہو جائیں گی اور یہ احتمال کہ یہ فتویٰ دیتے وقت انہیں حدیث مذکور یاد نہ رہی ہو' ان کے اس ارشاد سے باطل کہ فرمایا: پھر میں کچھ نہیں بھولا۔ علاوہ ازیں ابن عدی نے کامل میں بہ طریق کرابیسی تین بار دھونے کی مرفوعاً روایت کی ہے۔ جس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے گرا دو اور برتن تین بار دھوؤ۔ اس سے حضرت ابو ہریرہ کے فتویٰ کی توثیق ہوتی ہے' علاوہ ازیں تین بار اور سات بار دھونے کی روایتوں میں تطبیق کی صرف یہی صورت ہے کہ تین بار دھونے کو واجب قرار دیا جائے اور سات بار کو مبالغہ پر' اور اگر سات بار دھونے کو واجب قرار دیں تو تین بار والی حدیث متروک ہو جائے گی۔ کرابیسی پر کچھ جرحیں کی گئی ہیں۔ ان سب کے علامہ عینی نے شافی جوابات دے دیئے ہیں' علاوہ ازیں امام طحاوی نے ایک اور معارضہ پیش فرمایا ہے کہ مسلم شریف وغیرہ صحاح میں حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے:

وعفروه الثامنة بالتراب. (ج۱ص۱۷)
آٹھویں بار مٹی سے مانجھو۔

جو جواب وہ اس کا دیں گے' وہی جواب ہمارا ہو گا۔

صاحب فیض الباری کا ردّ

جناب مولانا انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں فرمایا کہ سات بار دھونے کا حکم ابتداء میں اس وقت تھا' جب مطلقاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا' پھر جب اس میں تخفیف ہوئی اور شکاری و محافظ کتوں کو پالنے کی اجازت دی گئی تو کتے کے جھوٹے برتن کے دھونے کے حکم میں بھی تخفیف کر کے بجائے سات کے تین بار کر دیا۔

مگر اس توجیہ کو مسلم کی وہ حدیث رد کر رہی ہے جو حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

امر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بقتل الکلاب ثم رخص فی کلب الصید وکلب الغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرات وعفروه الثامنة بالتراب.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا' پھر شکاری اور مویشیوں کے کتے کی اجازت دی اور فرمایا: جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھوؤ اور آٹھویں بار مٹی سے مانجھو۔

(ج۱ص۱۳۷' نسائی۔ ص۲۲' ابوداؤد مصری۔ ص۱۲)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سات بار دھونے کا حکم اس وقت بھی دیا جب شکاری اور محافظ کتے پالنے کی اجازت دی۔

۱۲۹- ح: اِنَّ رَجُلًا رَاٰی کَلْبًا یَاْکُلُ الثَّرٰی

[ایک شخص نے ایک کتا دیکھا کہ وہ گیلی مٹی چاٹ رہا تھا]

۱۲۹- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا رَاٰی کَلْبًا یَاْکُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطَشِ. فَاَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهٗ فَجَعَلَ یَغْرِفُ لَهٗ بِهٖ حَتّٰی اَرْوَاهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے تو اس شخص نے اپنے موزے کو لیا (اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ. میں پانی بھر کر) اس کتے کے منہ میں چلّو سے ڈالتا رہا' یہاں تک کہ کتے کو سیراب کر دیا تو اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمالیا اور اسے جنت میں داخل فرمادیا۔

(ایضاً۔کتاب المساقاۃ۔باب:فضل سقی الماء۔ج۱ص۳۱۸۔کتاب المظالم۔باب:الآبار علی الطرق۔ج۱ص۳۳۱۔کتاب الادب۔باب:رحمۃ الناس والبھائم۔ج۲ص۸۸۸۔کتاب الانبیاء۔باب:ما ذکر عن بنی اسرائیل۔ج۱ص۴۹۳'مسلم۔کتاب الحیوان'ابوداؤد۔کتاب الجہاد)

تکمیل

بخاری کے دوسرے ابواب میں یہ حدیث یوں ہے: ایک شخص کہیں جارہا تھا' اسے سخت پیاس لگی تو یہ ایک کنویں میں اُترا اور اس کا پانی پیا' نکلا تو دیکھا ایک کتا سخت پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور نم مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے (اپنے جی میں) کہا: جس حال کو میں پہنچ گیا تھا' یہ بھی اسی حال کو پہنچ گیا ہے' پھر کنویں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھر کر منہ میں دبالیا اور چڑھ کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمالیا' اسے بخش دیا' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں ثواب ہے؟ فرمایا: ہر تر جگر (والے) میں اجر ہے۔ کتاب الانبیاء' ذکر بنی اسرائیل میں ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار زناکار عورت کا واقعہ ہے۔

مطابقت باب

اس حدیث کی باب سے مطابقت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ اس شخص نے موزے سے کتے کو پانی پلایا۔ اس کی ظاہر صورت یہی ہوگی کہ کتے کے سامنے پانی سے بھرا ہوا موزہ رکھا ہوگا' کتے نے اس میں منہ ڈال کر پیا ہوگا۔ اگر کتے کا جھوٹا ناپاک مانا جائے تو لازم آئے گا کہ موزے میں بچا ہوا پانی اور موزہ ناپاک ہوگیا۔ یہ تنجیس ظاہر ہے جو عاقل سے مستبعد ہے۔ اس پر علامہ عینی اور علامہ ابن حجر دونوں نے تَعَقُّب کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ اس شخص نے اسی طریقے سے پانی پلایا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی چھوٹے گڑھے میں پانی ڈال دیا ہو' جس سے کتے نے پی لیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ موزے یا چلّو سے اس کے منہ میں ڈالا ہو اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کتے نے موزے میں منہ ڈال کر پیا تو یہ کہاں تصریح ہے کہ اس شخص نے بچے ہوئے پانی کو خود استعمال کیا یا پھر موزے کو نہیں دھویا ہوسکتا ہے کہ بچے ہوئے پانی کو پھینک دیا ہو' اور موزے کو دھولیا ہو۔

اقول: یہ احتمال دیگر ابواب کی روایات میں نکل سکتا ہے جن میں "فسقی الکلب" ہے' مگر یہاں جو لفظ مذکور ہے اس میں یہ احتمال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہاں تو صرف لفظ "فجعل یغرف له به" ہے "یغرف" کے معنی چلّو میں پانی لینے کے ہیں' تو یہ روایت متعین کر رہی ہے کہ اس شخص نے موزے سے چلّو میں پانی لے کر کتے کو پلایا۔ باب سے مطابقت کا ایک پہلو جو نکلتا تھا وہ بھی اس روایت میں نہیں۔ اور ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے تو جن روایتوں میں "فسقی" ہے ان میں بھی متعین ہے کہ یہ پانی پلانا "چلّو" کے ذریعہ تھا۔

مولانا فخر الدین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ایضاح البخاری میں "ثریٰ" کا ترجمہ کنویں کی نم مٹی کیا ہے۔ "ثریٰ" کو کنویں کی نم مٹی کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے۔ علامہ عینی نے لکھا: "وهو التراب الندى. وقاله الجوهرى وصاحب الغريبين وفى المحكم الثرى التراب وقيل التراب الذى اذا بل يصير طينا لازبا وفى مجمع الغرائب اصل الثرى الندى" فتح الباری

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں بھی قریب قریب یہی ہے۔ عمدۃ القاری میں تیسرا قول غلط چھپ گیا ہے۔ "اذا بل ولم یصر طینا لازبا" ہے۔ انہیں کی جماعت کے ایک فرد نے مصباح اللغات میں ثریٰ کا ترجمہ نمناک مٹی کیا ہے۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر حیوان کے ساتھ بھلائی موجب اجر ہے، بشرطیکہ وہ موذی نہ ہو۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا:

الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا علی من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان کا مالک تم پر رحم فرمائے گا۔

(مشکوٰۃ۔ ۴۲۳، بحوالہ ابوداؤد، ترمذی)

بہ طور تقابل یہ نکلا کہ بہائم کو ستانا ناجائز و گناہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے بلی کو پکڑ کر باندھ لیا، اسے نہ کھانے کو دیا نہ پینے کو، وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی، اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گئی۔

پالتو جانوروں کا بھی نفقہ واجب ہے۔

۱۳۰- ح: كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ

[(نبی ﷺ کے زمانہ میں) کتے مسجد میں آتے جاتے تھے]

۱۳۰- حَدَّثَنِيْ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ.

حمزہ بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے، مگر لوگ مسجد میں کہیں پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

(ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: طهور الارض اذا یبست۔ ص ۶۳۔ مصری)

تکمیل

ابوداؤد میں پوری حدیث یہ ہے: میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا، مسجد میں سوتا تھا، کتے مسجد میں پیشاب کرتے، آتے جاتے مگر لوگ مسجد کے کسی حصے پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی شادی ہو گئی تو پھر وہ گھر سونے لگے۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ کتے پاک ہیں اور ان کا لعاب بھی پاک ہے، اس لیے کہ کتے اگر ناپاک ہوتے تو انہیں مسجد میں کبھی بھی آنے نہ دیا جاتا، نیز کتے جب چلتے ہیں تو زبان منہ سے باہر نکال کر چلتے ہیں۔ اس لیے ان کے منہ سے لعاب کا گرنا اغلب ہے، اگر ان کا لعاب ناپاک ہوتا تو انہیں مسجد میں نہ آنے دیا جاتا۔

اتنی بات تو صحیح ہے کہ کتا نجس العین نہیں، مگر یہ کہ اس کا لعاب بھی پاک ہے، یہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اولاً: یہ ضروری نہیں کہ وہ مسجد میں گزرتے وقت لعاب ضرور ہی ٹپکائیں اور مسجد اصل میں پاک تھی، محض شبہہ سے ناپاک نہ ہو گی۔ ثانیاً: جب حدیث: ۱۲۸ سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے تو محض ایک احتمال موہوم سے اس کی طہارت ثابت نہ ہو گی۔ ثالثاً: ابوداؤد، اسمٰعیلی، ابونعیم، بیہقی کی روایت میں "تقبل وتدبر" سے پہلے "تبول" بھی ہے، کیا کوئی صاحب اس کی ہمت کر سکتے ہیں کہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہہ دیں: کتے کا پیشاب بھی پاک ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ زمین پر اگر نجاست گرے اور وہ سوکھ جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے' چونکہ مسجد اقدس کی زمین سوکھ کر پاک ہو جاتی تھی' اس لیے اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔ یہی حدیث اس کی دلیل ہے' اس لیے کہ کتے کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے اور کتے مسجد میں پیشاب کرتے تھے۔ اگر سوکھنے سے یہ حصہ پاک نہ ہو جاتا تو لازم آئے گا کہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام مسجد کو ناپاک رہنے دیتے تھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا:

زكوة الارض يبسها. زمین کی پاکی' اس کا سوکھنا ہے۔

(ہدایہ' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبدالرزاق باختلاف اللفظ)

مولانا فخر الدین صاحب نے ایضاح البخاری میں اس مضمون کی ایک حدیث ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے: ''طهارة الارض يبسها'' مجھے یہ حدیث ابوداؤد میں نہیں ملی' اگر کوئی صاحب پتہ بتا دیں تو مشکور ہوں گا۔

یہ واقعہ ابتداء کا ہے جب کہ مسجد میں دروازے نہیں تھے۔ اس پر ابوداؤد وغیرہ کی روایت کا یہ اگلا حصہ دلیل ہے' جس میں راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا' مسجد میں سوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کتوں کے آنے جانے' پیشاب کرنے کی بات انہیں ایام کی کر رہے ہیں۔ اس لیے بلاشبہ یہ ابتداء کا قصہ ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا: ''هذا الذى ذكره البخارى معلقا'' لیکن ہمیں اس کا معلق ہونا سمجھ نہیں آیا' اس لیے کہ خود علامہ عینی نے احمد بن شبیب کو شیخ بخاری تسلیم کیا ہے۔

١٣١- ح: صَيْدُ الْكَلْبِ [کتے کا شکار]

١٣١ - عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ وَإِذَا أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبٍ آخَرَ.

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے تو آپ نے پوچھا فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اس نے مار ڈالا تو شکار کھاؤ اور جب خود کھالے تو نہ کھاؤ' اس لیے کہ اب معلوم ہو گیا کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا تھا' میں نے عرض کیا: میں اپنے کتے کو چھوڑتا ہوں لیکن کبھی شکار کے پاس' دوسرا کتا بھی موجود پاتا ہوں' فرمایا: اب مت کھا! تو نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی ہے نہ کہ دوسرے کتے پر۔

(ایضاً۔ کتاب البیوع۔ باب: تفسير المشبهات۔ ج١ ص٢٧٦۔ کتاب الصید والذبائح۔ باب: اذا اكل الكلب الصيد اذا غاب عنه۔ باب: اذا وجد مع الصيد كلبا آخر۔ باب: ما جاء فى الصيد۔ ج٢ ص٨٢٤' مسلم' ابوداؤد۔ باب: الصيد)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

یہ عرب کے مشہور و معروف سخی حاتم طائی کے صاحبزادے تھے' یہ اور ان کا پورا قبیلہ نصرانی تھا' ۷ھ میں ایمان لائے' ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب ان کے قبیلے پر حملہ ہوا تو یہ بھاگ نکلے' اور روم کے کسی شہر میں چلے گئے' ان کی بہن گرفتار ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں' وہ اخلاق کریمانہ دیکھ کر ایمان سے مشرف ہو گئیں' پھر اپنے بھائی عدی کے پاس گئیں اور انہیں لے آئیں اور وہ بھی دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ وصال اقدس کے بعد فتنہ ردت میں یہ ثابت قدم رہے اور اپنے قبیلے کی زکوۃ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قبول کر کے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں لا کر پیش کر دی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سرگرم حامی تھے، تمام مشاجرات میں ان کے ساتھ رہے۔ جمل، صفین سب میں شریک تھے۔ ایک روایت ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین شہید ہوئے تو انہوں نے کہا: لا ینطح فیہ عنزان ''اس بارے میں کوئی معمولی بھی لڑائی نہ ہوگی۔ دو مینڈھے بھی نہیں لڑیں گے'، جنگ جمل میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے، اس میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ ایک بار حضرت معاویہ کے یہاں گئے تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا: ''ھل نطح عنز '' کیا مینڈھے نے سینگ مارا؟ تو انہوں نے برجستہ کہا: ''نعم التیس الاکبر '' ہاں بہت بڑے بوک نے، اخیر میں کوفہ چلے گئے، وہیں یا قرقیساء میں مختار بن عبید کذاب کے زمانے میں ایک سو بیس یا ایک سو اسی سال کی عمر پا کر جاں بحق ہوئے۔ ان سے چھیاسٹھ حدیثیں مروی ہیں، تین متفق علیہ ہیں اور دو افرادِ مسلم سے۔

تکمیل

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پَر کے تیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اگر شکار کو اس کی دھار لگے تو کھاؤ اور اگر تیر کا عرض کروٹ لگے تو نہ کھا، اس لیے کہ یہ وقیذ ہے، یعنی جیسے لاٹھی وغیرہ سے مار ڈالا جائے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم لوگ کتوں سے شکار کرتے ہیں، فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو تو یہ جو شکار پکڑ کر مار ڈالیں، اسے کھاؤ اور اگر شکار میں سے کچھ خود کھا لیں تو نہ کھاؤ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کتے نے اپنے لیے شکار کیا تھا، پھر حضرت عدی نے عرض کیا: میں اپنے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑتا ہوں مگر کبھی شکار کے پاس دوسرا کتا بھی موجود پاتا ہوں، یہ نہیں معلوم کہ کس کتے نے شکار کیا ہے؟ فرمایا: اب مت کھا! تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی، دوسرے کتے پر نہیں۔

وجہ مطابقت

امام بخاری نے اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے، اگر ناپاک ہوتا تو یہ بھی ضرور حکم دیتے کہ جہاں لعاب لگا ہے اسے پھینک دو یا دھولو، لیکن یہ استدلال یوں تام نہیں کہ عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ شکار کے زخم پر خون ضرور لگا ہوتا ہے جو دم مسفوح اور ناپاک ہے۔ اس کے بھی دھونے کا حکم نہیں دیا، یہاں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا مقصود صرف کتے کے شکار کی حلت و حرمت ہے۔ سوال کے مطابق جواب ارشاد فرمایا: رہ گئی کتے کے جوٹھے کی نجاست خون کی ناپاکی کی طرح، تو دوسرے دلائل سے ثابت اور معلوم ہے، نہ اس کے بارے میں سوال ہے نہ اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمایا۔

مسائل

جانوروں کی ذکاۃ یعنی کھانے کے لیے پاکی کی دو صورتیں ہیں، ایک اختیاری جیسے ذبح، دوسرے اضطراری، اس کی ایک صورت شکار ہے، خواہ انسان کسی دھاردار آلے، نیزے، تیر سے وحشی جانور کو اتنا زخمی کر دے کہ وہ مر جائے، یا شکاری سدھائے ہوئے جانور اسے زخمی کر کے مار ڈالیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں ذبح کا موقع نہ ملے، ایسے شکار کھانے حلال ہیں، اس کے جواز کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) شکاری جانور سدھایا ہوا ہو، کتے، چیتے، درندوں کے سدھائے جانے کی علامت یہ ہے کہ تین بار شکار کرے اور شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ شکرے، باز، شکاری پرندوں کے سدھائے جانے کی نشانی یہ ہے کہ شکار پر چھوڑنے کے بعد بلانے پر فوراً واپس آ جائیں۔

(۲) جانور کو شکار پر چھوڑنے والا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہو۔ مشرک، مجوسی، دھریئے، مرتد نے چھوڑا تو حرام۔ جانور کتے خود شکار

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نہ کیا ہو بلکہ اسے شکار پر چھوڑا گیا ہو۔

(۳) ارسال یعنی چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی ہو اور اگر بھول کر بسم اللہ نہیں پڑھی تو حلال ہے، اور یاد ہوتے ہوئے قصداً نہیں پڑھی تو حرام۔

(۴) شکاری جانور نے شکار پکڑنے کے بعد اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو، اگر ان چار شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو شکار حرام ہو جائے گا۔

حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے کتے کا شکار درست ہے، اگر چہ وہ کالا ہو۔

عندالضرورت شکار کرنا جائز ہے، مثلاً بیچنے کے لیے، خود کھانے کے لیے، لہو ولعب کے لیے ممنوع، جیسا کہ حدیث میں ہے "کل لھو المؤمن باطل الاثلث"۔

شکاری جانور کی بیع وشراء جائز ہے۔

★ ★ تم الجزاء الاوّل ویلیہ الجزء الثانی ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ★ ★

ت ۳۰ - وَقَالَ عَطَاءٌ فِيمَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّودُ أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمْلَةِ يُعِيدُ الْوُضُوءَ.

اور عطاء نے کہا: جس کے پاخانے کے مقام سے کیڑا یا پیشاب کے مقام سے جوؤں کے مثل نکلے تو وہ وضو دوبارہ کرے۔

وضو کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد، کچھ نواقض وضو کا بیان شروع فرمایا۔

ہمارا اور شوافع کا اختلاف

اس پر ہمارا اور شوافع وغیرہ کا اتفاق ہے کہ سبیلین (پیشاب پاخانے کے مقام) سے جو چیز نکلے وہ ناقض وضو ہے، خواہ وہ معتاد ہو جیسے پیشاب، پاخانہ یا غیر معتاد جیسے کیڑا، خون، پیپ، البتہ اگر پیشاب کے مقام سے ہوا یا کیڑا نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ سبیلین کے علاوہ جسم کے کسی اور حصے سے اگر نجاست نکلے مثلاً خون، پیپ، تو وہ ناقض وضو ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ناقض وضو ہے بشرطیکہ بہہ کر ایسی جگہ پہنچ جائے، جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے۔ شوافع کے نزدیک ناقض وضو نہیں۔ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اسی لیے انہوں نے یہ باب باندھا: "من لم یر الوضوء الا من المخرجین" دلیل میں آیۂ کریمہ نقل فرمائی:

أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ. (المائدہ:۵) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا۔

وجہ استدلال

امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ وضو یا تیمم کا حکم اس صورت میں دیا گیا ہے کہ کوئی قضاء حاجت سے آئے قضاء حاجت میں سبیلین سے نجاست نکلتی ہے، اسی لیے صرف سبیلین سے خارج شدہ نجاست ناقض ہوگی، تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔

ہمارا جواب

(۱) ہمارا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمۂ حصر نہیں، جس سے یہ مستفاد ہو کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔ یہ آیت دلیل ہے تو صرف اس بات کی کہ پیشاب پاخانہ ناقض وضو ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں، اس آیت کی اس پر کوئی دلالت نہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(۲) نیز حصر کا قول خود امام بخاری اور شوافع کے خلاف ہے' اس لیے کہ یہ لوگ سبیلین سے غیر معتاد چیز کے نکلنے کو ناقض وضو کہتے ہیں' حالانکہ اس آیت کی غیر معتاد چیزوں پر دلالت نہیں' اس لیے کہ غائط کے عرفی معنی پاخانے کے ہیں اور ہر پاخانے کے ساتھ پیشاب کا نکلنا لازم ہے' تو آیت کی دلالت یہ ہوئی کہ پیشاب اور پاخانہ ناقض وضو ہے اور جب آپ حصر کے قائل ہیں تو مخرجین سے پیشاب پاخانہ کے علاوہ نکلی ہوئی کوئی چیز ناقض وضو نہ ہوئی۔

(۳) لازم آئے گا کہ مذی بھی ناقض وضو نہ ہو' اس لیے کہ یہ نہ پیشاب ہے نہ پاخانہ۔

(۴) شوافع مس ذکر کو بھی ناقض وضو مانتے ہیں' حالانکہ آیت کے کسی لفظ کی دلالت اس پر نہیں۔ جب آیت میں حصر نہیں تو دوسرے دلائل سے جب غیر سبیلین سے نکلی ہوئی چیزوں کا ناقض وضو ہونا ثابت ہے تو اسے ماننا لازم ہے۔

دلائل

ہماری دلیل یہ حدیث ہے جو زیلعی نے کامل ابن عدی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ فرمایا:

الوضوء من کل دم سائل. — ہر بہنے والے خون پر وضو ہے۔

نیز ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی' فرمایا:

من اصابه قئى او رعاف او قلس او مذى فلينصرف وليتوضأ وليبن على صلوته وهو فى ذلك لا يتكلم. — جس کو قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا منہ میں کھانا یا پانی آ جائے یا مذی نکلے تو وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور پچھلی نماز پر بناء کرے' اگر اس درمیان بات نہیں کی ہے تو۔

(ابن ماجہ۔ باب: ما جاء فی البناء علی الصلوٰۃ ص ۸۷)

بر بنائے تحقیق یہ حدیث مرسل ہے مگر جمہور اور ہمارے یہاں مرسل حجت ہے۔

علاوہ ازیں بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات باتوں سے وضو لازم ہے۔ پیشاب سے' منہ بھر قے سے' کروٹ پر سونے سے' نماز میں قہقہہ لگانے سے' خون بہنے سے۔

پھر آیت مذکورہ پر جب نظر دقیق ڈالی جاتی ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ناقض وضو نجاست کا نکلنا ہے۔ وضو توڑنے میں سبیلین کو دخل نہیں' خروج نجاست کو ہے' جو نجاست کہیں سے بھی نکلے' ناقض ہوگی۔ اور یہی مذہب اکثر صحابہ کرام کا ہے' اکثر فقہاء کا ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی اگر کہیں سے خون نکلے تو وہ ناقض وضو ہے اور جب خون ناقض وضو ہے تو جو خون سے بھی زیادہ گندی و نجس ہے وہ بدرجہ اولیٰ ناقض وضو ہوگی' مثلاً پیپ' زرد پانی (پنچھا)۔

لامستم النساء

امام شافعی اس سے ہاتھ سے چھونا مراد لیتے ہیں' ان کے نزدیک عورت کو ہاتھ سے چھونا ناقض وضو ہے۔ اس پر قیاس کر کے یہ بھی فرماتے ہیں کہ عضو تناسل چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے' علت یہ بتاتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا سبب یہ ہے کہ عورت کے چھونے سے اسی طرح عضو تناسل چھونے سے بھی شہوت پیدا ہوتی ہے اور شہوت مذی نکلنے کا سبب ہے اور کبھی سبب کو سبب کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے' جیسے نیند۔ بذات خود نیند ناقض وضو نہیں' مگر یہ ہوا خارج ہونے کا سبب ہے' اس لیے اسے ناقض وضو ٹھہرایا گیا' اور یہی وجہ ہے کہ نیند مطلقاً ناقض وضو نہیں' صرف انہیں صورتوں میں ہے جبکہ استرخاء مفاصل ہو' اس لیے کہ اس صورت میں ہوا کا نکلنا اغلب ہوتا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

احناف کا جواب

احناف یہ کہتے ہیں کہ ''لا مستم'' میں لمس سے مراد ہاتھ سے چھونا نہیں بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے' حضرت فاروق اعظم حضرت علی مرتضی' حضرت ابن عباس' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم اور حضرت عطاء' حضرت طاؤس' حضرت حسن بصری' حضرت شعبہ حضرت ثوری' حضرت شعبی' حضرت اوزاعی' حضرت عبدۃ السلمانی' حضرت عبیدہ الیمنی رحمہم اللہ کے نزدیک بھی اس آیت میں ''لا مستم'' سے جماع مراد ہے۔ خود امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اسی کو لکھا' جس سے معلوم ہوا کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس تفسیر کی بناء پر ''لا مستم النساء'' کا تعلق غسل سے ہے اور ظاہر ہے کہ پانی نہ ملنے پر جیسے محدث کے لیے تیمم کافی ہے جنب کے لیے بھی کافی ہے۔

اس تفسیر کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات کو چھوتے مگر بغیر وضوء کیے ہوئے نماز ادا فرماتے۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' وہ فرماتی ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قبل امرأة من نسائه ثم خرج الی الصلٰوة ولم یتوضأ.

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیا' پھر نماز کے لیے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔

(ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد)

اُم المؤمنین حضرت صدیقہ ہی سے مروی ہے' فرماتی ہیں:

فقدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لیلة من الفراش فالتمسته فوقعت یدی علی باطن قدمه وهو فی المسجد وهما منصوبتان.

ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر سے غائب پایا میں نے تلاش کیا' میرا ہاتھ حضور کے قدموں پر پڑا' دونوں قدم کھڑے تھے' اور حضور مسجد میں تھے۔

(مسلم۔ باب: ما جاء فی الرکوع والسجود۔ ج ۱ ص ۱۹۲' ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: تطبیق عشرۃ النساء' ابن ماجہ۔ کتاب الاقامۃ' مسند امام احمد)

نیز انہیں سے مروی ہے' فرماتی ہیں:

ان کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لیصلی وانی معترضة بین یدیه اعتراض الجنازة حتی اذا اراد ان یوتر مسنی برجله. (نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں اُن کے آگے ایسے لیٹی رہتی جیسے جنازہ رکھا جاتا ہے' جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے اپنے پاؤں سے چھواتے۔

دوسری روایت میں ہے:

حتی اذا اراد ان یسجد غمز رجلی فضممتها الی ثم یسجد.

جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں میں ہاتھ لگاتے تو میں سمیٹ لیتی' پھر سجدہ کرتے۔

ان احادیث اور قرآن مجید میں دفع تعارض کے لیے ضروری ہوا کہ آیہ کریمہ میں ''لا مستم النساء'' سے مراد جماع ہی لیا جائے۔ عضوِ تناسل چھونے سے وضو کے بارے میں احادیث متعارض ہیں' ایک حدیث میں یہ ہے:

اذا مس احدکم ذکره فلیتوضأ. (ابوداؤد)

جب تم اپنے عضوِ تناسل کو چھوؤ تو وضو کرو۔

اس کے بالمقابل یہ بھی ہے کہ حضرت طلق کہتے ہیں کہ ہم خدمت اقدس میں حاضر تھے' ایک دیہاتی آئے اور دریافت کیا' وضو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرنے کے بعد اگر کوئی اپنے عضوِ تناسل کو چھوئے تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

هل هو الا بضعة منه. (ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ) یہ جسم ہی کا ایک جزء ہے۔

ابن ماجہ میں یہ تصریح ہے:

ليس فيه الوضوء انما هو منك. اس میں وضو نہیں یہ تیرا ایک جزء ہے۔

جب احادیث متعارض ہیں اور صحابہ کے اقوال بھی متعارض ہیں تو لامحالہ کسی ایک کو قیاس سے ترجیح دیں گے اور قیاس اسی کو چاہتا ہے کہ مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹے، جیسا کہ حضرت طلق کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ فرمایا: یہ تیرے جسم کا ایک جزء ہے، تو جس طرح دیگر اعضاء کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح عضو تناسل کے بھی چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا

اس کے علاوہ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی بھی صورت ہے کہ ذکر مس سے وضو کا حکم ایسی صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ رطوبت نکلنے کا اندیشہ قوی ہو، یا یہ حکم عوام کی عادت چھڑانے کے لیے تغلیظاً دیا ہو لیکن دوسری حدیث کا کوئی محل نہیں نکل سکتا، اس لیے راجح یہی ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

رہ گیا بہ اعتبار سند کس کو ترجیح دی جائے، اس پر عرض یہ ہے کہ دونوں احادیث کی سندوں پر کلام ہے جو بہت طویل ہے اور کوہ کن کاہ بیار کے مصداق ہے۔ حضرت عطاء نے جو فرمایا یہی ہمارا مسلک ہے کہ سبیلین سے جو چیز بھی نکلے خواہ معتاد ہو، خواہ غیر معتاد وضو ٹوٹ جائے گا، جیسے کیڑا، پتھری وغیرہ۔

ت ۳۱- قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلٰوةِ اَعَادَ الصَّلٰوةَ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوْءَ. حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نماز میں ہنسے تو نماز کا اعادہ کرے اور وضو نہ لوٹائے۔

(بیہقی فی المعرفۃ ابن ابی شیبہ مرفوعاً عینی۔ سعید بن منصور دارقطنی مرسلاً و مرفوعاً)

محض ضحک سے نماز فاسد ہوتی ہے، وضو نہیں ٹوٹتا...... اور ہنسنے کے مراتب

یہی ہمارا مذہب ہے کہ محض ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہنسنے کے مراتب تین ہیں: تبسم، مسکرانا کہ آواز نہ نکلے، ضحک، اس طرح ہنسنا کہ اس کی آواز خود سنے مگر بغل والا نہ سنے۔ قہقہہ، اس طرح ہنسنا کہ کم از کم بغل والا سن لے۔ تبسم سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لیے کہ یہ ملحق بالکلام ہے، وضو نہیں ٹوٹتا۔ قہقہہ سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، بشرطیکہ وہ نماز رکوع، سجدے والی ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ابو الملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک نابینا آتے ہوئے ایک گڑھے میں گر گیا، جس پر لوگ ہنس پڑے، اس پر حضور نے فرمایا:

من ضحك في الصلوة منكم فليعد الوضوء والصلوة. تم میں سے جو نماز میں ہنسا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث میں "من ضحك" ہے اور احناف ضحک مفسد نماز مانتے ہیں ناقضِ وضو نہیں مانتے۔

اقول: (۱) ضحک کی تفسیر گزر چکی کہ ہنسنے میں صرف اتنی آواز نکلے کہ خود تو سن لے مگر اغل بغل والے نہ سنیں۔ یہاں صحابہ اتنے زور سے ہنسے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن لیا تھا، جبکہ حضور امام تھے تو یہ حقیقت میں قہقہہ تھا، قہقہہ پر ضحک کا اطلاق بھی آتا ہے۔
(۲) یہی حدیث مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فاستضحك القوم قهقهة فلما انصرف عليه السلام قال من كان منكم قهقه فليعد الوضوء والصلوٰة.

اس پر لوگ قہقہہ مار کر ہنسے، جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جس نے قہقہہ لگایا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

جن صحابی سے یہ روایت ہے وہ حضرت معبد خزاعی ہیں، ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔ واقعۂ ہجرت میں انہیں کی ماں ام معبد نے میزبانی کی تھی، انہیں حضرت معبد سے حضور نے فرمایا تھا کہ اس بکری کو بلاؤ۔

اس باب میں گیارہ حدیثیں ہیں، جن کی تفصیل عینی میں ہے۔ حدیث مذکور میں اگرچہ ضعف ہے مگر تعدد طرق سے مرتبۂ حسن پر پہنچ گئی ہے۔ نیز اس کی مؤید دوسری احادیث بھی ہیں جن کی تعداد گیارہ ہے جن کو علامہ عینی نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان فرمایا۔

اس کے برخلاف شوافع قیاس پر عمل کرتے ہوئے قہقہے کو ناقض وضو نہیں مانتے۔ یہی احناف کا طرۂ امتیاز ہے کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہوتی ہے تو اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام سے یہ بہت مستبعد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وہ بھی نماز کی حالت میں قہقہہ لگا کر ہنسیں۔ علامہ عینی نے جواب میں فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعراب اور منافقین بھی نماز پڑھتے تھے، ہوسکتا ہے کہ یہ قہقہہ انہیں لوگوں نے لگایا ہو۔

چونکہ قہقہے سے وضو ٹوٹنا خلاف قیاس ہے اور جو چیز خلاف قیاس ہوتی ہے، وہ اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہے، چونکہ یہ واقعہ رکوع سجدے والی نماز میں پیش آیا تھا، اس لیے صرف رکوع سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹے گا، اگر کوئی نماز کے باہر قہقہہ لگائے یا نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت میں لگائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، نماز البتہ فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ قہقہہ ملحق بالکلام ہے۔

ت ٣٢ - وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ اَخَذَ مِنْ شَعَرِهٖ وَاَظْفَارِهٖ اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ فَلَا وُضُوْءَ عَلَيْهِ.

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا: اگر کوئی اپنا بال یا ناخن کاٹے یا موزہ اتارے تو اس پر وضو نہیں۔

(ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، ابن منذر)

یہ دو تعلیقیں ہیں جن میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ اولیٰ: بال یا ناخن کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ ابوالعالیہ، حکم، حماد اور مجاہد کہتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ عطاء، شافعی، نخعی یہ کہتے ہیں کہ پورے وضو کا اعادہ تو نہیں مگر کٹے ہوئے حصے پر پانی بہائے۔

مسئلہ ثانیہ: وضو میں موزوں پر مسح کرنے کے بعد موزے اُتار دیئے تو وضو کے اعادہ کی حاجت نہیں، صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے، مگر مکحول، نخعی، ابن ابی لیلیٰ، زہری، اوزاعی، امام احمد، اسحق یہ کہتے ہیں کہ پھر سے وضو کرے۔ امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ موزہ اُتارتے ہی پاؤں دھولے، اگر دیر کی تو پھر سے وضو کرے۔

ت ٣٣ - وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حدث کے علاوہ اور کسی چیز سے وضو نہیں۔

(اسماعیل قاضی فی الاحکام، ابوعبید فی کتاب الطہور)

کرمانی نے کہا کہ حدث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سبیلین سے خارج ہوں۔ علامہ عینی نے فرمایا: لفظ حدث معنی کے اعتبار سے عام ہے، ہر ناقض وضو کو شامل ہے، مثلاً نیند، جنون، اغماء۔ امام عینی کا مقصد یہ ہے کہ اس میں غیر سبیلین سے نکلی ہوئی نجاست بھی داخل ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اقــول : مگر اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ متکلم اپنے لفظ کے معنی کو خوب اچھی طرح جانتا ہے' اس کی بتائی ہوئی مراد کے خلاف معنی بتانا درست نہیں۔ حدیث گزر چکی جو بخاری کے ص ۲۵ پر ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے حضرموت کے ایک شخص نے پوچھا کہ حدث کیا ہے؟ تو فرمایا: ''فساء او ضراط'' ہوا کا خارج ہونا خواہ بے آواز ہو' خواہ آواز کے ساتھ ہو۔

مگر اس اشکال پر ایک کے بجائے دو اشکال ہیں' ایک یہ کہ پھر لازم آئے گا کہ خروجِ ریح کے علاوہ کوئی چیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناقض وضو نہ ہو' حالانکہ ایسا نہیں۔ دوسرا یہ کہ ابوعبید کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

لا وضوء الا من حدث او صوت او ريح. حدث یا آواز یا ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں۔

حدث سے ان کی تفسیر کی بناء پر جب ہوا کا خارج ہونا مراد ہے تو ''او صوت او ريح'' کہنا بے فائدہ ہوگا۔ لامحالہ حدث کے دو معنوں میں سے ایک مراد لینا لازم ہوگا: خارج من السبیلین' یا ہر ناقض وضو۔

حدث سے صرف خارج من السبیلین مراد لینے پر لازم آئے گا کہ نیند' بے ہوشی' ناقض وضو نہ ہو اور یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مستبعد ہے کہ وہ صحیح احادیث کے خلاف فتویٰ دیں' اس لیے ضروری ہے کہ حدث سے ہر ناقض وضو مراد لیا جائے۔

١٣٢ - وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰى فِيْ صَلَاتِهٖ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر مارا گیا' ان کا خون نکل آیا' اس کے بعد بھی انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتے رہے۔

(ابن اسحٰق نے مغازی میں' ابن حبان نے صحیح میں' حاکم نے مستدرک میں' ابن خزیمہ نے صحیح میں' امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے)

تکمیل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم غزوہ ذات الرقاع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے' ایک مشرک نے قسم کھائی کہ کسی صحابی کا خون بہائے بغیر واپس نہ ہوں گا' یہ لشکر اسلام کے پیچھے چلا۔ رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی میں اُترے' فرمایا: رات کو کون پہرہ دے گا۔ ایک مہاجر حضرت عمار بن یاسر اور ایک انصاری حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما نے پہرہ دینا اپنے ذمے لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو گھاٹی کے دہانے پر مقرر فرما دیا' انہوں نے باری مقرر کر لی' حضرت عمار بن یاسر سو گئے اور حضرت عبادہ بن صامت نے نماز شروع کر دی' وہ مشرک گھات میں تھا' اس نے حضرت عبادہ کو تیر مارا' وہ تیر اُن کو لگا' انہوں نے اسے نکال دیا' اس مشرک نے مسلسل تین تیر مارے' یہ ہر تیر کو نکال نکال کر پھینکتے رہے اور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ نماز پوری کرنے کے بعد حضرت عمار بن یاسر کو جگایا' وہ مشرک بھاگ گیا' حضرت عمار نے جب حضرت عبادہ کو لہولہان دیکھا تو کہا: جب پہلا تیر لگا تھا تو اسی وقت مجھے کیوں نہیں جگا دیا؟ حضرت عبادہ نے کہا: میں ایک سورت پڑھ رہا تھا' مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ اسے درمیان سے چھوڑ دیتا۔ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ وہ سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔

امام شافعی کا مذہب اور اُن کی دلیل

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ اور کہیں سے خون یا نجاست نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ تیر کے لگنے سے خون بہتا رہا اور حضرت عبادہ نماز پڑھتے رہے' اگر سبیلین کے علاوہ کہیں سے خون کا نکلنا ناقض وضو ہوتا تو یہ فوراً

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نماز توڑ دیتے۔

احناف کا مذہب اور دلیل

ہمارا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی کہیں سے خون یا کوئی نجاست نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ ہماری دلیل حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، جسے اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ فاطمہ بنت حبیش خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے استحاضہ کی بیماری ہے، کسی وقت خون بند ہی نہیں ہوتا، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا: یہ حیض نہیں رگ کا خون ہے، جتنے دنوں حیض کی عادت تھی، ان کو چھوڑ کر بقیہ دنوں میں نماز پڑھو، ہر نماز کے وقت خون دھولو اور تازہ وضو کرو۔ (بخاری، ترمذی وغیرہ)

استحاضہ بیماری کا خون ہے، یہ حیض نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ناقض وضو فرمایا، تو ثابت ہوا کہ جسم کے کسی حصے سے نکلنے والا خون ناقض وضو ہے۔ ہماری مستدل دوسری احادیث، تعلیق: ۳۰ میں گزر چکیں۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب

اگر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے عالم استغراق میں بدن سے خون نکلنے کے بعد بھی نماز پڑھتے رہنے کو اس کی دلیل بناتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ اور کہیں سے خون نکلنا ناقض وضو نہیں تو لازم ہوگا کہ یہ بھی کہتے کہ خون پاک ہے، اس لیے کہ جب خون نکلا تو بدن اور کپڑے پر بھی کافی مقدار میں لگا ہوگا اور اسی حالت میں نماز پڑھتے رہے تو لازم ہوا کہ خون بھی پاک ہے، حالانکہ امام شافعی اسے ناپاک مانتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے کہ خون بدن سے اس طرح اُبل کر نکلا ہو کہ بدن اور کپڑے پر نہ لگا ہو، محض سخن سازی ہے۔

(۱) اگر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ننگے ہوتے تو اس کی گنجائش تھی۔

(۲) تیر بدن میں پیوست نہ ہوتا، اُچھل کر دور جا پڑتا تو اس کا احتمال تھا۔

(۳) ابتداء میں تو خون اُبلتا ہے مگر بعد میں بہہ کر جسم پر پھیلتا ہے، مسلسل تین تیروں کے بعد بھی خون اتنے زور سے اُبلے کہ بدن اور کپڑے پر نہ پڑے، ممکن نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب احناف پر دو اعتراض ہوئے، ایک یہ کہ خون نکلنے سے وضو بھی ٹوٹ گیا اور کپڑے بھی ناپاک ہو گئے، پھر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کیسے نماز پڑھتے رہے؟ اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں:

(۱) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ استغراق کے عالم میں تھے، نماز میں انہیں جو لذت مل رہی تھی، اس نے انہیں اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ خون سے کپڑا یا بدن ناپاک ہوگیا اور وضو ٹوٹ گیا۔ استغراق کے عالم میں جو افعال صادر ہوتے ہیں، وہ دوسروں کے لیے دلیل نہیں ہوتے۔

(۲) اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت عبادہ کو اس وقت اس کا علم نہ رہا ہو کہ خون ناپاک اور ناقض وضو ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی، یہ بھی مذکور نہیں۔

ت ٣٤ - وَقَالَ الْحَسَنُ مَا زَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِيْ جِرَاحَاتِهِمْ. حضرت حسن بصری نے کہا کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ جب زخم سے خون نہ بہتا ہو، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں انہیں امام حسن کا یہ فتویٰ مذکور ہے کہ وہ خون

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کو ناقض وضو نہیں جانتے جب تک کہ سائل نہ ہو۔

(۲) زخم پر پٹی بندھی ہو تو پھر زخم کی حالت میں نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ ثانیاً: چلئے مان لیجئے! خون بہتا ہی تھا مگر رُکتا نہ تھا جس کی وجہ سے وہ معذور تھے‘ تو کیا کرتے؟ نماز قضاء کر دیتے‘ جیسے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم کو جب زخم لگا تو خون بہہ رہا تھا‘ اسی حالت میں انہوں نے نماز پڑھی‘ سبب یہی تھا کہ خون رُکتا نہ تھا‘ خون تھمنے کا انتظار کرتے تو نماز قضاء ہو جاتی۔

ت ۳۵ - وَقَالَ طَاوُسٌ وَّمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَّعَطَاءٌ وَّأَهْلُ الْحِجَازِ لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوْءٌ.

طاؤس‘ حضرت امام محمد بن علی باقر اور عطاء اور اہل حجاز نے کہا کہ خون میں وضو نہیں۔

حضرت طاؤس

ان کا نام ذکوان ہے‘ والد کا نام کیسان ہے‘ طاؤس لقب ہے‘ اس لیے کہ یہ قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتے تھے‘ اصل خطاب طاؤس القراء ہے۔ ابنائے فارس سے ہیں‘ ائمہ تابعین اور اولیاء کاملین میں سے ہیں۔ حضرت مالک بن دینار نے فرمایا: میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہیں دیکھا‘ علم اور عمل دونوں میں اپنے وقت کے سردار تھے۔ مکہ میں وصال فرمایا‘ سن وصال ۱۰۵ھ ہے۔ سات ذوالحجہ کو اس وقت وصال ہوا جبکہ یہ مکہ معظمہ حج کے لیے گئے‘ جنازے میں اتنی بھیڑ تھی کہ جنازہ اُٹھانا مشکل ہو گیا‘ یہاں تک کہ پولیس بلانی پڑی۔ ہشام بن عبدالملک مشہور مروانی شہنشاہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ہشام بن عبدالملک ایک بار حج کے لیے گیا تو لوگوں سے کہا کہ کسی صحابی کو بلاؤ۔ لوگوں نے بتایا کہ اب صحابی کوئی نہیں‘ تو اس نے کہا کہ کسی تابعی کو بلاؤ‘ لوگ امام طاؤس کو بلا لائے۔ یہ جب ہشام کی مجلس میں پہنچے تو ہشام کے فرش کے کنارے جوتے اُتارے اور امیر المؤمنین کہہ کے سلام نہیں کیا اور نہ اس کی کنیت سے پکارا۔ ہشام کی بغیر اجازت کے اس کے پہلو میں بیٹھ گئے‘ ہشام سے مخاطب ہو کے پوچھا: اے ہشام! تو کیسا ہے؟ اس پر ہشام کو سخت غصہ آیا‘ یہاں تک کہ انہیں قتل کرانے کا ارادہ کر لیا‘ اس پر کسی نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ اور اس کے رسول کے حرم میں یہ ممکن نہیں‘ اب ہشام نے حضرت طاؤس سے پوچھا: آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟ امام طاؤس نے پوچھا: میں نے کیا کیا؟ اس پر اور تلملا گیا اور بولا: تم نے میرے فرش کے حاشیے پر جوتا اُتارا اور امیر المؤمنین کہہ کے سلام نہیں کیا اور کنیت کے ساتھ مجھ سے خطاب نہیں کیا اور میری اجازت حاصل کیے بغیر میرے برابر بیٹھ گئے اور پھر یوں کہا: اے ہشام! تو کیسا ہے؟ حضرت طاؤس نے جواب دیا: جوتے کی بات یہ ہے کہ میں روزانہ پانچ بار رب العزت تبارک وتعالیٰ کے حضور جوتا اُتارتا ہوں وہ نہ غضب فرماتا نہ عتاب‘ اور امیر المؤمنین کے ساتھ سلام اس لیے نہیں کیا کہ ہر مسلمان تجھے امیر المؤمنین نہیں مانتا‘ میں جھوٹ بولتا؟ اور کنیت کی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر ان کا تذکرہ کیا ہے مگر اپنے دشمن ابولہب کا کنیت کے ساتھ‘ اور برابر بیٹھنے کی بات یہ ہے کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ اگر کسی جہنمی کو دیکھنا چاہو تو اسے دیکھو جو بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہوں۔

یہ جوابات سن کر ہشام نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجیے! تو حضرت طاؤس نے فرمایا کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ جہنم میں مٹکوں کے برابر سانپ اور خچروں کے برابر بچھو ہیں‘ جو ہر اس حاکم کو ڈسیں گے جو رعایا کے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔ یہ فرما کر اُٹھے اور چلے گئے۔ (وفیات الاعیان‘ ج ۲ ص ۵۱۰)

حضرت امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہ

یہ حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے ہیں‘ ان کے علم و فضل کے وارث اور گروہ تابعین کے سرخیل ہیں۔ ۳ صفر ۵۷ھ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کو سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے' واقعہ کربلا کے وقت چار یا پانچ سال کے تھے۔ اکمال میں ان کی پیدائش ۵۶ھ لکھی ہے اور عمر ۶۳ سال۔ اس حساب سے ان کا سن وصال کم از کم ۱۱۹ھ بنتا ہے۔ وصال کی تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں: ربیع الاول میں وصال ہوا یا ۲۳ صفر کو[1] آپ کا وصال حمیمہ میں ہوا' وہاں سے جنازہ مبارک مدینہ طیبہ لایا گیا اور اپنے والد امام زین العابدین کے پہلو میں دفن کیے گئے' جہاں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا مزار پاک ہے' یہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی مدفون ہیں۔ عثمانی سلاطین نے ان تمام حضرات کے مزاراتِ مبارکہ پر ایک قبہ تعمیر کرا دیا تھا' جسے نجدی درندوں نے ڈھا دیا' مزارات کھود ڈالے۔

ان کی کنیت' ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق کے نام پر ابو جعفر ہے' اور لقب باقر ہے' اس لیے کہ ان کا علم بہت وسیع تھا اور تبقر کے معنی توسع کے ہیں[2] عام طور پر اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بقر کے معنی پھاڑنے کے ہیں اور جب تک کسی چیز پر مکمل قابو نہیں حاصل ہوتا' اسے کوئی نہیں پھاڑ سکتا' چونکہ حضرت امام باقر زبردست عالم بلکہ اپنے وقت کے علماء ظاہر و باطن کے امام تھے' جملہ علوم ان کے قابو میں تھے' اس لیے ان کو باقر کہا جاتا ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ پھاڑنے والا جس چیز کو پھاڑتا ہے' ان کے اندر کے حقائق سے بھی واقف ہوتا ہے اور آپ علوم کے اسرار و دقائق کے ماہر تھے' اس لیے باقر لقب پڑا' اپنے عہد کے باقی ماندہ صحابہ مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اور اپنے والد ماجد امام زین العابدین وغیرہ سے احادیث سنیں اور ان سے اجلہ ائمہ محدثین نے روایت کی' مثلاً ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق' امام اعمش' امام اوزاعی' امام ابن جریج' امام اعرج' امام عطاء' امام عمرو بن دینار' امام زہری وغیرہم۔ (بدایہ ونہایہ۔ ج ۹ ص ۳۸۹)

حضرت امام باقر کی رافضیوں سے بیزاری

رافضیوں کے اعتقاد کے مطابق ائمہ اثنا عشریہ میں سے یہ پانچویں امام ہیں مگر یہ خود رافضیوں سے بیزار تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ حضراتِ شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سارے صحابہ سے افضل تھے' انہوں نے فرمایا کہ اہل بیت کا ہر فرد ان بزرگوں سے محبت رکھتا تھا۔ (ایضاً)

حضرت عروہ بن عبد اللہ نے ان سے دریافت کیا کہ چاندی سے تلوار کے مزین کرنے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو مزین کیا تھا' حضرت عروہ نے پوچھا: آپ انہیں صدیق کہتے ہیں؟ یہ سن کر اپنی جگہ سے کود دے اور قبلہ کو منہ کیا اور فرمایا: ہاں! صدیق ہاں صدیق ہیں' جو انہیں صدیق نہ کہے تو اللہ اس کی کوئی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔ ایک دفعہ جابر جعفی سے کہا: اے جابر! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ عراق میں کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ ہمارے محب ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر کو برا کہتے ہیں' یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو اس کا حکم دیا ہے' تم انہیں میرا پیغام پہنچا دو کہ میں ان سے بیزار ہوں' قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر مجھ کو حکومت مل جائے تو میں انہیں قتل کر کے اللہ عز و جل کی قربت حاصل کروں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ملے' اگر میں ان دونوں کے لیے دعا' استغفار و رحمت نہ کرتا ہوں۔ اللہ کے دشمن ان دونوں کے مرتبے اور افضلیت سے غافل ہیں' ان سے جا کے کہہ دو: جو ابوبکر و عمر سے بیزار ہے' میں اس سے بیزار ہوں۔

(البدایہ والنہایہ۔ ج ۹ ص ۳۱۱)

علم تفسیر' حدیث' فقہ سب میں یگانۂ عصر تھے۔ ان علوم میں آپ کے محیر العقول ارشادات بے شمار منقول ہیں' اسی طرح حکیمانہ مقولے بھی' مثلاً ''سلاح اللئام قبح الکلام'' کمینوں کا ہتھیار بدکلامی ہے۔ ''لکل شیء افۃ وافۃ العلم النسیان'' ہر شے کی

---

[1] ایضاً۔ ج ۴ ص ۵۶۰ [2] وفیات الاعیان۔ ج ۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کچھ نہ کچھ آفت ہے اور علم کی آفت نسیان ہے۔ ''اياك و الكسل و الضجر فانهما مفتاح كل خبيثة انك اذ كسلت لم تود حقا و ان ضجرت لم يصبر علی حق'' سستی اور بےقراری سے بچو' یہ دونوں ہر برائی کی کنجی ہیں' جب تم سستی کرو گے تو کوئی حق ادا نہ کر پاؤ گے اور جب بےقرار ہوؤ گے تو اپنی حق تلفی پر صبر نہ کر پاؤ گے۔ (البدایہ والنہایہ۔ص ۳۱۰)

حضرت امام بخاری کو اس مسئلے میں جب کوئی حدیث نہیں ملی تو اقوال تابعین کو دلیل میں پیش فرمایا' اس سلسلے کی پوری بحث گزر چکی۔ رہ گئے تابعین کے اقوال تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تابعی ہیں' انہوں نے فرمایا: تابعین بھی مرد ہیں' ہم بھی مرد ہیں' وہ ہم سے مزاحمت کرتے ہیں' ہم ان سے مزاحمت کرتے ہیں' اس لیے اختلاف کے وقت کسی تابعی کا قول احناف کے نزدیک حجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ احادیث متعارض ہوں اور اگر کسی صاحب کو ضد ہو کہ تابعین کا قول بھی حجت ہے تو سنئے! کثیر صحابہ کرام اور اجلہ تابعین کا یہی مذہب ہے کہ دم سائل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ت۳٦ - وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پھنسی کو دبایا' اس میں سے خون نکلا اور انہوں نے وضو نہیں کیا۔

تاویل

اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ خون سائل نہ تھا' احناف دم سائل کو ناقض مانتے ہیں۔

ت۳۷ - وَبَزَقَ ابْنُ اَبِیْ اَوْفٰی دَمًا فَمَضٰی فِیْ صَلَاتِهٖ.

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے خون تھوکا اور نماز بہ دستور پڑھتے رہے۔

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ

ان کا نام علقمہ ہے اور والد ماجد کا نام حارث ہے' باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں' ان کے مشاہد میں سب سے پہلے بیعت رضوان ہے' اس کے بعد تمام مشاہد میں شریک رہے۔ اخیر میں کوفہ آ بسے تھے' یہی وہ صحابی ہیں جن کا کوفہ میں سب سے اخیر میں وصال ہوا' یعنی کم از کم ۸۷ھ میں۔ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مشرف ہوئے اور ان سے احادیث سنیں' ان میں سے یہ بھی ہیں؛ جس کی تفصیلی بحث مقدمہ میں گزر چکی۔

تاویل

اگر تھوک میں خون نکلا اور تھوک غالب ہے تو وضو نہیں ٹوٹا' اگر خون غالب ہے تو وضو ٹوٹ گیا۔ غلبے کی شناخت یہ ہے کہ اگر تھوک کا رنگ زرد ہے تو تھوک غالب ہے' اور اگر سرخ ہے تو خون۔ اس کا احتمال ہے کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ نے جو خون تھوکا تھا' وہ مغلوب رہا ہو' اس پر تھوک غالب ہو۔ ''اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال''

ت۳۸ - وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيْمَنْ اِحْتَجَمَ لَيْسَ عَلَيْهِ اِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهٖ. (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابن عمر اور امام حسن رضی اللہ عنہم نے فرمایا: جو سینگی لگوائے وہ صرف اتنی جگہ دھوئے جہاں سینگی لگی ہے۔

تاویل

اس کی بھی تاویل وہی ہے کہ احناف کے نزدیک جب خون اتنا نکلے کہ بہہ کر وہاں پہنچ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے تو ناقض وضو ہے۔ ان دونوں حضرات کا فتویٰ اس صورت میں ہے کہ خون اتنا نہ نکلا ہو جو سائل ہو' صرف جہاں پچھنا لگوایا ہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہیں چمک کر رہ گیا ہو اس لیے صرف ان جگہوں کے دھونے کا حکم ہے۔

۱۳۳ - ح: لَایَزَالُ الْعَبْدُ فِی الصَّلٰوۃِ مَاکَانَ فِی الْمَسْجِدِ

[بندہ اس وقت تک نماز میں ہی رہتا ہے جب تک مسجد میں ہے]

۱۳۳ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ مَا لَمْ يُحْدِثْ فَقَالَ رَجُلٌ اَعْجَمِيٌّ مَّا الْحَدَثُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ الصَّوْتُ يَعْنِي الضَّرْطَةَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک مسجد میں بیٹھا نماز کا انتظار کرتا رہے جب تک کہ حدث نہ کرے۔ ایک عجمی نے پوچھا: اے ابوہریرہ! حدث کیا ہے؟ فرمایا: آواز کے ساتھ ہوا خارج کرنا۔

"حدث" عام ہے ہر ناقض وضو کو کہتے ہیں، مگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث کو بیان فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ مسجد میں جو حدث ہو سکتا ہے، وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے۔

اس حدیث سے نماز کے انتظار کی فضیلت ثابت ہوئی، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ عبادت کا انتظار بھی عبادت ہے۔

حدیث میں لفظ مسجد وارد ہے، اس سے اس کے شرعی عرفی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور لغوی بھی، کوئی کہیں بھی نماز پڑھے اور بیٹھا ہوا دوسری نماز کا انتظار کرے تو اُمید ہے کہ اسے بھی یہ اجر ملے گا، اگرچہ وہ جگہ مسجد نہ ہو۔

۱۳٤ - ح: حُکْمُ الْمَذِیِّ

[مذی کا حکم]

۱۳٤ - عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ كُنْتُ رَجُلًا مَّذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهُ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ.

حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے مذی بہت نکلتی تھی، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں مجھے شرم آئی، میں نے مقداد بن اسود سے کہا، انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس میں وضو ہے۔

(ایضاً۔ کتاب العلم۔ باب: من استحیی فامر غیرہ بالسوال۔ ص ۲۴۔ کتاب الغسل۔ باب: غسل المذی والوضوء فیہ۔ ص ۴۱، مسلم۔ کتاب الحیض۔ ص ۱۴۷۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۸۲، نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ۱۱۱، مسند امام احمد)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ

ابن عمرو بن ثعلبہ بہرانی، کندی، اپنے نسب کے اعتبار سے بہرانی ہیں مگر کندی سے مشہور ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان سے اپنے قبیلہ بہراء میں ایک قتل ہو گیا تھا، یہ بھاگ کر کندہ میں آ گئے، ان کے حلیف بن گئے، پھر یہاں بھی ایک قتل کر ڈالا تو بھاگ کر مکہ آئے اور اسود بن عبد یغوث سے عقد محالفت کر لیا۔ ان کو چونکہ اسود نے متبنّٰی بنا لیا تھا یا یہ کہ ان کی ماں نے اسود سے شادی کر لی تھی، ان کو ابن اسود کہا جانے لگا۔ یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، یہاں تک کہا گیا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں، تمام مشاہد میں شامل رہے۔ غزوۂ بدر میں یہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ صرف دو ہی سوار تھے، مدینہ طیبہ سے دس میل کی دوری پر ایک مقام جرف نامی ہے، یہیں ۳۳ھ میں وصال فرمایا، ان کا جنازہ مبارکہ مدینہ طیبہ لایا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، وصال کے وقت ستر سال کی عمر تھی، ان سے بیالیس حدیثیں مروی ہیں، جن میں ایک متفق علیہ ہے اور تین افراد مسلم سے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں' ان کی والدہ محترمہ کا نام خولہ بنت جعفر ہے' جو مشہور حنفیہ کے ساتھ ہیں' یہ یمامہ کے مشہور قبیلہ بنی حنیف کی چشم و چراغ تھیں' اس لیے ان کو حنفیہ کہا جاتا تھا' جنگ یمامہ کی قیدی مستورات میں سے تھیں جو حضرت علی کے حصہ میں آئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حنفیہ سندیہ خاتون تھیں جو بنی حنیف کی باندی تھیں' ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بشارت بھی دی تھی اور اپنا نام نامی اور کنیت بھی عطاء فرمائی تھی' جیسا کہ کتاب العلم میں گزر چکا۔

یہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ بہت قوی اور طاقتور تھے' ایک بار حضرت علی نے ایک زرہ دی کہ یہ اتنی بڑی ہے کہ اس کی کڑیاں نکال کر ٹھیک کر دو' انہوں نے ہاتھ سے پکڑ کر اتنا حصہ پھاڑ ڈالا' ایک بار قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اپنے یہاں کے بہت بڑے پہلوان کو مقابلے کے لیے بھیجا۔ حضرت معاویہ نے حضرت محمد بن حنفیہ کو مقابلے میں پیش کیا' انہوں نے اس رومی سے کہا: اگر تم چاہو تو بیٹھو میں تم کو کھڑا کر دوں یا تم مجھے بٹھا دو۔ رومی بیٹھ گیا' انہوں نے اسے کھڑا کر دیا مگر وہ انہیں بٹھا نہ سکا' پھر حضرت محمد بن حنفیہ بیٹھ گئے اور اسے کھڑا کیا اور فرمایا: تو مجھے کھڑا کر دے یا میں تجھے بٹھا دوں۔ وہ انہیں کھڑا نہ کر سکا مگر انہوں نے اسے بیٹھا دیا۔

جنگ صفین میں حضرت علی کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں تھا' اسی معرکے میں مروان اُن کے ہاتھ آ گیا تھا' اُسے پچھاڑ کر اس کے سینے پر بیٹھے کہ ذبح کر دیں مگر اس نے بڑی لجاجت کے ساتھ قسم دی تو چھوڑ دیا' کاش کہ اس مکار کے فریب میں نہ آتے تو آج دنیائے اسلام کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا' انہیں کی اجازت سے مختار کذاب نے انتقام حسنین کا پروپیگنڈا کر کے جمعیت اکٹھی کی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دو سال باقی تھے کہ یہ پیدا ہوئے اور پہلی محرم ۸۱ھ یا ۸۴ھ میں وصال ہوا' حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی' جو اس وقت مدینہ طیبہ کے والی تھے' جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

(یہ تفصیلات وفیات الاعیان۔ ج ۴ ص ۱۶۹ سے لی گئی ہیں)

رافضیوں کا ایک امام غائب

روافض کا ایک فرقہ کیسانیہ ہے جو انہیں امام برحق مانتا ہے' ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ زندہ جبل رضویٰ میں اپنے مخلص چالیس اصحاب کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں' یہی مہدی منتظر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کیسان مختار کذاب کا لقب ہے' رضویٰ جہینہ کے پہاڑ کو کہتے ہیں۔

تکمیل

یہ حدیث مختلف طرق سے مختلف الفاظ و معانی کے ساتھ مروی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے مقداد کو بھیجا' انہوں نے پوچھا تو حضور نے فرمایا: وضو کرو اور شرمگاہ دھولو۔ نسائی میں ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے کہا۔ ترمذی میں ہے کہ میں نے خود پوچھا تو فرمایا: مذی سے وضو ہے' منی سے غسل ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' جس سے میں غسل کیا کرتا تھا' غسل کرتے کرتے میری پیٹھ ٹوٹ گئی' میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: غسل مت کرو' مذی دیکھو تو اپنے عضو تناسل کو دھولو اور نماز جیسا وضو کرو۔ جب پانی (منی) نکلے تو غسل کرو۔ نسائی کی ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ مجھے حضور سے سوال کرتے ہوئے شرم آئی کیونکہ حضور کی صاحبزادی میری زوجیت میں تھیں' میں نے عمار سے کہا' انہوں نے پوچھا۔ طحاوی میں بھی حضرت عمار ہی کے بارے میں ہے کہ انہیں سے پوچھنے کو کہا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تطبیق

تمام روایات کے آخر کا مضمون ایک ہے' الفاظ مختلف ہیں۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ مذی ناقض وضو ہے' اور بعض بعض میں یہ تصریح ہے کہ عضو تناسل کو بھی دھویا جائے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نجس ہے' البتہ تین تعارض ہیں۔ ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مقداد کو بھی بھیجا ہو اور حضرت عمار کو بھی۔ دونوں جب دریافت کرنے حاضر ہوئے تو یہ بھی ساتھ گئے' ان لوگوں نے پوچھنے میں دیر کی تو انہوں نے ان دونوں میں سے کسی سے پھر وہاں بھی کہا' چونکہ سوال ان کی فرمائش پر ہوا تھا تو اس کو بھی اس سے تعبیر فرمادیا کہ میں نے پوچھا' یعنی بواسطہ۔

مسائل

اس پر اجماع ہے کہ مذی ناقض وضو ہے' اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مذی ناپاک ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنے خسر سے اپنی زوجہ کے خاص تعلقات سے متعلق باتوں کو نہ کہا جائے۔ احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مذی سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے' خواہ وہ اپنی زوجہ سے ملاعبت کے وقت نکلے خواہ بغیر ملاعبت کے' کسی وجہ سے یا بلاوجہ نکلے' مگر مالکیہ فرماتے ہیں کہ مذی سے وضو اسی وقت ٹوٹے گا جبکہ اپنی زوجہ سے ملاعبت کی وجہ سے نکلے' ورنہ نہیں۔ امام قاضی عیاض نے اس کی دلیل میں مؤطا کی وہ روایت پیش کی' جس میں یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ پوچھنے کے لیے فرمایا تھا کہ مرد جب اپنے اہل سے قریب ہوا اور مذی نکل آئے تو کیا ہے؟ اس لیے حکم اسی صورت کے ساتھ خاص ہوگا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ حضرت علی نے اس مخصوص صورت کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا تھا' مگر حضرت مقداد کا سوال اس خاص صورت کے ساتھ نہیں' انہوں نے مطلقاً مذی کے بارے میں پوچھا' جیسا کہ صحاح کی روایت میں ہے' اس لیے جواب بھی مطلق رہے گا۔ علاوہ ازیں اعتبار خصوص موارد کا نہیں' عموم لفظ کا ہوتا ہے اور لفظ عام ہے' اس لیے خروج مذی کی ہر صورت کو عام ہوگا۔

١٣٥- ح: اِذَا جَامَعَ وَلَمْ يُمْنِ يَتَوَضَّاءُ

[جب کوئی جماع کرے اور منی نہ نکلے تو وہ وضو کرے]

١٣٥ - اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَاَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ اَرَاَيْتَ اِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا وَّالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَاُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ.

زید بن خالد سے مروی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان سے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی جماع کرے اور منی نہ نکلے (تو کیا کرے؟) حضرت عثمان نے فرمایا: نماز کے لیے جیسا وضو کرتا ہے ویسا ہی وضو کرے اور عضو تناسل دھولے۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' پھر میں نے (زید بن خالد نے) حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت طلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو سب نے یہی حکم دیا۔

(ایضاً- کتاب الغسل- باب: غسل ما یصیب من رطوبۃ الفرج- ج ۱ ص ۴۳' مسلم- کتاب الحیض- ص ۸۶' مسند امام احمد)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ

قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہیں' ان کی کنیت ابوطلحہ یا ابوعبدالرحمن یا ابوزرعہ ہے۔ یوم فتح میں قبیلہ بنی جہینہ کا جھنڈا انہیں کو عطا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہوا تھا، میں جا بسے تھے وہیں ۷۸ھ میں وصال ہوا وہیں مدفون ہیں وصال کے وقت عمر مبارک پچاسی سال کی تھی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں وصال ہوا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصر میں۔ ان سے اکیاسی حدیثیں مروی ہیں، پانچ بخاری نے ذکر کی ہیں۔

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مذی ناقض وضو ہے، اگرچہ مذی کے نکلنے کا صراحۃً ذکر نہیں، مگر جو صورت مذکور ہے اسے خروج مذی لازم ہے۔

۱۳۶- ح: إِذَا قُحِطْتَّ فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ [جب منی رک جائے تو تم پر وضو کرنا لازم ہے]

۱۳۶- عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَجَآءَ وَرَاْسُهٗ يَقْطُرُ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْجِلْتَ اَوْ قُحِطْتَّ فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ.

(مسلم۔کتاب الطہارۃ، ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا، وہ حاضر ہوئے اور ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے تم کو جلدی میں ڈال دیا، انہوں نے عرض کیا: جی حضور! فرمایا: جب تم جلدی میں ڈال دیے جاؤ یا منی رُک جائے تو تم پر وضو ہے۔

مسائل

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ التقاء ختانین کے بعد بھی غسل واجب نہیں جب تک کہ انزال نہ ہو۔ ابتدائے اسلام میں یہی تھا، بعد میں صرف التقائے ختانین سے غسل واجب ہونے کا حکم ہو گیا۔ تفصیل کتاب الغسل میں آئے گی۔

باب سے مطابقت

امام بخاری نے باب یہ باندھا تھا کہ جو صرف سبیلین سے نکلی ہوئی چیز سے وضو جاتا ہے۔ اس کے دو جزء ہیں: سبیلین سے نکلی ہوئی چیزیں ناقض وضو ہیں، جو چیز سبیلین سے نکلی ہوئی نہ ہو، وہ ناقض وضو نہیں۔ اس کے بھی دو جزء ہیں: ایک یہ کہ سبیلین کے علاوہ کہیں سے نکلی ہوئی کوئی چیز ناقض وضو نہیں جیسے خون، پیپ وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ جو بدن کے کسی حصے سے خارج نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں مثلاً نیند، قہقہہ۔

پہلے جزء کے اثبات میں امام بخاری نے چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اتنی مطابقت کافی ہے۔ بقیہ دو اجزاء پر امام بخاری کو کوئی حدیث اس لائق نہیں ملی جسے یہاں درج فرماتے۔ ان دونوں اجزاء پر اقوالِ صحابہ سے استدلال فرمایا، بلکہ اقوالِ تابعین سے بھی، وہ بھی تعلیقات سے۔ یہ تعلیقات بھی ازروئے اسناد ان کے معیار سے نیچے درجے کی ہیں، ورنہ ان کو مسنداً بیان فرماتے۔

وہ لوگ جو احناف پر اس لیے طنز کرتے ہیں کہ ہم اقوالِ رجال کو دلیل بناتے ہیں، وہ امام بخاری کے اس طرز سے سبق سیکھیں جہاں ان کو ان کے معیار کے لائق کوئی حدیث نہیں ملی وہاں انہوں نے بھی اقوالِ رجال ہی کو دلیل بنایا ہے۔

۱۳۷- ح: اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ [موزوں پر مسح کرنا]

۱۳۷- عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ وَّاَنَّهٗ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، حضور اپنی ایک حاجت کے لیے گئے اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لَہٗ وَاَنَّ مُغِیْرَۃَ جَعَلَ یَصُبُّ الْمَآءَ عَلَیْہِ وَھُوَ یَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْھَہٗ وَیَدَیْہِ وَمَسَحَ بِرَاْسِہٖ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ۔

مغیرہ حضور کے اعضاء پر پانی ڈالنے لگے اور حضور وضو فرما رہے تھے حضور نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر اور موزوں پر مسح کیا۔

(ایضاً۔ باب: المسح علی الخفین۔ ج۱ ص۳۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الجبۃ الشامیہ۔ ج۱ ص۵۲۔ باب: الصلوٰۃ فی الخفاف ج۱ ص۵۶۔ کتاب الجہاد۔ باب: الجبۃ فی السفر و الحرب۔ ج۲ ص۴۰۸۔ کتاب المغازی۔ باب: ص۶۳۷۔ ج۱۔ باب: لبس جبۃ الصوف فی الغزوہ۔ ج۲ ص۸۶۳ مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ج۱ ص۱۳۳۔ ۱۳۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ج۱ ص۱۸۰ ابوداؤد۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: مسح علی الخفین ص۲۳ نسائی۔ باب: مسح علی العمامۃ مع الناصیۃ۔ ص۲۹۔ باب: کیف المسح علی العمامۃ۔ ص۳۰ ابن ماجہ۔ باب: ما جاء فی المسح ص۴۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

یہ ثقفی بزرگ ہیں، غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کے بعد کے تمام مشاہد میں شریک رہے نہایت زیرک ہوشیار آدمی تھے۔ قبیصہ بن جابر نے کہا: اگر کسی شہر کے اسّی دروازے ہوں اور ہر دروازے سے داخلے کے لیے حیلے کی ضرورت ہو تو مغیرہ ہر دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں۔ مشہور ہے: عرب کے چالاک چار ہیں: حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص حضرت مغیرہ، زیاد بن ابیہ۔

حضرت علی مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ حضرت معاویہ کو معزول کر دیں تو انہوں نے سیدھے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ کوفہ کا طلحہ بن عبید کو اور بصرہ کا زبیر بن عوام کو والی بنا دیجیے اور معاویہ کو شام پر بہ دستور والی رہنے دیں۔ جب آپ کی خلافت مستقر ہو جائے تو پھر معاویہ کے بارے میں جو چاہیں، کریں۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ طلحہ اور زبیر کے بارے میں غور کروں گا لیکن معاویہ کو شام پر نہیں رکھوں گا، جب تک وہ اپنے حال پر رہے گا۔

حضرت امام حسن نے بھی حضرت مغیرہ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت علی سے عرض بھی کیا مگر حضرت علی نہیں مانے۔
(الاستیعاب۔ ذکر مغیرۃ بن شعبہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اس وقت جو صورتِ حال تھی، اس کے پیش نظر یہ مشورہ بہت ہی مفید تھا، کاش کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قبول فرما لیتے تو آج اسلام ہی نہیں، دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اس مشورہ کے قبول نہ فرمانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ صفین کا وہ خونی معرکہ پیش آیا، جس میں پینتالیس ہزار مسلمان مارے گئے جو پوری دنیا فتح کرنے کے لیے کافی تھے۔

ان کی ذہانت کا ایک واقعہ اصابہ میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا، مگر وہاں کے باشندوں نے انہیں ناپسند کر دیا اور شکایت کر دی۔ حضرت عمر نے انہیں معزول کر دیا، مگر چونکہ شکایتیں غلط تھیں، بحرین والوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت عمر انہیں کو پھر نہ بھیج دیں تو انہوں نے چندہ کر کے ایک لاکھ جمع کیا اور ایک کاشتکار اسے لے کر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، خیانت کر کے مغیرہ نے ہمارے پاس اس کو امانت رکھا تھا، حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو بلایا، ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یہ کم لایا ہے، میں نے دو لاکھ جمع کر کے اس کے پاس امانت رکھی تھی۔ یہ سنتے ہی کاشتکار کے ہاتھ سے تھیلی گر پڑی، اس سے حضرت عمر سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہے، جب اس کاشتکار سے سختی سے پوچھا، قسم دلانے کی بات کی تو اقرار کیا کہ قصہ یہ تھا۔

حضرت مغیرہ ایران اور شام کے معرکوں میں شریک ہوئے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے معرکے سے قبل

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

افواج ایران کے سپہ سالار رستم کے پاس جو سفارت بھیجی تھی' اس میں ایک یہ بھی تھے۔ شام کے سب سے بڑے اور فیصلہ کن معرکے یرموک میں بھی شریک تھے' اسی معرکے میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہلے بصرہ کا' پھر کوفہ کا والی بنایا۔ اسی پر رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان نے انہیں معزول فرمایا' پھر حضرت معاویہ نے انہیں کوفہ پر مقرر فرمایا اور اسی منصب پر رہتے ہوئے کوفہ میں ہی وصال فرمایا۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے جھگڑے میں الگ رہے' دونوں طرف کے حکم کے فیصلہ کے وقت دومۃ الجندل بھی گئے' مگر حضرت معاویہ کی بیعت اس وقت کی جب حضرت امام حسن نے انہیں خلافت سپرد فرمادی۔ حضور ﷺ نے ان کی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی۔ ایک بار حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے' جب اذن طلب کیا تو حضرت عمر نے پوچھا: کون؟ عرض کیا: ابوعیسیٰ! حضرت عمر نے فرمایا: کون ابوعیسیٰ؟ عرض کیا: مغیرہ بن شعبہ' فرمایا: عیسیٰ کے والد کہاں تھے؟ فرمایا: اب تمہاری کنیت ابوعبداللہ رہے گی۔ یہی مشہور ہوئی' ۵۰ھ میں وصال ہوا۔

تکمیل

مسلم میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں نمازِ فجر سے پہلے حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں ہے' یہ سن کر حضور سواری سے اُترے' مجھ سے فرمایا: چھاگل لے کر آؤ! حضور اقدس ﷺ رات کی تاریکی میں قضاء حاجت کے لیے اتنی دور گئے کہ چھپ گئے' فارغ ہو کر جب واپس آئے تو میں نے پانی ڈالا' حضور نے وضو فرمایا' اور حضور اس وقت تنگ آستین کا شامی جبہ پہنے ہوئے تھے' ہاتھ دھونے کے لیے آستین چڑھانا چاہی تو آستین چڑھ نہ سکی' اس لیے جبے کی آستین نکالی اور جبے کو کاندھے پر ڈال دیا' پھر پیشانی یعنی سر کے اگلے حصے اور عمامہ پر مسح فرمایا' میں نے چاہا کہ موزوں کو پاؤں سے نکال دوں' تو فرمایا: رہنے دو! میں نے اسے وضو پر پہنا ہے۔ حضور نے موزوں پر مسح فرمایا' حضور بھی سوار ہوئے اور میں بھی' جب لشکر میں پہنچے تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو لوگوں نے امام بنالیا تھا' میں نے چاہا کہ انہیں پیچھے کر کے صف میں کردوں مگر حضور نے منع فرمادیا۔ خود عبدالرحمٰن کو جب یہ احساس ہوا کہ حضور آگئے تو پیچھے ہو جانا چاہا' مگر حضور نے اشارے سے انہیں بھی روک دیا۔ یہ فجر کی نماز تھی' ایک رکعت ہو چکی تھی' حضور بھی شریک جماعت ہوگئے اور میں بھی۔ جب عبدالرحمٰن نے سلام پھیرا تو چھوٹی ہوئی رکعت پڑھنے کے لیے حضور کھڑے ہوگئے' لوگوں نے جب حضور کو دیکھا تو گھبرائے اور بار بار تسبیح پڑھنے لگے' حضور جب نماز پوری کرچکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم لوگوں نے اچھا کیا کہ وقت پر نماز پڑھ لی۔

(مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ج ا ص ۱۳۳۔ ۱۳۴' کتاب الصلوٰۃ۔ ج ا ص ۱۸۰)

اس پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: کوئی اپنے ساتھی کو وضو کرائے۔ اس کے ثبوت میں پہلے حضرت اسامہ والی حدیث: ۱۰۱ ذکر کی' جس میں یہاں یہ زائد ہے کہ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا اور حضور وضو فرماتے رہے۔ اور یہ حدیث مغیرہ بن شعبہ نے ذکر کی ہے' اس میں بھی وہی ہے کہ حضرت مغیرہ پانی ڈالتے رہے اور حضور وضو فرماتے رہے۔

ثبوت باب

وضو میں اعانت کی تین صورتیں ہیں: ایک پانی لاکر پیش کرنا' اس میں ادنیٰ سی بھی کراہت نہیں۔ دوسرے پانی ڈالنا' یہ اُمت کے لیے مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ۔ حضور اقدس ﷺ کے لیے نہیں' اس لیے کہ حضور شارع ہیں' بہت سے افعال حضور بیان جواز کے لیے کرتے اگرچہ وہ فی نفسہٖ خلاف اولیٰ ہوں۔ تیسرے یہ کہ کوئی پانی بھی ڈالے اور اعضائے وضو بھی دھوئے یا صرف

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اعضائے وضو ہی دھوئے' یہ ممنوع ہے۔ اگر وضو کرنے والا معذور نہیں' اگر معذور ہے تو کراہت نہیں۔

امام بخاری نے باب میں "یُوَضِّی" فرمایا ہے جو تینوں صورتوں کو عام ہے اور باب کے تحت مذکورہ حدیثوں میں اعانت کی صرف دوسری صورت بیان کی گئی ہے۔ حضرت اسامہ اور حضرت مغیرہ نے صرف پانی ڈالا تھا' اعضائے وضو نہیں دھوئے تھے۔ اس سے اعانت کی پہلی صورت کا جواز تو ثابت ہوتا ہے کہ جب پانی ڈالنا جائز تو وضو کے لیے پانی لانا بہ درجۂ اولیٰ جائز' مگر تیسری صورت کا جواز ثابت نہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پانی ڈالنا بھی اعانت ہے اور اعضاء کا دھونا بھی اعانت۔ جب اعانت ثابت تو اس کے تمام افراد بھی ثابت' مگر یہ اس وقت صحیح ہوتا کہ ان حدیثوں میں مطلق اعانت مذکور ہوتی۔ ان حدیثوں میں مخصوص اعانت مذکور ہے' اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ حکم تمام افراد کو عام ہو۔

غایت باب

وضو بہ نیت قربت عبادت ہے اور عبادت کی ادائیگی میں کسی سے اعانت ممنوع' اس لیے ضرورت ہوئی کہ اس کو بیان کیا جائے کہ وضو اس سے "من وجہ" مستثنیٰ ہے۔

ان دو حدیثوں کے علاوہ اس بارے میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ ابن ماجہ[1] میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انہوں نے کہا کہ میں نے خدمت اقدس میں وضو کا برتن حاضر کیا تو حکم دیا کہ پانی ڈالو تو میں نے ڈالا۔ نیز اسی میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سفر اور حضر دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کرتے وقت پانی ڈالا ہے' نیز اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت سیدہ رقیہ کی باندی' اُم عیاش کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کراتی' میں کھڑی رہتی اور حضور بیٹھے رہتے۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ایک بار حضرت عمر کے ساتھ حج کیا' میں نے چھاگل سے ان پر پانی ڈالا تو انہوں نے وضو فرمایا[2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ جب یہ وضو کرتے تو عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور ضحاک بن مزاحم لوٹے سے پانی ڈالتے۔

چوتھائی سر کا مسح

اس حدیث میں مسلم کی روایت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر بھی مسح فرمایا' ناصیہ سر کے اگلے چوتھائی حصے کو کہتے ہیں' اور وہاں کے بالوں کو بھی۔ قرآن مجید میں ہے:

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِO نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍO — ہم ضرور اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے O جھوٹی خطا کار پیشانی O (اقراء: ۱۵-۱۶)

ناصیہ کو فارسی میں پیشانی بھی کہتے ہیں مگر اُردو میں پیشانی چہرے کے اس اوپر والے حصے کو کہتے ہیں جو بالوں کے نیچے اور بھوؤں کے اوپر ہے۔ اس لیے ناصیہ کا ترجمہ پیشانی سن کر لوگ گھبرا جاتے ہیں کہ پیشانی پر مسح کے کیا معنی؟ اس سے ثابت ہوا کہ سر کے چوتھائی حصے کا مسح' وضو صحیح ہونے کے لیے کافی ہے۔ یہ فرض ہے' سنت پورے سر کا مسح ہے۔ بعض طرق میں "وعلى عمامته" بھی ہے کہ حضور نے پیشانی اور عمامہ پر مسح فرمایا' بعض لوگوں نے اس کی یہ توجیہ کی کہ حضرت مغیرہ کو دیکھنے میں کچھ تسامح ہوا' حضور نے سر کے مسح کے لیے عمامہ کو سرکایا ہوگا' مسح کے بعد عمامہ کو درست کرنے میں ہاتھ عمامہ پر لگایا ہوگا' اور اس کو انہوں نے مسح سمجھ لیا۔ یہ توجیہ باطل ہے' اس لیے کہ پھر احادیث سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اس لیے کہ جب یہ ایک جگہ مان لیا کہ صحابہ کما حقہ دیکھے بغیر روایت کر دیتے

---

[1] ابن ماجہ۔ باب: الرجل يستعين على وضوئه۔ ص ۳۲ [2] ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ سورہ تحریم۔ ج ۲ ص ۱۶۶

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہیں تو ہر حدیث میں یہ شبہہ پیدا ہو جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ صحابی نے اچھی طرح نہ دیکھا ہو جو ان کی سمجھ میں آیا روایت کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ واقعی حضور نے عمامہ ہی پر مسح فرمایا تھا، مگر جبکہ چوتھائی سر کا مسح کر لیا تھا تو کوئی حرج نہیں۔

صرف عمامہ پر مسح کافی نہیں

احناف، شوافع اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سر پر مسح کیے بغیر عمامہ یا ٹوپی پر مسح کافی نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم میں سر کے مسح کا حکم ہے اور عمامہ اور ٹوپی پر مسح سر کا مسح نہیں۔ نیز کسی حدیث میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف عمامے پر مسح فرمایا ہو اور سر پر نہ کیا ہو۔ البتہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صرف عمامہ پر مسح کافی ہے۔

شوافع کا استدلال اور اس کا جواب

ہمارا اور شوافع کا اس پر اتفاق ہے کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ہمارے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، اس سے کم کافی نہیں۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سر کے تھوڑے سے بھی حصے کا مسح کافی ہے، اگرچہ ایک دو بال ہی کا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ناصیہ پیشانی سر کا بعض ہے اور بعض جیسے چوتھائی ہے، ویسے ہی اس سے کم بھی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عبادات کی مقادیر غیر قیاسی ہیں۔ شارع علیہ السلام نے جس کی جو مقدار بتائی ہے، اس میں کمی سے وہ وظیفہ ادا نہ ہوگا۔ ناصیہ سے کم کی کوئی روایت نہیں، اس لیے ناصیہ سے کم مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے: بزرگوں سے جہاں تک ہو سکے قریب رہنا چاہیے، تاکہ اگر انہیں ضرورت ہو تو تم سے مدد لے لیں، خصوصاً سفر میں بزرگوں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بزرگ جو بھی حکم دیں، اس کی تعمیل سعادت جاننا چاہیے۔ چھوٹے بزرگوں کے حکم کے بغیر بھی ان کی خدمت میں سبقت کریں، چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، موزوں پر مسح جائز ہے۔ نماز میں اُمتی نبی کا امام ہوسکتا ہے۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے، جب سب نمازی جمع ہو جائیں اور جماعت کا مقررہ وقت ہو جائے اور امام نہ پہنچے تو قوم کسی کو امام بنا سکتی ہے، یہ حکم صرف نمازِ پنجگانہ کے لیے ہے۔ جمعہ وعیدین کی نماز امام مقرر ہی پڑھائے یا پھر اس کا ماذون، جمعہ وعیدین کے اماموں پر لازم ہے کہ وہ جب کہیں جائیں تو کسی کو امام مقرر کر جائیں۔

ت ۳۹ - عَنْ إِبْرَاهِيمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ. (سعید بن منصور)

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: حمام میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور بغیر وضو خط لکھ سکتا ہے۔

باب کی توضیح

امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے: ''قراءة القرآن بعد الحدث وغيره'' ۔ ''غیرہ'' میں دو روایتیں ہیں، راء کو ضمہ اور کسرہ، راء کا ضمہ اس تقدیر پر ہے کہ اس کا عطف قراءۃ پر ہے۔ اور باب کو یا تو ساکن پڑھیں یا ضمہ کے ساتھ، اسے مابعد کی جانب مضاف نہ مانیں تو اب باب کا مطلب یہ ہوا: حدث کے بعد قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کا بیان، وغیرہ میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا بھی داخل ہے اور دیگر اذکار تسبیح، تہلیل، درود شریف وغیرہ بھی۔ حاصل یہ ہوا کہ حالت حدث میں تمام اذکار حتیٰ کہ قرآن مجید کی تلاوت، اس کا چھونا، اس کا لکھنا بھی جائز ہے۔

''غیرہ'' کی راء پر کسرہ پڑھنے کی صورت میں باب کو مابعد کی طرف مضاف ماننا پڑے گا۔ اب تین احتمالات ہیں، اول: یہ کہ غیرہ کا عطف قراءت پر مانیں اس کا حاصل یہی گزشتہ صورت ہے۔ یعنی حدث کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ جائز ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوم: اسے قرآن پر معطوف مانیں، اب مطلب یہ ہوا کہ حدث کی حالت میں قرآن وغیرہ کا پڑھنا، مثلاً وہی تسبیح، تہلیل، درود شریف
اس صورت میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا داخل نہ ہوگا۔ سوم اسے حدث پر معطوف مانیں، اب معنی یہ ہوئے: قرآن مجید کی تلاوت
حالت حدث وغیر حدث یعنی طہارت میں کرنا۔ مقصود یہ ہوگا کہ ہر حالت میں قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے۔ حالت طہارت میں تو
جائز ہی ہے، حالت حدث میں بھی جائز ہے۔ عمومِ حالات کے افادے کے لیے ایسے جملے عرف میں شائع وذائع ہیں جیسے قرآن کریم
میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا. (آل عمران:٤٦) گہوارے اور پکی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

پکی عمر میں تو سبھی بات کرتے ہیں، مراد یہ ہے کہ گہوارے میں بچے بات نہیں کرتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مافوق الفطرت قوت
ہوگی کہ وہ گہوارے میں بھی بات کریں گے اور بڑے ہونے کے بعد ادھیڑ عمر میں بھی، یعنی دونوں عمروں میں بات کریں گے۔

اس تیسرے احتمال میں پھر دو شقیں ہیں، ایک یہ کہ حدث سے مراد حدث اصغر ہو یعنی بے وضو ہونا، اور یہ ظاہر ہے اس لیے کہ
حدث جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے ناقض وضو ہی مراد ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ باوضو بے وضو ہر حالت میں تلاوت وذکر جائز
ہے۔ دوسری شق یہ کہ حدث سے مراد حدث اکبر ہو، یعنی جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے جنبی ہونا، حیض ونفاس کی حالت۔
اب مطلب یہ ہوا کہ پاک ہونے کی حالت کی طرح حالتِ جنابت وغیرہ میں بھی تلاوت وذکر جائز ہے۔ بہت سے اسلاف کا یہ
مذہب ہے، ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہو۔

احکام

ہمارے مذہب میں جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کو نہ قرآن مجید کی تلاوت جائز نہ چھونا جائز نہ لکھنا جائز، دیگر اذکار کی
اجازت ہے۔ اسی طرح انہیں لکھنے کی بھی، بے وضو کو قرآن مجید چھونا جائز نہیں، تلاوت جائز ہے، دیگر اذکار بھی جائز۔ اور لکھے ہوں تو
ان کا چھونا بھی جائز، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ باوضو تلاوت اور ذکر کرے، قرآن مجید لکھنے کے بارے میں دو قول ہیں: امام ابو یوسف
فرماتے ہیں کہ مکروہ نہیں، امام محمد نے فرمایا کہ مکروہ ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مکروہ تحریمی اور ناجائز نہیں مگر مکروہ تنزیہی اور خلاف
اولیٰ ضرور ہے۔ (درمختار۔ ج ١۔ ردالمحتار۔ ج ١۔ باب: الغسل۔ ص ١١٧۔ ١١٨)

باب سے مطابقت

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حمام میں قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حمام میں محدث اور جنبی دونوں جاتے ہیں تو
ثابت ہوا کہ حدث اور جنابت کی حالت میں تلاوت جائز ہے، اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے کوئی تفصیل نہیں کی، اگر محدث اور جنبی کو
تلاوت ممنوع ہوتی تو انہیں لازم تھا کہ اس کو ظاہر کر دیتے۔

حضرت ابراہیم کا دوسرا قول

انہیں منصور بن سعید نے حضرت ابراہیم کا دوسرا قول یہ نقل فرمایا کہ حمام میں تلاوت مکروہ ہے۔ عبدالرزاق کی روایت میں یہ ہے
کہ منصور نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو فرمایا: حمام تلاوت کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے، یہی امام اعظم کا
قول ہے[1] رہ گیا بے وضو خط لکھنا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ خط میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو اور اگر آیت ہو جب بھی تو حضرت ابراہیم
نخعی کا مذہب یہی ہے کہ بے وضو قرآن مجید لکھنے میں حرج نہیں۔ اس زمانے میں عام دستور تھا کہ خطوط میں بسم اللہ ضرور لکھتے تھے اور

[1] عمدۃ القاری، عینی۔ ج سوم ص ٦٣

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قرآن مجید کی آیت ہے تو ثابت ہوا کہ بے وضو قرآن مجید کی آیت لکھنی جائز ہے۔

اقول: بحث اس صورت میں ہے کہ قرآن مجید بہ نیت دعا و ثناء نہ لکھا جائے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید بہ نیت دعا یا ثناء پڑھے تلاوت کی نیت نہ ہو تو جنبی وغیرہ کو بھی پڑھنا جائز' پھر بے وضو بہ نیت دعا یا ثناء لکھنا کیوں ناجائز ہوگا اور ظاہر ہے کہ خط میں بسم اللہ بہ نیت استفتاح لکھا جاتا ہے' اس لیے اس کے جواز سے مطلقاً قرآن مجید کے لکھنے کے جواز پر استدلال ساقط ہوا۔

ت ٤٠- **وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ وَإِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ.** (جامع ثوری)

اور امام حماد نے کہا کہ امام ابراہیم نے فرمایا: اگر وہ تہبند باندھے ہوں تو سلام کرنا ورنہ مت کرنا۔

توجیہ و مطابقت

مطلب یہ ہے کہ حمام میں جو لوگ نہا رہے ہوں' وہ اگر تہبند باندھے نہا رہے ہوں تو ان کو سلام کی اجازت ہے' اگر ننگے ہوں تو اجازت نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حالت گناہ میں ہیں۔ اس تعلیق کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ سلام از قبیل اذکار ہے۔ اور باب کا اخیر حصہ ''وغیرہ'' میں اذکار بھی شامل ہیں۔ اس طرح باب سے مطابق ہوگئی یا یہ کہا جائے کہ پہلی تعلیق میں حمام کا ذکر تھا' اس کی مناسبت سے یہ تعلیق ذکر کی۔

١٣٨- ح. قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرٰنَ بَعْدَ النَّوْمِ

[نبی ﷺ کا سونے کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی قراءت فرمانا]

١٣٨- **أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيْلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيْلٍ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرٰنَ ثُمَّ قَامَ إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهُ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِيْ وَأَخَذَ بِأُذُنِيَ الْيُمْنٰى يَفْتِلُهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ**

کریب نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اپنی خالہ کے یہاں رات کو رہے (انہوں نے کہا:) میں بستر کی چوڑائی میں لیٹا' رسول اللہ ﷺ اور ان کی اہلیہ لمبائی میں لیٹے' رسول اللہ ﷺ سو گئے جب آدھی رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے' پھر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے آنکھیں ملنے لگے (تا کہ نیند کا اثر دور ہو جائے) پھر سورۂ آل عمران کی اخیر کی دس آیتیں پڑھیں' پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کے پاس گئے' اس سے خوب اچھی طرح وضو کیا' پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: پھر میں بھی اُٹھا اور جیسے حضور نے کیا تھا' میں نے بھی کیا' پھر گیا اور حضور کے پہلو میں کھڑا ہو گیا' حضور نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دایاں کان پکڑ کر اینٹھنے لگے۔ حضور نے دو رکعت پڑھیں' پھر دو رکعت پڑھیں' پھر دو رکعت پڑھیں' پھر دو رکعت پڑھیں' پھر دو رکعت پڑھیں' پھر دو رکعت پڑھیں' پھر وتر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. پڑھے، پھر لیٹے یہاں تک کہ مؤذن حاضر ہوا تو آپ اُٹھے، پھر دو رکعت مختصر پڑھیں، پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھی۔

(ایضاً۔کتاب العلم۔باب:السمر بالعلم۔ج١ص٢٢۔کتاب الوضو۔باب:التخفیف بالوضوء۔ج١ص٢٥۔کتاب الوتر۔باب:ما جاء فی الوتر ج١ص١٣٥۔کتاب الاذان۔باب:یقوم عن یمین الامام بحذائه سواء اذا کان اثنین۔باب:اذا قام الرجل عن یسار الامام۔باب:اذا لم ینو الامام ان یوم۔ج١ص٩٧۔کتاب الاذان۔باب:اذا قام الرجل عن یسار الامام۔ج١ص١٠٠۔کتاب الاذان۔باب:میمنة المسجد والامام۔ج١ص١٠١۔کتاب التفسیر۔باب:ان فی خلق السموات والارض۔اوراس کے بعد والے تین ابواب میں ج٢ص٦٥٧۔کتاب الدعوات۔باب:اذا انتبه من اللیل۔ج٢ص٩٣٤، مسلم۔کتاب المسافرین۔باب:السواک۔ج١ص١٢٨، نسائی۔کتاب قیام اللیل، ابن ماجه۔کتاب الاقامة۔ص١٨١، موطا۔کتاب صلوٰۃ اللیل، مسند امام احمد بن حنبل)

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے مگر یہاں جو روایت ہے، اس میں دو باتوں کا اضافہ ہے، ایک یہ کہ بیدار ہونے کے بعد، خواتیم آلِ عمران کی تلاوت کی۔ دوسرے مع وتر تیرہ رکعت پڑھیں۔ اس لیے ہم نے اسے اپنی طرز کے خلاف مکرر ذکر کیا ہے۔ کتاب التفسیر ج٢ص٦٥٧ پر اتنا زائد ہے کہ تھوڑی دیر اپنی اہلیہ سے بات چیت کی، پھر سوئے، جب رات کی آخری تہائی ہوئی تو اُٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھا اور پڑھا: ''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' آخر سورہ تک دس آیتیں۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ وضو میں مسواک بھی کی۔ یہاں یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کیا اور پہلی والی روایت میں یہ ہے کہ ہلکا وضو فرمایا۔ اس وقت کتنی رکعتیں پڑھیں؟ اس میں روایتیں مختلف ہیں، عام روایتوں میں ''رکعتین رکعتین'' چھ بار ہے، تفسیر کی پہلی روایت میں ہے کہ گیارہ رکعتیں پڑھیں۔ باب ''یقوم عن یمین الامام بحذائه'' ج١ص٩٧ کی روایت میں یہ ہے کہ پہلے پانچ رکعتیں پڑھے، پھر وتر پڑھے، وتر کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں۔

تطبیق

یہاں مسواک کا ذکر نہیں مگر ''فاحسن وضوءه'' میں مسواک کرنا بھی داخل ہے۔ خفیف وضو کرنے اور اچھی طرح وضو کرنے میں کوئی تعارض نہیں، اچھی طرح وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مستحبات کی بھی رعایت فرمائی اور ہلکا وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر فراخی کے ساتھ پانی بہا کر جیسے عادت تھی ویسے وضو نہیں فرمایا، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے: ''ولم یکثر وقد ابلغ''۔ (ج١ص٢٦٠)

رہ گیا تعدادِ رکعت کا اختلاف، تو وہ یا تو تعددِ واقعات پر محمول کیا جائے یا پھر یہ کہ بعض راویوں سے سہو ہوا۔

وتر تین رکعت ہے

وتر کے بارے میں تعداد مذکور نہیں، صرف یہ کہ وتر پڑھے۔ وتر ایک رکعت پر بھی صادق اور تین رکعت پر بھی۔ لہٰذا اس لیے اس کو وتر کی ایک رکعت ہونے پر دلیل لانا صحیح نہیں، بلکہ راجح یہی ہے کہ تین رکعت وتر پڑھے، اس لیے کہ بتیراء یعنی صرف ایک رکعت نماز پڑھنے سے حضور اقدس ﷺ نے خود منع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں یہی حدیث مسلم شریف[1] میں بہ طریق محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس یوں ہے: ''اوتر بثلث'' حضور نے تین رکعت وتر پڑھے۔

[1] مسلم۔ج١ص٢٦١

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مناسبت

باب یہ ہے: حدث اور غیر حدث کی حالت میں قرآن پڑھنا۔ اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں' جس سے یہ ثابت ہو کہ حالت حدث میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ رہ گیا حضور اقدس ﷺ کا نیند سے بیدار ہو کر تلاوت کرنا' اس کو باب سے کوئی تعلق نہیں' اس لیے کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں۔ ارشاد ہے: ''تنام عيني ولا ينام قلبي'' اس لیے نیند سے یہ استدلال کرنا کہ حضور اقدس ﷺ نے حالت حدث میں تلاوت فرمائی تھی' درست نہیں۔ علامہ ابن حجر نے مناسبت پیدا کرنے کے لیے یہ نکتہ آفرینی کی کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں لیکن اگر نیند کی حالت میں کوئی حدث مثلاً خروجِ ریح ہو تو اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا' ہمارے اور انبیائے کرام کے مابین فرق یہ ہے کہ ہمیں وجودِ حدث کا علم نہیں ہوتا اور انبیاء کرام کو ہو جاتا ہے۔

انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں

علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب کیا کہ انبیاء کرام کی خصوصیت یہ ہے کہ نیند کی حالت میں انہیں حدث لاحق نہیں ہوتا۔ علامہ عینی کی یہ بات بہت پتے کی ہے۔ صرف نیند عوام کی بھی ناقض وضو نہیں' وہی نیند ناقض وضو ہے جس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہو' جس سے خروجِ ریح کا ظن ہو۔ اصل ناقض خروج ریح ہے۔ نیند کی حالت میں اس کا احساس نہیں ہوتا تو استرخاء مفاصل کو خروجِ ریح کے قائم مقام مان کر ایسی نیند کو ناقضِ وضو قرار دیا گیا جس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہو۔ اس لیے انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ نیند کی حالت میں انہیں حدث لاحق نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حجر کی یہ بات مان بھی لی جائے تو یہ صرف ایک احتمال ہے اور احتمال مثبت مدعیٰ نہیں ہوتا' حضور اقدس ﷺ نے بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا۔ یہ بھی اس کی دلیل نہیں کہ آپ کو کوئی حدث لاحق ہو گیا ہو' وضو پر وضو' نورٌ علیٰ نور ہے۔

باب سے مطابقت کی اصل تقریر یہ ہے کہ خود امام بخاری[1] نے ''باب الدعاء اذا انتبه من الليل'' میں اور امام مسلم نے مسلم شریف[2] میں یہ تصریح کی ہے کہ اس سے پہلے حضور اقدس ﷺ اُٹھے اور قضاء حاجت فرمائی' پھر اپنے منہ اور ہاتھوں کو دھویا' اس کے بعد سوئے' دوبارہ اُٹھے تو مشک سے وضو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اس وقت باوضو نہیں سوئے تھے۔

ایضاح البخاری کا ردّ

ایضاح البخاری میں مطابقت کی تقریر اپنے استاد حسین احمد صاحب ٹانڈوی سے یہ نقل کی کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں: ''فصنعت مثل ما صنع'' جیسے حضور نے کیا تھا' ویسے ہی میں نے بھی کیا۔ اور مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے۔ اس لیے مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابن عباس بھی اُٹھے' آنکھیں ملیں' تلاوت کی' وضو کیا اور حضرت ابن عباس پہلے سو گئے تھے' جیسا کہ اسی حدیث کی بعض روایتوں میں ''ونام الغلي''[3] وارد ہے۔ حضرت ابن عباس نے حالت حدث میں تلاوت کی' حضور نے انہیں منع نہیں فرمایا حالانکہ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تھے تو نماز کی حالت میں انہیں دائیں طرف کر دیا تھا۔ اگر حالت حدث میں تلاوت ممنوع ہوتی تو حضور اقدس ﷺ انہیں ضرور تنبیہ فرماتے۔ یہ ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس نابالغ تھے مگر تعلیم کے لیے انہیں تلقین ضروری تھی' جیسے بائیں طرف کھڑے ہونے پر فرمائی۔

اقول: یہ تقریر متعدد وجوہ سے ساقط الاعتبار ہے اوّلاً: حضرت ابن عباس سوئے نہیں تھے جاگ رہے تھے' جیسا کہ خود بخاری'' اذا انتبه من الليل'' اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: میں اُٹھا اور انگڑائی لی تا کہ حضور یہ نہ خیال کریں کہ

---

1. بخاری۔ ج ۲ ص ۹۳۴
2. مسلم۔ ج ۱ ص ۲۶۰
3. بخاری۔ ج ۱ ص ۲۲

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں جاگ رہا تھا۔ رہ گیا ''نام الغلیم'' اس میں استفہام کا بھی احتمال ہے اور اخبار کا بھی۔ استفہام کی صورت میں حضرت ابن عباس کا سو جانا قطعی نہیں اور اخبار کی صورت میں بھی یہ ارشاد حضرت ابن عباس کے ظاہری حال کے اعتبار سے ہے۔ اس سے لازم نہیں کہ واقعی سو گئے ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا: ''ونام الغلیم'' اگر اس وقت حضرت ابن عباس سو گئے تھے تو یہ سنا کیسے؟ ثالثاً: خود بخاری ہی کی کتاب الوضوء والی روایت میں یہ ہے: میں نے بھی ایسا ہی وضو کیا جیسا حضور نے کیا تھا' اس سے ظاہر ہوا کہ ''مثل ما صنع'' سے مراد صرف اسی طریقے کا وضو کرنا ہے جیسا کہ حضور نے کیا تھا۔ رابعاً: یہ کہنا کہ انہیں رات میں حدث ہوا تھا' محض احتمال ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی حدث نہ ہوا ہو' اس لیے کہنا ہی پڑے گا کہ اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں۔

سنت فجر کے بعد سونے کی بحث

ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک رکعت میں ''قل یایھا الکافرون'' اور ایک میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ اس حدیث میں سنت فجر کے بعد سونے کا ذکر نہیں' مگر دوسری حدیثوں میں ہے: احناف کے نزدیک فجر کی سنت کے بعد سونا مسنون نہیں' جائز ضرور ہے۔ تاہم اگر کوئی اس نیت سے سوئے کہ حضور اقدس ﷺ کی عادت تھی تو اجر کی اُمید ہے لیکن مسجد میں نہ سوئے۔ یہ ناپسندیدہ بات ہے کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں' ذکر میں مصروف ہیں' وہیں ٹانگ پھیلا کر سویا جائے۔ حضور اقدس ﷺ مسجد میں نہیں سوتے تھے' اپنے حجرۂ مبارکہ میں لیٹتے تھے۔

بخاری' باب ''اذا انتبہ من اللیل'' میں ہے کہ وتر پڑھ کر حضور سو گئے یہاں تک کہ ناک سے آواز آنے لگی اور حضور جب سوتے تو ناک سے آواز آتی۔ جب حضرت بلال نے نماز کی خبر دی تو نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ حضور کی دعا یہ تھی:

اللّٰھم اجعل فی قلبی نورا وفی بصری نورا وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا وفوقی نورا وتحتی نورا وامامی نورا وخلفی نورا وجعل لی نورا.

اے اللہ! میرے دل' میری آنکھ' میرے کان میں نور کر دے اور میرے داہنے' میرے بائیں اور میرے اوپر' میرے نیچے' میرے آگے' میرے پیچھے نور کر دے اور مجھے نور رکھ۔

اس میں یہ بھی ہے کہ میرے پٹھے' میرے گوشت' میرے خون' میرے بال' میرے بشرے میں نور رکھ' اور دو چیزیں اور ہیں: سلمہ بن کہیل نے کہا کہ کریب نے بتایا کہ سات تابوت میں ہیں' میں نے حضرت ابن عباس کی بعض اولاد سے پوچھا تو انہوں نے ''عصبی و لحمی و دمی و شعری و بشری'' کو ذکر کیا اور دو اور ذکر کیں۔ تابوت سے مراد یا تو ان کا دل ہے یا کتابوں کا صندوق۔

مسائل

(١) مسلم شریف کی روایت کے ملانے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ تلاوت کے لیے وضو شرط نہیں (٢) چھوٹے بچے کا اپنے محرم رشتہ دار کے یہاں سونا جائز ہے' اگرچہ اس کا شوہر موجود ہو (٣) تہجد پڑھنا مستحب ہے (٤) اخیر رات میں تہجد کے بعد وتر پڑھنا بہتر ہے (٥) رات میں جاگنے پر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھنا مستحب ہے (٦) چھوٹے بچے کا' کان اینٹھنا جائز ہے' ادب دینے کے لیے بھی اور بہ طور محبت بھی (٧) چھوٹے بچوں کو ابتداء ہی سے سنن و مستحبات تک کی تعلیم دینی چاہیے' مکروہات کے ارتکاب پر بھی تنبیہ کرنی چاہیے (٨) یہ بھی مستحب ہے کہ مؤذن امام کے پاس آ کر جماعت کا وقت ہو جانے کی اطلاع دے (٩) فجر کی سنت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مستحبات کی رعایت کے ساتھ مختصر سے مختصر پڑھنی چاہیے۔

ت ۱ ٤ - وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ تَمْسَحُ عَلٰى رَأْسِهَا. (ابن ابی شیبہ)

سعید بن مسیب نے کہا: عورت (مسح کے معاملے میں) بہ منزلۂ مرد کے ہے وہ بھی اپنے سر پر مسح کرے گی۔

سعید بن مسیب

قرشی مخزومی مدنی ہیں' ابو محمد ان کی کنیت ہے' ۱۹ھ اواخر خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے اور ۹۳ھ یا ۹۴ھ میں پچہتر سال کی عمر پا کر مدینہ میں واصل بحق ہوئے۔ یہ اجل تابعین کی صف اوّل میں ہیں' ان کو سیّد التابعین علی الاطلاق کہا گیا ہے۔ احادیث ابو ہریرہ' قضایا عمر کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابو سعید' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی سنیں۔ ان کے علاوہ کثیر صحابہ اور تابعین سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے امام ان سے قضایا عمر دریافت کرتے۔ امام مکحول نے کہا: میں نے علم حاصل کرنے کے لیے پوری زمین چھان ماری' مگر مجھے سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ملا۔ امام اوزاعی' امام احمد بن حنبل' علی بن مدینی بھی ان کے افضل التابعین اعلم التابعین ہونے کے معترف ہیں۔ فقہ میں اتنے بلند رتبہ پر ہیں کہ ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا ہے۔

یہ روایت میں ارسال بہت کرتے تھے مگر امام شافعی نے فرمایا: ان کا ارسال حسن ہے۔ امام احمد نے فرمایا: سب صحاح ہیں' تارک الدنیا' زاہد' قناعت پسند تھے' دنیاداروں سے دور رہتے' شاہانِ بنی اُمیہ کا وظیفہ کبھی قبول نہیں فرمایا' چار سو دینار کل پونجی تھی' اس سے روغن زیتون کی تجارت کر کے گزر بسر کرتے۔

ان کی ایک صاحبزادی تھی' جو حسن و جمال میں یکتا' بڑی سلیقہ شعار عالمہ فاضلہ تھیں۔ عبد الملک بن مروان سفاک نے اپنے بیٹے ولید کے لیے پیغام بھیجا' حضرت سعید نے انکار کر دیا۔ اس پر اس ظالم نے بہانہ بنا کر کوڑے لگوائے' ان صاحبزادی کا نکاح ایک تنگ دست شخص کثیر بن وداعہ سے دو درہم مہر پر کر دیا' پھر داماد کو پانچ ہزار درہم نقد دیا۔

جب عبد الملک کے مرنے کے بعد ولید کی بیعت کے لیے والیٔ مدینہ ہشام بن اسماعیل نے کہا تو انکار کر دیا' اس ظالم نے ان کی پٹائی کی' گلیوں میں گھمایا' پتھر برسائے۔ اسی حالت میں ایک عورت نے کہا: اے سعید! آخر یہ رسوائی کیوں مول لے رہے ہو؟ فرمایا: دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لیے۔

حدیث کے معاملے میں بہت ہی باادب تھے' ایک بار بیمار تھے' کوئی حدیث سننے کے لیے حاضر ہوا تو باوجود علالت بیٹھ کر حدیث بیان فرمائی' اس نے کہا: آخر یہ مشقت کیوں برداشت کی؟ فرمایا: مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ لیٹے لیٹے حدیث بیان کروں۔ ان سب خوبیوں کے باوجود بہت بڑے عابد' شب زندہ دار تھے۔ پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ ان کے غلام برد نے کہا: چالیس سال سے جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو سعید کو مسجد میں ہی پاتا ہوں' یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔

(یہ سب تفصیلات بدایہ نہایہ سے لی گئی ہیں' ج ۹ ص ۹۹۔۱۰۰)

مطابقت..... چوتھائی سر کے مسح کی بحث

امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے: پورے سر کے مسح کا بیان۔ اس تعلیق میں پورے سر کے مسح کا کوئی ذکر نہیں' صرف اتنا مذکور ہے کہ مرد کی طرح عورت بھی سر کا مسح کرے' نہ پورے کا ذکر ہے نہ چوتھائی کا' البتہ امام بخاری نے اس تعلیق سے پہلے آیۂ کریمہ "وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ" ذکر کی ہے۔ اس سے مالکیہ کا یہ استدلال ہے کہ جس طرح منہ اور ہاتھ اور پاؤں کا پورا دھونا لازم ہے' اسی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

طرح پورے سر کا مسح فرض ہے۔ ہمارا جواب مشہور و معروف ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابھی جو حدیث گزری ہے' وہ مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے: ''مسح علی الخفین ومقدم راسه وعلی عمامته'' دوسری روایت میں اس طرح ہے: ''فمسح بناصيته وعلى العمامة وعلى خفيه'' اور ابوداؤد میں یوں ہے: ''توضأ ومسح ناصيته وذكر فوق العمامة'' نسائی میں ''ناصيته وعمامته'' ہے' نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں:

رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم تنقض العمامة.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا' حضور قطری عمامہ باندھے ہوئے تھے' اپنا ہاتھ عمامے کے اندر کرکے سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور عمامہ نہیں ادھیڑا۔

(ابوداؤد۔ باب: المسح علی العمامۃ۔ ج۱ ص ۲۳' ابن ماجہ۔ باب: فی المسح علی الخفین۔ ص ۴۱)

ان حدیثوں کا حاصل ایک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشانی یعنی سر کے اگلے چوتھائی حصے پر مسح فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں' کم از کم چوتھائی کا فرض ہے' البتہ پورے سر کا مسح سنت ہے۔

اس پر ایک مشہور و معروف اعتراض ہے کہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی جائز نہیں۔ یہ حدیثیں خبر واحد ہی ہیں' اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ کتاب اللہ سے پورے سر کا مسح قطعی طور پر تو کیا ظنی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ باء رؤس' محل مسح پر داخل ہے' اور باء میں اصل یہ ہے کہ وہ آلے پر داخل ہو جیسے ''كتبت بالقلم'' اور کوئی بھی آلہ کل کا کل آلہ نہیں ہوتا بلکہ بعض ہی ہوتا ہے جیسے قلم یہاں کل آلہ نہیں' اس کا بعض ہی ہے' اس لیے باء کے مدخول سے اس کا بعض ہی مراد ہوتا ہے' جیسے ''مسحت الوجه بالمنديل'' میں مندیل کا بعض مراد ہے برخلاف ''مسحت المنديل باليد'' میں پورا مندیل اور ہاتھ کا بعض مراد ہے' اس لیے باء کا دخول مسح کے لیے بعض راس کو متعین کر رہا ہے۔ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے بعض سر پر مسح کرو۔ یہ بعض مجمل تھا' اس کا بیان ان دونوں حدیثوں سے ہو گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مسح راس میں محکم ہے اور مقدار راس میں مجمل۔ یعنی جب یہ حکم ہوا کہ سر کا مسح کرو تو سوال پیدا ہوا کہ کل سر کا یا بعض کا۔ یہ مبہم رہ گیا' اس ابہام کو ان دونوں حدیثوں نے دور فرما دیا کہ یہ مقدار چوتھائی سر ہے اور مجمل کا بیان خبر واحد سے درست۔

پہلی تقریر پر مالکیہ یہ معارضہ پیش کرتے ہیں کہ تیمم میں بھی محل مسح پر باء داخل ہے۔ ارشاد ہے:

وَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ. (المائدہ:٦) اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملو۔

مگر احناف تیمم میں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں پر ملنا فرض بتاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہاں آیت تیمم میں باء زائد ہے' اس پر قرینہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے اور وضو میں پورے چہرے اور ہاتھوں کا دھونا فرض' لہٰذا اس کے قائم مقام تیمم میں بھی پورے چہرے اور ہاتھوں پر مسح فرض ہوگا۔ ثانیاً: اگر حضرت مغیرہ اور حضرت انس کی وہ حدیثیں نہ ہوتیں تو ہم وضو میں بھی پورے سر کا مسح فرض کہتے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے ہم نے صرف چوتھائی سر کا مسح فرض قرار دیا' تیمم میں ایسی کوئی حدیث نہیں' جس سے معلوم ہو کہ چہرے یا ہاتھوں کے بعض پر مسح کافی ہے' اس لیے ہم نے یہاں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح فرض قرار دیا۔

اس تعلیق کا مفاد یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو سر پر مسح کرنا فرض ہے' اسی طرح عورتوں کو بھی سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ یہ نہیں کہ صرف اوڑھنی پر انہیں مسح کافی ہو' اگر عورتیں صرف اوڑھنی پر مسح کریں گی سر پر نہیں کریں گی تو وضو نہ ہوگا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ت ٤٢ - سُئِلَ مَالِكٌ اَيُجْزِئُ اَنْ يَّمْسَحَ بَعْضَ رَأْسِهِ فَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ.

حضرت امام مالک سے پوچھا گیا: کیا بعض سر کا مسح کافی ہے؟ تو وہ عبداللہ بن زید کی حدیث سے دلیل لائے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

والد ماجد کا نام انس ہے‘ نسب نامہ یہ ہے: مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی حمیری مدنی‘ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں چوراسی سال کی عمر پا کر مدینہ طیبہ ہی میں ۱۴ ربیع الاوّل کو چاشت کے وقت واصل بحق ہوئے‘ جنت البقیع میں سیّدنا ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے جوارِ اقدس میں دفن ہوئے۔ اکمال میں سن وصال ۱۹۹ھ کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ تین سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ علم حدیث ہشام بن عروہ‘ محمد بن منکدر‘ حضرت نافع مولیٰ ابن عمر اور امام زہری وغیرہ سے حاصل کیا‘ قراءت حضرت نافع سے اخذ کی۔ ان سے وقت کے ائمہ حدیث وفقہ کو شرفِ تلمذ ہے‘ مثلاً امام شافعی‘ امام اوزاعی‘ امام عبداللہ بن مبارک‘ سفیان بن عیینہ‘ سفیان ثوری‘ ابن مہدی‘ ابن جریج‘ لیث بن سعد حتیٰ کہ ان کے بہت سے اساتذہ نے بھی ان سے حدیث سنی‘ مثلاً خود زہری‘ یحییٰ بن سعید انصاری اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ۔

ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے‘ امام دار الہجرت اور ان چار ائمہ مذاہب میں سے ہیں‘ جن کا مذہب آج تک باقی ہے‘ جن کے کروڑوں مقلد ہیں۔ حدیث‘ فقہ دونوں میں بحر ذخار تھے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب حدیث آئے تو مالک ثریا ہیں‘ جو بھی علم حدیث حاصل کرنا چاہے وہ امام مالک کی عیال ہے۔ ایسے مسلم الثبوت ثقہ کہ امام بخاری نے فرمایا: اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ فقہ میں وہ بلند رتبہ حاصل تھا کہ خود فرمایا: میرے اساتذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے آ کر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث یاد کر لینا اور بات ہے اور اس سے استخراج مسائل کار دیگر ہے۔ مدینہ طیبہ میں اعلان ہو گیا تھا کہ سوائے مالک اور ابن ابی ذئب کے کوئی فتویٰ نہ دے۔

حضور اقدس ﷺ کی محبت ایسی رچی بسی تھی اور مدینہ ایسا بھایا تھا کہ پوری زندگی مدینہ میں گزار دی‘ کہیں نہ گئے کہ مدینہ میں ہی وفات پاؤں اور یہیں دفن ہوں۔ صرف ایک بار حج فرض کے لیے گئے‘ پھر مدت العمر حج بھی نہیں کیا‘ کیا پتہ کب وقت موعود آ جائے۔

ہارون الرشید بادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے ساتھ بغداد چلیں‘ میں سب کو آپ کے مؤطا پر عمل کرنے پر مجبور کر دوں گا‘ فرمایا: لوگوں کو بالجبر میرے مؤطا پر عمل کرانے کا تجھے کوئی حق نہیں‘ اس لیے کہ صحابہ کرام مختلف دیار وامصار میں پھیل گئے‘ سب کے پاس علم ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔ رہ گئی ساتھ جانے کی بات تو فرمایا: میں مدینہ نہیں چھوڑ سکتا‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”المدينة خير لهم لو كانوا يعلمون‘ المدينة تنقى خبثها“ مدینہ لوگوں کے لیے بہتر ہے اگر لوگ جانتے‘ مدینہ اپنا میل باہر پھینک دیتا ہے۔

ریوڑ کی ریوڑ سواریاں موجود ہوتیں مگر کبھی مدینہ طیبہ میں سواری پر نہیں بیٹھے‘ فرمایا: مجھے یہ گوارا نہیں کہ جس شہر میں اللہ کے رسول مدفون ہوں میں اسے اپنی سواری سے پامال کروں۔

جب احادیث سناتیں ہوتی تو تازہ وضو فرماتے‘ عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے‘ خوشبو لگاتے‘ ڈاڑھی میں کنگھا کرتے‘ وقار وہیبت کے ساتھ شنشیں میں مسند لگا کر بیٹھتے‘ پوچھنے پر فرماتے: میں چاہتا ہوں کہ احادیث کی عظمت ظاہر کروں۔ ایک دفعہ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ بچھو نے سترہ مرتبہ ڈنک مارا‘ شدت تکلیف سے چہرہ زرد پڑ گیا‘ مگر حدیث بیان کرنا ترک نہیں فرمایا‘ لوگوں کے چلے جانے کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بعد عبداللہ بن مبارک نے دریافت کیا تو قصہ بیان فرمایا اور فرمایا: حدیث کی جلالت شان کی وجہ سے میں نے بیان کرنا بند نہیں کیا۔
ایک مرتبہ ہارون الرشید نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں آ جائیں تا کہ میرے بچے آپ سے حدیث سنیں۔
حضرت امام مالک نے فرمایا: تم کو اللہ عزت سے رکھے! یہ علم تمہارے گھر سے نکلا ہے، اگر تم اس کی عزت کرو گے، تو اس کی عزت باقی رہے گی اور اگر تم اسے ذلیل کرو گے، تو ذلیل ہو جائے گا، علم کے پاس آیا جاتا ہے، علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ ہارون نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، اپنے بچوں امین و مامون کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر سب کے ساتھ تم لوگ بھی حدیث سنو۔ حضرت امام مالک کا کوئی گھر نہیں تھا، ہارون نے مکان خریدنے کے لیے تین ہزار دینار نذر پیش کی۔

ابتلاء

چونکہ محمد بن عبداللہ بن حسن، نفس زکیہ کی امام مالک نے حمایت کی تھی، ابتداء میں جب حضرت نفس زکیہ نے اپنی خلافت کی بیعت لینی چاہی تو اہل مدینہ نے عذر کیا کہ ہماری گردنوں میں ایک بیعت ہے، یعنی منصور کی، ہم آپ کی بیعت کیسے کریں۔ اس پر امام مالک نے یہ فتویٰ دیا: تم لوگوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے، اس لیے وہ درست نہیں۔ اس فتویٰ کے بعد لوگوں نے نفس زکیہ کی بیعت کی۔
اس پر منصور امام مالک سے جلا ہوا تھا، اس کے ایماء پر امام مالک سے استفتاء ہوا کہ مکرہ کی طلاق واقع ہے یا نہیں؟ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں۔ اس کے مطابق انہوں نے فتویٰ دیا، اس فتویٰ کی زد ان ظالموں کی بیعت پر بھی پڑتی تھی، اس پر غضب ناک ہو کر جعفر نے امام مالک کو بلوایا اور انہیں برہنہ کر کے ستر کوڑے لگوائے اور ہاتھ کھینچ کر کندھے اُتار دیئے اور بھی مظالم کیے مگر امام مالک اپنے مؤقف سے ذرّہ برابر نہیں ہٹے۔ اس امتحان کے بعد حضرت امام مالک کی قدر و منزلت اوجِ ثریا پر پہنچ گئی۔

بشارت

ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت جلد ایسا ہوگا کہ لوگ اونٹوں کے جگر مارتے ہوئے علم حاصل کریں گے، مگر عالمِ مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں پائیں گے۔ (مشکوٰۃ۔ ص ۲۵ بحوالہ ترمذی)
سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق نے کہا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک ہیں اور ابن عیینہ ہی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد ہیں۔
ابو عبداللہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ مسجد اقدس میں تشریف فرما ہیں، لوگ ارد گرد جمع ہیں اور امام مالک کھڑے ہیں، حضور کے سامنے مشک ہے۔ حضور مٹھی میں اُٹھا اُٹھا کر امام مالک کو دیتے ہیں اور امام مالک اسے لوگوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ مطرف نے کہا: اس کی تعبیر علم اور اتباع سنت ہے۔
حضرت امام مالک کا قول ہے کہ جب انسان کی اپنی ذات کے اندر بھلائی نہ ہو تو اس سے لوگوں کو کوئی بھلائی نہیں مل سکتی اور فرمایا: کثرتِ روایت علم نہیں، علم اللہ عزوجل کا نور ہے جسے دل میں رکھتا ہے۔ (اکمال، وفیات الاعیان، مشکوٰۃ)
صحاح ستہ کی تصنیف سے پہلے امام مالک کی مؤطا، اصح کتب بعد کتاب اللہ مانی جاتی تھی، اب بھی بعض حضرات صحاح ستہ کی بعض کتابوں پر اسے ترجیح دیتے ہیں۔ امام مالک کے تلامذہ کی تعداد کا شمار نہیں اور محرر مذہب حنفی امام محمد اور امام شافعی تک ان کے تلامذہ میں ہیں۔

استدلال

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ دلیل میں حضرت عبداللہ بن زید کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آ رہی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کا دونوں ہاتھوں سے اس طرح مسح فرمایا کہ دونوں ہاتھ آگے لائے اور پیچھے لے گئے' سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا' یہاں تک کہ ہاتھ گدی تک لے گئے' پھر واپس لائے جہاں سے شروع فرمایا تھا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اوّلاً اگر حضرت مغیرہ اور حضرت انس کی وہ حدیثیں نہ ہوتیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضور نے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا تو ضرور حضرت عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے پورے سر کے مسح کی فرضیت ثابت ہوتی' اس لیے کہ جب ہم یہ تسلیم کر چکے کہ آیت وضو مقدارِ مسح میں مجمل ہے اور مجمل کا بیان خبر واحد سے درست تو حضرت عبداللہ بن زید کی یہ حدیث اس کا بیان ہو جاتی لیکن جب ان دونوں حدیثوں نے ثابت کر دیا کہ چوتھائی سر کا مسح بھی کافی ہے' اب اگر پورے سر کا مسح فرض قرار دیں تو ان دونوں حدیثوں کا ترک لازم آئے گا۔ دونوں مضامین کی احادیث میں تطبیق کے لیے احناف نے یہ تفصیل رکھی کہ چوتھائی سر کا مسح فرض اور پورے سر کا سنت ہے۔

ثانیاً: اگر حضرت عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے پورے سر کا مسح فرض مانیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس ہیئت خاصہ کے ساتھ اس میں مسح مذکور ہے' وہ ہیئت بھی فرض ہو' مثلاً اگلے حصے سے شروع کرنا پھر گدی تک لے جانا' پھر پیشانی کی طرف واپس لانا' حالانکہ مالکیہ بھی اس ہیئت کو فرض نہیں مانتے' اب مالکیہ جو عذر اس ہیئت کے فرض نہ ہونے کا بیان کریں گے' وہی عذر ہمارا بھی پورے سر کے مسح کے فرض نہ ہونے کا ہوگا۔

١٣٩- ح: صِفَةُ وُضُوْءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی ﷺ کے وضو کرنے کا طریقہ]

١٣٩ - اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ وَّهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى اَتَسْتَطِيْعُ اَنْ تُرِيَنِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدِهٖ فَغَسَلَ يَدَهٗ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَاْسِهٖ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

ایک شخص یعنی عمرو بن یحییٰ کے دادا نے عبداللہ بن زید سے کہا: کیا آپ مجھے یہ دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے وضو فرماتے تھے؟ تو حضرت عبداللہ بن زید نے کہا: ہاں! دکھا سکتا ہوں' انہوں نے پانی منگایا' اسے اپنے ہاتھ پر ڈالا اور اپنا ہاتھ دو بار دھویا' پھر کلی کی اور ناک میں تین بار پانی ڈالا' پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا' پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا' ف۱ پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا' ہاتھوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے' اپنے سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا' یہاں تک کہ ہاتھوں کو گدی تک لے گئے' پھر لوٹا کر اسی جگہ تک لائے جہاں سے شروع فرمایا تھا' پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

(ایضاً۔ باب: بعد هذا الحديث متصلاً۔ باب: غسل الرجلين الى الكعبين۔ باب: من مضمض واستنشق من غرفة واحدة۔ باب: مسح الراس مرة۔ ج۱ ص۳۲۔ باب: الغسل والوضوء في المخضب والقدح۔ ج۱ ص۳۲۔ باب: الوضوء من التور۔ ج۱ ص۳۳' مسلم۔ كتاب الطهارة۔ ج۱ ص۱۲۳' ابوداؤد۔ باب: صفة وضوء النبي صلى الله عليه وسلم۔ ج۱ ص۱۹' ترمذی۔ باب: من توضأ بعض وضوئه مرتين وبعضه ثلاثا۔ ج۱ ص۱۰' نسائی۔ باب: حد الغسل۔ باب: صفة مسح الراس۔ ج۱ ص۲۸' ابن ماجہ۔ باب: الوضوء من الصفر۔ ص۳۷' موطا امام مالک۔ باب: ابتداء الوضوء۔ ص۲۶)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عمرو بن یحییٰ

اس سے مراد عمرو بن ابی حسن ہیں، یہ عمرو بن یحییٰ کے والد یعنی یحییٰ کے چچا ہیں، اس اعتبار سے یہ عمرو بن یحییٰ کے مجازی دادا ہو گئے۔ عرف میں دادا کے بھائی کو بھی دادا کہتے ہیں، اس لیے متعین ہو گیا کہ "وهو جد عمرو بن يحيى" میں "هو" کی ضمیر "رجلًا" کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی سائل عمرو بن یحییٰ کے دادا عمرو بن ابی حسن ہیں۔ اس ضمیر کا مرجع، عبد اللہ بن زید نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ یہ عمرو بن یحییٰ کے نہ حقیقی دادا ہیں نہ مجازی۔ صاحب اکمال اور ان کے متبعین نے جو یہ لکھا ہے کہ عمرو بن یحییٰ، عبد اللہ بن زید کے نواسے ہیں، غلط ہے۔

ایک اشکال

یہ سائل کون تھے؟ اس کے بعد والی روایت میں بخاری ہی میں تصریح ہے کہ یہ عمرو بن ابوالحسن ہیں، البتہ مؤطا کے رواۃ میں سائل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر راویوں نے مبہم رکھا ہے، لیکن معن بن عیسیٰ کی روایت میں ہے کہ یہ سائل ابوحسن ہیں اور یہ صحابی تھے۔ امام محمد کی روایت میں بھی انہیں ابوحسن کو سائل بتایا۔ امام شافعی نے کتاب الام میں امام مالک سے یہی حدیث نقل کی ہے، اس میں سائل یحییٰ کو بتایا۔

جواب

قصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں یہ تینوں ابوحسن اور ان کے بیٹے عمرو اور ان کے پوتے یحییٰ جو ابوحسن کے دوسرے صاحبزادے عمارہ کے بیٹے تھے، موجود تھے، یعنی یحییٰ، ان کے چچا عمرو، ان کے دادا ابوحسن، عمرو بن حسن وضو بہت کثرت سے کرتے تھے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زید سے یہ سوال کیا، مگر موجود ان کے والد ابوحسن اور بھتیجے یحییٰ بھی تھے تو بعض روایات میں مجازاً ان کی طرف بھی سوال کی نسبت کر دی گئی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تینوں کے باہمی مشورے کے بعد عمرو بن ابی حسن نے سوال کیا ہو، جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے: "فقلنا" ہم سب نے کہا۔ یہ ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں جبکہ چند اشخاص باہمی مشورے سے کوئی بات کہیں، اگرچہ کہنے والا ایک ہی ہو، ورنہ اصل سائل عمرو بن ابی حسن ہی ہیں، جیسا کہ ابونعیم نے مستخرج میں دراوردی کی حدیث میں ذکر کیا کہ عمرو بن ابی حسن نے کہا: میں کثیر الوضو تھا، اس لیے عبد اللہ بن زید سے میں نے کہا۔ خود امام بخاری نے جو اس کے بعد روایت ذکر کی ہے، اس میں اور ج ۱ ص ۳۳ میں جو روایت ہے، اس میں تصریح ہے کہ سائل عمرو بن ابی حسن ہی تھے۔

اشکال دوم

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس روایت میں یہ ہے کہ ابتداء میں ہاتھ دو بار دھویا۔ دو بار دھونا تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں، بیان جواز کے لیے بھی ہو سکتا ہے، مگر بخاری ہی میں اس کے بعد والی روایت میں نیز ص ۳۳، باب "الوضوء من التور" میں ہے: ابتداء میں ہاتھ تین بار دھویا تھا۔ نیز مسلم وغیرہ میں بھی ثلاثا ہی ہے۔

جواب

علامہ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا: مرتین کی روایت صرف امام مالک سے ہے، ان کے علاوہ دوسرے رواۃ نے "ثلثا" ہی روایت کیا ہے۔ چند ثقات کی زیادتی ایک ثقہ کے مقابلے میں مقبول ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ عبد اللہ بن زید نے ابتداء میں تین بار ہاتھ دھویا تھا۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسلم میں بہ طریق "بهز وهيب" سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن یحییٰ سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دو بار املاء یہ حدیث سنی ہے اس لیے اس میں توہم کا شائبہ نہیں۔

ف: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری روایتیں متفق ہیں کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دو بار دھویا' یہ بیان جواز کے لیے ہے۔ سابقاً گزر چکا کہ فرض اعضاء وضو کا ایک بار دھونا ہے' تین بار سنت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ دو دو بار دھونا جائز ہے۔ نیز یہ افادہ فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جتنی بار وضو کے ایک عضو کو دھویا جائے اتنی ہی بار سارے اعضاء کو دھویا جائے' یہ بھی جائز ہے کہ بعض کو ایک بار بعض کو دو بار اور بعض کو تین بار دھویا جائے۔

واو جمع کے لیے ہے

واو مطلق جمع کے لیے ہے' ترتیب کے لیے نہیں' اس لیے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سر کا مسح پیچھے گدی کی طرف سے شروع کیا بلکہ یہی ہوا کہ سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا۔ پہلے ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے' پھر پیچھے سے آگے لائے' جیسا کہ بعد میں تصریح ہے۔

ت ٤٣ - اَمَرَ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَهْلَهٗ اَنْ يَّتَوَضَّئُوْا بِفَضْلِ سِوَاكِهٖ. (ابن ابی شیبہ ودار قطنی) حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنے اہل کو حکم دیا کہ مسواک کرنے سے جو پانی بچ گیا ہے' اس سے وضو کریں۔

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے: لوگوں کے وضو کرنے کے بعد جو پانی بچ جائے' اس کے استعمال کا حکم۔ یہاں تین لفظ ہیں: استعمال' فضل' وضوء ان تینوں میں کئی کئی پہلو ہیں' استعمال سے مراد کھانا' پینا' نجاست حقیقی دور کرنا' نجاست حکمی دور کرنا' یعنی وضو یا غسل کرنا' تبرید یعنی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے' تبریک یعنی برکت حاصل کرنے کے لیے بدن پر ملنا' سب ہو سکتا ہے۔

فضل کے معنی بچا ہوا پانی' اس کی دو صورتیں ہیں' وضو یا غسل کے بعد برتن میں جو پانی بچ گیا' وضو یا غسل کرتے وقت جو پانی اعضاء سے گر کر جمع ہوا۔ وضوء ایک بے وضو کا ہے ایک باوضو کا۔ امام بخاری کی کیا مراد ہے؟ یہ کسی طرح ظاہر نہیں ہو پاتی' پھر ان مختلف احتمالات کو اکٹھا کیا جائے تو بہت سی صورتیں ایسی نکلتی ہیں جو متفق علیہ ہیں' مثلاً فضل سے مراد وہ پانی لیا جائے جو وضو و غسل کے بعد برتن میں بچ رہے۔ یہ بالاتفاق طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔

جب امام بخاری کی مراد ہی نہیں معلوم تو تعلیق اور احادیث کے باب سے مطابق ہونے کی تقریر ہی نہیں ہو پائے گی اور ہر احتمال کو بیان کر کے سب پر مطابقت وعدم مطابقت کی بحث طول عمل ہونے کے ساتھ ساتھ لاطائل ہے۔ ائمہ کے مابین مختلف فیہ ماء مستعمل کا مسئلہ ہے۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہی ہوگی' یعنی ماء مستعمل کے استعمال کا حکم۔

"ماء مستعمل" کی تعریف

ماء مستعمل کی تعریف میں بھی اختلافات ہیں' مگر صحیح ومختار تعریف یہ ہے: وہ قلیل پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو یا دور ہوا ہو' یا بہ نیت تقرب استعمال کیا گیا ہو' اور بدن سے جدا ہو گیا ہو' اگرچہ کہیں ٹھہرا نہیں روانی ہی میں ہو' مثلاً جسم سے جدا ہو کر زمین تک نہیں پہنچا' درمیان ہی میں ہے۔ ماء مستعمل کی تعریف' حکم اور اس سے متعلق اور ابحاث کے لیے فتاویٰ رضویہ۔ ج ا' میں رسالہ مبارکہ "الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل" ص ۷ ۲۳ تا ۳۶۰ کا مطالعہ کریں۔

"ماء مستعمل" کا حکم

ماء مستعمل کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں ائمہ مذاہب مختلف ہیں۔ امام مالک اسے طاہر مطہر مانتے ہیں اور غالباً امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی طاہر غیر مطہر مانتے ہیں' یعنی خود تو پاک ہے مگر نجاست حکمیہ دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امام زفر و

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام محمد کی روایت کے مطابق یہی حضرت امام اعظم کا بھی مذہب ہے۔ احناف کا یہی مختار و مفتیٰ بہ ہے۔ امام اعظم سے دو روایتیں اور بھی آئی ہیں، ایک یہ کہ یہ نجس ہے مگر نجاست خفیفہ ہے، یہ حضرت امام ابو یوسف کی روایت ہے، دوسرے یہ کہ نجاست مغلظہ ہے، یہ امام حسن بن زیاد کی روایت ہے، یہ مختلف روایتیں اصل میں وضو کرنے والوں کے احوال کے اعتبار سے ہیں۔ احادیث میں وارد ہے کہ وضو کرنے سے متوضی کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عارف باللہ صاحب کشف بزرگ تھے۔ انہوں نے وضو کرنے والوں کے مختلف احوال دیکھے، اس کے مطابق حکم بیان فرمایا۔ وضو کے بیان سے جن کے کبائر جھڑتے دیکھا، اسے نجاست غلیظہ فرمایا، جن کے صغائر دھلتے دیکھا اسے نجاست خفیفہ بتایا، اور جن کے مکروہات دھلتے دیکھا اسے طاہر غیر مطہر فرمایا۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبدالوہاب شعرانی، حضرت سیدنا علی خواص رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

امام اعظم ابو حنیفہ کے مدارک بہت دقیق ہیں، ان پر اکابر اولیاء اہل مشاہدہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ وضو سے وضو کرنے والوں کے جو گناہ دھل کر گرتے انہیں پہچان لیتے۔ اسی لیے انہوں نے ماء مستعمل کے تین درجے رکھے ہیں، ایک بار کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے، ایک نوجوان کو حوض میں وضو کرتے دیکھا، دھوون جب گرا تو اس سے کہا: اے بیٹے! ماں باپ کو ایذاء دینے سے توبہ کر، اس نے فوراً توبہ کی۔ دوسرے کا دھوون دیکھا تو اس سے فرمایا: اے بھائی! زنا سے توبہ کر! ایک اور کو دیکھا تو اس سے فرمایا: شراب پینے، مزامیر سے توبہ کر! ان دونوں نے بھی توبہ کی۔ یہ دونوں بزرگ شافعی تھے۔

تعلیق کی توجیہ

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں بھی تین احتمال ہیں، وہ پانی جس میں مسواک کرنے سے پہلے مسواک بھگوتے تھے، وہ پانی مسواک کرتے وقت جس میں مسواک ڈالتے تھے، وہ پانی جس میں مسواک کرنے کے بعد مسواک رکھتے تھے۔ حضرت جریر کی مراد دوسری صورت ہے، جیسا کہ اسی تعلیق کے بعض طرق میں ہے کہ وہ مسواک کرتے جاتے اور پانی میں بھی ڈالتے اور یہ کہتے: اس سے وضو کرو۔ اور دار قطنی میں بہ افادۂ تصحیح یہ روایت ہے کہ وہ اپنے اہل سے فرماتے: اس پانی سے وضو کرو جس میں میں مسواک ڈالتا ہوں۔ دار قطنی ہی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بعینہ یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، اگرچہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری کی مراد وہی ہے جو میرا گمان ہے تو اس تعلیق کو باب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ اولاً: اس لیے کہ خود مسواک محدث نہیں ہوتی، منہ میں آنے کے بعد منہ کا لعاب اس میں لگا ضرور، مگر اس سے بھی مسواک میں حدث کا کوئی اثر نہیں پہنچا، اس لیے کہ منہ میں حدث کا اثر ہوتا ہی نہیں۔ وضو میں کلی کرنا فرض نہیں سنت ہے۔ ثانیاً: اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری کے یہاں کلی کرنا فرض ہے، ان کے نزدیک منہ میں بھی حدث کا اثر ہوتا ہے، یا یہ تکلف کیا جائے کہ حضرت جریر کا یہ ارشاد حالت جنابت میں مسواک کرنے کی صورت میں تھا تو عرض ہے کہ ماء مطلق غیر مستعمل میں اگر ماء مستعمل مل جائے اور ماء مستعمل بہ نسبت غیر مستعمل کے کم ہو تو کل پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مسواک میں منہ کا لعاب بہ نسبت پانی کے بہت ہی کم ہوگا، پھر اس تقدیر پر بھی کل پانی مستعمل ہو جائے، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہاں! اگر امام بخاری کی باب سے مراد یہ لی جائے کہ وہ پانی جو کسی طرح استعمال میں آیا ہو، خواہ وہ فقہ کی اصطلاح میں مستعمل ہو خواہ نہ ہو تو بات بن جائے گی، مگر اس میں کوئی خاص افادہ نہ ہوگا۔ اس سے امام بخاری کے مقلدین کی یہ ہوائی ہوا ہو گئی کہ یہ باب احناف کے رد کے لیے ہے، یہ احناف کے مذہب سے ناواقفی کی بناء پر ہے۔ حضرت جریر کے ارشاد کے مطابق ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کسی پانی میں مسواک ڈال ڈال کر کیا جائے تو وہ ماء مستعمل نہیں رہتا۔ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ ماء مستعمل وضو یا غسل کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کام کا نہیں' مگر اس سے بدن یا کپڑے پر لگی ہوئی نجاست حقیقی دور کر سکتے ہیں۔ اسے تبرید کے لیے استعمال کر سکتے ہیں' مگر اس کا پینا مکروہ ہے۔

١٤٠- ح: فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْءِهٖ

[لوگ آپ کے غسالہ (وضو والا پانی) کو لینے لگے]

١٤٠- ثنا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جُحَيْفَةَ يَقُوْلُ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَاُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَاْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْئِهٖ فَيَتَمَسَّحُوْنَ بِهٖ فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ.

حکم نے کہا: میں نے حضرت ابو جحیفہ سے سنا' وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ سخت گرمی میں باہر ہم میں تشریف لائے' خدمت اقدس میں وضو کا پانی حاضر کیا گیا' حضور نے وضو فرمایا' لوگ آپ کے غسالہ کو لے لے کر ملنے لگے' پس نبی ﷺ نے ظہر بھی دو رکعت پڑھی اور عصر بھی دو رکعت پڑھی اور حضور کے سامنے چھوٹا نیزہ تھا۔

(ایضاً۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ الی العنزۃ۔ ج١ص٧١۔ باب: السترة بمكة وغيرها۔ ج١ص٧٢۔ کتاب المناقب۔ باب: صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ ج١ص٥٠٢' مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: السترة للمصلی۔ ج١ص١٩٥۔١٩٦' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الانتفاع بفضل الوضوء۔ ص٣٣)

تکمیل

خود بخاری اور مسلم میں یہ حدیث کچھ زیادتی کے ساتھ مروی ہے۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ مکہ میں تھے تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا' حضور اقدس ﷺ چمڑے کے سرخ رنگ کے گول خیمے میں بطحا میں تشریف فرما تھے' عصر سے کچھ پہلے حضور اقدس ﷺ باہر تشریف لائے' حضرت بلال وضو کا پانی لائے اور حضور نے وضو فرمایا۔ حاضرین وضو کے غسالہ کو لینے کے لیے ٹوٹ پڑے' غسالہ مبارکہ لے لے کر لوگ اپنے اپنے چہروں پر ملنے لگے' جسے مل جاتا ملتا جاتا' جسے نہ ملتا وہ پانے والے کے ہاتھ کی تری لے لیتا اور ہاتھ اپنے چہرے پر ملتا۔ حضرت بلال نے اذان کہی' جدھر وہ منہ گھماتے میں بھی گھماتا' یعنی دائیں بائیں' حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح کہتے وقت' پھر چھوٹا نیزہ بلال نے گاڑا' حضور آگے بڑھے اور دو رکعت ظہر پڑھی اور عصر بھی دو رکعت پڑھی' حضور کے آگے چھوٹا نیزہ تھا' اس نیزہ کے آگے عورت اور گدھے گزرتے رہتے' جب نماز ہو چکی تو لوگ حضور کے دست مبارک کو لے کر اپنے اپنے چہروں پر ملنے لگے' میں نے بھی دست اقدس لیا اور اپنے چہرے پر رکھا' دست مبارک برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

اس حدیث کو بھی باب سے کوئی مناسبت نہیں' اس لیے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے فضلات مبارکہ طاہر ہیں تو حضور ﷺ کے غسالہ مبارکہ کی نجاست کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وہ بہر حال پاک ہوگا' یہاں بحث انبیاء کرام کے استعمال کردہ پانی کی نہیں' اُمتیوں کے استعمال کردہ پانی کی ہے' جو فقہی طور پر مستعمل ہو چکا ہو۔

١٤١- ح: فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْءِهٖ

[میں نے غسالہ مبارکہ (وضو کا پانی) پیا]

١٤١- سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں لے گئیں' پھر عرض گزار ہوئیں: یا رسول اللہ!

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اَللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِیْ وَدَعَالِیْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَّضُوْئِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَیْنَ كَتِفَیْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

میرا یہ بھانجا بیمار ہے‘ اس کے پاؤں میں درد ہے‘ حضور نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی‘ پھر حضور نے وضو فرمایا‘ میں نے غسالہ مبارکہ پیا‘ پھر میں حضور کے پیچھے کھڑا ہوا‘ میں نے حضور کے دونوں شانوں کے درمیان حجلہ عروسی کی گھنڈی کے مانند یا چکور کے انڈے کے مانند مہر نبوت کو دیکھا۔

(ایضاً۔ کتاب صفۃ النبی ﷺ و باب خاتم النبوۃ۔ ج ۱ ص ۵۰۱۔ کتاب الدعوات۔ باب: الدعاء للصبیان بالبرکۃ۔ ج ۲ ص ۹۴۰۔ کتاب المرضیٰ۔ باب: من ذھب بالصبی المریض فیدعی لہ۔ ج ۲ ص ۸۴۷‘ مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب: اثبات خاتم النبوۃ۔ ج ۲ ص ۲۵۹‘ ترمذی۔ کتاب الفضائل۔ باب: فی خاتم النبوۃ۔ ج ۲ ص ۲۰۵)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو یزید ہے‘ ان کے نسب میں اختلاف ہے‘ کسی نے کندی بتایا‘ کسی نے ازدی‘ کسی نے کنانی‘ کسی نے لیثی‘ کسی نے سلمی ہذلی کہا ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ کندی ہیں‘ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے والد کے ساتھ شریک تھے‘ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ولادت ۳ھ میں ہوئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضور اقدس ﷺ مدینہ واپس ہوئے اور مدینہ طیبہ والوں نے شاندار خیر مقدم کیا تو بچوں کے ساتھ یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو اور حضرت عبداللہ بن مسعود بن عتبہ اور سلیمان بن ابی خیثمہ کو مدینہ طیبہ کے بازار کا عامل بنایا تھا۔ الاستیعاب میں ان کی عمر چورانوے یا چھیانوے سال لکھی ہے۔ اس حساب سے یہ ۹۰ھ یا ۹۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ویسے ان کا سن وصال سن اسّی یا اکیانوے لکھا ہے‘ مگر عمر اکیانوے یا چورانوے یا چھیانوے سال لکھی ہے‘ جو کسی طرح درست نہیں۔ اصابہ میں یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ میں یہ سب سے آخری ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے علاوہ اپنے والد حضرت یزید اور حضرت عمر‘ حضرت عثمان‘ حضرت عبداللہ بن السعدی‘ اپنے ماموں حضرت علاء بن الحضرمی‘ حضرت طلحہ‘ حضرت سعد وغیرہ سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ ان سے امام زہری‘ یحییٰ بن سعید وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان سے پانچ احادیث مروی ہیں اور سب بخاری نے ذکر کی ہیں۔ (اصابہ‘ الاستیعاب۔ ج ۲‘ عینی۔ ج ۳ ص ۷۷)

لغات

”وَقِعٌ“ یہ ”وَقَعَ“ بھی مروی ہے‘ ماضی کا صیغہ بہ معنی بیمار ہے اور ”وَاقِعٌ“ اسم فاعل‘ اس کے پاؤں میں درد ہے۔ کریمہ کی روایت میں ”وَجِعٌ“ ہے‘ یہی اکثر روایت ہے‘ یعنی بیمار ہے الخ۔ ”ذهب به“ اور ”اذهبه“ میں فرق یہ بتایا جاتا ہے کہ ”اذهبه“ کے معنی بھی لے جانے کے ہیں‘ مگر یہ مٹانے کے ہم معنی ہے اور ”ذهب به“ کے معنی ساتھ لے جانے کے ہیں‘ مگر یہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ”ذهب الله بنورهم“ یہاں مٹانے کے معنی میں ہے۔ ”زِرٌّ“ گھنڈی کو بھی کہتے ہیں اور انڈے کو بھی۔ ”الحجلة“ دلہن کے لیے گول خیمے کی طرح خوبصورت عمدہ کپڑوں سے جو مکان بناتے تھے جن میں آرائش کے لیے بڑی بڑی گھنڈیاں لگاتے تھے‘ اسے حجلہ کہتے ہیں اور حجلہ چکور پرندے کو بھی کہتے ہیں۔ ہم نے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے دونوں ترجمے کیے ہیں۔ ثانی کو ترجیح ہے‘ اس لیے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں کبوتر کے انڈے کے مثل وارد ہے‘ یہاں تمثیل صرف مقدار

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہوں ہے۔

تکمیل

باب صفۃ النبی ﷺ میں، محمد بن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"الحجلة من حجل الفرس الذی بین عینیه" یہ حاء کے ضمہ اور جیم کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ حجل الفرس سے لیا گیا ہے یعنی وہ سفیدی جو گھوڑے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے۔

علامہ ابن حجر نے مقدمہ میں فرمایا کہ یہ خطاء ہے کیونکہ حجل الفرس اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے پاؤں میں ہوتی ہے، نیز ہیں ابراہیم بن حمزہ سے جو روایت ہے، وہ رز الحجلہ ہے، پہلے راء مہملہ پھر زاء معجمہ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔ "زِرّ" کے معنی گھنڈی کے ہیں، لہٰذا اس کا لازم معنی ہوگا۔ "رِزّ" کے معنی انڈے کے ہیں، گھنڈی اس کا لازم معنی ہوگا۔ امام بخاری نے جو یہاں فرمایا کہ "رِزّ" یہ صحیح ہے، غالباً یہ اس بناء پر کہ وہ حجلہ سے پرندہ مراد لیتے ہیں۔

وہیں یہ روایت بھی ہے کہ جعید بن عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے حضرت سائب بن یزید کو چورانوے سال کی عمر میں دیکھا، وہ بہت تندرست میانہ قد تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے یہ کان اور آنکھ حضور اقدس ﷺ کی دعا کی برکت سے ملے ہیں، میری خالہ مجھے خدمت اقدس میں لے گئیں اور عرض کیا: یہ میرا بھانجا بیمار رہتا ہے، اس کے لیے دعا فرما دیں تو حضور نے میرے لیے دعا فرمائی۔

خاتم نبوت

حضور اقدس ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان، بائیں شانے کی نرم ہڈی کے نیچے مہر نبوت تھی۔ اس سلسلے میں دس صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں، جو بہ اعتبار معنی مشہور ضرور ہیں، البتہ اس کی تفصیل میں الفاظ مختلف آئے ہیں۔ بخاری میں جو وارد ہے وہ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ حجلۂ عروسی کی گھنڈی کی طرح تھی یا چکور کے انڈے کے مثل۔ مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: کبوتر کے انڈے کے برابر تھی، جس کا رنگ جسم اقدس جیسا تھا۔ ترمذی میں انہیں کی حدیث میں ہے کہ سرخ رنگ، سخت گوشت کا ایک اُبھار کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ نیز مسلم میں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بائیں کندھے کی نرم پتلی ہڈی کے پاس ایک مٹھی اُبھرے ہوئے تل تھے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: سیب کے مثل تھی۔ شمائل ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: اُبھرا ہوا گوشت تھا۔ حاکم کی حدیث میں ہے: کچھ بال اکٹھے تھے۔ عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: مہر کے مثل تھی۔ تاریخ نیشاپور میں ہے: گوشت کی گولی کے مثل تھی جس میں گوشت ہی سے لکھا تھا: محمد رسول اللہ۔ ابن عابد کی مولد میں ہے کہ یہ ایک چمکدار نورانی شی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی الفاظ آئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ مہر نبوت کبوتر یا چکور کے انڈے کے برابر تھی، جو جسم اقدس سے اُبھری ہوئی تھی۔ اس میں سیاہ تلوں کے مثل اُبھار سے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، اس سے نور چمکتا تھا۔ اس کا اصل رنگ وہی تھا جو جسم اقدس کا تھا یعنی سرخ سفید، مگر سیاہ اُبھار سے محمد رسول اللہ بنا ہوا تھا، اس پر بال بھی تھے۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وصال کے بعد مہر نبوت اُٹھالی گئی تھی، یہ بائیں شانے کے متصل گردن کی جڑ کے قریب تھی۔ یہ مہر نبوت پیدائشی تھی یا بعد میں لگائی گئی؟ دونوں قول ہیں، تفصیل عینی میں مذکور ہے۔

یہ مہر نبوت، حضور اقدس ﷺ کی ان خصوصی نشانیوں میں سے ہے، جو کتب سابقہ میں مرقوم تھیں، حضرت سلمان فارسی نے جب

بخاری۔ ج ۱ ص ۵۰۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوسرے دن ہدیہ پیش فرمایا' حضور نے اسے قبول فرمالیا' تو انہوں نے پشت مبارک میں مہر نبوت دیکھی اور ایمان لائے۔ (شمائل ترمذی)

بحیرا راہب نے کہا:

انی اعرفه بخاتم النبوة اسفل من غضروف کتفه مثل التفاحة. — میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں' جو ان کے شانے کی نرم ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے۔

(ترمذی۔باب:فی بدأ النبوۃ۔ج۲ص۲۰۲)

مدارج میں ہے کہ دیگر انبیاء کرام کے ہاتھوں میں مہر نبوت ہوتی تھی مگر حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک میں تھی۔ یہ اشارہ ختم نبوت کی طرف تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ جہاں مہر نبوت تھی وہیں سے شیطان کی مداخلت ہوتی ہے۔ مہر نبوت کی وجہ سے شیطان کی مداخلت کی گنجائش نہ رہی۔

باب سے مطابقت

باب سے مطابقت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ''من وضوئه'' سے مراد وہ پانی لیا جائے جو وضو کرتے وقت گرتا ہے اور حضور اقدس ﷺ کو عام انسانوں کی صف میں رکھا جائے اور یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں' وضو کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے کہ مراد وہ پانی ہو جو وضو کے بعد بچ گیا ہو۔ اور ہم بتا آئے کہ جب احناف کے نزدیک فضلاتِ مبارکہ تک طاہر ہیں تو ماء مستعمل بہ درجہ اولیٰ طاہر ہوگا۔

علاوہ ازیں احناف ماء مستعمل کو نجس نہیں کہتے' طاہر مانتے ہیں' اس لیے یہ حدیث کسی طرح احناف کے معارض نہیں۔ ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ احناف ماء مستعمل کا پینا مکروہ بتاتے ہیں اور یہاں حضرت سائب نے یہ ماء متبرک پیا۔ اس کا جواب وہی ہے کہ بحث عام انسانوں کے استعمال کردہ پانی کی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے استعمال فرمودہ پانی کی نہیں' وہ بہر حال طاہر مطہر ہے' ظاہر کا بھی مطہر ہے اور باطن کا بھی۔

مسائل

کسی بھی مرض یا تکلیف کے ازالے کے لیے دم کرانا جائز ہے' بشرطیکہ جو پڑھ کر دم کیا جائے' اس میں کوئی کلمہ خلاف شرع نہ ہو علماء صلحاء کے پاس دم کرانے کے لیے لے جانا جائز ہے' اور برکت کے لیے کسی کے سر پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے۔

ت ٤٤ - تَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيمِ وَمِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ. — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی اور نصرانی عورت کے گھر کے پانی سے وضو فرمایا۔

(سعید بن منصور و عبدالرزاق' امام شافعی' عبدالرزاق)

امام بخاری نے باب یہ باندھا: مرد کا عورت کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا۔ باب کے بعد تعلیق مذکور ذکر کی۔ اس تعلیق کا باب سے کیا علاقہ ہے وہ خادم کی سمجھ میں نہیں آیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں پانیوں میں یہ احتمال تھا کہ کسی عورت نے اسے استعمال کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دریافت کر لینا چاہیے تھا' تاکہ ان کا شبہہ باقی نہ رہ جاتا۔ شبہات سے بچنا محمود ہے ''من اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه'' حضرت عمر نے یہ دریافت نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ عورت کے استعمال کردہ پانی سے وضو جائز ہے' لیکن یہ طفلانہ بات ہے' کیا نصرانیہ کے پانی میں یہ شبہہ نہیں کہ وہ ناپاک ہو۔ حضرت عمر نے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ پانی پاک ہے کہ ناپاک' تو کیا کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ کہہ دے کہ ناپاک پانی سے بھی وضو جائز ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ دونوں دو تعلیقیں ہیں یا ایک؟ کریمہ کی روایت میں واؤ نہیں' اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی تعلیق ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں' دو مستقل تعلیقیں ہیں' جیسا کہ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی۔

گرم پانی سے وضو بالاتفاق جائز ہے' صرف امام مجاہد کا اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ پانی آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور آگ جہنم کا جزء ہے' وہیں سے آئی ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے:

نار کم جزء من سبعين جزء من نار جهنم. تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ (مشکوۃ۔ص ۵۰۲)

اس لیے گرم پانی کے استعمال میں ایک گونہ جہنم سے علاقہ ہے' عبادات میں یہ علاقہ بھی اچھا نہیں' مگر یہ ان کا استدلال ظاہر ہے کہ لائق التفات نہیں' اگر آگ پر گرم کیے ہوئے پانی کے استعمال میں جہنم سے ایک گونہ علاقہ ہے تو پکے ہوئے کھانے میں بھی یہ علاقہ ہے' اس لیے اس سے بھی اجتناب لازم ہے۔ علاقہ جہنم سے مطلقاً اجتناب لازم ہے' خواہ عبادات ہوں خواہ معاملات۔ حق یہ ہے کہ آگ اگرچہ جہنم سے آئی ہے' مگر یہ بھی نعمت ہے' قرآن مجید میں ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي كُنتُمْ تُورُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ (الواقعہ: ۷۱-۷۲) بتاؤ! وہ آگ جسے تم جلاتے ہو ۝ کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا' یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ۝

اگر آگ نعمت نہ ہوتی تو اس کی عطاء پر احسان نہ جتایا جاتا۔

باب کا فائدہ

اس عہد میں عورت کی جو حیثیت تھی اس کے پیش نظر اسے یہ اعزاز دینا کہ وہ مرد کے ساتھ وضو یا غسل کرے' بہت مستبعد تھا۔ نیز اس کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنا مرد کے لیے بہت مشکل تھا۔ علاوہ ازیں کسی کے وضو یا غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنا طبیعت پر گراں بھی ہوتا ہے' اس کے ازالے کے لیے یہ باب باندھا۔

غیر مسلم کے گھر کے پانی کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں' خصوصاً جبکہ دوسرا پانی نہ ہو' اس لیے کہ پانی کی اصل طہارت ہے۔ جب تک دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پانی ناپاک ہے' اسے پاک ہی مانا جائے گا' البتہ دوسرا پانی ہوتے ہوئے کسی کافر کے گھر کا پانی نہ استعمال کیا جائے' یہی بہتر ہے۔

١٤٢- ح: كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ جَمِيعًا [مرد اور عورتیں اکھٹے وضو کیا کرتے تھے]

١٤٢ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کرتے تھے۔

مطابقت

باب کے پہلے جز پر اس حدیث کی دلالت صریح ہے اور دوسرے جز پر التزامی۔ وہ اس طرح کہ جب عورت نے ایک بار برتن سے پانی لے لیا تو برتن کے باقی ماندہ پانی پر یہ صادق آیا کہ وہ عورت کے استعمال سے بچا ہوا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیکن امام بخاری نے جتنا حصہ ذکر کیا ہے' اس میں یہ مذکور نہیں کہ مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے' اس لیے باب کے کسی جز پر حدیث کی دلالت نہ ہوئی۔ علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ دار قطنی نے بہ طریق محمد بن نعمان جو روایت کی ہے' اس میں "من المیضاۃ" زائد ہے۔ نیز قعنبی اور ابن وہب کی روایت میں "فی الانـاء الواحد" وارد ہے۔ نیز ابوداؤد میں بہ طریق ایوب "من اناء واحد" مروی ہے۔ اب بات صاف ہوگئی کہ مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے' اور ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے۔

اقول : ہم اس پر کئی بار عرض کر آئے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کا جتنا حصہ ذکر کیا ہے وہ باب کے مطابق نہیں اور گفتگو یہی ہے کہ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے' یہ باب کے مطابق نہیں' یہ اپنی جگہ درست رہا دوسری کتابوں میں مذکور احادیث سے باب کی مطابقت ہو بھی گئی تو اس سے امام بخاری کو کیا فائدہ۔ ہاں! بخاری میں کہیں یہ اضافہ ہوتا تو دوسری بات تھی۔

باب کا فائدہ

بعض احادیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سعید بن مسیب اور امام حسن نے فرمایا کہ عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کرنا مطلقاً مکروہ ہے۔ داؤد ظاہری اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ اگر تنہا عورت نے کوئی پانی استعمال کیا ہو تو بچا ہوا پانی مرد کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

احناف اور امام مالک اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً بلا کراہت مرد کو یہ پانی استعمال کرنا جائز ہے' خواہ عورت نے تنہا استعمال کیا ہو خواہ مرد کے ساتھ' خواہ جنبی اور حائضہ ہو خواہ پاک ہو' مرد و عورت ساتھ پانی لیں یا آگے پیچھے' خواہ پہلے پانی لینا عورت شروع کرے یا مرد۔

جس طرح عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو اور غسل کرنا جائز ہے' اسی طرح عورت کو بھی مرد کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کرنا بلا کراہت درست ہے۔

ایک توضیح

حدیث کے ظاہر سے متبادر ہوتا ہے کہ جس طرح زوجین اور محارم اکٹھے ہو کر ایک برتن سے وضو کرتے تھے' اسی طرح غیر محارم مرد و عورت بھی اکٹھے ہو کر وضو کرتے تھے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ پردے کے حکم سے پہلے کی بات ہے۔ پردے کے حکم کے بعد اجنبی مرد و عورت کا اکٹھے ہو کر وضو کرنا ممنوع ہو گیا اور زوجین اور محارم کا باقی رہا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تعمیم میں قطعی نہیں' اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میاں بیوی اور محارم اکٹھے وضو کرتے تھے۔ اس صورت میں بھی یہ کہنا درست ہے کہ عورتیں اور مرد اکٹھے ہو کر ایک برتن سے وضو کرتے تھے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ "جمیعًا" دو معنوں میں آتا ہے' ایک "کلھم" کے' دوسرے "معًا" کے' جب اسے "معًا" کے معنی میں لیں گے تو معنی یہ ہوں گے کہ مرد و عورتیں اکٹھے ایک ساتھ وضو کرتے تھے اور وہ اعتراض وارد ہو گا اور اگر اسے "کلھم" کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہو گا کہ سب لوگ ایک برتن سے وضو کرتے تھے' اگرچہ باری باری یکے بعد دیگرے۔ اب یہ لازم نہیں آیا کہ مرد اور عورتیں ایک ساتھ وضو کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ مرد پہلے وضو کر لیتے ہوں اور عورتیں بعد میں کرتی ہوں' یا اس کے برعکس پہلے عورتیں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وضو کر لیتی ہوں اور بعد میں مرد کرتے ہوں۔

١٤٣- ح: صَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوْءِهٖ فَعَقَلْتُ

[(نبی ﷺ نے) وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا]

١٤٣- عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ وَاَنَا مَرِيْضٌ لَّا اَعْقِلُ فَتَوَضَّاَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَّضُوْءِهٖ فَعَقَلْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنِ الْمِيْرَاثُ ف٢ اِنَّمَا يَرِثُنِيْ كَلَالَةٌ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْفَرَائِضِ.

محمد بن منکدر نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں بیمار تھا' رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے' مجھے ہوش نہ تھا' حضور نے وضو فرمایا اور وضو سے بچا ہوا پانی ف١ مجھ پر ڈالا جس سے میں ہوش میں آ گیا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری میراث کس کو ملے گی؟ میرا وارث کلالہ ہے' تو آیت فرائض نازل ہوئی۔

(ایضاً کتاب المرضیٰ۔ باب: عیادۃ المغمٰی علیہ۔ ج ٢ ص ٨٤٤۔ باب: وضوء العائد للمریض۔ ج ٢ ص ٨٤٧۔ کتاب الفرائض۔ باب: میراث الاخوۃ والاخوات۔ ج ٢ ص ٩٩٨' مسلم۔ کتاب الفرائض' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ کتاب التفسیر۔ کتاب الطب)

محمد بن منکدر

تیمی' قرشی' علم وزہد میں جامع' مشہور تابعی ہیں۔ یہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماموں' منکدر کے صاحبزادے ہیں۔ ایک دفعہ منکدر' اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تنگ دستی کی شکایت کی' حضرت اُم المومنین نے فرمایا: پہلی فتوحات جو آئے گی وہ تمہاری ہے' اتفاق سے پہلی بار دس ہزار درہم آئے' یہ سب منکدر کو دے دیئے۔ انہوں نے ایک لونڈی خریدی جس سے محمد پیدا ہوئے' ان کا ١٣١ھ میں وصال ہوا۔

لغات

''کلالۃ'' زمخشری نے کہا: کلالہ کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے' وہ شخص جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ دادا' اولاد اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے وارثین' والدیت اور ولدیت کے علاوہ دوسرے رشتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کے ترکے کو بھی کہتے ہیں جس کے باپ دادا اور اولاد نہ ہوں۔ یہاں مراد دوسرا معنی ہے' جیسا کہ فرائض میں ہے کہ حضرت جابر نے عرض کیا: ''انما لی اخوات'' میری صرف بہنیں ہیں۔ فرائض' فریضۃ کی جمع ہے' اس کے معنی مقرر شدہ کے ہیں۔ یہاں میراث میں مقررہ حصہ مراد ہے' باب ''عیادۃ المغمٰی علیہ'' میں ہے کہ حضرت ابوبکر بھی ساتھ تھے' دونوں حضرات پیدل آئے تھے' جب تشریف لائے تو مجھ پر بے ہوشی طاری تھی۔

ف١: یہاں دونوں احتمال ہیں کہ وضو سے جو پانی برتن میں بچ گیا تھا' اسے ڈالا یا وضو کرنے میں جو پانی اعضاء مبارکہ سے گرا' اسے ڈالا۔ ظاہر دوسرا احتمال ہے' اس لیے کہ پہلے پانی میں بھی اگرچہ شفا ہے' مگر جسم اقدس سے مس ہونے کے بعد پانی میں جو بات ہو گی وہ پہلے پانی میں کہاں؟ امام بخاری کا بھی رجحان یہی ظاہر ہو رہا ہے' اس لیے کہ وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک ہے اور مستعمل دوسرا ہی پانی ہے نہ کہ پہلا۔ ہم بار بار بتا آئے کہ ماء مستعمل کی طہارت کا قول نہ ہمیں مضر اور نہ امام بخاری کا استنباط درست۔ حضور اقدس ﷺ پر عامہ مومنین کا قیاس' قیاس مع الفارق۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ف۲: یہاں یاء متکلم محذوف ہے، جس کے عوض الف لام ہے، مراد یہ ہے کہ میری میراث کسے ملے گی جبکہ میرے وارثین میں صرف بہنیں ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت جابر کا مقصود یہ رہا ہو کہ کیا میں اپنا مال صدقہ کر دوں؟ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور نے فرمایا: تم اس بیماری میں نہیں مرو گے۔ (فیوض الباری۔ ج ا ص ۴۳۲)

مسائل

حضور اقدس ﷺ کا غسالہ مبارکہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ شافی امراض ہیں۔

علامہ عینی نے اسی حدیث کے تحت لکھا:

ببركة يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يزل كل علة. (ج ۳ ص ۸۷)

حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی برکت ہر بیماری کو دور کر دیتی ہے۔

بیماروں کی عیادت سنت ہے، بڑوں کو چھوٹوں کی بھی عیادت کرنی چاہیے۔

١٤٤ - ح: غَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ فِي الْمَاءِ وَمَجَّ فِيْهِ

[رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں اور چہرے کو پانی میں دھویا اور اس میں کلی کی]

١٤٤ - عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ فِيْهِ مَآءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ فِيْهِ وَمَجَّ فِيْهِ ﴿وَزَادَ قَبْلَ صَفْحَةٍ تَعْلِيْقًا﴾ ثُمَّ قَالَ لَهُمَا اِشْرَبَا مِنْهُ وَاَفْرِغَا عَلٰى وُجُوْهِكُمَا وَنُحُوْرِكُمَا.

(ايضاً۔ كتاب المغازی۔ باب: غزوة طائف۔ ج ۳ ص ۶۲۰، مسلم۔ باب: من فضائل ابی موسیٰ وابی عامر۔ ج ۲ ص ۳۰۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک پیالہ منگایا جس میں پانی تھا، حضور نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو اس میں دھویا اور اس میں کلی کی (اور ایک صفحہ پہلے والی تعلیق میں یہ زیادہ ہے) پھر ان دونوں (ابو موسیٰ اور بلال) سے فرمایا: اس میں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔

تکمیل

پوری حدیث یوں ہے: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ جعرانہ میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، اقامت پذیر تھے، میں خدمت اقدس میں حاضر تھا اور حضرت بلال بھی ساتھ تھے۔ ایک اعرابی آیا اور عرض کیا: مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو۔ حضور نے فرمایا: تجھے بشارت ہو! اعرابی نے کہا: آپ "اَبْشِر" بہت کہہ چکے۔ حضور غضب ناک حالت میں حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس نے بشارت رد کر دی، تم لوگ قبول کرو۔ ان دونوں نے عرض کیا: ہم نے قبول کیا، اس کے بعد ایک پیالہ منگایا جس میں پانی تھا، اس پیالے میں اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اس میں کلی کی، پھر فرمایا: تم دونوں اس میں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہرے اور سینے پر ڈال لو۔ ان دونوں نے پیالہ لیا اور تعمیل حکم کی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ (پردے میں تشریف فرما تھیں) پردے ہی میں سے فرمایا: اپنی ماں کے لیے بھی بچا لینا، ان لوگوں نے ان کے لیے تھوڑا سا بچا لیا۔

تسامح

اس حدیث کے ابتدائی حصے میں یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جعرانہ میں فروکش تھے حالانکہ جعرانہ مکہ اور مدینہ کے مابین

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نہیں، مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ہے۔ (قسطلانی نولکشور۔ باب: غزوۂ طائف۔ ج٦ ص ٣٣٣)

باب سے مطابقت

یہ حدیث پہلے تعلیقاً باب "استعمال فضل وضوء الناس" میں ذکر فرمائی تھی۔ اس حدیث میں وضو کا ذکر نہیں، صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا تذکرہ ہے۔ اس لیے بہ ظاہر یہ باب کے مطابق نہ ہوئی۔ علامہ عینی نے فرمایا: جب اس پیالے میں ہاتھ اور منہ دھویا تو پانی مستعمل ہو گیا اور اسے استعمال فرمایا تو ثابت ہو گیا کہ ماء مستعمل کا استعمال درست ہے، وضو سے بھی پانی مستعمل ہی ہوتا ہے، تو جیسے یہ ماء مستعمل لائق استعمال ہے، اسی طرح وضو کرنے سے جو پانی مستعمل ہو وہ بھی لائق استعمال ہے۔ اس پر ہم بار بار عرض کر چکے کہ حضور اقدس ﷺ کا استعمال فرمودہ پانی خارج از بحث ہے، اس لیے اس سے عام لوگوں کے استعمال کردہ پانی کے لائق استعمال ہونے پر استدلال ساقط، پھر اس حدیث کو مسنداً باب "الغسل والوضوء في المخضب والقدح" میں ذکر فرمایا۔ اس حدیث میں نہ وضو کا ذکر ہے نہ غسل کا۔ اس لیے اس باب سے بھی اس حدیث کو کوئی مطابقت نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے برکت کے لیے اس میں ہاتھ اور منہ دھویا، پھر کلی کی، غسل تو بہت دور ہے وضو بھی مذکور نہیں۔

١٤٥- ح: إِذَا اشْتَدَّ وَجَعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[جب نبی ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی]

١٤٥- أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَّرَجُلٍ اٰخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَأَخْبَرْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَمَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَّمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ حَتّٰى طَفِقَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ.

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: جب نبی ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضور نے اپنی ازواج سے اجازت چاہی کہ میرے گھر میں حضور کی تیمارداری کی جائے، سب نے حضور کو اجازت دے دی، اس کے بعد نبی ﷺ دو آدمیوں حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ایک اور صاحب کے سہارے نکلے، اس طرح کہ حضور کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ عبید اللہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس کو بتایا تو انہوں نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ دوسرے صاحب کون تھے؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا: وہ علی ابن ابی طالب تھے، حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں: میرے گھر آنے کے بعد نبی ﷺ کا مرض بڑھ گیا تو فرمایا: سات ایسی مشکوں سے میرے اوپر پانی بہاؤ جن کے منہ کھولے نہ گئے ہوں، تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں۔ حضرت حفصہ، نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ کی لگن میں حضور کو بٹھایا گیا، پھر ہم سب حضور پر پانی ڈالنے لگیں یہاں تک کہ حضور اشارہ فرمانے لگے: تم اپنا کام کر چکیں، اس کے بعد حضور باہر لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔

(ایضاً کتاب الصلوٰۃ۔ باب: حد المریض یشہد الجماعۃ۔ ج١ ص ٩٢-٩١۔ باب: انما جعل الامام لیوتم بہ۔ ص ٩٥۔ کتاب الھبۃ۔ باب:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

هبة الرجل لامرأة والمرأة لزوجها۔ ج ا ص ۳۵۲۔ کتاب الجہاد۔ باب: بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ج ا ص ۴۳۷۔ کتاب المغازی۔ باب: مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته۔ ج ۲ ص ۶۳۹۔ کتاب الطب۔ باب۔ ج ۲ ص ۱۰۰۔ مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: استخلاف الامام۔ ج ا ص ۱۷۸۔ ۱۷۷' نسائی۔ باب: الائتمام بالامام یصلی قاعداً۔ ص ۱۳۴' دارمی۔ مقدمہ۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد)

تکمیل

باب ''انما جعل الامام لیوتم به'' میں یوں مذکور ہے کہ عبید اللہ نے کہا: میں حضرت اُم المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کیا آپ ہم سے نبی ﷺ کے مرض کے حالات نہیں بیان فرمائیں گی؟ ارشاد فرمایا: ضرور بیان کروں گی' جب نبی ﷺ کا مرض بہت بڑھ گیا' دریافت فرمایا: لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں' حکم دیا کہ میرے لیے لگن میں پانی رکھو' ہم نے ایسا کیا' حضور نے غسل فرمایا' چاہا کہ کھڑے ہو جائیں کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو پھر پوچھا: لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں' پھر فرمایا: میرے لیے لگن میں پانی رکھو' ہم نے رکھا' حضور نے غسل فرمایا' غسل سے فارغ ہو کر چاہا کہ کھڑے ہوں کہ پھر بے ہوش ہو گئے' کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو پھر پوچھا: لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں' فرمایا: میرے لیے لگن میں پانی رکھو' ہم نے رکھا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے اور غسل فرمایا' غسل کے بعد چاہا کہ کھڑے ہوں کہ پھر بے ہوش ہو گئے' پھر افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا: لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں' لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لیے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے' حضور نے ایک شخص کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ فرستادہ (حضرت بلال) حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو فرمان پہنچا دیا۔ حضرت ابوبکر رقیق القلب انسان تھے' حضرت عمر سے کہا: تم نماز پڑھاؤ! حضرت عمر نے کہا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں' ان دنوں (تین دن) حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضور نے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو ظہر کی نماز کے لیے حضرت عباس اور ایک اور شخص کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابوبکر نے تشریف آوری کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے' حضور نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو' پیچھے نہ ہٹو۔ اور سہارا دینے والوں کو حکم دیا کہ مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دو' ان لوگوں نے ان کے پہلو میں حضور کو بائیں طرف بٹھا دیا۔ حضرت ابوبکر' حضور اقدس ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں۔ ایک روایت میں ہے کہ نماز کے بعد حضور نے خطبہ دیا' مرضِ وصال اور حضرت ابوبکر کو امام بنانے کی پوری تفصیل اس کے باب میں آئے گی۔ یہاں صرف حدیث عبید اللہ بن عبد اللہ کی تکمیل مقصود ہے۔ اس حدیث سے متعلق ابحاث بھی وہیں مذکور ہوں گی۔

ایک توجیہ

حضرت اُم المؤمنین نے حضرت علی کا نام نہیں لیا' اس کی علت عام شراح یہ بتاتے ہیں کہ واقعہ افک میں چونکہ انہوں نے حضرت اُم المؤمنین کی صفائی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ان کے علاوہ اور بہت سی عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ سے اُم المؤمنین حضرت علی سے کبیدہ خاطر تھیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ جمل کی وجہ سے آزردہ خاطر تھیں۔ اس پر اس خادم کی عرض یہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کینہ رکھیں۔ اصلی معاملہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں' کسی میں فضل بن عباس کا نام ہے' کسی میں حضرت اسامہ کا' کسی میں بریرہ اور لوبہ کا۔ ہو سکتا ہے حضرت علی اور حضرت اسامہ' حضرت فضل بن عباس نے باری باری سہارا دیا ہو' اور حضرت عباس نے شروع سے اخیر تک' اس لیے حضرت عباس کا تو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نام لیا اور ان تینوں کی تعبیر "و رجل اخر" سے کر دی۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ یہ نمازِ ظہر تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ نمازِ فجر تھی۔ اسی طرح کچھ روایتوں میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ امام تھے اور حضرت ابوبکر مقتدی اور مبلغ۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ امام حضرت ابوبکر ہی تھے' حضور مقتدی تھے۔ چنانچہ اسود نے حضرت اُم المؤمنین ہی کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ مسروق کی روایت میں انہیں کا یہ قول ہے کہ مرضِ وصال میں حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ بیہقی نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس نماز میں حضور امام تھے وہ نمازِ ظہر تھی' ہفتے یا یک شنبہ کے دن اور جو حضرت ابوبکر کے پیچھے پڑھی' وہ یومِ وصال کی فجر تھی۔

اس تفصیل کے بعد بہت سے تعارض رفع ہو گئے' مثلاً یہاں کی روایت میں ہے کہ نہلانے سے مرض میں تخفیف ہوگئی اور حضور نماز کے لیے تشریف لے گئے' اور باب "انما جعل الامام ليوتم به" میں ہے کہ تین بار نہلانے کے بعد بھی مرض کی شدت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اسی طرح سہارا دینے والوں کے نام کے اختلاف میں بھی یہ تطبیق دی جاسکتی ہے۔ ایک بات قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ یہاں دو مواقع ہیں' ایک تو اُم المؤمنین حضرت میمونہ کے گھر سے حضرت عائشہ کے گھر لانا' اور ایک حجرۂ عائشہ سے نماز کے لیے مسجد میں لانا۔ ان دونوں میں خلط ہو جانے سے بھی اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نماز میں ایک ہی جماعت کے دو امام نہیں ہو سکتے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دو امام ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں امام حضور اقدس ﷺ ہی تھے' حضرت ابوبکر مقتدی مکبر و مبلغ تھے۔

مرض کی یہ شدت وصال سے تین دن قبل عشاء کے وقت ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر نے سترہ وقت کی نمازیں[1] حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں پڑھائیں' ان میں سے دو نمازوں میں حضور اقدس ﷺ شریک ہوئے' ایک میں امام ہوئے ایک میں مقتدی۔ اس حساب سے مرض کی شدت پنج شنبہ کے بعد جمعہ کی رات میں ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ مرض کی ابتداء اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی تھی۔ دوسری روایت[2] میں ہے کہ حضرت میمونہ کے گھر سے ابتداء ہوئی۔ ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حقیقت میں مرض کی ابتداء حضرت صدیقہ کے گھر ہوئی' مرض میں شدت حضرت میمونہ کے گھر سے ہوئی' جس کے بعد اجازت لے کر حضرت صدیقہ کے گھر تشریف لائے۔

مسائل

علامہ عینی نے فرمایا: اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ پر بھی ازواجِ مطہرات کے مابین عدل واجب تھا' مگر یہ صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ. (الاحزاب:٥١) ان میں سے جسے چاہو اپنے سے دور رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور پر ازواج کے مابین برابری واجب نہیں تھی' مگر یہ غایت کرم تھا کہ برابری کرتے یہاں تک کہ بیماری میں بھی اور جب بہت کمزور ہوئے تو اجازت لے کر حضرت صدیقہ کے گھر قیام فرمایا' ورنہ اجازت لینے کی کیا حاجت تھی؟ یہ بھی جائز ہے کہ ایک سوتن اپنی باری دوسری کو دے دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو حضرت عائشہ کے ساتھ تمام ازواج سے زیادہ محبت تھی۔ نیز ثابت ہوا کہ اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور مقتدی قیام پر قادر ہوں تو مقتدیوں کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی

[1] مدارج النبوۃ۔ ج ۲۔ مطبوعہ نولکشور۔ تقطیع خورد۔ ص ۵۴۳ [2] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۷۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چاہیے۔ یہی آخیر عمل ہے' اس سے وہ حدیث منسوخ ہے جس میں ہے کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ نیز ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر تمام صحابہ سے افضل اور اعلم ہیں اور وہ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں' جیسا کہ خود حضرت علی نے فرمایا: جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا' ہم نے اسے اپنی دنیا کے لیے بھی پسند کیا۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کی افضلیت ثابت ہوئی' جماعت کے ساتھ نماز کی اہمیت ظاہر ہوئی کہ اس کے باوجود کہ نبی ﷺ سخت علیل تھے' مسجد میں تشریف لے جانے کی قوت نہ تھی مگر تدبیر کر کے دوسروں کے سہارے مسجد میں نماز باجماعت کے لیے تشریف لے گئے۔

امام بخاری نے اگرچہ باب یہ باندھا ہے کہ لگن میں غسل اور وضو' مگر مقصود ان کا وہی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے اور اس پر ہماری وہی عرض ہے جو بار بار گزر چکی۔ امام بخاری نے باب یہ باندھا تھا کہ لکڑی یا پتھر کی لگن اور پیالے میں غسل اور وضو۔ اس میں چار حدیثیں ذکر کیں' ان میں سے دو حدیثیں گزر چکی ہیں۔ پہلی حدیثِ انس ہے' اس میں یہ ہے کہ حضور کی خدمت میں پتھر کی ایک چھوٹی لگن لائی گئی۔ دوسری حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں ہے کہ ایک پیالہ پیش کیا گیا' جس میں پانی تھا۔

تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن زید کی ہے جس میں ہے کہ تانبے کے ایک چھوٹے برتن (طشت) میں پانی پیش کیا گیا۔

چوتھی حدیث حضرت اُم المؤمنین کی ہے' جس میں یہ ہے کہ ہم نے حضور کو حضرت حفصہ کی ایک لگن میں بٹھایا۔ پہلی حدیث میں تو بہ تصریح مذکور ہے کہ پتھر کی ایک لگن پیش کی گئی۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ پتھر کی لگن کا استعمال درست ہے۔ رہ گیا لکڑی کے برتن کا استعمال' وہ قدح سے ثابت' اس لیے کہ قدح اکثر لکڑی کے بنے ہوئے پیالے کو کہتے ہیں' جیسا کہ علامہ عینی نے ابن اثیر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

۱٤٦- ح: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ

[نبی ﷺ ایک مد سے وضو فرماتے]

۱٤٦- سَمِعْتُ اَنَسًا يَّقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ اَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ وَّيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ غسل کرتے تھے' ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک سے اور ایک مُد سے وضو کرتے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة۔ ص ۱۴۹)

صاع اور مُد کی تحقیق

امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے' اور امام ابو یوسف و ائمہ ثلاثہ نے فرمایا: پانچ رطل اور تہائی رطل کا (۵⅓)۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چار مُد کا ایک صاع' البتہ مُد کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ایک مُد دو رطل کا' اور امام ابو یوسف وغیرہ کے یہاں ایک رطل اور تہائی رطل کا (۱⅓)۔

ایک رطل بیس استار کا' ایک استار ساڑھے چار مثقال اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا[1] انگریزی روپیہ اڑھائی مثقال یعنی سوا گیارہ ماشے۔ اس حساب سے ایک رطل چھتیس روپے بھر' اور ایک مُد بہتر روپے بھر اور صاع انگریزی روپے سے دو سو اٹھاسی روپے جتنا ہوا۔

[1] شامی۔ ج ۲ ص ۶۷

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک مُد اڑتالیس روپے جتنا اور ایک صاع ایک سو بانوے جتنا۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو ایک صاحب نے جن پر مجھے اعتماد تھا' ایک صاع نکالا اور بتایا کہ یہ صاع نبی ﷺ کا ہے' میں نے اسے ۵ 1/3 رطل پایا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ صاحب امام مالک تھے۔ اسی طرح علی بن مدینی نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے صاع کو جانچا تو ۵ 1/3 رطل پایا۔

امام اعظم وغیرہ کی دلیل یہ احادیث ہیں: ابن عدی' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں' وہ کہتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ بالمد رطلين. رسول اللہ ﷺ ایک مُد دو رطل سے وضو فرماتے تھے۔

دوسری حدیث دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ بالمد رطلين ويغتسل بالصاع ثمانية ارطال. رسول اللہ ﷺ ایک مُد دو رطل سے وضو فرماتے اور ایک صاع آٹھ رطل سے غسل فرماتے۔

(طحاوی۔ ج۱ ص ۳۲۳)

وضو میں پانی کی مقدار

اس بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں۔ حدیث اوّل' یہی زیر بحث حدیث کہ رسول اللہ ﷺ ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک سے غسل فرماتے تھے اور ایک مُد سے وضو۔

حدیث دوم صحیح مسلم[1]' مسند امام احمد' جامع ترمذی[2]' شرح معانی الآثار[3] امام طحاوی میں حضرت سفینہ' اور مسند امام احمد و سنن ابوداؤد[4] و طحاوی[5] میں بہ سند صحیح حضرت جابر بن عبداللہ نیز انہیں کتابوں میں بہ طرق کثیرہ اُم المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔

اکثر احادیث میں یہی ہے۔ حضرت انس والی حدیث طحاوی میں یوں ہے:

رسول اللہ ﷺ ایک مُد پانی سے پورا پورا وضو فرما لیتے اور قریب تھا کہ کچھ بچ رہتا۔

حدیث سوم' ابو یعلیٰ' طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے بہ سند ضعیف یہ روایت کیا:

رسول اللہ ﷺ نے آدھے مُد سے وضو فرمایا۔

حدیث چہارم: سنن ابوداؤد[6] و نسائی[7] میں حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

نبی ﷺ نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر کیا گیا' جس میں دو تہائی مُد کی مقدار پانی تھا۔

حدیث پنجم: ابن خزیمہ' ابن حبان اور حاکم کی صحاح میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے یوں حدیث آئی ہے:

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایک تہائی مُد سے وضو فرمایا۔

---

[1] مسلم۔ ج۱ ص۱۴۹۔ باب: قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة

[2] ترمذی۔ ج۱ ص۹۔ باب: الوضوء من المد [3] شرح معانی الآثار۔ باب: وزن الصاع۔ ص ۳۲۳

[4] ابوداؤد۔ ج۱ ص۱۳۔ باب: ما يجزئ من الماء فی الوضوء [5] شرح معانی الآثار۔ ج۱ ص ۳۲۳۔ باب: وزن الصاع كم هو

[6] ابوداؤد۔ ج۱ ص۱۳۔ باب: ما يجزئ من الماء فی الوضوء [7] نسائی۔ ج۱ ص۲۴۔ باب: القدر الذی يكفی من الماء للوضوء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حدیث ششم: مسلم[1] سنن ابوداؤد[2] نسائی[3] وطحاوی[4] میں حضرت انس رضی اللہ سے یوں حدیث آئی ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکوک سے وضو اور پانچ مکوک سے غسل فرماتے۔

تطبیق

راجح یہ ہے کہ مکوک سے مراد مُد ہے' جیسا کہ امام طحاوی[5] نے تصریح کی ہے' اب اس حدیث اور حدیث اوّل کا حاصل قریب قریب ایک ہی ہوا۔ حدیث اوّل ودوم میں تطبیق یہ ہے کہ چار مُد ایک صاع غسل کے لیے تھا اور ایک مُد غسل کے وضو کے لیے۔ اس طرح غسل میں پانچ مُد صرف ہوئے۔ ان سب احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کبھی ایک بار دھوئے ہیں کبھی دو دو بار اور کبھی تین تین بار۔ یہی عادتِ کریمہ تھی۔ پانیوں کی مقدار کا اختلاف اسی اعتبار سے ہے' جب اعضاء ایک بار دھوئے تو تہائی مُد پانی صرف ہوا۔ جب دو دو بار دھوئے تو دو تہائی صرف ہوا۔ جب تین تین بار دھوئے تو پورا ایک مُد صرف ہوا۔

غسل میں پانی کی مقدار

غسل میں کم سے کم پانی کی مقدار وہ ہے جسے امام مسلم[6] نے اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ فرماتی ہیں:
میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے برتن سے جو تین مُد پانی کی گنجائش رکھتا' نہا لیتے۔

توجیہ

اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اسی تین مُد پانی سے ساتھ ساتھ نہا لیتے' یہ بعید از قیاس ہے کہ ڈیڑھ مُد پانی سے غسل ہو سکے' اس لیے علماء نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ صحیح توجیہ وہ ہے جو امام قاضی عیاض نے فرمائی کہ یہ ہر ایک کے جدا جدا غسل کا بیان ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسی برتن سے حضور بھی غسل فرما لیتے اور میں بھی' ایک ساتھ مراد نہیں۔ اور وہ جو دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں:
میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے' ہم دونوں کے ہاتھ باری باری اس میں پڑتے' کبھی حضور مجھ سے سبقت کر کے پانی لے لیتے تو میں کہتی: میرے لیے بھی رہنے دیں' کبھی میں لے لیتی تو حضور فرماتے: میرے لیے بھی رہنے دو۔"
(بخاری ومسلم۔ بنقص وزیادۃ)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی برتن سے غسل نہیں فرماتے تھے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے برتن تھے۔ پہلی والی حدیث میں جو برتن مذکور ہے' وہ چھوٹا تھا اور یہاں برتن بڑا رہا ہوگا جیسا کہ ابھی آ رہا ہے' اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم تین مُد پانی سے غسل فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ کی مقدار وہ ہے جو صحیح مسلم[7] موطا امام مالک وسنن ابوداؤد[8] میں انہیں اُم المؤمنین حضرت عائشہ

---

[1] مسلم۔ ج ۱ص ۱۴۹۔ باب: القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة

[2] ابوداؤد۔ ج ۱ص ۱۳۔ باب: ما يجزئ من الماء في الوضوء

[3] نسائی۔ ج ۱ص ۲۳۔ باب: القدر الذي يكفي به الرجل من الماء للوضوء

[4] شرح معانی الآثار۔ ج ۱ص ۳۲۳۔ باب: قدر الصاع [5] ایضاً ص ۳۲۳

[6] مسلم۔ ج ۱ص ۱۴۸۔ باب: القدر المستحب من الماء في الجنابة

[7] مسلم۔ ج ۱ص ۱۴۸۔ باب: قدر المستحب من الماء في غسل الجنابة

[8] ابوداؤد۔ ج ۱ص ۳۰۷۔ باب: في مقدار الماء الذي يجزئ في الغسل

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صدیقہ سے مروی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرق سے غسل فرماتے۔

فرق کی تحقیق

اکثر حضرات کہتے ہیں کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے' کچھ حضرات کہتے ہیں: دوصاع کا' جیسا کہ مسلم کی حدیث[1] میں سفیان بن عیینہ کا قول ہے' اور امام طحاوی نے اس کی تصریح کی' امام نووی نے فرمایا: یہی جمہور کا قول ہے' یہی علامہ عینی نے بھی فرمایا۔ امام نجم الدین نسفی نے "طلبة الطلبة" میں فرمایا: یہ سولہ رطل کا ہوتا ہے۔ یہی نہایہ' ابن اثیر اور جوہری کی صحاح میں ہے اور یہی قتبی سے بھی منقول ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: فرق سولہ رطل کا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس پر اتفاق کا دعویٰ کیا' نیز اس پر بھی کہ یہ تین صاع کا ہوتا ہے۔ شرح غربیین سے منقول ہے کہ فرق بارہ مُد کا ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ تطبیق فرمائی کہ سولہ رطل کا' دوصاع عراقی ہوتا ہے اور تین صاع حجازی' تو جنہوں نے تین صاع کہا' ان کی مراد حجازی صاع ہے اور جنہوں نے دوصاع کہا' ان کی مراد عراقی صاع ہے۔

اس حدیث پر امام نووی نے فرمایا: اس سے تنہا حضور کا غسل فرمانا مراد نہیں' بلکہ اُم المؤمنین کے ساتھ ساتھ' اس لیے کہ یہی حدیث بخاری[2] میں یوں ہے:

میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے وہ قدح تھا' جسے فرق کہتے ہیں' مگر یہ بخاری کی بھی حدیث اجتماع پر نص نہیں' اس لیے ظاہر یہی ہے کہ حدیث مسلم سے مراد یہ ہے کہ تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرق یعنی تین صاع سولہ رطل سے غسل فرماتے' اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث اس پر نص نہیں کہ ایک فرق سے تنہا غسل فرماتے' اس کا بھی احتمال باقی ہے کہ مراد یہ ہو کہ اُم المؤمنین کے ساتھ ایک فرق پانی سے غسل فرماتے۔ اس باب میں جو نص صریح ہے' وہ وہی حضرت انس والی حدیث زیر بحث ہے کہ ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے غسل فرماتے' تو غیر مشکوک طریقے سے یہ ثابت ہوا کہ غسل میں پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار پانچ مُد ہوتی ہے۔ ایک فرق کا بھی احتمال ہے مگر قطعی نہیں' اور اکثر و اشہر یہ ہے کہ وضو ایک مُد سے اور غسل چار مُد سے فرماتے تھے۔

اب یہاں تنقیح طلب یہ دو باتیں ہیں:

اوّل: یہاں صاع اور مد بہ اعتبار وزن مراد ہے یا بہ اعتبار کیل و پیمانہ' یعنی غور طلب یہ بات ہے کہ جتنے وزن کا صاع اور مُد ہوتا ہے' اتنے وزن پانی سے وضو یا غسل فرماتے' مثلاً صاع بر بنائے قول امام اعظم دوسو اٹھاسی روپے جتنا ہے' تو مطلب یہ ہوگا کہ دوسو اٹھاسی روپے کے برابر پانی سے غسل فرماتے' یا صاع جو پیمانہ ہے اس میں جتنا پانی سمائے وہ پانی مراد ہے۔

اس تنقیح کی ضرورت یہ ہے کہ پانی اناج سے بھاری ہوتا ہے' جس پیمانے میں گیہوں سیر بھر آئے گا' اسی برتن میں پانی سیر بھر سے زائد آئے گا' شارحین بخاری' علامہ عینی' علامہ عسقلانی' علامہ قسطلانی کا اس پر اتفاق ہے کہ مراد مُد اور صاع بھر پانی ہے' البتہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں وزن مراد لیا' مگر صحیح شراح بخاری کا قول ہے۔ علامہ عینی نے بحوالہ طحاوی' امام مجاہد کا یہ قول نقل فرمایا:

ہم اُم المؤمنین حضرت صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' ہم میں سے بعض نے پانی مانگا تو اُم المؤمنین نے ایک بڑا برتن نکالا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی برتن بھر پانی سے غسل فرماتے تھے' میں نے اندازہ لگایا تو وہ برتن آٹھ یا نو یا دس رطل تھا۔

---

[1] مسلم ص ۱۴۸- باب: القدر المستحب من الماء في الجنابة

[2] بخاری ص ۳۹- باب: غسل الرجل مع امرأته

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نسائی میں یہ بغیر شک کے ہے کہ آٹھ رطل تھا۔

دوم: یہ پیمانے مُد اور صاع کس اناج کے تھے۔ ظاہر ہے اناج ہلکے، وزنی سبھی قسم کے ہوتے ہیں، جس پیمانے میں جو سیر بھر آئیں گے، اسی میں گیہوں سیر بھر سے زائد اور ماش اس سے بھی زائد۔ اس تنقیح کا حاصل یہ ہے کہ کس اناج کو تول کر صاع بنایا جائے گا، اگر دو سو اٹھاسی روپے بھر ماش تول کر صاع بنائیں تو گیہوں دو سو اٹھاسی روپے بھر نہیں سمائے گا، کم سمائے گا اور جو اور بھی کم، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماش سے تول کر جب صاع بنائیں اور اس صاع سے جو ناپ کر ایک صاع صدقہ فطر ادا کریں تو یہ دو سو اٹھاسی روپے سے کم ہوگا۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابوشجاع ثلجی نے فرمایا: صدقۂ فطر کے لیے جو صاع بنائیں وہ ماش یا مسور تول کر بنائیں، اس لیے کہ ان دونوں کے دانے قریب قریب یکساں ہوتے ہیں، اس لیے ان کے ناپ و تول میں فرق نہیں پڑے گا، اگر پڑے گا بھی تو برائے نام بہ خلاف جو اور گیہوں کے کہ ان میں بہت فرق پڑ جائے گا۔

امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں فرمایا: احوط یہ ہے کہ عمدہ کھرے گیہوں تول کر صاع بنایا جائے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اسی کو اختیار فرمایا۔ علامہ شامی نے جو تول کر صاع بنانے کو احوط بتایا۔ سید محمد امین نے میر غنی کے حاشیہ زیلعی سے نقل فرمایا:

ان الذی علیه مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلهم من المشائخ وبه کانوا یفتون تقدیره بثمانیة ارطال من الشعیر۔ ولعل ذلك لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاحتیاط فی باب العبادات واجب.

حرم مکہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ اس پر ہیں کہ آٹھ رطل جو تول کر صاع بنایا جائے۔ یہ اکابر اسی پر فتویٰ دیتے تھے، یہ اس لیے ہے کہ یقینی طور پر واجب کی ادائیگی سے بری الذمہ ہونے میں احتیاط کی جائے، اس لیے کہ مبسوط امام سرخسی میں ہے کہ عبادات میں احتیاط واجب ہے۔

(ج۲ص۷۶)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس کی تائید میں فرمایا:

ظاہر ہے کہ صاع اس اناج کا تھا جو اس زماں برکت نشاں میں عام تھا، اور معلوم ہے کہ اس عہد میں جو عام طور پر کھایا جاتا تھا، دوسرے غلوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا، گیہوں تھا مگر بہت کم۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان طعامنا الشعیر.

ہمارا طعام جو تھا۔

(بخاری۔ ج ۲۔ کتاب صدقۃ الفطر۔ باب: الصدقۃ قبل الفطر۔ ص ۲۰۴)

یہی وجہ ہے کہ اس عہد مبارک میں صدقہ فطر صرف چھوہارا، منقّٰی اور جو تھا۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لم تکن الصدقة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم الا التمر والزبیب والشعیر ولم یکن الحنطة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ فطر صرف چھوہارا، منقّٰی اور جو تھا، گیہوں نہ تھا۔

گیہوں کی کثرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لما كثر الطعام في زمن معاوية جعلوه مدين من حنطة. (طحاوی۔ ج ا۔ باب: مقدار صدقة الفطر۔ ص ۳۱۹)

جب معاویہ کے زمانے میں گیہوں کی کثرت ہوئی تو لوگوں نے صدقۂ فطر دو مُد گیہوں کر دیا۔

اس پر اتفاق ہے کہ یہاں طعام سے مراد گیہوں ہی ہے جبکہ اس عہد مبارک میں عام طور پر جَو ہی پایا جاتا تھا' تو ظاہر ہے کہ صاع بھی جَو کو تول کر بنایا جاتا ہوگا اس لیے اسی میں سب سے زیادہ احتیاط ہے۔ علاوہ ازیں جَو تول کر بنائے ہوئے نصف صاع میں گیہوں ضرور بالضرور نصف صاع سما جائے گا اور اگر گیہوں تول کر صاع بنائیں تو اس میں ایک صاع جَو نہیں آئے گا۔ اس بناء پر بہر حال احوط یہی ہے کہ اعتبار صاع شعیری کا کیا جائے۔

صدقہ فطر کی مقدار گیہوں سے دو کلو پینتالیس گرام ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ میں نصف صاع ایک سو چوالیس روپے بھر جَو تول کر ایک تانچین کے پیالے میں بھرا۔ یہ اس پیالے میں پورا پورا آ گیا' نہ کم رہا نہ زیادہ' پھر اس پیالے میں عمدہ سے عمدہ گیہوں بھر کر تولا تو اس گیہوں کا وزن ایک سو پچہتر اور پر اٹھنی بھر ہوا' اہل سنت کا اسی پر عمل ہے۔ یہ وزن موجودہ رائج اعشاریہ کے وزن سے دو کلو پینتالیس گرام ہوتا ہے۔

ان ساری ابحاث میں ایک یہ نکتہ سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ صدقہ فطر کی اصل ادائیگی صاع سے ناپ کر ہے' تول کر نہیں۔ مثلاً کسی نے تول کر غلہ نکالا' مگر وہ ناپنے پر کم ہوا تو صدقہ فطر کی پوری ادائیگی نہ ہوئی۔

صاع کی جو مقدار دو سو اٹھاسی روپے لکھی ہے' وہ صاع بنانے کے لیے ہے' یعنی یہ کہ اتنے وزن کی کوئی چیز تول کر برتن بنایا جائے اور اسی برتن سے ناپ کر صدقۂ فطر ادا کیا جائے اور ہم ثابت کر آئے کہ اعتبار صاع شعیری کا ہے یعنی دو سو اٹھاسی روپے بھر جَو تول کر کوئی برتن بنایا جائے اور اس برتن سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے' اور یہ ظاہر ہے کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر جَو تول کر جو پیمانہ بنائیں گے' اس میں اگر گیہوں بھریں گے تو وہ دو سو اٹھاسی روپے سے زائد ہوگا' جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے' اللہ عز و جل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اسلام و مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے! انہوں نے ناپ تول کے سارے مراحل طے کر کے ہمیں بتایا اور آئینے کی طرح صاف فرما دیا۔ فالحمد للہ!

(یہ ساری تفصیلات فتاویٰ رضویہ۔ ج ا ص ۱۳۹ تا ۱۴۵ سے لی گئی ہیں' قدرے اختصار اور تغیر کے ساتھ۔)

وضو اور غسل میں پانی کی کوئی مقدار مقرر نہیں' جتنے سے وضو اور غسل مکمل طور پر ہو جائے' اتنا کافی ہے۔ انسان سب ایک قسم کے نہیں' کوئی لمبا' کوئی موٹا' کوئی دبلا' کسی کے سر اور داڑھی کے بال گھنے' کسی کے چھدرے' کوئی احتیاط سے پانی بہاتا ہے کوئی لاپرواہی سے۔ اس لیے پانی کی ایک مقدار مقرر نہیں کی جا سکتی' چونکہ صحابہ کرام کو حضور اقدس ﷺ سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ حضور کی ہر ہر ادا اور ہر ادا کے ہر ہر پہلو کی تلاش و جستجو اور اس کی نشر و اشاعت میں انہیں روحانی لذت ملتی تھی' اس لیے وضو اور غسل کے پانی کی مقدار کو بھی بیان فرمایا۔ رضی اللہ عنہم۔

۱۴۷- ح- اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ [موزوں پر مسح کرنا]

۱۴۷- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَاَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ

حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں روایت کیا کہ حضور نے موزوں پر مسح فرمایا' حضرت عبد اللہ بن عمر نے اپنے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

إِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ.

والد حضرت عمر سے اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر نے اس کی تصدیق کی' اور فرمایا: جب سعد' نبی ﷺ کے بارے میں کچھ روایت کریں تو پھر کسی سے مت پوچھو۔

(نسائی۔ج ا۔باب: المسح علی الخفین۔ص ۳۱)

یہ تعلیق ہے یا مسند؟

علامہ کرمانی نے فرمایا: چونکہ ابوسلمہ اس وقت موجود نہ تھے جب حضرت ابن عمر نے حضرت عمر سے یہ دریافت کیا تھا' اس لیے یہ تعلیق ہے' مگر علامہ عینی نے فرمایا: اس حدیث میں ''وان عبد الله بن عمر'' سند میں مذکور ''عن عبد الله بن عمر'' پر معطوف ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بھی' راوی حدیث ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا قول ہوا' جو انہوں نے حضرت ابن عمر سے سنا ہے' اس تقدیر پر حدیث کا یہ جز بھی مسند ہوا۔

اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے' صرف روافض اور خوارج اس کے منکر ہیں۔ بدائع میں ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ستر اصحاب بدر سے ملاقات کی' یہ سب کے سب موزوں پر مسح جانتے تھے' اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ موزوں پر مسح اہل سنت کی علامت جانتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا: اہل سنت کی علامت کیا ہے؟ فرمایا:

تفضيل الشيخين وحب الختنين والمسح على الخفين.

شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر کو سارے صحابہ سے افضل جاننا اور دونوں دامادوں حضرت عثمان و حضرت علی سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کرنا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے موزوں پر مسح کا قول اس وقت تک نہیں کیا' جب تک کہ دن کی روشنی کی طرح یقین نہیں ہو گیا' مسح علی الخفین کا انکار کبار صحابہ کا ردّ اور انہیں خطا کار ٹھہرانا ہے' اس لیے موزوں پر مسح کا انکار بدعت ہے۔ امام کرخی نے فرمایا: جو موزوں پر مسح جائز نہ مانے' اس پر میں کفر کا اندیشہ کرتا ہوں۔ اُمت میں کسی فرد کا اس میں اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا۔

علامہ ابوعمر بن عبداللہ نے کہا کہ تمام اہل بدر و حدیبیہ اور جملہ مہاجرین اور انصار اور کل صحابہ اور تابعین و فقہاء مسلمین نے موزوں پر مسح فرمایا اس لیے موزوں پر مسح کی حدیث بہ اعتبار معنی متواتر ورنہ کم از کم مشہور ضرور ہے۔ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی بالاتفاق درست ہے۔

ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے نقل کر کیا کہ مسح علی الخفین کے سلسلے میں صحابہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ جن بعض حضرات سے انکار مروی ہے تو ان سے اثبات بھی مروی ہے۔ علامہ ابن حجر اور ابوالقاسم بن مندہ نے کہا کہ اسّی صحابہ سے مسح علی الخفین مروی ہے' جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ مسح علی الخفین کے اثبات میں چالیس حدیثیں مروی ہیں' صرف حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عباس' حضرت علی' حضرت صدیقہ سے انکار کی روایت آئی ہے' مگر یہ ناقابل اعتبار ہے۔

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں۔ امام احمد نے فرمایا: وہ صحیح نہیں باطل ہے' بلکہ ان سے ابن ماجہ[1] میں یہ حدیث مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: موزوں کی طہارت کیا ہے؟ فرمایا: مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات۔

[1] ابن ماجہ۔ص ا۴۔باب: ما جاء في المسح على الخفين

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دار قطنی نے اُم المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ مسح علی الخفین کو جائز جانتی تھیں۔ ابن ابی شیبہ نے جو حضرت علی سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ مسح علی الخفین سورۂ مائدہ سے پہلے تھا' یہ روایت منقطع ہے۔ مسلم[1] اور نسائی[2] میں حضرت اُم المومنین و حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہ مذکور ہے:

شریح بن ھانی نے اُم المومنین حضرت صدیقہ سے' مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: علی بن ابی طالب کے پاس جاؤ' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شریح نے کہا: ہم نے حضرت علی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات' مدتِ مسح مقرر فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت اُم المومنین اور حضرت علی بھی مسح علی الخفین کو جائز جانتے تھے' اور یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے۔ اور صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی مسافر اور مقیم کے لیے یہ یہ مدت مقرر فرمائی' اس لیے اس سے رجوع کا کوئی احتمال نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت اُم المومنین اور حضرت علی کی طرف بہت سے من گھڑت قصے منسوب کیے گئے ہیں' وہ سب جعلی ہیں' مثلاً اُم المومنین کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرا پاؤں کاٹ ڈالا جائے' یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ موزوں پر مسح کروں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں ایک طول طویل قصہ مشہور ہے کہ ان میں اور حضرت عمر میں بہت لمبی چوڑی گفتگو ہوئی' جس میں حضرت علی نے بائیس صحابہ سے شہادت دلائی کہ موزوں پر مسح' سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا۔ یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں' اس کے جھوٹ ہونے پر دو قرینے ہیں۔ ایک تو مسلم اور نسائی کی حدیث مذکور' دوسرے یہ کہ اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ غزوۂ مریسیع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا ہے[3] اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر اور غزوۂ تبوک میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح ثابت ہے' بلکہ حضرت جریر کی حدیث سے ثابت ہے کہ جس سن میں وصال ہوا ہے' اس سال آپ نے مسح فرمایا۔ اس لیے کوئی صحابی یہ گواہی کیسے دے سکتا ہے کہ موزوں پر مسح سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا' پھر منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس کا بھی یہی حال ہے کہ ابتداء میں جب تک اس کا انہیں ثبوت نہ ملا کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا' انکار کرتے رہے مگر جب اس کا ثبوت انہیں مل گیا تو انہوں نے بھی موزوں پر مسح کے جواز کا قول کیا۔ ان کے تلمیذ جلیل امام عطاء نے فرمایا: عکرمہ نے جھوٹ کہا۔ حضرت ابن عباس اس سلسلے میں لوگوں کی مخالفت کرتے رہے' مگر اخیر عمر میں سب کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ (عینی۔ ج ۳ ص ۹۷)

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ موزوں پر مسح کے قائل نہ تھے۔ ایسی روایتیں ان سے آئی ہیں' مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اخیر عمر میں یہی فرمایا کہ جو مسح علی الخفین کو جائز نہ جانے وہ گمراہ ہے' البتہ جو جائز جانے اور مسح نہ کرے' عزیمت پر عمل کرے وہ ماجور ہے۔ (ایضاً)

اب حضرات مالکیہ کے دو گروہ ہیں' ایک وہ جو مطلقاً موزوں پر مسح کو جائز کہتے ہیں' مقیم اور مسافر دونوں کے لیے۔ دوسرے وہ جو صرف مسافر کے لیے جائز کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہے کہ موزوں کا مسح آیت وضو سے منسوخ ہے مگر یہ شبہہ ساقط ہے' اس لیے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غزوۂ تبوک سے متعلق ہے اور غزوۂ تبوک سب سے آخری غزوہ ہے جو سورۂ مائدہ کے نزول کے

---

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۳۵ [2] نسائی۔ ج ۱ ص ۳۲ [3] قسطلانی۔ ج ۲ ص ۲۷۳ ۔ ایضاً۔ ج ۷ ص ۵۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بہت بعد ہوا ہے۔ اس لیے کہ سورۂ مائدہ غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی ہے جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا[1] اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ موزوں پر مسح منسوخ نہیں اس لیے کہ یہ وصال مبارک سے چند ماہ پہلے ایمان لائے' ان کی حدیث یہ ہے: حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا اور موزوں پر مسح کیا ان سے کہا گیا: آپ ایسا کرتے ہیں' فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا' حضرت جریر سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے دیکھا کہ بعد میں' تو فرمایا کہ میں مائدہ کے نزول کے بعد ایمان لایا ہوں۔ (مسلم۔ ج ا۔ باب: المسح علی الخفین۔ ص ۱۳۲' ابوداؤد۔ ج ا۔ باب: المسح علی الخفین۔ ص ۲۱' ترمذی۔ ج ا۔ باب: المسح علی الخفین۔ ص ۱۴)

موزوں پر مسح افضل ہے یا پاؤں دھونا؟

صحیح یہ ہے کہ پاؤں دھونا' موزوں پر مسح کرنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ یہ عزیمت ہے اور مسح رخصت مگر جبکہ موزوں پر مسح نہ کرنے سے بدگمانی کا اندیشہ ہو' لوگ یہ شبہہ کرنے لگیں کہ روافض اور خوارج کا اتباع کر رہا ہے۔

(درمختار۔ ردالمحتار' فتاویٰ رضویہ۔ ج ا ص ۳۳۰)

مسائل

اس حدیث سے موزوں پر مسح کے جواز کے علاوہ' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت سے ظاہر ہوئی' یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی بہت مشہور و معروف بات قدیم الاسلام اجلہ صحابہ سے بھی مخفی رہتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جلالت شان سب پر واضح ہے مگر یہ مسئلہ ان پر پوشیدہ رہا۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزوں پر مسح کی عام روایتیں حالت سفر ہی کی ہیں' اور دوسری حدیثوں میں نہ سفر کا ذکر ہے نہ حضر کا اس لیے بعض حضرات مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ مقیم کو موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں' صرف مسافر کے لیے جائز ہے۔ اس کا جواب مسلم اور نسائی کی حدیثوں میں مذکور ہے' جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صریح ارشاد مذکور ہے کہ مقیم کے لیے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں' بلکہ نسائی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ حضور مدینہ طیبہ میں ایک بار موضع اسواف میں قضاء حاجت کے لیے گئے اور فراغت کے بعد وضو فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا[2] یہ اسواف مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے' اس سے ثابت ہوا کہ حضور نے حالت اقامت میں بھی موزوں پر مسح فرمایا۔

١٤٨ - عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح علی الخفین۔ ص ۳۱)

١٤٩ - عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى عِمَامَتِهٖ وَخُفَّيْهِ. (ابن ماجہ۔ باب: المسح علی العمامۃ۔ ص ۴۲)

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامے اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔

[1] قسطلانی۔ ج ۶ ص ۳۷۳ [2] ج ا۔ باب: المسح علی الخفین ص ۳۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

یہ غزوۂ بدر اور اُحد میں مشرکین کے ساتھ تھے مگر غزوۂ اُحد کے اختتام پر جب مشرکین واپس ہو رہے تھے' ان کے دل میں نور اسلام چمکا اور یہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ عرب کے مشہور بہادروں میں تھے' یہ پہلے جس معرکے میں شریک ہوئے' وہ سریہ بیر معونہ تھا انہیں دشمنوں نے گرفتار کرلیا تھا۔ عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا تھا' جا میری ماں کی طرف سے تو آزاد ہے۔ اس ظالم نے ان کی پیشانی کے بال مونڈ ڈالے۔ ٦ ھ میں نجاشی شاہِ حبشہ کے نام یہی دعوتِ اسلام لے کر گئے تھے' پھر بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ بھیجا کہ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان سے حضور کا نکاح کریں' اور انہیں اور حبشہ میں جو مسلمان ہیں ان سب کو مدینہ لائیں۔ ایک بار انہیں کے ہاتھ ابوسفیان کے پاس کچھ تحفے بھیجے تھے۔

(الاستیعاب۔ ج ٢ ص ٨۔٤٩٧' اصابہ۔ ج ٢ ص ٥٢٤)

حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں ٦٠ ھ میں وصال فرمایا' ان سے بیس احادیث مروی ہیں جن میں دو بخاری نے ذکر کی ہیں۔

عمامے پر مسح کی بحث' حدیث: ١٤٠ میں گزر چکی۔

١٥٠ - عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. (اس کی تخریج حدیث: ١٣٧ میں گزر چکی)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا' میں نے چاہا کہ حضور کے موزے نکالوں' تو فرمایا: رہنے دو! میں نے انہیں اس حالت میں پہنا ہے کہ پاؤں طاہر تھے' پھر حضور نے موزوں پر مسح فرمایا۔

یہ حدیث گزر چکی ہے مگر چند باتیں رہ گئی تھیں' اس لیے اس کو دوبارہ ذکر کیا' یہ سفر کون سا تھا؟ یہ گزر چکا کہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے اور یہ واقعہ نماز صبح کے وقت ہوا تھا۔ اس حدیث میں ہے کہ میں نے اسے اس حالت میں پہنا ہے کہ پاؤں طاہر تھے' یعنی ان پر حدث نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں موزے ایسی حالت میں پہنے جائیں کہ پاؤں پر حدث نہ ہو' اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ پورا وضو کر کے پہنے ہوں' دوسرے یہ کہ صرف پاؤں دھو کر پہنے ہوں' مگر حدث ہونے سے پہلے وضو مکمل کرلیا ہو۔ اس دوسری صورت میں بھی یہ صادق آئے گا کہ موزے ایسے حالت میں پہنے ہیں کہ پاؤں پر حدث نہیں تھا۔

ت ٤٥ - وَاَكَلَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ لَحْمًا فَلَمْ يَتَوَضَّئُوْا.

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے گوشت کھایا اور وضو نہیں کیا۔

(طبرانی مسند الشامیین' ابن ابی شیبہ' طحاوی۔ باب: اكل ما غيرت النار هل يوجب الوضوء ام لا۔ ص ٤١)

باب کا فائدہ

چونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں کو آگ نے بدل دیا ہو' اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔ اور بعض صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب تھا' بلکہ بعض حضرات اس پر بہت شدت برتتے تھے۔ امام زہری کا یہی مذہب تھا۔ سلیمان بن ہشام اس سے پریشان تھا' اس نے قتادہ سے شکایت کی کہ ہم جب بھی کچھ کھاتے ہیں تو زہری ہمیں وضو کرائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ میں نے اسے بتایا کہ سعید بن مسیب نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: غذا جب کھاؤ تو پاک صاف ہے' اس میں وضو نہیں' البتہ جب غذا نکلتی ہے تو گندگی ہے' اس پر وضو ہے۔ سلیمان نے کہا: تم دونوں نے اختلاف کرلیا' کیا شہر میں کوئی اور ہے؟ قتادہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نے کہا: ہاں! عطاء ہیں۔ سلیمان نے حضرت عطاء کو بلوایا اور ان سے پوچھا تو حضرت عطاء نے یہ حدیث بیان کی:

مجھ سے جابر بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ گوشت روٹی کھایا اور بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ (طحاوی۔ ج ا ص ۴۹)

یہ حکم یا تو لوگوں کو نظافت اور صفائی کی عادت ڈالنے کے لیے ابتداء میں تھا' بعد میں منسوخ ہو گیا' جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں میں اخیر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی اور وضو نہیں فرمایا[1] یا یہ کہ ان احادیث میں وضو سے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے' جیسا کہ ابن ماجہ میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا تو کلی کی اور ہاتھوں کو دھویا اور نماز پڑھی۔

(کتاب الطہارۃ۔ باب: الرخصة فى ذلك۔ ص۳۸' طحاوی۔ باب: اكل ما غيرت النار۔ ص۴۰)

''الوضوء'' صرف ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے معنی میں خود حدیث میں ہے' فرمایا: ''بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده[2]'' یہاں بالاتفاق صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''توضوء وامما مست النار'' میں امر استحباب کے لیے لے لیا جائے' چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا' اس لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا: جو بکری کے گوشت اور ستو کھانے کے بعد وضو نہ کرے۔ امام بخاری نے جتنی تعلیق ذکر کی ہے' اس سے باب ثابت نہیں ہوتا۔ یہ کب کوئی کہتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے فوراً بعد وضو فرض ہے۔ وضو نماز پڑھنے کے لیے فرض ہے۔ اس میں کہاں ہے کہ گوشت کھا کر ان حضرات نے وضو کیے بغیر نماز بھی پڑھی' مگر اصل تعلیق میں یہ ہے' جیسا کہ ابھی حضرت جابر کی حدیث گزری اور یہی بقیہ حضرات سے بھی مروی ہے کہ گوشت کھا کر وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ان حضرات نے گوشت کھا کر وضو کیے بغیر نماز پڑھی اور صحابہ میں کسی نے ٹوکا نہیں' تو یہ اس پر اجماع سکوتی ہو گیا کہ اس میں وضو نہیں' مگر حقیقت میں اجماع نہیں' کثیر صحابہ مثلاً حضرت زید بن ثابت' حضرت ابو ہریرہ' حضرت انس اور حضرت ابو ایوب انصاری اور ازواج مطہرات میں حضرت صدیقہ' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو واجب ہے۔ علاوہ ازیں امام حسن بصری' امام زہری' ابو قلابہ' ابو مجلز' عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ اب ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں وضو نہیں' البتہ امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

١٥١- ح: اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

[(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) بکری کا شانہ کھایا' پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا]

١٥١ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا' اس کے بعد نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ باب: النحش والنشال اللحم۔ ص ۸۱۳' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء مما مست النار۔ ص ۱۵۷' ابوداؤد۔ ج ا۔ باب: ترك الوضوء مما مست النار۔ ص ۲۵)

---

[1] ایضاً۔ ص ۴۰' ابوداؤد۔ ج ا۔ باب: ترك الوضوء مما مست النار۔ ص ۲۵' نسائی۔ ج ا۔ باب: ترك الوضوء مما غيرت النار۔ ص ۴۰

[2] ابوداؤد۔ ج ۲۔ باب: غسل اليدين عند الطعام۔ ص ۱۷۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۵۲ - اَخْبَرَنِیْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّةَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَدُعِیَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاَلْقَی السِّكِّیْنَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّاْ.

حضرت عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ بکری کا شانہ کاٹ کر کھا رہے تھے اور نماز کے لیے بلائے گئے حضور نے چھری رکھ دی اور نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

(ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا دعی الامام الی الصلوٰۃ وھو یاکل۔ ص ۹۳۔ ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: قطع اللحم من السکین۔ ص ۸۱۲۔ باب: شاۃ مسمومۃ والکتف واجب۔ ص ۸۱۵۔ باب: اذا حضر العشاء فلایعجل عن عشائہ۔ ص ۸۲۱، مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء مما مست النار۔ ص ۱۲۵، ترمذی۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الرخصۃ فی قطع اللحم بالسکین۔ ص ۲۸۸)

تکمیل

کتاب الاطعمہ میں بہ طریق محمد بن سیرین یہ ہے: ''تَعَرَّقَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم كَتِفًا''۔ ''تعرق'' کے معنی ہیں: ہڈی کے اوپر کا گوشت کھایا۔ اس کا مادہ ''عَــرْقٌ'' ہے، اس کے معنی اس ہڈی کے ہیں جس پر گوشت ہو، وہیں بہ طریق عکرمہ یہ ہے: ''انتشل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عرقا من قدر فاکل''۔ ''انتشل'' کے معنی ہیں: ہاتھ سے بغیر چمچے کے ہانڈی سے گوشت نکالنا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے ہاتھ سے ہانڈی میں سے گوشت نکالا اور تناول فرمایا۔

ابوداؤد میں بہ طریق یحییٰ بن یعمر یہ ہے: ''انتهس من كتف'' شانے کا گوشت سامنے کے دانتوں سے تناول فرمایا۔ ''نہس'' سین مہملہ سے ہو تو اس کے معنی سامنے کے دانتوں سے نوچنا ہے اور شین معجمہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ڈاڑھوں یا کل دانتوں سے کھانا ہے۔ ابوداؤد میں اتنا زائد ہے کہ کھانے کے بعد اس ٹاٹ سے جس پر حضور بیٹھے تھے ہاتھ پونچھا۔ یہ واقعہ حضور کے چچا حارث بن عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت ضباعہ کے گھر ہوا تھا۔

ایک سند کی توضیح

کتاب الاطعمہ میں امام بخاری نے یہ حدیث دو طریقوں سے ذکر کی، ایک بہ طریق محمد بن سیرین۔ دوسرے بہ طریق عکرمہ، بہ طریق عکرمہ کی سند ''وعن ایوب و عاصم'' سے ذکر کی۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ تعلیق ہے، اسے تعلیق کہنا غلط ہے، بلکہ یہ متابعت ہے۔ یہ حدیث حماد بن زید، امام بخاری کے شیخ الشیخ کے پاس بہ روایت ایوب دو سندوں اور دو لفظوں کے ساتھ تھی۔ ایک بواسطہ محمد بن سیرین، لفظ اوّل کے ساتھ۔ دوسرے بواسطہ عکرمہ بلفظ ثانی۔ ان دونوں سندوں کے ساتھ امام بخاری کو بواسطہ عبداللہ بن عبدالوہاب ملی ہے۔

اس متابعت کا فائدہ یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابن سیرین نے حضرت ابن عباس سے حدیث نہیں سنی ہے، حضرت ابن عباس سے بواسطہ عکرمہ روایت کرتے ہیں، اس سے لازم آیا کہ اس سند میں انقطاع ہے۔ امام بخاری نے اس کی متابع ایک اور حدیث ذکر کر دی، جس میں انقطاع کا وہم نہیں۔

باب سے مطابقت

امام بخاری نے باب میں ستو کا بھی اضافہ فرمایا ہے، اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، کسی میں ستو کا ذکر نہیں، بات یہ ہے کہ یہاں جزئیات کی بحث نہیں۔ ایک قاعدہ کلیہ پر بحث ہو رہی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ گوشت آگ پر پکا ہوا تھا حضور نے تناول فرمایا اور بغیر اعادہ وضو کے نماز پڑھی تو ثابت ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانا ناقض وضو نہیں۔ اسی کا ایک

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فردستو بھی ہے تو ثابت ہوا کہ اس کے کھانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا' اسی کو دوسرے طریقے سے یوں کہہ دیا جائے کہ گوشت میں چکنائی ہوتی ہے جو دیر میں جاتی ہے' جب چکناہٹ کے باوجود گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں تو ستو سے بہ درجہ اولیٰ واجب نہ ہوگا۔

چھری کے ساتھ گوشت کاٹ کر تناول کرنا

اس حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لیے بلائے گئے تو گوشت اور اس چھری کو رکھ دیا جس سے گوشت کاٹ کر تناول فرماتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کھانے میں چھری کا استعمال جائز ہے' حالانکہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:

لا تقطعوا اللحم بالسكين فانه من صنيع الاعاجم وانهسوه فانه اهنأ وامرء.

گوشت چھری سے کاٹ کر مت کھاؤ' اس لیے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے' دانت سے کھاؤ' یہ زود ہضم اور زیادہ لذیذ ہے۔

(ابوداؤد' ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: اکل اللحم۔ ص ۱۷۴)

اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے' ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث قوی نہیں' اس کا ایک راوی ابومعشر نجیح المسندی الہاشمی صاحب مغازی ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور اس کی منکر احادیث میں سے یہ حدیث ہے' اس لیے اسے حرمت کی دلیل نہیں بنا سکتے مگر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے لیے شاہد ہے کہ جس سے قوت پا کر یہ قوی ہوگئی جیسا کہ خود ابوداؤد میں اس حدیث کے بعد حضرت صفوان بن امیہ سے اسی مضمون کی حدیث موجود ہے۔ بہ نظر دقیق دونوں میں تعارض ہی نہیں' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورۃً چھری استعمال فرمائی ہو' اس بناء پر کہ یہ گوشت سخت رہا ہو' دانت سے چھڑایا نہ جا سکتا ہو' اور ممانعت اعاجیم کے فعل سے ہے' وہ عادۃً شوقیہ چھری استعمال کرتے ہیں' ہاتھ سے کھانے کو معیوب جانتے ہیں جیسا کہ اہل یورپ کا حال معلوم ہے۔ مسائل: جماعت تیار ہو جائے تو مؤذن کو چاہیے کہ امام کو اطلاع کر دے' یہاں نماز کے لیے بلانے والے حضرت بلال تھے' نفی اگر محصور ہو تو نفی پر شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔

۱۵۳ - ح: اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّوِيْقَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو کھایا اور وضو نہیں فرمایا]

۱۵۳ - اَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ اَدْنٰى خَيْبَرَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر والے سال جہاد کے لیے نکلے' جب سب لوگ صہباء پہنچے جو خیبر کا مدینہ طیبہ سے قریبی علاقہ ہے تو حضور نے نمازِ عصر پڑھی' پھر توشہ منگوایا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا۔ حضور نے حکم دیا تو اسے بھگویا گیا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تناول فرمایا اور ہم لوگوں نے بھی کھایا' اس کے بعد حضور مغرب کے لیے اٹھے' حضور نے کلی کی اور ہم لوگوں نے بھی کی' پھر نماز پڑھی' اور حضور نے وضو نہیں فرمایا۔

(ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء من غير حدث۔ ص ۳۴۔ کتاب الجہاد۔ باب: حمل الزاد في الغزو۔ ص ۴۱۸۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ خیبر۔ ص ۶۰۳۔ ایضاً۔ باب: غزوۃ الحدیبیہ۔ ص ۶۰۰۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: السویق۔ ص ۸۱۲۔ باب: المضمضة بعد الطعام۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ص ۸۲۰' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ترک الوضوء مما غیرت النار۔ ص ۴۰' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرخصة فی ذلک۔ ص ۳۸'
موطا امام مالک۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ترک الوضوء مما مست النار۔ ص ۱۰)

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ

انصاری' اوسی' مدنی صحابی ہیں' ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کی ہے' کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے' ان سے کل سات حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف یہ ایک حدیث امام بخاری نے ذکر کی ہے۔

خیبر

مدینہ طیبہ سے چار منزل اُتر کی جانب یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ عمالقہ میں سے خیبر نامی ایک شخص یہاں آ کر اُترا' اُسی کے نام پر اس کا خیبر نام پڑ گیا۔ ۷ھ میں یہ فتح ہوا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ترقی دے کر شہر بنا دیا۔ یہ علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

صہباء

اصہب کا مؤنث ہے' جس کے معنی سفیدی سرخی مائل' ٹھنڈا دن' شیر کے ہیں۔ یہ خیبر کے ملحقات میں سے خیبر سے ایک دوپہر کی مسافت پر ایک گاؤں تھا' جو مدینہ طیبہ کی جانب یعنی خیبر سے دکھن کی طرف تھا' یہی وہ مشہور و معروف جگہ ہے جہاں سورج لوٹانے کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا تھا۔

(مشکل الآثار للطحاوی۔ ج ۴۔ باب۔ ص ۳۸۸' شفاء و شرحہ للملا علی القاری۔ ج ا۔ باب: فی انشقاق القمر و الشمس۔ ص ۵۸۹)

سورج لوٹانے کا معجزہ صحیح ہے

سورج لوٹانے کی حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا مگر یہ ابن جوزی کا جزاف و تہور ہے' حقیقت میں یہ حدیث حسن ہے۔ امام طحاوی اور امام قاضی عیاض نے اس کو صحیح کہا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

والحدیث صححه الطحاوی وعیاض واخرجه جماعة منهم الطبرانی بسند حسن و اخطأ من جعله موضوعا کابن الجوزی۔

اس حدیث کو طحاوی اور عیاض نے صحیح کہا' اسے محدثین کی ایک جماعت نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا' جن میں طبرانی بھی ہیں اور جس نے اسے موضوع کہا' اس نے غلطی کی جیسے ابن جوزی۔

(شامی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۲۴۱)

حضرت ملا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

فهو فی الجملة ثابت اصله وقد یتقوی بتعاضد الاسانید الی ان یصل الی مرتبة حسنة فیصح الاحتجاج به. (شرح شفا۔ ج ا ص ۵۸۹)

فی الجملہ اس حدیث کی اصل ثابت ہے' متعدد سندوں کی وجہ سے قوت پا کر مرتبہ حسن تک پہنچ گئی' اس لیے اس سے دلیل لانا صحیح ہے۔

پہلے امام بخاری نے یہ باب باندھا تھا کہ گوشت یا ستو کھانے سے وضو نہیں۔ اب یہ باب باندھا ہے کہ ستو کھانے کے بعد کلی کرنی ہے۔ ان سے دو افادے مقصود ہیں' ایک یہ کہ جیسے ستو کھانے کے بعد کلی کرنی ہے' اسی طرح گوشت وغیرہ کھانے کے بعد بھی کلی کرنی ہے' اس لیے کہ ستو میں چکنائی نہیں ہوتی' جب اس کے کھانے کے بعد کلی ہے تو جن چیزوں میں چکنائی ہو' ان کے کھانے کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بعد بہ رجۂ اولیٰ کلی کرنی چاہیے۔

دوسرا یہ کہ جن احادیث میں آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے پر وضو کا حکم ہے ان میں وضو سے لغوی وضو مراد ہے شرعی نہیں تاکہ احادیث کا تعارض اُٹھ جائے۔

شوکانی صاحب کا ردّ

شوکانی صاحب نے نیل الاوطار میں لکھا کہ "توضؤوا مما مست النار" میں وضو سے لغوی معنی مراد لینا درست نہیں اس لیے کہ حقائق شرعیہ غیر پر مقدم ہوتے ہیں۔ اس پر عرض ہے کہ نصوص میں تعارض دفع کرنے کے لیے بعض نصوص میں لغوی معنی مراد لینا ضرورتِ شرعیہ ہے۔ ضرورتِ شرعیہ کی بناء پر معانی شرعیہ سے عدول میں کوئی حرج نہیں۔

نیز انہوں نے نسخ کے قول پر یہ ایراد کی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کوئی حکم دیں تو فعل رسول اس قول رسول کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی فریب ہے۔ اوّلاً: یہ اس وقت ہے جبکہ وہ عمل خصائص میں سے ہو جیسے نیند کا ناقض نہ ہونا اور خصائص میں سے ہونے کے لیے دلیل لازم ہے۔ یہاں کوئی دلیل نہیں اس لیے دعویٰ تخصیص ساقط اور جب تخصیص ثابت نہیں تو یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ناسخ نہیں ہوسکتا' بے دلیل ہوا۔

ثانیاً: اس حدیث میں تصریح ہے کہ ہم لوگوں نے بھی ستو کھایا اور صرف کلی کر کے نماز پڑھی اگر آگ پر پکی ہوئی چیز کا ناقض وضو نہ ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ضرور وضو کا حکم دیتے۔ اسی سے ان کا یہ اجتہاد بھی باطل ہوگیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں میں سے صرف بکری کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا' بقیہ تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ ستو کھانا ناقض وضو نہیں' نیز مسلم شریف[1] میں روٹی کا بھی ذکر ہے' اس لیے بکری کے گوشت کا حصر باطل ہے۔

مسائل

کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد کلی کر لینی مستحب ہے' ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھ سکتے ہیں' بہتر یہ ہے کہ سفر میں تمام رفقاء اپنے اپنے کھانے ایک جگہ جمع کر کے کھائیں' اس لیے کہ جماعت میں برکت ہے۔ حاکم اسلام کو اس کی اجازت ہے کہ عندالضرورت غلے کی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کا بہ جبر غلہ نکلوا کر فروخت کروائے' سالارِ فوج لشکر کی خبر گیری کرتا رہے' اگر ضرورت ہو تو سب کی خوراک اکٹھی کر دے تاکہ جن کے پاس خوراک نہ ہو انہیں بھی غذا مل جائے۔

١٥٤ - ح: اَكَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بکری کا) شانا کھایا' پھر نماز پڑھی' اور وضو نہ کیا]

١٥٤ - عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس (بکری) کا شانہ کھایا' پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(مسلم۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء مما مست النار۔ ص ١٥٧)

امام بخاری نے جو باب باندھا تھا: جس نے ستو سے صرف کلی کی اور وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں نہ ستو کا ذکر ہے نہ کلی کا۔ علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ بخاری کے جس نسخے پر فربری کے دستخط ہیں' یہ حدیث اس کے پہلے والے باب میں ہے۔

---

[1] مسلم۔ ج ١ ص ١٥٧۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء مما مست النار

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس باب میں صرف پہلی والی سوید بن نعمان والی حدیث ہے' ناقلین کی غلطی سے یہ حدیث اس باب میں لکھی گئی' باب سے مطابقت تو نہیں لیکن اس سے ایک افادہ کی جانب اشارہ ہوسکتا ہے کہ کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد نماز پڑھنے کے لیے کلی کرنی فرض وواجب نہیں' مستحب ہے۔ کرلیا گیا تو بہتر ہے نہ کیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔

١٥٥- ح: اَلْمَضْمَضَةُ مِنَ اللَّبَنِ [دودھ پینے کے بعد کلی کرنا]

١٥٥ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهُ دَسَمًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا' اس کے بعد کلی کی اور فرمایا: اس میں چکناہٹ ہے۔

(مسلم۔ ج١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء مما مست النار۔ ص١٥٧' ابوداؤد۔ ج١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء من اللبن۔ ص٢٦' ترمذی۔ ج١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المضمضة من اللبن۔ ص١٢' نسائی۔ ج١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المضمضة من اللبن۔ ص٤٠' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المضمضة من شرب اللبن۔ ص٣٨)

دودھ پینے کے بعد وضو کرنا

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ بعض صحابہ کرام دودھ پینے کے بعد وضو لازم جانتے تھے' ان کی دلیل یہ ہے کہ دودھ کے بارے میں فرمایا:

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل:٦٦)

ان جانوروں کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے ○

چونکہ دودھ' لید اور خون کے مابین رہتا ہے' اس لیے اس کے پینے کے بعد وضو ضروری ہے' لیکن اگر یہ استدلال صحیح مان لیا جائے تو کلام اس کی حلت' حرمت یا کم از کم کراہت میں کرنا پڑے گا' دودھ خون اور لید کے مابین رہتے ہوئے ان دونوں سے بالکل الگ تھلگ صاف ستھرا رہتا ہے' گوبر اور خون کا کوئی اثر اس میں نہیں آپاتا' اس لیے اس کا پینا بلا کسی ادنیٰ کراہت کے جائز اور پینے کے بعد کلی کی وجہ یہ نہیں کہ وہ لید اور خون کے درمیان رہتا ہے بلکہ اس کی چکناہٹ ہے' جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔

حدیث میں "ان لـه دسـمـا" فرما کر کلی کرنے کی علت پر تنصیص فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلی کرنے میں آگ پر پکے ہونے کو یا لید اور خون کے درمیان ہونے کو کوئی دخل نہیں۔ اسی سے مستفاد ہوا کہ گوشت کھانے کے بعد کلی کا حکم اس کی چکناہٹ کی بنا پر ہے اگر آگ پر پکے ہونے کی وجہ سے نہیں' اسی سے یہ ثابت ہوگیا کہ دودھ پینے کے بعد بہرحال کلی کرنا مستحب ہے' اگرچہ کچا ہو' پکا ہوا نہ ہو' اس لیے دودھ اور ستو کھانے کے بعد کلی کرنے سے بہ طور دلالۃ النص یہ معلوم ہوا کہ کچھ بھی کھایا جائے اور فوراً نماز پڑھنی ہو تو کلی کرلینی مستحب ہے۔ اس لیے کہ ستو اور دودھ میں علت مشترکہ اس کا منہ میں اثر باقی رہنا ہے' اور تجربہ شاہد ہے کہ کچھ بھی کھایئے تو اس کا اثر منہ میں رہتا ہے۔

ستو کھانے' دودھ پینے کے بعد کلی کا حکم استحبابی ہے' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا' اس کے بعد نہ کلی کی اور نہ وضو فرمایا اور نماز پڑھی۔

(ابوداؤد۔ ج١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرخصة فی ذلك۔ ص٢٦)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

١٥٦ - ح: اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ

[جب نماز کی حالت میں کوئی اونگھے تو اس پر لازم ہے کہ سو جائے]

١٥٦ - عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِي لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کی حالت میں کوئی اونگھے تو اسے لازم ہے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند کا اثر ختم ہو جائے اس لیے کہ نیند کی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے اسے کیا خبر ہو سکتا ہے کہ استغفار کرنا چاہتا ہو اور اپنے اوپر بددعا کر دے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: من نعس فی صلوٰته ان یرقد۔ ص ٢٦٧ ' ابوداود۔ ج ا۔ باب: النعاس فی الصلوٰۃ۔ ص ١٨٦ ' نسائی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: النعاس۔ ص ٣٧)

١٥٧ - عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقْرَاُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھے تو اسے لازم ہے کہ سو جائے یہاں تک کہ جو پڑھے اسے سمجھنے لگے۔

باب سے مطابقت

امام بخاری نے ان احادیث پر جو باب باندھا ہے اس کے دو جز ہیں ایک یہ کہ نیند سے وضو ہے دوسرے یہ کہ جس نے ایک دو بار اونگھنے اور ایک جھونکے سے وضو واجب نہیں جانا۔ پہلے جز کے مطابق امام بخاری کوئی حدیث نہیں لائے۔ غالباً ان کے نزدیک نیند کا ناقض وضو ہونا ایسا مسلم الثبوت ہے کہ اس پر دلیل لانے کی حاجت نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شرط پر کوئی حدیث انہیں نہ ملی ہو ورنہ بہت سی متفق علیہ باتوں کا باب باندھا ہے اور اس کے مطابق حدیث لائے جبکہ یہاں نیند کا مطلقاً ناقض وضو ہونا متفق علیہ نہیں۔ ایک دو بار اونگھ نیند کے ایک جھونکے سے وضو کا ٹوٹنا مختلف فیہ ہے اس لیے اس کے متعلق حدیث ذکر فرمائی مگر یہ وجہ خفی ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے کیسے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دو بار اونگھ یا ایک جھونکے سے وضو نہیں ٹوٹتا یا ٹوٹتا ہے؟

اس کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی حکم کے پائے جانے کی دو یا دو سے زائد علتیں بن سکتی ہوں تو اصولی طور پر ان میں جو علت قریبہ ہو اس کی طرف حکم کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہاں نماز ترک کرنے کی دو چیزیں علت بن سکتی ہیں ایک اونگھ سے وضو کا ٹوٹنا دوسرے اس حالت میں نماز کا مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے کا اندیشہ۔ وضو ٹوٹنا ترک نماز کی علت قریبہ ہے اور مضر ہونے کا اندیشہ علت بعیدہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چھوڑ کر سو جانے کی علت وضو ٹوٹنے کو نہیں قرار دیا بلکہ اندیشہ مضرت کو تو معلوم ہوا کہ اس اونگھ سے وضو ٹوٹتا ہی نہیں ورنہ ارشاد یہ ہوتا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھے تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اب نماز میں مشغول رہنے سے کیا فائدہ! اس سے ثابت کہ نماز میں اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ رہ گئی ایک یا دو بار اونگھ کی تخصیص تو غالباً امام بخاری نے اس کو اس طرح اخذ کیا ہے کہ نماز میں اس سے زیادہ ممکن نہیں مگر یہ بہت ہی سطحی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ نماز میں انسان پوری نیند سو سکتا ہے۔ اور بہ نظر دقیق یہی زبردستی ہے کہ امام بخاری ایک یا دو اونگھ یا ایک جھونکے کو ناقض وضو نہیں مانتے۔ انہوں نے باب اس طرح باندھا ہے جس سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ ان کا مسلک کیا ہے؟

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نماز میں سونا‘ ناقض وضو نہیں

تحقیق یہ ہے کہ نماز میں سونا مطلقاً ناقض وضو نہیں‘ خواہ نماز کی کسی بھی حالت میں سوئے‘ جیسا کہ احناف کا مسلک ہے‘ اس لیے کہ نیند بہ ذاتہٖ ناقض وضو نہیں بلکہ خروج ریح کے مظنہ ہونے کی بناء پر ہے۔ اس وجہ سے جن صورتوں میں خروج ریح کا مظنہ ہے‘ ان صورتوں میں سونا ناقض وضو ہے اور جن حالتوں میں یہ مظنہ نہیں‘ ان صورتوں میں نیند ناقض وضو نہیں۔ اس کی بنیاد استرخاء مفاصل ہے‘ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے‘ فرمایا:

ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا فانه اذا نام مضطجعا استرخت مفاصله.

وضو صرف اسی پر واجب ہے جو کروٹ کے بل سوئے‘ اس لیے کہ جب کروٹ کے بل سوئے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔

(ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء من النوم۔ ص ۱۲‘ ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الوضوء من النوم۔ ص ۲۶)

اس حدیث کے ایک راوی ابو خالد یزید دالانی پر کلام کیا گیا ہے‘ مگر بہت سے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ امام احمد اور نسائی نے کہا کہ ”لا باس به“ ابوحاتم نے ان کو ثقہ کہا۔ امام ذہبی نے مغنی میں کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد بھی ہیں‘ جن سے قوت پا کر یہ درجۂ حسن تک پہنچ گئی‘ اس لیے لائق استدلال ہے۔

اس حدیث میں کروٹ پر سونے کو ناقض وضو اس لیے فرمایا کہ کروٹ پر سونے سے مفاصل ڈھیلے پڑ جاتے ہیں‘ جس سے ثابت ہوا کہ ناقض وضو ہونے کی علت ایسی نیند کو ٹھہرایا گیا جس سے استرخاء مفاصل ہو‘ اس لیے نقض وضو کا حکم نوم مع استرخاء مفاصل کے ساتھ دائر ہوگا۔ کروٹ کے بل سونے کے علاوہ جن جن صورتوں میں استرخاء مفاصل ہوگا‘ ان تمام صورتوں میں سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا اور جن صورتوں میں نہ ہوگا‘ ان صورتوں میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا‘ اور یہ ظاہر ہے کہ نماز کی جتنی ہیئت ہے کسی میں استرخاء مفاصل نہیں‘ اس لیے بہ طریق مسنون نماز پڑھنے کی حالت میں سونا ناقض نہیں‘ البتہ عورتوں کا سجدہ اس سے مستثنیٰ ہے‘ ان کے سجدے کی ہیئت ایسی ہے جس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی مرد‘ عورتوں کی طرح سجدہ کرے اور سو جائے تو مرد کا بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

نماز کی نیند ناقض وضو نہیں‘ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سوئے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے‘ اونگھ جاتے‘ فرماتے ہیں:

فجعلت اذا اغفیت یاخذ بشحمة اذنی. جب میں اونگھتا تو حضور میرے کان کی لو پکڑتے۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب المسافرین۔ باب: صلٰوۃ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ودعائه باللیل۔ ص ۲۶۱)

ان کے علاوہ مزید مندرجہ ذیل احادیث بھی ہیں‘ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کھڑے‘ بیٹھے‘ سجدے کی حالت میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لیس علی المحتبی النائم ولا علی القائم النائم وضوء حتی یضطجع فاذا اضطجع توضا.

جو شخص دونوں پاؤں کھڑے کر کے سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھا بیٹھا سو جائے یا کھڑے کھڑے سو جائے‘ اس پر وضو نہیں جب تک کہ کروٹ کے بل سوئے نہیں‘ جب کروٹ کے بل سو جائے تو وضو کرے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نیز دار قطنی میں ہے:

لا وضوء علی من نام قائما. کھڑے کھڑے سونے والے پر وضو نہیں۔

پھر بیہقی میں ہے:

لا یجب الوضوء علی من نام جالسا او قائما او ساجدا حتی یضع جنبہ. جو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر یا سجدے کی حالت میں سو جائے اس پر وضو نہیں جب تک اپنا پہلو نہ رکھے۔

ان سب کا قدر مشترک وہی نکلا جو حدیث اوّل میں مذکور ہے کہ اگر ایسی حالت میں سویا جس سے استرخاء مفاصل ہو جائے تو وضو ٹوٹا ورنہ نہیں۔

مختلف احادیث کا محمل

اس بارے میں وارد مختلف احادیث کا محمل یہی ہے کہ جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیند ناقض وضو ہے، ان سے مراد وہ نیند ہے جس سے استرخاء مفاصل ہو اور جن سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیند ناقض وضو نہیں، ان سے مراد وہ نیند ہے جس سے استرخاء مفاصل نہ ہو۔

ایضاح البخاری کا ردّ

ایضاح البخاری میں اپنے شیخ الہند کی باب سے مطابقت کی یہ تقریر نقل کی کہ ابطال عمل ممنوع ہے، اس لیے مراد یہ ہے کہ جو نماز پڑھ رہا تھا اسے جلدی جلدی پوری کر کے سو رہے، اونگھنے کے باوجود نماز پوری کرنے کی ہدایت سے معلوم ہوا کہ اونگھنا ناقض وضو نہیں، جو بھی ادنیٰ سمجھ رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ تقریر حدیث کے سیاق کے منافی ہے، جب اونگھنے کی وجہ سے اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں دعا کے بجائے بددعا نہ کرنے لگے تو یہ خطرہ نماز پوری کرنے میں بہر حال ہے، پھر نماز پوری کرنے کی اجازت کا کوئی محمل نہیں۔ رہ گئی ابطال عمل کی بات تو گزارش ہے کہ ابطالِ عمل اس وقت منع ہے جب کوئی عذر شرعی یا داعیۂ شرعی نہ ہو۔ جب کوئی داعیۂ شرعی پایا جائے تو ابطالِ عمل ممنوع نہیں، مثلاً نماز کی حالت میں سانپ آ گیا، آگ لگ گئی، قضاء حاجت کی ضرورت شدید ہو گئی تو کیا ارشاد ہے؟ پھر جہاں شارع کی طرف سے اجازت ہو وہاں ممنوع ہونے کا کیا سوال؟ علامہ عینی نے اس حدیث سے مستنبط مسائل کے تحت لکھا: اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ غلبۂ نوم کے وقت نماز توڑ دے۔

ایسی حالت میں نماز سے ممانعت اس لیے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وقت اجابت ہو اور یہ بددعا کر دے جو قبول ہو جائے، اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں حضور قلب اور باخشوع وخضوع رہنا چاہیے، احتیاط پر عمل بہتر ہے، ایسی نیند پر جس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہے فقہاء نے جنون، بے ہوشی، نشہ کو بھی قیاس کر کے ناقض وضو بتایا ہے۔

۱۵۸- ح: اَلْوُضُوْءُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ [ہر نماز کے وقت وضو کرنا]

۱۵۸ - عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قَالَ يُجْزِئُ اَحَدَنَا الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے وقت وضو فرماتے، میں نے پوچھا: آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: جب تک حدث نہ ہوتا، ہمیں ایک ہی وضو کافی ہوتا۔

(ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء لکل صلوۃ۔ ص ۹، نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء لکل صلوۃ۔ ص ۳۲، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء لکل صلوۃ۔ ص ۳۹، ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد۔ ص ۲۳، طحاوی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ج ا۔ باب: الوضوء هل يجب لكل صلوة۔ ص ٢٦)

وضو علی الوضو کے بارے میں مذاہب

(۱) بعض ظاہر یہ اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ مقیم پر ہر نماز کے لیے وضو واجب ہے' البتہ مسافروں کو ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنے کی اجازت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو سلیمان بن بریدہ عن ابیہ مروی ہے:

نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن مکہ میں ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح فرمایا' حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے آج ایسا کیا ہے کہ اس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے؟ حضور نے فرمایا: اے عمر! یہ میں نے قصداً کیا ہے۔ (مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: جواز الصلوات كلها بوضوء واحد۔ ص ۱۳۵' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرجل يصلى الصلوات كلها بوضوء واحد۔ ص ۲۳' طحاوی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء هل يجب لكل صلوة ام لا۔ ص ۲۵)

(۲) بہت سے صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور بہت سے تابعین مثلاً حضرت سعید بن مسیب' حضرت حسن بصری وغیرہ اس کے قائل ہیں' مقیم ہو یا مسافر سب پر ہر نماز کے لیے وضو واجب ہے' خواہ حدث ہو خواہ نہ ہو' ان کی دلیل آیۂ کریمہ کا ظاہری مفاد ہے کہ فرمایا:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ . (الآية) جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

(المائدہ: ٦)

اس میں یہ قید نہیں کہ جب تم محدث ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ ایک وضو سے زیادہ سے زیادہ پانچ نمازیں پڑھ سکتے ہیں' اس سے زائد نہیں۔

(۴) ائمہ اربعہ وغیرہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ وضو صرف حدث سے واجب ہے اور ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہیں پڑھیں۔ ان کی دلیل حدیث زیر بحث ہے۔ اس لیے کہ اگر ہر نماز کے لیے وضو فرض ہوتا تو حضرت انس اور صحابہ کرام بھی ہر نماز کے لیے ضرور وضو کرتے۔ اسی طرح مقیم اور مسافر کی تفریق ہوتی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کو ضرور بیان کرتے۔ علاوہ ازیں اس کی تائید میں بہت سی احادیث ہیں' مثلاً حضرت جابر کی وہ حدیث' وہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ایک انصاری بی بی کے گھر تشریف لے گئے' حضور کے سامنے بھنی ہوئی بکری پیش کی گئی' حضور نے اور ہم نے کھایا' اتنے میں ظہر کا وقت ہو گیا' حضور نے وضو فرمایا اور نماز پڑھی' پھر کھانے پر آئے اور جب عصر کا وقت ہو گیا تو نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ (طحاوی۔ ص ۲۶)

کیا حضور پر ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا؟

رہ گیا حضور اقدس ﷺ کا ہر نماز کے لیے وضو کرنا' اس کی امام طحاوی نے دو توجیہات کی ہیں' ایک یہ کہ ابتداء میں حضور اقدس ﷺ پر فرض تھا' بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس پر وہ اس حدیث سے دلیل لائے:

حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن ابو عامر نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کے مامور تھے' مگر جب یہ شاق ہوا تو وضو کے بجائے ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا۔ (طحاوی۔ ج ا۔ باب: الوضوء هل يجب لكل صلوة۔ ص ۲۵)

دوسری توجیہ یہ کہ بہر حال افضل یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو کیا جائے' حضور اقدس ﷺ افضل پر عمل فرماتے تھے' اس کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دلیل یہ حدیث ہے کہ ابوالفضل ہذلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی' نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر آئے' جب عصر کی اذان ہوئی تو پھر وضو فرمایا' میں نے ان سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا بات ہے! کیا ہر نماز کے لیے وضو ضروری ہے؟ فرمایا: تم نے ٹھیک سمجھا' یہ سنت واجبہ نہیں۔ صبح کی نماز کا وضو تمام نمازوں کے لیے کافی ہے' جب تک حدث نہ ہو۔

بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جو وضو پر وضو کرے گا' اس کے لیے دس نیکیاں ہوں گی اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے میں نے ایسا کیا ہے۔ (ایضاً۔ ص ٢٥)

باب کا فائدہ

فائدہ اولیٰ: چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا' اس لیے تنقیح کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا اور یہ افادہ فرمایا کہ وضو ہوتے ہوئے نماز کے لیے وضو فرض نہیں' ورنہ حضرت انس اور صحابہ کرام ضرور ہر نماز کے لیے وضو کرتے۔ حضور اقدس ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ مستحب ہے' یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ ہر نماز کے لیے وضو کا فرض ہونا حضور کے خصائص سے ہو' اسے سوید بن نعمان والی حدیث ذکر کر کے دور فرمایا کہ منزل صہباء پر حضور نے عصر کے وضو سے نمازِ مغرب ادا فرمائی۔

فائدہ ثانیہ

وضو مقصود بالذات عبادت نہیں' مفتاح صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے عبادت ہے' جب وضو ہے تو پھر وضو کرنا بہ ظاہر لغو اور اسراف معلوم ہوتا ہے' اس کا ازالہ فرمایا۔ وضو پر وضو کرنا مستحب ہے اور باعث اجر اور فعل رسول ہے۔

١٥٩ - ح: دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ

١٥٩ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِّنْ حِيطَانِ الْمَدِيْنَةِ اَوْ مَكَّةَ فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِيْ قُبُوْرِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰى كَانَ اَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَكَانَ الْاٰخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا.

[آپ ﷺ نے ایک شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ مدینہ یا مکہ کے باغوں میں سے کسی باغ پر گزرے کہ دو انسانوں کی آواز سنی' جنہیں اپنی اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ان پر عذاب ہو رہا ہے' حالانکہ کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا ہے' اس کے بعد فرمایا: ہاں! بڑے گناہ پر' ان میں سے ایک پیشاب کر کے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا' اس کے بعد حضور نے کھجور کی ایک شاخ منگائی اور اسے دو ٹکڑے کیا' ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھا' دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا: جب تک یہ سوکھیں گی نہیں' ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(ایضاً۔ اس کے ایک باب بعد۔ ص ٣٥۔ کتاب الجنائز۔ باب: الجريد على القبر۔ ص ١٨١۔ باب: عذاب القبر من الغيبة والبول۔ ص ١٨٢۔ ج ٢۔ کتاب الادب۔ باب: الغيبة۔ باب: النميمة من الكبائر۔ ص ٨٩٣' مسلم۔ ج ١۔ باب: الدليل على نجاسة البول والتستر۔ ص ١٤١' ابوداؤد۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الاستبراء من البول۔ ص ٤' ترمذی۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التشديد في البول۔ ص ١١' نسائی۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التنزه من البول۔ ص ١٢' کتاب الجنائز۔ باب: وضع الجريد على القبر۔ ص ٢٩١' ابن ماجہ۔ باب: التشديد في البول۔ ص ٢٩' مسند امام احمد)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تکمیل

یہ واقعہ مدینہ میں ہوا یا مکہ میں؟ یہ اس حدیث کے ایک راوی جریر کا شک ہے' صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے' جیسا کہ کتاب الادب میں بغیر تردید کے "من حیطان المدینۃ" مذکور ہے۔ یہ باغ ام مبشر انصاریہ کا تھا[1] اور یہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں' اس لیے کہ ابن ماجہ میں ہے: "بقبرین جدیدین[2]" اور مسند امام احمد میں حضرت ابوامامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور جنت البقیع کے قریب سے گزرے تو حضور نے پوچھا: تم نے آج یہاں کس کو دفن کیا ہے؟ جنت البقیع میں ایسی نئی قبر سوائے مسلمانوں کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ نیز حدیث کا سیاق بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں' اس لیے کہ عذاب کا سبب پیشاب سے احتیاط نہ کرنا اور چغل خوری کو بتایا۔ اگر یہ کافر ہوتے تو عذاب کا سبب ان کے کافر ہونے کو بیان فرماتے۔

اس روایت میں ہے کہ "رکھا" اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ "غـــرز" گاڑا۔ مسند عبد بن حمید میں ہے کہ ان کے سروں کے پاس رکھا۔ علامہ ابن حجر نے نسائی کے حوالے سے لکھا کہ لانے والے حضرت بلال تھے۔

مسلم[3] کے اخیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو حدیث طویل مذکور ہے' اس سے کچھ لوگوں کو شبہہ ہوا کہ کھجور کی شاخ لانے والے حضرت جابر تھے' مگر یہ صحیح نہیں' وہ دوسرا واقعہ ہے۔ دونوں میں بہت تفاوت ہے' یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے' وہ سفر کا۔ یہاں صحابہ کرام کا مجمع تھا' وہاں ساتھ میں صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہاں یہ مذکور نہیں کہ وہ شاخ کس درخت سے منگائی تھی۔ وہاں تصریح ہے کہ خاص ان دو درختوں کی شاخیں منگائی تھیں جنہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ طریق اعجاز' قضاء حاجت کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ یہاں یہ ہے کہ شاخ ایک ہی تھی' اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک قبر پر رکھی' وہاں یہ ہے کہ دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ منگوائی۔ یہاں یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھا۔ وہاں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رکھوایا۔ یہاں عذاب کے سبب کی تصریح ہے کہ وہ پیشاب سے بے احتیاطی اور نمیمہ ہے' وہاں کوئی سبب مذکور نہیں۔ یہاں "لعلّ" کے ساتھ تخفیف عذاب کا ذکر ہے' وہاں "لعل" نہیں۔

گزشتہ سے مناسبت

نواقض وضو کا بیان ہو رہا تھا' اس میں یہ بتایا گیا کہ پیشاب' ناقض وضو ہے۔ ہر ناقض وضو کے لیے ناپاک ہونا لازم۔ فقہ کا مشہور و معلوم قاعدہ ہے' ہر حدث نجس ہے اور ہر نجس کا خروج ناقض وضو۔ جب پیشاب نجس ہے تو اس سے بدن اور کپڑے کا بچانا فرض۔ یہ بتانے کے لیے باب باندھا: "من الکبائر ان لا یستتر من البول" پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ میں سے ہے' اور ہر گناہِ کبیرہ سے اجتناب فرض' تو ثابت ہوا کہ پیشاب سے بچنا فرض' پھر اس کے بعد مسلسل کئی باب اس کے متعلق باندھے' جن میں پیشاب سے طہارت کا طریقہ مذکور ہے اور انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے پیشاب کا ذکر ہے۔

"لا یستتر" کا معنی

یہاں روایتیں مختلف ہیں۔ نسائی' کتاب الطہارۃ میں "لا یستنزہ" ہے اور کتاب الجنائز میں "لا یستبری" ہے۔ ابو نعیم نے مستخرج میں "لا یتوقی" روایت کیا ہے۔ "لا یستتر" کے معنی ہیں: پردہ نہیں کرتا تھا۔ اور "لا یستنزہ' لا یستبری' لا یتوقی" کے معنی ہیں: بچتا نہیں تھا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا: "لا یستتر" کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اپنے اور پیشاب کے مابین سترہ یعنی روک نہیں کرتا تھا' جس کا حاصل یہ ہوا کہ پیشاب کے چھینٹے اس پر پڑتے تھے۔ اب سب روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔

---

1. دار قطنی فی حدیث جابر 2. بخاری۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: تشدید فی البول۔ ص ۲۹ 3. مسلم۔ ج ۲ ص ۴۱۵

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہاں استتار کے حقیقی معنی یعنی پردہ کرنا مراد نہیں، اس لیے کہ اگر عذاب قبر کا سبب، کشف عورت ہوتا تو من البول کا ذکر بے فائدہ تھا۔ اتنا فرمانا کافی تھا کہ بے پردگی کرتا تھا۔ من البول کے اضافے سے معلوم ہوا کہ پیشاب کو عذاب قبر میں دخل ہے۔ یہ اسی وقت بنے گا کہ جب کہ استتار کے وہ معنی لیے جائیں جو ہم نے ذکر کیے۔ پیشاب کو عذاب قبر میں خاص دخل ہے۔ اس کی تائید ابن ماجہ[1] اور طبرانی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں تصریح ہے کہ فرمایا: ان میں سے ایک کو پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔ نیز ابن ماجہ[2] اور ابن خزیمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا، فرمایا: اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللفظ للاوّل:

عامة عذاب القبر فی البول فاستنزهوا من البول. (الترغیب والترہیب۔ ج ۱ ص ۱۱۶۔ ۱۱۵)

عام عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہے، اس لیے پیشاب سے بچو۔

قبر میں پیشاب کے بارے میں سوال ہوگا

نیز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا البول فانه اوّل ما یحاسب به العبد فی القبر. (ایضاً۔ ص ۱۱۸)

پیشاب سے بچو! اس لیے کہ قبر میں سب سے پہلے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس کا بھی احتمال ہے کہ یہاں "لا یستتر" پردہ کرنے کے معنی میں ہو یعنی پیشاب کرنے کی حالت میں پردہ نہیں کرتا تھا اور "من البول" بیان واقعہ کے لیے ہو تو بھی معنی بن سکتے ہیں۔

"صوت انسانین" میں واحد کی اضافت تثنیہ کی طرف ہے، اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ کا جزء ہو تو واحد کی اضافت تثنیہ کی طرف درست ہے، جیسے "اکلت راس شاتین" مگر جمع لانا بہتر ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا" اور اگر مضاف، مضاف الیہ کا جز نہ ہو تو اکثر یہی ہے کہ تثنیہ لایا جاتا ہے اور اگر التباس کا اندیشہ نہ ہو تو جمع بھی لانا درست ہے، جیسے اسی حدیث میں ہے: "فی قبورهما"۔

"وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ" میں "فی" تعلیل کے لیے ہے، جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال: ٦٨)

جو فدیہ تم نے لیا اس کی وجہ سے تمہیں بھاری عذاب پہنچتا ۝

اور جیسے حدیث میں ہے:

عذبت امراة فی هرة.

ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت کو عذاب دیا گیا۔

تعارض اور تطبیق

یہاں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، ارشاد فرمایا: کسی بڑے جرم کی وجہ سے انہیں عذاب نہیں ہو رہا ہے، پھر فرمایا: ہاں! بڑے جرم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ نسائی کی روایت میں "بلی" کے بعد "فی کبیر" مذکور ہے، نہ بھی مذکور ہوتا تو بھی معنی یہی تھے، اس لیے کہ بلی ایجاب نفی ماتقدم کے لیے آتا ہے۔

جیسے ارشاد ہے:

---

[1] ابن ماجہ۔ ص ۱۲۔ باب: التشدید فی البول [2] ایضاً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى. (الاعراف:۱۷۲) اللہ عزوجل نے پوچھا: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں! سب نے عرض کیا: ہاں ہے!

اس کی شراح نے بہت سی تاویلیں کی ہیں، سب سے اظہر یہ ہے کہ یہ دونوں گناہ ان کے خیال میں بڑے نہیں تھے، حالانکہ حقیقت میں بڑے ہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ بہ ظاہر لوگوں کی نظر میں بڑے نہیں، مگر شرعاً عند اللہ بڑے ہیں، جیسے واقعہ افک کے بارے میں فرمایا:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ○ تم اس کو معمولی سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بھاری جرم ہے○ (النور:۱۵)

یا یہ کہ بڑے نہیں، سے مراد یہ ہے کہ ان سے بچنا کوئی بڑی بات یعنی دشوار نہیں، اور عند الشرع بڑے گناہ ہیں۔

یہ دونوں مسلمان تھے کہ کافر؟

اس قسم کے واقعات احادیث میں متعدد ہیں، ایک تو وہ ہے جو مسلم شریف کی اخیر حدیث طویل میں مذکور ہے، دوسرا جو ابوموسیٰ مدینی سے الترغیب والترہیب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنی النجار کے ایسے لوگوں کی قبروں سے گزرے جو جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے۔

تیسرا وہ واقعہ جو طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا، جس میں یہ ہے:

بنی النجار کی ایسی عورتوں کی قبروں کے پاس سے گزرے جو جاہلیت میں مری تھیں۔

اس لیے ان سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث زیر بحث میں جن کا تذکرہ ہے وہ مسلمان نہیں کافر تھے۔ حدیث زیر بحث میں جن کے احوال مذکور ہیں وہ بلاشبہ مؤمن تھے۔ اس پر مندرجہ ذیل دلیلیں قائم ہیں:

(۱) اگر یہ کافر ہوتے تو عذاب کا سبب پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کھانا ذکر نہ فرماتے بلکہ ان کے کفر کو بیان فرماتے یا ان کے ساتھ کفر کو بھی ضرور ذکر فرماتے۔

(۲) اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ زیادتی ہے:

انصار کی دو جدید قبروں سے گزرے۔

انصار خاص اسلامی نام ہے، یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔

(۳) امام احمد کی روایت میں یہ ہے کہ حضور جنت البقیع سے گزرے تو دریافت فرمایا: آج یہاں تم نے کس کو دفن کیا ہے؟ خطاب صحابہ سے ہے اور صحابہ مسلمان ہی کو دفن کریں گے، نیز بقیع مسلمانوں ہی کا قبرستان ہے۔

گناہ کبیرہ کی تعریف

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نجاست سے آلودہ رہنا اور نمیمہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ گناہ کبیرہ کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟ اس میں علما میں مختلف قول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر وہ گناہ جس کی جزاء میں عذاب یا لعنت یا غضب مذکور ہو، کبیرہ ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا: حقوق العباد گناہ کبیرہ ہیں اور حقوق اللہ صغیرہ۔ مالک بن مغول نے کہا: بدمذہبوں کے گناہ کبیرہ ہیں اور اہل سنت کے گناہ صغیرہ۔ بعض نے کہا: بالقصد جو گناہ کیا جائے کبیرہ ہے اور بھول چوک سے جو گناہ ہو وہ صغیرہ۔ سدی نے کہا: مقصود بالذات جو گناہ ہو وہ کبیرہ ہے اور مقدمات و مبادی صغیرہ، مثلاً زنا کبیرہ ہے اور دیکھنا، چھونا، بوس و کنار صغیرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ جو گناہ موجب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حد ہو وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ۔ راجح پہلی تعریف ہے' اس کی تعداد میں مختلف روایتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ستر یا سات سو کے قریب ہیں' اور فرمایا: کوئی گناہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں اور اصرار کے بعد کوئی گناہ صغیرہ نہیں۔ نیز فرمایا: اللہ عزوجل کی ہر نافرمانی کبیرہ ہے۔ (تفسیر خازن۔ سورۂ نساء۔ تفسیر آية وان تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه)

تعداد

گناہ کبیرہ کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں' کسی نے سات کہا' کسی نے نو' کسی نے ستر' کسی نے قریب قریب سات سو' کسی حدیث میں تمام کبائر یکجا مذکور نہیں' جن لوگوں نے سات کہا' ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا:

سات برباد کرنے والی چیزوں سے بچو! اللہ کے ساتھ شرک' جادو' قتل ناحق' یتیم کا مال کھانا' سود کھانا' لڑائی سے بھاگنا' پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ (مسلم۔ ج ١۔ باب: اكبر الكبائر۔ ص ٦٥)

جن لوگوں نے نو کہا' انہوں نے ان سات پر دو کا اور اضافہ کیا: جھوٹی قسم اور بیت اللہ کی بے حرمتی۔ (عینی۔ ج ٣ ص ١١٤)

لیکن احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید ان گناہوں کا بھی کبیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے: تنگی رزق کی وجہ سے چھوٹے بچوں کا قتل' زنا خصوصاً پڑوسی کی عورت سے' یہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ (الفرقان: ٦٨) ماں باپ کی نافرمانی و ایذاء رسانی' جھوٹی گواہی' کسی کے ماں باپ کو گالی دینی' پیشاب سے ملوث رہنا' چغلی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا کبائر سات ہیں؟ فرمایا: یہ قریب قریب ستر ہیں بلکہ قریب قریب سات سو کے بھی مروی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ ان کی تعداد معین نہیں۔ کچھ گناہوں کے بارے میں تصریح ہے کہ یہ کبیرہ ہیں' جن گناہوں کے بارے میں کبیرہ کی تصریح نہیں' ان کے بارے میں امام ابومحمد بن عبدالسلام نے یہ ضابطہ ارشاد فرمایا:

ایسے گناہوں کا سب سے ہلکے گناہ کبیرہ سے تقابل کرو' اگر اس کا فساد اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو کبیرہ اور اگر کم ہے تو صغیرہ' مثلاً کسی پاک دامن عورت پر کسی بدکار کو قابو دینا کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے' کسی مسلمان کو پکڑ لینا کہ اسے کوئی قتل کر دے بلاشبہ بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے' حالانکہ کہیں ان کے گناہ کبیرہ ہونے کی تصریح نہیں' اس لیے کہ ان کی قباحت' ان کا فساد' مال یتیم کھانے سے بہت زیادہ ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس! (ماخوذ از نووی' شرح مسلم۔ ج ١ ص ٦٤)

پیشاب سے نہ بچنا کبیرہ ہے

چغل خوری تو بلاشبہ کبیرہ ہے مگر پیشاب سے نہ بچنا یعنی بدن یا کپڑے کا ناپاک رہنا کبیرہ ہے یا نہیں' یہ بحث طلب ہے' لیکن کبیرہ کی جو تعریف ہم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی' اس کی بناء پر یہ ضرور کبیرہ ہے' اس لیے کہ اس پر عذاب کی وعید وارد ہے' بلکہ عذاب کا مشاہدہ ہے' البتہ پیشاب سے ملوث ہونا بذاتہٖ کبیرہ نہیں' چونکہ ناپاک بدن اور ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ایسا شخص حقیقت میں تارک صلوٰۃ ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے کی عادت ڈالنی بلاشبہ گناہ کبیرہ ہے' بلکہ بالقصد ایک بار بھی ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے' چونکہ فساد نماز کی یہاں علت پیشاب سے ملوث رہنا ہے' یہی نماز کے فاسد ہونے کا ذریعہ بنا' اس لیے اسے کبیرہ فرمایا۔ اور اگر "لا یستتر" کو ظاہر معنی پر لیں' یعنی پیشاب کرنے کی حالت میں پردہ نہیں کرتا تھا تو بھی ظاہر ہے کہ بے ستری کی عادت ضرور کبیرہ ہے' ہر صغیرہ اصرار کے بعد کبیرہ ہو جاتا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کیا یہ وعید صرف انسان کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے؟

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وعید صرف انسان کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے یا ہر جانور کے پیشاب کو عام ہے۔ بخاری کی اس روایت میں ”من بولہ“ ہے جو بظاہر پہلے کی مؤید ہے۔ اور دوسری روایت جو چند سطر بعد بے عنوان باب کے تحت مذکور ہے اس میں ”من البول“ ہے یہ عموم پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کی مؤید وہ احادیث بھی ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں اس لیے کہ ان سب میں مطلقاً ”بول“ مذکور ہے جو اپنے مدلول کے لحاظ سے ہر بول کو شامل ہے۔

حیوانات کے پیشاب پاک ہیں یا ناپاک؟

اسی سے ایک دوسری بحث اُٹھ کھڑی ہوئی کہ انسان کے پیشاب کی طرح دوسرے حیوانات کے پیشاب پاک ہیں یا ناپاک؟ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ناپاک ہیں خواہ وہ حیوانات حلال ہوں یا حرام۔ تفصیلی بحث حدیث عرینیین میں آ رہی ہے۔

یہ وعید صرف پیشاب کو خاص ہے یا ہر نجاست کو عام؟

بہ ظاہر یہ وعید پیشاب کے ساتھ خاص معلوم ہوتی ہے مگر بہ نظر دقیق ہر نجاست کو عام ہے اس لیے کہ پیشاب کا اثر اس کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے۔ نجس ہونے میں ہر نجاست مساوی تو جو اس کا حکم ہے وہی اور نجاستوں کا ہونا ضروری ہے۔

غیبت اور نمیمہ کا فرق

بخاری کی روایتوں میں ”بالنمیمۃ“ ہے یہاں تک کہ امام بخاری نے کتاب الجنائز میں باب باندھا ہے: ”عذاب القبر من الغيبة والبول“ اس کے تحت بھی جو روایت لائے اس میں بھی یہ ہے: ”اما احدهما فكان يسعى بالنميمة“ غیبت کا لفظ اس میں بھی نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیبت اور نمیمہ امام بخاری کے نزدیک ایک ہیں ورنہ باب کے ساتھ مطابقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں مسند امام احمد میں بجائے نمیمہ کے غیبت ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ عینی نے امام نووی سے نقل فرمایا کہ کسی کی بات ضرر پہنچانے کے ارادے سے دوسروں کو پہنچانا نمیمہ ہے انہوں نے غیبت کی کوئی تعریف نہیں کی۔

علامہ ابن حجر نے کتاب الادب میں فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے اس لیے کہ بہ نیت ضرر کسی کا حال دوسرے تک بغیر اس کی مرضی کے پہنچانے کو نمیمہ کہتے ہیں خواہ اس کی موجودگی میں خواہ غیبوبت میں غیبت میں ضرر کی نیت شرط نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا حال دوسرے تک پہنچایا جائے البتہ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ جو بات نقل کی گئی اس کا نقل کرنا اسے ناپسند ہو یہ بات قول ہو فعل ہو عیب ہو یا نہ ہو ہر ایسی چیز جس کا افشاء کسی کو ناپسند ہو اس کا افشاء نمیمہ ہے مثلاً کسی نے کہیں مال دفن کیا اس کا افشاء بھی نمیمہ۔

تخفیف عذاب کی علت

ان کھجوروں کی شاخ رکھنے سے عذاب میں تخفیف کی علت کیا ہے؟ اس سلسلے میں امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

علماء نے فرمایا: یہ اس پر محمول ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کی شفاعت فرمائی حضور کی یہ شفاعت شاخوں کے سوکھنے تک قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضور اس وقت تک ان کے لیے دعا کرتے رہے ہوں۔ ایک قول یہ ہے: تخفیف عذاب اس وجہ سے ہوئی کہ یہ شاخیں جب تک گیلی رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی سوکھی تسبیح نہیں کرتیں آیہ کریمہ:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ. (الاسراء: ۴۴) ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔

میں اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شی سے زندہ مراد ہے، ان لوگوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی حیات اس کے اعتبار سے ہے۔ لکڑی کی زندگی سوکھنے تک اور پتھر کی اس وقت تک جب تک اپنے معدن سے جدا نہ کیا جائے، مگر محققین کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے یعنی زندہ مردہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے۔ اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز واقعی تسبیح کرتی ہے یا اس سے مراد تسبیح قہری ہے کہ ہر چیز کا وجود اس کی ہیئت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا صانع ہر عیب سے منزہ ہے۔ محققین نے فرمایا کہ ہر چیز حقیقت میں تسبیح کرتی ہے۔ (شرح مسلم۔ ج ۱۔ باب: الدليل على نجاسة البول والتستر عنه۔ ص ۱۴۱)

ان میں سے امام نووی کے نزدیک کیا حق ہے؟ انہوں نے بہ ظاہر کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، لیکن ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

استحب العلماء قراءة القران عند القبر لهذا الحديث لانه اذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريدة فبتلاوة القران اولى. وقد ذكر البخارى فى صحيحه ان بريدة بن الحصيب الاسلمى الصحابى اوصى ان يجعل فى قبره جريدتان ففيه انه رضى الله عنه تبرك بفعل النبى صلى الله عليه وسلم. (ایضا)

اس حدیث کی بناء پر علماء نے قبر پر قرآن مجید پڑھنے کو مستحب جانا، اس لیے کہ جب کھجور کی شاخ کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی اُمید ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بہ درجۂ اولیٰ اُمید ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ بریدہ بن حصیب اسلمی صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔ حضرت بریدہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے برکت حاصل کی۔

یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہی راجح ہے کہ تخفیف عذاب ان شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے ہے، یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عند التحقیق سوکھی لکڑی بھی تسبیح کرتی ہے تو تخفیف عذاب کو تر کے ساتھ خاص کیوں کہا؟ اس کا جواب علامہ شامی نے یہ دیا کہ ہری شاخ کی تسبیح بہ نسبت سوکھی کے زیادہ اکمل ہے، اس لیے ہری کی تسبیح تخفیف عذاب میں مؤثر ہے، جیسے حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام کی تسبیح، ذکر، دعا کا جو اثر و فائدہ ہے، وہ ہم جیسے عوام کی تسبیح اور ذکر و دعا کا اثر و فائدہ نہیں۔ تر نباتات کی تسبیح بہ نسبت سوکھے کے زیادہ قوی ہے۔ یہ خود مخالفین کے شاہ صاحب کو تسلیم ہے جیسا کہ انوار الباری میں ہے۔

اس کے بعد علامہ نووی نے لکھا کہ خطابی نے اس سے انکار کیا، کہا: جو لوگ اس حدیث کی بناء پر قبروں پر شاخ وغیرہ رکھتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں۔

حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری، خطابی کے اس انکار کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خطابی نے جو کچھ کہا، اس میں واضح بحث ہے، اس لیے کہ یہ حدیث قبروں پر ہری شاخ وغیرہ رکھنے کی اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا، خطابی کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں، یہ ممنوع ہے، یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے، اسی وجہ سے ہمارے بعض ائمہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ قبروں پر پھول اور شاخیں رکھنے کی جو عادت ہے، وہ اس حدیث کی روشنی میں سنت ہے۔

(مرقات۔ ج ۱۔ باب: آداب الخلاء۔ فصل اول۔ ص ۳۸۶)

حضرت ملا علی قاری کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ ان کے نزدیک نیز حضرت علامہ ابن حجر کے نزدیک تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح ہے اور یہی علامہ عینی کا بھی رجحان ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس لیے اس حدیث سے قبروں پر پھول وغیرہ رکھنے کا جواز ہی نہیں، استحسان ثابت ہوتا ہے۔

لطیفہ

یہاں ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ خطابی کی طرف منسوب تو یہ ہے کہ وہ تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح کو نہیں مانتے اور ساتھ ہی ساتھ علامہ عینی نے ان کا اس حدیث سے استنباط یہ نقل کیا کہ خطابی نے کہا: یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ قبروں پر قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے، اس لیے کہ جب درخت کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی اُمید ہے تو قرآن مجید برکت میں کہیں اس سے زیادہ ہے۔ (عینی۔ ج ۳۔ کتاب الوضوء۔ باب: من الکبائر ان لا یستتر من البول۔ ص ۱۱۶)

یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اصل علت ان شاخوں کی تسبیح ہے۔ خطابی کی اصل کتاب میرے پاس ہے نہیں کہ اصل حال کی تحقیق ہو سکے۔ علامہ ابن حجر نے طرطوشی کا یہ قول نقل کیا: تخفیف عذاب کی علت حضور کے دست مبارک کی برکت تھی۔ غیر مقلدین اور دیوبندی اس کو علت قرار دینے پر بہت زور دیتے ہیں، لیکن پھر یہ برکت اتنی محدود کیوں رہی کہ جب تک شاخیں ہری رہیں، تخفیف عذاب رہا، اس کو کوئی صاحب بتائیں؟

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی برکت اور دعا کی تاثیر اپنی جگہ ہے، حضور اقدس ﷺ کا دست مبارک تو دست مبارک ہے، اگر نعلین پاک کسی کی قبر پر رکھ دیں تو ہمیشہ کے لیے عذاب قبر کیا، عذاب جہنم ٹل جائے اور دعا کے اثر کا حال اس سے بھی بڑھ کر، پھر حضور نے تخفیف عذاب کی دعا کیوں نہیں کی؟ صرف دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس کیوں نہیں رکھا؟ اگر حضور ان کے عذاب میں تخفیف عذاب کے لیے دست مبارک رکھ دیتے یا دعا فرما دیتے تو کھجور کی شاخ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر حضور نے نہ دعا فرمائی نہ دست مبارک یا قدم مبارک یا نعل مقدس رکھا، کھجور کی شاخ رکھی۔ یہ دلیل ہے کہ اس خاص واقعہ میں تخفیف عذاب کی علت نہ دعا ہے، نہ دست مبارک کا رکھنا بلکہ صرف اس شاخ کی تری ہے، جس پر حدیث کا یہ ارشاد "ما لم تیبسا" نص ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر حضور دعا فرما کر یا دست مبارک رکھ کر تخفیف عذاب کر دیتے تو وصال اقدس کے بعد آنے والے ہزاروں لاکھوں اُمت کے افراد کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ معلوم نہ ہوتا۔ حضور نے کھجور کی شاخ رکھ کر اپنی قیامت تک کی اُمت کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ عطاء فرما دیا۔ دعا سے یا دست پاک کی برکت سے وہی مستفیض ہو سکتے تھے جو حیات ظاہری میں موجود تھے، مگر اس عطیہ سرکار سے قیامت تک کی اُمت بہرہ مند ہوتی رہے گی۔

فقہاء نے لکھا کہ قبرستان کی تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے، اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جب تک وہ ہری رہتی ہے، تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میت کو انسیت حاصل ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس پر علامہ محمد بن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

دلیله ما ورد فی الحدیث من وضعه علیه الصلوٰة والسلام الجریدة الخضراء بعد شقها نصفین علی القبرین الذین یعذبان وتعلیله بالتخفیف ما لم ییبسا ای تخفف عنهما برکة تسبیحهما اذ هو اکمل من تسبیح الیابس لما فی الاخضر من نوع حیاة وعلیه لکراهة قطع ذلك وان نبت بنفسه ولم یملك لان فیه تفویت الحق المیت ویوخذ من ذلك ومن

اس کی دلیل وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہری کھجور کی شاخ کو دو ٹکڑے کر کے ان قبروں پر رکھا جن میں عذاب ہو رہا تھا، اور حضور کا تخفیف عذاب کی یہ علت بتانا ہے کہ جب تک سوکھیں گی نہیں، ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی، یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے اس لیے کہ تر کی تسبیح سوکھی سے زیادہ کامل ہے، کیونکہ تر میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے، اس بناء پر قبرستان سے ہری گھاس کاٹنے کی کراہت اس لیے ہے کہ اس میں میت کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

الحديث ندب وضع ذلك الاتباع ويقاس عليه ما اعتيد في زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه. (ج١ص٦٠٧-٦٠٦)

حق تلفی ہے' اس مسئلے سے اور حدیث سے یہ حکم ماخوذ ہے کہ کھجور کی ہری شاخ رکھنا مستحب ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی پیروی میں اس پر قیاس کیا گیا وہ جو ہمارے زمانے میں عادت ہے کہ آس وغیرہ کی شاخیں رکھتے ہیں۔

علامہ شامی کی فقہاء احناف میں جو حیثیت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ان کی کتاب ردالمحتار' فقہ حنفی کی بہت مشہور اور مستند ہے۔ کوئی حنفی عالم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا' انہوں نے بہت واضح غیر مبہم طور پر بتا دیا کہ ان لوگوں پر تخفیف عذاب کی علت خود حضور نے یہ بتائی کہ جب تک یہ تر رہیں گی' ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی' اس لیے کہ تر شاخ کی تسبیح سوکھی کے بہ نسبت زیادہ کامل ہے' اس لیے کہ تر شاخ میں یک گونہ حیات ہے' تصریح فرما دی کہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع میں کھجور کی تر شاخ رکھنا مستحب ہے اور اس پر قیاس کر کے آس وغیرہ دوسرے تر نباتات رکھنا بھی۔

اس کے بعد ہمیں اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں' مگر دیوبندی وغیر مقلد شارحین نے یہاں عوام کو بہت مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے' اس لیے بحث کو مکمل کرنے کے لیے چند امور کا اضافہ ضروری ہے۔

اس حدیث میں تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تری اور تسبیح ہی ہے' یہی صحابہ کرام نے بھی سمجھا۔ چنانچہ سیدنا بریدہ بن الحصیب اسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔

(بخاری۔ ج١۔ کتاب الجنائز۔ باب: الجريد على القبر۔ ص١٨١)

اس قسم کی وصیت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی۔ شرح الصدور میں ہے کہ:

قتادہ نے کہا کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث (زیر بحث) بیان کی اور یہ وصیت کیا کرتے تھے کہ میری قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھ دینا۔ ان کا وصال کرمان اور قوس کے درمیان ایک میدان میں ہوا' وہاں کھجور کی شاخ نہ مل سکی' لوگ یہ باتیں کر رہے تھے کہ ان کی وصیت قبر میں شاخیں رکھنے کی تھی اور یہاں ہے نہیں' کیا کریں؟ اتنے میں بجستان کی طرف سے کچھ سوار آئے جن کے پاس کھجور کی شاخیں تھیں' ہم نے ان سے شاخیں لے کر ان کی قبر میں رکھ دیں۔ (ج٦ص١٥)

اس پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

قد تاسى بريده بن حصيب الصحابى بذلك فاوصى ان يوضع على قبره جريدتان واولى ان يتبع من غيره.

اس کی پیروی بریدہ بن حصیب صحابی نے کی اور یہ وصیت کی کہ ان کی قبر پر کھجور کی دو شاخیں رکھی جائیں' ان صحابی کی بہ نسبت دوسروں کے اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ظاہر ہے کہ حدیث کو صحابہ کرام سے زیادہ خطابی' طرطوشی نہیں سمجھ سکتے۔ صحابی نے اس کا مطلب یہی سمجھا کہ تخفیف عذاب کا سبب ان شاخوں کی تری ہے اور ان کی تری کو تخفیف عذاب میں دخل ہے' اس لیے اس کی وصیت کی۔ انہوں نے اس کو ان دونوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھا' اس لیے ان صحابہ کرام کی اتباع ہم کو بھی کرنی چاہیے۔ ان کے عمل کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور جو انہوں نے سمجھا' اس کو حق ماننا چاہیے۔

صاحب انوار الباری کا رد

اس پر صاحب انوار الباری کا یہ کہنا کہ ایک دو صحابی کے سوا دوسرے ہزارہا صحابہ کرام نے جو بات سمجھی وہ لوگ اور بھی لائق

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اتباع ہیں، جو شائبہ بدعت سے کوسوں دور ہے، چنانچہ ایک دو صحابی کے سوا کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہوا کہ اس نے قبروں پر ٹہنیاں یا پھول وغیرہ رکھانے کو سنت یا مستحب سمجھا ہو۔ (ج٦ ص ١٥)

آپ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہوا کہ جب تک کوئی عمل تمام صحابہ سے مروی نہ ہو، وہ قابل قبول نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو کہ دو یا چار صحابہ نے یہ کام کیا مگر بقیہ صحابہ سے یہ منقول نہ ہو کہ انہوں نے بھی کیا تو وہ لائق اعتبار نہیں۔ آپ کی یہ تحقیق ماننے کے بعد دین کا کیا حال ہوگا، وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اس تحقیق کو صحیح مان لینے کے بعد تمام شرائع ختم ہو جائیں گے اور تو اور نماز پڑھنی مشکل ہو جائے گی، بلکہ محال۔ آپ بتائیں کہ تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ لے جانا، ثناء پڑھنا، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، آمین بالسرّ کہنا، رکوع سجدے کی تسبیحات، تشہد وغیرہ کتنے صحابہ سے مروی ہے؟ کیا ان سب کے ردّ کے لیے آپ کی یہ منطق کافی نہ ہوگی؟ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے کسی فعل کا منقول ہونا کافی ہے، بشرطیکہ اس کے خلاف کسی صحابی کا قول نہ ہو۔ اور یہاں تو دو صحابہ کی وصیت اور تابعین کی جماعت کا عمل ثابت ہے، جس پر کسی صحابی، کسی تابعی نے کوئی انکار نہیں فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے:

اصحابی كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم. میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

آپ نے عدم ذکر کو ذکر عدم بنالیا، یہی آپ کی غلطی ہے، پھر ایسا بھی نہیں کہ صرف صحابی کا فعل ہی ہے، اس کی مؤید حدیث بھی ہے، اس کے باوجود آپ نے اس کے بدعت ہونے کا حکم لگا دیا۔ جب فعلِ رسول، فعلِ صحابہ، فعلِ تابعین بھی بدعت ہو جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں کے نزدیک سنت کس چیز کا نام ہوگا؟

دوسرا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ:

اور ظاہر ہے کہ یہ امر مغیبات میں سے ہے، اس لیے جب دوسروں کو اس کا علم ہی نہیں ہو سکتا تو ان کو اس فعل کا اتباع بھی درست نہ ہوگا۔ (انوار الباری۔ ج٦ ص ٥٠)

اب یہ دوسری تحقیق بھی اگر حق ہے تو کسی مسلمان کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تک فضول ہے، جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ گنہگار ہے، اس لیے کہ گنہگار ہونا نہ ہونا مغیبات سے ہے، جب ہمیں معلوم ہی نہیں کہ یہ گنہگار ہے یا نہیں، تو دعائے مغفرت بے کار۔ ہم ثابت کر آئے کہ تخفیف عذاب کی علّت ان کی تسبیح ہے، اگر یہ بندہ صالح عذاب قبر سے محفوظ ہے تو اس سے اسے اُنس حاصل ہوگا، نزول رحمت ہوگی، یہ فائدہ کیا کم ہے!

تیسرا اعتراض آپ کا یہ ہے:

پھر اس طریقہ کی غلطی پر یہی دلیل کافی ہے کہ بجائے فساق و فجور کی قبور کے جن کے لیے تخفیف عذاب کے اسباب کی ضرورت ہے، صلحاء و مقربین بارگاہ خداوندی کے مزارات پر یہ چیزیں چڑھاتے ہیں۔ (ایضاً۔ ص ٥١)

ان کا جواب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا بھی عمل ایسا ہی اُلٹا ہے۔ عوام غرباء، فساق و فجار کے جنازے میں جانے کی آپ حضرات تو زحمت نہیں اُٹھاتے مگر شیخ الحدیث حضرت جی، مہتم صاحب وغیرہ قسم کے اپنے صلحاء و مشائخ کے جنازے میں دھکے کھانے کے باوجود شریک ہوتے ہیں حالانکہ فساق و فجار کو نماز جنازہ و دعائے مغفرت کی آپ کے عقیدے کے مطابق آپ کے شیخ الحدیث و حضرت جی کی بہ نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ آپ بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں، اس کا پاس ضروری تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کشمیری صاحب کا ارشاد

فرمایا: بہ کثرت علماء سلف وخلف نے قبروں پر ٹہنیاں لگانے وغیرہ کو بدعت وخلاف شریعت کہا ہے۔ (ایضاً ص ۱۵)

ذرا مہربانی کر کے دس بیس کے نام تو گنا دیجئے، جس نے اسے بدعت کہا ہو۔ ادعاء بے دلیل علماء کے سر بہتان۔ یہ آپ کے بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ خطابی یا علامہ ابن عبدالبر نے جو کہا صرف یہ کہ اس حدیث سے اس کا استدلال درست نہیں۔ ان میں سے کسی نے بدعت نہیں کہا۔ یہ صرف بانیانِ وہابیت کا اختراع ہے۔

آگے شاہ صاحب نے فرمایا:

اسی طرح متاخرین حنفیہ میں سے جس کسی نے اس کو جائز کہا، غلطی کی ہے، مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ شامی۔ میں سمجھتا ہوں، ان حضرات کو مسئلہ بدعت صحیح طور پر منقح نہ ہو سکا تھا۔

ذرا آپ نے اپنی تنقیح پیش کی ہوتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ یہ تنقیح آپ کو بھی لے ڈوبی۔ یقیناً ان حضرات کے نزدیک بدعت کی ایسی کوئی تعریف نہیں جس کی رو سے فعلِ رسول، فعلِ صحابہ، فعلِ تابعین بھی بدعت ہو جائے۔ بدعت کی ایسی تعریف دیوبند میں ڈھلی اور وہیں بند ہے۔ اہل علم انصاف کریں! ان بزرگوں کے نزدیک جب فعلِ رسول، فعلِ صحابہ، فعلِ تابعین بھی بدعت ہے تو پھر اس کا کیا علاج!

''لعل'' تحقیق کے لیے ہے

حدیث میں ''لَعَلَّ'' وارد ہے، جو ترجی، اُمید کرنے کے معنی میں آتا ہے اور ترجی میں شک ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان جو اُمید کرے وہ ضرور پوری ہو، مگر اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی ترجی بھی تحقیق کے لیے ہے، جیسا کہ علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا:

الرجاء من الله و نبيه للتحقيق. اللہ اور رسول کے کلام میں لفظ ترجی تحقیق کے لیے ہے۔

مسائل مستخرجہ

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل نکلتے ہیں:

(۱) حضور اقدس ﷺ غیب جانتے ہیں کہ یہ بھی جان لیا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ کس بناء پر ہو رہا ہے نیز یہ جان لیا کہ ان شاخوں کے رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی، اور یہ بھی جان لیا کہ کب تک ہوگی۔ اس حدیث میں اکٹھے چار علم غیب کی خبر ہے (۲) نمیمہ گناہ کبیرہ ہے (۳) عذابِ قبر حق ہے (۴) بدن یا کپڑے کے نجس ہوتے ہوئے نماز پڑھنی گناہِ کبیرہ ہے (۵) گنہگار مومن پر بھی عذابِ قبر ہوگا (۶) قبر کے پاس اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر، تلاوت، کوئی بھی عمل خیر مستحب ہے (۷) انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات کی بھی تسبیح و تقدیس مؤثر ہے (۸) قبر پر ہری شاخ، پھول وغیرہ رکھنا مستحب ہے (۹) ایک انسان کا عمل دوسرے کے لیے نفع بخش ہے (۱۰) پیشاب مطلقاً ناپاک ہے (۱۱) نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی بدن اور کپڑے کا پاک رکھنا ضروری ہے۔

امام بخاری پر تطفل

اس کے بعد امام بخاری نے یہ باب باندھا: پیشاب دھونے کے بیان میں۔ نبی ﷺ نے اس قبر والے سے متعلق فرمایا جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور حضور نے انسانوں کے علاوہ اور کسی کے پیشاب کو نہیں ذکر کیا۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث سابق کے بعض طرق میں جو "من بوله" کے بجائے "من البول" آیا ہے اس میں بھی بول سے اسی شخص کا پیشاب مراد ہے گویا اس میں الف لام استغراق کا نہیں عہد خارجی کا ہے اور چونکہ ایسے احکام میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں ہوتی اس لیے یہ حکم پوری نوع کو عام ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ انسان غیر ماکول اللحم ہے اس لیے یہ حکم تمام غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب میں عام کیا جا سکتا ہے۔ ان مقدمات کے بعد امام بخاری کا مقصد یہ ظاہر ہوا کہ وہ صرف غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب کو ناپاک مانتے ہیں اور ماکول اللحم کے پیشاب کو پاک۔ اگر امام بخاری کا یہی مقصد ہے تو اس پر دو گزارشات ہیں:

اوّل: یہ کہ ہم نے جو احادیث پہلے ذکر کیں ان میں مطلق "بـول" ہے اور اس کے الف لام کو عہد خارجی پر محمول نہیں کر سکتے وہ بلاشبہہ استغراق کے لیے ہے جس میں تمام پیشاب داخل ہیں خواہ وہ ماکول اللحم کے ہوں خواہ غیر ماکول اللحم کے۔

دوم: یہ کہ آپ نے انسان کے غیر ماکول اللحم ہونے کو علت قرار دے کر قیاس کیا۔ ماکول اور غیر ماکول کو طہارت و نجاست میں دخل نہیں بہت سی اشیاء غیر ماکول ہیں مگر طاہر ہیں جیسے خود انسان کا گوشت طاہر ہے مگر ماکول نہیں اس لیے اس کو حکم کا مدار ٹھہرانا درست نہیں بلکہ بہ نظر دقیق پیشاب کی نجاست میں گوشت کو کوئی دخل ہی نہیں۔ پیشاب کی نجاست کی بنیاد اس کا بدبو و گندگی کی جانب استحالہ یعنی بدلنا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

اگر کوئی چیز اپنی اصل کے اعتبار سے طیب و طاہر ہو پھر وہ استحالہ کے بعد یعنی بدل کر گندی و بدبودار ہو جائے تو ناپاک ہے اور اگر کوئی ناپاک چیز ہو اور بدل کر عمدہ خوش ذائقہ ہو جائے تو پاک و طیب ہے۔ مثال کے طور پر ہماری غذا کو لیجیے! ہم پاک و صاف طیب و طاہر لذیذ و خوش ذائقہ غذا کھاتے ہیں مگر معدے میں جا کر جب وہ بدل کر بدبودار ہو جاتی ہے تو ناپاک ہو جاتی ہے۔ براز غذا ہی کا بدلا ہوا حصہ ہے جو اپنی گندگی اور بدبو کی وجہ سے ناپاک ہے۔ دوسری طرف لیجیے! شراب نجس اور حرام ہے مگر جب بدل کر سرکہ ہو جائے تو حلال و طاہر۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ انسانوں کی طرح حیوانات کا پیشاب بھی ان کی غذا کی بدلی ہوئی حالت ہے جس میں گندگی اور بدبو ہوتی ہے اس لیے وہ ناپاک ہے۔ اور پیشاب کے استحالہ "الی الفساد و النتن" میں سب حیوانات برابر ہیں خواہ وہ ماکول اللحم ہوں خواہ غیر ماکول اللحم اس لیے سب کے پیشاب ناپاک۔

ہمارے اس استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہٗ نے نور الانور میں ذکر کی۔

ایک مرد صالح کا وصال ہوا دفن کے بعد وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا حضور اقدس ﷺ نے ان کے گھر جا کر ان کی بیوی سے سب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ بکریاں چراتا تھا ان کے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اس پر ارشاد فرمایا:

استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه. پیشاب سے بچو اس لیے کہ عام عذاب قبر پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(نور الانوار۔ بحث عام۔ ص ٦٨)

یہاں خاص بکریاں مذکور ہیں جو ماکول اللحم ہیں اس لیے بول کے نجس ہونے میں غیر ماکول اللحم کی تخصیص ساقط۔

امام بخاری کا مقصد اگر یہ ہے تو یہ افادہ ظاہر ہے کہ اس میں "مـن البـول" عام نہیں خاص ہے مگر اس کے لیے لفظ باب کے اضافے کی کیا حاجت تھی۔

صاحب انوار الباری نے اپنے حضرت گنگوہی کی یہ توجیہ ذکر کی کہ امام بخاری کا مقصد یہ باب الگ لانے سے عموم بول کر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نجاست بتانا ہے کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

گنگوہی صاحب کا ردّ

مگر اس توجیہ پر کہیں کوئی خفی سے خفی تر قرینہ کا دور دور تک پتہ نہیں' پھر یہ کہنا کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے' کسی طرح درست نہیں۔

علاوہ ازیں یہ مقصد اس وقت درست ہوسکتا ہے جب متعین طور پر یہ معلوم ہوتا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً پیشاب ناپاک ہے' ایسا نہیں' بلکہ باب ''بول الصبیان'' اور باب ''ابوال الابل والدواب'' سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ جو لڑکے غذا نہ کھاتے ہوں اور ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب پاک ہیں' یا کم از کم یہ کہ وہ اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائے ہیں' پھر بلاعنوان باب لکھنے سے کیسے یہ مقصد ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مطلقاً تمام پیشاب ناپاک ہیں۔

علامہ عینی نے یہ توجیہ کی کہ اس کا مقصد دونوں سندوں کی تصحیح ہے' اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کی پہلی سند میں مجاہد کی بلاواسطہ طاؤس' حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور اس بلاترجمہ والی سند میں مجاہد کی' حضرت ابن عباس سے بواسطۂ طاؤس روایت ہے۔ امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں سندیں متصل و صحیح ہیں۔ مجاہد' طاؤس کے واسطے سے بھی' حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور طاؤس کے بلاواسطہ بھی۔

ابن حبان نے دونوں سندوں کو صحیح کہا۔ امام ترمذی نے بواسطہ طاؤس والی روایت کو اصح کہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلاواسطہ طاؤس والی حدیث بھی صحیح ہے۔

بلاواسطہ طاؤس والی سند پر امام دارقطنی نے جرح کی تو اس کا جواب تمام شارحین نے یہی دیا کہ یہ بھی صحیح ہے۔ اس خطرے کو امام بخاری نے محسوس کرلیا تھا' اس پر تنبیہ کرنے کے لیے بلاعنوان باب کے تحت اس بواسطہ طاؤس والی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی۔

علامہ عینی پر تعقب

میری گزارش یہ ہے کہ باب ''من الکبائر ان لا یستتر من البول'' کے تحت جب یہ حدیث بلاواسطہ طاؤس مذکور ہے تو وہیں اسے ذکر کردینے سے یہ افادہ ہوگیا کہ یہ سند بھی صحیح ہے' اس لیے کہ جو بھی اعتراض ہوسکتا تھا اور ہوا' وہ اسی سند پر ہوا۔ اس سند کی تصحیح کا افادہ کرنے کے لیے الگ بلاعنوان باب قائم کرنے کو کیا دخل؟

یہاں سیدھی سادی بات یہ ہے کہ بہت سی جگہ امام بخاری نے بلاترجمہ باب لکھا ہے۔ ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ اصل میں یہاں بیاض تھا مگر ناقلین نے ملا کر لکھ دیا۔ اس جگہ امام بخاری کو باب کا کوئی عنوان لکھنا چاہیے تھا مگر کسی وجہ سے نہیں لکھ سکے۔ اسی طرح اس حدیث کے مناسب کوئی باب لکھنا چاہتے ہوں گے مگر کسی وجہ سے نہیں لکھ سکے اور ناقلین نے دونوں کو ملا کر بیاض چھوڑے بغیر لکھنے کی وجہ سے یہ دشواری پیدا ہوگئی اور یہ صرف یہیں نہیں اور بھی جگہوں پر ہے۔

ان سب کے بعد اختتام کلام پر گزارش ہے کہ ان سب ابحاث کے باوجود حدیث ''لا یستتر من البول'' میں اظہر یہی ہے کہ اس سے مبتلا کا پیشاب مراد ہے' اس لیے ہم بار بار ذکر کر آئے کہ حدیث کے مختلف طرق ایک دوسرے کی تفسیر ہوتے ہیں۔ جب کچھ طرق میں ''من بولہ'' مذکور ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ مراد مردے کا پیشاب ہے' یعنی وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اس کی متابعت میں امام بخاری نے فرمایا: ''قال ابن المثنی وحدثنا وکیع قال حدثنا الاعمش قال سمعت مجاھدا مثلہ'' ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کی ضرورت یہ پیش آئی کہ اس حدیث میں محمد بن مثنی کے دو شیخ ہیں' ایک محمد بن حازم' ان کی روایت میں ''حدثنا الاعمش عن مجاهد'' ہے' دوسرے شیخ وکیع ہیں' ان کی روایت میں ''حدثنا الاعمش قال سمعت مجاهدًا'' ہے' اعمش تدلیس میں مشہور ہیں' پہلی سند میں ''عن مجاهد'' تھا' اس میں تدلیس کی گنجائش ہے' دوسری سند میں اعمش نے ''سمعت مجاهدًا'' کہا ہے' اب تدلیس کا شبہہ جاتا رہا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حدیث کو قوت مل گئی۔

١٦٠ - ح. تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَعْرَابِيَّ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهٖ

[نبی ﷺ نے اعرابی کو پیشاب سے فارغ ہونے تک چھوڑ دیا]

١٦٠ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى اَعْرَابِيًّا يَّبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ دَعُوْهُ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهٗ عَلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کر رہے ہیں' تو فرمایا: اسے چھوڑ دو! جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گئے تو پانی منگا کر اس پر بہایا۔

(ایضاً۔ ایک حدیث کے بعد۔ ص ٣٥۔ ج ٢۔ کتاب الادب۔ باب: الرفق فی الامر کله۔ ص ٨٩٠' مسلم۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: وجوب غسل البول والنجاسات اذا حصلت فی المسجد۔ ص ١٣٨' نسائی۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ترك التوقيت في الماء۔ ص ٢٠۔ ایضاً۔ کتاب المیاہ۔ باب: التوقيت في ذلك۔ ص ٦٣)

١٦١ - اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَاءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک اعرابی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا تو لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو' تم لوگ دنیا میں آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے کے لیے۔

تکمیل

ایک اعرابی مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا مانگی: اے اللہ! مجھ پر اور محمد پر رحم کر! اور ہمارے ساتھ کسی پر مت رحم کرنا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تو نے ایک وسیع معاملے کو تنگ کر دیا' تھوڑی دیر کے بعد وہ اُٹھے اور مسجد کے ایک طرف جا کر پیشاب کرنے لگے لوگ چیخ پڑے: ''مَهْ مَهْ'' ہاں ہاں! اور ان کی طرف بڑھے' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! اس کا پیشاب مت کاٹو اور صحابہ کرام سے فرمایا: تم لوگ آسانی کرنے کے لیے (دنیا میں) بھیجے گئے ہو سختی کے لیے نہیں' اور جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہو گئے تو ان کو بلایا اور فرمایا: مسجد میں پیشاب نہیں کرنا چاہیے' یہ اللہ کے ذکر اور نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے ہے اور ایک صاحب سے فرمایا: اس پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ (مسلم' ابوداؤد)

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ فرمایا: جہاں پیشاب کیا ہے وہاں کی مٹی پھینک دو اور وہاں ایک ڈول پانی بہا دو۔

یہ اعرابی کون تھے؟

ایک قول یہ ہے کہ یہ اقرع بن حابس تھے جیسا کہ ابو بکر تاریخی نے روایت کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ذوالخویصرہ یمانی تھے جیسا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ ابو موسیٰ مدینی نے الصحابہ میں روایت کیا۔ نیز حضرت ملا علی قاری نے شرح شفا[1] میں اسی کو بیان فرمایا ہے‘ البتہ مرقاۃ[2] میں لکھا ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو حقیقت میں منافق تھا‘ بعد میں خوارج کا سردار بنا اور نہروان میں قتل ہوا۔ ذوالخویصرہ تمیمی ہی وہ گستاخ ہے جس نے غزوۂ حنین کے غنائم کی تقسیم کے وقت کہا تھا: ”اعدل یا محمد“ اس پر حضرت فاروق نے عرض کی: اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مسلم میں ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ غزوۂ حنین سے واپسی پر حضور اقدس مقام جعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت بلال کے کپڑے میں چاندی تھی‘ حضور مٹھی میں لے لے کر لوگوں کو دے رہے تھے‘ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا: اے محمد! انصاف کرو! حضور نے فرمایا: اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا‘ تو خائب و خاسر ہوا‘ اگر میں نے انصاف نہیں کیا‘ اس پر حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا: مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

(ج ا۔ کتاب الزکوۃ۔ باب: اعطاء المؤلفة۔ ص ۳۴۰)

علاوہ ازیں حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ‘ ج ۵ میں فرمایا:

ونزل فیه قوله تعالٰى ومنهم من يلمزك في الصدقات فهو من المنافقين.

ذوالخویصرہ ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: منافقین میں وہ ہے جو صدقات کی تقسیم کے سلسلے میں تم پر نکتہ چینی کرتا ہے‘ اس لیے ذوالخویصرہ منافقین میں سے ہے۔

(باب: المعجزات۔ فصل اوّل۔ ص ۴۵۶)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ذوالخویصرہ تمیمی کو خود ملا علی قاری منافق مانتے ہیں اور کتاب الطہارۃ میں غالباً ناسخین کی غلطی سے بجائے یمانی کے تمیمی ہو گیا ہے‘ اس لیے کہ ذوالخویصرہ تمیمی کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں کہ اس نے مسجد میں پیشاب کیا ہو۔

تناسب ابواب

پہلے ابواب میں پیشاب کی نجاست کا بیان تھا‘ اسی بیان کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ اگر زمین پر پیشاب یا کوئی نجس چیز پڑ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ زمین کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہاں مذکور ہے کہ اس پر پانی ڈال کر نجاست اس طرح بہا دو کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ زمین سوکھ جائے تو پاک ہو جائے گی‘ تیسرا یہ بھی ہے کہ ناپاک مٹی کھود کر پھینک دو۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کا پیشاب ناپاک ہے (۲) مسجد کو پاک و صاف رکھنا ضروری ہے ورنہ صحابہ اس اعرابی کو نہ روکنے کی کوشش کرتے اور نہ بعد میں اس پر پانی ڈالا جاتا (۳) جو لوگ جاہل گنوار ہوں اور کوئی نامناسب بلکہ ناجائز کام کر بیٹھیں تو ان کے ساتھ بے جا سختی نہ کی جائے‘ البتہ نرمی سے سمجھایا جائے‘ حکم شرعی کی تلقین کی جائے (۴) مسجد کی حرمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان اعرابی کو فوراً روک دیا جاتا مگر اس میں کچھ خطرات تھے‘ ہو سکتا ہے کہ ڈر کی وجہ سے وہ اعرابی پیشاب کرتے ہوئے بھاگتے تو مسجد کے اور حصے اور ان کے کپڑے ناپاک ہوتے‘ یا خوف کی وجہ سے پیشاب بند ہو جاتا تو اس میں ہلاکت یا سخت مرض کا اندیشہ تھا ایسی صورت میں ان دو متضاد باتوں میں جو آسان تھی اسے اختیار فرمایا‘ اسے مسجد میں پیشاب کرنے دیا گیا پھر مسجد کو پاک کرا لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ناپاک ہونے کے بعد مسجد کی طہارت نسبتاً آسان ہے‘ یوں ہی مسجد کی ایک جگہ پاک کرنا بہ نسبت متعدد جگہوں کے زیادہ آسان ہے۔ اسی کو فرمایا گیا: ”اذا ابتليتم ببليتين فليختروا اهونهما“ جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو جو آسان ہو‘ اسے اختیار

---

[1] شرح شفا۔ ج ا ص ۴۱۵ [2] مرقاۃ۔ ج ا ص ۳۵۰

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرو۔

۱۶۲- ح: بَالَ صَبِیٌّ عَلٰی ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

[ایک بچے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کپڑے پر پیشاب کر دیا]

۱۶۲ - عَنْ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّھَا قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِصَبِیٍّ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِہٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَہٗ اِیَّاہُ۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا' اس نے حضور کے کپڑے پر پیشاب کر دیا' حضور نے پانی منگایا اور جہاں جہاں پیشاب پڑا تھا' وہاں وہاں پانی ڈالا۔

(مسلم۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب: حکم بول الطفل الرضیع۔ص ۱۳۹' نسائی۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب: بول الصبی الذی لم یاکل الطعام۔ص ۵۶' ابن ماجہ۔باب: ما جاء فی بول الصبی الذی لم یطعم۔ص ۴۰)

۱۶۳ - عَنْ اُمِّ قَیْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّھَا اَتَتْ بِابْنٍ لَّھَا صَغِیْرٍ لَّمْ یَاْکُلِ الطَّعَامَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجْرِہٖ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِہٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَہٗ وَلَمْ یَغْسِلْہُ۔

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک ایسے بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لائیں جو ابھی غذا نہیں لیتا تھا' بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گود میں بٹھایا' بچے نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا' حضور نے پانی منگایا اور اس پر ڈالا اور اسے دھویا نہیں۔

(مسلم۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب: حکم بول الطفیل الرضیع۔ص ۱۳۹۔ج ۲۔کتاب الطب۔باب: لکل داء دواء۔ص ۲۲۷' ابوداؤد۔ج ۱۔باب: بول الصبی یصیب الثوب۔ص ۵۳' ترمذی۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب: فی نضح بول الغلام قبل ان یطعم۔ص ۱۱' ابن ماجہ۔باب: ما جاء فی بول الصبی الذی لم یطعم۔ص ۴۰)

ام قیس

یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں' قدیم الاسلام ہیں' مکہ معظمہ میں ایمان لائیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت کی اور مدینہ طیبہ ہجرت کی' ان سے چوبیس احادیث مروی ہیں' صحیحین میں دو حدیثیں ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان کا نام جذامہ بتایا اور سہیل نے آمنہ۔

(عینی۔ج ۳ ص ۱۳۲)

ان دو احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایسے بچوں کا پیشاب جو ابھی غذا نہ کھاتے ہوں ناپاک ہے' اگر ناپاک نہ ہوتا تو اس پر پانی ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔

البتہ اس کے پاک کرنے کے طریقے میں تھوڑی سی تفریق ہے کہ بچی کے پیشاب کو خوب اچھی طرح دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب میں اتنے مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بچوں کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے' جس کی وجہ سے ان کا پیشاب رقیق ہوتا ہے جو معمولی دھونے سے دور ہو جائے گا' برخلاف بچیوں کے کہ ان کے مزاج میں برودت غالب ہوتی ہے' اس کی وجہ سے اس میں غلظت کثافت لزوجت زیادہ ہوتی ہے' وہ بغیر اچھی طرح دھوئے پاک نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بچے کا پیشاب پتلی دھار کے ساتھ نکلتا ہے وہ زیادہ جگہ پھیلتا نہیں اور بچیوں کا پیشاب چوڑی دھار کے ساتھ پھیل کر نکلتا ہے' وہ بدن اور کپڑے پر زیادہ پھیل کر لگتا ہے۔

بچوں کے پیشاب کے بارے میں الفاظ مختلف آئے ہیں' یہاں بخاری میں ''فاتبعہ ایاہ'' وارد ہے' یعنی جہاں جہاں پیشاب تھا' وہاں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہاں پانی ڈالا۔

بعض روایتوں میں "صَبَّ" یا "یَصُبُّ" آیا ہے اس کے معنی پانی ڈالنے کے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے: "لم یغسله غسلا" اس کو مبالغے کے ساتھ نہیں دھویا۔ بعض میں "رَشَّ" وارد ہے، جس کے معنی چھڑکنے کے ہیں، بعض میں "نضح" وارد ہے جس کے معنی بھی چھڑکنے کے ہیں۔ ان میں تین الفاظ "فاتبعه اياه، صب، لم يغلسه غسلا" کا صریح منطوق یہ ہے کہ شیر خوار بچے کے بھی پیشاب کو دھویا، اگرچہ اتنا زیادہ نہیں دھویا جتنا بچی کا دھویا۔ صرف دو لفظ اپنے ظاہر کے اعتبار سے یہ بتا رہے ہیں کہ دھویا نہیں صرف پانی چھڑک کر چھوڑ دیا، لیکن یہ وہی کہے گا جس کے ذہن میں "نضح" اور "رش" کے دوسرے مواقع استعمال مستحضر نہیں۔ خود احادیث میں "نضح" اور "رش" دھونے کے معنی میں وارد ہیں۔

بخاری[1] اور مسلم[2] دونوں میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں خون حیض کے بارے میں وارد ہے، واللفظ للبخاری:

فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه. — اسے چٹکی سے کھرچ دے، پھر پانی سے دھوئے، پھر اس کپڑے میں نماز پڑھے۔

علامہ نووی نے شافعی ہوتے ہوئے شرح مسلم میں فرمایا:

ومعنى تنضحه تغسله كذا قاله الجوهري وغيره وفي هذا الحديث وجوب غسل النجاسة بالماء. (ج۱ ص۱۴۰) — "تنضحه" کے معنی یہ ہیں کہ اسے دھوئے جیسا کہ جوہری وغیرہ نے کہا ہے، یہ حدیث دلیل اس بات کی ہے کہ نجاست کا پانی سے دھونا واجب ہے۔

ابوداؤد[3] میں مذی کے بارے میں ہے:

فلينضح فرجه وليتوضّأ. — اپنی شرمگاہ کو دھوئے، پھر وضو کرے۔

حالانکہ اس سے پہلی والی حدیث میں اسی واقعہ میں یہ الفاظ ہیں:

فاغسل ذكرك وتوضّأ. — اپنے عضو تناسل کو دھو، پھر وضو کر۔

ایک حدیث میں فرمایا:

انى لاعرف مدينة ينضح بجانبها بحر. — میں اس شہر کو پہچانتا ہوں جس کے کنارے سمندر سر پٹکتا ہے۔ (امام احمد، ابونعیم، مسند ابویعلی)

اسی طرح "رش" بھی احادیث میں دھونے کے معنی میں مستعمل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی تفصیل ان الفاظ میں بیان فرمائی:

اخذ غرفة من ماء فرش على رجله اليمنى حتى غسلها. — ایک چلو پانی لے کر اپنے دائیں پاؤں پر ڈالا یہاں تک کہ اسے دھویا۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب الوضوء۔ باب: غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة۔ ص۲۶)

ترمذی[4] میں حضرت اسماء والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

1. بخاری۔ کتاب الحیض۔ باب: غسل دم الحيض۔ ص۴۵ 2. مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: نجاسة الدم۔ ص۱۴۰
3. ابوداؤد۔ ج۱۔ باب: المذى۔ ص۲۷ 4. ترمذی۔ ج۱ ص۲۰۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی غسل دم الحيض

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حتيه ثم اقرصيه ثم رشيه وصلي فيه. اسے کھرچ، پھر چٹکی سے دور کر، پھر دھو، پھر اس میں نماز پڑھ۔

جب "نضح" اور "رش" کے معنی بھی دھونے کے ہیں تو تمام احادیث میں تطابق کے لیے ضروری ہوا کہ شیر خوار بچے کے پیشاب کے بارے میں جہاں جہاں نضح اور رش آیا ہے، ہر جگہ ان کو غسل کے معنی میں لیا جائے۔

اس مسئلے کو لے کر بعض لوگوں نے احناف پر طعن کیا ہے کہ یہ لوگ حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں ہماری سابق تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ ان کا یہ طعن بے بنیاد ہے، اس مسئلہ کو دوسری عبارت میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے: انسان کا پیشاب ناپاک ہے، اس میں شیر خوار بچے کا بھی پیشاب داخل ہے، جس پر قریب قریب اجماع ہے جو کثیر احادیث سے ثابت ہے اور جب شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک تو اس کی طہارت بھی اسی طرح سے ہو گی جو تمام پیشاب کے لیے شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ شیر خوار بچے کے پیشاب کے لیے کوئی اور طریقہ اسی وقت قابل قبول ہو گا جبکہ نص سے ثابت ہو، اس کے ثبوت میں وہ احادیث پیش کی جا سکتی ہیں، جن میں "نضح، رش" کے الفاظ وارد ہیں، مگر چونکہ ان کے معنی خود احادیث میں دھونے کے آتے ہیں، اس لیے ان سے استدلال ساقط اور اصل حکم باقی۔

حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جن صاحبزادے کا ذکر ہے، وہ کون بزرگ تھے؟ اس میں شراح کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم ان تینوں بزرگوں کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھنا اور بیٹھ کر پیشاب کرنا بھی ثابت ہے، لیکن حضرت اُم المؤمنین جن کا ذکر فرما رہی ہیں، یہ کون صاحب تھے، علی التعیین ثابت نہیں۔

ایضاح البخاری کی غلطی

ایضاح البخاری ص ٢٨٢ پر ہے:

ابوداؤد میں "لم يغسل غسلا" آیا ہے۔

اس خادم کو ابوداؤد میں یہ لفظ نہیں ملا، البتہ مسلم شریف میں ہے۔

١٦٤- ح: اَلْبَوْلُ قَائِمًا [کھڑے ہو کر پیشاب کرنا]

١٦٤ - عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کھورے (گندگی کے ڈھیر) پر تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے پیشاب کیا، پھر پانی طلب فرمایا، میں پانی لے کر حاضر ہوا، پس حضور نے وضو فرمایا۔

(ایضاً اس کے بعد دو باب میں۔ کتاب المظالم۔ باب: الوقوف والبول عند سباطة قوم۔ ج ا ص ٣٣٥، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المسح على الخفين۔ ص ١٣٣، ابوداؤد۔ ج ا۔ باب: البول قائما۔ ص ٤، ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في الرخصة في ذلك۔ ص ٣، نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرخصة في ذلك۔ ص ٩، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في البول قائما۔ ص ٢٦، دارمی۔ کتاب الوضو۔ مسند امام احمد)

١٦٥ - عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُنِي اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشٰى فَاَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ فَقَامَ كَمَا يَقُوْمُ اَحَدُكُمْ فَبَالَ فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ فَاَشَارَ اِلَيَّ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ حضور ایک قوم کے کھورے (گندگی کے ڈھیر) کے پاس ایک دیوار کے پیچھے تشریف لے گئے اور ایسے کھڑے ہو گئے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فَجِئْتُهٗ فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهٖ حَتّٰى فَرَغَ.

جیسے تم لوگ کھڑے ہوتے ہو اور پیشاب کیا' میں حضور سے دور ہٹ آیا تو اشارے سے قریب بلایا' میں آیا اور حضور کی ایڑی کے پاس کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ حضور فارغ ہو گئے۔

١٦٦ - عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىُّ يُشَدِّدُ فِى الْبَوْلِ وَيَقُوْلُ اِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ كَانَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اَحَدِهِمْ قَرَضَهٗ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لَيْتَهٗ اَمْسَكَ اَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا.

ابو وائل نے کہا: حضرت ابو موسیٰ اشعری پیشاب کے معاملے میں سختی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بنی اسرائیل میں جب کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو اسے کترنا پڑتا' اس پر حضرت حذیفہ نے کہا: کاش کہ وہ ایسا نہ کرتے' نبی ﷺ ایک قوم کے کھورے (گندگی کے ڈھیر) کے پاس آئے اور کھڑے کھڑے پیشاب کیا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا منع ہے

احناف اور جمہور علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے' یہ بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے۔

اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا:

من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدًا.

اگر تم سے کوئی کہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے' اس کی بات مت ماننا' حضور بیٹھ ہی کر پیشاب کرتے تھے۔

(مسند امام احمد' ترمذی۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: النھی عن البول قائما۔ ص ٣' نسائی۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: البول فی البیت جالسا۔ ص ١١' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی البول قاعدًا۔ ص ٢٦)

امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

حدیث عائشۃ احسن شی فی ھذا الباب واصح.

اس مسئلے میں جتنی حدیثیں آئی ہیں' ان سب سے زیادہ حسن اور صحیح حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔

صحیح ابوعوانہ اور حاکم کی مستدرک میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

ما بال قائما منذ انزل علیہ القرآن.

جس دن سے آپ پر قرآن اترنا شروع ہوا' کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا۔

بخاری کے دونوں شارح علامہ عسقلانی و علامہ عینی نے حضرت اُم المؤمنین کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گھروں میں بیٹھ ہی کر پیشاب کرتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے علم کی بناء پر فرما رہی ہیں' وہ گھر کے اندر کے حالات جان سکتی ہیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ تعقب فرمایا کہ صحیح ابوعوانہ اور مستدرک کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نہ گھر میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا نہ باہر' اس لیے اس حدیث کو گھروں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں' اس لیے کہ حضرت اُم المؤمنین ابتداء نزولِ قرآن کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں تو وہ اپنے مشاہدے کی بنیاد پر یہ کیسے فرما سکتی ہیں کہ جب سے نزولِ قرآن ہوا کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا' اس لیے ماننا پڑے گا کہ جو کچھ فرمایا' تحقیق حال کے بعد فرمایا' صرف مشاہدے پر نہیں فرمایا' اس لیے یہ ارشاد گھر اور باہر سب کے لیے عام ہے' اصل عادتِ کریمہ یہی تھی۔ اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں جو مذکور ہے وہ عذر کی بناء پر ہے۔ علاوہ ازیں بالکل واضح بات ہے' جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضور گھر کی تنہائی میں بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے تو بہ طریق دلالۃ النص

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ بھی ثابت ہوا کہ باہر بہ درجۂ اولیٰ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے' اس لیے کہ میدان میں پردہ کرنے کی ضرورت بہ نسبت گھر کے زیادہ تھی' ظاہر ہے کہ بیٹھنے میں بہ نسبت کھڑے ہونے کے زیادہ پردہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ۔ ج ۲ ص ۱۷۲)

بزار نے اپنی مسند میں بہ سند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من الجفاء ان يبول الرجل قائما او يمسح جبهته قبل ان يفرغ من صلوته او ينفخ في سجوده. تین باتیں گنوار پن کی ہیں' کھڑے کھڑے پیشاب کرنا اور نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی پونچھنا اور سجدے میں پھونک مارنا۔

ترمذی[1] ابن ماجہ[2] اور بیہقی نے حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی' انہوں نے فرمایا:

رأني النبي صلى الله عليه وسلم وانا ابول قائما فقال يا عمر لا تبل قائما فما بلت قائما بعد. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے مجھے دیکھا تو فرمایا: اے عمر! کھڑے کھڑے پیشاب مت کرو' اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبول الرجل قائما. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

حدیث حذیفہ کے جوابات

(۱) یہ کہ حدیث حذیفہ حضرت ام المؤمنین کی حدیث سے منسوخ ہے' اسے ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اور ابن شاہین نے کتاب السنہ میں اختیار کیا' اس پر علامہ عینی و علامہ عسقلانی نے تعقب کیا ہے' مگر اعلیٰ حضرت احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دعویٔ نسخ پر کوئی قباحت نہیں۔

اس لیے کہ حضرت حذیفہ نے جو بیان کیا' یہ ان کے آخر عمر کا مشاہدہ نہیں اور ام المؤمنین نے یوم وصال تک کی بات بتائی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں الآخر فالآخر لیا جاتا ہے۔ چشم دید واقعہ بیان کرنے والوں کے بیان میں تضاد ہو تو یہ نسخ کے منافی نہیں' اگر بعض مشاہدہ کرنے والے بعد کا مشاہدہ بیان کرتے ہوں۔ نیز نسخ کی تائید اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا گنوار پن ہے۔ حضور ایسے افعال سے پوری احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

(۲) وہ جگہ بیٹھنے کے قابل نہ تھی' اس وجہ سے کہ آگے ڈھال تھی۔

(۳) اس وقت زانوئے مبارک میں زخم تھا جس کے سبب اکڑوں بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ یہ توجیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حاکم' دارقطنی اور بیہقی نے ان سے روایت کی: ''ان النبي صلى الله عليه وسلم بال قائما من جرح كان بمابضه''۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ کسی فعل منقول کی حکمت ظاہر کرسکے۔

(۴) منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہمیشہ بیٹھے بیٹھے پیشاب کیا' سوائے اس واقعہ کے کہیں مروی نہیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہو یہ صرف بیان جواز کے لیے ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احناف اور جمہور فقہاء کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب حرام اور گناہ نہیں ہوتا' خلاف اولیٰ ہوتا ہے۔

---

[1] ترمذی۔ ج ۱ ص ۳۔ کتاب الطہارۃ [2] ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في البول قاعداً۔ ص ۲۶

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کے علاوہ محدثین نے اور بھی توجیہات مروی ہیں مگر وہ سب متکلم فیہ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت حذیفہ والی حدیث احادیث ممانعت کے معارض ہے، اور رفع تعارض کی بالفرض کوئی وجہ نہ بھی مل سکے تو بھی ترجیح ممانعت کی احادیث کو ہوگی۔

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ایک بار کا واقعہ حال ہے، جس میں بیسیوں احتمالات ہیں۔

(۲) قول و فعل میں جب تعارض ہو تو ترجیح قول کو ہوتی ہے۔

(۳) جب مبیح و حاظر متعارض ہوں تو حاظر مقدم ہے۔

اس لیے ازروئے قواعد شریعت ترجیح ممانعت ہی کو ہوگی۔

یہ حدیث کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والوں کو مفید نہیں

انگریز چلا گیا اور ہمارے معاشرے میں ہزاروں خرابیاں پیدا کر گیا، انہیں میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی ہے۔ ان انگریزوں کے ذہنی غلاموں کو حضرت حذیفہ والی حدیث مطلقاً مفید نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے صرف ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب کیا، وہ بھی عذر کی وجہ سے، وہ بھی اونچی جگہ کھڑے ہو کر جس کے سامنے ڈھال اور زمین گھورے (گندگی کے ڈھیر) کی وجہ سے نرم کہ کسی طرح چھینٹ آنے کا احتمال نہ تھا۔ سامنے دیوار تھی، گھورا (گندگی کا ڈھیر) فناء دار میں تھا نہ کہ گزرگاہ پر، پیچھے حضرت حذیفہ کو کھڑا کر لیا تھا جس سے ادھر بھی پردہ ہو گیا تھا۔ ان احتیاطوں کے ساتھ عمر میں ایک بار کا واقعہ منقول ہے اور انگریزوں کے ذہنی غلاموں کا عالم یہ ہے کہ جہاں جی چاہتا ہے کھڑے کھڑے دھار مارنے لگتے ہیں، نہ پردے کا خیال نہ اس سے احتیاط کہ چھینٹ بدن یا کپڑے پر نہ آوے، نہ کوئی عذر، ایک فیشن بنا لیا ہے۔ اس طرح پیشاب کرنا نصاریٰ، مشرکین و فساق کا شعار ہے، اس لیے جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم. جو کسی قوم کا شعار اختیار کرے، وہ انہیں میں سے ہے۔

اور فرمایا:

اياكم وزى الاعاجم. عجمیوں کے فیشن سے دور رہو۔

اہل عرب کی عام عادت یہی تھی کہ وہ کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس میں اصلاح فرمائی اور اس بدتمیزی کو ختم فرمایا۔ جب حضور اقدس ﷺ کو لوگوں نے بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھا تو یہ طنز کیا:

يبول كما تبول المرأة. یہ عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔

(ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی البول قاعدا۔ ص ۲۷)

یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ترجیح اس کو ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے۔

”اسرائیل“ کی تحقیق

اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم مبارک ہے ”اِسرا“ سریانی زبان میں بندے کے معنی میں ہے اور ”اِیل“ ”اللہ“ کے معنی میں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے انہیں کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

بنی اسرائیل کپڑے یا جسم پر نجاست لگ جاتی تو اسے کاٹ دیتے

بنی اسرائیل کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگ جاتی تو اسے کاٹ کر پھینک دیتے۔ مسلم[1] اور ابوداؤد[2] کی ایک روایت میں ”جلد احدهم“ ہے اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں ”جسد احدهم“ ہے۔

[1] مسلم۔ ج ۱ ص ۱۳۳ [2] ابوداؤد۔ ج ۱ ص ۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مگر اس پر یہ استعجاب ہے کہ یہ بہت سخت حکم تھا' نجاست لگنے کے بعد بدن کی کھال کاٹ کر پھینک دی جائے' اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چند بار کھال کاٹنے کے بعد آدمی زندہ کیسے رہے گا' زندہ رہے گا بھی تو مردہ سے بدتر۔ اس لیے شارحین نے اس کی تاویل کی ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ وہ لوگ چمڑے کا لباس پہنتے تھے'' جلد احدھم '' سے یہی مراد ہے مگر'' جسد احدھم '' کی کیا توجیہ ہوگی؟ یہ سوال اپنی جگہ رہ جاتا ہے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے تبدیلی ہوئی' اصل میں لفظ '' ثوب '' تھا چونکہ وہ چمڑے کا لباس پہنتے تھے تو کسی راوی نے اسی '' جلد '' سے بدن کی کھال سمجھی اور اسے '' جسد '' سے بدل دیا لیکن اس قسم کے احتمالات لائق التفات ہوں تو امان اُٹھ جائے۔ اس خادم کی ناقص رائے یہ ہے کہ غالباً یہ مراد ہے کہ پیشاب لگنے کے بعد جسم پاک نہ کرنے پر قبر میں اس کی سزا یہ تھی کہ وہ حصہ کاٹا جاتا۔'' ان اصبت فمن اللّٰہ وان خطئت فمنی ومن الشیطان ''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری شیشی میں پیشاب کرتے

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پیشاب کے معاملے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے[1] اس پر حضرت حذیفہ نے یہ فرمایا کہ اتنی شدت کی ضرورت نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب کیا حالانکہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنے میں چھینٹ پڑنے کا زیادہ احتمال ہے۔ حضور نے کبھی یہ تکلف نہیں فرمایا کہ شیشی میں پیشاب کرتے۔

سوئی کی نوک کے برابر پیشاب کی چھینٹ معاف ہے

اسی سے ہمارے علماء نے یہ استنباط فرمایا کہ پیشاب کی بہت باریک سوئی کے نوک کے برابر چھینٹ معاف ہے۔

ایک حدیث کا حل

اس سلسلے میں ابوداؤد[2] میں یہ حدیث ہے:

عبدالرحمٰن بن حسنہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عمرو بن عاص خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' حضور باہر تشریف لائے' حضور کے ساتھ ڈھال تھی' حضور نے اس کی آڑ میں پیشاب کیا' ہم نے کہا: حضور کو دیکھو! عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں' حضور نے اسے سن لیا اور فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ صاحب بنی اسرائیل کو کیا ملا؟ بنی اسرائیل کو جب کہیں پیشاب لگ جاتا تو اسے کاٹ دیتے' اس نے منع کیا تو اسے قبر میں عذاب دیا گیا۔

اس حدیث میں تین اشکال ہیں

حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ وغیرہ نے حضور پر طنز کیا' صاحب بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بنی اسرائیل کو طہارت حاصل کرنے سے کیوں منع کیا؟ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسنہ وغیرہ نے طنزاً یا بہ نیت اعتراض یہ نہیں کہا تھا' بلکہ چونکہ اہل عرب کے مردوں کی عام عادت تھی کہ کھڑے کھڑے جہاں ہوتا پیشاب کر لیتے تھے' البتہ عورتیں بیٹھ کر پردے کے ساتھ پیشاب کرتی تھیں' اس پر تعجب کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا تھا۔ اسی لیے سننے کے بعد بھی حضور خفا نہ ہوئے' ان کی تسلی فرما دی۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ صاحب بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور '' فنھاھم '' سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے

---

[1] مسلم ج ١ ص ١٣٣ [2] ابوداؤد ج ١ ص ٤

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

انہیں پیشاب کے ساتھ ملوث ہونے سے منع فرمایا مگر وہ نہ مانے' اس لیے نہ ماننے والوں کو قبر میں عذاب ہوا۔ ''فنهاهم'' کا متعلق محذوف ہے ''عن اصابة البول'' اور یہ عبارت محذوف ہے ''فلم ینتهوا''، ''فعذب'' کی فاء سببیہ ہے۔

صاحب تحفہ کی حدیث دانی

حضرت بریدہ والی حدیث بزار نے روایت کی' امام ترمذی نے یہ تنقید کی کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ اس پر علامہ عینی نے یہ لکھا کہ اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے یہ گرفت کی: سند صحیح کے ساتھ روایت اس کے غیر محفوظ ہونے کے منافی نہیں' پھر اس تنقید سے کیا فائدہ۔

غالباً مبارکپوری صاحب کے ذہن میں ''غیر محفوظ'' کے معنی محفوظ نہ رہے ورنہ ایسی بات ہرگز نہ لکھتے۔ حدیث غیر محفوظ اصطلاح محدثین میں اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی ثقہ' دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حدیث کے غیر محفوظ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مقابل بھی کوئی روایت ہو اور اگر روایت صرف ایک ہی ہو تو اسے غیر محفوظ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں علامہ عینی نے تصریح کر دی کہ بزار نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بریدہ سے سوائے سعید کے کسی اور نے روایت نہیں کیا۔ جب اس کے خلاف کوئی روایت ہی نہیں تو اسے غیر محفوظ کہنا درست نہیں۔

صاحب تحفہ کے ہاتھ کی صفائی

یہاں مبارک پوری صاحب نے ایک غیر مقلدانہ داؤ بھی چلا دیا ہے۔ علامہ عینی کی پوری عبارت نقل نہیں کی' جس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی' امام ترمذی کے مقابلے میں ہیں' جس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ترمذی کے مقابلے میں علامہ عینی کی کیا حیثیت ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اصل مقابلہ امام بزار اور امام ترمذی کا ہے۔ علامہ عینی ایک حکم کی طرح فیصلہ دینے والے ہیں' علاوہ ازیں غیر مقلدیت کے دعویٰ کے بعد یہ شخصیت پرستی زیب نہیں دیتی۔ اگر حضرت فاروق اعظم اور تمام صحابہ کے اجماعی فیصلے کے خلاف ہر مقلد اپنی رائے کو حق کہہ سکتا ہے تو پھر از روئے قواعد غیر مقلدیت' علامہ عینی جیسے حدیث وفقہ کے جامع کامل کو یہ حق کیسے نہیں مل سکتا کہ وہ امام ترمذی کی رائے پر کچھ لب کشائی کر سکیں۔

١٦٧- ح: غَسْلُ الدَّمِ

[خون کو دھونا]

١٦٧ - عَنْ اَسْمَآءَ قَالَتْ جَآئَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَرَاَيْتَ اِحْدَانَا تَحِيْضُ فِي الثَّوْبِ كَيْفَ تَصْنَعُ قَالَ تَحُتُّهُ ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَآءِ وَتَنْضَحُهُ بِالْمَآءِ وَتُصَلِّيْ فِيْهِ.

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: بتائیے! ہم میں سے کسی کو کپڑے میں حیض آ جائے (کپڑے کو لگ جائے) تو وہ کیا کرے! فرمایا: اسے کھرچے' پھر پانی ڈال کر چٹکی سے ملے اور پانی سے دھوئے اور اس میں نماز پڑھے۔

(ایضاً۔ کتاب الحیض۔ باب: غسل الدم۔ ص ٣٥' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: نجاسة الدم۔ ص ١٤٠' ابوداود۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها۔ ص ٥٢' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی غسل دم الحیض من الثوب۔ ص ٢٠)

[1] مقدمہ لمعات

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: دم الحیض یصیب الثوب۔ ص ٥٦ ' مؤطا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: جامع الحیضۃ۔ ص ٢٢ ' دارمی۔ کتاب الوضوء ' مسند امام احمد)

١٦٨- ح: حُكْمُ الْاِسْتِحَاضَةِ

١٦٨- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَائَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِيْ حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ امْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكَ عِرْقٌ وَّلَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِی الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ قَالَ وَقَالَ اَبِيْ ثُمَّ تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ حَتّٰى يَجِيْءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ.

[استحاضہ کا حکم]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش' نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں کہ مجھے استحاضہ کا عارضہ ہے' میں پاک نہیں رہتی' کیا نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! (نماز مت چھوڑ) یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں' جب تیرا حیض شروع ہو تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض کے دن پورے ہو جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھا کر۔ ہشام نے کہا: میرے والد (عروہ) نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور نے یہ بھی فرمایا تھا: ہر نماز کے لیے وضو کر یہاں تک کہ وہ وقت یعنی حیض پھر آ جائے۔

(ایضاً۔ کتاب الوضوء۔ باب: غسل الدم۔ ص ٣٥ ' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: نجاسۃ الدم۔ ص ١٤٠ ' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المرأۃ تغتسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا۔ ص ٥٢ ' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی غسل ایام الحیض من الثوب۔ ص ٢٠ ' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: دم الحیض یصیب الثوب۔ ص ٥٦ ' مؤطا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: جامع الحیضۃ۔ ص ٢٢ ' دارمی۔ کتاب الوضوء ' مسند امام احمد)

خون مطلقاً ناپاک ہے

خون مطلقاً ناپاک ہے' خواہ حیض کا خون ہو یا کوئی اور' اس پر اجماع ہے' البتہ غیر مقلدین حیض کے علاوہ بقیہ تمام خون پاک مانتے ہیں' ان کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے فتح المغیث اور طریقہ محمدیہ میں یہ لکھا ہے' علاوہ ازیں ان کے شیخ الرئیس قاضی شوکانی نے بھی الدرالبہیہ میں لکھا ہے کہ حیض کے خون اور انسان کے بول و براز کے علاوہ ہر چیز پاک ہے' نیز یہ بھی لکھ دیا کہ سؤر کی چربی حرام نہیں۔

فاطمہ بنت ابی حبیش والی حدیث اس پر نص ہے کہ خون استحاضہ بھی ناپاک ہے اور یہ خون حیض کے علاوہ اور خون ہے' علاوہ ازیں دم مسفوح کی نجاست قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے:

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ. یا بہتا خون یا سؤر کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں۔

(الانعام: ١٤٥)

ہر نجاست بہ قدر درہم معاف ہے

اس اتفاق کے بعد کہ خون ناپاک ہے' علماء میں دو اختلاف عظیم ہیں' ایک یہ کہ نجاست قلیل ہو یا کثیر سب کا دھونا فرض ہے یا کچھ معاف بھی ہے۔ شوافع کا مسلک یہ ہے کہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ' اس کا دھونا فرض ہے' ہمارے نزدیک تھوڑی نجاست معاف ہے ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہمارے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا' اسی میں حیض بھی آتا تھا' اگر کپڑے کو خون لگ جاتا تو ہم تھوک لگا کر ناخن سے کھرچ دیتیں[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ ایک دو قطرے خون سے نماز میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

کس حد تک معاف ہے؟ اس سلسلے میں ہمارے ائمہ نے درہم کی مقدار رکھی ہے اور یہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ نے اپنے ناخن کی مقدار کو معاف بتایا۔ محیط میں ہے کہ ان کا ناخن قریب قریب ہماری ہتھیلی کے تھا۔[2] ویسے ہمارے نزدیک بھی مستحب یہی ہے کہ تھوڑی سی بھی نجاست کہیں لگ جائے تو اسے دھولیا جائے۔

پانی کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی نجاست دور ہو سکتی ہے

شوافع یہ کہتے ہیں کہ نجاست کہیں لگ جائے تو صرف پانی ہی سے پاک ہوگی' پانی کے علاوہ اور کسی چیز سے اگر دور کریں گے' وہ چیز پاک نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک پانی کی طرح ہر ایسی بہنے والی چیز سے نجاست دور ہو سکتی ہے جو ایسی رقیق اور سیال ہو کہ نجاست کو دور کر دے۔

شوافع کہتے ہیں کہ حدیث میں صرف پانی ہی سے نجاست دور کرنے کا حکم ہے' کسی اور مائع' بہنے والی رقیق چیز سے نہیں' اس لیے صرف پانی ہی سے نجاست دور ہوگی' دوسری چیزوں سے نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں پانی کا ذکر اس بناء پر ہے کہ پانی ہی آسانی سے دستیاب ہوتا ہے اور عموماً اسی سے نجاست دور کی جاتی ہے۔ پانی کا ذکر بہ منزلہ شرط نہیں بلکہ غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہے' جیسے قرآن مجید میں فرمایا:

وَرَبَآئِبُکُمُ اللّٰاتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ اللّٰاتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ. (النساء:۲۳)

تمہاری گود میں پلنے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں کی ہیں' جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو۔

علاوہ ازیں ایسے مواقع پر تخصیص دوسرے سے نفی کی دلیل نہیں ہوتی' نیز یہ کہ مفہوم لقب ہمارے نزدیک حجت نہیں۔

سیدھی سادی بات یہ ہے کہ کپڑا مثلاً نجاست لگنے سے پہلے پاک تھا' نجاست لگنے سے ناپاک ہوا' جب نجاست کسی چیز سے دور کر دی گئی تو وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا۔

حیض کی شناخت کے بارے میں مذاہب ائمہ

حدیث:۱۶۸ میں فرمایا: "اذا اقبلت حیضتك" اس سے امام شافعی یہ اخذ کرتے ہیں: مراد یہ ہے کہ جب حیض کا خون آئے' حیض کا خون بالکل سرخ یا کالا ہوتا ہے۔ امام شافعی کی توجیہ پر مطلب یہ ہوا کہ جب سرخ یا کالا خون آئے تو حیض شروع ہو گیا اور جب یہ رنگ ختم ہو کر دوسرے رنگ کا آئے تو استحاضہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر اسے پہلے حیض آ چکا ہے تو جن دنوں حیض آنے کی عادت تھی' وہ دن جب آ جائیں تو وہ حائضہ ہو گئی اور ان دنوں کے ختم ہونے پر مستحاضہ' مثلاً کسی عورت کو ہر ماہ پندرہ تاریخ سے بیس تک حیض آتا تھا' اب اسے استحاضہ آنا شروع ہو گیا جو بند ہی نہیں ہوتا تو ایسی عورت کو لازم ہے کہ ہر مہینے کی پندرہ لغایت بیس دن حیض جانے بقیہ ایام استحاضہ۔

اور اگر کسی عورت کو خون آنا شروع ہوا اور پھر بند ہی نہ ہوا' جس سے پہلے کی عادت کا علم ہو تو یہ جس تاریخ سے خون آنا شروع ہوا ہے' اس تاریخ سے دس دن تک حیض شمار کرے اور بقیہ بیس دن استحاضہ۔ (ہدایہ وغیرہ عامہ کتب)

---

[1] بخاری۔ کتاب الحیض۔ باب: هل تصلى المرأة فى ثوب حاضت فيه۔ ص ۴۵' ابوداؤد۔ ج ۱۔ باب: المرأة تغتسل ثوبها الذى تلبسه فى حيضها۔ ص ۵۲ [2] عینی۔ ج ۳ ص ۱۴۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہماری دلیل اسی حدیث کے دوسرے الفاظ ہیں جو مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ بخاری باب ''اذا حاضنت فی شهر ثلاث حیض'' میں ہے:

ولكن دعى الصلٰوة قدر الايام اللتى كنت تحيضين فيها. اتنے دنوں نماز چھوڑ دے جتنے دنوں تجھے حیض آتا تھا۔

اسی حدیث کے ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ان تقعد الايام التى كانت تقعد ثم تغتسل. ان دنوں میں بیٹھے جن دنوں میں بیٹھتی تھی، پھر غسل کرے۔

اسی میں حضرت اُم المؤمنین کی ایک حدیث کے یہ الفاظِ کریمہ ہیں:

فلتنظر قدر ما كانت تحيض فى كل شهر وحيضها مستقيم فلتعد بقدر ذلك من الايام ثم لتدع الصلٰوة فيهن او بقدرهن. جب اس کا حیض درست تھا اس وقت سے ہر مہینے جتنے دن اسے حیض آتا تھا، اتنے دن انتظار کرے، اتنے دن شمار کر لے اور اتنے دنوں میں نماز نہ پڑھے۔

اسی میں اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

فقال لتنتظر عدة الليالى والايام اللتى كانت تحيض من الشهر قبل ان يصيبها الذى اصابها. اس عارضہ سے پہلے جتنے رات دن ہر مہینے اسے حیض آتا تھا، اتنے دنوں انتظار کرے۔

ایک حدیث میں ''قدر ذلك'' ہے، ایک میں ''قدر ما كانت تحبسك حيضتك'' ہے، کسی میں ''ايام اقرائها'' ہے، کسی میں ''مضت ايامها'' ہے۔

حدیث کی ایک روایت دوسری کی اور ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ ''اقبلت حيضتك'' سے مراد عادت کے ایام ہیں۔

شوافع اپنی تائید میں ایک حدیث لاتے ہیں کہ ارشاد فرمایا:

اذا كان دم الحيض فانه دم اسود يعرف فامسكى عن الصلٰوة واذا كان الاخر فتوضى. جب حیض کا خون ہو اور یہ کالا ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے تو نماز چھوڑ دے اور جب دوسرے رنگ کا خون آئے تو وضو کرے۔

اس پر امام نسائی نے یہ نقد فرمایا:

قد روى هذا الحديث غيره واحد ولم يذكر احد منهم ما ذكر ابن عدى. اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے روایت کیا مگر کسی نے بھی وہ نہیں ذکر کیا جو ابن عدی نے ذکر کیا۔

(ج۔ باب: الفرق بين دم الحيض والاستحاضة)

امام نسائی کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی تحقیق کے بہ موجب یہ حدیث شاذ ہے۔ علاوہ ازیں علل ابن ابی حاتم میں اس کو منکر کہا۔

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں امام احمد کا قول نقل فرمایا کہ یہ مدرج ہے بر تقدیر صحت حدیث۔ یہ بہ اعتبار اغلب و اکثر کے ہے، یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے لیکن یہ مدار حکم نہیں۔ علاوہ ازیں اگر اس کو مدار حکم قرار دیں گے تو خرابی یہ لازم آئے گی کہ کبھی کبھی خالص سرخ رنگ کا خون مہینوں آتا ہے تو کیا یہ سب ایام حیض ہی کے شمار ہوں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خارج من غیر سبیلین بھی ناقض وضو ہے

فاطمہ بنت ابی حبیش والی حدیث اس کی دلیل ہے کہ سبیلین کے علاوہ اگر کہیں سے نجاست خارج ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا' اس لیے کہ اس حدیث میں استحاضہ کے خون کے بارے میں نص صریح ہے کہ یہ رگ کا خون ہے۔

سبیلین سے غیر معتاد چیز کا بھی خروج ناقض وضو ہے

دم استحاضہ پیشاب کے مقام سے نکلتا ہے اور یہ غیر معتاد ہے اور ناقض وضو ہے تو ثابت ہوا کہ سبیلین سے غیر معتاد چیز کا خروج بھی ناقض وضو ہے۔ اب یہ حدیث دو مسئلوں کی دلیل بن گئی' ایک اس کی کہ سبیلین کے علاوہ کہیں سے بھی خون یا اور کوئی نجس چیز نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ دوسرے یہ کہ سبیلین سے غیر معتاد چیز بھی نکلے تو ناقض وضو ہے۔

معذور کا حکم

اسی حدیث سے فقہاء نے یہ استنباط فرمایا کہ مستحاضہ اور جو اس کے حکم میں ہے' مثلاً کسی کو سلسل البول ہے یا انفلات ریح کا عارضہ ہے' وہ بھی اتنی شدت کا کہ وضو کر کے فرض پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو وہ معذور ہے۔ اس کے لیے یہ علت ناقض وضو نہیں' خروج وقت ناقض وضو ہے۔ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے خواہ فرض خواہ نفل خواہ وقتیہ خواہ قضاء۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض کے لیے وضو کرے' اس وضو سے اس فرض کے علاوہ اس کے توابع بھی پڑھ سکتا ہے' البتہ ایک وضو سے دو فرض نہیں پڑھ سکتا' مثلاً ظہر کے لیے وضو کیا تو اس وضو سے ظہر کے فرض اور سنت و نوافل پڑھ سکتا ہے' لیکن اگر دوسرے فرض کی قضاء پڑھنی چاہے تو نہیں پڑھ سکتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل اس حدیث کی تمام روایات کا ظاہر لفظ ہے کہ فرمایا: ''توضئی لکل صلٰوۃ'' ہر نماز کے لیے وضو کر' نیز اس عارضہ کے ہوتے ہوئے وضو کے باقی رہنے کا حکم اسی ضرورت سے ہے کہ فرائض قضاء نہ ہوں اور ایک فرض کی ادا کے بعد یہ ضرورت باقی نہ رہی۔

ہماری دلیل اسی حدیث کی وہ روایت ہے جو بہ طریق سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مروی ہے' جس کا لفظ یہ ہے:

توضئی لوقت کل صلٰوۃ. ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کر۔

اسے امام محمد نے اصل میں روایت کیا اور ابن قدامہ نے مغنی میں بھی ذکر کیا۔ اس روایت کے مطابق ''لکل صلٰوۃ''، ''لوقت کل صلٰوۃ'' پر محمول ہے' اس لیے کہ ''لوقت کل صلٰوۃ'' محکم ہے۔ علاوہ ازیں شرع اور عرف دونوں میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں رکھتا۔ بہ خلاف ''لکل صلٰوۃ'' سے نفس صلٰوۃ مراد ہے یا وقت صلٰوۃ' اس لیے کہ صلٰوۃ بول کر نماز کا وقت مراد لینا شرع اور عرف دونوں میں شائع ہے۔ حدیث میں ہے: ''ان للصلٰوۃ اولا و اخرًا'' اور فرمایا: ''ایما رجل ادرکته الصلٰوۃ فلیصل'' عام محاورے میں بولتے ہیں: ''اتیك لصلٰوۃ الظهر'' اس لیے ضروری ہے کہ ''لکل صلٰوۃ'' کو ''لوقت کل صلٰوۃ'' پر محمول کر کے یہ کہا جائے کہ اس میں ''لکل صلٰوۃ'' سے ''لوقت کل صلٰوۃ'' مراد ہے۔ اس کی گنجائش یوں بھی بہت زائد ہے کہ ''لکل صلٰوۃ'' سے بالاجماع اس کا ظاہر معنی مراد نہیں' اس لیے کہ ''لکل صلٰوۃ'' سے بہ ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ ہر ہر نماز کے لیے الگ الگ وضو کرے' تو سنت کے لیے الگ وضو فرض ہو اور فرض کے لیے الگ' نفل کے لیے الگ' مگر امام شافعی بھی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں' بلکہ ایک وضو سے ایک فرض اور اس کے تابع سنن و نوافل معذور پڑھ سکتا ہے۔ یہ ظاہر سے پھیرنا قیاس ہے' جب قیاس سے بالاتفاق یہ حدیث ظاہر معنی سے مصروف ہے تو بہ نص حدیث یہ بدرجۂ اولیٰ ہو گی' جبکہ اس سے دونوں کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ رہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کیا حضرت امام اعظم پر ناخدا ترسوں کی بے بنیاد جرح اور آج کل کے بدزبان غیر مقلدین کی دشنام طرازیاں' ان کے جوابات مقدمہ میں دیئے جا چکے ہیں' اعادہ کی حاجت نہیں۔

١٦٩- ح: حُكْمُ الْمَنِيِّ [منی کا حکم]

١٦٩ - عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ اَغْسِلُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاَثَرُ الْغَسْلِ فِيْ ثَوْبِهٖ بُقَعُ الْمَآءِ.

سلیمان بن یسار نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا اس منی کے بارے میں جو کپڑے کو لگ جائے' تو انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھو دیتی' حضور نماز کے لیے نکلتے اور دھونے کا نشان پانی کے دھبوں کی شکل میں کپڑے پر ہوتا۔

(چار طریقے سے اکٹھے یہیں مذکور ہے۔ مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: حکم المني۔ ص ١٤٠' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المني يصيب الثوب۔ ص ٥٣' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: في المني يصيب الثوب۔ ص ١٧' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: غسل المني۔ ص ٥٦' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المني يصيب الثوب۔ ص ١٤' مسند امام احمد)

باب سے مطابقت

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے:

منی کا دھونا اور اس کا ملنا اور عورت کی جو رطوبت لگ جائے اس کا دھونا۔ اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس میں صرف منی کے دھونے کا ذکر ہے' باب کے تین اجزاء تھے' ان میں سے صرف ایک کے مطابق حدیث لا سکے۔

اقول: تیسرے جز کے بھی مطابق اس حدیث کو کیا جا سکتا ہے' وہ اس طرح کہ پہلی روایت میں ''الجنابة'' اور دوسری میں صرف منی کا لفظ ہے' جنابت سے مراد منی ہی ہے' سبب بول کر مسبب مراد ہے' یا یہ کہ جیسا کہ قاموس میں ہے کہ جنابت کے معنی منی کے بھی آتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ میں منی دھوتی تھی' یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منی کو دھوتی تھی' یہ اپنے اطلاق سے حضرت ام المومنین کی منی کو بھی شامل' اور جماع سے عورت کی منی کا مرد کے کپڑے پر لگ جانا اغلب و اکثر' اس لیے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی' خواہ وہ حضور کی منی ہو یا میری' خواہ دونوں کی مخلوط' البتہ فرق کا اثبات کسی طریقے سے نہیں ہو سکتا' اس کے لیے لوگوں نے جو سعی کی' لاحاصل ہے۔

منی ناپاک ہے

امام شافعی اور امام احمد بہ روایتے منی کو پاک کہتے ہیں' ان لوگوں کی دلیلیں یہ ہیں:

(۱) اصل اشیاء میں طہارت ہے' جب تک دلیل شرعی سے کسی چیز کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو' وہ چیز پاک ہی رہے گی اور منی کی ناپاکی پر کوئی دلیل نہیں' اس لیے وہ پاک ہے۔ رہ گیا احادیث میں دھونے کا تذکرہ' یہ نجاست کو مستلزم نہیں' گھناؤنی ہونے کی وجہ سے بھی دھویا جا سکتا ہے' جیسے رینٹھ دیوار قبلہ پر تھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود دور فرمایا۔

(۲) متعدد احادیث میں وارد ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز پڑھتے[1] ظاہر ہے کہ کوئی نجاست اگر کہیں لگ جائے تو وہ محض کھرچ دینے سے پاک نہ ہو

[1] مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ ص ١٤٠

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

گی۔

(۳) ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا. (الفرقان:۵۴) وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا۔

ظاہر ہے کہ منی پانی نہیں، اب پانی کہنے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ پانی کی طرح پاک ہے۔

انبیاء کرام منی سے پیدا ہوئے ہیں، کیا ان کا تخم ناپاک ہوسکتا ہے۔

احناف کے استدلال

(۱) احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے کپڑے میں جب بھی منی لگی، اگر وہ تر تھی تو دھوئی گئی اور اگر سوکھ گئی تھی تو کھرچ کر دور کی گئی، اسی پر مواظبت رہی، کبھی ایک بار بھی ثابت نہیں کہ دھوئے یا کھرچ کر چھڑائے بغیر حضور نے نماز پڑھی ہو اور کسی فعل پر ایسی مواظبت ہمیشگی پابندی کہ کبھی اس کے خلاف نہ ہو، دلیل وجوب ہے تو ثابت ہوا کہ کپڑے میں منی لگ جائے تو اسے دور کرنا واجب ہے، یہ دلیل ہے کہ منی ناپاک ہے ورنہ اس کا دور کرنا واجب نہ ہوتا، اس لیے یہ کہنا ساقط ہوا کہ منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔

منی کے دھونے کو رینٹھ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ رینٹھ کے بارے میں ثابت ہے کہ اسے نماز کی حالت میں رومال میں لینے کا حکم دیا[1] جو اس کی طہارت کی دلیل ہے مگر منی کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں۔ علاوہ ازیں رینٹھ سے وضو تک نہیں ٹوٹتا اور منی نکلنے سے وضو تو وضو، غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) سوکھی منی کے رگڑنے سے کپڑے کی طہارت چونکہ حدیث سے ثابت ہے، جو اگرچہ خلاف قیاس ہے مگر حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم ہے۔ مسلم میں ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وانی لاحكه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم يابسا بظفری. رسول اللہ ﷺ کے کپڑے میں منی اگر سوکھی ہوتی تو میں اپنے ناخن سے کھرچ دیتی۔

(مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: حكم المنی۔ ص ۱۴۰)

بزار اور ابوعوانہ میں انہیں سے ہے کہ فرمایا:

كنت افرك المنی من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يابسا واغسله اذا كان رطبا. رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی، اگر سوکھی ہوتی اور اگر گیلی ہوتی تو دھو دیتی۔

طہارت صرف پانی سے دھونے میں منحصر نہیں کبھی طہارت رگڑنے سے بھی ہو جاتی ہے، جیسے جوتے اور موزوں میں لگی ہوئی نجاست۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا وطی الاذی بخفيه فطهورهما التراب. جب موزوں کے تلے ناپاکی آ جائے تو اس کو پاک کرنے والی دھول ہے۔

(ج ا- باب: الاذى يصيب النعل)

اس کے علاوہ بھی طہارت کے مختلف اور طریقے ہیں، مثلاً پونچھنا جیسے شیشے، لوہے کی چیزوں میں نجاست لگ جائے تو صرف پونچھنے سے پاک ہو جائے گی۔ جلانا یا جل جانا جیسے جانور کی سری پر خون لگا ہے اسے آگ پر بھونا گیا کہ خون جل گیا، سری پاک ہو گئی۔

[1] بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا بدرہ البزاق۔ ص ۵۹

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سوکھ جانا جیسے زمین یا زمین سے ملحق درخت، گھاس پر نجاست پڑی اور سوکھ گئی، پاک ہو گئی، تہہ نشین ہو جانا، کنواں یا تالاب ناپاک تھا، کسی وجہ سے پانی تہہ نشین ہو گیا کنواں اور تالاب پاک، دھننے سے جیسے ناپاک روئی کو دھن دیا جائے پاک۔ بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہمارے بھائی شوافع یہی سمجھتے ہیں کہ دھونے کے علاوہ ناپاک چیز کے پاک کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ منی کو ملنا اگر ازالۂ نجاست کے لیے نہیں تو کس مقصد کے لیے ہے؟ یہ ملنا لغو اور بے کار ہو جائے گا۔

(۳) جہاں یہ ارشاد ہے: ''وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا'' (الفرقان: ۵۴) وہیں یہ بھی فرمایا:

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ. (النور: ۴۵) اور اللہ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا فرمایا۔

اور چوپایوں کی منی خصوصاً حرام جانوروں کی بالاتفاق ناپاک ہے۔

(۴) انبیاء کرام کا تذکرہ اس موقع پر مناسب نہیں، جس پر بحث گزر چکی۔ جب بر بناء تحقیق انبیاء کرام کے فضلاتِ مبارکہ عام انسانوں کی طرح ناپاک نہیں بلکہ طیب و طاہر ہیں تو جن مبارک نطفوں سے ان کی تخلیق ہوئی ہے، وہ بھی عام انسانوں کے نطفوں کی طرح ناپاک نہیں، طیب و طاہر ہیں۔

دیوبندی شراح کا رد

ویسے بہ طور الزام دیوبندی شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ انبیاء کرام کے اجسام کی اصل ہونے کی وجہ سے منی کو پاک مانتے ہو تو خون کو کیوں ناپاک مانتے ہو جس سے منی بنتی ہے، پھر خون حیض کو کیوں ناپاک کہتے ہو جو ماں کے پیٹ میں جنین کی غذا ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جو ان دیوبندیوں سے اوجھل رہ گیا اور شوافع کی رو میں بہہ گئے، کسی بھی چیز کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت ہے جب وہ جسم سے باہر نکل آئے اپنے معدن و مستقر میں کوئی چیز نجس نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ انسان کبھی بھی پاک نہ ہو، ہمارے جسم میں خون، پیشاب، پاخانہ کتنا بھرا ہے۔

وہ خون جس سے منی بنے یا وہ خون حیض جو جنین کی غذا بنے، اپنے معدن و مستقر میں رہنے کی وجہ سے پاک تھے، یہاں بحث اس منی میں نہیں جو ہمارے جسم کے اندر ہے بلکہ اس میں ہے جو باہر نکل چکی ہے، اس لیے اسلم طریقہ وہی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے کہ جن نطفوں سے انبیاء کرام کے اجسادِ مبارکہ کی تخلیق ہوئی، وہ پاک ہیں۔

ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ منی اگرچہ ناپاک ہے، مگر کئی مراحل میں تغیر و تبدل اختیار کرتی ہے، پھر وہ انسانی وجود اختیار کرتی ہے۔ نطفے کے بعد علقہ، علقہ کے بعد مضغہ، غیر مخلقہ پھر مضغہ مخلقہ بنتا ہے، پھر نفخ روح ہوتی ہے اور تبدیل ماہیت کے بعد ہر ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے، جیسے شراب جب سرکہ ہو جائے، لیکن انبیاء کرام کی عظمت شان اسی کی مقتضی ہے کہ وہی قول کیا جائے کہ جن تخموں سے ان کی تخلیق ہوئی، وہ پاک و طاہر ہیں۔

مولوی محمود الحسن صاحب پر تعقب

ایضاح البخاری میں ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ شوافع نے منی کی طہارت کہاں سے سمجھی ہے؟ کیوں کہ شوافع کے پاس دلیل طہارت میں بس ایک فرک ہے۔ (حصہ ۱۰ ص ۵۰۷)

سابقاً گزر چکا کہ شوافع کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے وہ پاک ہے صرف فرک ہی دلیل نہیں۔ اپنے مقابل کی پوری بات ذہن میں رکھ کر گفتگو کرنی چاہیے۔

منی کی طہارت پر سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام المومنین سے روایت ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

انها تحت المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلى. (بیہقی، دارقطنی) وہ حضور ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچتیں اور حضور نماز پڑھ رہے ہوتے۔

• اگر منی ناپاک ہوتی تو اس سے آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز کی ابتداء ہی درست نہ ہوتی، اس سے ثابت ہوا کہ منی پاک ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب منی سے آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز درست تھی تو حضرت اُم المؤمنین نے اثناء نماز میں اسے کھرچا کیوں؟ اثناء نماز میں کھرچنے سے نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ یقیناً ہے بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی نماز توڑ بیٹھے، اگرچہ حضور کے لیے یہ احتمال نہیں مگر خشوع وخضوع میں کما حقہ تو ضرور خطرہ ہے، بلا کسی فائدے کے حضرت امیر المؤمنین نے یہ لغو کام کیوں کیا؟

اس سے ظاہر ہوگیا کہ اس حدیث کے وہ معنی نہیں جو ظاہر لفظ سے متبادر ہے اور جو شوافع نے لیا ہے، بلکہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اُم المؤمنین، حضور اقدس ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھیں اور اس کے بعد حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے: ''فيصلى فيه'' اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ''ثم يصلى فيه'' وارد ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اگر منی پاک ہوتی تو کم از کم بیان جواز کے لیے ایک بار ہی ایسا ضرور حضور اقدس ﷺ نے کیا ہوتا کہ منی لگنے کے بعد کپڑے کو بغیر دھوئے یا منی کو بغیر کھرچے نماز پڑھتے، مگر کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ نہیں آیا کہ کپڑے میں منی لگی ہو اور حضور نے نماز پڑھی ہو، اس سے ثابت ہوا کہ منی ضرور ناپاک ہے، البتہ اگر سوکھ گئی ہے تو اس کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُسے کھرچ دیا جائے۔

علامہ نووی کی لغزش

علامہ نووی نے یہ تحریر فرمایا کہ حضرت علی، حضرت اُم المؤمنین عائشہ، حضرت سعد بن وقاص، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی منی کی طہارت کے قائل ہیں،[1] لیکن احادیث کے ذخائر میں کہیں ان حضرات کا یہ قول نہیں ملا کہ یہ لوگ منی کو پاک مانتے ہوں بلکہ سوائے علامہ نووی کے اور کسی بزرگ نے ان حضرات کی طرف اس کی نسبت نہیں کی ہے، یقیناً یہ علامہ نووی کی لغزش ہے۔ ان میں حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایات سے واضح ہے کہ وہ منی کو ناپاک جانتی تھیں۔

اسی حدیث کی دوسری روایات پر جو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ہیں، امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے:

اذا غسل الجنابة او غيرها ولم يذهب اثره. جب منی یا کچھ اور دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے۔

اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں وہ صرف منی دھونے کے بارے میں ہے، منی کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں کوئی حدیث نہیں لائے۔

اس پر علامہ عینی نے یہ فرمایا: ترجمہ بلا حدیث غیر مفید ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس کی توجیہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کا یہ طریقہ بھی ہے کہ اگر کسی حدیث سے کوئی خاص جزوی بات ثابت ہوتی ہو مگر ان کے نزدیک وہ حکم اس صرف جزئی کے لیے خاص نہ ہو، عام ہو تو ایسی جگہ ''وغیرہ'' یا ''وغيرها'' کا اضافہ کردیتے ہیں تاکہ تعمیم کا افادہ ہوجائے، پھر اس باب میں وہ حدیث لاتے ہیں جس سے خاص وہ جزوی حکم ثابت ہوتا ہے، جیسے کتاب العلم۔ ص ۱۸ پر یہ باب باندھا ہے:

باب الفتيا وهو واقف على ظهر الدابة او عالم سے ایسی حالت میں سوال کرنا کہ وہ چوپائے وغیرہ پر

---

[1] شرح مسلم۔ ج ۱ ص ۱۴۰

ہو۔

غیرھا۔

یہاں تو یہ بھی ہے کہ جو حدیث لائے اس میں چوپائے کا ذکر نہیں، مگر اسی حدیث کے دوسرے طرق میں اونٹ مذکور ہے، امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ امام چوپائے پر سوار ہو یا اور کسی چیز پر اس سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح یہاں حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ منی کے لیے ہے، مگر یہ منی کے ساتھ خاص نہیں، ہر نجاست کو عام ہے، اس کی طرف اشارہ کے لیے امام بخاری نے وغیرہا کا اضافہ کیا۔

اس باب کے لفظ ''ولم يذهب اثره'' پر شراح میں بحث چھڑ گئی کہ ''اثرہ'' کی ضمیر کا مرجع غسل ہے یا جنابت، اگر جنابت کو مرجع مانا جائے جیسا کہ علامہ کرمانی و علامہ عسقلانی نے مراد لیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نجاست دھونے کے بعد اگر نجاست کا جرم دور ہو جائے اور کچھ اس کا اثر مثلاً رنگ باقی رہ جائے جس کا دور ہونا دشوار ہو تو کوئی حرج نہیں، مگر اس کا اثبات حدیث کے کسی لفظ سے نہیں ہوتا اور اگر اس کا مرجع ''غَسْلٌ'' کو ٹھہرایا جائے جس پر ''غَسَلَ'' دلالت کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نجاست دھونے کے بعد دھونے کا نشان باقی رہے، اس پر حدیث کا یہ لفظ ''واثر الغسل فيه بقع الماء'' حال یہ ہوتا کہ کپڑے میں دھونے کے نشانات پانی کے دھبے ہوتے، اور یہی دوسرے طریقے پر مروی ''ثم اراه فيه بقعة او بقعا'' سے بھی مستفاد ہے، فرماتی ہیں: میں پانی کا دھبہ یا چند دھبے دیکھتی۔ یہاں منی کے دھبے کے کوئی معنی نہیں، منی کا رنگ ایسا نہیں کہ دھونے کے بعد باقی رہے۔

ت٤٦ - وَصَلّٰى اَبُوْ مُوْسٰى فِيْ دَارِ الْبَرِيْدِ وَالسِّرْقِيْنُ وَالْبَرِّيَّةُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَقَالَ هَا هُنَا وَثَمَّ سَوَاءٌ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دارالبرید میں نماز پڑھی، جہاں گوبر تھا اور میدان ان کے پہلو میں تھا اور کہا: یہاں وہاں یکساں ہے۔

(ابونعیم استاذ بخاری۔ کتاب الصلوۃ، مصنف ابن ابی شیبہ)

دارالبرید

کوفہ میں ایک کنارے پر ایک جگہ کا نام تھا، جہاں پیام رساں قاصد ٹھہرا کرتے۔ امام بخاری نے یہاں یہ باب باندھا ہے:

باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضها. اونٹوں اور چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب اور ان کے رہنے کی جگہوں کا بیان۔

یہ تو امام بخاری نے تصریح نہیں کی کہ وہ چوپایوں کے پیشاب و پاخانے کو پاک مانتے ہیں کہ ناپاک؟ لیکن جو حدیثیں باب کے ثبوت میں لائے ہیں، ان سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ وہ پاک مانتے ہیں اور یہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اثر سے اس کا اثبات مشکل ہے۔ دارالبرید میں نماز پڑھنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ انہوں نے خاص ایسی جگہ نماز پڑھی، جہاں گوبر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھی ہو جہاں گوبر نہ رہا ہو، قریب میں رہا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ چٹائی یا کپڑا بچھا کر نماز پڑھی ہو، یہ نظافت کے بھی خلاف ہے کہ ایسی جگہ بغیر کچھ بچھائے نماز پڑھی جائے۔

حضرت ابوموسیٰ، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے، اسی وقت کا یہ قصہ ہے۔

١٧٠ - ح: عُكْلٌ وَعُرَيْنَةُ [حدیثِ عُکل اور عُرینہ]

١٧٠ - عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ اُنَاسٌ مِّنْ عُكْلٍ اَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَّاَنْ يَّشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے، انہیں مدینہ ناموافق آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دودھ والی اونٹنیوں میں جانے کا حکم دیا اور یہ کہ ان کے دودھ اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صَحُّوْا قَتَلُوْا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَجَاءَ الْخَبَرُ فِيْ اَوَّلِ النَّهَارِ فَبَعَثَ فِيْ اٰثَارِهِمْ فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيْءَ بِهِمْ فَاَمَرَ فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ وَسُمِرَتْ اَعْيُنُهُمْ وَاُلْقُوْا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَلَا يُسْقَوْنَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوْا وَقَتَلُوْا وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

پیشاب کو پییں؛ یہ لوگ وہاں گئے اور جب تندرست ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے؛ اس کی اطلاع دن کے ابتدائی حصے میں آئی؛ حضور نے ان کے تعاقب میں بھیجا؛ جب دن چڑھ گیا تو انہیں لایا گیا؛ حضور نے ان کے بارے میں حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی اور دھوپ میں ڈال دیئے گئے؛ پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی دیا نہیں گیا۔ ابوقلابہ نے کہا: انہوں نے چوری کی اور قتل کیا اور مؤمن ہونے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کی۔

(ایضاً۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: استعمال ابل الصدقة والبانها لأبناء السبيل۔ ص ۲۰۳۔ کتاب الجہاد۔ باب: اذا حرق المشرك المسلم هل يحرق۔ ص ۴۲۳۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: قصة عكل و عرينة۔ ص ۶۰۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله۔ ص ۶۶۳۔ کتاب الطب۔ باب: الدواء بالبان الابل۔ باب: الدواء بابوال الابل۔ ص ۸۴۸۔ باب: من خرج من ارض لا تلائمه۔ ص ۸۵۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: لم يسق المرتدون والمحاربون حتى ماتوا۔ ص ۱۰۰۵۔ کتاب الدیات۔ باب: القسامة۔ ص ۱۰۱۹، مسلم۔ ج ۲۔ کتاب القسامۃ۔ باب: حكم المحاربين والمرتدين۔ ص ۵۷، ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الحدود۔ باب: ما جاء فى المحاربة۔ ص ۲۴۴، ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فى بول ما يوكل لحمه۔ ص ۱۱، نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: بول ما يوكل لحمه۔ ص ۵۷۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المحاربۃ۔ باب: تاويل قول الله عزوجل انما جزاء الذين يحاربون الاٰية۔ ص ۱۶۵، ابن ماجہ۔ کتاب الحدود۔ باب: من شهر السلاح۔ ص ۱۸۸، مسند امام احمد)

عکل

عین کو ضمہ کاف ساکن؛ یہ پانچ قبائل کا نام ہے؛ ان سب کا مورث اعلیٰ عوف بن وائل تھا؛ اس کے پانچ بیٹے تھے: حارث، جشم، سعد، عل، قیس۔ جب ان کی ماں بنت ذی اللحیہ مر گئی تو ان کی پرورش عکل نام کی ایک حبشی لونڈی نے کی تھی؛ اس کے نام پر ان کے قبیلے کا نام عکل پڑ گیا۔

عرینہ

تصغیر کے صیغہ پر بنی طے کی ایک شاخ تھی جو عرینہ بن نذیر یا عرینہ بن عزیز بن نذیر کی اولاد ہیں۔

ان کی تعداد

یہ کل آٹھ تھے؛ جیسا کہ کتاب الجہاد اور کتاب الدیات کی روایت ہے؛ یہاں شک کے ساتھ روایت ہے؛ مگر یہ شک کسی راوی سے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عکل اور عرینہ دونوں قبیلوں کے آدمی تھے؛ جیسا کہ کتاب المغازی میں حرف تردید کے بغیر دونوں کا نام ہے؛ رہ گئے وہ طرق جن میں صرف عکل یا صرف عرینہ کا نام ہے؛ یہ راوی کا اختصار ہے۔ ابوعوانہ اور طبرانی کی روایت میں یہ ہے کہ سات تھے؛ چار عرینہ کے اور تین عکل کے۔ یہ بخاری کی روایت کے معارض ہے۔ علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ ہو سکتا ہے کہ ایک اور کسی قبیلے کا رہا ہو؛ جو ان کا تابع تھا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تکمیل

یہ حدیث بخاری میں بارہ جگہ مختلف الفاظ اور کمی زیادتی کے ساتھ مذکور ہے، اس کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا، کچھ دن مدینہ منورہ میں رہے مگر بدطینتوں کو مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی ان کو استسقاء کی بیماری ہوئی، پھر ان کی درخواست پر یا از خود حضور اقدس ﷺ نے ان کو مدینہ سے باہر وہاں بھیج دیا جہاں سرکاری اور زکوٰۃ کے اونٹ رہتے تھے۔ حضور نے ان سے فرمایا کہ اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پیو، کچھ دن میں یہ صحت مند ہو گئے تو انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے چرواہے حضرت یسار کو انتہائی درندگی کے ساتھ شہید کر دیا، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے، زبان میں کانٹے چبھوئے، ترمذی میں ہے: آنکھیں پھوڑ دی تھیں، اور ایک اونٹ ذبح کر لیا، بقیہ اونٹوں پر ڈاکہ ڈال کر ہانک کر لے گئے، اس رات حسب عادت خدمت اقدس میں دودھ نہیں پہنچا تو حضور نے بددعا کی:

اللّٰهم عطش من عطش آل محمد الليلة. اے اللہ! اسے پیاسا رکھ! جس نے آل محمد کو پیاسا رکھا۔

(عینی بحوالہ نسائی۔ ج ۳ ص ۱۵۶، نسائی۔ ج ۲۔ کتاب المحاربۃ۔ باب: تاويل قول الله عز وجل انما جزاء الذين يحاربون الله. الآية۔ ص ۱۶۷)

دوسرے چرواہے نے آکر واقعہ بتایا تو حضور نے حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بیس سواروں کا دستہ جن میں اکثر انصار کرام تھے، ان ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے بھیجا، ساتھ میں ایک قیافہ شناس لے لیا جو قدموں کے نشانات دیکھ کر بتاتا کہ یہ ظالم کدھر بھاگے ہیں۔

یہ سب اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے کہ پکڑ لیے گئے اور مدینہ لائے گئے، حضور رحمت عالم ﷺ نے حکم دیا تو ان کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ مدینہ کے باہر حرہ میں دھوپ سے جھلتی پتھریلی زمین پر ڈال دیئے گئے، تڑپ تڑپ کر جہنم میں گئے، پانی مانگتے تھے مگر ان کو کسی نے پانی نہیں دیا، شدت تکلیف و پیاس سے زمین دانتوں سے کاٹتے پتھر چباتے۔ بخاری، کتاب المغازی، ص ۲۴۳ میں ہے کہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔ ترمذی میں ہے کہ انہوں نے چرواہے کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی تھی۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی نہیں کئی چرواہوں کو شہید کیا تھا، یہ واقعہ ۶ ھ میں ہوا۔

استنباط مسائل

امام مالک کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے، اور امام محمد نے فرمایا کہ بہ طور علاج حلال جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے، مگر احناف اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ حرام جانوروں کی طرح حلال جانوروں کا بھی پیشاب ناپاک ہے اور بہ طور دوا بھی اس کا استعمال جائز نہیں۔ رہ گیا ان خبثاء کو اونٹ کے پیشاب پینے کی اجازت، تو وہ اس وجہ سے تھی کہ حضور دانائے غیوب ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ حقیقت میں مؤمن نہیں اور ان خبثاء کا علاج یہی ہے کہ ان کو اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پلائے جائیں۔ آج بھی اگر کسی کو وہی یقین جو حضور اقدس ﷺ کو حاصل تھا، کسی حرام چیز کے بارے میں حاصل ہو جائے کہ اس سے فلاں بیماری سے شفاء حاصل ہو گی تو اسے اجازت ہے، جیسے مخمصہ کی حالت میں شراب اور مردار کی حرمت باقی نہیں رہتی، لیکن ایسا یقین حاصل کرنے کا ذریعہ اب کہاں رہا؟

جمہور اور احناف کا استدلال گزر چکا کہ فرمایا: "استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه" پیشاب سے بچو کہ عام عذاب قبر پیشاب سے ہوتا ہے۔ "استنزهوا" صیغہ امر ہے، جس میں اصل وجوب ہے، جب دوسرے قرائن سے خالی ہو تو وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں کسی دوسرے معنی کا کوئی قرینہ نہیں بلکہ (عامة عذاب القبر منه) وجوب کے لیے قرینہ ہے، پیشاب سے بچنا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

واجب اسی لیے ہے کہ پیشاب ناپاک ہے۔

''دواءً'' بھی پیشاب کا استعمال جائز نہیں

پیشاب یا کوئی نجس یا حرام چیز بہ طور دوا بھی استعمال کرنا جائز نہیں' اس لیے کہ حرمت یقینی اور شفاء ظنی۔ کسی بھی دواء سے شفاء یقینی نہیں' صرف یہ ظن حاصل ہوتا ہے کہ اس سے شفاء حاصل ہوگی' بلکہ حدیث میں ہے:

ان اللّٰہ لم یجعل شفاء کم فی حرام. (ابن حبان) اللہ نے حرام چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ شراب دواء ہے' تو فرمایا:

لا ولکنھا داءٌ. (ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۸۵) شراب دوا نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان اللّٰہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم. (بخاری۔ ج ۲ ص ۸۴۰) حرام چیزوں میں اللہ نے تمہاری شفاء نہیں رکھی۔

اور فرمایا:

لا تتداووا بالحرام. (ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۸۵) حرام سے علاج نہ کرو۔

اور وارد ہے: ''نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الدواء الخبیث'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندی دوا سے منع فرمایا۔

ایک شبہہ کا ازالہ

یہ جو فرمایا کہ حرام میں شفاء نہیں' اس پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بار بار کا تجربہ ہے کہ بہت سی چیزیں حرام ہیں مگر ان سے بہت سے امراض میں شفاء حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض حرام اشیاء سے بعض بیماریوں میں شفاء حاصل ہوتی ہے' مگر یہ یاد رکھے کہ شریعت نے جن جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے' ان میں کوئی نہ کوئی شدید ضرر ہے جو لاعلاج ہے۔ اب اگر کسی حرام چیز سے ایک بیماری سے شفاء حاصل ہوئی تو دوسری اس سے سنگین بیماری کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے' یہ بہ ظاہر تو شفاء ہے مگر حقیقت میں شفاء نہیں ضرر ہے' جیسا کہ شراب کو لے لو' اس سے فی الجملہ بعض بیماریوں سے شفاء حاصل ہوتی ہے' مگر یہ خود کتنی ضرر رساں ہے' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آدمی کو بے عقل بنا دیتی ہے' جو چیز انسان سے عقل کو سلب کر لے' اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی' اس سے زیادہ مضر اور کیا چیز ہو سکتی ہے' اسی طرح حرام چیز کے اندر اگر تھوڑا سا نفع ہے تو ضرر اس سے کہیں بڑھ کر ہے' اس لیے حدیث کا یہ ارشاد کہ حرام میں تمہاری شفاء نہیں' اپنی جگہ درست ہے۔

نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آدمی کو اگر کہیں کی آب و ہوا ناموافق ہو تو وہ جگہ بدل سکتا ہے۔ زکوٰۃ کے اونٹوں سے مسافروں کو انتفاع جائز ہے۔ اس حدیث سے مثلہ کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر یہ حکم منسوخ ہے' کسی کا بھی مثلہ کرنا صورت بگاڑنا جائز نہیں۔ بخاری ہی میں ہے:

نھی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن النھبی والمثلۃ. (ج ۱ ص ۳۳۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ کھسوٹ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو جلا دے تو قصاص میں اس مشرک کو جلانا جائز ہے' اس لیے حضور اقدس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ﷺ نے ان ظالموں کی آنکھوں میں گرم کرا کے سلائیاں پھروائیں اگر چہ ان درندوں نے سرکاری چرواہے کی آنکھ میں گرم سلائی نہیں پھیری تھی' کانٹوں سے آنکھ ضائع کی تھی تو جبکہ ان ظالموں نے آگ کا عذاب نہیں دیا تھا' پھر بھی حضور اقدس ﷺ نے انہیں آگ کا عذاب دیا تو جب کوئی ظالم کسی مسلمان کو آگ سے جلائے تو بہ درجۂ اولیٰ اسے آگ میں جلایا جا سکتا ہے' لیکن بعد میں یہ بھی منسوخ ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

ان النار لایعذب بھا الا اللّٰہ. آگ کا عذاب صرف اللہ ہی دے گا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الجہاد۔ باب: لا یعذب بعذاب اللّٰہ۔ ص ۴۲۳' ترمذی۔ ج ا ص ۱۹۰)

دوسری روایت میں ہے:

لا یعذب بالنار الا رب النار. (ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۷) آگ کا عذاب آگ کا رب ہی دے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکوؤں نے اگر مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے اور قتل بھی کیا جائے گا۔ تفصیل کتاب الحدود میں آئے گی۔

"قال ابو قلابۃ فھٰـؤلاءِ" میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ راوی حدیث ایوب کا مقولہ ہو تو یہ بھی اسناد کے تحت ہے۔ یعنی ابوقلابہ سے امام بخاری تک سند متصل ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ امام بخاری کا مقولہ ہو تو یہ تعلیق ہو جائے گی۔ بہر تقدیر یہ حضرت ابوقلابہ کا قول ہے۔ ان ظالموں کو اتنی سخت سزا کیوں دی گئی؟ اسی کی علت بیان فرمائی کہ ان کا جرم بہت سنگین تھا' یہ اکٹھے چار چار جرائم کے مرتکب تھے: ڈاکہ ایک' قتل دو' ارتداد تین' اللہ اور رسول سے لڑائی چار' ان چاروں میں ہر ایک نہایت سنگین جرم ہے اور ان میں سے ہر ایک کی سزا قتل' اور جبکہ انہوں نے چار چار ایسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تو جرم کے اعتبار سے ان کی یہ سزا کم ہی ہے۔

ایضاح البخاری میں یہ لکھا ہے کہ یہ بالکل صبح سویرے کا واقعہ تھا' جب وقت پر سرکار کے گھر دودھ نہیں پہنچا تو آپ نے بددعا دی۔ (ج ۱۰ ص ۵۱۳)

ان خبثاء نے ڈاکہ صبح کے وقت نہیں رات میں ڈالا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دودھ جب وقت پر رات میں نہیں پہنچا تو حضور اقدس ﷺ نے یہ بددعا کی:

اللّٰھم عطش من عطش ال محمد اللیلۃ. اے اللہ! جس نے آج رات آلِ محمد کو پیاسا رکھا' اسے پیاسا رکھ۔ (عینی۔ ج ۳ ص ۱۵۶)

نیز ایضاح البخاری میں بڑے ادب سے ان خبثاء کو حضرات لکھا ہے' ایک بار نہیں پانچ بار۔ یہ دیوبندی مذہب کی روح ہے' اللہ اور اس کے رسول کے محارب ڈاکو مرتدین ان کے مذہب میں اتنے قابلِ احترام ہیں کہ انہیں حضرات سے تعبیر کرتے ہیں۔

١٧١- ح: اَلصَّلٰوۃُ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ [بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا]

١٧١- عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ قَبْلَ اَنْ یُّبْنَی الْمَسْجِدُ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ. حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ مسجد بنانے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

(ایضاً کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مسجدًا۔ باب: الصلوۃ فی مرابض الغنم۔ ص ۶۱۔ باب: بنیان الکعبۃ مقدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔ ص ۵۶۰' مسلم۔ ج ا۔ کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ۔ ص ۲۰۰' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: بناء المساجد۔ ص ۶۵' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الصلوۃ۔ باب: ما جاء فی الصلوۃ فی مرابض الغنم۔ ص ۴۶' نسائی۔ ج ا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کتاب المساجد۔ باب: نبش القبور واتخاذ ارضها مساجداً۔ ص ۱۱۴، مسند امام احمد)

چوپایوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے یا ناپاک؟

اس حدیث کے بھی لانے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہی ہے کہ چوپایوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے، ورنہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا کیسے صحیح ہوتا؟ ہمارا جواب ظاہر ہے کہ نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ چٹائی وغیرہ بچھائے بغیر براہ راست زمین پر پڑھی ہو، یہ لازم نہیں کہ جہاں نماز پڑھی ہو وہ جگہ ناپاک ہی ہو۔ وہاں بکری کا پیشاب یا مینگنی پڑی ہو یا پڑی تھی مگر سوکھ کر زمین پاک نہیں ہوگئی تھی، اس لیے محض نماز پڑھنے سے زمین کی طہارت پر استدلال درست نہیں۔

اگر نماز پڑھنے سے زمین کی طہارت پر استدلال درست مان لیا جائے تو مواطن ابل، اونٹوں کے رہنے کی جگہ نماز سے ممانعت ہے، اس سے اونٹ کے پیشاب ومینگنی کے ناپاک ہونے پر کوئی استدلال کرے تو کیا کہیں گے؟

امام بخاری کا مسلک

امام بخاری کا مسلک کیا ہے؟ وہ اچھی طرح واضح نہیں، جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے، دونوں حدیثوں اور اثر حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اونٹ اور بکری اور دوسرے چوپایوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے۔ اب پھر ابہام یہ پیدا ہوتا ہے کہ دواب کا اطلاق عرف میں ہر چوپائے پر ہوتا ہے، خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو، اثر حضرت ابوموسیٰ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اس لیے کہ اس زمانے میں سواری میں گھوڑوں کے ساتھ گدھے بھی استعمال ہوتے تھے، بلکہ ان ممالک میں اب بھی گدھے کو سواری کے کام میں لاتے ہیں، اس لیے دارالبرید میں گدھے بھی ضرور رہتے ہوں گے، ان کی لید بھی ضرور پڑتی رہی ہوگی، ان کا پیشاب بھی ضرور رہتا رہا ہوگا، پھر بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری نے نماز پڑھی، جس سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گدھے کا پیشاب اور اس کی لید پاک ہے، تو جس طرح اونٹ اور بکری پر قیاس کر کے تمام ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب وپاخانے کو پاک کہہ سکتے ہیں، اسی طرح گدھے پر قیاس کر کے غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب وپاخانے کو پاک کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "کانت الکلاب تقبل وتدبر" کے ذکر کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کتے کے پیشاب اور پاخانے کو پاک مانتے ہیں، لیکن امام بخاری کا مذہب کیا ہے وہ قطعی طور پر واضح نہیں ہوسکا، ان کے ان ابواب کو دیکھنے کے بعد دونوں میں سے ایک بات کو ماننا ہی پڑے گا، یا تو امام بخاری حرام حلال تمام جانوروں کے پیشاب وپاخانے کو پاک مانتے ہیں یا کم از کم ان کی نجاست کے بارے میں متردد ضرور ہیں۔

احناف کا مسلک اور دلائل

احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تمام چوپایوں کے پیشاب اور پاخانے ناپاک ہیں، پیشاب کے دلائل گزر چکے۔ پاخانے کے ناپاک ہونے کے دلائل یہ ہیں:

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الجلالۃ والبانہا۔ (ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ ص ۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کے کھانے سے اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔

مجمع البحار میں ہے کہ "جلۃ" کے معنی مینگنی کے ہیں، اس لیے جلالہ کے اصل معنی ہوئے مینگنی کے کھانے والے، اس سے ظاہر ہوا کہ مینگنی ناپاک ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جاء احدكم المسجد فلينظر فان رأى في نعليه قذرا او اذى فليمسحه. جب مسجد میں آؤ تو اپنی جوتیوں کو دیکھ لو اگر اس میں گندگی یا ناپاکی لگی ہو تو اسے دور کرلو۔

(ج ا۔ باب: الصلوٰۃ فی النعال۔ ص ۹۹)

جوتے اور چپل میں انسان کے پیشاب اور پاخانے کا لگنا بہت مستبعد ہے۔ راستوں میں چوپایوں کے گوبر عام طور پر ہوتے ہیں انہیں سے جوتے اور چپل آلودہ ہوتے ہیں اس لیے چوپایوں کے گوبر ناپاک ہیں۔

باب "لا يستنجي بروث" کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث گزری کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر کے بارے میں فرمایا: "هذا ركس" "یہ نجاست ہے"۔

ہمارے ائمہ نے اس اتفاق کے بعد کہ چوپایوں کے پیشاب و پاخانے ناپاک ہیں اس میں اختلاف کیا کہ ان کی نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حرام چوپایوں کے پیشاب اور پاخانے دونوں اور گھوڑے کی لید اسی طرح حلال جانوروں کے پاخانے نجاست غلیظہ ہیں۔

گھوڑے اور حلال جانوروں کے پیشاب نجاست خفیفہ ہیں۔

حضرت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ حلال جانوروں کے پاخانے کو بھی نجاست خفیفہ مانتے ہیں۔

دلائل

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ چوپایوں کے پاخانے کی نجاست نص یعنی حدیث سے ثابت ہے اور اس کے معارض کوئی نص نہیں اس لیے یہ نجاست غلیظہ ہوئی۔ بہ خلاف پیشاب کے کہ "استنزهوا من البول" کے معارض عرینیین کی حدیث ہے اس لیے ان کے پیشاب نجاست خفیفہ ہوئے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ حلال جانوروں کے پاخانے کی طہارت و نجاست میں مجتہدین کا اختلاف ہے اس لیے اس میں تخفیف ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حرام جانوروں کے بہ نسبت ابتلاء عام ہے اس لیے اس میں تخفیف ہونی لازم ہے۔

مرابض غنم اور معاطن ابل کے احکام کے مختلف ہونے کی وجہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی اجازت دی ہے مگر اونٹوں کے تھانوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ بکری کا پیشاب اور اس کی مینگنی پاک ہے اور اونٹ کا پیشاب اور اس کی مینگنی ناپاک بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ بکری سیدھی سادی بے ضرر ہے اور اونٹ کبھی درندوں کی طرح خطرناک ہو جاتا ہے کسی نے نماز شروع کی اور اونٹ کو مستی سوجھی تو بھاگنا مشکل ہو جائے گا۔ علامہ عینی نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے اور معاطن ابل میں نہ پڑھنے کے سلسلے میں چند احادیث ذکر کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الغنم من دواب الجنة فامسحوا رغامها وصلوا في مرابضها. بکری جنت کے چوپایوں میں سے ہے اس کی رینٹھ صاف کرو اور ان کے باڑوں میں نماز پڑھو۔

احسنوا اليها واميطوا عنها الاذى. بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کے آس پاس سے گندگی دور کرو۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صلوا فی مرابض الغنم فلا تصلوا فی اعطان الابل فانها خلقت من الشیاطین.

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹ کے تھان میں نہ پڑھو کہ اونٹ شیطان سے پیدا کیے گئے ہیں۔

اذا ادرکتکم الصلٰوۃ وانتم فی مراح الغنم فصلوا فیها فانها سکینة وبرکة واذا ادرکتکم الصلٰوۃ وانتم فی اعطان الابل فاخرجوا منها فانها جن خلقت من الجن الا تری اذا نفرت کیف تشمخ بانفها.

جب نماز کا وقت آ جائے اور تم بکریوں کے باڑے میں ہو تو وہیں نماز پڑھ لو اس لیے کہ بکری میں سکینت اور برکت ہے اور جب نماز کا وقت ایسے مواقع پر آئے کہ تم اونٹ کے تھان میں ہو تو باہر نکل جاؤ' اس لیے کہ یہ جن ہیں اور جن سے پیدا کیے گئے ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب بگڑتے ہیں تو کیسے ناک چڑھاتے ہیں۔

مؤطا امام محمد میں ایک اور حدیث ہے' اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں' فرمایا:

احسن الیٰ غنمك واطب مراحها وصل فی ناحیتها فانها من دواب الجنة. (ص ۱۲۴)

بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو' ان کے رہنے کی جگہ عمدہ اور صاف رکھو اور اس کے گوشے میں نماز پڑھو' اس لیے کہ وہ جنتی چوپایوں میں سے ہیں۔

اس حدیث نے پوری بحث صاف کر دی کہ مرابض غنم میں نماز پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں بکریوں کی مینگنیاں اور پیشاب ہوں وہاں پڑھو' بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے کسی گوشے میں جو صاف و پاک ہو' پڑھو۔

ت٤٧ - قَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِالْمَآءِ مَا لَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ اَوْ رِيْحٌ اَوْ لَوْنٌ. (مسند عبداللہ بن وہب)

امام زہری نے فرمایا: پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں' اگر نجاست اس کا مزہ یا بو یا رنگ نہ بدلے۔

امام زہری کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں اگر نجاست گر جائے تو پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا' جب تک کہ پانی میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ نہ آ جائے خواہ پانی تھوڑا ہو خواہ زیادہ' مثلاً ایک چلو ہو' یا پورا تالاب' راکد ہو یا جاری۔

امام بخاری کا مسلک اور دیگر ائمہ کے مذاہب

اس سلسلے میں ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی امام مالک کا بھی ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ بہت تھوڑا پانی ناپاک ہو جائے گا' اگرچہ اس میں نجاست کا کوئی اثر نہ ظاہر ہو' لیکن اگر دو قلّے یعنی دو مٹکے ہے تو جب تک نجاست کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو' پاک ہے۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی قلیل ہے تو بہر حال ناپاک ہو جائے گا' اگرچہ نجاست کا اس میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور اگر کثیر ہو تو ناپاک نہ ہوگا' جب تک نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔ یہ حکم ماء راکد کا ہے' ماء جاری قلیل ہو یا کثیر جب تک اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو' پاک ہی رہے گا۔ ہاں! اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو تو ماء جاری بھی ناپاک' اصحاب ظواہر کو چھوڑ کر پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر جاری ہو یا راکد' جب اس میں نجاست پڑے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر ہو جائے تو وہ بہر حال ناپاک ہے۔

اصحاب ظواہر قریب قریب اس کے قائل ہیں کہ پانی کسی حال میں بھی ناپاک نہیں' قلیل ہو یا کثیر' اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اصحاب ظواہر کا مذہب اتنا کمزور ہے کہ اب کوئی بھی اس کا قائل نہ رہا' حتیٰ کہ غیر مقلدین بھی اس بارے میں ظواہر کے ہم نوا نہیں' جو اس زمانے میں ظواہر کی گڑھی ہڈیاں اکھاڑ اکھاڑ کر دنیا میں پھیلا رہے ہیں' رہ گئے قابل اعتناء تو یہ تین مذہب ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولانا عبدالحی لکھنوی پر تعقب

مولانا عبدالحی لکھنوی نے التعلیق المجد میں باب ''الوضوء مما تشرب منه السباع وتلسع'' (ص ٦٧) کے تحت لکھا ہے کہ سب سے راجح مالکیہ کا مذہب ہے۔ مولانا صاحب کی یہ عادت ہے کہ انہوں نے ایک دو جگہ نہیں کتنی جگہ مخالفین کے پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیئے ہیں بلکہ کہیں کہیں غیر مقلدیت کی بولی بولنے لگتے ہیں، یہی یہاں بھی کیا' آپ نے لکھا تو یہ ہے کہ سب مذاہب کے دریاؤں میں گھسا اور سب مذاہب کی کتابیں دیکھیں تو یہ سمجھا ہے۔ آیئے ہم ناظرین کو عینی شرح بخاری کا اس جگہ کا اقتباس دکھائیں تو معلوم ہوگا کہ ہوسکتا ہے کہ مولانا صاحب لکھنوی نے دیگر مذاہب کے دریاؤں میں غوطہ زنی کی ہو مگر مذہب حنفی کے دریا کے ساحل تک بھی اس مسئلہ میں نہیں پہنچے' فتح الباری میں ہے:

چونکہ امام مالک نے اپنے مذہب میں قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی' اس لیے اس پر ابوعبید نے کتاب الطہارۃ میں یہ اعتراض کیا کہ اس پر لازم آتا ہے کہ اگر پانی کے لوٹے میں کوئی پیشاب کردے اور پانی کا وصف نہ بدلے تو اس پانی سے وضو وغیرہ (مثلاً پینا) سب جائز ہو' حالانکہ یہ بات کتنی شنیع وقبیح ہے۔

اس لیے حدیث قلتین کی روشنی میں ماء قلیل وکثیر کی حد قائم کردی جائے۔ رہ گئی یہ بات کہ امام بخاری نے ''حدیث قلتین'' اپنی کتاب میں ذکر نہیں کی' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے مگر اس کے راوی ثقہ ہیں اور ائمہ کی ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے' البتہ قلتین کی مقدار پر اتفاق نہیں۔ امام شافعی نے احتیاطاً پانچ قرب حجازی مقرر فرمایا ہے' اسی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ''الماء لا ینجسه شیء'' کی تخصیص فرمائی۔

حدیث ''قلتین'' پر علامہ عینی کی جرح

اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں: ''قلتین'' کی حدیث سے کوئی مدد کیسے لی جاسکتی ہے جبکہ ابن العربی نے کہا: یا تو اس کا مدار علت پر ہے یا اس کی روایت میں اضطراب ہے' یا وہ موقوف ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ امام شافعی نے اس کی روایت ولید بن کثیر سے کی ہے' یہ اباضی ہے اور اس کی روایت میں اختلافات ہیں۔ ''قلتین'' بھی ہے' ''قلتین او ثلاثا'' بھی ہے' ''اربعون قلة'' بھی ہے اور ''اربعون فرقا'' بھی ہے۔ یہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔

یعمری نے کہا: ابن مندہ نے بہ اعتبار رواۃ اسے علیٰ شرط مسلم صحیح کہا' مگر بہ اعتبار روایت اس سے اعراض کیا' اس لیے کہ اس میں کثیر اختلاف اور اضطراب ہے۔ امام مسلم نے غالباً اسی وجہ سے اسے ترک کردیا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی اختلاف اسناد کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس کی تخریج نہیں کی۔ ابوعمر نے تمہید میں کہا: حدیث قلتین کی وجہ سے امام شافعی نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ بہ اعتبار نظر ضعیف ہے و بہ اعتبار اثر غیر ثابت ہے' اس لیے کہ اس حدیث میں علماء کے ایک گروہ نے نقل سے کلام کیا ہے۔ دبوسی نے کتاب الاسرار میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور بہت سے لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا' اس لیے کہ صحابہ اور تابعین نے اس پر عمل نہیں کیا۔

کیا لکھنوی صاحب نے علامہ عینی کی یہ تحقیق نہیں ملاحظہ کی تھی' تطویل کا خوف نہ ہوتا تو اور جو کچھ علماء احناف نے اس حدیث پر کلام کیا ہے وہ سب لکھتا۔

امام مالک کے مذہب پر کلام

حضرت امام مالک کے مذہب کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے' جو حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ﷺ نے فرمایا:

ان الماء لا ينجسه شي الا ما غلب علي ريحه وطعمه ولونه. پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی جب تک کہ وہ پانی کی بُو اور اس کے مزہ اور اس کے رنگ پر غالب نہ آ جائے۔

(ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الحیاض۔ ص ۴۱)

مگر یہ حدیث بھی لائق استناد نہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بیہقی نے کہا: یہ حدیث قوی نہیں۔

علاوہ ازیں اسی ابن ماجہ میں اس سے پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں یہ تفصیل ہے:

ہم ایک تالاب پر پہنچے جس میں ایک گدھا مرا پڑا تھا، ہم نے یہ پانی استعمال نہیں کیا، مگر جب اس تالاب پر رسول اللہ ﷺ پہنچے تو فرمایا: ''ان الماء لا ينجسه شيء ''[1] اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرے گی۔

اس کا امکان ہے کہ یہ ارشاد بھی اسی تالاب کے بارے میں ہو، یا اسی قسم کے کسی اور تالاب یا گڑھے کے بارے میں ہو، جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں اسی مضمون کی یہ حدیث ہے:

ان الماء طهور لا ينجسه شيء. یہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

یہ بیر بضاعہ کے بارے میں ہے، جس کا پانی جاری تھا۔ اس تفصیل سے قطع نظر صرف لفظ دیکھیے تو دھوکا ہوتا ہے کہ مطلق پانی کے بارے میں ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھیں گے تو بہت سی احادیث سے تعارض لازم آئے گا، جیسے ''لا يبولن احدكم في الماء'' وغیرہ۔

مذہب امام شافعی پر کلام

(۱) یہ حدیث قلتین لائق استناد نہیں، جیسا کہ گزر گیا۔

(۲) جب کسی روایت میں قلتین ہے، کسی میں ثلاث قلال، کسی میں اربعین قلۃ ہے، کسی میں اربعین فرقا ہے تو عمل کس پر ہوگا؟

(۳) یہ مٹکے کتنے بڑے ہوں گے؟ کہاں کے بنے ہوئے معتبر ہوں گے؟

(۴) پھر قلۃ لفظ مشترک ہے، اس کے یہ معنی ہیں: مٹکا، مشک، پہاڑ کی چوٹی، انسان کا قد، اونٹ، کسی ایک متعین کی تعیین کیسے ہوگی اور اگر آپ ہجر کے مٹکے کی تعیین بھی کر لیں تو وہ بھی چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں، کس مقدار کے آپ مراد لیں گے؟

(۵) دوسری احادیث سے تعارض کا کیا جواب ہوگا؟

مذہب احناف

اس کے دلائل اس کے بعد والے باب کی حدیث میں مفصل آتے ہیں۔

ت٤٨ - قَالَ حَمَّادٌ لَا بَأْسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ. حضرت حماد نے کہا کہ مُردار کا پَر پانی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق)

مردہ پرندے کا پر پاک ہے

مطلب یہ ہے کہ مردہ پرندے کا پر پاک ہے، اگر پانی یا کسی اور چیز میں گر جائے تو پانی وغیرہ ناپاک نہ ہوں گے، یہی احناف کا

---

[1] کتاب الطہارۃ۔ باب: الحیاض۔ ص ۴۰

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بھی مسلک ہے۔ یہ حضرت حماد حضرت امام کے استاذ فقیہ عراق ہیں' ان کو بھی امام بخاری نے اپنی عنایتوں کا نشانہ بنایا ہے' ان کو بھی مرجی لکھ دیا۔ رحمه الله و اعف عنه.

ت ٤٩ - قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتٰى نَحْوَ الْفِيلِ وَغَيْرِهٖ اَدْرَكْتُ نَاسًا مِّنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُوْنَ بِهَا وَيَدَّهِنُوْنَ فِيْهَا لَا يَرَوْنَ بِهٖ بَاْسًا.

امام زہری نے کہا: مُردوں مثلاً ہاتھی کی ہڈیوں کے بارے میں میں نے اپنے پہلے کے علماء کو اس پر پایا کہ ان ہڈیوں کا کنگھا استعمال کرتے تھے اور اس میں تیل استعمال کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

مُردوں کی ہڈی پاک ہے

یعنی مردوں کی ہڈی پاک ہے' حتیٰ کہ ہاتھی کی بھی' یہی احناف کا بھی مسلک ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ مردار اس لیے ناپاک ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد دم مسفوح جو جانوروں کے جسم کے اندر دوڑتا رہتا ہے' محبوس ہو جاتا ہے۔ دم مسفوح ناپاک ہے' اس لیے جہاں جہاں یہ جسم میں رُکا وہ سب جگہ ناپاک ہو گئی' چونکہ ہڈی اور پر وغیرہ میں دم مسفوح جاتا ہی نہیں' اس لیے موت سے ان کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

امام زہری تابعی ہیں' اس لیے سلف سے مراد ان کے پہلے کے علماء ہیں' جو صحابہ اور صف اوّل کے تابعین ہیں۔ ''کَفٰی بِنَا قُدْوَةً''۔

ہاتھی کے ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ امام محمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ نجس العین ہے' اس لیے ان کے نزدیک اس کی ہڈی ناپاک اور نجس ہو گی' مگر شیخین یعنی امام اعظم اور امام ابو یوسف کا مذہب یہی ہے کہ ہاتھی نجس العین نہیں' اس لیے دیگر مرداروں کی طرح اس کی ہڈی بھی پاک ہے۔

کشمیری صاحب کی امام ابو یوسف پر عنایت

مولوی انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ بتایا ہے کہ وہ ہاتھی کو نجس العین کہتے ہیں: ''سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ''۔

امام شافعی کے یہاں ہاتھی وغیرہ درندوں کی ہڈی ناپاک ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ہاتھی کو بہ طریق شرعی ذبح کر دیا جائے تو اس کی ہڈی پاک ورنہ ناپاک۔

احناف کی دلیل حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ہے کہ فرمایا:

انما حرم من المیتة مایوکل منها وهو اللحم.

مردار کا وہی جز حرام ہے جو کھایا جاتا ہے یعنی گوشت۔

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ فرمایا:

لا باس بمسك المیتة اذا دبغ ولا بشعرها اذا غسل.

مردار کے چمڑے سے نفع حاصل کرنے میں حرج نہیں' جب اس کی دباغت کر لی جائے اور یونہی بال سے جب دھو لیا جائے۔

ت ٥٠ - قَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَلَا بَاْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ. (مصنف عبد الرزاق)

حضرت ابراہیم (نخعی) اور ابن سیرین نے فرمایا: ہاتھی کے دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں۔

یہ حضرت ابراہیم نخعی بھی حضرت امام اعظم کے اساتذہ میں سے ہیں اور حضرت امام بخاری کے معتوب۔ امام بخاری نے انہیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بھی مرجی کہا ہے' مگر فراخ دلی یہ کہ ان کے قول کو حجت مانتے ہیں اور بہ طور سند پیش کرتے ہیں۔

اس سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دو بزرگوں کے نزدیک بھی ہاتھی کا دانت پاک ہے' اگر ناپاک ہوتا تو تجارت کی اجازت نہ ہوتی' جیسے مردار کے چمڑے کی تجارت اس لیے جائز نہیں کہ وہ ناپاک ہے۔

باب سے مطابقت

باب یہ تھا کہ گھی اور پانی میں جونجاستیں گر جاتی ہیں' اس کا بیان۔ اس کے تحت یہ ذکر فرمایا کہ ہاتھی کے دانت کا کنگھا استعمال کرنا اور اس کی ڈبیہ میں رکھ کر اس تیل کو استعمال کرنے کو اسلاف جائز سمجھتے تھے۔ امام زہری کی تعلیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیل میں ہاتھی کا دانت پڑ جائے تو تیل پاک ہے۔ اب ایک عجیب اُلجھن ہے' اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری ہاتھی کے دانت اور مردار کی ہڈی کو پاک مانتے ہیں تو اس تعلیق کو باب سے کوئی مناسبت نہیں رہتی' لامحالہ کہنا پڑے گا کہ امام بخاری ہاتھی کے دانت اور مردار کی ہڈی کو ناپاک مانتے ہیں' مگر ان کے تیل میں پڑنے سے ان کا کوئی اثر تیل میں ظاہر نہیں ہوتا' لہٰذا وہ تیل پاک ہے اور ان کا مسلک یہ ہے کہ ناپاک چیز کی تجارت جائز ہے۔ اب اس تعلیق کا پہلے والی تعلیق سے ربط بھی ہو جاتا ہے اور یہی تقریر اس میں بھی جاری ہوگی۔

والعلم عند اللہ!

۱۷۲- ح: اَلْفَارَةُ اِذَا سَقَطَتْ فِي السَّمْنِ [چوہا جب گھی میں گر جائے]

۱۷۲ - عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَارَةٍ سَقَطَتْ فِيْ سَمْنٍ فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوْا سَمْنَكُمْ.

اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال ہوا کہ چوہا گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ تو فرمایا کہ چوہے کو اور چوہے کے اردگرد کے گھی کو پھینک دو اور اپنا گھی کھاؤ۔

(ایضاً دو طریقے سے۔ ج ۲۔ کتاب الصید والذبائح۔ باب: اذا وقعت الفارة فی السمن۔ ص ۸۳۱' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: الفارة تقع فی السمن۔ ص ۱۸۱' ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الاطعمہ۔ باب: ما جاء فی الفارة تموت فی السمن۔ ص ۲' نسائی۔ ج ۲۔ کتاب الفرع والعتیرۃ۔ باب: الفارة تقع فی السمن' دارمی۔ کتاب الوضو۔ کتاب الاطعمہ' موطا امام مالک۔ کتاب الاستیذان' مسند امام احمد بن حنبل)

تکمیل

بخاری' کتاب الذبائح میں یہ زائد ہے: ''فماتت'' نسائی میں بہ طریق عبدالرحمٰن بن مہدی یہ ہے: ''فی سمن جامد'' اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چوہا جمے ہوئے گھی میں گر جائے اور وہ مر جائے تو چوہے کو اور چوہے کے اردگرد جو گھی ہے اس کو پھینک دیا جائے اور بقیہ گھی کھایا جائے۔ ابوداؤد اور نسائی میں ہے:

وان كان مائعا فلا تقربوها. اور اگر پگھلا ہوا پتلا ہو تو اس گھی کے قریب نہ جانا۔

اس تکمیل سے بہت سے شبہات دور ہو گئے کہ یہاں بخاری میں جو حکم مذکور ہے' وہ جمے ہوئے گھی کا ہے اور پگھلے ہوئے پتلے گھی میں چوہا گر جائے تو کل گھی ناپاک ہے' اگرچہ گھی میں چوہے کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑی چیز میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی' خواہ نجاست کا کوئی اثر اس چیز میں ظاہر ہو خواہ نہ ہو' خواہ وہ چیز منجمد ہو خواہ رقیق' اس لیے کہ اگر منجمد گھی ناپاک نہ ہوتا تو چوہے کے اردگرد کے گھی کے پھینکنے کا حکم نہ ہوتا' فرق یہ ہے کہ منجمد چیز صرف نجاست کے اردگرد کی ناپاک ہوگی اور رقیق پوری کی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایک تسامح

امام بخاری نے جلد دوم' کتاب الذبائح میں اس حدیث پر جو باب باندھا ہے' اس میں یہ اضافہ کر دیا: ''فی السمن الجامد او الذائب'' مگر یہ غور نہیں فرمایا کہ اگر اس حدیث میں سمن سے ذائب پگھلا ہوا مراد لیں گے تو ''القوھا وما حولھا'' پر عمل کیسے ہو سکے گا؟ جب گھی پگھلا ہوا ہوگا تو چوہے کا کوئی ماحول نہ ہوگا' جب گھی پتلا ہے اور چوہا اس میں گرا تو مرتے مرتے تڑپ تڑپ کر کہاں کہاں گیا' کیا معلوم اب تو سب کا سب چوہے کا ماحول ہو گیا' ''القوھا وما حولھا'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ حکم صرف جامد کے ساتھ خاص ہے۔

جس تیل یا گھی میں نجاست گر جائے تو اسے جلانا یا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے' احناف کے نزدیک جائز ہے۔

ہماری دلیل اسی حدیث کی دوسری روایت ہے' جس میں یہ ہے:

وان كان مائعا فاستصبحوا به وانتفعوا. اگر وہ گھی پتلا ہے تو اسے جلاؤ اور اس سے نفع حاصل کرو۔

(عینی۔ ج ۳ ص ۱۶۳۔ ۱۶۲)

بیہقی میں ہے:

ان كان السمن مائعا انتفعوا به ولا تاكلوا. اگر گھی پتلا ہے تو اس سے نفع حاصل کرو' اسے کھاؤ مت۔

(فتح الباری۔ کتاب الاطعمہ)

اسے بیچ کر اس کی قیمت اپنے صرف میں لانا بھی ایک قسم کا نفع حاصل کرنا ہے۔ عبد الرزاق کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ اس کے قریب مت جانا' اس سے مراد یہی کھانا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں: ''وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ'' میں مراد نہ کھانا ہے۔

بر بنائے تحقیق گھی کے حکم میں تمام تیل' شہد' راب (گڑ) وغیرہ ہیں کہ ان میں کوئی سوکھی نجاست گر جائے اور یہ جمے ہوں تو اس نجس چیز کے ساتھ اس کے ارد گرد کو پھینک دیا جائے اور اگر رقیق پگھلا ہو تو سب ناپاک ہے۔

اس حدیث کی اسناد میں شدید اختلاف ہے' جیسے دار قطنی نے بیان کیا ہے' اوزاعی کی زہری سے اور امام شافعی اور شعبی کی امام مالک سے جو روایت ہے اس میں حضرت میمونہ نہیں۔ حضرت ابن عباس براہ راست حضور اقدس ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن وہب کی روایت میں حضرت ابن عباس ساقط ہیں اور یحییٰ بن بکیر اور ابو مصعب کی روایت میں نہ حضرت ابن عباس ہیں نہ حضرت میمونہ۔ عبد الملک بن ماجشون نے یہ سند بیان کی: ''عن مالك عن الزهری عن عبد الله عن ابن مسعود'' اور عبد الجبار نے کہا: ''عن الزهری عن سالم عن ابيه'' مگر عبد الملک سے وہم ہو گیا ہے' ابو داؤد میں بہ طریق عبد الرزاق یوں ہے: ''عن الزهری عن سعيد بن المسيب عن ابی هريرة سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الفارة تقع فی السمن قال اذا كان جامدا فالقوها وان كان مائعا فلا تقربوه'' ابو عمر نے کہا: امام مالک سے اس حدیث کی سند میں سخت اضطراب ہے۔ اسمٰعیلی نے کہا: یہ حدیث معلول ہے' اس وجہ سے امام بخاری نے یہ ضروری جانا کہ اسے صاف کر دیں' اس لیے فرمایا۔ معن نے کہا کہ مالک نے ان گنت بار مجھ سے حدیث بیان فرمائی' جس میں انہوں نے یہ کہا: ''عن ابن عباس عن ميمونة رضى الله عنها' اس سے یہ افادہ فرمایا۔ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بواسطہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مروی ہے۔

۱۷۳- ح: دَمُ الشَّهِيدِ [شہید کا خون]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

١٧٣ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا اِذْ طُعِنَتْ تَفَجَّرُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راہِ خدا میں مسلمان کو جو بھی زخم لگے گا' قیامت کے دن ویسا ہی ہوگا جیسا لگنے کے وقت تھا' جس سے خون بہے گا' رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔

(ایضاً۔ کتاب الجہاد۔ باب: من یخرج فی سبیل اللہ۔ ص ٣٩٣۔ ایضاً۔ ج ٢۔ کتاب الذبائح۔ باب: المسك۔ ص ٨٣٠' مسلم۔ ج ٢۔ کتاب الامارۃ۔ باب: فضل الجهاد۔ ص ١٣٣' ترمذی۔ ج ١۔ کتاب فضائل الجہاد۔ باب: ما جاء فی فضل من یکلم فی سبیل اللہ۔ ص ١٩٩' نسائی۔ ج ٢۔ کتاب الجہاد۔ باب: من کلم فی سبیل اللہ۔ ص ٥٩' نسائی۔ ج ١۔ کتاب الجنائز۔ باب: مواراۃ الشهيد في دمه۔ ص ٢٨٢' موطاامام مالک۔ کتاب الجہاد۔ ص ٢٩' مسند امام احمد)

باب سے مناسبت

اس حدیث کو باب سے بہ ظاہر کوئی مناسب نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا: یہ حدیث شہید کے فضائل کی ہے' اسے امام بخاری طہارت میں کیوں لائے؟ پھر شہید کی جو فضیلت بیان ہوتی ہے' اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور پانی کی طہارت ونجاست کا تعلق احکامِ دنیا سے ہے' ایسے موقع پر معمولی درجے کی بھی کوئی معقول مناسبت نکل آئے تو کافی ہے۔ علامہ عینی نے یہ وجہ مناسبت بیان فرمائی ہے۔

پانی اصل میں پاک ہے' مگر نجاست سے متاثر ہونے کے بعد جب اس صفت پر نہیں رہتا' جس پر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تھا تو ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تغیر وصف تغیر حکم کا سبب ہے' اس کی ایک نظیر ذکر کر دی' جیسے شہید کا خون کہ اصل میں ناپاک تھا' مگر شہادت کی وجہ سے وہ پاک ہو گیا' اس کی بو بدل گئی تو اب پاک ہو گیا۔ اسی وجہ سے شہید کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کا خون دھویا جائے گا کہ قیامت کے دن اس کا مرتبہ سب پر ظاہر ہو جائے۔

علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ باب اور اس حدیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ تغیر وصف مدار احکام ہے' اتنی مناسب کافی ہے۔

بخاری کے اس قسم کے ابواب میں شراح نے کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ اپنی ذہانت اور زورِ طبع دکھایا ہے' یہاں بھی کافی مشق ہوئی ہے۔ تفصیل کے لیے فتح الباری اور عینی کا مطالعہ کریں۔ اردو شارحین نے بھی زور آزمائی کی ہے' مگر علامہ عینی سے زیادہ لگتی ہوئی بات کوئی کہہ نہ سکا اور بعض تو محض مہمل ہیں۔

مسائل

اس حدیث سے شہید کی عظیم فضیلت ثابت ہوئی کہ مدت ہائے دراز بلکہ دو دو عالم کے تغیر کے بعد تیسرے عالم قیامت میں بھی شہید کا زخم ہرا بھرا رہے گا جس سے خون نکلتا ہوگا' تا کہ شہید کو جو اللہ اور رسول کے ساتھ جنون خیز عشق تھا' اس کا نظارہ پوری دنیا کر لے اور اس کی جاں نثاری وجاں سپاری چشم سر سے دیکھ لے۔

ع خوشا رسے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن

اور ان کی مظلومیت سب پر آشکارا ہو جائے' پھر الطاف خداوندی کی شہیدوں پر جو بارش ہوا اسے بھی محسوس کریں کہ اتنی مدت کے بعد زخم کا کیا حال ہونا چاہیے' مگر حال یہ ہے کہ اس سے مشک کی خوشبو اٹھ رہی ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

شہید کا خون پاک ہے

شہید کا خون پاک ہے اس لیے یہ جائز نہیں کہ شہید کو غسل دیا جائے ان کا خون دھویا جائے یا خون آلود کپڑے ان کے جسم سے اتارے جائیں۔ خون میں لت پت دفن کریں گے تاکہ روزِ محشر شہید کہہ سکیں:

ع تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

۱۷۴ - ح: لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ [تم میں سے کوئی بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے]

۱۷۴ - اَنَّـهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ وَبِاِسْنَادِهٖ قَالَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِيْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ہم سب سے پچھلے سب سے سبقت لے جانے والے ہیں اور اسی سند سے یہ فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: النهي عن البول في الماء الراكد۔ ص ۱۳۸ ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: البول في الماء الراكد۔ ص ۱۰ نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الماء الدائم۔ ص ۲۱ ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: النهي عن البول في الماء الراكد۔ ص ۲۰ دارمی۔ کتاب الوضو مسند امام احمد)

باب سے مطابقت

امام بخاری نے باب باندھا ہے: ''البول في الماء الدائم'' حدیث کا پہلا جز ہے: ''نحن الاخرون السابقون'' اس کا باب سے کوئی تعلق نہیں اور تعلق پیدا کرنے کی کوشش بے سود ہے۔ اسے ذکر کرنے کی حکمت میں جو بات سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے وہ یہ ہے: عبد الرحمٰن بن ہرمز اعرج کے پاس احادیث کا صحیفہ تھا اسی طرح ہمام بن منبہ کے پاس بھی تھا۔ دونوں کی ابتداء میں یہ حدیث ''نحن السابقون الاوّلون'' وارد ہے امام بخاری کی عادت ہے کہ جب ان دونوں صحائف میں سے کسی صحیفے کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو بہ طور علامت اتنا حصہ بھی ذکر کر دیتے ہیں جیسے امام مسلم کی عادت ہے کہ ایسے موقع پر ''فذكر الاحاديث ومنها هذا الحديث'' کا اضافہ کرتے ہیں۔

اس باب کے علاوہ مندرجہ ذیل ابواب میں امام بخاری نے ایسا ہی کیا ہے:

کتاب الجہاد۔ باب: يقاتل من وراء الامام ويتقى به۔ ص ۴۱۵۔ بہ طریق اعرج

کتاب الدیات۔ باب: القصاص بين الرجال والنساء۔ ص ۱۰۱۷۔ بہ طریق اعرج

کتاب التوحید۔ باب: قول الله يريدون ان يبدلوا كلام الله۔ ص ۱۱۱۶۔ بہ طریق اعرج

کتاب الایمان والنذور۔ باب اوّل۔ ص ۹۸۰۔ بہ طریق ہمام

کتاب التعبیر۔ باب: النفخ في النوم۔ ص ۱۰۴۲۔ بہ طریق ہمام

لیکن اس پر پوری پابندی نہیں، ص ۱۱۱۷ پر بہ طریق زناد عن الاعرج یہی روایات ذکر کی ہیں، مگر کسی میں یہ حصہ نہیں، البتہ بہ طریق ہمام دو جگہ ہے دونوں جگہ ''نحن الاخرون السابقون'' بھی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے

یہ ایک حدیث کا جز ہے جو کتاب الجمعہ کی پہلی حدیث ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ظہور میں سب سے آخر ہیں' مگر بقیہ تمام باتوں میں سب اُمتوں سے آگے ہیں' ہمارا افضل وشرف زائد' تھوڑے اعمال پر ثواب سب سے زائد' قیامت کے دن سب سے پہلے ہمارا معاملہ فیصل ہوگا اور سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

ماء قلیل کا حکم

تھوڑے پانی میں نجاست پڑنے سے ناپاک ہوگا یا نہیں؟ یا ناپاک ہوگا تو کب ہوگا؟ یہ مسئلہ فقہ کے اہم ترین مسائل میں سے ہے' ہمیشہ معرکۃ الآراء رہا ہے اور اب غیر مقلدین کی وجہ سے یہ لڑائی جھگڑے کا سبب بن گیا ہے۔ غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ تھوڑے پانی میں اگر کوئی نجاست گر جائے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر نہ ہو تو وہ پانی پاک ہے' مثلاً ایک لوٹے پانی میں ماشہ دو ماشہ پیشاب پڑ جائے تو وہ پاک ہے' اسے پیؤ اس سے کھانا کھاؤ' کوئی حرج نہیں' جیسا کہ ان کے نواب شوہر ریاست بھوپال نے طریقۂ محمدیہ[1] ص ٦۔ ٧ پر لکھا ہے کہ ان کے اشرار کا یہ حال ہے کہ جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں کنوؤں میں گوبر لا کر ڈال دیتے ہیں تا کہ احناف پریشان ہوں' یا تو یہی ناپاک پانی پئیں یا پھر اسے پاک کرنے کی دقت میں پڑیں یا کہیں اور سے پانی لائیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ پانی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ماء جاری بہنے والا پانی جیسے دریا یا نہر کا پانی' یہ قلیل ہو یا کثیر' اس میں نجاست اگر پڑے گی تو صرف اتنا ہی حصہ ناپاک ہوگا جتنے میں نجاست کا اثر ظاہر ہو' وہ بھی اس وقت تک جب تک وہ اثر باقی رہے' پھر سب پاک' یہی حکم سمندر کا بھی ہے۔

(۲) کنوئیں کا پانی' اس میں پانی جمع رہتا ہے' جوں جوں خرچ ہوتا رہتا ہے' نیچے سوتے سے آتا رہتا ہے' اس کا حکم یہ ہے کہ نجاست گرنے سے کنوئیں کا کل پانی ناپاک ہو جائے گا' مگر کنوئیں میں موجود پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا' اس لیے کہ ناپاک پانی کی جگہ پاک پانی آ گیا۔

(۳) تالاب حوض وغیرہ کا پانی' جو اپنی حد میں محدود رہتا ہے' اس میں سے نکلنے کے بعد اس کی جگہ دوسرا نہیں آتا۔ یہی دونوں اقسام متنازع فیہ ہے' غیر مقلدین کے نزدیک کنوئیں' چھوٹے گھڑے بلکہ گھڑے لوٹے بلکہ گلاس بلکہ چلّو میں کتنی ہی نجاست پڑ جائے' وہ پاک ہی ہے جب تک کہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر پانی دو قلے یعنی پانچ مشک سے کم ہو تو ناپاک ہو جائے گا' اگرچہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو' دو قلے یا اس سے زائد ہو تو ناپاک نہ ہوگا' جب تک کہ اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ پانی قلیل ہے تو نجاست گرتے ہی سب کا سب ناپاک' اس لیے کہ اس میں نجاست پڑتے ہی پھیل کر سب پانی میں مل جائے گی' اس لیے کہ پانی کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں کچھ ڈالو تو وہ چیز بہت تیزی سے پانی میں تحلیل ہو کر پھیلنے لگتی ہے اور اگر کثیر ہے تو جب تک نجاست کا کوئی اثر اس میں ظاہر نہ ہو' وہ پانی پاک ہے' جتنی دور تک یا جتنی دیر نجاست کا اثر پانی میں ظاہر ہوگا' پانی ناپاک رہے گا۔ قلیل و کثیر میں حد فاصل یہ ہے کہ پانی اگر کسی ایسے تالاب یا حوض میں ہو کہ اگر اس کے ایک طرف ہلایا جائے تو دوسرا کنارہ نہ ہلے تو کثیر ہے ورنہ قلیل۔ عوام کی آسانی کے لیے علماء نے اس کی مقدار دہ در دہ رکھی ہے۔

قلیل و کثیر میں تفریق خود احادیث سے ثابت ہے' اس سے قبل والے نمبر میں حدیث گزری کہ ایسے تالاب کے بارے میں جس

---

[1] اس کتاب پر غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی مہر کی اور لکھا: اس پر موحدین وغیر مقلدین بے دھڑک عمل کریں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں گدھا مرا پڑا تھا' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اس کے پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی' اس کے بالمقابل یہ حدیث باب ہے کہ فرمایا: رُکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب مت کرو' پھر اس میں نہاؤ۔ ترمذی اور نسائی میں ہے: پھر وضو کرو۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے: پھر پیو۔

حدیث کا سیاق صاف صاف بتا رہا ہے: پیشاب کرنے سے ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ پیشاب پڑنے سے وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے اور قابل غسل نہ رہے گا۔

ابن تیمیہ کا ردّ

اس پر امام غیر مقلدین ابن تیمیہ نے یہ کہا: یہ ممانعت اس لیے نہیں کہ پانی ناپاک ہوجائے گا' بلکہ اس بناء پر ہے کہ اگر ماء راکد میں لوگ پیشاب کرتے رہیں گے تو پھر اس میں پیشاب کا اثر ظاہر ہوجائے گا اور وہ پانی ناپاک ہوجائے گا۔

یہ ابن تیمیہ ہے' جس کی تعریف سے غیر مقلدین تو غیر مقلدین دیوبندی بھی نہیں تھکتے۔ یہ حدیث کی حجامت بنانی ہے' خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو حدیث کا مطلب سمجھا ہے' وہ ابن تیمیہ کا ردّ ہے۔

طحاوی میں ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کسی تالاب پر گزرے تو کیا اس میں پیشاب کرسکتا ہے؟ فرمایا: نہیں! ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی اُس سے غسل کرے اور پئے۔

دوسری حدیث یہ ہے جو گزر چکی:

اذا ولغ الكلب فى اناء احدكم فليرقه ويغسله سبع مرار. — جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو برتن میں جو کچھ ہو' پھینک دو اور برتن کو سات بار دھوؤ۔

یہ حکم مطلق ہے' کتے کے لعاب ظاہر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں' اس لیے ثابت ہوگیا کہ کتے کے منہ ڈالتے ہی برتن اور برتن میں جو کچھ ہے' سب ناپاک۔

تیسری حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے والے نمبر میں گزری کہ بہ طریق عبدالرزاق یہ زائد ہے:

وان كان مائعا فلا تقربوه. — اگر گھی پتلا ہو اور اس میں چوہا مرجائے تو اس کے قریب مت جانا۔

چوتھی حدیث یہ ہے کہ جسے حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا کہ فرمایا:

لا يغتسل احدكم فى الماء الدائم وهو جنب فقال كيف يفعل يا ابا هريرة قال يتناوله تناولا. — رُکے ہوئے پانی میں کوئی اس حال میں غسل نہ کرے جب کہ وہ جنبی ہو' سننے والے نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! پھر وہ کیا کرے؟ فرمایا: پانی لے کر باہر نہائے۔ (مسلم۔ ج١ص١٣١)

جنابت کی حالت میں نہانے سے ممانعت اسی وجہ سے ہے کہ جنابت میں عموماً کپڑے اور جسم پر منی لگی رہتی ہے' جب رُکے ہوئے پانی میں نہائے گا تو سب پانی ناپاک ہوجائے گا۔

پانچویں حدیث انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' یہ اسی جلد اوّل میں گزر چکی ہے۔

اذا استيقظ احدكم من نومه فليغسل يده قبل ان يدخلها فى وضوئه فان احدكم لا يدرى اين باتت — جب سوکر اُٹھو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولو' تم نہیں جانتے کہ رات ہاتھ کہاں رہا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

يده.

یہ تمام احادیث بہ صراحت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی میں اگر ناپاک چیز پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا' اس میں نجاست کے اثر ظاہر ہونے نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں۔ اب یہ احادیث پہلی حدیث کے معارض ہوئیں' ان میں تطبیق یہی ہے کہ پہلی قسم کی تمام احادیث ماء کثیر کے بارے میں ہے اور قسم ثانی کی احادیث ماء قلیل کے بارے میں۔

بیر بضاعہ کی تحقیق اور غیر مقلدین کا ردّ

آج کل غیر مقلدین اپنے مدعیٰ پر بیر بضاعہ والی حدیث پیش کرتے ہیں جو ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بیر بضاعہ سے وضو کر سکتے ہیں؟ یہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے گندے کپڑے' مردار کتے اور گندگیاں پھینکی جاتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پانی پاک ہے' اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرے گی۔

پھر امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ بیر بضاعہ پر چادر پھینک کر ناپا تو اس کی چوڑائی چھ ہاتھ کی' اور میں نے محافظ سے پوچھا کہ اس کی عمارت میں کچھ رد و بدل ہوا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ نہیں! ان سب تفصیل سے ظاہر ہے کہ بیر بضاعہ صرف چھ ہاتھ چوڑا تھا تو اس کا پانی ماء کثیر نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب امام طحاوی نے پورے شرح وبسط کے ساتھ دیا ہے۔ پہلا جواب یہ دیا:

كانت طريقا للماء الى البساتين فكان الماء لا يستقر فيها. قد حكى هذا عن الواقدى.

بیر بضاعہ باغوں میں پانی لے جانے کی نہر تھی' اس میں پانی ٹھہرتا نہیں تھا' یہ امام واقدی سے مروی ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ چھ ہاتھ چوڑے کنویں میں وہ سب گندگیاں جو مذکور ہوئیں' تو بہت ہیں' اگر صرف مردار کتا ایک عدد پھینک دیا جائے تو کیا اس مردار کی بدبو پانی میں نہیں آئے گی؟ پھر بھی احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیر بضاعہ کا پانی پیا' اس سے وضو فرمایا اور صحابہ کو وضو کرنے کی اجازت دی۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ بیر بضاعہ کی حیثیت وہی تھی جو اب مدینہ طیبہ کی نہر زرقاء اور مکہ معظمہ کی نہر زبیدہ کی ہے کہ اندر اندر لمبی نہر ہے اور پانی لینے کے لیے جگہ جگہ کنویں بنا دیئے گئے ہیں' ورنہ ان سب غلاظتوں کے ڈالے جانے کے بعد کنویں کے پاس کھڑا رہنا مشکل ہوتا۔ بات وہی تھی کہ چونکہ بیر بضاعہ زیر زمین ایک نہر تھی' جس پر کنواں بنا دیا گیا تھا' اس میں کچھ بھی ڈالا جاتا تو بہہ جاتا' اس لیے اس کا پانی پاک تھا۔

امام واقدی پر جو جرحیں حضرات شوافع یا دوسرے اصحاب نے کی ہیں' وہ ثابت نہیں۔ احناف کے نزدیک امام واقدی ثقہ ہیں۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

قال فى الامام جمع شيخنا ابو الفتح الحافظ فى اول كتابه المغازى والسير من ضعفه ومن وثقه ورجح توثيقه وذكر الاجوبة عما قيل فيه.

(فصل آثار۔ نولکشور۔ ص ۴۵)

ہمارے شیخ ابوالفتح حافظ نے اپنی کتاب "المغازی والسیر" کے شروع میں سب کو جمع کر دیا ہے' جنہوں نے انہیں ضعیف کہا اور جنہوں نے ان کو ثقہ کہا' ثقہ ہونے کو راجح بتایا اور امام واقدی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا' سب کے جوابات دیئے۔

ت ۵۱ - وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَاٰى فِيْ ثَوْبِهٖ دَمًا وَّهُوَ يُصَلِّيْ وَضَعَهٗ وَمَضٰى فِيْ صَلَاتِهٖ.

حضرت ابن عمر اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر خون دیکھ لیتے تو کپڑا رکھ دیتے اور نماز پوری کر لیتے۔

ت ۵۲ - وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ إِذَا صَلّٰى

ابن مسیب اور شعبی نے کہا: جب نماز پڑھ لی اور ان کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وَفِیْ ثَوْبِهٖ دَمٌ اَوْ جَنَابَةٌ اَوْ لِغَیْرِ الْقِبْلَةِ اَوْ تَیَمَّمَ فَصَلّٰی. ثُمَّ اَدْرَكَ الْمَآءَ فِیْ وَقْتِهٖ لَا یُعِیْدُ.

کپڑے پر خون یا منی لگی تھی یا غیر قبلہ کو منہ تھا یا تیمم کر کے نماز پڑھی اور وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو نماز لوٹائے نہیں۔

باب کی مطابقت

امام بخاری نے ان تعلیقوں پر یہ باب باندھا ہے:

''اذا القی علی ظهر المصلی قذر او جیفة لم تفسد علیه صلٰوته'' نمازی کی پیٹھ پر گندگی یا مردار ڈالا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ابواب طہارت میں سلسلہ وضو کا چل رہا تھا' یہ بیچ میں کتاب الصلٰوۃ کا مسئلہ کیوں ذکر کر دیا۔ اس باب کا ابواب وضو سے کوئی تعلق نہیں۔ مناسبت پیدا کرنے کی لوگوں نے بہت کوشش کی ہے' مگر سب بے سود۔

بات اصل یہ ہے کہ امام بخاری ترتیب کے ساتھ مسائل بیان کرنے کے بہت زیادہ پابند نہیں' جو ان کی اس کتاب میں نظر کرے گا' اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی۔ کتاب الوضو کے ابواب پر نظر ڈالئے! کتنے ابواب وضو کے علاوہ دوسروں کے آ گئے ہیں' مثلاً استنجاء وغیرہ کے مسائل' اسی طرح یہ بھی ایک باب ہے۔

ذکر یہ چل رہا تھا کہ پانی میں نجاست پڑنے سے کبھی پانی پر ناپاک ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے' کبھی نہیں۔ یہ باب بھی کچھ اسی قسم کا ہے کہ بدن اور کپڑے پر نجاست لگی مگر بدن اور کپڑے کو ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہو اور اس کا علم ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی لیکن اگر درمیان نماز نجاست لگی یا مصلی کے علم میں آئی تو پھر دو صورتیں ہیں' اگر نجاست اثنائے نماز میں لگی تو نجاست لگنے سے پہلے جو پڑھی وہ ہو گئی' جب نجاست لگی فوراً فرض ہے کہ مصلی اسے دور کرے اور سابقہ نماز پر بناء کرے' اگر مانع بناء کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو' اور اگر نماز شروع کرنے سے پہلے نجاست لگی ہے اور اثنائے نماز میں معلوم ہوا کہ کپڑے میں نجاست لگی ہے تو فرض ہے' نماز کو نئے سرے سے پڑھے۔ اور اثر حضرت ابن عمر اسی پر محمول ہے کہ وہ نجاست اثنائے نماز میں لگی تھی' اس لیے کہ ایسے جلیل القدر صحابی سے مستبعد ہے کہ اتنے بے پرواہ ہوں کہ کپڑے میں نجاست لگ جائے اور انہیں خبر نہ ہو' حتیٰ کہ نماز شروع کر دیں۔

باب کی غایت

اس باب سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اثنائے نماز میں نمازی کے بدن پر یا کپڑے پر نجاست پڑ جائے تو نماز نہ توڑے' بدستور پڑھتا رہے' نماز صحیح ہوگی' اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس پر امام بخاری نے پہلی دلیل اثر حضرت ابن عمر پیش کیا ہے کہ وہ نماز کی حالت میں کپڑے پر نجاست دیکھتے تو اسے اتار کر رکھ دیتے اور نماز پوری کر لیتے۔

اس اثر سے باب ثابت نہیں ہوتا' اس لیے کہ امام بخاری نجاست سے آلودہ ہونے کے باوجود نماز جاری رکھنے کو کہتے ہیں' اور حضرت ابن عمر کا یہ عمل تھا کہ وہ نجاست لگتے ہی کپڑے کو اتار دیتے' فوراً دھو کر نماز پڑھتے' جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مفصل ہے۔

انه كان اذا كان فی الصلٰوة فرای فی ثوبه دما فاستطاع ان یضعه وضعه وان لم یستطع خرج

حضرت ابن عمر اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر خون دیکھتے اور اسے اتار سکتے تو فوراً اتار دیتے اور اگر اسے اتارنے پر قادر نہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فغسله ثم جاء يبني على ما كان صلى. ہوتے تو دھوتے' پھر آ کر پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بناء کرتے۔

(عینی۔ ج ۳ ص ۱۷۰)

باب کا مقصد تو یہ تھا کہ جیسے ابتداء نماز میں کپڑے اور بدن کا نجاست سے پاک رہنا ضروری ہے' اسی طرح اثناء نماز میں ضروری نہیں۔ اثناء نماز میں اگر نمازی کے بدن یا کپڑے کو نجاست لگ جائے تو کوئی حرج نہیں' بدن اور کپڑے کو ابھی پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اثر حضرت ابن عمر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اثناء نماز میں کپڑے کو نجاست لگ جائے تو فوراً پاک کرے یا کپڑا اتار دے' ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز نہ پڑھے۔ امام بخاری نے باب پر دوسری دلیل حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت شعبی کا یہ فتویٰ نقل فرمایا:

جب کوئی ایسی حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے پر خون یا منی ہو یا اس کا رُخ قبلہ کے علاوہ اور کسی طرف ہو یا تیمم سے نماز پڑھی' پھر وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو نماز نہ لوٹائے۔

امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابتداء نماز میں اگر کوئی نجاست لگی یا غیر قبلہ کی طرف منہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ اگر مصلی کے علم میں یہ بات ہے' جب اس پر اتفاق ہے' اس لیے ان دونوں حضرات کے فرمانے کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ابتداء ہی میں یہ صورت تھی اور مصلی جانتا تھا' لامحالہ ان حضرات کے فتویٰ کا مطلب یہی ہوگا کہ اثناء نماز میں کوئی نجاست لگی اور نمازی کے علم میں آئی یا ابتداء میں لگی تھی' نمازی اس پر مطلع نہ تھا' اثناء نماز میں مطلع ہوا تو نماز ہوگئی' لیکن یہاں دو معروضے ہیں' ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ خون اور منی کو پاک مانتے ہوں' دوسرا یہ کہ ہوسکتا ہے کہ خون اور منی قدر درہم سے کم اتنی ہو' جو معاف ہے' تو ابتداء ہی سے اگر کپڑے میں خون اور منی لگی ہو تو کیا حرج ہے۔ رہ گیا غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز کا مسئلہ تو اس سے کسے انکار ہے۔ تحری کے بعد جس رُخ نماز پڑھے گا' ہو جائے گی' اگرچہ وہ واقع میں جہت قبلہ نہ ہو' اس لیے کہ تحری کے بعد جہت تحری ہی جہت قبلہ ہے۔ اس مسئلے کا باب سے کیا علاقہ' اسی طرح تیمم کر کے نماز پڑھ لی' پھر پانی ملا تو نماز کے اعادہ کی حاجت نہیں' اسے بھی باب سے کوئی تعلق نہیں' مگر چونکہ یہ سب ایک ارشاد سے تھے' اس لیے ان سب کو ذکر فرما دیا۔

١٧٥- ح: طَرْحُ الْاَشْقِيَاءِ الْجِيفَةَ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[بدبختوں کا رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ مبارک پر (گندگی) ڈالنا]

١٧٥ - اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ عِنْدَ الْبَيْتِ وَاَبُوْ جَهْلٍ وَّ اَصْحَابٌ لَّهُ جُلُوْسٌ اِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَيُّكُمْ يَجِيْءُ بِسَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَضَعُهُ عَلٰى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ اِذَا سَجَدَ فَانْبَعَثَ اَشْقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهٖ فَنَظَرَ حَتّٰى اِذَا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهٗ عَلٰى ظَهْرِهٖ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَاَنَا اَنْظُرُ لَا اُغْنِيْ شَيْئًا لَوْ كَانَتْ لِيْ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ایک دن) نبی ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے' ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ تم میں کون ہے کہ جو فلاں قبیلے میں اونٹنی ذبح ہوئی ہے' اس کی بچہ دانی اٹھالائے اور محمد جب سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر رکھ دے' یہ سن کر ان میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا' اٹھا اور اسے لایا' لاکر انتظار کرتا رہا' جب نبی ﷺ نے سجدہ کیا تو اسے حضور کی پیٹھ پر دونوں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مَنَعَةٌ قَالَ فَجَعَلُوْا يَضْحَكُوْنَ وَيُحِيلُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتّٰى جَائَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ اِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّ الدَّعْوَةَ فِيْ ذٰلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ ثُمَّ سَمّٰى اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلٍ وَّعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَّعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعِيْطٍ وَّعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ نَحْفَظْ قَالَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْنَ عَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعٰى فِي الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ.

شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں: میں دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا' کاش کہ مجھے قوت ہوتی' اس پر وہ خبیث ہنسنے لگے اس طرح کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سجدے ہی کی حالت میں رہے' اپنا سر نہیں اٹھایا' یہاں تک کہ حضرت سیّدہ فاطمہ آئیں اور اس گندگی کو حضور کی پشت مبارک سے ہٹایا تو حضور نے اپنا سر اُٹھایا' پھر بددعا کی: اے اللہ! قریش کو اپنی گرفت میں لے' تین بار' جب حضور نے ان پر بددعا کی تو یہ ان پر شاق ہوا' ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس شہر میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے' پھر نام لے لے کر ہلاکت کی دعا فرمائی: اے اللہ! ابوجہل کو اور عتبہ بن ربیعہ کو اور شیبہ بن ربیعہ کو اور ولید بن عتبہ کو اور امیہ بن خلف کو اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر اور ساتویں کو بھی گنا' مگر مجھے یاد نہ رہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! جنہیں رسول اللہ ﷺ نے گنا تھا' میں نے سب کو بدر کے کنویں میں پڑا ہوا پایا۔

(ایضاً۔ج ا۔کتاب الصلوٰۃ۔باب: المرأۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی۔ص ۴۷۔ایضاً۔ج ا۔کتاب الجہاد۔باب: طرح جیف المشرکین فی البیر۔ص ۴۵۲۔ایضاً۔ج ا۔کتاب الجہاد۔باب: الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ و الزلزلۃ۔ص ۴۱۱۔ایضاً۔ج ا۔کتاب المناقب۔باب: ذکر ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین۔ص ۵۴۳۔ایضاً۔ج ۲۔کتاب المغازی۔باب: دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی کفار قریش۔ص ۵۶۴' مسلم۔ج ۲۔کتاب الجہاد۔باب: ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین۔ص ۱۰۸' نسائی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: فرث ما یوکل لحمہ یصیب الثوب۔ص ۵۸' مسند امام احمد)

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضور اقدس ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی اور پیاری صاحبزادی ہیں' جنہیں حضور اقدس ﷺ نے "بضعۃ منی" فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا:

فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ. فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

(بخاری۔ج ا۔کتاب المناقب۔باب: ذکر فاطمۃ۔ص ۵۳۱' مسند امام احمد)

علمائے اہل سنت میں ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ یہ مطلقاً دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں' ان کی دلیل یہی حدیث ہے' اس پر بہ قدر ضرورت پہلے حصے میں بحث گزر چکی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں' بعثت کے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سن بعثت میں بعثت کے بعد پیدا ہوئیں' مگر یہ صحیح نہیں' صحیح وہی قول اوّل ہے۔

۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان کا عقد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا' ماہ رمضان میں عقد ہوا اور ماہ ذوالحجہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں رخصتی ہوئی، چار سو مثقال چاندی مہر مقرر ہوا[1] ان ایام کی عادت کے مطابق مہر معجل یعنی پیشگی مہر کی ادائیگی میں حضرت علی نے وہ زرہ پیش کی جو غزوۂ بدر میں ان کو ملی تھی[2] چار سو مثقال چاندی انگریزوں کے زمانے میں جو چاندی کا روپیہ چلتا تھا، ان سے ایک سو ساٹھ روپے کے برابر ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ۔ ص ۸۔ ۳۱۳)

حضرت سیدہ کے بطن سے تین صاحبزادے امام حسن، امام حسین اور محسن پیدا ہوئے۔ محسن صغرسنی میں وصال کر گئے تھے۔ صاحبزادیاں حضرت زینب، اُم کلثوم، رقیہ ہیں۔ (اکمال)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان شریف سہ شنبہ کی رات میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں رات ہی میں حسب وصیت دفن ہوئیں، حضرت علی ہی نے غسل بھی دیا اور نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ صحیح یہی ہے کہ مزار پاک قبہ عباس میں ہے جہاں دیگر اہل بیت کرام کے مزارات ہیں۔ (مدارج۔ ج ۲ ص ۵۹۱)

ان سے اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں، صحیحین میں ایک ہے، ان سے اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے[3] وصال کے وقت عمر مبارک کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، صاحب اکمال نے اٹھائیس لکھا ہے، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ واقعہ اُحد کے بعد شادی ہوئی اور شادی کے وقت عمر مبارک پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی، غزوۂ اُحد ۳ھ کے شوال میں ہوا، اس حساب سے وصال کے وقت عمر مبارک زیادہ سے زیادہ تیئس سال کی تھی۔

ولادت مبارکہ کے سلسلے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو ابن جوزی نے لکھی ہے، یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے، اس طرح نکاح کے وقت عمر مبارک اٹھارہ سال تھی، یہی اصابہ وغیرہ میں ہے۔ اس تقدیر پر اکمال کی یہ بات درست ہے کہ وصال کے وقت عمر مبارک اٹھائیس سال تھی۔

تکمیل

کتاب الجہاد میں یہ زائد ہے کہ حضور کعبہ کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کتاب الصلوٰۃ میں یہ زائد ہے کہ ان میں سے جس نے یہ گندگی لانے کی بات کہی تھی، اس نے یہ کہا تھا کہ اس ریاکار کو دیکھو! مسلم میں ہے کہ یہ کہنے والا ابو جہل ہے، اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کل فلاں قبیلے میں اونٹ ذبح ہوا ہے، کتاب الصلوٰۃ میں ہے: کوئی جائے اور اس کی لید اور خون اور بچہ دانی لائے۔

''اشقی قوم'' سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے، یہاں ''یحیل بعضهم علی بعض'' ہے، جس کا لفظی ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے پر حوالہ کرنے لگے، مگر یہ معنی غیر مناسب ہے، موزوں معنی یہ ہے کہ اس بدتمیزی پر ہنس رہے تھے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے: ''حتی مال بعضهم علی بعض'' اسی میں ہے کہ کسی نے جا کر حضرت سیدہ کو خبر دی، یہ بہت چھوٹی بچی تھیں، دوڑتی ہوئی آئیں اور ان اشرار کو گالی دینے لگیں۔ عام روایتوں میں ہے: ''اللّٰهم علیك بابی جهل'' یا ''بابی جهل بن هشام'' مگر کتاب الصلوٰۃ میں اس کے نام کے ساتھ بعمرو بن ہشام ہے، خادم کے نزدیک یہی روایت راجح ہے، اس لیے کہ اس وقت ابو جہل کے نام کی شہرت اتنی نہ تھی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ان کی یہ کنیت نہ رکھی گئی ہو۔

یہ ساتواں جس کا نام راوی یاد نہ رکھ سکے، عمارہ بن ولید بن مغیرہ ہے، یہ بدر میں نہیں مارا گیا بلکہ یہ حبشہ گیا، وہاں ایک عورت سے چھیڑ خانی کی، اس کی سزا میں نجاشی نے ایک مہاجر کو حکم دیا کہ اس کے احلیل میں منتر پھونک دے۔ اس نے ایسا ہی کیا، جس کے اثر سے وحشی ہو گیا اور چوپایوں کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مرا۔ اسی طریقہ عقبہ بن ابی معیط بھی میدان

[1] فتاویٰ رضویہ۔ ج ۵ ص ۸۔ ۳۱۳ [2] مدارج النبوۃ۔ نولکشور۔ ج ۲ ص ۱۰۵ [3] عینی۔ ج ۲ ص ۱۷۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جنگ میں نہیں مارا گیا اور نہ قلیب بدر میں ڈالا گیا' یہ بدر میں گرفتار ہوا اور مدینہ طیبہ واپس ہوتے ہوئے روحا کے قریب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کے سب سے بڑے بدبخت انسان کا سر قلم کیا' عرق الظبیہ میں قتل کیا گیا' مدینہ طیبہ سے تین میل پہلے' بقیہ پانچ میدان بدر میں مارے گئے' ان میں سے چار کی لاشیں قلیب بدر میں ڈالی گئیں۔ امیہ بن خلف مارا تو یہیں گیا مگر جب اس کو گھسیٹنے لگے کہ قلیب بدر میں ڈالیں تو اس کے اعضاء جوڑ سے اُکھڑ گئے' اس لیے اس کو وہیں مٹی میں دبا دیا گیا۔ حضرت ابن مسعود کا ارشاد میں نے ان کو بدر کے کنویں میں پڑا ہوا پایا' یہ اعتبار اغلب و اکثر کے ہے۔

"فلم یحفظه" کے قائل ابو اسحٰق ہیں' جیسا کہ بخاری' کتاب الجہاد میں اور مسلم میں بہ طریق سفیان ثوری تصریح ہے۔

باب سے مطابقت

امام بخاری کا استدلال یہ ہے: نماز کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نجاست ڈالی گئی' اس سے جسم نہیں تو کپڑے ضرور آلودہ ہوئے ہوں گے' یا نہیں تو کم از کم جسم پر نماز کی حالت میں نجاست رکھی رہی' مگر حضور نماز پڑھتے رہے' نماز کی حالت میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پیٹھ پر کیا رکھا ہے' مگر فراغت کے بعد تو معلوم ہوا' پھر اعادہ کیوں نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگ جائے تو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

احناف و شوافع کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں' جن میں سے لائق ذکر تین ہیں:

(۱) علامہ ابن حجر نے فتح الباری[1] تفسیر سورۂ مدثر میں ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ آیت کریمہ "وثیابك فطهر" اور اپنے کپڑے کو پاک کرو' کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اس واقعہ کے وقت نماز کے لیے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب امام بخاری کے استدلال کی ساری عمارت ڈھ گئی۔ اس کے بعد کسی جواب کی حاجت نہیں' مگر ہم ناظرین کی دلچسپی کے لیے دو مزید نقل کیے دیتے ہیں۔

(۲) ہوسکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ فرمایا ہو' اگرچہ فوراً نہیں فرمایا' عدم نقل' نقل عدم نہیں' اس لیے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور نے اعادہ نہ فرمایا ہو۔

(۳) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس وقت تک مشرکین کے ذبیحہ کے احکام نہیں نازل ہوئے تھے' اس لیے اس سلا (بچہ دانی) پر نجاست کا حکم درست نہیں' مگر اس جواب میں یہ سقم ہے کہ ابھی گزرا کہ کتاب الصلوٰۃ کی روایت میں یہ ہے:

فليعمد الى فرثها ودمها وسلاها. اس کی لید اور اس کے خون اور اس کی بچہ دانی اُٹھا لائے۔

خون اور لید تو بہر حال ناپاک ہیں' اس لیے یہ جواب لائق توجہ نہیں۔

"سلا" کا ترجمہ کچھ لوگوں نے اوجھڑی کیا ہے' یہ غلط ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ سلا اس کھال یا جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ رہتا ہے۔ اصمعی نے کہا: یہ جانوروں کی بچہ دانی کے ساتھ خاص ہے۔ ہاں! ہو سکتا ہے کہ کتاب الصلوٰۃ والی روایت کی بناء پر کسی نے لازم معنی کا لحاظ کر کے اوجھڑی کر دیا ہو' جس میں لید اور بچہ دانی بھی ہوتی ہے۔

الفصاح البخاری میں "علی ظهره" کا ترجمہ ان کی کمر کیا ہے' یہ غلط ہے۔ "ظهر" کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ ان بزرگ کو آگے "بین کتفیه" بھی نظر نہ آیا' کیا دونوں شانوں کے بیچ میں کمر ہوتی ہے؟

---

[1] فتح الباری۔ ج ۹ ص ۸۰۰

مسائل

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ کی عظمت مشرکین کے دلوں میں بھی اتنی تھی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہاں دعا ضرور قبول ہوتی ہے (۲) تین بار دعا کی تکرار دعا کے مقبول ہونے میں مؤثر ہے اور یہ مستحب بھی ہے (۳) ظالم کے لیے بددعا کرنا جائز ہے' بعض علماء نے لکھا کہ اگر مسلمان ہے تو اس کی ہدایت و توفیق توبہ کی دعا کرنی چاہیے اور اس کے لیے استغفار کرنا چاہیے (۴) کسی بُرائی کا ارتکاب کرنے والا برائی کی ترغیب دینے والے سے زیادہ بدتر ہے' ان سب میں کفر' سرکشی اور تمرد میں ابوجہل سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور اسی نے اس پر اُکسایا تھا مگر پھر بھی اشقی عقبہ بن ابی معیط کو کہا گیا (۵) اس حدیث میں ہے: ''ورسول اللّٰہ ساجد لا یرفع راسہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں رہے' سراقدس نہیں اُٹھایا۔ اس پر عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ حضور سراقدس اُٹھا نہیں سکتے تھے' ہوسکتا ہے کہ واقعہ یہی ہو' مگر میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ یہ بوجھ جب اتنا تھا کہ حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا نے صغیر السن بچی ہوتے ہوئے اسے گرادیا جبکہ حضرت سیّدہ کی عمر مبارک اس وقت مشکل سے آٹھ سال رہی ہوگی' تو یہ بوجھ اتنا نہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اگر سر اُٹھانا چاہتے تو نہ اُٹھا سکتے تھے۔ سراقدس سجدے سے نہ اُٹھانا اس لیے نہ تھا کہ بوجھ زیادہ تھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اسی خاص حالت عبودیت میں جو ظلم ہوا ہے' اسے دیر تک اس بے نیاز کے حضور پیش کیے رہوں تاکہ اس کی رحمت کی توجہ بیش از بیش ہو' جیسا کہ سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کے بارے میں فرمایا: مجھے صفیہ کے دکھ کا خیال نہ ہوتا تو حمزہ کی لاش بغیر دفن چھوڑ دیتا کہ درندے کھاتے اور قیامت کے دن ان کا حشر درندوں کے پیٹوں میں ہوتا' یا جیسا کہ بیر معونہ کے واقعہ میں حرام بن ملحان بہتے ہوئے خون کو اپنے چہرے پر ملتے جاتے اور کہتے جاتے: ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' میں کامیاب ہوگیا ربِ کعبہ کی قسم! بات وہی ہے۔

ع تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ئیست

حدیث میں فرمایا گیا: بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت ہوتا ہے' جب وہ سجدے میں ہوتا ہے' گویا کہ زبان حال سے یہ استدعا کر رہے ہیں: حضور اقدس میں قربِ خاص کے وقت دشمنوں کی یہ حرکت صرف میری ہی نہیں' تیری بارگاہِ قدس کی بھی اہانت ہے' اختیار تجھے ہے' اپنی بارگاہِ قدس کی تحقیر کرنے والوں کو ڈھیل دے یا سزا دے۔ کیا اس جبار و قہار' غیور کے جلال کو جوش میں لانے کا اس سے بھی عمدہ کوئی طریقہ ہوسکتا ہے۔

ت ٥٣ - كَرِهَهُ الْحَسَنُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ. نبیذ سے وضو کرنے کو حضرت حسن بصری اور ابوالعالیہ نے مکروہ جانا۔ (مصنف عبدالرزاق وابوعبید' دار قطنی' ابن ابی شیبہ وابوعبید)

امام حسن بصری

تابعین کرام کے صف اوّل میں سے ہیں' نام نامی حسن ہے اور کنیت ابوسعید' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اخیر دورِ خلافت میں پیدا ہوئے جبکہ دو سال رہ گئے تھے' پیدائش کے بعد انہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی تحنیک کی یعنی کھجور چبا کر اپنا تبرک ان کے تالو میں لگایا' ان کے لیے دعا بھی کی: ''اللّٰھم فقھہ فی الدین وجھہ فی الناس'' اے اللہ! انہیں فقیہ بنا اور لوگوں میں انہیں وجاہت عطاء فرما! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام کی خدمت میں ان کی والدہ انہیں لے جاتیں اور سب دعا سے نوازتے' انہوں نے ایک سو تیس صحابہ کی زیارت کی' خود فرماتے ہیں: میں نے خراسان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کا جہاد کیا تو ہمارے ساتھ ایک سو تیس صحابہ کرام تھے۔

ان کے والد کا نام یسار اور کنیت ابو الحسن تھی' یہ حضرت زید بن ثابت کے غلام تھے۔ حضرت حسن کی والدہ ماجدہ حضرت اُم سلمہ کی باندی تھیں' ان کی والدہ انہیں چھوڑ کر کہیں کسی کام کے لیے چلی جاتیں اور یہ رونے لگتے تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی چھاتی ان کے منہ میں دے دیتیں۔ حضرت اُم المؤمنین کی کرامت کہ دودھ اتر آتا اور یہ خوب پیتے۔ ان کو جو علوم اور معارف ملے' یہ سب اسی متبرک دودھ کا اثر ہے۔

حضرت حسن کی جلالت شان کا عالم یہ ہے کہ ایک بار کسی نے حضرت انس سے کچھ پوچھا تو فرمایا: مولانا حسن سے پوچھو! انہوں نے بھی سنا اور ہم نے بھی سنا' انہوں نے یاد رکھا' ہم بھول گئے۔ ایک بار فرمایا: مجھے بصرہ والوں میں ان دو شخصوں پر رشک آتا ہے: حسن اور ابن سیرین پر۔ قتادہ نے کہا: میں جس فقیہ سے ملا' حسن اس سے افضل ہے۔

باہیبت' خوبصورت' وجیہ بزرگ تھے' علم و عمل کے جامع' زبردست عابد و زاہد' مقبول خاص و عام' سلاسل اولیاء کرام کے امام' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بصرہ جا کر آباد ہو گئے' مدۃ العمر وہیں رہے' وہیں واصل بحق ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے ایامِ قیام میں صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل فرمائے' مدینہ سے جانے کے بعد پھر حضرت علی کی زیارت نہ کر سکے' بہ ماہ رجب ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا۔ (یہ ساری تفصیلات اکمال اور بدایہ نہایہ۔ ج ۹ سے لی گئی ہیں)

ابو العالیہ

ربیع بن مہران ریاحی' اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھی زیارت کی ہے' تین بار قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا تھا' جاہلیت کا بھی کچھ زمانہ پایا تھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دو سال بعد ایمان سے مشرف ہوئے' ۹۰ھ میں وصال ہوا۔

نبیذ سے وضو کی بحث

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے:

لا یجوز الوضوء بالنبیذ و بالمسکر. نبیذ اور مسکر (نشہ آور چیز) سے وضو جائز نہیں۔

عرب کا پانی عموماً شور ہوتا تھا' اس کی شوریت ختم کرنے کے لیے پانی میں چھوہارے ڈال دیتے تھے کہ پانی میں کچھ مٹھاس آ جائے' کبھی کبھی چھوہارے کئی دن رہ جاتے تو پانی میں جوش پیدا ہو جاتا' نشہ آ جاتا' کبھی چھوہارے زیادہ ڈال دیتے تو پانی گاڑھا بھی ہو جاتا۔ مختلف فیہ نبیذ کی پہلی قسم ہے' چھوہاروں کی وجہ سے جس کا نہ پتلا پن ختم ہو نہ اس میں جوش آئے' نہ نشہ پیدا ہو۔ رہ گئی نشہ آور چیز خواہ وہ نبیذ ہو خواہ کچھ اور' اس سے وضو دیگر علماء کی طرح ہمارے نزدیک بھی درست نہیں۔ امام بخاری کا غالباً مسلک یہ ہے کہ اس نبیذ سے بھی وضو جائز نہیں' جس کی نہ رقت گئی ہو نہ اس میں نشہ آیا ہو۔ امام بخاری نے اپنے مدعا پر پہلے حضرت امام حسن بصری اور ابو العالیہ کا یہ فتویٰ پیش کیا کہ ان دونوں بزرگوں نے نبیذ سے وضو کو مکروہ جانا' اس پر تین معروضے ہیں:

(۱) اس کراہت سے کراہت تحریم مراد ہے یا کراہت تنزیہ۔ اگر تنزیہ ہے تو یہ جواز کے معارض نہیں' اسے لا یجوز کی دلیل بنانا درست نہیں اور اگر کراہت تحریم مراد ہے تو یہ حضرت امام حسن بصری کے اس ارشاد سے باطل ہے' جو ابو عبید نے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا: نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

رہ گئے حضرت ابو العالیہ تو ان سے وضو کے بارے میں کوئی روایت ہمیں نہیں ملی' ان سے جو روایت ہے وہ غسل کے بارے میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے' جیسا کہ دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ ایسی نبیذ سے غسل جائز ہے کہ نہیں' یہ خود احناف کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ راجح یہی ہے کہ غسل درست نہیں' اس لیے کہ وضو کا جواز خلاف قیاس حدیث کی وجہ سے ہے' جب یہ وضو کے بارے میں نہیں' تو اسے وضو کے عدم جواز کی دلیل میں پیش کرنا لا حاصل۔

(۲) اور پھر یہاں بھی یہ احتمال باقی ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہ ہو۔

(۳) حدیث کے مقابلے میں تابعی کا قول لائق ترجیح نہیں۔ امام بخاری خود احادیث کے خلاف اقوالِ رجال پر فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے مقلدین یہ الزام ہم کو دیتے ہیں۔ تابعین کے بارے میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد مشہور ہے اور مقدمہ میں گزر چکا:

''ھو رجال ونحن رجال''

ت ٥٤ - قَالَ عَطَاءٌ اَلتَّيَمُّمُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيذِ وَاللَّبَنِ.

حضرت عطاء نے کہا کہ نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کی بہ نسبت تیمم مجھے زیادہ پسند ہے۔

عطاء بن ابی رباح

کبار تابعین میں سے ایک ہیں' ان کی جلالت شان مسلم عند الکل ہے' دو سو صحابہ کا زمانہ پایا' اتنے جلیل القدر امام کہ سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب مسائل حج کا جاننے والا ان سے زیادہ کوئی نہ رہا۔ نیز فرمایا: ان سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں' ایامِ حج میں اموی شہنشاہوں کی طرف سے یہ اعلانِ عام ہو جاتا کہ سوائے عطاء کے کوئی مسائل حج نہ بتائے' ان سب کے علاوہ اتنے بڑے عابد تھے کہ بیس سال تک مسجد میں معتکف رہے۔ ستر حج اور سو عمرے کیے' جلالت شان یہ اور اللہ کی شان بے نیازی کہ چونکہ حبشی النسل تھے' اس لیے رنگ سیاہ اور بال اُلجھے ہوئے تھے' ناک چپٹی تھی' ایک آنکھ کی بینائی نہیں تھی' اخیر عمر میں دوسری آنکھ کی بھی بینائی جاتی رہی' ہاتھ شل تھا' لنگڑے بھی تھے' مگر علم و فضل کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے ائمہ زانوئے ادب تہہ کرنا باعث فخر جانتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جہاں مسجد حرام میں درس دیتے تھے' ان کے بعد ان کی جگہ یہ بیٹھتے تھے۔

مطابقت

''احب الی'' ''زیادہ پسند ہے'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ حضرت عطاء نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کو پسند کرتے تھے' مگر کم۔ اور ابو داؤد میں ہے کہ امام عطاء نے فرمایا: میں نبیذ اور دودھ سے وضو ناپسند کرتا ہوں' اس سے زیادہ مجھے تیمم پسند ہے۔ دونوں کا مفاد یہ نکلا کہ حضرت عطاء نبیذ اور دودھ سے وضو کرنا جائز جانتے ہیں' البتہ کم پسند ہے یا زیادہ سے زیادہ ناپسند کرتے تھے۔ امام بخاری نے یہاں باب کا جو عنوان رکھا ہے' وہ یہ ہے:

لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر.

نبیذ اور نشہ آور چیز سے وضو جائز نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تعلیق امام بخاری کے اس باب کا رد ہے۔

اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ دودھ سے وضو قطعاً جائز نہیں' اس پر اجماع ہے۔ احناف ہی نہیں پوری اُمت کا یہی مسلک ہے۔ رہ گئی نبیذ تو احناف کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

عرب کا پانی عموماً کھاری ہوتا ہے' پانی میں چند کھجوریں ڈال دیتے کہ پانی میں کچھ مٹھاس آ جائے' یہی نبیذ ہے۔ نبیذ جب تک میٹھی اور اتنی پتلی ہو کہ اعضاء پر پانی کی طرح بہے تو اس سے وضو جائز ہے۔ اور اگر گاڑھی ہو گئی یا جوش آ گیا یا اس میں نشہ آ گیا تو ایسی نبیذ سے ہرگز ہرگز وضو جائز نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پانی نہ ہو تو ایسی نبیذ کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔ ہماری دلیل

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے انہوں نے فرمایا:

قال له النبي صلى الله عليه وسلم ليلة الجن ما في اداوتك قال نبيذ قال تمرة طيبة وماء طهور قال فتوضا منه.

ان سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں فرمایا: تیرے برتن میں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نبیذ ہے، فرمایا: کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا کہ پھر حضور نے اس سے وضو فرمایا۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء بالنبيذ۔ ص ۱۲، ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء بالنبيذ۔ ص ۱۳، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء بالنبيذ)

ترمذی میں "فتوضا منه" اور مصنف ابن ابی شیبہ[1] میں "واقام الصلوٰة" زائد ہے۔

اس حدیث کی ایک طرف سے احناف کے مہربانوں نے تضعیف کی، اس کے بالمقابل علماء احناف نے اس حدیث کی تصحیح کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے، تفصیل کے لیے عینی کا یہ مقام اور طحاوی کی شرح معانی الآثار کا مطالعہ کریں، مثلاً امام ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا ایک راوی ابوزید ہے جو مجہول ہے، سوائے اس حدیث کے اس کی کوئی روایت نہیں۔

علامہ عینی نے اس کا جواب دیا: ابن العربی نے شرح ترمذی میں کہا کہ ابوزید مولیٰ عمرو بن حریث سے راشد بن کیسان اور ابوروق نے روایت کیا ہے۔ اتنے ہی سے اس کا مجہول ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں! اس کا نام نہیں معلوم، ممکن ہے امام ترمذی کی مجہول کہنے سے یہی مراد ہو اور یہ مضر نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو ابوزید کے مثل چودہ حضرات نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ نہیں تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا تو فرمایا: "ما شهد هامنا احد"[2] ہم میں سے کوئی لیلۃ الجن میں حاضر نہ تھا۔

اس کے دو جواب علامہ عینی نے دیئے ہیں، ایک یہ کہ اس قول سے ان کی مراد یہ ہے کہ پوری رات حضور کے ساتھ نہیں رہا، ساتھ میں گیا، پھر جدا ہو گیا، پھر صبح کو ساتھ ہو گیا۔ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب حضور جنوں کو تلقین فرما رہے تھے، خاص اس وقت حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا اور غالباً علامہ عینی کی بھی یہی مراد ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ لیلۃ الجن دو ہیں، ایک بار نینویٰ کے جنوں نے ملاقات کی تھی، ایک بار نصیبین کے جنوں نے، نخلہ میں نینویٰ کے جن تھے اور مکہ میں نصیبین کے جن۔ نخلہ والے واقعہ میں حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا اور مکہ والے واقعہ میں حضرت ابن مسعود ساتھ تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بعض لوگوں سے یہ نقل فرمایا کہ ابتداء میں نبیذ سے وضو کی اجازت تھی، پھر آیت کریمہ "فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً" سے منسوخ ہو گئی، اس لیے کہ لیلۃ الجن مکہ کا واقعہ ہے اور یہ آیت مدنی ہے۔

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ (نزول اقرا کے بعد غار حرا سے اتر کر) حضرت جبریل نے اپنی ایڑی زمین پر ماری، جس سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرنے کی تعلیم دی۔ مطلب یہ ہے کہ ابتداء بعثت ہی سے پانی سے وضو کرنے کا حکم تھا۔ اس کے باوجود حضور نے لیلۃ الجن میں نبیذ سے وضو فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ پانی سے وضو کے حکم اور نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی تنافی نہیں۔

---

[1] فتح القدیر۔ ج ا۔ ص ۷۴۔ نولکشور [2] ایضاً

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیکن اس خادم کی اس پر یہ گزارش ہے کہ نبیذ ماء مطلق ہے یا نہیں؟ اگر ماء مطلق ہے تو علامہ عینی کا جواب درست اور علامہ ابن حجر کا اعتراض سرے سے ساقط۔ اس خصوص میں بہت زیادہ لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں' خود اسے حدیث میں ماء فرمایا۔ ارشاد ہوا: ''تمرة طيبة وماء طهور'' پھر اس کے ماء مطلق ہونے میں کلام کی کیا گنجائش اور اگر یہ ماء مطلق نہیں اور آیت کریمہ ''فلم تجدوا مـاءً'' میں ماء سے مراد ماء مطلق ہے' تو نبیذ کے ہوتے ہوئے یہ صادق ہے کہ پانی نہیں ملا۔ اب علامہ ابن حجر کا اعتراض اپنی جگہ باقی رہ جائے گا۔ اسی پر ہماری گزارش ہے کہ اس کے دفع کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز و درست ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ حدیث مشہور ہے' وہ گزر چکا کہ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے ابوزید کے علاوہ چودہ حضرات نے روایت کی ہے' یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پندرہ حضرات نے روایت کی ہے۔ اسی طرح لیلۃ الجن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نہ ہونے کی جو توجیہات ہمارے علماء نے کی ہیں۔ ترمذی کی اس حدیث میں جاری نہیں ہو سکتیں' ص ۱۵۸ پر ہے:

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا: لیلۃ الجن میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ لوگوں میں سے کوئی تھا یا نہیں؟ فرمایا: ہم میں سے کوئی حضور کے ساتھ نہیں تھا' ہوا یہ کہ قیامِ مکہ کے ایام میں ایک رات حضور غائب ہو گئے' ہم نے کہا کہ حضور کو اُچک لیا گیا' ہم نے انتہائی اذیت میں یہ رات گزاری' جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ حضور حراء کی طرف سے آرہے ہیں۔ لوگوں نے اپنا حال بیان کیا' اس پر حضور نے پورا واقعہ سنایا' اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ جزیرہ نصیبین کے جن تھے۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لیکن حیرت اس پر ہے کہ خود ترمذی میں دو جگہ اس کی تصریح ہے کہ حضرت ابن مسعود لیلۃ الجن میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک باب ''كراهة ما يستنجى به'' میں حضرت ابن مسعود کا یہ قول مذکور ہے:

وہ لیلۃ الجن میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔

دوسرے ابواب ''الامثال'' میں انہیں سے یوں روایت ہے:

ایک رات حضور اقدس ﷺ عشاء سے فارغ ہوئے تو تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑا اور بطحاء مکہ میں لے گئے اور بٹھا دیا' پھر میرے اردگرد خط کھینچ دیا اور فرمایا: اس سے باہر نہ نکلنا' کچھ لوگ تمہارے قریب آئیں گے' ان سے بات مت کرنا' وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے' پھر حضور کو جہاں جانا تھے چلے گئے' میں خط کے اندر ہی بیٹھا تھا کہ میرے قریب کچھ کالے کالے سوڈانی قسم کے لوگ آئے' جن کے بال اور جسم سوڈانیوں جیسے تھے' ان کے جسم پر لباس نہیں تھا مگر پھر بھی ان کے چھپانے کی جگہیں نظر نہیں آتی تھیں' میری طرف آتے مگر خط کو پار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے جاتے' اخیر رات میں حضور تشریف لائے اور خط کے اندر داخل ہوئے' فرمایا: آج رات سو نہیں سکا' پھر میری ران پر سر رکھ کر سو گئے۔ الحدیث بطولہٖ! (ج ۲ ص ۱۰۹)

امام ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے' ان کے علاوہ کفایہ میں ہے کہ امام بخاری نے بارہ طریقوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھے۔ تین طریقے سے تاریخ صغیر میں مذکور ہے' بقیہ نو طریقے کسی اور کتاب میں مذکور ہوں گے۔

جب بہ وجوہِ متعددہ صحیحہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھے تو لامحالہ وہ روایت جس میں یہ ہے کہ لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا' مرجوح ہوگی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس نبیذ کی حقیقت

جس نبیذ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا' اس کی حقیقت صرف یہ تھی کہ پانی میں چند کھجوریں ڈال لی تھیں تا کہ پانی کا کھارا پن دور ہو جائے۔ پانی اپنی طبعی رقت اور سیلان پر باقی تھا نہ گاڑھا ہوا تھا نہ جوش کھایا تھا۔ نشہ آنا تو دور کی بات ہے۔ بدائع' ص ۱۷ پر ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس نبیذ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: چند کھجوریں پانی میں ڈال لی جاتی تھیں' بس نبیذ ہو گئی۔

ایسی ہی نبیذ سے وضو کو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جائز بتایا ہے' رہ گئی وہ نبیذ جس میں جوش پیدا ہو جائے یا نشہ آ جائے تو اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

والنبيذ المختلف فيه ان يكون حلوا رقيقا يسيل على الاعضاء كالماء وما اشتد منها صار حراما لا يجوز التوضى به. (ہدایہ اولین۔ ص ۳۲)

جس نبیذ سے وضو کے بارے میں اختلاف ہے' وہ یہ ہے کہ میٹھی پتلی ہو جو اعضاء پر پانی کی طرح بہے اور اگر جوش کھا گئی تو حرام ہو گئی اس سے وضو جائز نہیں۔

لوگوں کو استعجاب و حیرت اس لیے ہو رہی ہے کہ لوگ اپنے زمانے کی نبیذ پر قیاس کرنے لگے' حالانکہ اس نبیذ سے وضو کے جواز کا کسی نے قول نہیں کیا ہے۔

ایک خاص نکتہ

حضرت امام کا یہ بنیادی اصول تھا کہ جب تک حدیث صحیح نہ ہوتی' اس کے مطابق فتویٰ نہ دیتے" اذا صح الحديث فهو مذهبي" مشہور ارشاد ہے اور حضرت امام کا ثقہ متدین ہونا بلکہ امام ہونا متفق علیہ ہے' تو جب امام کسی حدیث سے استدلال فرمالیں تو یہ اس حدیث کے صحت کی دلیل ہے۔ اگر چہ محدثین اسے اپنی سندوں کے لحاظ سے ضعیف کہیں' اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' انصاف پسند اصحاب کو اس پر غور کرنا لازم ہے۔ اسی ایک نکتے سے احناف کے مخالفین خصوصاً غیر مقلد معاندین کے سارے ہذیانات کا قلع قمع ہو جاتا ہے' جو احناف کے خلاف کرتے رہتے ہیں' مثلاً اسی حدیث میں دیکھ لیجیے کہ امام ترمذی نے اپنی سند کے لحاظ سے ابوزید پر کلام فرمایا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت امام کو یہ حدیث ابوزید ہی کے واسطے سے ملی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی دوسری سند کے ساتھ پہنچی ہو جس میں امام ترمذی والی جرح کی بھی گنجائش نہ ہو۔ ابوزید کے علاوہ چودہ اور حضرات سے یہ حدیث مروی ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ان چودہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے حضرت امام تک پہنچی ہو' اس لیے ہمارے سامنے جو سند ہے' اس کو سامنے رکھ کر کسی حدیث کو مطلقاً ضعیف کہنا دیانت و انصاف کے خلاف ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی حدیث سے استدلال کی بالکل وہی حیثیت ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کے کسی حدیث کو صحیح کہنے کی ہے۔ حضرت امام کا استدلال حقیقت میں یہ اعلان ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تائید صحابہ

حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ حضرت علی' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی نبیذ تمر سے وضو کو جائز جانتے تھے۔ اسی طرح اس حدیث کو اور احناف کے مذہب کو عمل صحابہ سے بھی قوت مل گئی۔

تائید ائمہ

علاوہ صحابہ کرام کے حضرت حسن بصری' حضرت عکرمہ' حضرت ابوالعالیہ' امام اوزاعی' سفیان ثوری' اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے'

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیکن ہمارے خاص کرم فرما صاحب تحفۃ الاحوذی اور مرعاۃ اپنے غیظ وغضب کا نشانہ صرف ہم احناف کو بناتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسی نبیذ تمر جو اپنی رقت وسیلان پر باقی ہو جس میں نہ جوش پیدا ہوا ور نہ وہ گاڑھی ہوئی ہوا ور نہ اس میں نشہ آیا ہو اس سے وضو جائز ہے' اس معنی میں کہ اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں' یہ حضرت امام اعظم کا مذہب ہے اور یہ حدیث صحیح بلکہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ مخالفین نے اس حدیث پر جتنی جرحیں کی ہیں' علمائے احناف نے سب کے گن گن کر تفصیلی جوابات دیئے ہیں' خصوصیت سے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں' علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں' علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں وغیرہ وغیرہ۔

۱۷۶- ح: كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ [ہر پینے والی چیز جو نشہ لائے' حرام ہے]

۱۷۶- عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پینے کی ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔

(ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: الخمر من الغسل وھو البتع۔ ص ۸۳۷۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: الباذق ومن نھی عن کل مسکر۔ ص ۸۳۸' مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: بیان کل مسکر شراب و کل خمر حرام۔ ص ۱۶۷' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: ما جاء فی السکر۔ ص ۱۶۲' ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب: ما جاء کل مسکر حرام۔ ص ۸' ابن ماجہ۔ کتاب الاشربہ۔ باب: کل مسکر حرام۔ ص ۲۵۱' مؤطا امام مالک۔ کتاب الاشربہ' دارمی۔ کتاب الاشربہ' مسند امام احمد)

باب سے مطابقت

اس حدیث کو باب کے دوسرے جز سے مطابقت ہے' وجہ استدلال یہ ہے کہ ہر مسکر ناپاک ہے اور ناپاک سے وضو جائز نہیں' یا یہ کہ کوئی مسکر پانی نہیں اور پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے وضو جائز نہیں' اس لیے مسکر سے وضو جائز نہیں۔

ہر مسکر ناپاک ہے

رہ گئی یہ بات کہ مطابقت کی وجہ اوّل کا صغریٰ درست بھی ہے یا نہیں؟ یہ محل نظر ہے' حضرت امام اعظم اور حضرت امام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک خمر کے علاوہ بقیہ نشہ آور چیزوں کا بہ قدر نشہ پینا کھانا حرام ہے' مگر وہ ناپاک نہیں۔

خمر کیا ہے؟

انگور کے کچے پانی کو جب وہ خوب جوش کھانے لگے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے' خمر کہتے ہیں۔ اس سے کشید کیا ہوا عرق بھی خمر ہے' خمر کی بوند بوند حرام و نجس ہے' وہ بھی نجاست غلیظہ۔ اس کے علاوہ بقیہ چیزوں سے بنائی ہوئی شرابیں خمر نہیں اور نہ شیخین کے نزدیک ان کا وہ حکم ہے۔

البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ خمر کی طرح ہر نشہ آور رقیق کی بوند بوند حرام و ناپاک ہے۔ احناف کے نزدیک یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے' مگر قول اوّل بھی ساقط و باطل نہیں' بہت قوی ہے۔ یہی جمہور صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے' یہی قول امام اعظم کا ہے' یہی اصل مذہب ہے۔ عامہ متون مذہب جیسے مختصر قدوری' ہدایہ' وقایہ' نقایہ' کنز' غرر اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم واقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح جیسے امام ابو جعفر طحاوی' امام ابوالحسن کرخی' امام ابوبکر خواہر زادہ' امام قاضی خان' امام صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا' بلکہ خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا۔ اسی کو "بہ ناخذ" فرمایا۔ علماء مذہب نے بہت سی کتب معتمدہ میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے' یہاں تک کہ "اکد الفاظ ترجیح علیہ الفتوی" بھی فرمایا' اس تقدیر پر نبیذ کی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نجاست کا سوال ہی نہیں' اس لیے اس سے نجس ہونے کی بناء پر وضو کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دینا ساقط۔ رہ گئی یہ وجہ کہ یہ ماء مطلق نہیں' اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا کہ احناف جس نبیذ سے وضو کو جائز کہتے ہیں یعنی پانی میں چند کھجوریں اس لیے ڈال دی جاتی ہیں تا کہ اس کی مٹھاس پانی میں آ جائے اور بس' نہ اس میں جوش آئے اور نہ نشہ نہ وہ گاڑھی ہوئی ہو' اس پر بھی پانی کا اطلاق درست نہیں' یہ صحیح نہیں ہے۔ خود حدیث میں اسے پانی کہا گیا۔ ارشاد ہے: ''تمرة طيبة وماء طهور'' اس لیے اس حدیث کو مطلقاً ہر نبیذ سے وضو کے عدم جواز کی دلیل بنانا درست نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ خمر کے علاوہ دوسری نشہ آور رقیق چیزیں حضرات شیخین کے نزدیک کیوں ناپاک نہیں اور قدر اسکار سے کم ان کا پینا کیوں حرام نہیں؟ اس پر مفصل بحث ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ کتاب الاشربہ میں آئے گی اور اگر کسی صاحب کو عجلت ہو تو فتاویٰ رضویہ۔ ج ۱۱' کا رسالہ مبارکہ ''الفقه التسجيلي في عجين النار جيلي'' کا مطالعہ کریں۔

ت ۵۵ - وَقَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ امْسَحُوا عَلٰى رِجْلِيْ فَإِنَّهَا مَرِيْضَةٌ. (مصنف عبد الرزاق' مصنف ابن ابی شیبہ)

اور ابو العالیہ نے کہا: میرے پاؤں پر مسح کر دو اس لیے کہ وہ بیمار ہے۔

۱۷۷ - ح: بِاَيِّ شَيْءٍ دُوِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[نبی ﷺ کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا؟]

۱۷۷ - عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَسَاَلَهُ النَّاسُ وَمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ اَحَدٌ بِاَيِّ شَيْءٍ دُوِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِيَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ كَانَ عَلِيٌّ يَجِيْءُ بِتُرْسِهِ فِيْهِ مَاءٌ وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ الدَّمَ فَاُخِذَ حَصِيْرٌ فَاُحْرِقَ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ.

ابو حازم نے کہا کہ انہوں نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا' اس طرح کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نہیں تھا' لوگوں نے ان سے پوچھا کہ نبی ﷺ کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ تو انہوں نے کہا: اس کا مجھ سے زیادہ جاننے والا اب کوئی نہیں رہا' حضرت علی ڈھال میں پانی لاتے تھے اور حضرت فاطمہ حضور کے چہرے سے خون دھوتی تھیں' پس چٹائی جلا کر زخم میں بھری گئی۔

(ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الجہاد۔ باب: دواء الجرح باحراق الحصير۔ ص ۴۲۶۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن۔ ص ۷۸۹۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الطب۔ باب: حرق الحصير ليسد به الدم۔ ص ۸۵۲' مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الجہاد۔ باب: غزوة احد۔ ص ۱۰۷' ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الطب۔ باب: التداوی بالرماد۔ ص ۳۰' مسند امام احمد)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ

مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں یہ سب سے آخری ہیں[1] ان کی کنیت ابو العباس ہے' ان کا نام حزن تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے بدل کر سہل رکھا' حزن کے معنی سخت زمین کے ہیں اور سہل کے معنی نرم زمین کے ہیں۔ سو سال کی عمر پا کر ۹۱ھ میں وصال فرمایا' اس حساب سے ہجرت کے وقت نو سال کے تھے' یہ بھی ان صحابہ کرام میں سے ہیں' جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مشرف ہوئے۔

یہ تعلیق پوری یوں ہے: عاصم بن علجان نے کہا کہ ہم ابو العالیہ کے پاس گئے' وہ بیمار تھے۔ لوگوں نے ان کو وضو کرایا' جب ایک

[1] بخاری۔ کتاب النکاح۔ ص ۷۸۹

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پاؤں رہ گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس پر مسح کر دو اس میں تکلیف ہے۔

باب سے مناسبت

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''غسل المرأة اباها الدم عن وجهه'' بیٹی کا باپ کے چہرے سے خون دھونا۔ حدیث تو باب کے بالکل مطابق ہے مگر تعلیق کا باب سے کیا تعلق ہے یہ اب تک لاینحل ہے۔ کتاب الوضوء میں اس باب کا مقصد کیا ہے؟ یہ بھی پردۂ خفا میں ہے۔ تعلیق کو تو وضو سے تعلق ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی عضو پر پانی بہانا مضر ہو تو وہاں مسح کافی ہے مگر حدیث کا وضو سے کیا تعلق ہے وہ سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ اس وقت حضور اقدس ﷺ کے باوضو ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ زخم کی بھی حالت میں اگر پانی مضر نہ ہو تو دھونا ہی فرض ہے مسح کافی نہیں۔ رہ گیا بعض لوگوں کا اس سے یہ سمجھنا کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا بہت ہی بے تکی بات ہے۔

یہ حادثہ کب کا ہے؟

یہ غزوۂ اُحد کا واقعہ ہے ابن قمیہ کی تلوار سے خود سر اقدس میں چبھ گیا تھا اس سے سر اقدس لہولہان ہو گیا تھا[1] خون رُکتا ہی نہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور حضرت سیّدہ اسے دھوتی تھیں مگر جب اس سے بھی خون نہ تھما تو حضرت سیّدہ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی جس سے خون بند ہو گیا۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ ہوئے: (۱) عورت اپنے محارم مردوں کی تیمارداری کر سکتی ہے اور تیمارداری میں انہیں ہاتھ بھی لگا سکتی ہے (۲) علاج مسنون ہے یہ توکل کے منافی نہیں (۳) انبیاء کرام پر ہر قسم کی ابتلاء آزمائش دُکھ درد و بیماری آ سکتی ہے تاکہ ان کی شانِ عبودیت و بشریت ظاہر ہو اور کوئی ان کے معجزات کو دیکھ کر فتنے میں نہ پڑ جائے کہ معاذ اللہ یہ خدا تو نہیں۔ اور اُمت پر جب کوئی افتاد پڑے تو اسے صبر و سکون ملے کہ یہ انبیاء کرام کی سنت ہے (۴) جو بات معلوم نہ ہو وہ جاننے والوں سے پوچھنی چاہیے (۵) بوقت ضرورت عالم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس معاملہ کو میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔

۱۷۸- ح: اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ

[میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو مسواک کرتے ہوئے پایا]

۱۷۸ - عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُوْلُ اُعْ اُعْ وَالسِّوَاكُ فِيْ فِيْهِ كَاَنَّهُ يَتَهَوَّعُ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور کو اپنے ہاتھ سے مسواک کرتے پایا آپ اُع اُع کی آواز نکال رہے تھے اور مسواک حضور کے منہ میں تھی گویا کہ آپ قے کر رہے ہیں۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: السواک۔ ص ۱۲۸ ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: كيف يستاك۔ ص ۷ نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: كيف يستاك۔ ص ۵)

---

[1] بخاری۔ کتاب الطب۔ ص ۸۵۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۷۹- ح: يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ [(آپ) اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے]

۱۷۹- عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اُٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے۔

(ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الجمعہ۔ باب: السواك يوم الجمعة۔ ص ۱۲۲۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب التہجد۔ باب: طول الصلوٰة في قيام الليل۔ ص ۱۵۳، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: السواك۔ ص ۱۲۸، ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: السواك لمن قام بالليل۔ ص ۸، نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: السواك اذا قام من الليل۔ ص ۵، نسائی۔ ج ا۔ کتاب قیام اللیل۔ باب: ما يفعل اذا قام من الليل من السواك۔ ص ۲۴۱، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: السواك۔ ص ۲۵، دارمی۔ کتاب الوضوء مسند امام احمد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

ان کے والد کا اصل نام حِسل یا حُسیل تھا، مگر یمان کے ساتھ مشہور ہیں۔ جنگ اُحد میں جب لڑائی کا رخ مسلمانوں کے خلاف ہو گیا اور اگلی صفیں پچھلی سے بھڑ گئیں، اس افراتفری میں حضرت یمان خود مسلمانوں کی تلواروں سے شہید ہو گئے، حضرت حذیفہ لاکھ چلاتے رہے: مسلمانوں کیا کر رہے ہو؟ مگر کسی نے کچھ سنا نہیں۔ حضرت حذیفہ کا یہ ایثار ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے خون کو معاف کر دیا۔ حضرت حذیفہ کا لقب صاحب السر تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص رازدار تھے، منافقین کے سارے بھید جانتے تھے اور سب سے واقف تھے۔ یہ بات اتنی مشہور تھی کہ جب کوئی مرتا اور اس کی نمازِ جنازہ حضرت حذیفہ پڑھتے تو حضرت فاروقِ اعظم بھی پڑھتے اور اگر وہ نہ پڑھتے تو یہ بھی نہ پڑھتے۔

ایک بار پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ میرے عمال میں کوئی منافق ہے؟ حضرت حذیفہ نے کہا: ہاں ایک ہے، فرمایا: نام بتاؤ! بہت پوچھا مگر حضرت حذیفہ نے نام نہیں بتایا۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عموماً فتنوں کا پوچھا کرتے تا کہ اس سے بچے رہیں۔ ان کے فضائل بہت ہیں، جنگ خندق میں ایک رات سخت سردی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کوئی ہے جو دشمن کے کیمپ میں جا کر ان کا حال معلوم کر کے آئے۔ موسم اتنا سخت تھا کہ کوئی نہ بولا، حضور نے ان کا نام لے کر پکارا، یہ حاضر ہوئے، حکم ہوا کہ دشمن کے کیمپ میں جا کر ان کا حال معلوم کر کے آؤ، مگر ان کو بھڑکانا مت۔ یہ گئے، فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ گرم حمام میں ہوں۔ ابوسفیان کو دیکھا، آگ تاپ رہے ہیں، تیر کمان میں رکھا چاہا کہ چلاؤں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد آ گیا، تیر ترکش میں کر لیا۔ وہاں حال یہ تھا کہ سخت آندھی کی وجہ سے خیموں کی میخیں اکھڑ گئی تھیں، چولہوں سے دیگیں اُلٹ اُلٹ گئی تھیں۔ گھوڑے میدان میں آوارہ دوڑ رہے تھے۔ ابوسفیان نے اعلان کر دیا: قریظہ اور غطفان نے ساتھ چھوڑ دیا، موسم کا یہ حال ہے، رسد ختم ہے، اب واپس چلنا ہے۔ حضرت حذیفہ نے آ کر خوشخبری سنائی، سرکار نے انہیں ایک عبا اوڑھا کر سلا دیا، صبح تک مزے سے سوتے رہے۔ ہمدان، رے، دینور کو انہوں نے فتح کیا۔ حضرت فاروق اعظم نے کچھ دن ان کو مدائن کا حاکم بھی بنایا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بیس دن بعد مدائن ہی میں ان کا وصال ہوا، سن ۳۶ھ وصال ہے۔

شیخ قطب الدین کی تصریح کے مطابق ان سے سینتیس حدیثیں مروی ہیں، بارہ متفق علیہ ہیں، آٹھ افرادِ بخاری سے اور سترہ افرادِ مسلم سے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مسواک کا حکم

ہر وضو میں مسواک سنت ہے' وضو کے علاوہ ان اوقات میں مستحب ہے: (۱) ہر نماز کے وقت (۲) تلاوتِ قرآنِ مجید کے لیے (۳) سو کر اُٹھنے کے بعد (۴) منہ میں جب بھی کسی وجہ سے بدبو پیدا ہو جائے' اس وقت (۵) جمعہ کے دن (۶) سونے سے پہلے (۷) کھانے کے بعد (۸) سحری کے وقت۔ (عینی)

مسواک کا طریقہ

مسواک زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی اور چھوٹی انگلی کے برابر موٹی ہو' ایک بالشت سے زائد لمبی مسواک ہرگز ہرگز نہ رکھیں۔ حدیث میں ہے کہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔ پیلو' زیتون وغیرہ کی ہو' کسی خوشبودار یا پھلدار درخت کی نہ ہو' استعمال سے پہلے مسواک دھولے' دائیں ہاتھ میں لے' اس طرح کہ چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے ہو اور بیچ کی تین انگلیاں مسواک کے اوپر اور انگوٹھا مسواک کے سرے پر رکھے' دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرے لمبائی میں نہ کرے' پہلے دائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں کرے' پھر بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں' پھر دائیں طرف کے نیچے کے دانتوں میں' پھر بائیں طرف کے نیچے کے دانتوں میں' فارغ ہونے کے بعد بھی دھولے اور کسی محفوظ جگہ کھڑی کر کے رکھے' ریشہ اوپر کی جانب ہو۔ (بہار شریعت۔ حصہ دوم)

ت٥٦ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِیْ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَائَنِیْ رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْھُمَا فَقِیْلَ لِیْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُہٗ اِلَی الْاَكْبَرِ مِنْھُمَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (خواب) دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں کہ میرے پاس دو شخص آئے' ایک دوسرے سے بڑا تھا' میں نے چھوٹے کو مسواک دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیں! پس میں نے ان میں سے بڑے کو دی۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الزہد۔ باب: النھی عن المدح اذا کان فیہ افراط۔ ص ۴۱۴)

یہ واقعہ خواب کا بھی ہے اور بیداری کا بھی' جیسا کہ بیہقی اور مسند امام احمد میں ہے' علامہ نووی نے یہ تطبیق دی کہ جب بیداری کا واقعہ پیش آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔ یہ افادہ فرمانے کے لیے کہ میں نے جو کیا ہے' وہ اس لیے کہ خواب میں مجھے اس کا حکم ہو چکا ہے۔ میرا خواب بھی وحی ہے' راویوں میں جس کو جتنا یاد رہا' اس نے اتنا بیان کیا۔ اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' وہ فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے' خدمت اقدس میں دو شخص حاضر تھے' ایک بڑا دوسرا چھوٹا' حضور کی طرف وحی ہوئی کہ مسواک بڑے کو دیں۔ (ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الرجل یستاك بسواك غیرہ۔ ص ۷)

مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عمر میں بڑے ہوں' ان کا لحاظ اور پاس رکھنا ان کی تعظیم و توقیر کرنی لازم ہے' خصوصاً بوڑھوں کی۔ حدیث میں ہے:

من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم. اللہ کے اجلال میں بوڑھے مسلمان کی تعظیم ہے۔

(ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: فی تنزیل الناس منازلھم۔ ص ۳۰۹)

جو بھی مسواک دوسروں کو دینی اور دوسرے کو استعمال کرنی جائز ہے' البتہ بہتر یہ ہے کہ دوسرا اسے دھولے۔ بڑے کو حق تقدیم اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وقت ہے کہ بیٹھے نہ ہوں اور اگر لوگ بیٹھے ہوں تو حق تقدیم دائیں طرف والوں کو ہے۔

قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ اخْتَصَرَهٗ نُعَيْمٌ. ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: نعیم نے اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

نعیم جعل ساز

ابوعبداللہ سے امام بخاری مراد ہیں' نعیم وہی مشہور جعل ساز ہے' جس نے ذاتی عداوت کی بناء پر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب جھوٹی حکایات گھڑ گھڑ کر پھیلائی ہیں' جس کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے۔ میزان میں ہے:

ان نعيما هذا كان يزور حكايات في ابي حنيفة رحمه الله تعالى. یہ نعیم وہی ہے جو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھوٹی حکایات گھڑتا تھا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ یہ قاضی ابومطیع بلخی تلمیذ حضرت امام کا میر منشی تھا' کسی جرم میں اسے قید کر دیا' اس رنجش کی وجہ سے وہ حضرت امام کے پیچھے پڑ گیا' اس قسم کے لوگوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کو اذیت دینے میں زیادہ لذت پاتے ہیں' پھر سوچتے ہیں ان سے انتقام لیا تو کیا بنے گا' ان کے بڑے کی خبر لو۔ یہ کذاب حضرت امام کو جہمی کہتا تھا' حالانکہ مسایرہ میں ہے کہ حضرت امام نے جہم سے مناظرہ کیا اور اخیر میں یہ کہہ کر دھتکار دیا: اے کافر! میرے یہاں سے نکل جا! اسی سے سن سن کر امام بخاری نے بھی ایسی ہی باتیں کی ہیں' تعجب ہے کہ حضرت امام بخاری جیسے ناقد متیقظ ثقہ محتاط کیسے اس کی روایت اپنی اس کتاب میں لائے۔ یہ بھی تاویل نہیں کر سکتے کہ نعیم کی روایت صرف استشہاد میں لائے' اس لیے کہ اصول میں بھی اس سے روایت موجود ہے۔ دیکھو! "فضل استقبال القبلة" ص ۵۲ "لكل جواد كبوة" حق ہے۔ "قال عفان" اسے تعلیقات میں شمار کیا گیا ہے' حالانکہ عفان امام بخاری کے شیخ ہیں' اس کا سبب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے عفان سے مناولۃً سنی ہو مذاکرۃً نہ سنی ہو۔ شیخ جب تحدیث کے لیے نہ بیٹھا ہو اور سلسلہ کلام میں کوئی حدیث بیان کرے تو مناولت ہے اور جب حدیث بیان کرنے کے لیے بیٹھے اور حدیث بیان کرے' وہ مذاکرہ کہلاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ حدیث متصل ہوگی' اس کا بھی امکان ہے کہ امام بخاری نے اسے کسی اور واسطے سے سنا ہو اور کسی وجہ سے امام بخاری اس کا ذکر پسند نہ کرتے ہوں' اس لیے عفان کہہ دیا۔ اس تقدیر پر یہ تعلیق ہوگی۔

١٨٠- ح. فَضْلُ مَنْ نَامَ عَلَى الْوُضُوْءِ [وضو کر کے سونے کی فضیلت]

١٨٠ - عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْئَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَاَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتُ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آنا چاہو تو پہلے نماز جیسا وضو کر لو' پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ پڑھو: اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا' تجھی کو پشت پناہ بنایا' تیرے ثواب کے شوق اور تیرے عذاب کے ڈر سے' تیرے سوا کہیں پناہ نہیں' کہیں ٹھکانا نہیں' اے اللہ! میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اُتاری ہے اور تیرے نبی پر ایمان لایا' جسے تو نے بھیجا ہے اس کے بعد اگر تو اس رات مرے گا تو فطرت پر مرے گا اور ان کلمات کو آخری کلام بناؤ۔ حضرت براء نے کہا: میں نے اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بِـكِتَابِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ قَالَ لَا وَنَبِيِّكَ الَّذِي اَرْسَلْتَ.

دعا کو نبی ﷺ پر لوٹایا' جب میں نے ''اللّٰهم امنت بكتابك الذی انزلت'' کے بعد یہ کہا: ''ورسولك'' تو حضور نے فرمایا: نہیں! ''ونبيك الذى ارسلت''۔

(بخاری۔ج ۲۔کتاب الدعوات۔باب:اذا بات طاهرا۔ص ۹۳۳۔ایضاً۔ج ۲۔کتاب الدعوات۔باب:ما يقول اذا نام۔ص ۹۳۴۔ایضاً۔ ج ۲۔کتاب الدعوات۔باب:النوم على الشق الايمن۔ص ۹۳۴'مسلم۔ج ۲۔باب:الدعاء عند النوم۔ص ۳۴۸'ابوداؤد۔ج ۲۔کتاب الادب۔ باب:ما يقوم عند النوم۔ص ۳۳۲'ترمذی۔ج ۲۔کتاب الدعوات۔باب:فی الدعاء اذا اوى الى فراشه۔ص ۱۷۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ

اوسی' انصاری' صحابی ہیں' غزوۂ اُحد میں شریک ہونا چاہا' عمر کم ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ واپس کر دیے گئے' سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے' پھر اس کے بعد تمام مشاہد میں ہمرکاب اقدس رہے۔ انہوں نے ۲۴ھ میں رے فتح کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تستر کے جہاد میں شریک ہوئے' حضرت علی کے حامیوں میں تھے۔ تمام معرکوں میں ان کے ساتھ رہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایامِ خلافت میں وصال فرمایا' کوفہ میں ان کے والد ماجد حضرت براء بھی صحابی ہیں' ان سے پانچ سو پانچ حدیثیں مروی ہیں' ان میں سے بائیس متفق علیہ ہیں اور پندرہ صرف امام بخاری نے' چھ تنہا امام مسلم نے روایت کی ہیں۔

تکمیل

شیخین نے یہ حدیث مختلف طرق سے روایت کی ہے' مگر وضو کا ذکر سوائے اس روایت کے اور کسی میں نہیں' کتاب الدعوات' باب ''ما يقول اذا نام'' میں ہے: ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب تو اپنے بچھونے کا ارادہ کرے' وہاں ''اذا اردت مضجعك'' ہے۔

اور باب: ''النوم على الشق الايمن'' میں ہے:

نبی ﷺ جب اپنے بستر پر جاتے تو دائیں کروٹ پر سوتے۔

''وجه'' کے معنی ذات کے بھی ہیں' اس لیے میں نے ''اسلمت وجهى'' کے معنی یہ کیے: میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا۔

ایسے ''وجه'' کے معنی چہرے کے بھی ہوں گے' اب معنی یہ ہوں گے: میں نے اپنا چہرہ تیری طرف جھکا دیا' مقصود وہی ہے۔

اخیر میں جو تلقین ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و احادیث میں جو دعائیں وارد ہیں' ان کو بعینہٖ ویسے ہی بلفظہٖ پڑھا جائے جیسی وارد ہیں' دعاؤں میں کسی لفظ کا بدلنا یا ترتیب اُلٹنا ہرگز نہیں چاہیے' ورنہ اس دعا کا جو فائدہ ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح تعداد کی بھی پابندی لازم ہے۔ اس کی مثال تالے کی چابی کی ہے' ہر تالے کی مخصوص چابی ہوتی ہے جس میں مخصوص دندانے ہوتے ہیں' ان سے وہ تالا کھلے گا' اگر چابی کے دندانے چھوٹے بڑے ہو گئے یا کم و بیش ہو گئے تو اس چابی سے وہ تالا ہرگز نہیں کھلے گا۔

فطرت سے کیا مراد ہے؟

فطرت سے یہاں مراد دین اسلام ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ تو اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کے لیے ایک اکیلے اسی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

النَّاسَ عَلَيْهَا . (الروم:۳۰) کے ہوکر اللہ کی ڈالی ہوئی بناء جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔

فطرت کے معنی خلقت کے بھی ہیں؛ جیسا کہ اسی آیت میں "فطر الناس" آیا اور سنت بھی ہے۔ حدیث میں ہے: "خمس من الفطرة" پانچ باتیں سنت ہیں۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے: (۱) سوتے وقت وضو کرنا مستحب ہے؛ ہمارے نزدیک یہ بھی شرط ہے اگر باوضو نہ ہو تو (۲) سوتے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد مستحب ہے (۳) یہ یا اس کے علاوہ جو مخصوص دعائیں احادیث میں آئی ہیں؛ ان کو بالخصوص پڑھنا مستحب ہے (۴) دائیں کروٹ پر سونا سنت ہے؛ اس طرح سونے میں نیند زیادہ غفلت کی نہیں آتی؛ جاگنا آسان ہوتا ہے۔ اطباء نے لکھا ہے کہ بائیں کروٹ سونا صحت کے لیے مفید ہے؛ اس میں کھانا خوب ہضم ہوتا ہے؛ نیند گہری آتی ہے مگر مسلمان کو سنت ہی پر عمل کرنا لازم ہے۔ ان شاء اللہ! اسی میں دین و دنیا کی فلاح ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ بعض دفعہ حضور اقدس ﷺ چت لیٹا کرتے تھے؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں جمع کرے؛ پہلے تھوڑی دیر چت لیٹ لے؛ پھر دائیں کروٹ پر لیٹے۔

براعۃ اختتام

امام بخاری ہر کتاب کے اختتام پر ایسی حدیث لاتے ہیں جس سے آخر حیات کی طرف اشارہ ہوتا ہے؛ یہاں حدیث مذکور میں ہے: "فان مت مت على الفطرت"۔

"اللّٰھم ارزقنا حسنة" اس حدیث پر کتاب الوضو ختم ہوئی اور پہلا پارہ بھی پورا ہوا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۵- كِتَابُ الْغُسْلِ

[غسل کا بیان]

۱۸۱- ح: اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الْغُسْلِ

[غسل سے پہلے وضو کرنا]

۱۸۱- عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَاَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعَرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ.

زوجۂ نبی ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب جنابت سے غسل فرماتے تو سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے' پھر نماز جیسا وضو کرتے' پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان کے ذریعہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے' پھر تین چلو پانی اپنے سر پر بہاتے' پھر پورے جسم پر پانی بہاتے۔

(ایضاً۔ باب: هل يدخل الجنب يده في الاناء الخ۔ ص ۴۰۔ باب: تخليل الشعر حتى ظن انه قد اروى بشرته افاض عليه۔ ص ۴۱ مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: صفة الغسل من الجنابة۔ ص ۱۴۷' ابوداود۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الغسل من الجنابة۔ ص ۳۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ذكر وضوء الجنب قبل الغسل۔ ص ۴۹' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في الغسل من الجنابة۔ ص ۱۵' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في غسل الجنابة۔ ص ۴۳)

پہلی کتاب سے مناسبت

طہارت بہ منزلہ جنس کے ہے' اس کی دو نوعیں ہیں: طہارت حقیقیہ' طہارت حکمیہ' پھر طہارت حکمیہ کی دو قسمیں ہیں: طہارت صغریٰ' طہارت کبریٰ۔ وضو طہارت صغریٰ ہے' اس کے بیان سے فارغ ہوئے' اب طہارت کبریٰ یعنی غسل کو بیان فرما رہے ہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غسل سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا سنت ہے (۲) وضو کرنا مستحب ہے (۳) غسل کی حقیقت یہ ہے کہ پورے جسم پر پانی بہا دیا جائے' حتی کہ بالوں کی جڑوں میں بھی' بلکہ بال کی جڑوں کا خصوصیت سے خیال رکھنا لازم ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے:

پھر پورے جسم پر پانی بہاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غسل صحیح ہونے کے لیے پورے جسم پر پانی کا بہہ جانا کافی ہے' بدن کا ملنا فرض نہیں' جیسا کہ مالکیہ فرماتے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہیں۔

۱۸۲- ح: كَيْفِيَّةُ غُسْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَنَابَةِ

[نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غسل جنابت کا طریقہ]

۱۸۲- عَنْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلٰوةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ مِنَ الْأَذٰى ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَآءَ ثُمَّ نَحّٰى رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا هٰذِهِ غُسْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ.

زوجۂ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جیسا وضو کیا سوائے اس کے کہ پاؤں نہیں دھویا اور اپنی شرمگاہ اور جہاں نجاست لگی تھی' دھوئی' پھر پورے بدن پر پانی بہایا' اس کے بعد دونوں پاؤں کو ہٹایا اور دونوں کو دھویا' یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جنابت سے غسل ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: الغسل مرة واحدة۔ ص ۳۹۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: المضمضة والاستنشاق فی الجنابة۔ ص ۴۰۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: مسح الید بالتراب لیکون انقی۔ ص ۴۰۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: من افرغ بیمینه علی شماله۔ ص ۴۰۔ ایضاً۔ باب: تفریق الغسل والوضوء۔ ص ۴۰۔ ایضاً۔ باب: من توضا فی الجنابة ثم غسل۔ ص ۴۱۔ ایضاً۔ باب: نفض الیدین من غسل الجنابة۔ ص ۴۱۔ ایضاً۔ باب: من اغتسل عریانا وحده فی الخلوة۔ ص ۴۲' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: صفة الغسل۔ ص ۱۴۷' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: غسل الجنابة۔ ص ۳۲' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطهارة۔ باب: غسل الرجلین فی غیر المکان الذی یغتسل فیه۔ ص ۴۹' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطهارة۔ باب: ما جاء فی غسل الجنابة۔ ص ۱۵' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الطهارة۔ باب: ما جاء فی غسل الجنابة۔ ص ۴۳)

تکمیل

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے' ان سب کو اکٹھا کرنے کے بعد پوری حدیث یہ ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت میمونہ نے پانی رکھا اور پردہ کر کے کھڑی ہو گئیں۔ سب سے پہلے حضور نے دونوں ہاتھ دھوئے' پھر اپنا عضو تناسل اور جہاں نجاست لگی تھی دھویا' پھر ہاتھ کو دیوار پر ملا اور دھویا' پھر وضو فرمایا مگر پاؤں نہیں دھویا' پھر چلو بھر کر تین چلو سر پر پانی ڈال کر پورے جسم پر پانی بہایا' پھر وہاں سے ہٹ کر پاؤں دھوئے' میں نے رومال پیش کیا تو نہیں لیا' ہاتھ جھٹکنے لگے۔

اگر غسل ایسی جگہ کر رہا ہو جہاں پانی جمع رہتا ہے تو ابتداء میں جب وضو کرے تو پاؤں نہ دھوئے' غسل سے فارغ ہونے کے بعد دھوئے اور اگر وہاں پانی جمع نہ رہتا ہو تو وضو ہی کے ساتھ پاؤں بھی دھوئے' پہلی صورت میں پاؤں اس لیے نہیں دھوئے جائیں گے کہ دھونا بے کار ہوگا' جب پانی جمع ہے تو پھر پاؤں آلودہ ہو جائے گا۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے:

(۱) غسل کرنے میں سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے (۲) پھر شرمگاہ اور جہاں جہاں نجاست لگی ہو دھوئے (۳) ہاتھ میں جب بھی نجاست لگے تو اسے مٹی سے مل کر دھوئے' یہاں تین روایات ہیں' ایک یہ کہ دیوار پر ہاتھ ملا' ایک یہ ہے کہ زمین پر ملا' ایک یہ ہے کہ مٹی سے ملا' سب کا حاصل ایک ہے (۴) غسل میں وضو سنت ہے' پردے کے اندر ننگے نہانے میں کوئی حرج نہیں (۵) حضور نے رومال قبول نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ نہانے کے بعد رومال یا تولیہ سے بدن پوچھنا ممنوع ہے' مگر حقیقت میں ممانعت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نہیں' کبھی گرمی کی وجہ سے جی یہ چاہتا ہے کہ سر بھیگا رہے' بدن کا پانی بدن ہی میں جذب ہو جائے۔ حضور اقدس ﷺ کا رومال نہ لینا اسی خیال سے ہے۔ اس لیے کہ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک کپڑے کا ٹکڑا تھا' جس سے آپ بدن پونچھا کرتے تھے (۶) سر اور ڈاڑھی کے بالوں کا خلال کرنا' جیسا کہ تصریح ہے: ''کان یخلل اصول شعرہ'' (۷) پورے جسم پر تین بار پانی بہانا۔

۱۸۳- ح: اَلْغُسْلُ مِنْ فَرَقٍ [فرق سے غسل کرنا]

۱۸۳- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ قَدَحٍ يُّقَالُ لَهُ الْفَرَقُ.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے جس کو فرق کہتے ہیں' نہایا کرتے تھے۔

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب: قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ۔ص ۱۴۸' ابوداود۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل۔ص ۳۱' نسائی۔ج ا۔کتاب الغسل۔باب: ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل۔ص ۴۶' دارمی۔کتاب الوضوء موطا امام مالک۔کتاب الطہارۃ' مسند امام احمد)

۱۸۴- ح: اَلْغُسْلُ مِنْ صَاعٍ [ایک صاع سے غسل کرنا]

۱۸۴- سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَةَ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَاَلَهَا اَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِّنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ عَلٰى رَاْسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَبَهْزٌ وَّالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ قَدْرِ صَاعٍ.

ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک (رضاعی) بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے' اُس نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ غسل کیسے فرماتے تھے؟ تو اُم المؤمنین نے ایک صاع کے قریب ایک برتن منگایا اور غسل فرمایا اور اپنے سر پر پانی بہایا' ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ امام بخاری نے کہا کہ یزید بن ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے ''نحو من صاع'' کے بجائے ''قدر صاع'' روایت کیا۔

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب: قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ۔ص ۱۴۸' نسائی۔ج ا۔کتاب الغسل۔باب: ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل۔ص ۴۶' مسند امام احمد)

۱۸۵- حَدَّثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ اَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ وَاَبُوْهُ وَعِنْدَهُ قَوْمٌ فَسَاَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ فَقَالَ يَكْفِيْكَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَّا يَكْفِيْنِيْ فَقَالَ جَابِرٌ كَانَ يَكْفِيْ مَنْ هُوَ اَوْفٰى مِنْكَ شَعْرًا وَّخَيْرًا مِّنْكَ ثُمَّ اَمَّنَا فِيْ ثَوْبٍ.

ہم سے حضرت ابوجعفر (امام باقر) رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی' یہ اور ان کے والد (حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) حضرت جابر کے گھر تھے اور وہاں اور لوگ بھی تھے' لوگوں نے ان سے غسل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: غسل کے لیے تمہیں ایک صاع پانی کافی ہے' اس پر کسی نے کہا: مجھے کافی نہ ہوگا' تو حضرت جابر نے فرمایا: اتنا پانی اس ذات کے لیے کافی ہوتا تھا جن کے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھے' اور حضرت جابر نے صرف ایک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کپڑا پہنے پہنے ہماری امامت کی۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الغسل' اسی باب میں دو طریقے سے' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: یکتفی به الرجل من الماء للغسل۔ ص ۴۶)

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

اکابر سادات' اہل بیت اور اجلہ تابعین میں سے ہیں' امام زہری نے فرمایا کہ میں نے کسی قرشی کو ان سے افضل نہیں دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں اٹھاون سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں اپنے عم مکرم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ سلاطین عثمانیین نے اہل بیت کے تمام مزارات پر ایک عالیشان قبہ بنوا دیا تھا' جو قبہ عباس کے نام سے مشہور تھا۔ ابن سعود نجدی نے اپنے تغلب کے بعد قبے کو ڈھا دیا اور تمام مزارات کو توڑ کر کھنڈر کر دیا۔

واقعہ کربلا کے وقت تقریباً چوبیس سال کے تھے' بیماری کی وجہ سے بچ گئے' بعض ظالموں نے شہید کرنا چاہا تو ابن سعد نے سختی سے روک دیا' ان کے بڑے بھائی حضرت علی اکبر شہید و ہیں شہید ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ' اکمال)

مشہور یہ ہے کہ ایران کے آخری تاجدار یزدجر کی بیٹی شہر بانو کے بطن سے ہیں' بعض مؤرخین نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ!

حدیث: ۱۸۵ میں سائل حضرت محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حضرت حسن ہیں' جیسا کہ بخاری میں اس کے بعد والی روایت میں تصریح ہے۔ حضرت جابر نے امامت اس لیے کی کہ یہی ان سب میں زیادہ علم والے اور سب سے افضل بھی تھے کہ یہ صحابی تھے' یا اس بناء پر کہ یہ ان کا گھر تھا۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھا کر یہ بتایا کہ نماز کے لیے دو یا اس سے زائد کپڑوں کی شرط نہیں' صرف بدن کے ان حصوں کا چھپانا ضروری ہے' جنہیں نماز میں چھپانے کا حکم ہے۔

صاع اور فرق کی پوری تحقیق و تفصیل حدیث: ۱۴۶ میں گزر چکی۔ وہیں یہ بھی بیان کیا گیا کہ حدیث: ۱۸۳ میں حضرت ام المؤمنین کی مراد یہ ہے کہ باری باری کے بعد دیگرے میں بھی اسی برتن سے نہالیتی اور حضور بھی۔ اس حدیث میں ''اخوھا'' سے مراد رضاعی بھائی ہیں جیسا کہ مسلم شریف اور نسائی شریف کی حدیث میں تصریح ہے' ان کا نام غالباً عبداللہ بن یزید ہے۔

(تیسیر القاری۔ جزء ۲ ص ۱۰۶)

حضرت ام المؤمنین' ابو سلمہ کی رضاعی خالہ تھیں۔ ابو سلمہ نے ام المؤمنین کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق کا دودھ پیا تھا' یہ دونوں محرم تھے' اس لیے حضرت ام المؤمنین نے اتنا پردہ کر کے کہ صرف سر نظر آرہا تھا' بقیہ جسم پردے میں تھا' غسل کر کے بتایا۔ عملی تعلیم بہ نسبت قول کے زیادہ دل نشین ہوتی ہے' صحابہ کرام کا اکثر یہ دستور تھا کہ جب کوئی کچھ پوچھتا تو عمل کر کے بتا دیتے۔

۱۸۶- ح: غُسْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

[نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہی برتن سے غسل کرنا]

۱۸۶- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ اَخِيْرًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ وَالصَّحِيْحُ مَا رَوٰى اَبُوْ نُعَيْمٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت میمونہ ایک ہی برتن سے غسل کرتی تھیں۔ ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: سفیان بن عیینہ اخیر عمر میں عن ابن عباس عن میمونہ کہنے لگے تھے' صحیح وہی ہے جو ابو نعیم نے روایت کیا۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ۔ ص ۱۴۸' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: ذکر اغتسال

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

الرجل والمرأة من نسائه من اناء واحد۔ ص ۴۷ ' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرجل والمرأة يغتسلان من اناء واحد۔ ص ۳۱)

امام بخاری نے یہاں یہ باب باندھا تھا: ''الغسل من صاع ونحوه'' ایک صاع یا اس کے قریب قریب کسی برتن سے غسل کرنا۔ اس حدیث کو باب سے کیا مطابقت ہے؟ وہ سب پر ظاہر ہے' علامہ کرمانی اور علامہ عسقلانی نے مطابقت پیدا کرنے کی بہت کوشش کی اور حق علامہ عینی کے ساتھ ہے کہ اس حدیث کو باب سے کوئی مطابقت نہیں۔ یہ حدیث سفیان بن عیینہ سے دوطرح مروی ہے: ''عن ابن عباس عن ميمونة'' اور ''عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومیمونة'' پہلی صورت میں یہ حدیث مسانید حضرت میمونہ میں ہوگی اور دوسری صورت میں مسانید حضرت ابن عباس میں سے ہوگی' اس لیے ضرورت پڑی کہ امام بخاری یہ فیصلہ دیں کہ ان دونوں میں صحیح کون سی ہے؟ فرمایا: صحیح وہی ہے جو ابونعیم نے روایت کی جسے ہم نے متن میں درج کیا ہے' یعنی دوسری صورت کہ یہ مسانید حضرت ابن عباس سے ہے۔

۱۸۷ - ح: اِفَاضَةُ الْمَاءِ عَلَى الرَّأْسِ ثَلٰثًا

[تین بار سر پر پانی بہانا]

۱۸۷ - حَدَّثَنِیْ جُبَیْرُ بْنُ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَاُفِيْضُ عَلٰى رَاْسِىْ ثَلَاثًا وَّاَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: استحباب افاضة الماء على الراس ثلثا۔ ص ۱۴۹ ' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الغسل من الجنابة۔ ص ۳۲ ' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الغسل۔ باب: ذكر ما يكفي الجنب من افاضة على راسه۔ ص ۴۹ ' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الغسل من الجنابة۔ ص ۴۴)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ

یہ بنی خزاعہ کے فرد ہیں' ان کا نام جاہلیت میں یسار تھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر سلیمان رکھ دیا' جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے کوفہ بسایا جانے لگا تو پہلے پہل جو لوگ کوفہ میں جا کر آباد ہوئے' ان میں یہ بھی تھے۔ بنی خزاعہ کے محلے میں گھر بنایا' اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص محبین میں سے تھے' صفین کے خونی معرکے میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے' جوشن کو انہوں نے مارا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر کوفہ بلانے والوں میں یہ بھی تھے' مگر عین موقع پر گھر بیٹھے رہے' شہادت کے بعد احساس ہوا' اب پچھتائے مگر اب کیا ہوتا ہے' پھر انہوں نے اور مسیب بن نجبہ نے انتقام حسین کی تحریک چلائی اور اپنا نام توابین رکھا اور حضرت سلیمان بن صرد کو امیر بنا کر چار ہزار لشکر اکٹھا کر کے ابن زیاد کے مقابلے کے لیے نکلے۔ یہ قصہ پہلی ربیع الآخر ۶۵ھ کا ہے۔ ادھر سے ابن زیاد نے اپنا لشکر بھیجا' مقام عین التمر پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیمان بن صرد اور مسیب دونوں مارے گئے' ان کے سر مروان کے پاس بھیجے گئے' شہادت کے وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی' انہیں یزید بن حصین بن نمیر نے تیر سے شہید کیا تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ

بنی نوفل کے چشم و چراغ تھے' ان کی کنیت ابو محمد ہے' ان کے والد مطعم بن عدی' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے۔ حضرت جبیر بن مطعم صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بدر کے بعد قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں آئے تھے۔ نماز مغرب یا عشاء میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دہان اقدس سے سورۂ طور سنی تو دل لرز اٹھا اور ایمان کی پہلی کرن پھوٹی'

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قیدیوں کی سفارش پر فرمایا: اگر تمہارے والد زندہ ہوتے اور ان کے بارے میں سفارش کرتے تو ضرور ان کو چھوڑ دیتا۔
قریش کے بہت ماہر انساب تھے' زمانہ حضرت معاویہ میں مدینہ طیبہ ہی میں وصال ہوا' ۹۷ھ تا ۹۹ھ سن وصال ہے۔

تکمیل

مسلم اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے:
رسول اللہ ﷺ کے حضور غسل کے بارے میں کچھ لوگ لڑ پڑے' یہ کہنے لگے: میں تو اپنے سر کے ساتھ ایسا ایسا کرتا ہوں' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ کیے گئے: غسل میں تین بار پورے جسم پر پانی بہانا سنت ہے۔ حدیث میں اگرچہ صرف سر پر تین بار پانی بہانے کا ذکر ہے' مگر اسی پر قیاس کر کے پورے جسم پر تین بار پانی بہانے کو مسنون کہا گیا ہے۔

١٨٨ - ح: إِفَاضَةُ الْمَاءِ عَلَى سَائِرِ الْجَسَدِ ثَلَاثًا

[پورے جسم پر تین مرتبہ پانی بہانا]

١٨٨ - حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ قَالَ لِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَأَتَانِي ابْنُ عَمِّكَ يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ ثَلَاثَةَ أَكُفٍّ فَيُفِيضُهَا عَلَى رَأْسِهِ ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ فَقَالَ لِي الْحَسَنُ إِنِّي رَجُلٌ كَثِيرُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْكَ شَعْرًا.

حضرت ابو جعفر (یعنی امام باقر) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جابر نے بیان کیا کہ میرے پاس آپ کے چچا کے لڑکے آئے' ان کی مراد حسن بن محمد بن حنفیہ سے تھی' اور پوچھا: جنابت سے غسل کیسے کیا جائے؟ تو میں نے کہا کہ نبی ﷺ تین چلو پانی لیتے اور اسے اپنے سر پر ڈالتے' پھر اپنے پورے جسم پر۔ اس پر حسن نے مجھ سے کہا: میں بہت زیادہ بالوں والا انسان ہوں' میں نے کہا کہ نبی ﷺ تم سے زیادہ بالوں والے تھے۔

یہ حدیث: ۱۸۵ ہی ہے' تھوڑے سے تغیر اور الفاظ کے اختلاف کے ساتھ' یہ حدیث احناف کے مسلک پر نص ہے کہ سر کی طرح پورے جسم پر تین بار پانی بہانا مسنون ہے۔

١٨٩ - ح: إِفَاضَةُ الْمَاءِ عَلَى الرَّأْسِ

[سر پر پانی بہانا]

١٨٩ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَأَخَذَ بِكَفِّهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ فَقَالَ بِهِمَا عَلَى وَسَطِ رَأْسِهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب جنابت سے غسل کرتے تو حلاب کے مثل کوئی برتن منگاتے' پھر اسے اپنے ہاتھ میں لیتے اور سر کی دائیں جانب سے شروع فرماتے' پھر بائیں جانب ڈالتے' پھر دونوں ہاتھوں سے بیچ سر کو ملتے۔

(مسلم' ج ا' کتاب الحیض' باب: صفة غسل الجنابة' ص ۱۴۷' ابوداؤد' کتاب الطہارۃ' باب: فی الغسل من الجنابة' ص ۳۲)

حلاب کی تحقیق

حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں اونٹنی کا ایک وقت کا دودھ آ جائے اور مطلقاً ہر دودھ کے برتن کو بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ یہ برتن ایک بالشت کچھ کم لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: ''من بدء بالحلاب او الطیب عند الغسل'' جس نے حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کیا' طیب کا استعمال باب میں ذکر کی ہوئی کسی حدیث سے نہیں ثابت ہوتا۔

اس پر شراح نے موافقت ومخالفت میں بہت نکتہ آفرینیاں کی ہیں' جو اس کی سیر کرنا چاہے وہ بخاری کی شرحیں مطالعہ کرے۔

لیکن شارحین کی ان سب ابحاث کی بنیاد اس پر ہے کہ حضور اقدس ﷺ حلاب منگاتے اور اسی سے نہاتے۔ یہ اس وقت درست ہوتا جب حدیث میں ''دعا بالحلاب'' ہوتا مگر جبکہ حدیث میں یہ ہے: ''دعا بشي نحو الحلاب'' یعنی حلاب جیسا کوئی برتن منگاتے تو اب ان ابحاث کی گنجائش نہ رہی۔ اس لیے کہ نکتہ آفرینی کی بنیاد اس پر قائم تھی کہ ''حلاب'' دودھ کے برتن میں بو ہوتی ہے اور جب اس میں پانی رکھا جائے گا تو بو پانی میں آجائے گی' مگر جب حدیث میں یہ ہے کہ حلاب جیسا برتن منگاتے تو اس کی گنجائش نہ رہی' اب دو مطلب ظاہر ہیں' ایک یہ کہ ''اخذ'' کا مفعول محذوف شي کو مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیتے اور مشک وغیرہ یا کسی اور بڑے برتن میں سے اس چیز سے پانی لیتے' جیسے آج کل بالٹی میں پانی بھر لیا جاتا ہے اور مگ وغیرہ سے نکال نکال کر نہایا جاتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ''اخذ'' کا مفعول ''ماء'' کو محذوف مانا جائے' جس پر قرینہ حالیہ دلالت کرتا ہے' تو معنی یہ ہوں گے کہ اپنے ہاتھ سے پانی اس چیز میں سے لے کر نہاتے۔ پہلا احتمال ظاہر ہے' بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ حلاب گلاب کا معرب جُلاب تھا اور بدل کر حلاب ہو گیا۔ یہ احتمال اس قابل بھی نہیں کہ اس کو لکھا جاتا مگر ناظرین کی معلومات کے لیے ہم نے لکھ دیا۔

''قال'' کا معنی

''قال'' کے معنی یہاں ملنے کے ہیں' ''قال'' تقریباً افعال عامہ سے ہے' اپنے مفعول کے اعتبار سے اس کے معانی بدلتے رہتے ہیں' مثلاً ''قال بیدہ'' ہاتھ سے پکڑا' ''قال برجلہ'' پیدل چلا' وغیرہ وغیرہ۔

ت ۵۷ - وَاَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُوْرِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ. (عبدالرزاق بمعناہ)

حضرت ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بغیر دھلا ہاتھ پانی میں ڈالا' پھر اس سے وضو کیا۔

ت ۵۸ - وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ. (ابن ابی شیبہ بمعناہ منقطعا)

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم جنابت کی حالت میں نہانے سے جو چھینٹیں پڑتیں اس سے کچھ حرج نہیں جانتے۔

یہاں امام بخاری ''یدہ'' میں واحد کی ضمیر لائے ہیں اور بعد میں ''توضا'' واحد کا صیغہ لائے ہیں' حالانکہ مراد ان کی یہ ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت براء بن عازب دونوں اپنا اپنا ہاتھ بغیر دھوئے پانی میں ڈالتے اور دونوں وضو کرتے۔ امام بخاری کو ''یدھما'' تثنیہ کی ضمیر لانی ضروری تھی اور ''توضا'' تثنیہ کا صیغہ لانا لازم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بہ تاویل کل واحد' واحد کی ضمیر اور واحد کا صیغہ لائے ہیں۔

باب کا فائدہ

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ محدث یا جنبی اگر دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈال دے تو پانی طاہر بھی رہتا ہے اور مطہر بھی۔ یہ احناف کے مسلک کے خلاف ہے' اس لیے کہ احناف کا مسلک مفتیٰ بہ یہ ہے کہ محدث یا جنبی اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا' جو طاہر ہے مگر مطہر نہیں۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ابن ابی شیبہ میں یہ ہے کہ اگر کوئی جنابت کی حالت میں چلو سے پانی لے گا تو پانی نجس ہو جائے گا۔ (شرح شیخ الاسلام۔ جزء ۲ ص ۲۹۰)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل کو تعارض سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ بخاری کے اس اثر میں حالت جنابت مستثنیٰ ہو۔ رہ گیا حدث کی حالت میں ہاتھ ڈالنے کا معاملہ تو اس اثر میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ حالت حدث میں ایسا کرتے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ ایسی حالت کا ہو جب یہ حضرات وضو پر وضو کرتے ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ ایسے وقت کا قصہ ہو جب پانی بڑے برتن میں ہو جسے اونڈھا کرنا ممکن نہ ہو اور کوئی چھوٹا برتن نہ رہا ہو جس سے پانی لیتے۔ ایسی صورت میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پانی لے کر داہنے ہاتھ کو دھوئیں پھر داہنے ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ کو دھوئے۔ اس اثر میں ''یدہ'' واحد کا صیغہ اسی کی طرف مشعر ہے پھر یہ صحابی کا فعل ہے اور حدیث: ۱۱۹ میں ہے کہ فرمایا:

جب تم سوکر اٹھو تو برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھولو۔

''فلیغسل یدہ'' میں امر ہے اور امر میں اصل وجوب ہے وجوب اس کی دلیل ہے کہ سوکر اٹھنے کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنا ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اس وقت برتن میں ہاتھ ڈالنا گناہ ہے لامحالہ اس کا محمل یہی ہے کہ لائق وضوو غسل نہیں نجس کہہ نہیں سکتے اس لیے کہ پانی پاک تھا اور ہاتھ کا نجس ہونا یقینی نہیں۔ شک سے نجاست ثابت نہیں ہوگی تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ پانی تو پاک ہے مگر وضوو غسل کے لائق نہیں یہی معنی ہیں: ''طاھر غیر مطھر'' کے۔ حدیث صحیح کے معارض صحابی کا عمل نہیں ہوسکتا اس لیے اس اثر کو مذکورہ دونوں محملوں میں سے ایک پر حمل کرنا لازم ہوگا۔ رہ گئی دوسری تعلیق یہ ہمارے مذہب کے قطعاً معارض نہیں۔ غسل جنابت کے وقت جو چھینٹیں اڑتی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ماء مستعمل ہوں گی اور ہم ماء مستعمل کو پاک مانتے ہیں ناپاک نہیں مانتے کہ اگر وہ پانی میں پڑ جائیں تو پانی ناپاک ہو جائے۔

۱۹۰- ح: اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ

[میں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے]

۱۹۰ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ تَخْتَلِفُ اَيْدِيْنَا فِيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے ہم اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے اس برتن میں ڈالتے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ۔ ص ۱۴۸ ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الوضوء بفضل المرأۃ۔ ص ۱۱ ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الرجل والمرأۃ یغتسلان من اناء واحد۔ ص ۳۱ مسند امام احمد)

بخاری باب: ''تخلیل الشعر حتی اذا ظن انہ قد اروی بشرتہ افاض علیہ'' میں ص ۴۱ پر بھی یہ حدیث تھوڑے سے تغیر اور کچھ زیادتی کے ساتھ مذکور ہے اس کے علاوہ ابوداؤد میں بھی کچھ تغیر کے ساتھ ہے۔ بخاری میں دونوں جگہ یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل جنابت فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے یہاں پر تصریح نہیں کہ غسل کی ابتداء میں کہ وسط میں کہ انتہا میں مگر ابوداؤد میں صاف صاف تصریح ہے کہ غسل کی ابتداء ہاتھ دھونے سے فرماتے بلکہ خود بخاری باب: ''الوضوء قبل الغسل'' میں ص ۳۷ پر تصریح ہے کہ غسل سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر وضو فرماتے۔

۱۹۱- ح: غَسْلُ الْيَدَيْنِ فِي الْغُسْلِ

[غسل میں ہاتھوں کو دھونا]

۱۹۱ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهٗ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنابت سے غسل فرمانا چاہتے تو اپنے ہاتھ کو دھولیتے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(ایضاً۔ کتاب الغسل۔ باب: تخليل الشعر حتى اذا ظن انه قد اروى بشرته افاض عليه۔ ص ۴۱۔ ایضاً۔ کتاب الغسل۔ باب: الوضوء قبل الغسل۔ ص ۳۹، ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الغسل من الجنابة۔ ص ۳۲)

۱۹۲- ح: اِغْتِسَالُ الْمَرْأَةِ مَعَ زَوْجِهَا [عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ غسل کرنا]

۱۹۲ - عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ جَنَابَةٍ وَّعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ مِثْلَهٗ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے تھے۔

۱۹۳ - سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَّقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْاَةُ مِنْ نِّسَآئِهٖ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ زَادَ مُسْلِمٌ وَّوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی عورتوں میں سے ایک عورت ایک ہی برتن سے غسل کرتیں۔ مسلم اور وہب ابن جریر نے بروایت شعبہ یہ زیادہ کیا کہ جنابت سے۔

باب کی توضیح

امام بخاری نے ان احادیث پر یہ باب باندھا ہے:

جنبی کے ہاتھ پر اگر کوئی نجاست، جنابت کے علاوہ نہ ہو تو کیا وہ دھوئے بغیر برتن میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا ہے؟

باب تو امام بخاری نے سوال کے انداز میں قائم کیا ہے، مگر جو آثار و احادیث لائے ہیں، ان سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جنبی بغیر دھوئے برتن میں ہاتھ ڈال دے، اس سے نہ پانی ناپاک ہوگا، نہ اس میں کوئی ایسا فساد پیدا ہوگا کہ اس سے وضو یا غسل نہ ہو سکے، اس لیے کہ جنابت نجاست حسی اور حقیقی نہیں بلکہ معنوی اور حکمی ہے۔ ابھی گزرا کہ یہ احناف کے مذہب کے خلاف ہے، اس لیے کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر محدث یا جنبی دھوئے بغیر اپنا ہاتھ پانی میں ڈالے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا، جو طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں۔

یہاں بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان احادیث سے "امام بخاری کا مقصد" ثابت نہیں ہوتا۔ باب کے ثبوت کی صورت صرف یہ ہے کہ چونکہ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ہمارے ہاتھ برتن میں یکے بعد دیگرے پڑتے اور چونکہ غسل جب تک پورا نہ ہو، جنابت دور نہ ہوگی تو معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہماری عرض یہ ہے کہ اگر یہ ثابت نہ ہوتا کہ نہانے سے پہلے ہاتھ دھو لیتے تھے تو ضرور باب ثابت ہو جاتا، مگر ابھی حدیث: ۱۹۰ میں گزرا:

اذا اغتسل من الجنابة غسل يده۔ جب غسل جنابت کرنا چاہتے تو اپنا ہاتھ دھو لیتے۔

اس مختصر حدیث کی جو تفصیل خود بخاری اور ابوداؤد کے حوالے سے ہم نے لکھی، اس میں تصریح ہے کہ ابتداءً ہاتھ دھوتے، جب یہ ثابت ہے کہ غسل کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لیتے تو ہاتھ پر جو جنابت ہوتی وہ دور ہو جاتی۔ اس کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پانی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

اس پر صاحب ایضاح البخاری کا یہ کہنا کہ غسل سے پہلے ہاتھ دھونے سے بھی ہاتھ کی جنابت نہیں دور ہوتی، اس لیے کہ نجاست غیر متجزی ہے، طفل تسلی ہے، یہ صحیح ہے کہ جنابت میں تجزی نہیں، اس معنی میں کہ جب طاری ہوگی تو پورے جسم پر طاری ہوگی، ایسا نہیں کہ بعض اجزاء پر طاری ہو، بعض پر نہ طاری ہو، لیکن ازالے میں ضرور متجزی ہے، جنابت کے بعد جن جن اعضاء پر پانی بہہ جائے گا، ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سب کی جنابت دور ہوتی جائے گی؛ اگر اس کو تسلیم نہ کریں تو لازم ہے کہ جنابت دور ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ جنبی پانی میں غوطہ لگائے اس لیے کہ غوطہ لگانا ہی ایک ایسی صورت ہے کہ جس سے پورے جسم پر بہ یک وقت پانی پہنچے اور کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی سے جب غسل کریں گے تو پھر کوئی صورت نہیں کہ بہ یک وقت پورے جسم پر پانی پہنچ سکے یقیناً بعض اعضاء پر پہلے اور بعض پر بعد میں پانی پہنچے گا، مثلاً آپ نے سر پر پانی ڈالا آپ کتنا ہی پانی ڈالیں، کسی طرح پورے جسم پر بیک وقت نہیں پہنچے گا، تو اگر یہ قول کیا جائے کہ ازالے کے اعتبار سے بھی جنابت میں تجزی نہیں تو اس صورت میں غسل ہی نہ ہوگا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ دور ہونے کے اعتبار سے جنابت میں تجزی ہے، یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اعضاء کی جنابت پہلے دور ہو اور کچھ کی بعد میں۔ بناءً علیہ جب ہاتھ دھو لیا تو ہاتھ کی جنابت دور ہو گئی، اب اسے برتن میں ڈالنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث: ۱۹۲ کی متابعت میں امام بخاری نے فرمایا: "وعن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابيه عن عائشة مثله" یہ حدیث مذکور کی سند "عن ابی بكر بن حفص عن عروة" پر معطوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ شعبہ نے اس حدیث کو حضرت ام المومنین سے دو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے، ایک "عن ابی بكر بن حفص عن عروة" اور دوسری "عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابيه" کے ساتھ۔

حدیث: ۱۹۳ کے بعد ہے: "زاد مسلم ووهب عن شعبة من الجنابة" یہ مسلم بن ابراہیم الازدی ہیں، امام مسلم صحیح مسلم کے مصنف نہیں اور یہ وہب، وہب بن جریر ہیں، وہب بن منبہ نہیں، مطلب یہ ہے کہ شعبہ سے جو روایت بہ طریق ابوالولید ہے، اس میں "من الجنابة" نہیں، مگر شعبہ ہی سے یہی حدیث بہ طریق مسلم اور وہب مروی ہے اس میں "من الجنابة" مذکور ہے۔

پہلی حدیث میں صرف غسل کا ذکر ہے، یہ مذکور نہیں کہ یہ غسل جنابت تھا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ غسل تبرید یا تنظیف کے لیے رہا ہو اس لیے اس سے باب کا ثبوت نہیں ہوتا، تو امام بخاری نے تیسری حدیث ذکر کی، جس میں "من الجنابة" کی تصریح ہے، جس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا غسل جنابت بھی ایک ہی برتن سے فرماتے۔

ت ۵۹ - وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْئُهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل مذکور ہے کہ انہوں نے دوسرے اعضاء وضو کے سوکھ جانے کے بعد اپنے پاؤں دھوئے۔

علامہ عینی نے یہاں فرمایا کہ اس تعلیق کو صیغۂ تمریض یعنی مجہول کے ساتھ ذکر کیا جو ضعف کی جانب مشعر ہے، حالانکہ یہ تعلیق بہ سند متصل صحیح بیہقی نے ذکر کی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اکثر جگہ صیغۂ تمریض سے ضعف کی طرح اشارہ ہے، مگر اس پر کلیۃً التزام نہیں، کہیں کہیں صحیح و متصل احادیث کو تعلیقاً صیغۂ مجہول سے ذکر فرمایا، جس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ جو ذکر کیا ہے، اس میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں، بلکہ موزوں پر مسح کا ذکر ہے۔

اس تعلیق کے ذکر سے امام بخاری قدس سرہٗ کا مقصود یہ ہے کہ وضو میں اور اسی کے مثل غسل میں موالاۃ فرض نہیں کہ یکے بعد دیگرے بلا تاخیر اور بلا فصل اعضاء کو دھویا جائے۔ اعضاء کے دھونے میں اگر تاخیر ہو جائے تو خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے، وضو اور غسل میں کوئی خلل نہیں پڑے گا، البتہ امام مالک موالاۃ فرض مانتے ہیں۔

بیہقی نے معرفت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے بازار میں وضو کیا، اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اپنے سر پر مسح کیا، اس کے بعد نماز جنازہ کے لیے بلائے گئے تو مسجد میں گئے، اس وقت اپنے موزوں پر مسح کیا، اس کے بعد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نماز پڑھی۔ (عینی۔ج ۳ص ۲۱۱)

مگر اصل مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے:

''تفریق الوضوء والغسل'' وضو اور غسل کرنے میں اعضاء دھونے میں فصل کرنا۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ وضو کرنے میں یا غسل کرنے میں اعضاء کو یکے بعد دیگرے بلا تاخیر دھویا جائے' اگر کچھ دیر کے بعد دھویا جائے تو بھی حرج نہیں' یہ تاخیر کتنی ہی زیادہ ہو بشرطیکہ حدث نہ ہو' یہ اب بھی ثابت ہے اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں منہ ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح مسجد میں آ کر کیا تو وضو میں فصل ثابت ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ اثر وہ نہ رہا جو امام بخاری نے ذکر کیا' اس لیے کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے بقیہ اعضاء وضو کے سوکھنے کے بعد پاؤں دھوئے' اور بیہقی کی روایت میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں' موزوں پر مسح کا ہے۔

اس باب کی تائید میں امام بخاری نے وہی حضرت میمونہ والی حدیث: ۱۸۲ ذکر فرمائی' جس میں یہ ہے:

''ثم تنحی من مقامه فغسل قدمیه'' پھر اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ پاؤں دھوئے۔

حضور نے وضو شروع غسل میں کیا تھا مگر پاؤں نہیں دھویا تھا' غسل مکمل کرنے کے بعد پاؤں دھویا' وضو کی تکمیل میں اتنا فصل ہو گیا۔

یہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ وضو میں موالاۃ فرض نہیں۔ اس حدیث میں ایک لفظ ''مذاکیرہ'' آیا ہے' یہ ''ذکر'' کی خلاف قیاس جمع ہے' ذکر کے دو معنی ہیں: نر اور عضو تناسل۔ بہ معنی اوّل کی جمع ''ذکور'' ہے اور بہ معنی ثانی کی جمع ''مذاکیر''۔ جمع لانا تعمیم کے لیے تاکہ انثیین کو بھی شامل ہو جائے۔

۱۹۴- ح: اُطَیِّبُ رَسُوْلَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

[میں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی]

۱۹۴ - عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ ذَکَرْتُہٗ لِعَآئِشَۃَ فَقَالَتْ یَرْحَمُ اللّٰہُ اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ کُنْتُ اُطَیِّبُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَطُوْفُ عَلٰی نِسَآئِہٖ ثُمَّ یُصْبِحُ مُحْرِمًا یَّنْضَخُ طِیْبًا۔

محمد بن منتشر سے روایت ہے' انہوں نے کہا: میں نے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہی تو انہوں نے فرمایا: اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگاتی' اس کے بعد حضور اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے اور صبح کو احرام باندھتے' حضور کے جسم سے خوشبو اٹھتی رہتی۔

(ایضاً۔ج ا۔کتاب الغسل۔باب: من تطیب و بقی اثر الطیب۔ص ۴۱' مسلم۔ج ا۔کتاب الحج۔باب: استحباب الطیب قبل الاحرام۔ص ۳۷۸' نسائی۔ج ا۔کتاب الغسل۔باب: اذا تطیب واغتسل و بقی اثر الطیب۔ص ۱۷)

سند میں یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد بن منتشر سے روایت ہے' وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ اس کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اپنے والد محمد بن منتشر سے روایت کرتے ہیں' لیکن تعجب ہے کہ ایضاح البخاری میں یہ ترجمہ کیا: محمد بن منتشر اپنے والد منتشر سے روایت کرتے ہیں۔

تکمیل

پوری حدیث اسی بخاری میں ایک باب کے بعد یوں ہے:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں نے حضرت عائشہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں احرام کی حالت میں ہوں اور میرے جسم یا کپڑے سے خوشبو اُٹھتی ہو۔ اس پر اُم المؤمنین نے یہ فرمایا' مسلم میں یہ ہے کہ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ احرام کی حالت میں میرے جسم پر قطران پوتا ہوا ہو' یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میرے جسم سے خوشبو اُٹھ رہی ہو۔

اختلافِ روایت

یہاں ''ینضخ'' خاء معجمہ کے ساتھ بھی روایت ہے اور ''ینضح'' حاء حطی کے ساتھ بھی۔ دونوں معنی کے اعتبار سے متقارب ہیں۔ مشہور روایت ''ینضخ'' خاء معجمہ ہی کے ساتھ ہے' اسی سے قرآن مجید میں ہے: ''فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ○'' (الرحمن:٦٦) ان دونوں میں دو اُچھلتے ہوئے چشمے ہیں ○

یہ کیا خوشبو تھی؟

بخاری' کتاب الحج میں ہے کہ یہ خوشبو ''ذریرہ'' تھی[۱] اس زمانے میں ہندوستان سے ایک گرہ دار خوشبودار لکڑی جاتی تھی' اسے بہت باریک پیس چھان کر ایک خوشبو تیار کرتے تھے' اسے ذریرہ کہتے تھے۔ یہ ''ذرّ'' سے بنا ہے' جس کے معنی چھوٹی کے ہیں' ہوسکتا ہے کہ اس میں مشک بھی ملاتے ہوں' اس لیے کہ نسائی کی حدیث میں یہ ہے: اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احرام سے پہلے اور یوم نحر طواف سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی جس میں مشک ہوتا۔ (نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الحج۔ باب: اباحة الطيب۔ ص ۹)

یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا' چونکہ احرام کی حالت میں عورتوں سے قربت جائز نہیں' اس لیے احرام سے قبل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب ازواج پر کرم فرمایا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام ازواج کے مابین عدل واجب تھا یا نہیں؟ صحیح یہی ہے کہ واجب نہ تھا' مگر یہ کرم تھا کہ پھر بھی عدل فرماتے تھے۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ پھر ایک ہی وقت میں تمام ازواج کے پاس کب تشریف لے جاتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ موقع عمر میں صرف ایک بار حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیش آیا' مگر حدیث کے یہ دو جملے ''کان یدور'' اور ''من اللیل والنھار'' اس حصر کو باطل کر رہے ہیں' اس لیے کہ ''کان یدور'' استمرار پر دلالت کرتا ہے' اور ''من اللیل والنھار'' یہ بتا رہا ہے کہ دن میں بھی ایسا ہوتا تھا اور رات میں بھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اگر دن میں یہ واقعہ پیش آیا تو رات میں کب پیش آیا' اور اگر رات میں پیش آیا تو دن میں کب پیش آیا؟

علامہ عینی نے یہ توجیہ کی کہ سفر سے واپسی پر ایسا موقع ملتا تھا' اس لیے کہ سفر سے قبل سفر کی باری ختم ہو جاتی اور حضور کی مرضی تھی' جس سے چاہتے باری شروع فرماتے۔ نئی باری شروع فرمانے سے پہلے یہ موقع مل جاتا۔ دوسری توجیہ یہ کہ جس کی باری ہوتی' اس کی اجازت سے ایسا کرتے۔ تیسری توجیہ ابن مہلب کی نقل کی کہ دو باریوں کے بیچ میں اس کا موقعہ تھا' چوتھی توجیہ ابن عربی کی یہ بیان کی کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسا وقت عطاء فرمایا تھا کہ اس وقت کسی زوجہ کا حق نہیں تھا۔ اسی وقت تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ کتاب مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ وقت عصر و مغرب کے مابین تھا۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا سنت ہے (۲) ایک جماع کے بعد غسل کیے بغیر دوبارہ جماع کرنا جائز ہے' اگرچہ دوسری عورت سے کرے (۳) ثابت ہوا کہ غسل کا سبب صرف جنابت نہیں' جنابت کے ساتھ ارادہ صلوٰۃ' دونوں

[۱] بخاری' ج ۲۔ کتاب اللباس۔ باب: الذریرۃ۔ ص ۸۷۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مل کر سبب ہیں (۴) ثابت ہوا کہ غسل جنابت میں بدن ملنا ضروری نہیں صرف پانی بہانا کافی ہے اس لیے کہ اگر ملنا ضروری ہوتا تو حضور اقدس ﷺ ضرور ملتے، پھر خوشبو کا اثر باقی نہ رہتا۔

۱۹۵ - ح: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهٖ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ

[نبی پاک ﷺ ایک ہی وقت میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے]

۱۹۵ - حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهٖ فِي السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُنَّ اِحْدٰى عَشْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَوَكَانَ يُطِيْقُهٗ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهٗ اُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ اِنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ ایک ہی وقت تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے خواہ رات کا وقت ہو خواہ دن کا، یہ گیارہ تھیں۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس سے پوچھا: کیا حضور اس کی طاقت رکھتے تھے تو حضرت انس نے بتایا: ہم یہ بات کیا کرتے تھے کہ حضور کو تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔ سعید نے بہ روایت قتادہ کہا کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا تھا کہ نو ازواج تھیں۔

(ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: الجنب يخرج ويمشي في الاسواق وغيره۔ ص ۴۲۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: كثرة النساء۔ ص ۷۵۸، ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب النکاح۔ باب: من طافت على نسائه في غسل واحد۔ ص ۷۸۵، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في الرجل يطوف على نسائه بغسل واحد۔ ص ۲۰، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: جواز النوم۔ ص ۱۴۴، نسائی۔ ج ا۔ کتاب النکاح۔ باب اول۔ ص ۶۷، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: في من يغتسل من جميع نسائه غسلاً واحداً۔ ص ۴۴)

باب سے مطابقت

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا: جماع کے بعد جماع کرے اور جو تمام عورتوں کے پاس ایک ہی غسل میں گیا۔ باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ "في الساعة الواحدة" ایک ہی وقت میں۔ ظاہر ہے کہ نو بیویوں کے پاس ایک ہی وقت میں جانا اور پھر جماع کے بعد غسل کرنا بہت دشوار ہے، تو ثابت ہوا کہ ایک بیوی سے فارغ ہو کر دوسری کے پاس غسل کیے بغیر تشریف لے جاتے۔ پہلی حدیث میں اگرچہ "في الساعة الواحدة" کا لفظ نہیں، مگر وہاں بھی یہی مراد ہے۔

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

معاذ بن ہشام کی روایت میں ہے کہ گیارہ عورتیں تھیں، اس پر یہ شبہہ ہے کہ ایک وقت میں نو ازواج سے زیادہ کبھی اکٹھی نہ ہوئیں اگرچہ کل تعداد گیارہ ہے۔ ان میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کا حیات مبارکہ ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ازواج بہ یک وقت صرف نو تھیں، مگر دو باندیاں بھی تھیں ایک ماریہ قبطیہ دوسری ریحانہ اس طرح گیارہ ہو گئیں۔ اور سعید کی روایت میں نو کی تعداد صرف ازواج کی ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ تیس مردوں کی قوت دی گئی تھی۔ اور حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی تھی، اور ترمذی میں ہے کہ جنت کے ایک مرد کو دنیا کے سو مردوں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے برابر قوت ہوگی[1] اس حساب سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر اکتفاء فرمایا' ان کے وصال کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ہجرت کے دوسرے سال تک صرف یہی کاشانۂ اقدس میں رہیں' ۲ھ میں حضرت عائشہ رخصت ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں' پھر ہجرت کے تیسرے یا چوتھے سال حضرت اُم سلمہ' حضرت حفصہ' حضرت زینب بنت خزیمہ خدمت مبارکہ میں آئیں' پھر پانچویں سال حضرت زینب بنت جحش' چھٹے سال حضرت جویریہ' ساتویں سال حضرت صفیہ و حضرت میمونہ اور حضرت اُم حبیبہ سے عقد فرمایا۔ ساتویں سال نو ازواج اکٹھی ہوئیں' اس عظیم قوت کے باوجود زیادہ سے زیادہ نو عورتوں پر اکتفاء فرمانا اعجاز سے کم نہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جسے قوت ہو وہ جماع کی کثرت کر سکتا ہے (۲) جسے قوت ہو اور یہ اعتماد ہو کہ وہ عورتوں کے ساتھ عدل کر سکے گا تو وہ ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کر سکتا ہے (۳) کثرتِ جماع عیب نہیں' بشرط قوت فضل و کمال ہے (۴) عورتوں کی طرف میلان اگر دینی اور دنیوی فرائض کی انجام دہی میں حارج نہ ہو تو سنت ہے۔

۱۹۶- ح: بَقَاءُ اَثَرِ الطِّيْبِ بَعْدَ الْاِحْرَامِ

[احرام (باندھنے) کے بعد (بھی) خوشبو کے اثر کا باقی رہنا]

۱۹۶- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِىْ مَفْرِقِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: گویا میں خوشبو کی چمک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں' حالانکہ حضور احرام باندھے ہوئے ہیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: الطیب عند الاحرام۔ ص ۲۰۸' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحج۔ باب: استحباب الطیب قبیل الاحرام۔ ص ۳۷۸' نسائی۔ ج ۲۔ کتاب المناسک۔ باب: اباحۃ الطیب عند الاحرام۔ ص ۱۰' مسند امام احمد بن حنبل)

باب سے مطابقت

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: جس نے خوشبو لگا کر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہا' اس سے پہلے حدیث: ۱۹۴ ذکر کی' جس میں یہ ہے کہ اُم المومنین فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور حضور تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے' پھر صبح کو احرام باندھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشبو ازواجِ مطہرات کے پاس جانے سے پہلے لگائی جاتی تھی۔ ازواجِ مطہرات سے فارغ ہونے کے بعد غسل فرماتے' پھر احرام باندھتے' احرام کے بعد بھی خوشبو کا اثر باقی رہتا تو ثابت ہو گیا کہ غسل سے پہلے جو خوشبو لگائی گئی اس کا اثر غسل کے بعد باقی رہے تو بھی غسل ہو گیا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی گئی' اگر اس کا اثر احرام کے بعد باقی رہے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ اثر رنگ کا نہ ہو۔

۱۹۷- ح: اِذَا ذَكَرَ فِى الْمَسْجِدِ اَنَّهٗ جُنُبٌ فَلْيَخْرُجْ

[جب مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ (مسجد سے) نکل جائے]

---

[1] ج ۲۔ کتاب صفۃ الجنۃ۔ باب: ما جاء فی صفۃ جماع اھل الجنۃ۔ ص ۷۶

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۹۷ - عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِیَامًا فَخَرَجَ اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ ذَکَرَ اَنَّهٗ جُنُبٌ فَقَالَ لَنَا مَکَانَکُمْ ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَیْنَا وَرَاْسُهٗ یَقْطُرُ فَکَبَّرَ فَصَلَّیْنَا مَعَهٗ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی اور لوگ کھڑے ہو چکے تھے صفیں سیدھی کی جا چکی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے' جب اپنے مصلّے پر کھڑے ہو گئے تو یاد فرمایا کہ انہیں غسل کی ضرورت ہے' تو ہم سے فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ رہو' پھر تشریف لے گئے اور غسل فرمایا' پھر ہمارے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ حضور کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا' اس کے بعد ہمیں نماز پڑھائی۔

(ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: ھل یخرج من المسجد لعلة۔ ص ۸۹۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا قال الامام مکانکم۔ ص ۸۹' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: متی یقوم الناس للصلوٰۃ۔ ص ۲۲۰' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الجنب یدخل المسجد۔ ص ۳۱' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة۔ ص ۱۲۸)

تکمیل

بخاری' کتاب الصلوٰۃ میں یہ تشریح ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی حضور کو یہ یاد آیا اور غسل کرنے تشریف لے گئے' مگر ابن ماجہ میں یہ ہے:

حضور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے تھے اور تکبیر (تحریمہ) بھی کہہ چکے تھے' اس کے بعد یہ اشارہ فرمایا (کہ تم لوگ اپنی جگہ رہو) لوگ ٹھہرے رہے' پھر تشریف لے گئے اور غسل فرمایا۔ الخ

اور ابوداؤد میں مرسلاً یہ ہے:

پھر تکبیر پڑھی اور قوم کو اشارہ فرمایا کہ تم لوگ بیٹھو۔

اشکال

یہاں دو اشکال ہیں' ایک یہ کہ بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے یاد آیا اور غسل کے لیے تشریف لے گئے۔ ابن ماجہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یاد آیا۔ دوسرا یہ کہ بخاری میں ہے کہ "قال النبی" زبان سے فرمایا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ ہے کہ اشارہ فرمایا۔

پہلے اشکال کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا: ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں "کبر" معنی میں ارادۂ تکبیر کے ہے اور دوسرے کا جواب یہ دیا کہ دونوں کو جمع فرمایا' یعنی زبان سے فرمایا بھی اور اشارہ بھی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ یہ دونوں دو واقعات ہیں۔

توجیہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں تشریف لا کر کھڑے ہو جانے کے بعد حجرۂ مبارکہ میں غسل کے لیے جانے سے صحابہ کرام نے قیاس فرمایا کہ حضور پر غسل تھا۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ کی حدیث میں یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حالت جنابت میں آ گیا تھا' مجھے بھلا دیا گیا۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے: انبیاء کرام پر نسیان طاری ہونا جائز ہے' اگر جنبی بھول کر مسجد میں آ جائے تو فوراً واپس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہو جائے ایک سیکنڈ بھی مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں، کوئی مسجد میں سو رہا تھا اور غسل کی ضرورت پیش آ گئی تو اُٹھتے ہی تیمم کرے اور فوراً مسجد سے نکل جائے۔ ہمارے ائمہ نے تیمم کا حکم اس لیے دیا کہ جنبی کو مسجد میں گزرنا جائز نہیں، اور اس وقت مسجد میں وہ غسل کرنے پر قادر نہیں اور ہر جنبی جو غسل پر قادر نہ ہو، اس پر بجائے غسل کے تیمم ہے، اس وقت یہ تیمم بہ منزلہ غسل کے ہو گیا۔ اب وہ مسجد سے گزرے گا تو یہ گزرنا حالت جنابت میں نہ ہوا۔ مسجد سے باہر ہوتے ہی وہ غسل پر قادر ہو گیا، اس لیے وہ تیمم ختم ہو گیا۔

۱۹۸- ح: اِذَا اَصَابَ اِحْدَانَا جَنَابَةٌ اَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلٰثًا

[جب ہم میں سے کوئی جنبی ہوتی تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے (اپنے سر پر) تین مرتبہ پانی ڈالتی]

۱۹۸- عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنَّا اِذَا اَصَابَتْ اِحْدَانَا جَنَابَةٌ اَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَاْسِهَا ثُمَّ تَاْخُذُ بِيَدِهَا عَلٰى شِقِّهَا الْاَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْاُخْرٰى عَلٰى شِقِّهَا الْاَيْسَرِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم عورتوں میں سے کسی کو جنابت لاحق ہوتی تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتی، اس کے بعد ایک ہاتھ سے دائیں طرف اور ایک ہاتھ سے بائیں طرف۔

اشکال

حلاب والی حدیث: ۱۸۹ میں گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غسل میں پہلے سر کی دائیں طرف پانی ڈالتے۔ اور اس حدیث میں یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات سب سے پہلے اپنے سر پر پانی ڈالتیں، اس کے بعد دائیں طرف۔ اس سے ثابت ہوا کہ ازواجِ مطہرات غسل کی ابتداء سر پر پانی ڈالنے سے کرتیں۔

جواب

کسی انسان کے دائیں حصے میں سر کا بھی دایاں داخل ہے۔ اس لیے دائیں طرف سے مراد سر کا بھی دایاں حصہ ہے، تو اب مطلب یہ ہوا کہ پہلے سر پر پانی اس لیے ڈالتیں کہ بال کی جڑوں میں اچھی طرح پانی پہنچ جائے، یہ بہ طور تمہید غسل کے ہوتا، اصل غسل اس کے بعد شروع ہوتا، جس میں پہلے دائیں طرف پانی ڈالتیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: جو سر کی دائیں طرف سے غسل کرے۔

ت ۶۰ - قَالَ بَهْزٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ.

بہز نے اپنے والد حکیم سے، انہوں نے بہز کے دادا حضرت معاویہ بن حیدہ سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: لوگوں کی بہ نسبت اللہ عز و جل زیادہ لائق ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔

(ابوداود۔ ج ۲۔ کتاب الحمام۔ باب: فی التعری۔ ص ۲۰۰، ترمذی۔ ج ۲۔ کتاب الاستئذان۔ باب: فی حفظ العورۃ۔ ص ۱۰۱، ابن ماجہ۔ کتاب النکاح۔ باب: التستر عند الجماع۔ ص ۱۳۹)

تکمیل

یہ تعلیق ایک حدیث کا جز ہے پوری حدیث یہ ہے: حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اپنی عورات یعنی جسم کے چھپانے والے اعضاء میں سے کس کس کو چھپائیں اور کس کس کو کھولیں؟ ارشاد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرمایا: اپنی بیوی اور باندی کے سوا سب سے سب کو چھپاؤ۔ میں نے عرض کیا: اگر اپنوں میں ہوں تو؟ فرمایا: اس کی کوشش کرو کہ تمہاری عورت کوئی نہ دیکھے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم تنہا ہوں؟ فرمایا: لوگوں کی بہ نسبت اللہ عزوجل سے حیاء کرنا زیادہ لائق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تنہائی میں اگر چہ کوئی نہیں جس سے شرم کرو مگر اللہ عزوجل تو دیکھ رہا ہے۔ آدمیوں کی بہ نسبت اس سے زیادہ شرم کرنی لازم ہے۔ حدیث میں اصل لفظ عورات یا عورت ہے، عورت کے معنی جسم کا ہر وہ عضو جس کے کھلنے پر شرم آئے۔ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک مرد کا اور چہرے اور ہتھیلیوں اور پاؤں کو چھوڑ کر پورا جسم، عورت کا عورت ہے، تنہائی میں بھی ان کا کھولنا جائز نہیں، البتہ اگر عورتیں گھر کے اندر اپنے محارم میں ہوں تو کچھ اعضاء کا استثناء ہے، مثلاً کان، گردن، شانہ، چہرہ وغیرہ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ عورت کا پورا ہاتھ ہتھیلی اور اوپر کے حصے کے ساتھ عورت نہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کو سنن اربعہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے، مگر بخاری نے اصل میں اسے نہیں لیا، تعلیقاً ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہز اگر چہ ثقہ ہیں مگر ان کی جو روایت "عن ابیه عن جده" ہو، وہ شاذ ہے اور اس کے لیے کوئی متابع نہیں۔ خطیب نے کہا کہ بہز سے زہری اور محمد بن عبداللہ انصاری نے روایت کی، حالانکہ ان کی وفات کے مابین اکیانوے سال کی مدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب النکاح میں اس سند کے ساتھ جو تعلیق ذکر کی، اس میں "یذکر" فرمایا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، مگر یہاں "قال" کہا، جس کی دلالت ضعف پر نہیں، اس کی توجیہ یہ ہے کہ بہز تک سند متصل اور قوی ہے، جو ضعف ہے وہ اس کے بعد ہے۔ اس سند کے شذوذ کا علامہ ابن حجر نے اصابہ میں یہ جواب دیا کہ معاویہ بن حیدہ سے صرف ان کے بیٹے حکیم ہی نے نہیں روایت کی ہے، بلکہ ان سے میں نے عروہ بن رویم لخمی کی روایت پائی ہے۔ اور مزی نے کہا کہ حمید مزنی نے بھی معاویہ سے روایت کی ہے۔

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے:

جو تنہائی میں برہنہ نہائے اور جو پردہ کر کے نہائے اور پردے کے ساتھ نہانا افضل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جہاں کوئی نہ ہو جیسے میدان، وہاں برہنہ نہانا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں: جائز تو ہے مگر پردے کے ساتھ نہانا افضل ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا: جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو میدان میں (ننگے) نہاتے دیکھا تو منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا، پہلے اللہ کی حمد وثناء کی، پھر فرمایا: اللہ عزوجل حیاء فرمانے والا ہے، حیاء اور پردے کو پسند فرماتا ہے، جب کوئی غسل کرے تو پردہ کرے۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الحمام۔ باب: النهي عن التعري۔ ص ۲۰۱، نسائی۔ ج ا۔ کتاب الغسل۔ باب: الاستتار عند الغسل۔ ص ۷۰)

مراسیل ابوداؤد میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

جو رات کو میدان میں نہائے تو اپنی شرمگاہ کو بچائے اور جس نے ایسا نہیں کیا اور اسے کوئی تکلیف پہنچی تو وہ اپنے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے۔

اسی طرح دریا، تالاب وغیرہ میں بغیر تہبند ننگے نہانے میں بھی تفصیل ہے، اگر ایسی جگہ ہو جہاں کوئی نہ ہو تو کپڑے باہر اتار کر بغیر تہبند کے نہا سکتا ہے، مگر افضل یہی ہے کہ تہبند کے ساتھ نہائے، اور اگر وہاں اور لوگ بھی ہوں یا جگہ ایسی ہے جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو جائز نہیں۔ اس لیے کہ آخر پانی میں ننگا جائے گا اور ننگا نکلے گا، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا:

پانی میں تہبند کے بغیر مت جاؤ، اس لیے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا مسکن پانی ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے مگر احتیاطاً اس پر عمل افضل ہے، پھر اس کی تائید صحابہ کرام کے فعل سے بھی موجود ہے۔ حضرت ابن عباس دریاؤں میں بھی بغیر تہبند نہیں نہاتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ اس میں بھی کچھ بسنے والے ہیں، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما چادر باندھ کر پانی میں گئے، پوچھا گیا تو فرمایا: پانی میں بھی کچھ بسنے والے ہیں۔ اگر چہ ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کا یہ واقعہ ایسی جگہ پیش آیا ہے، جہاں اور لوگ بھی تھے، مگر وجہ جو بتائی ہے، اس سے تنہائی میں بھی برہنہ نہانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

مگر امام بخاری نے اس تعلیق کے بعد حضرت موسیٰ و حضرت ایوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کے جو واقعے تحریر کیے ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تنہائی میں جہاں کوئی نہ ہو، برہنہ پانی میں بھی نہانا جائز ہے، اس لیے کہ اصول فقہ کا یہ قاعدہ مشہور ہے:

شرائع من قبلنا شرائع لنا اذ قص اللّٰہ ورسولہ من غیر انکار۔ پہلی شریعت ہماری بھی شریعت ہے، جب اللہ اور رسول اسے بیان فرمائیں اور اس پر انکار نہ فرمائیں۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کے واقعے کو بیان فرمایا اور اس پر کچھ نہیں فرمایا، تو ثابت ہوا کہ یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ اب تمام احادیث میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے: تنہائی میں برہنہ نہانا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ برہنہ نہ نہائے۔

تہبند باندھ کر نہانے میں خصوصیت سے دو باتوں کا خیال رکھے: اوّل: جو تہبند باندھ کر نہائے وہ پاک ہو، اس میں نجاست نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ران وغیرہ جسم کے کسی حصے پر نجاست لگی ہو تو اسے پہلے دھوئے ورنہ جنابت تو دور ہو جائے گی مگر بدن یا تہبند کی نجاست کیا دور ہوگی، پھیل کر دوسری جگہوں پر بھی لگ جائے گی، اس سے عوام تو عوام، خواص تک غافل ہیں۔

خلوت میں برہنہ نہانے کی مذکورہ بالا بحث میدان یا وسیع کشادہ جگہ کے بارے میں ہے، لیکن اگر کوئی مکان کے اندر یا غسل خانے میں نہا رہا ہے تو برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کے حالات نہ مل سکے، صرف یہ ملا کہ بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور خراسان جہاد کرنے گئے، وہیں واصل بحق ہوئے۔

۱۹۹- ح: فِرَارُ الْحَجَرِ بِثَوْبِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

[پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگنا]

۱۹۹ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَكَانَ مُوْسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوْسٰى اَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهٗ اٰدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَخَرَجَ مُوْسٰى فِيْ اِثْرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَاْسٍ وَّاَخَذَ ثَوْبَهٗ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل ننگے نہاتے، ایک دوسرے کو دیکھتے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل فرماتے، اس پر بنی اسرائیل نے کہا: بخدا! موسیٰ کو ہمارے ساتھ نہانے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ ان کے خصیے بڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ ایک مرتبہ غسل کرنے لگے تو اپنا کپڑا ایک پتھر پر رکھ دیا، پتھر ان کا کپڑا لے کر بھاگا، حضرت موسیٰ پتھر کے پیچھے تیزی سے یہ کہتے ہوئے دوڑے: اے پتھر! میرا کپڑا دے! اے پتھر! میرا کپڑا دے! یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور کہا: بخدا! موسیٰ کو کوئی عارضہ نہیں، حضرت موسیٰ نے اپنا کپڑا لے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ اَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ. لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: بخدا! اس پتھر پر چھ یا سات مار کے نشانات ہیں۔

(ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الانبیاء۔ باب (بلا عنوان)۔ ص ۴۸۳، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: جواز الغسل عریانا وحده۔ ص ۱۵۴، مسلم۔ ج ۲۔ کتاب الانبیاء۔ باب: فضائل موسٰی علیه السلام۔ ص ۲۶۶)

لغات

''اٰدَرُ. ادرة'' سے صفت مشبہ ہے، اس کے معنی بڑے خصیے کے ہیں یا آنت اُترنے کے۔ آدر کے معنی ہوئے: بڑے خصیے والا یا جس کی آنت اُترتی ہو۔ ''جمح'' تیزی سے دوڑا ''ندب'' مار کا وہ نشان جو گال پر باقی رہے، سانٹھ۔ ''ثوبی یاحجر'' میں ''ثوبی''، فعل محذوف ''اعطنی'' کا مفعول بہ ہے۔

تکمیل

کتاب الانبیاء میں پوری حدیث یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیاء فرمانے والے تھے، اپنے جسم کو چھپائے رکھتے، جس جگہ کے کھلنے سے شرم آئے، اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا، اس پر بنی اسرائیل کے موذیوں نے انہیں ایذاء دی اور یہ کہا: اتنا پردہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان میں کوئی عیب ہے، یا تو برص ہے یا خصیے بڑے ہیں اور کوئی بیماری ہے۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ ان کی براءت ظاہر فرما دے تو یہ ہوا۔ ایک بار تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے، پھر غسل فرمایا، جب فارغ ہو کر کپڑے کی طرف چلے کہ اسے لے کر پہنیں تو پتھر کپڑا لے کر تیزی سے بھاگا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے اسے پکڑنے کے لیے یہ کہتے ہوئے چلے: میرا کپڑا، اے پتھر! میرا کپڑا، اے پتھر! یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے ایک اجتماع تک پہنچ گئے، اب انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کو اللہ عزوجل نے اعلیٰ درجے کا حسن عطاء فرمایا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے عیب سے ان کی براءت ظاہر فرما دی۔ اب پتھر ٹھہر گیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لیے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے، ان کی ضرب سے اس پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشانات ہیں۔ یہی واقعہ ہے جس کی طرف اللہ عزوجل نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ○ اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے حضرت موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے انہیں اس سے بری فرما دیا جو انہوں نے کہی تھی اور موسیٰ اللہ کے ہاں عزت والے ہیں ○ (الاحزاب: ٦٩)

مسلم شریف میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیاء فرمانے والے تھے، کسی نے ان کو ننگا نہیں دیکھا تھا، اس پر بنی اسرائیل نے وہ کہا، ایک بار تھوڑے سے پانی میں غسل فرمانے لگے کہ وہ پتھر کپڑا لے کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے کہ اسے ماریں، اخیر قصہ تک۔

امام نووی نے فرمایا کہ ہمارے بلاد کے تمام نسخوں میں ''مُوَيْنَةٌ'' ہے جو ماء کی تصغیر ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: دوسری جگہ کے اکثر نسخوں میں ''مَشْرُبَةٌ'' ہے، یہ اس گڑھے کو کہتے ہیں جو کھجور کی جڑ میں ہوتا ہے تاکہ اس سے باغ کو سینچا جائے۔ ''مُوَيْهَةٌ'' غلط ہے۔

توجیہات

بنی اسرائیل کی شریعت میں نہانے کے وقت ستر عورت فرض نہ تھا، ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ضرور منع فرماتے۔ اور حضرت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

موسیٰ علیہ السلام خود اپنی فطری حیاء کی وجہ سے مجمع عام میں اس طرح غسل نہ فرماتے' چونکہ ان بیوقوفوں نے اللہ عزوجل کے ایک اولوالعزم نبی کے ساتھ بدگمانی کی بناء پر عیب لگایا تھا جو اُن کے ایمان کے برباد ہونے کا سبب بن سکتا تھا' اللہ عزوجل نے ان پر کرم فرماتے ہوئے اس معجزے کو ظاہر فرما کر ان کی بدگمانی دور کر دی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے اجتماع تک جانا اضطراراً تھا' جب پتھر کپڑے لے کر بھاگا تو خیال فرمایا کہ میں غسل سے فارغ ہو کر کیا پہنوں گا' اس لیے پتھر سے کپڑے چھیننے کے لیے بے اختیار اس کے پیچھے دوڑے۔ ایسے عالم میں انسان کو کچھ یاد نہیں رہتا' یہی حال حضرت موسیٰ کا بھی ہوا۔ پتھر سے کپڑا چھیننے کی دھن میں خیال نہ رہا کہ میں کس حال میں ہوں؟ کہاں ہوں؟ اس لیے ان پر یہ الزام نہیں کہ وہ برہنہ اسرائیلی اجتماع میں کیسے گئے؟

مسائل

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء کرام ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوتے ہیں خواہ وہ خُلقی ہوں خواہ خَلقی۔ نیز ایسی بیماریوں اور عوارض سے بھی منزہ ہوتے ہیں جو تنفر کا سبب بن سکیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزے ظاہر ہوئے' ایک پتھر کا کپڑے کو لے کر بھاگنا' دوسرے بنی اسرائیل کے اجتماع میں جا کر پتھر کا رُک جانا' تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب کے نشانات قبول کرنا' اس پتھر سے یہ تین معجزے ظاہر ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے ساتھ رکھ لیا' میدانِ تیہ میں جب پانی کی ضرورت ہوئی تو اسی پتھر پر عصا مبارک مارتے' جس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عند الضرورت شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

۲۰۰- ح: اَيُّوْبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَنُزُوْلُ الْجَرَادِ مِنَ الذَّهَبِ

[حضرت ایوب علیہ السلام اور (ان پر) سونے کی ٹڈیوں کا گرنا]

۲۰۰ - وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْتَثِىْ فِىْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِىْ عَنْ بَرَكَتِكَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ ایوب علیہ السلام برہنہ نہا رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں گریں' حضرت ایوب انہیں دونوں ہاتھوں سے اُٹھا اُٹھا کر اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے' اس پر ان کے پروردگار نے انہیں پکارا: اے حضرت ایوب! کیا میں نے تم کو جو دیکھ رہے ہو' اس سے بے نیاز نہیں کر دیا! ایوب نے عرض کیا: ضرور تو نے بے نیاز کر دیا' تیری عزت کی قسم! لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں۔

(ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الانبیاء۔ باب: قول اللّٰہ عزوجل وایوب اذ ناداہ ربہ۔ ص ۴۸۰' ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب التوحید۔ باب: قول اللّٰہ یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰہ۔ ص ۱۱۱۶' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الغسل۔ باب: الاستتار عند الغسل۔ ص ۷۰)

یہ تعلیق نہیں' مسند ہے

علامہ کرمانی نے کہا کہ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیق ہے' وہ بھی صیغۂ تمریض کے ساتھ' مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مسند ہے' یہ پہلے والی حدیث موسیٰ کی اسناد پر معطوف ہے' یعنی اسی ایک سند سے یہ دونوں حدیثیں مروی ہیں۔

بخاری کی کتاب الانبیاء اور کتاب التوحید میں "رِجْلُ جَرَادٍ" ہے' رِجل ایسا جمع ہے جس کا واحد نہیں' معنی میں جماعت اور دَل

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا: ''ان پر ٹڈیوں کا دَل گرا''۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ یہ سات سونٹڈیاں تھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پانچویں یا چھٹی پیڑھی میں تھے' ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں' اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے' ترانوے سال کی عمر پائی' یہ جہاں قیام پذیر تھے وہ جگہ اب دیر ایوب کے نام سے مشہور ہے' وہیں مزار پاک بھی ہے۔ یہاں ایک پتھر ہے جس پر قدم کا نشان ہے' کہا یہ جاتا ہے کہ یہ حضرت ایوب ہی کے قدم پاک کا نشان ہے' وہاں ایک چشمہ ہے جس کا پانی متبرک سمجھا جاتا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ایوب عجمی لفظ ہے' چونکہ یہ حضرت اسحق کی اولاد سے ہیں' اور ان کا قیام بھی شام میں تھا' اس سے یہی ظاہر ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ اس تقدیر پر یہ غیر منصرف ہوگا۔ قرآن مجید میں غیر منصرف ہی استعمال ہوا ہے۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل متخرج ہوئے: (۱) تنہائی میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے' اس لیے کہ اللہ عزوجل نے سونے کی ٹڈیاں جمع کرنے پر باز پرس کی' مگر برہنہ نہانے پر نہیں کی (۲) اللہ عزوجل کی صفات کی قسم کھانا جائز ہے (۳) مال حلال کی حرص محمود ہے' مال داری محمود ہے' اس کو حضرت ایوب علیہ السلام نے برکت کہا ہے۔

۲۰۱- ح: صَلٰوةُ الضُّحٰى

۲۰۱ - اِنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِىْ طَالِبٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ اَبِىْ طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِىْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُّلْتَحِفًا فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّىْ عَلِىٌّ اَنَّهٗ قَاتِلٌ رَّجُلًا قَدْ اَجَرْتُهٗ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًى.

[چاشت کی نماز]

حضرت اُم ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام ابومرہ نے خبر دی کہ انہوں نے اُم ہانی سے سنا' کہہ رہی تھیں کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' میں نے حضور کو اس حال میں پایا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہ پردہ کیے ہوئے تھیں' میں نے حضور کو سلام کیا تو پوچھا: کون ہے یہ؟ میں نے عرض کیا: میں ابوطالب کی بیٹی اُم ہانی ہوں' یہ سن کر حضور نے فرمایا: اُم ہانی کو مرحبا ہو! جب غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور ایک ہی کپڑے میں لپٹ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی (جب نماز پڑھ چکے) تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے حقیقی بھائی علی نے کہا ہے کہ وہ اس آدمی کو قتل کریں گے جسے میں نے پناہ دی ہے' یعنی فلاں بن ھبیرہ کو' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُم ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے میں نے بھی پناہ دی۔ اُم ہانی فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ چاشت کے وقت ہوا تھا۔

(ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الجہاد۔ باب: امان النساء وجوارھن۔ ص ۴۴۹۔ ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحفا بہ۔ ص ۵۲۔ ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الغسل۔ باب: التستر فی الغسل عند الناس۔ ص ۴۲۔ ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب صلوٰۃ التہجد۔ باب: صلوٰۃ الضحی فی السفر۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ص ۱۵۷۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: منزل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الفتح۔ ص ۶۱۴۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الادب۔ باب: ما جاء فی زعموا۔ ص ۹۰۹، مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الحیض۔ باب: تستر المغتسل بثوب ونحوہ۔ ص ۱۵۳۔ ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب المسافرین۔ باب: استحباب صلٰوۃ الضحٰی۔ ص ۲۴۹، ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب السیر۔ باب: ما جاء فی امان المرأۃ والعبد۔ ص ۱۹۱۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الاستیذان۔ باب: ما جاء فی مرحبا۔ ص ۹۸، نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ذکر الاستتار عند الاغتسال۔ ص ۴۶، ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی الاستتار عند الغسل۔ ص ۴۵، مؤطا امام مالک۔ کتاب السفر۔ باب: صلٰوۃ الضحٰی۔ ص ۵۱، دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۱۵۱)

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا

مشہور یہ ہے کہ ان کا نام فاختہ تھا، ایک قول یہ ہے کہ فاطمہ تھا، تیسرا قول یہ ہے کہ ھند تھا۔ یہ حضرت علی کی حقیقی بہن تھیں۔ قبل از اسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا پیغام ابو طالب کو دیا اور دوسری طرف سے ھبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی نے بھی پیغام بھیجا، ابو طالب نے ھبیرہ سے ان کی شادی کر دی، اس پر حضور نے ناگواری کا اظہار فرمایا تو ابو طالب نے یہ معذرت کی: ہم نے ان سے یہ رشتہ کر لیا ہے، شریف انسان، شریف انسان سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ یوم فتح یہ ایمان لائیں، ھبیرہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ نجران بھاگ گیا، وہیں کفر پر مرا جس کی وجہ سے دونوں میں تفریق کر دی گئی، اس کے بعد حضور نے اُم ہانی کو پھر نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں مصیبت زدہ ہوں، آپ سے جاہلیت اور اسلام دونوں میں محبت کرتی رہی ہوں، آپ مجھے میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں، مگر دیکھیے! یہ ایک بچہ ابھی کتنا چھوٹا ہے اور یہ ایک دودھ پیتا ہے، اس کا اندیشہ ہے کہ میں حق زوجیت ادا نہ کر پاؤں۔

جب ان کے دونوں بچے بڑے ہو گئے تو خود اُم ہانی نے اپنے آپ کو پیش کیا تو حضور نے فرمایا: اب نہیں! اس لیے کہ اللہ عزوجل نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ. (الاحزاب: ۵۰)

اے نبی! ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں جن کو تم مہر دے چکے ہو اور تمہاری کنیزیں جنہیں اللہ نے غنیمت میں تم کو دیا، اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموؤں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی۔

چونکہ اُم ہانی نے ہجرت نہیں کی تھی، اس لیے وہ ان میں داخل نہ ہو سکیں۔ اکمال میں ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بھی زندہ رہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں فوت ہوئیں۔

تکمیل

ہم نے یہاں کتاب الغسل والی روایت کے بجائے کتاب الجہاد کی روایت لی، اس لیے کہ وہ زیادہ مفصل ہے۔ بخاری میں ہر جگہ یہ ہے کہ اُم ہانی نے یہی عرض کیا کہ میں نے فلاں بن ھبیرہ کو پناہ دی، مگر ترمذی میں ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ میں نے اپنے دیوروں کو پناہ دی[1]۔ تمہید اور طبرانی معجم کبیر میں بھی یہی ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ راوی نے اختصار کیا، اصل میں انہوں نے دو شخصوں کو پناہ دی تھی۔ قصہ یہ ہوا کہ اس کے باوجود کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرما دیا تھا کہ جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان، جو ہتھیار

[1] بخاری۔ کتاب السیر۔ ص ۱۹۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ڈال دے اسے امان؛ پھر بھی کچھ لوگوں نے نہ دروازہ بند کیا اور نہ ہتھیار ڈالا' بلکہ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے لڑے' ان میں یہ دونوں بھی تھے' جب مکہ پر مکمل قبضہ ہو گیا تو یہ دونوں بھاگ کر ام ہانی کے گھر آئے۔ حضرت علی' ام ہانی کے گھر گئے اور فرمایا کہ میں ان دونوں کو قتل کروں گا' ام ہانی نے ان کو گھر کے اندر بند کر دیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

یہ دونوں کون تھے؟

علامہ ابن حجر کا رجحان یہ ہے کہ ان دونوں میں ایک تو حارث بن ہشام تھے اور دوسرے یا تو عبد اللہ بن ربیعہ تھے یا زہیر بن امیہ۔ بخاری میں اصل میں ابن کے بجائے عم یا قریب تھا' جو ابن سے بدل گیا۔

علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں ایک ھبیرہ کا بیٹا تھا خواہ وہ ام ہانی کے بطن سے ہو' خواہ دوسرے کے بطن سے۔ اس پر بخاری کی روایت فلاں بن ھبیرہ نص ہے اور تبدیل کا قول بلا ضرورت ہے۔ رہ گئے دوسرے اور کون تھے' اس کو انہوں نے بیان نہیں فرمایا۔

اقول: میری رائے یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں' ایک تو یہ جو بخاری میں مذکور ہے' جس میں یہ تشریح ہے کہ ام ہانی نے یہ عرض کیا کہ میں نے فلاں بن ھبیرہ کو پناہ دی اور دوبارہ حارث بن ہشام اور عبد اللہ بن ربیعہ کے لیے حاضر ہوئی ہوں گی۔ اس طرح فلاں بن ھبیرہ کی روایت بھی درست ہو جاتی ہے اور ''حموی یا رجلین من احمائی'' کی بھی روایت درست ہو جاتی ہے' یہ واقعہ مکرر ہوا۔ اس کی علامہ عبد الباقی زرقانی نے نشاندہی کی ہے' لکھتے ہیں:

وجمع بان ذلك مما تكرر منه بدليل ان في رواية ان خزيمة عنها ان ابا ذر ستره لما اغتسل. دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ مکرر ہوا' دلیل یہ ہے کہ ابن خزیمہ کی روایت ام ہانی ہی سے یہ ہے کہ جب حضور نے غسل فرمایا تو ابوذر نے پردہ کیا تھا۔

(زرقانی علی المواہب۔ ج ۲۔ باب: غزوۃ الفتح الاعظم۔ ص ۳۲۶)

یوم فتح مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام' خیف بنی کنانہ یعنی وادی المحصب میں تھا' یہاں بھیڑ بھاڑ زیادہ تھی اس لیے غسل فرمانے' ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے' جو مکہ معظمہ کے اس محلے میں تھا جو اعلیٰ مکہ کہلاتا ہے۔

صحیح یہی ہے کہ یہ نماز' نماز چاشت تھی' جیسا کہ مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ فرمایا:

ثم صلى ثماني ركعات سبحة الضحى. اس کے بعد حضور نے آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ شکرانہ فتح تھا' اس لیے کہ فاتحین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی بھی جگہ کے فتح کے بعد نماز شکر پڑھتے ہیں۔ کتاب التہجد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے یہ نماز بہت مختصر پڑھی تھی' البتہ رکوع اور سجدہ پورا پورا ادا فرمایا تھا۔

مسائل

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ (۱) نماز چاشت سنت ہے (۲) جہاں لوگ ہوں وہاں پردہ کر کے برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں' اسی پر قیاس کر کے یہ کہا گیا کہ غسل خانے میں برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں (۳) عورت کی امان جائز ہے یا نہیں' یہ مختلف فیہ ہے' اس حدیث کی بناء پر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آزاد عورت کی امان درست ہے (۴) اگر کوئی گھر کے اندر ہو تو اسے سلام کرنا جائز ہے (۵) زائر جب آئے تو اسے مرحبا خوش آمدید کہنا سنت ہے۔

ت ۶۱ - وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ اَظْفَارَهُ وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ وَاِنْ لَّمْ يَتَوَضَّأْ. (مصنف عبد الرزاق) اور امام عطاء نے کہا: جنبی نے اگر وضو نہیں بھی کیا ہے جب بھی سینگی لگوا سکتا ہے' ناخن ترشوا سکتا ہے' سر منڈوا سکتا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

٢٠٢- ح: إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ [مؤمن نجس نہیں ہوتا]

٢٠٢ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملے اور میں جنبی تھا' حضور نے میرا ہاتھ پکڑ لیا' میں حضور کے ساتھ چلا یہاں تک کہ حضور بیٹھ گئے' میں چپکے سے سرک آیا' اور اپنے ٹھکانے پر آیا اور غسل کیا' پھر حاضر ہوا اور حضور ابھی بیٹھے ہی تھے' مجھ سے پوچھا: اے ابو ہریرہ! کہاں تھے؟ میں نے حضور کو بتا دیا' فرمایا: سبحان اللہ! مؤمن ناپاک نہیں ہوتا۔

(ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الغسل ۔باب: عرق الجنب ۔ص ۴۲' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض ۔باب: الدليل على ان المسلم لا ينجس۔ص ۱۶۲' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: في الجنب يصافح۔ص ۳۰' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في مصافحة الجنب۔ص ۱۷' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: مماسة الجنب و مجالسته۔ص ۵۲' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: مصافحة الجنب۔ص ۴۰)

اس کے پہلے باب عرق الجنب میں ہے کہ یہ ملاقات مدینہ طیبہ میں سر راہ ہوئی تھی' اس میں "فانسللت" کے بجائے "فانتجست منه فذهبت" ہے' اس کے معنی یہ ہیں: میں نے اپنے آپ کو نجس جانا' اس لیے میں وہاں سے چلا گیا۔ یہ "خرجت" کے معنی کو متضمن ہے۔

"سبحان" فعل محذوف "سبحت" کا مفعول مطلق ہے۔

لفظ "سبحان" کے بارے میں علماء لغت کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ یہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے' دوسرے یہ کہ تسبیح کے معنی میں اسم مصدر ہے' تیسرا یہ کہ علم مصدر ہے۔ تفصیل استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی مجاہد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ "قاضی مبارک" میں مذکور ہے۔

مسائل

یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ مؤمن اگر چہ محدث ہو' اگر چہ جنبی ہو نجس نہیں۔ اسی طرح اس کا پسینہ' اس کا لعاب' اس کا آنسو سب پاک ہے' خواہ زندہ ہو خواہ مردہ۔

امام بخاری[1] نے تعلیقاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

المسلم لا ينجس حيا ولا ميتا. مسلمان زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

اسے امام حاکم نے مستدرک میں سند متصل کے ساتھ مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تناجسوا موتاكم فان المسلم لم ينجس حيا ولا ميتا. اپنے مردوں کو نجس نہ جانو' مسلمان زندہ ہو یا مردہ نجس نہیں ہوتا۔

علامہ عینی نے تحریر فرمایا: حتیٰ کہ وہ نومولود بچہ جو ابھی پیدا ہوا' جس کے جسم پر ابھی اندرونی رطوبت ہو' یہ حکم صرف مسلمان ہی کے ساتھ خاص نہیں' کافر کا بھی یہی حکم ہے' اور آیہ کریمہ "إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" مشرکین نجس ہیں' اس سے مراد اعتقاد اور عمل کی

[1] بخاری۔ ج ا۔ ص ۱۶۷۔ کتاب الجنائز۔ باب: غسل الميت و وضوءه

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نجاست ہے جو باطنی ہے' اس لیے کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے' اگر وہ ناپاک ہوتی تو اس سے اختلاط کا مطلب ہوتا نجاست سے اختلاط' اور نجاست سے اختلاط کی شریعت کبھی اجازت نہیں دیتی' یہ ساری بحث نجاست حقیقی میں ہے' رہ گیا غسل اور وضو کا واجب ہونا' یہ بربنائے نجاست حکمیہ ہے۔ (۲) اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت غسل واجب ہوا' اسی وقت فوراً بلا تاخیر غسل کرنا واجب نہیں' البتہ اتنی تاخیر حرام ہے کہ نماز کا وقت نکل جائے (۳) جنبی ضروریات کے لیے باہر جا سکتا ہے (۴) اگر استاد یا پیر کو یہ اندازہ ہو کہ کوئی کسی غلط بات کا معتقد ہے تو اس سے پوچھ کر اس کو صحیح بتا دے (۵) مؤمنین کی تالیف قلوب اور فقراء کے ساتھ عنایت و مہربانی سنت ہے۔

۲۰۳- ح: نَوْمُ الْجُنُبِ قَبْلَ الْغُسْلِ [جنبی آدمی کا غسل کرنے سے پہلے سونا]

۲۰۳ - عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ قَالَتْ نَعَمْ وَيَتَوَضَّأُ.

ابو سلمہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سوتے تھے؟ انہوں نے بتایا: ہاں! اور وضو فرما لیتے تھے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: جواز النوم واستحباب الوضوء۔ ص ۱۴۴' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الجنب یاکل۔ ص ۲۹' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی الجنب ینام قبل ان یغتسل۔ ص ۱۷' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: وضوء الجنب اذا اراد ان ینام۔ ص ۵۰' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: من قال لا ینام الجنب حتی یتوضا وضوءه للصلوٰۃ۔ ص ۴۳)

۲۰۴ - عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهٗ وَتَوَضَّاَ لِلصَّلٰوةِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور سونا چاہتے تو اپنی شرمگاہ دھوتے اور نماز کے لیے جیسا وضو ہے' ویسا وضو فرماتے۔

۲۰۵ - عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا: رات میں کبھی جنابت ہو جاتی ہے (تو کیا کیا جائے)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وضو کر لے اور اپنا عضو تناسل دھو لے' پھر سو۔

(اس کے پہلے دو طریقوں سے۔ مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء۔ ص ۱۴۴' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الجنب ینام۔ ص ۲۹' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی الوضوء للجنب اذا اراد ان ینام۔ ص ۱۷' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: وضوء الجنب وغسل ذکرہ اذا اراد ان ینام۔ ص ۵۰' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: من قال لا ینام الجنب حتی یتوضا وضوءه للصلوٰۃ۔ ص ۴۴)

حدیث: ۲۰۳' اور ۲۰۴' ایک ہی ہے' دوسری میں "و غسل فرجه" زائد ہے' اس لیے اس کو بھی لکھ دیا۔

جنبی ہونے کے بعد اگر سونا چاہے تو مستحب ہے کہ وضو کرے' فوراً غسل کرنا واجب نہیں' البتہ اتنی تاخیر نہ کرے کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ یہی اس حدیث کا محمل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں مروی ہے کہ فرمایا:

لا تدخل الملئكة بيتا فيه صورة ولا كلب ولا جنب.

اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں تصویر یا کتا یا جنبی ہو۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الجنب یوخر الغسل۔ ص ۳۰)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس حدیث سے مراد یہی ہے کہ اتنی دیر تک غسل نہ کرے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وہ جنبی رہنے کا عادی ہو اور یہی مطلب بزرگوں کے اس ارشاد کا ہے کہ حالت جنابت میں کھانے پینے سے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔

۲۰۶- ح: اِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ

[جب مرد عورت کے چاروں اعضاء کے درمیان بیٹھ گیا]

۲۰۶- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: جب مرد عورت کے چاروں اعضاء کے درمیان بیٹھ گیا اور کوشش کر لی تو ضرور غسل واجب ہو گیا۔

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب: ان الجماع کان فی اوّل الاسلام لا یوجب الغسل الخ۔ص ۱۵۶' ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: فی الاکسال۔ص ۲۸' نسائی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: وجوب الغسل اذا التقی الختان الختان۔ص ۴۱' ابن ماجہ۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: ما جاء فی وجوب الغسل اذا التقی الختان الختان۔ص ۴۵)

۲۰۷- ح: اِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ وَلَمْ يُنْزِلْ

[جب مرد جماع کرے اور انزال نہ ہو]

۲۰۷- اَخْبَرَنِي اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْاَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْاَةَ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّاُ وَيُصَلِّيْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْغُسْلُ اَحْوَطُ وَذَالِكَ الْاٰخَرُ وَاِنَّمَا بَيَّنَّاهُ لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْمَاءُ اَنْقٰى.

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب مرد عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو (تو کیا کرے)؟ فرمایا: اس مقام کو دھولے جس سے عورت کو مس کیا ہے' پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ غسل کر لے۔ اخیر حدیث اس لیے ذکر کی کہ اس میں ان کا اختلاف ہے' اور پانی صاف ستھرا کرنے والا ہے۔

"اذا جلس بین شعبها الاربع الخ" "مرد عورت کے چاروں اعضاء کے درمیان بیٹھ گیا" میں چاروں اعضاء سے یا تو عورت کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں مراد ہیں یا دونوں پنڈلیاں اور دونوں رانیں مراد ہیں۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس سے عورت کی شرمگاہ کے دونوں بالائی اور دونوں زیریں لب مراد ہیں۔ کچھ حضرات نے اوّل کو اور کچھ حضرات نے اخیر کو ترجیح دی ہے۔

خادم کے نزدیک اغلب احوال کے لحاظ سے ثانی کو اور عموم کے لحاظ سے ثالث کو ترجیح ہے۔

"جَهَدَهَا" سے مراد یہ ہے کہ بہ قدر التقاء ختانین دخول ہو گیا ہو' اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ اس پر دلیل ابوداؤد کی یہ روایت ہے جس میں "جهدها" کے بجائے:

والزق الختان الختان فقد وجب الغسل. جب ختنہ سے ختنہ مل گیا تو غسل واجب ہو گیا۔

اور ابن ماجہ میں بہ طریق ابوموسیٰ اشعری یہ ہے:

اذا مس الختان الختان. جب ختنہ ختنہ سے مل جائے۔

اور ترمذی میں "اذا جاوز الختان الختان" اور مسلم میں "وان لم ینزل" اگرچہ انزال نہ ہے۔

ہمارے دیار میں عورتوں کا ختنہ نہیں ہوتا' اس لیے فقہاء نے اس کی مقدار یہ رکھی ہے کہ حشفہ غائب ہو جائے۔

عہد صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا' صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت زبیر بن عوام' حضرت طلحہ بن عبید اللہ'

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن مسعود' حضرت رافع بن خدیج' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابن عباس' حضرت ابوایوب انصاری' حضرت نعمان بن بشیر' حضرت زید بن ثابت' حضرت جہرہ انصاری رضی اللہ عنہم کا اور حضرت عطاء' ابوسلمہ' ہشام بن عروہ' امام اعمش کا مذہب یہ تھا کہ جب تک انزال نہ ہو جائے غسل واجب نہیں' اگر چہ پورا دخول ہو چکا ہو' اگر چہ بار بار ہوا ہو۔

ان حضرات کی دلیل یہاں مذکور بعد والی حدیث: ٢٠٧' اور گزشتہ حدیث: ١٣٦ ہے' اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں اور اکثر حضرات کا یہی مذہب تھا کہ صرف التقاء ختانین یا غیبوبت حشفہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے' اگر چہ انزال نہ ہوا ہو۔ ان کی دلیل یہاں مذکور حدیث: ٢٠٦ ہے۔

یہ صدر اوّل کا حال تھا' اب اس پر اتفاق ہے کہ صرف غیبوبتِ حشفہ سے غسل واجب ہے' اگر چہ انزال نہ ہوا ہو۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب اس مسئلے پر اختلافِ شدید ہو گیا تو انہوں نے تمام صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا: تم لوگ اصحابِ بدر ہو اور اختلاف کر بیٹھے تو تمہارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس چیز کو ازواجِ مطہرات سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں' ان سے پوچھ لیجئے! جب ازواجِ مطہرات سے دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب ختنہ ختنہ سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا: جو اس کے بعد اس سے اختلاف کرے گا اسے سزا دوں گا۔ دونوں قسم کی احادیث میں تعارض کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا: پہلا حکم احتلام کے ساتھ خاص ہے' مگر احادیث میں جو تفصیل مذکور ہے وہ احتلام پر چسپاں نہیں ہوتی۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ وجوبِ غسل کے لیے انزال کی شرط ابتداء اسلام میں تھی' بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "الماء من الماء" کا حکم ابتداء اسلام میں بہ طور رخصت تھا' بعد میں ہمیں (بغیر انزال کے) بھی غسل کا حکم دیا گیا۔

اخیر میں امام بخاری نے فرمایا کہ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے' اس لیے ہم نے دوسری حضرت عثمان والی حدیث بھی ذکر کر دی' مگر احوط غسل ہے۔ یہ جملہ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے' ایک تو یہ کہ ان کا مذہب یہی ہے کہ انزال کے بغیر غسل واجب نہیں' مگر غسل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ان کا مذہب یہ ہو کہ بر بنائے احتیاط غسل واجب ہونے کا حکم ہے۔

والعلم عند ربی و علمه جل مجده اتم و احکم

مناسبت

غسل کے اسباب تین ہیں: جنابت' انقطاع حیض' انقطاع نفاس۔ پہلا سبب: اس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں' حیض و نفاس عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ سبب عام بیان کرنے کے بعد سبب خاص بیان فرمانا شروع کیا۔

حیض چونکہ بہ نسبت نفاس کے عام ہے' اس لیے حیض کا بیان مقدم رکھا' عورت کے جسم میں قدرت نے فطری طور پر یہ قوت رکھی ہے کہ اس کے خون کا کچھ حصہ اس کے رحم میں جائے' یہی زائد خون ایامِ حمل میں جنین کی غذا ہوتا ہے' اور ایامِ رضاعت میں دودھ بنتا ہے' مگر جب عورت حمل و رضاعت کی حالت میں نہ ہو تو یہ خون ہر ماہ مقررہ تاریخوں میں اندام نہانی سے خارج ہوتا ہے' یہی حیض ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد رحم میں جمع شدہ خون جو زائد آتا ہے' یہ نفاس ہے' بیماری سے جو خون یا رطوبت نکلتی ہے وہ استحاضہ ہے۔ حیض و نفاس کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے' نہ روزہ رکھ سکتی ہے' نہ قرآن مجید چھو سکتی ہے' نہ پڑھ سکتی ہے' نہ مسجد میں جا سکتی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے۔ اسے نمازیں معاف ہیں؛ البتہ روزوں کی قضاء ہے۔

استحاضہ کی حالت میں یہ باتیں بھی ممنوع نہیں۔

حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں؛ عرب والے بولتے تھے: "حاضت السمرة" ببول کے درخت سے سرخ رنگ کا پانی نکلا؛ عرف عام میں اندام نہانی سے نکلنے والے خون کو کہتے ہیں۔ عرب والے بولتے ہیں: "حاضت الارنب" خرگوش کی اندام نہانی سے خون نکلا؛ شریعت میں اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے عادۃً نکلے اور وہ بیماری یا بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے نہ ہو۔

۞۞۞۞۞

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم الله الرحمن الرحيم

٦- كِتَابُ الْحَيْضِ

[حیض کا بیان]

ت ٦٢ - قَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ اَوَّلُ مَا اُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ.

بعض حضرات نے فرمایا: سب سے پہلے بنی اسرائیل پر حیض بھیجا گیا۔

یہ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے' اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے کہ ان دونوں نے فرمایا: بنی اسرائیل کے مرد وعورت اکٹھے نماز پڑھتے تھے' عورتیں مردوں کو جھانکتی تھیں تو اللہ عزوجل نے انہیں حیض میں مبتلا کر دیا اور مسجدوں میں جانے سے روک دیا۔

٢٠٨- ح: اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ

[یہ ایسی چیز ہے جو آدم کی بیٹیوں کے لیے اللہ نے مقرر فرما دی ہے]

٢٠٨ - سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ خَرَجْنَا لَا نَرٰى اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقَالَ مَا لَكِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِيْ مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ قَالَتْ وَضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِّسَائِهٖ بِالْبَقَرِ.

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا' وہ فرما رہی تھیں کہ ہم صرف حج کے ارادے سے نکلے' جب سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آ گیا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھیں' حضور نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے! کیا تجھے حیض آ گیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! حضور نے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جو آدم کی بیٹیوں کے لیے اللہ نے مقرر فرما دی ہے' جو کچھ حج کرنے والا کرے تم بھی کرو' البتہ بیت اللہ کا طواف مت کرنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کی طرف سے گائے قربان کی۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الاضاحی۔ باب: الاضحیۃ للمسافر والنساء۔ ص ٨٣٢' مسلم۔ ج ١۔ کتاب الحج۔ باب: بیان وجوہ الاحرام الخ۔ ص ٣٨٨' نسائی۔ ج ١۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: بدء الحیض۔ ص ٦٤' ابن ماجہ۔ ج ١۔ کتاب الحج۔ باب: الحائض تقضی المناسک الا الطواف۔ ص ٢١٩)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قاسم بن محمد

یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں۔ اجلہ تابعین کی صف اوّل کے بھی سرخیل ہیں۔ یحییٰ بن سعید نے کہا: اس عہد میں میں نے مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا' مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں' ۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱ھ میں وصال فرمایا۔

سرف

مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے' اس میں اور مکہ کے مابین چھ سے لے کر دس میل کا فاصلہ ہے' یہ علیمت اور تانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

نَفِسْتِ

امام نووی نے فرمایا کہ نون کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ دونوں کے معنی حیض کے بھی ہیں اور نفاس کے بھی' مگر اکثر یہ ہے کہ ضمہ کے ساتھ ولادت کے معنی میں ہے' اور فتحہ کے ساتھ حیض کے معنی میں۔ اسی سے نفساء' حائضہ کے معنی میں آتا ہے' نفساء کی جمع نفاس ہے۔ نفاس مصدر بھی ہے' جس کے معنی خون کے ہیں۔ مُغرب میں ہے: نفاس ''نـفـسَـتِ الْمَرْأَة'' کا مصدر ہے' اس کے معنی ہیں: بچہ جننا' قضا کے معنی ادا کرنے کے بھی آتے ہیں' ارشاد ہے: ''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ'' (الجمعہ:۱۰)۔

تکمیل

۱۰ھ میں جب پورا عرب اسلام قبول کر چکا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ حج کے لیے نکلے' مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت سب کا مقصود بالذات حج ہی تھا مگر میقات پر پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرما دیا: جس کا جی چاہے حج کا احرام باندھے اور جس کا جی چاہے عمرہ کا۔ حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرے کا احرام باندھا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتہ کے دن بعد نماز ظہر ۲۶ ذوالقعدہ کو مدینہ سے نکلے' مدینہ طیبہ سے چھ میل دور ذوالحلیفہ ہے' جو مدینہ کی میقات ہے۔ یہاں رات بھر قیام فرمایا' صبح کو احرام باندھا' آٹھویں دن ہفتہ کو سرف آ پہنچے' یہاں رات بسر فرمائی' صبح ۴ ذوالحجہ کو نویں دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

سرف پہنچ کر اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا' ان کو خیال ہوا کہ جس طرح حیض کی حالت میں نہ نماز کی اجازت ہے نہ روزے کی' شاید حج کی بھی نہ ہو' اور میں حج سے محروم رہ جاؤں' اس بناء پر رونے لگیں۔ حضور نے انہیں تسلی دی: نہیں! تم حج کے تمام ارکان ادا کر سکتی ہو' صرف طواف نہیں کر سکتی ہو' اس لیے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔

تطبیق

حضرت اُم المؤمنین اور حضرت ابن مسعود کا جو قول تعلیقاً مذکور ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض بہ طور دنیوی سزا پہلے پہل بنی اسرائیل کی عورتوں کو آیا' اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حیض بنات آدم کے لیے مقرر ہے۔ بنات آدم اپنے عموم کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے پہلے کی عورتوں پر بھی صادق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ روز اوّل ہی سے تمام عورتوں کو حیض آتا تھا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں حضرت سارہ کے بارے میں ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ (ھود:۷۱) ان کی بیوی کھڑی تھی ہنسنے لگی۔

طبری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ''فضحکت'' کی تفسیر ''حاضت'' کے ساتھ نقل کی ہے' یعنی انہیں حیض آ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

گیا۔ (فتح الباری۔ ج ا ص ۱ ۳۴۱)

نیز حاکم اور ابن منذر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت حواء جب جنت سے اتریں تو انہیں حیض آنے لگا۔ (ایضا)

اس پر امام بخاری نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اکثر ہے یعنی بہ اعتبار روایت' اس لیے اسے ترجیح حاصل ہے۔ ایک نسخے میں بجائے اکثر کے اکبر ہے' یعنی بہ نسبت صحابی کے قول کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بڑا یعنی اجل و اکبر ہے' اس لیے اسے ترجیح ہے۔

علامہ عینی نے یہ تطبیق کی صورت نکالی کہ بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے یہ عذاب آیا کہ ان کی عورتوں کا حیض بند کر دیا گیا' یہ عذاب اس طرح ہے کہ توالد و تناسل کے اسباب عادیہ میں حیض بھی ہے' جس عورت کو حیض نہیں آتا وہ لاولد رہتی ہے' ایک مدت تک یہی رہا' پھر اللہ عزوجل نے جاری کر دیا۔

مگر تعلیق کا یہ لفظ ''اوّل ما ارسل الحیض'' اس توجیہ کے مطابق نہیں' اس لیے راستہ یہی رہ گیا کہ امام بخاری نے جو فرمایا ہے اسی کو اختیار کیا جائے۔

ایک اشکال

بقر بغیر تاء کے جنس ہے' جو واحد اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے' البتہ بقرہ تاء مدورہ کے ساتھ واحد ہے' اس کے معنی ایک گائے کے ہیں' جیسے تمر اور تمرۃ کلم اور کلمۃ وغیرہ۔ اب اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں تمام ازواجِ مطہرات تھیں اور ان کی تعداد اس وقت نو تھی' اس پر اجماع ہے کہ ایک گائے میں صرف سات آدمی شریک ہو سکتے تھے' پھر نو ازواجِ مطہرات کی طرف سے ایک ہی گائے کی قربانی کیسے درست ہوئی۔

اگر تمام روایات میں بالبقر یا بقر بغیر تاء کے ہوتا تو تاویل ممکن تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کی طرف سے ایک سے زائد قربانی کی تھی' مگر بعض روایات میں بالبقرۃ تاء کے ساتھ ہے' یہ تاء تانیث نہیں' اس لیے کہ حیوانات کے لیے تاء تانیث نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہو تو ابوداؤد[1] اور ابن ماجہ[2] کی حدیث میں ''بقرۃ واحدۃ'' آیا ہے' جو وحدت پر نص ہے۔

جواب

اوّلاً ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ حیوانات میں تاء تانیث نہیں آتی۔

امام لغت ابن السکیت نے اس کی تصریح کی ہے کہ حیوانات کے اسماء پر بھی تاء تانیث آتی ہے۔ اس لغت پر بالبقرۃ اور بالبقر کا مفاد ایک ہوا' رہ گئی وہ روایت جس میں ''بالبقرۃ الواحدۃ'' وارد ہے' وہ غالباً راوی کی اپنی زیادتی ہے۔ کسی راوی نے ''بالبقرۃ'' کی تاء کو تاء وحدت سمجھ لیا اور اپنی سمجھ کے مطابق ''الواحدۃ'' بڑھا دیا۔

اس جواب کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں:

ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشۃ بقرۃ یوم النحر. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یوم النحر میں ایک گائے کی قربانی کی۔

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۲۴۴۔ کتاب المناسک۔ باب: فی ھدی البقر

[2] ابن ماجہ۔ ص ۲۳۳۔ کتاب الاضاحی۔ باب: کم تجزی البدنۃ والبقر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحج۔باب: جواز الاشتراك في الهدي۔ص ۴۲۴)

مگر اس پر یہ شبہہ رہ جاتا ہے کہ حضرت صدیقہ کی طرف سے ایک گائے ہوئی تو پھر بھی بقیہ آٹھ ازواج کی طرف سے ایک ہی گائے کی قربانی ہوئی۔

صحیح جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قربانی صرف انہیں ازواج کی طرف سے کی تھی' جنہوں نے میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ذبح عمن اعتمر من نسائه بقرة بينهن. حضور نے ان عورتوں کی طرف سے مشترکہ طور پر ایک گائے کی قربانی کی' جنہوں نے عمرہ کیا۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ ازواجِ مطہرات نے عمرے کا احرام نہ باندھا ہو' صرف حج کا احرام باندھا ہو۔

ایضاح البخاری

ایضاح البخاری میں "بالبقرة الواحدة" کی روایت نسائی کی طرف منسوب ہے' حالانکہ یہ مجھے نسائی میں نہیں ملی' البتہ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے' حیوانات کے اسماء پر تاء تانیث داخل ہوتی ہے' اس پر استدلال کرتے ہوئے انہوں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

مشہور محدث حضرت قتادہ جب کوفہ پہنچے تو ان کے گرد بھیڑ لگ گئی' تشنگانِ علم ٹوٹ پڑے' یہ زمانہ حضرت امام کی نوعمری کا تھا' حضرت قتادہ کی شہرت سن کر حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا: جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو دیکھ کر یہ کہا تھا: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ کہیں بے خبری میں سلیمان اور ان کے لشکری تمہیں کچل نہ ڈالیں' یہ نر تھی کہ مادہ؟ حضرت قتادہ کوئی جواب نہ دے سکے' تو حضرت امام نے فرمایا کہ یہ چیونٹی مادہ تھی' اس لیے کہ قرآن کریم میں ہے: "قَالَتْ نَمْلَةٌ"۔

اس سے صاحب ایضاح البخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت امام کا بھی مذہب یہی تھا کہ تاء تانیث' حیوانات کے اسماء پر داخل ہوتی ہے' اس لیے کہ حضرت امام نے "نملة" کی تاء سے اس کے مادہ ہونے پر استدلال فرمایا۔

اقول: یہ زبردستی حضرت امام کے سر تھوپنا ہے' ہوسکتا ہے کہ حضرت امام کا استدلال بجائے تاء کے "قالت" صیغہ تانیث اور "من قولها" کی ضمیر مؤنث سے ہو۔

٢٠٩- ح: تَرْجِيلُ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا [حائضہ کا اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کرنا]

٢٠٩- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی' اس حالت میں کہ میں حائضہ ہوتی۔

(ايضاً۔ج ا۔كتاب الاعتكاف۔باب: المعتكف يدخل راسه البيت للغسل۔ص ۲۷۴۔ايضاً۔ج ۲۔كتاب اللباس۔باب: ترجل الحائض زوجها۔ص ۸۷۹' ترمذی شمائل۔باب: ترجل رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ص ۴' نسائی۔ج ا۔كتاب الطهارة۔باب: غسل الحائض راس زوجها۔ص ۴۸)

٢١٠- اَخْبَرَنِیْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّهُ سُئِلَ اَتَخْدُمُنِی الْحَائِضُ اَوْ تَدْنُوْ مِنِّی الْمَرْاَةُ وَهِیَ جُنُبٌ فَقَالَ عُرْوَةُ كُلُّ ذٰلِكَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَكُلُّ ذٰلِكَ يَخْدُمُنِی. ہشام بن عروہ نے خبر دی کہ حضرت عروہ سے پوچھا گیا: کیا حائضہ میری خدمت کر سکتی ہے؟ جنبی عورت میرے قریب آ سکتی ہے؟ اس پر عروہ نے فرمایا: یہ سب مجھ پر آسان ہے اور یہ سب میری

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَلَيْسَ عَلٰى اَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ بَاْسٌ اَخْبَرَتْنِيْ عَآئِشَةُ اَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَآئِضٌ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَئِذٍ مُّجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ يُدْنِيْ لَهَا رَاْسَهٗ وَهِيَ فِيْ حُجْرَتِهَا فَتُرَجِّلُهٗ وَهِيَ حَآئِضٌ.

خدمت کرتی ہیں' اس میں کسی پر کوئی حرج نہیں' مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی کہ وہ حالت حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کنگھا کرتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں (حالت اعتکاف) میں ہوتے' ان کی طرف اپنا سر بڑھا دیتے' وہ اپنے حجرے میں ہوتیں' وہ حضور کے سر میں کنگھا کرتیں حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں۔

(ایضاً۔ج ا۔کتاب الاعتکاف۔باب: الحائض ترجل المعتکف۔ص ۲۷۱' مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب: جواز غسل الحائض راس زوجها وترجيله۔ص ۱۴۲' ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الصیام۔باب: المعتكف يدخل البيت لحاجته۔ص ۳۳۴' نسائی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: ترجيل الحائض راس زوجها وهو معتكف۔ص ۴۸' ابن ماجہ۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: الحائض تناول الشيء من المسجد۔ص ۴۶۔ ایضاً۔ج ا۔کتاب الاعتکاف۔باب: في المعتكف يغسل راسه ويرجله۔ص ۱۲۸' دارمی۔کتاب الوضو' مؤطا امام مالک۔کتاب الطہارۃ' مسند امام احمد)

ہشام

ہشام بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے مشہور تابعین میں سے ہیں' ان سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں' اکابر اجلہ تابعین میں ہیں۔ اہل مدینہ کے طبقہ رابعہ سے ہیں' انہوں نے حدیث اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے سنی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی زیارت کی مگر ان سے حدیث نہیں سنی' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت انس بن مالک اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہیں' شہنشاہ منصور کے عہد میں کوفہ تشریف لائے تو ان سے اہل کوفہ نے احادیث سنیں۔

یہ اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز' امام زہری' قتادہ اور اعمش عاشورہ ۶۱ھ کو ٹھیک اس دن پیدا ہوئے جس دن سید الشہداء حضرت امام حسین کربلا میں شہید ہوئے' اخیر عمر مبارک میں بغداد منصور کے پاس آ گئے تھے' وہیں ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وصال ہوا' منصور نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی' مقبرہ خیزران کے جانب غربی بازار سے باہر خندق کے پیچھے باب قطربل کی جانب باب حرب کے مقابر میں مزار ہے' مزار پر تختی لگی ہوئی ہے جس پر کندہ ہے: "هٰذا قبر هشام بن عروة"۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خیزران کے جانب شرقی میں دفن ہیں اور جانب غربی جو مزار ہے وہ ہشام بن عروہ مروزی کا ہے جو حضرت عبداللہ بن مبارک کے اصحاب میں سے ہیں۔

ابوعبداللہ

حضرت عروہ بن زبیر بن عوام حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے مشہور فقہاء سبعہ میں سے ہیں' بہت زبردست عابد' زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے' روزانہ بلا ناغہ چوتھائی قرآن مصحف شریف دیکھ کر تلاوت فرماتے' چوتھائی قرآن شریف رات کو تہجد میں پڑھتے۔

امام زہری نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ وہ دریا ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے حقیقی بھائی تھے' دونوں حضرات اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بطن سے ہیں' ۲۲ھ یا ۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۳ھ یا ۹۴ھ سنۃ الفقہاء میں وصال فرمایا' مدینہ طیبہ سے چار رات کے فاصلہ پر ربذہ کے نواح میں ایک سرسبز و شاداب مقام فرع ہے' یہی آپ کی جائے وفات ہے' یہیں دفن بھی ہوئے۔

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام حکومت میں عبدالملک بن مروان اور یہ اور ان کے دونوں بھائی حضرت عبداللہ اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مصعب مسجد حرام میں اکٹھے ہوئے تو ان لوگوں نے آپس میں کہا: آؤ! ہم لوگ اپنی اپنی تمنا ظاہر کریں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا: میری تمنا یہ ہے کہ حرمین طیبین کا مالک بنوں اور خلافت پاؤں۔ مصعب نے کہا: میری تمنا یہ ہے کہ میں عراقین یعنی کوفہ اور بصرہ کا حاکم بنوں اور قریش کی دو عاقل ترین خواتین کو اپنے نکاح میں جمع کروں: سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ کو۔ عبدالملک نے کہا: میری آرزو یہ ہے کہ میں پوری زمین کا مالک بنوں اور معاویہ کا جانشین۔ عروہ نے کہا: میری آرزو تم لوگوں جیسی نہیں، میری تمنا یہ ہے کہ دنیا سے الگ رہوں، آخرت میں جنت پاؤں اور مجھ سے یہ علم (حدیث) روایت کیا جائے، اللہ کی شان کہ ہر ایک کی تمنا پوری ہوئی، اسی بناء پر ولید بن عبدالملک کہا کرتا تھا: جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی کو دیکھے وہ عروہ کو دیکھے۔

بہت ہی متحمل، بردبار، صابر و شاکر تھے، ایک دفعہ ولید کے یہاں گئے تو پاؤں میں آکلہ ہو گیا، ولید نے کہا: پاؤں کٹوا لو، پہلے انکار کیا مگر جب اس کا اثر پنڈلی تک پہنچ گیا تو ولید نے کہا: اگر کٹوائیں گے نہیں تو یہ پورے جسم میں سرایت کر جائے گا۔ پاؤں کاٹنے والا آیا، اس نے عرض کی: شراب پی لیں تاکہ احساس نہ ہو، فرمایا: میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کے ذریعہ عافیت نہیں چاہتا، اس نے عرض کیا: کوئی خواب آور دوا دے دوں؟ تو فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے اور مجھے اس کی تکلیف کا احساس نہ ہو اور اس کے ثواب سے محروم رہوں، پھر کچھ لوگ آئے کہ پکڑے رہیں، فرمایا: کوئی ضرورت نہیں۔

بالآخر پاؤں کا گوشت پہلے چھری سے، پھر ہڈی آری سے کاٹی گئی اور آہ تک نہیں کی، تکبیر و تہلیل میں مصروف رہے یہاں تک کہ جب روغن زیتون لوہے کے چمچوں میں کھولا کر داغا گیا تو بے ہوش ہو گئے، افاقے کے بعد چہرے سے پسینہ پونچھنے لگے، کٹا ہوا پاؤں ہاتھ میں لے کر اُلٹنے پلٹنے لگے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے مجھے تجھ پر سوار فرمایا! تیرے ذریعہ سے کسی گناہ کی طرف نہیں گیا ہوں، یہ سب اس طرح ہوا کہ وہیں ولید باتیں کرتا رہا، اسے خبر بھی نہیں ہوئی، جب داغنے کی بو پھیلی تو معلوم ہوا۔

اسی سفر میں ان کے صاحبزادے محمد، ولید کے اصطبل میں گئے تو کسی چوپائے نے انہیں مار دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ جب مدینہ طیبہ آئے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۝ (الکہف:۶۲) اپنے اس سفر سے ہم کو بہت تکلیف پہنچی۝

اتنے سخی اور جواد تھے کہ باغ میں جب پھل تیار ہو جاتے تو احاطے کی دیوار میں سوراخ کر دیتے، لوگ باغ میں آکر کھاتے بھی اور باندھ کر لے بھی جاتے، جب باغ میں جاتے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمانے لگتے:

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (الکہف:۳۸) اور جب تو اپنے باغ میں گیا تو ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہیں کہا؟

انہوں نے اپنے والدین اور اپنی خالہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ اور کبار صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

باب کا فائدہ

یہاں امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے: ''غسل الحائض راس زوجها وترجيله'' حائضہ کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور اس میں کنگھا کرنا۔

چونکہ قرآن کریم میں ہے: ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ'' (البقرہ:۲۲۲) حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حائضہ عورت سے کوئی خدمت نہیں لی جا سکتی۔ یہ باب باندھ کر امام بخاری نے اس شبہہ کا ازالہ فرما دیا کہ اس آیت میں اعتزال سے مراد جماع نہ کرنا ہے، مطلقاً علیحدہ رہنا اس طرح کہ شوہر کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے، مراد نہیں، البتہ ایک خدشہ رہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جاتا ہے کہ اس باب کے ضمن میں جو حدیث لائے اس سے کنگھا کرنا تو ثابت ہو گیا مگر سر دھونا ثابت نہیں ہوا۔

اقول

بحث کنگھا کرنے اور دھونے کی نہیں بلکہ شوہر کو ہاتھ لگانے اور نہ لگانے کی ہے' حدیث سے جب ثابت ہوا کہ حائضہ شوہر کو کنگھا کر سکتی ہے' جس میں ہاتھ لگنا لازم ہے تو اسی پر قیاس کر کے سر دھونا بھی ثابت' اس لیے کہ اس میں بھی ہاتھ لگانے سے زائد اور کوئی بات نہیں۔

ہماری اس تقریر سے صاحب ایضاح البخاری کی کم فہمی ظاہر ہوئی' انہوں نے لکھا ہے کہ باب کا پہلا جز حدیث سے ثابت نہیں' ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ باب کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حدیث کی باب پر دلالت التزامی ہو' جو یہاں موجود ہے۔ ان بزرگ نے حضرت عروہ کے استدلال کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ ترجیل سے مطلقاً خدمت کے جواز پر دلیل لائے۔ حضرت عروہ سے دو سوال ہوئے تھے' ایک یہ کہ حائضہ مرد کی خدمت کر سکتی ہے کہ نہیں؟ اور دوسرے یہ کہ جنبی عورت خدمت کر سکتی ہے کہ نہیں؟ حضرت عروہ نے فرمایا: دونوں خدمت کر سکتی ہیں' نیز یہ بھی کہا کہ کسی کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں' عروہ نے دلیل میں یہ حدیث پیش کی' جس سے یہ ثابت ہوا کہ حائضہ اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے' خدمت میں جنبی کا ذکر نہیں۔

مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ حائضہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس حالت میں اس کی نجاست جاری رہتی ہے' پھر بھی اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور جنبی عورت جس کی یہ حالت نہیں' اس کے جسم سے جو نجاست نکلنی تھی نکل چکی' اب کوئی نجاست نہیں نکلتی تو یہ بدرجۂ اولیٰ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے۔ ''لِمّ'' یہ ہے کہ حیض کی حالت میں گھن آنا زائد ہے' برخلاف جنابت کے کہ اس میں کوئی گھن نہیں' اہل انصاف و دیانت غور کریں! یہاں امام بخاری نے قیاس فرمایا' حضرت عروہ نے قیاس فرمایا' مگر یہ قیاس نہیں' اہل حدیث ہیں اور احناف قیاس کریں تو وہ غیر مقلدین کی بارگاہ سے قیاسی کا خطاب پائیں۔

مسائل

(۱) معتکف اگر اپنا سر یا کوئی عضو مسجد سے باہر نکال دے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا (۲) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں گھر میں نہ جائے گا' اگر سر یا ہاتھ گھر میں داخل کر دیا تو حانث نہ ہوگا (۳) بیوی کی رضامندی سے شوہر خدمت لے سکتا ہے مگر جبر نہیں کر سکتا (۴) حائضہ اور جنبی کا ظاہر جسم پاک ہے (۵) ''فاعتزلوا النساء فی المحیض'' اور ''ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المسجد'' سے مراد جماع ہے اور آیت ثانیہ سے مراد جماع کے ساتھ دواعی بوس و کنار بھی ہے' مطلقاً چھونے ہاتھ لگانے کی ممانعت مراد نہیں (۶) حائضہ کو مسجد میں جانا جائز نہیں (۷) مرد اپنے بالوں کو کنگھا کر سکتا ہے' اسی طرح زینت کر سکتا ہے۔

ت٦٣ - وَكَانَ اَبُوْ وَائِلٍ يُّرْسِلُ خَادِمَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ اِلٰى اَبِىْ رَزِيْنٍ فَتَاْتِيْهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهٗ بِعِلَاقَتِهٖ. (ابن ابی شیبہ)

ابو وائل اپنی خادمہ کو ابو رزین کے پاس بھیجتے' وہ مصحف لاتی اور غلاف کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیے رہتی حالانکہ وہ حائضہ ہوتی۔

۲۱۱ - ح: قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ مُتَّكِئًا فِىْ حَجْرِ الْحَائِضَةِ

[حائضہ کی گود میں ٹیک لگا کر قرآن کی تلاوت کرنا]

۲۱۱ - عَنْ مَّنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ اَنَّ اُمَّهٗ حَدَّثَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ

منصور بن صفیہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں نے یہ حدیث

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حَدَّثَتْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِيْ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ.

بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگائے ہوئے قرآن پڑھتے حالانکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی۔

(ایضاً۔ج ۲۔کتاب التوحید۔باب:الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة۔ص ۱۱۲۶، مسلم۔ج ۱۔کتاب الحیض۔باب:جواز غسل الحائض راس زوجها۔ص ۱۴۳، ابوداؤد۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب:مواكلة الحائض ومجامعتها۔ص ۳۴، نسائی۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب: الرجل يقرأ القرآن وراسه في حجر امرأته وهي حائض۔ص ۶۷، ابن ماجہ۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب:الحائض تتناول الشيء من المسجد۔ص ۴۶)

رزین کا نام مسعود بن مالک اسدی ہے، یہ ابووائل کے غلام تھے، تابعی ہیں، یہاں باب یہ ہے: مرد کا حائضہ کی گود میں سر رکھے قرآن پڑھنا۔ تعلیق کا باب سے کوئی علاقہ نہیں، البتہ حدیث سے ہے اور یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

۲۱۲- ح: مُضَاجَعَةُ الزَّوْجِ مَعَ الْحَائِضِ فِي لِحَافٍ وَّاحِدٍ

[شوہر کا حائضہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں لیٹنا]

۲۱۲ - عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ بَيْنَا اَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيْصَةٍ اِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حِيْضَتِيْ فَقَالَ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِيْ فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ.

ابوسلمہ نے روایت کی کہ زینب بنت اُم سلمہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں سوئی تھی کہ مجھے حیض آ گیا تو میں چپکے سے کھسک گئی اور میں نے حیض کے کپڑے لیے، حضور نے فرمایا: کیا تجھے حیض آ گیا، میں نے عرض کیا: جی! پھر بھی حضور نے مجھے بلایا اور میں حضور کے ساتھ اسی چادر میں لیٹ گئی۔

(ایضاً۔ج ۱۔کتاب الصیام۔باب:القبلة لصائم۔ص ۲۵۸، مسلم۔ج ۱۔کتاب الحیض۔باب:الاضطجاع مع الحائض في لحاف واحد۔ص ۱۴۲، نسائی۔ج ۱۔کتاب الطہارۃ۔باب:مضاجعة الحائض۔ص ۵۴، دارمی۔ج ۱۔کتاب الوضوء۔ص ۱۰۷)

بہ ظاہر ایسا شبہہ ہوتا ہے کہ ابوسلمہ اور اُم سلمہ میں جو اضافت ہے، وہ ایک ہی شخص کی طرف ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُم سلمہ ان کے صاحبزادے کی طرف نسبت کر کے ہے، جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ سے تھے۔ اور اس حدیث کے راوی ابوسلمہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔

حضرت زینب بنت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوسلمہ سے تھیں، پہلے ان کا نام برّہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھا۔ قبل ہجرت حبشہ یا مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی تھیں، ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا، یہ اپنے زمانے میں صف اوّل کی عابدہ فقیہہ تھیں، ان سے ایک مخلوق نے حدیث روایت کی، واقعۂ حرہ کے بعد انتقال فرمایا، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ کے ساتھ ایک چادر میں سونا، ناجائز نہیں بلکہ اس میں ادنیٰ کراہت بھی نہیں، البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک اتنا موٹا کپڑا حائل ہو کہ حائضہ کے بدن کی گرمی شوہر محسوس نہ کرے۔

۲۱۳- ح: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يُبَاشِرُنِيْ وَاَنَا حَائِضٌ

[حضرت عائشہ فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ مباشرت فرماتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

٢١٣ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَّكَانَ يَامُرُنِى فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِى وَاَنَا حَائِضٌ وَّكَانَ يُخْرِجُ رَاْسَهُ اِلَىَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهُ وَاَنَا حَائِضٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے‘ حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے‘ جب مجھے حیض آتا تو مجھے حکم دیتے‘ میں تہبند باندھ لیتی‘ اس کے بعد مجھ سے مباشرت فرماتے اور اعتکاف کی حالت میں اپنے سر اقدس کو میری طرف مسجد سے باہر کر دیتے‘ میں اسے دھودیتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب:مباشرة الحائض فوق الازار۔ص ۱۴۱‘ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:فی الرجل یصیب من المراة ما دون الجماع۔ص ۳۶‘ترمذی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:ما جاء فی مباشرة الحائض۔ص ۱۹‘نسائی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:مباشرة الحائض۔ص ۵۴‘ابن ماجہ۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔ باب:ما للرجل من امراته اذا كانت حائضًا۔ص ۴۶)

٢١٤ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا اِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَاشِرَهَا اَمَرَهَا اَنْ تَتَّزِرَ فِىْ فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا قَالَتْ وَاَيُّكُمْ يَمْلِكُ اِرْبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ اِرْبَهُ.

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مباشرت کرنے کا ارادہ فرماتے تو حیض کے جوش کی حالت میں اسے حکم دیتے کہ تہبند باندھ لے پھر اس سے مباشرت فرماتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: جتنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی حاجت پر قابو رکھتے تھے تم میں کون قابو رکھتا ہے۔

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب:مباشرة الحائض فوق الازار۔ص ۱۴۱‘ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:فی الرجل یصیب المراة ما دون الجماع۔ص ۳۵‘ترمذی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:مباشرة الحائض۔ص ۵۴‘نسائی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:مباشرة الحائض۔ص ۵۴‘ابن ماجہ۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب:ما للرجل من امراته اذا كان حائضا۔ص ۴۶)

٢١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّبَاشِرَ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَآئِهِ اَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِىَ حَائِضٌ.

عبداللہ بن شداد نے کہا: میں نے اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا‘ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنی ازواج میں سے کسی سے مباشرت کرنا چاہتے اور وہ حیض کی حالت میں ہوتیں تو انہیں حکم دیتے وہ تہبند باندھ لیتیں۔

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب:مباشرة الحائض فوق الازار۔ص ۱۴۱‘ابوداؤد۔ج ا۔کتاب النکاح۔باب:فی اتیان الحائض ومباشرتها۔ص ۲۹۴)

باب کا مقصد

ان احادیث پر باب کا عنوان یہ ہے: ”مباشرة الحائض“ حائضہ کے ساتھ مباشرت کا بیان۔ مباشرت کے معنی ہیں: ظاہر جسم کو دوسرے کے ظاہر جسم سے ملانا‘ چونکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ”فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ“ (البقرۃ:۲۲۲) حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو‘ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ نہ وہ تم کو ہاتھ لگائیں‘ جسم کو جسم سے ملانا تو دور ہے۔ امام بخاری اس باب سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”اعتزال“ الگ رہنے سے مراد یہ ہے کہ جماع نہ کرو‘ اس پر کثیر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

احادیث کی نص صریح شاہد ہے' جو معنا مشہور ہیں۔

مسائل

ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ جماع چھوڑ کر حیض کی حالت میں بھی عورت سے دوسرے قسم کے انتفاع جائز ہیں' چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کو چھوڑ کر پورے جسم سے انتفاع جائز ہے' اگرچہ عبیدہ اسلمانی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اس حالت میں عورت سے مطلقاً استمتاع جائز نہیں مگر وہ لوگ ''لا یعبابه'' کے درجے میں اقل قلیل ہیں۔

البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے کے اوپر تک سے استمتاع میں اختلاف ہے' امام اعظم' امام شافعی' امام ابو یوسف' امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے' البتہ امام محمد اور امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ اور جگہوں سے استمتاع جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یہودی جب ان کی عورتوں کو حیض آتا ہے تو نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں نہ ان کے ساتھ گھر میں رہتے ہیں' یہ کیسا ہے؟ تو آیت کریمہ نازل ہوئی: ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ'' (البقرة: ٢٢٢) حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو' ان کے قریب نہ جاؤ' یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔ اور فرمایا:

اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ: ہم بستری کے علاوہ سب کچھ کرو۔

(مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الحیض۔ باب: مباشرة الحائض فوق الازار۔ ص ۱۴۳' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: مواكلة الحائض ومجامعتها۔ ص ۳۴۔ ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب النکاح۔ باب: اتيان الحائض ومباشرتها۔) ص ۲۹۴

احناف اور جمہور کی دلیل یہ ہے جسے علامہ عینی نے ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''ما يحل للرجل من امراته وهي حائض'' جب عورت حائضہ ہو تو مرد کو کہاں تک حلال ہے؟ فرمایا: ''ما فوق الازار (وفي حديث معاذ) والتعفف عن ذالك اجمل'' ازار کے اوپر تک اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

نیز ابو یعلیٰ موصلی کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ہے' فرمایا:

له ما فوق الازار وليس ما تحته. ازار کے اوپر تک جائز ہے' نیچے نہیں۔

مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے:

يباشرهن فوق الازار وهن حيضٌ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں سے ازار کے اوپر اوپر تک مباشرت فرماتے' جب وہ حائضہ ہوتیں۔

مگر اس پر یہ ایراد ہے کہ ابوداؤد میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ ہے:

اذا كان عليها ازار الى انصاف الفخذين او الركبتين. جب ان پر آدھی رانوں یا آدھی پنڈلیوں تک ازار ہوتا۔

نیز علامہ عینی نے بحوالہ ابوداؤد' ابن ماجہ' حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث ذکر کی ہے' وہ فرماتی ہیں:

كانت احدانا في فورها اول ما تحيض تشد عليها ازارا الى انصاف الفخذين ثم تضطجع معه عليه السلام حیض کے شروع میں جب تیزی ہوتی تو ہم آدھی رانوں تک تہبند باندھ لیتیں اور حضور علیہ السلام کے ساتھ سوتیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابوداؤد کی پہلی روایت میں تردید تھی مگر اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صرف "انصاف الفخذين" ہے تو جب ازواجِ مطہرات نے خود اس ازار کی تحدید فرمادی کہ وہ آدھی رانوں تک ہوتا تھا تو محض احتمال سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوگیا' نیز فرمایا: "اجتنب شعار الدم" خون کی جگہ سے پرہیز کر۔ نیز ابوداؤد میں عکرمہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كان اذا اراد من الحائض شيئا القى على فرجها شيئا. (فتح الباری۔ج۱ص ۳۴۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حائضہ کے ساتھ کچھ کرنا چاہتے تو اس کی شرمگاہ پر کپڑا ڈال لیتے۔

ان سب سے یہ ثابت ہوا کہ شرمگاہ کے علاوہ بقیہ پورے جسم سے انتفاع جائز ہے' اس کے عموم میں "ما دون السرة الى الركبة" بھی داخل ہے' اسی بناء پر امام ابوجعفر طحاوی اور علامہ عینی نے حضرت امام محمد کے مذہب کو ترجیح دی۔

ان سب مباحث کے باوجود ایک خاص بات یہ ہے کہ "ما دون السرة الى الركبة" سے استمتاع میں احادیث سے دونوں باتیں ثابت ہوئی ہیں: حرمت اور حلت' ایسے موقع پر ترجیح حرمت کو ہی ہوتی ہے' اس لیے فقہاء کے اصول کے مطابق ترجیح قول امام ہی کو ہے' ان مباحث سے ہٹ کر جب ہم ارشادِ ربانی میں غور کرتے ہیں تو بھی قول امام ہی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے' وہ اس طرح کہ اعتزال اور عدم قربت کا حکم اپنے اطلاق کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ حائضہ سے بالکل اجتناب کیا جائے مگر "فوق السرة الى الركبة" سے انتفاع کے بارے میں احادیث متعارض ہیں' اس لیے ان سے انتفاع کی حرمت اصل حکم قرآنی کے مطابق باقی رہی' مگر پھر بات لوٹ کر وہیں جاتی ہے کہ فوق الازار سے کیا مراد ہے؟ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک یا صرف شعار دم یا زیادہ سے زیادہ انصاف الفخذین تک؟ یہ محل نظر ہے' مگر یہ بحث صرف بحث کی حد تک ہے' مفتیٰ بہ قول امام اعظم و جمہور ہے اور بناء وہی ہے کہ معاملہ حلت و حرمت میں دائر ہے تو ترجیح حرمت کو ہوگی۔

حالت حیض میں جماع کرنے پر احادیث میں تصدیق کا حکم آیا ہے۔ کسی حدیث میں ایک دینار ہے' کسی میں نصف دینار' کسی میں دینار کا دو خمس' مگر اس حدیث پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے' اس لیے اس سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا' فیصلہ یہ ہے کہ یہ مستحب ہے' اگر ابتداء حیض میں جماع کرے تو پورا دینار اور ختم کے قریب کے ایام میں کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونا ہوتا ہے۔

حائضہ کو چاہیے کہ ایام حیض کے لیے علیحدہ لباس رکھے۔

عورت کے قریب سونے پر جسے اندیشہ ہو کہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پائے گا' وہ عورت سے دور رہے۔

حدیث: ۲۱۴ "عن فور حيضتها" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مافوق الازار مباشرت بہر حال جائز ہے' ابتداء حیض ہو کہ انتہاء حیض' مگر اس کے بالمقابل ابن ماجہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "كان يتقى سورة الدم ثلثا ثم يباشرها بعد ذالك" تین دن خون کی تیزی کے وقت بچتے تھے' اس کے بعد مباشرت فرماتے تھے۔

اس حدیث حضرت میمونہ کا محمل حکم عام ہے اور اُم المومنین حضرت صدیقہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ حضور کے ساتھ خاص ہے۔ اخیر کا یہ جملہ: تم میں کون اپنی حالت پر اتنا قابو رکھتا ہے' جتنا حضور رکھتے تھے' اس کی طرف مشیر ہے' اس حدیث میں "ارب" کا لفظ ہے' یہ ہمزہ کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی عضو تناسل بھی ہے اور حاجت بھی' یہاں دونوں بن سکتے ہیں۔

حدیث: ۲۱۳ میں تصریح ہے کہ اُم المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں: حضور اپنا سر میری جانب بڑھا دیتے اور میں اسے دھوتی۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس سے پہلے حدیث: ۲۱۰ پر امام بخاری نے جو باب قائم کیا تھا' وہ یہ تھا: "غسل الحائض راس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

زوجھا" زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ حدیث اسی باب میں ذکر فرماتے، مگر وہاں صرف ترجیل والی حدیث ذکر فرمائی، جس سے یہ بحث اُٹھ کھڑی ہوئی کہ یہ حدیث باب کے مطابق ہے یا نہیں؟ غالباً امام بخاری کا مقصود اس فقہی نکتہ کی طرف اشارہ کرنا تھا، جو ہم نے حدیث ترجیل میں ذکر کیا ہے۔

٢١٦- ح: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ فَمَرَّ عَلَى النِّسَآءِ

٢١٦- عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ اِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّىْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِيْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا.

[رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں نکلے تو آپ کا عورتوں پر گزر ہوا]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے (نماز سے فارغ ہوکر) آپ کا عورتوں پر گزر ہوا تو فرمایا: اے عورتو! صدقہ کرو، اس لیے کہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنمی دیکھا ہے، اس پر عورتوں نے کہا: ایسا کیوں ہے؟ یارسول اللہ! فرمایا: تم بہت لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو، عقل اور دین میں ناقص ہوتے ہوئے ہوش مند مرد کی عقل کو لے جانے والا تم سے زیادہ کسی کو میں نے نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا: ہمارے دین اور ہماری عقل کی کمی کیا ہے؟ یارسول اللہ! فرمایا: کیا ایک عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ عورتوں نے عرض کیا: ہاں ہے، فرمایا: یہ عورت کی عقل کی کمی ہے، کیا جب اسے حیض آتا ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے، انہوں نے عرض کیا: ہاں! ایسا ہے، فرمایا: یہ عورت کے دین کی کمی ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: لا تقضی الحائض الصلوٰۃ قطعۃ منہ۔ ص ٤٦۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب: الزکوٰۃ علی الاقارب۔ ص ١٩٧۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الصوم۔ باب: الحائض تترک الصوم و الصلوٰۃ۔ ص ٢٦١، مسلم۔ ج ا۔ کتاب الایمان۔ باب: بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات۔ ص ٦٠، ابن ماجہ)

باب کا فائدہ

اس حدیث پر باب کا عنوان یہ ہے: "ترک الحائض الصوم" حائضہ کا روزہ چھوڑنا، حالانکہ حدیث میں نماز چھوڑنے کا بھی ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ روزے کے لیے طہارت شرط نہیں، اگر کوئی مرد یا عورت جنابت کی حالت میں روزہ رکھے، بلکہ دن بھر جنبی رہے جب بھی روزہ ہو جائے گا، اگرچہ وقت پر غسل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، پھر بھی حائضہ کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں، تو نماز پڑھنے کی بدرجہ اولیٰ اجازت نہ ہوگی، اس لیے کہ نماز کے لیے طہارت شرط ہے، جس کو یوں کہہ لیجیے کہ اگر حالت حیض میں نماز چھوڑنے کا کوئی خصوصی حکم نہ ہوتا تو بھی حائضہ کے لیے نماز کی اجازت نہ ہوتی، اس لیے کہ نماز کی ایک شرط یعنی طہارت مفقود تھی، لیکن روزے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے لیے اگر کوئی خصوصی حکم نہ ہوتا تو اس کی ممانعت معلوم نہ ہوتی' اس لیے امام بخاری نے ضروری جانا کہ اس کے لیے ایک مستقل باب قائم کر کے بتا دیں کہ حائضہ روزے بھی نہ رکھے گی' اس کی لم یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے جسم میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے' خشکی کی وجہ سے کما حقہ خون حیض خارج نہ ہو گا جو مضر ہے۔ اسی لیے ان ایام میں عورتوں کو ایسی چیزیں استعمال کرائی جاتی ہیں' جن سے اچھی طرح اِدْرَار ہو جائے' روزہ اس میں حارج ہو گا' لہٰذا روزہ رکھنا منع کر دیا گیا' اس مانع خفی سے قطع نظر روزے کی صحت کے دوسرے شرائط موجود تھے' اس لیے اس پر روزے کی قضاء ہے' مگر نماز کی نہیں کیونکہ نماز کی اہم شرط طہارت ان دنوں معدوم تھی' اس کو یوں کہہ لیجئے کہ نماز کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کا خطاب ان دنوں عورتوں سے نہ ہوا' اس لیے نمازوں کی قضاء واجب نہ ہوئی اور روزے کی اہلیت کی وجہ سے ان دنوں بھی روزے کا خطاب ان سے رہا' اس لیے ان دنوں کا روزہ ان کے ذمہ واجب ہوا' اگرچہ اسے اندیشہ ضرر کی وجہ سے ادائیگی مؤخر کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

لغات

''اضحی'' کے معنی آفتاب کے بلند ہونے کے ہیں' چونکہ قربانی کا وقت اسی سے شروع ہوتا ہے' اس ادنیٰ مناسبت سے قربانی کو اضحیٰ کہتے ہیں' اضحیہ اس بکری کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جائے' معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک بات پر متفق ہو' خواہ وہ سب مرد ہوں خواہ عورتیں یا مخلوط۔ لعن کے معنی ہیں: دھتکارنا' دور کرنا۔ یہاں یہ معنی ہیں: لعنت کرتی ہیں ''کفر'' کے معنی چھپانے کے ہیں' یہاں ناشکری مراد ہے' اس لیے کہ یہ احسان کے چھپانے کو مستلزم ہے۔ عقل اس جوہر لطیف کو کہتے ہیں جسے اللہ عزوجل نے دماغ میں پیدا فرمایا' جس سے بہ ذریعہ اسباب غائب چیزوں کا اور بہ ذریعہ حس محسوسات کو جانا جاتا ہے۔ ''وَبِمَ'' میں واو عاطفہ ہے' یہاں معطوف مقدر ہے' تقدیر عبارت یہ ہے: ''وما اذہبنا وبم'' باء حرف جر ہے' یہ بھی محذوف کے متعلق ہے' یعنی ''اِسْتِحْقَاقُنَا لِذَا بِمَ'' ما استفہامیہ ہے' جب ما استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو تو اس کے الف کا حذف واجب ہے' جیسے الامَ' علامَ' فیم وغیرہ۔

نقصان دین

یہاں دین کے نقصان سے فی نفسہ دین کا نقصان مراد نہیں بلکہ اضافی مراد ہے یعنی بہ نسبت مردوں کے کم ہے' جیسے ہر کامل میں بہ نسبت اکمل کے کچھ کمی رہتی ہے۔

مسائل

(۱) عیدین کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا مستحب ہے (۲) صدقہ ہمیشہ محمود ہے اگرچہ نافلہ ہو' خصوصاً عیدین کو جبکہ مجمع عام میں یتیم' نادار' مال داروں کے عمدہ عمدہ لباس اور تنعم کو دیکھ کر حسرت زدہ ہوں' صدقہ دینے سے ان کا احساس کم ہو گا (۳) اس عہد میں عورتوں کو عیدین کے لیے نکلنا جائز تھا' اب فتنہ و فساد کے اندیشہ سے منع ہے' اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ لیتے جو عورتوں نے نکال لیا تو انہیں مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے' جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الاذان۔ باب: خروج النساء الی المسجد باللیل و الغلس۔ ص ۲۰' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ۔ ص ۱۸۳' ترمذی۔ ج ۱۔ کتاب العیدین۔ باب: خروج النساء فی العیدین۔ ص ۷۱' مؤطا امام مالک۔ کتاب القبلہ۔ باب: ما جاء فی خروج النساء الی المساجد۔ ص ۷۵)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۔ یہ عہد رسالت کے بالکل قریب کی بات ہے اور آج کیا حال ہے، کسے معلوم نہیں؛ اس لیے عورتوں کو عیدگاہ تو بہت دور ہے، محلے کی مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں (۴) وعظ میں اتنی سختی ہونی چاہیے کہ اصلاح ہو جائے (۵) بہتر یہ ہے کہ وعظ میں کسی شخص معین سے خطاب نہ کیا جائے، خطاب عام ہو (۶) گالی گلوچ، لعن طعن حرام ہے (۷) کسی دینی ضرورت یا کسی محتاج فقیر کے لیے سوال کرنا بلا کراہت درست ہے (۸) ایسے گناہوں پر جو کفر نہیں، کفر کا تغلیظاً اطلاق درست ہے (۹) اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اور متعلم واعظ اور استاذ سے پوچھ سکتا ہے (۱۰) حیض کی حالت میں نہ نماز درست ہے نہ روزہ۔

فائدہ

جو عورتیں نماز اور روزے کی پابند ہیں، اللہ عزوجل کے فضل سے یہی اُمید ہے کہ ایامِ حیض میں چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزے کے ثواب سے انہیں محروم نہیں فرمائے گا۔

ت ٦٤ - قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ اَنْ تَقْرَأَ الْاٰيَةَ.

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ حائضہ ایک آیت پڑھے۔ (دارمی)

ت ٦٥ - وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا.

اور حضرت ابن عباس جنبی کے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ (ابن منذر، ابن ابی شیبہ)

ت ٦٦ - وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ.

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ عزوجل کا ذکر فرماتے تھے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ذكر الله تعالى فى حال الجنابة وغيرها۔ ص ۱۶۲)

باب سے مناسبت

یہاں باب کا عنوان ہے:

"تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف" حائضہ طواف کے سوا حج کے تمام مناسک ادا کرے گی۔

اس کے تحت چھ تعلیقات ذکر کی ہیں، ان میں سے صرف ایک تعلیق باب کے مطابق ہے، جس میں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ کو حیض آ گیا، پھر بھی انہوں نے طواف بیت اللہ کے علاوہ تمام مناسک ادا کیے، البتہ نماز نہیں پڑھتی تھیں۔ بقیہ تعلیقات کی باب سے جو مناسبت ہو سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتی ہے کہ حیض اور جنابت کی حالت میں ذکر تسبیح، حتیٰ کہ ایک آیت تک کی تلاوت کی اجازت ان تعلیقات سے نکلتی ہے تو مناسک حج بھی درست، اس لیے کہ ان میں بھی یہی ذکر تسبیح و تہلیل اور دعا ہوتی ہے اس لیے مناسک حج کی بھی ادائیگی جائز، البتہ طواف نہیں کر سکتی، اس لیے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد حرام بلکہ کسی بھی مسجد میں حائضہ کو جانا جائز نہیں، مگر اس قیاس میں یہ خلل ہے کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے، جن اذکار یا ایک آیت تک کی تلاوت کا ذکر ان تعلیقات میں ہے، وہ سب نوافل ہیں اور حج فرض ہے، اس لیے اسے نوافل پر قیاس کرنا درست نہیں، مگر امام بخاری جو افادہ فرمانا چاہتے ہیں، اس کے لیے یہی مناسبت کافی ہے۔ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود ان آثار کے ذکر سے یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن مجید کی تلاوت کرنی جائز ہے۔

تلاوت قرآن کا مسئلہ

اس سلسلے میں مذاہب تین ہیں، ایک یہ کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن مجید کی تلاوت مطلقاً جائز ہے، یہ امام بخاری اور ایک قول کی بناء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پر حضرت امام مالک کا مذہب ہے' امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ حائضہ کو قرآن مجید کی تلاوت کی اجازت ہے' جنبی کو نہیں۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے' مگر احناف اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ حائضہ کو قرآن مجید کی تلاوت کی اجازت ہے نہ جنبی کو۔ شوافع کا مختار یہی قول ہے۔

امام بخاری کو چونکہ اس سلسلے میں کوئی حدیث اپنے معیار کے مطابق نہیں ملی' اس لیے انہوں نے جواز کا قول کیا' مگر اس سلسلے میں ایک نہیں' متعدد احادیث وارد ہیں' جن میں ہر ایک کی سند پر کچھ نہ کچھ کلام کیا گیا ہے' مگر وہ ایک دوسرے سے قوت پا کر درجۂ حسن تک پہنچ چکی ہیں اور حدیث حسن احکام میں بھی بالاتفاق حجت ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار بیت الخلاء سے باہر آئے اور وضو کیے بغیر تلاوت کرنے لگے' یہ لوگوں کو ناگوار ہوا کہ بلاوضو قرآن مجید پڑھ رہے ہیں' اس پر حضرت علی نے فرمایا:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجيء من الخلاء فيقرء بنا القران وياكل معنا اللحم ولا يعجزه عن القران شيء ليس الجنابة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ قرآن پڑھتے' گوشت کھاتے' جنابت کے سوا حضور کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما فی الجنب یقرء القرآن۔ ص ۳۰' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: حجب الجنب من قرءة القران۔ ص ۵۲' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی قرءة القران علی غیر طهارة۔ ص ۴۴' طحاوی۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوء وقراء تهم القران۔ ص ۴۴' مسند امام احمد)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا' ابن حبان نے اس کی تصحیح کی' اس کے ایک راوی عبد اللہ بن سلمہ پر کلام کیا گیا ہے' مگر اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ امام حاکم نے کہا: یہ غیر مطعون ہے' عجلی نے کہا: تابعی ثقہ ہے' ابن عدی نے کہا: میں اُمید کرتا ہوں کہ لاباس بہ ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يقرء الحائض ولا الجنب شيئا من القران.

جنبی اور حائضہ کچھ قرآن نہ پڑھے۔

(ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء ان الجنب والحائض لا یقران القران۔ ص ۱۹' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی قراءة القران علی غیر طهارة۔ ص ۴۴)

اس کے ایک راوی اسمٰعیل بن عیاش ضعیف ہیں۔

(۳) اس حدیث کے ہم معنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی دار قطنی نے اور ابن عدی نے کامل میں روایت کی ہے' اس کے بھی ایک راوی محمد بن فضل ضعیف ہیں' مگر یہ دو طریقوں سے مروی ہے' اس لیے حسن ہو گئی۔ مجوزین کا اصل تمسک اباحت اصلیہ ہے' ویسے کچھ حضرات نے تعلیق: ۶۷ سے استدلال کیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے اور ہر حالت کا عموم حالت جنابت کو بھی شامل ہے' اور قرآن مجید کی تلاوت بلاشبہہ ذکر ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○" (الحجر: ۹) حدیث میں ہے: "هو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم" بلکہ ایک جگہ فرمایا: "خير الاذكار القران" تو ثابت ہوا کہ حالت جنابت میں تلاوت بھی کرتے ہوں گے۔

یہ استدلال جیسا ہے' ظاہر ہے' ظاہر ہے علی کل احیانہ اپنے عموم کلی پر نہیں۔ کھانے' پینے' سونے' حوائج ضروریہ اس سے مستثنیٰ ہیں'

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور جب یہ عموم کلی پر نہیں تو اس میں حالت جنابت کا شمول یقینی نہیں۔ اسی طرح ذکر کا جب حصر تلاوت ہی میں نہیں تو اس کا ثبوت محتمل اور جب دوسرے احتمالات موجود تو استدلال فاسد۔ خصوصاً جبکہ اس کے بالمقابل احادیث حسنہ موجود ہیں' جن سے حالت جنابت اور حیض میں تلاوت کی تخصیص کی گئی ہے۔

اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہر حالت میں اس حالت کے مناسب ذکر فرماتے رہتے تھے' مثلاً کھانے سے پہلے اس کے مناسب' سونے سے پہلے اس کے مناسب' کپڑا پہننے سے پہلے اس کے مناسب' سفر میں جاتے وقت اس کے مناسب' سفر سے واپسی کے وقت اس کے مناسب' سواری پر بیٹھنے کے وقت اس کے مناسب' وغیرہ وغیرہ۔

ہوسکتا ہے ان اذکار میں کہیں کہیں قرآن مجید کی کوئی آیت یا آیت کا جز آ جاتا رہا ہو تو اس سے ہمیں بھی انکار نہیں کہ کسی آیت کا جز یا پوری آیت بہ نیت دعا حائضہ اور جنبی بھی پڑھ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے پانچ قول منقول ہیں' اوّل: چار شخص قرآن نہ پڑھیں: جنب' حائض' بیت الخلاء اور حمام میں جانے والا۔ دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ آیت کا ابتدائی حصہ پڑھ سکتے ہیں' پوری آیت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جنب کو قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ایک سے کم پڑھ سکتے ہیں' پوری آیت نہیں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جنب قرآن نہ پڑھے' حائضہ پڑھ سکتی ہے۔

تعلیق: ٦٥' حضرت ابن عباس سے دو طرح مروی ہے' ابن منذر کے الفاظ یہ ہیں:

ان ابن عباس یقرء ورده وهو جنب. ابن عباس اپنا وظیفہ حالت جنابت میں بھی پڑھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت کیا:

عن ابن عباس انه کان لا یری باسا ان یقرء الجنب 'اية او 'ايتين. ابن عباس اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ جنب ایک یا دو آیتیں پڑھے۔

ابن منذر کے الفاظ سے ثبوت مدعا یوں ہوگا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سید المفسرین ہیں' تو ان کے وظیفے میں تلاوت ضرور شامل رہی ہوگی' اور جب جنابت کی حالت میں وظیفہ پڑھتے تھے تو ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید بھی ضرور پڑھتے ہوں گے' لیکن اس پر عرض یہ ہے کہ عرف میں ورد کا اطلاق تلاوت پر نہیں ہوتا' ورد سے تلاوت کے علاوہ دوسرے اذکار و ادعیہ مراد ہوتے ہیں' اور اس قسم کے کلام میں معنی عرفی ہی مراد لینا ضروری ہے' رہ گیا ابن ابی شیبہ والا اثر' تو ٹھیک ہے اس سے بہ ظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہی تھا کہ ایک دو آیت کی تلاوت جائز ہے' مگر اس کا بھی امکان ہے کہ مراد یہ ہو کہ بہ طور دعا ایک یا دو آیتیں پڑھنے میں حرج نہ ہو' اس میں ہمارے مذہب سے کوئی تخالف نہیں۔

اور اگر کسی کو ضد ہو کہ مطلقاً جواز ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ گزارش کروں گا کہ ایک صحابی کے فعل کے مقابلے میں احادیث حسنہ بہرحال ہر طرح لائق ترجیح ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے استدلال فرمایا' وہ فرماتی ہیں:

ہم حیض والیوں کو بھی حکم ہوتا کہ عیدگاہ میں چلیں' مسلمانوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں اور دعا مانگیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب صلوۃ العیدین۔ باب: فضل العمل فی ایام التشریق۔ ص ۱۳۲)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ حائضہ تکبیر پڑھ سکتی ہے' دعا مانگ سکتی ہے' اگرچہ وہ دعا کلمات قرآن سے ہو' مثلاً "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة الآیة" وغیرہ۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ عید کے بعد بھی دعا مسنون ہے' جس کی پوری بحث کتاب العیدین میں آ رہی ہے' اس سے ثابت ہوا کہ عیدگاہ میں حائضہ جا سکتی ہے' اور جو بعض روایتوں میں ''یعتزلن المصلی'' آیا ہے' اس سے مراد خاص وہ جگہ ہے جہاں نماز ہوتی ہے' یعنی نمازیوں کے قریب نہ رہیں۔

پھر امام بخاری نے حدیث ہرقل کو پیش کیا' اگر جنبی اور محدث کو قرآن مجید چھونا اور پڑھنا جائز نہ ہوتا' تو حضور اقدس ﷺ نے ہرقل کو جو والا نامہ بھیجا تھا' اس میں آیت کریمہ ''یاھل الکتاب تعالوا'' تحریر نہ فرماتے' اس لیے کہ والا نامہ اسی لیے بھیجا تھا کہ ہرقل اسے ہاتھ میں لے اور پڑھے' ظاہر ہے کہ ہرقل کافر تھا' نہ وضو جانتا تھا نہ غسل۔ اس کا جواب یہ ہے کہ......

اولاً: ہرقل اہل کتاب میں سے تھا' دعوتِ اسلام پہنچنے سے پہلے اسے کافر کہنا درست نہیں' اور اہل کتاب اپنے مذہب کے مطابق وضو اور غسل بھی کرتے تھے۔ وہی ان کے حدث اور جنابت دور ہونے کے لیے کافی تھا۔

ثانیاً: جب حضور اقدس ﷺ نے والا نامے میں وہ دو آیتیں اپنے مضمون کے درمیان لکھیں تو وہ سب خط کا مضمون ہو گئیں' انہیں پڑھنا خط پڑھنا ہے قرآن مجید کی تلاوت کرنا نہیں' بالکل اسی طرح جیسے قرآنی دعاؤں کو بہ نیت دعا پڑھنا تلاوت نہیں' جنبی کو بھی پڑھنا پڑھانا جائز' ویسے ہی یہاں بھی ہے' پھر حضرت عطاء کا یہ قول پیش فرمایا کہ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عمرے کے احرام میں حیض آ گیا تو انہوں نے طواف کے علاوہ تمام مناسک حج ادا فرمائے' دعائیں بھی پڑھیں' اس استدلال پر کلام گزر چکا۔

سب سے اخیر میں امام بخاری نے حضرت حکم کا یہ قول نقل فرمایا:

ت ٦٧ - اِنِّیْ لَاَذْبَحُ وَاَنَا جُنُبٌ وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

میں حالت جنابت میں ذبح کرتا ہوں' اللہ عزوجل نے فرمایا: جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے' مت کھاؤ۔

(بغوی فی الہدیات)

مقصد یہ ہے کہ جب یہ ارشادِ خداوندی ہے تو میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں' یعنی بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھتا ہوں اور یہ دونوں قرآن مجید کے اجزاء ہیں۔

لیکن بتایا جا چکا ہے کہ قرآن مجید بہ نیت دعا پڑھنا جائز اور ذبح کے وقت بسم اللہ' اللہ اکبر بہ نیت دعا ہی پڑھا جاتا ہے۔ ثانیاً: یہاں بحث اس میں ہے کہ قرآن کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بحث نہیں کہ قرآن مجید میں جتنے الفاظ آئے ہیں' انہیں کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا' مثلاً ''قال' جاء' ذھب'' وغیرہ اور ظاہر ہے کہ جیسے صرف ''قال' جاء' ذھب'' کو ہم اپنے روزمرہ کے کلام میں بولیں تو یہ قرآن نہیں' اسی طرح اگر کوئی صرف اللہ اکبر' بسم اللہ عادت کے مطابق یا دعا کی نیت سے پڑھے تو اسے تلاوتِ قرآن نہیں کہتے' ویسے ہی ذبح کے وقت بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھنا بھی ہے۔

٢١٧- ح: غَسْلُ الدَّمِ [خون کو دھونا]

٢١٧- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا تَحِيْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلٰى سَائِرِهٖ ثُمَّ تُصَلِّيْ فِيْهِ. (ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی دم الحیض یصیب الثوب۔ ص ٤٦)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم میں سے کسی کو جب حیض آتا تو پاکی کے وقت خون کی چٹکیوں سے کھرچ ڈالتی اس کے بعد اسے دھوتی اور اس کے پورے پر پانی بہاتی اس کے بعد اس کپڑے میں نماز پڑھتی۔

مراد یہ ہے کہ کپڑے پر جہاں خون لگا ہوتا' اس جگہ کو چٹکی سے کھرچ کر خون دور کرتیں' پھر اتنی جگہ خوب اچھی طرح دھوتیں اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بقیہ کپڑے کو بھی دھوتیں مگر اس مبالغے کے ساتھ نہیں جس مبالغے سے خون آلود جگہ کو دھوتیں۔ ''نضح'' غسل کے معنی میں آتا ہے' وہ گزر چکا۔

۲۱۸- ح: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَعْتَكِفُ

[مستحاضہ اعتکاف کر سکتی ہے]

۲۱۸ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ وَزَعَمَ اَنَّ عَائِشَةَ رَاَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ فَقَالَتْ كَاَنَّ هٰذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ایک عورت (زوجہ) نے اعتکاف کیا' اس حالت میں کہ انہیں استحاضہ تھا' خون دیکھتی تھیں' کبھی خون کی وجہ سے اپنے نیچے طشت رکھتی تھیں۔ اور اس (عکرمہ) نے گمان کیا کہ حضرت عائشہ نے کُسُم کے پھول کا پانی دیکھا تو کہا: یہ ایسا ہے جیسا فلاں کا پانی تھا۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب الحیض۔ باب: اعتکاف المستحاضة۔ ص ۴۵' ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الصوم۔ باب: اعتکاف المستحاضة۔ ص ۲۷۳' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الصوم۔ باب: المستحاضة تعتکف۔ ص ۳۳۵' ابن ماجہ۔ ج ۱۔ کتاب الصیام۔ باب: المستحاضة تعتکف۔ ص ۱۲۸)

تکمیل

اس حدیث کے بعد ہی ہے کہ یہ خون اور زرد رنگ کا پانی دیکھتیں' نماز پڑھتیں تو طشت ان کے نیچے رکھا رہتا۔

لغات

''عصفر'' کُسُم کے پھول کو کہتے ہیں' جو پیلے رنگ کا ہوتا ہے' یہ کون صاحبہ تھیں' اس میں تین قول ہیں: حضرت سودہ' حضرت اُم حبیبہ' حضرت زینب بنت جحش۔ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں میں کوئی نہیں تھیں بلکہ حضرت اُم سلمہ تھیں' جیسا کہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عکرمہ ہی سے مروی ہے کہ اُم سلمہ اعتکاف میں تھیں اور انہیں استحاضہ تھا' کبھی اپنے نیچے طشت رکھ لیتی تھیں۔

''وزعم'' کی ضمیر فاعل مستتر ''ھو'' کا مرجع عکرمہ ہیں اور اس کا عطف معنی عنعنہ پر ہے' تقدیر عبارت یہ ہوگی: ''حدثنی عکرمه هکذا وزعم'' اب یہ سند متصل ہوگئی۔ مراد یہ ہے کہ اُم المؤمنین نے اس پانی کو دیکھا جس میں کسم کا پھول بھگویا ہوا تھا تو یہ فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ انہیں پیلے رنگ کی رطوبت آتی تھی' جیسا کہ دوسرے طرق میں تصریح ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مستحاضہ مسجد میں بھی جا سکتی ہے اور اعتکاف بھی کر سکتی ہے اور نماز بھی پڑھے گی' اگرچہ خون اتنا زیادہ آتا ہو کہ رُکتا نہ ہو' جس کی تفصیل گزر چکی۔

۲۱۹- ح: اِزَالَةُ الدَّمِ مِنَ الرِّيقِ

[خون کو تھوک سے زائل کرنا]

۲۱۹ - عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ فَاِذَا اَصَابَهُ شَيْءٌ مِّنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا.

مجاہد نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے پاس ایک کپڑے سے زائد نہیں تھا جس میں اسے حیض آتا' جب کپڑے کو کچھ خون لگ جاتا تو اس کو اپنے تھوک سے تر کر دیتی' اس کے بعد ناخن سے کھرچ دیتی۔

(ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المرأة تغتسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها۔ ص ۵۲)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام مجاہد

امام مجاہد بن جبر' عبداللہ بن سائب مخزومی کے غلام تھے' مکہ معظمہ کے مشہور ومعروف ائمہ تابعین واجلہ فقہاء وقراء میں سے ہیں' ان کی کنیت ابوحجاج ہے۔ یہ اس پائے کے بزرگ تھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی رکاب پکڑ کر یہ فرمایا: کاش کہ میرا بیٹا سالم اور میرا غلام نافع تمہاری طرح یاد رکھتے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اخص تلامذہ میں سے ہیں' تیس مرتبہ ان کو قرآن مجید سنایا اور دو بار ہر ہر آیت کو سبقا سبقا مع تفسیر پڑھا ہے' اسی سال کی عمر میں اس حالت میں واصل بحق ہوئے کہ ان کا سر سجدے میں تھا۔

(بدایہ نہایہ۔ ج۹ ص ۲۲۴)

باب کا فائدہ

اس باب سے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ حائضہ کا پسینہ پاک ہے' حیض سے ظاہر جسم ناپاک نہیں ہوتا' یہ نجاست حکمی ہے۔ نیز یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا اور اب بھی ہے کہ عورتیں ایامِ حیض میں جو کپڑا پہنے ہوتی ہیں' پاک ہونے کے بعد اسے اتار دیتی ہیں' دھوئے بغیر نہیں پہنتیں' اسے دوبارہ پہننا بہت معیوب سمجھتی ہیں۔

تطبیق

ابھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری' انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے حیض آیا تو میں نے حیض کے کپڑے لیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ازواجِ مطہرات کے پاس ایک سے زائد کپڑے تھے' عام دنوں میں پہننے کے لیے الگ اور ایامِ حیض کے لیے الگ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین جو فرما رہی ہیں' یہ ابتداء کی بات ہے اور حضرت اُم سلمہ جو فرما رہی ہیں' وہ بعد کی بات ہے۔ جب فتوحات ہوئیں اور وسعت ہوئی' اس وقت کا قصہ ہے' نیز ان کے الفاظ میں ''اخذت ثیاب حیضتی'' ہے' اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد لباس نہ ہو' وہ مخصوص کپڑا جو ایامِ حیض میں خاص کر عورتیں استعمال کرتی ہیں' مثلاً کرسف وغیرہ۔

مسائل

اس حدیث کے اس طریقے میں خون کی مقدار نہیں مگر ابوداؤد میں بہ طریق عطاء جو روایت ہے' اس میں تصریح ہے کہ خون کا ایک قطرہ دیکھتیں تو ایسا کرتیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''ثم تری فیہ قطرۃ من دم'' اور اگر بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی ظاہر ہے کہ مراد یہی ہے کہ اگر تھوڑا خون ہوتا تو ایسا کرتی تھیں' اس لیے کہ اوپر گزر چکا کہ اگر کپڑے میں حیض کا خون لگا ہو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا: اسے کسی چیز سے رگڑ کر دور کرو' پھر پانی ڈال کر چٹکی سے ملو' پھر پانی سے دھوؤ۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کے بعد صرف تھوک سے بھگونا ناخن سے کھرچنا کافی نہ ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسے ''دم قلیل'' پر محمول کریں۔ اب اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ قلیل نجاست معاف ہے' اور اگر کسی صاحب کو یہ اصرار ہو کہ نہیں یہ خون قلیل نہیں ہوتا تھا یا قلیل معاف نہیں' تو پھر انہیں ماننا ہوگا کہ تھوک مزیل نجاست ہے' اس تقدیر پر یہ ثابت ہو جائے گا کہ پانی کے علاوہ ہر بہنے والی رقیق چیز سے نجاست دور کی جا سکتی ہے۔ نجاستِ حقیقیہ کا ازالہ پانی کے ساتھ خاص نہیں' یہ بہ اعتبار ظاہر کے کلام تھا۔

بہ نظر دقیق یہ نجاست قلیل تھی جو معاف ہے مگر تھوڑی نجاست کا بھی ازالہ مستحب ہے' اس لیے حضرات اُمہات المؤمنین اسے دور کرتی تھیں۔ قلیل ہونے کی وجہ سے تھوک سے بھی بالکلیہ ازالہ ہو جاتا تھا اور یہ اپنی جگہ محقق ہے کہ ہر رقیق سائل سے نجاست حقیقیہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کا ازالہ صحیح ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے اس خون کا تھوک ہی سے ازالہ ہو جاتا تھا' اسی لیے اس پر اکتفاء کرتی تھیں۔

٢٢٠- ح: اِسْتِعْمَالُ الطِّيْبِ لِلْحَائِضَةِ اِذَا اغْتَسَلَتْ

[غسل کے وقت حائضہ کا خوشبو استعمال کرنا]

٢٢٠ - عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰى اَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَّصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَّقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ اِذَا اغْتَسَلَتْ اِحْدَانَا مِنْ مَّحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ اَظْفَارٍ وَّكُنَّا نُنْهٰى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے ہمیں منع کیا جاتا تھا' البتہ شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ کی اجازت تھی اور ہم نہ سرمہ لگا سکتی تھیں اور نہ کوئی خوشبو اور نہ عصب کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا پہن سکتی تھیں اور حیض سے پاکی کے بعد غسل کے وقت ہمیں کست اظفار کے استعمال کی اجازت تھی اور ہمیں (عورتوں کو) جنازے سے روکا جاتا تھا۔ اس حدیث کو ہشام بن حسان نے حفصہ سے' انہوں نے اُم عطیہ سے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

(بخاری۔ ج ٢۔ کتاب الطلاق۔ باب: القسط للحادة۔ باب: تلبس الحادة ثياب العصب۔ ص ٨٠٤' مسلم۔ ج ١۔ کتاب الطلاق۔ باب: وجوب الاحداد في عدة الوفاة۔ ص ٤٨٨' ابوداؤد۔ ج ١۔ کتاب الطلاق۔ باب: فيما تجتنب المعتدة في عدتها۔ ص ٣١٥' نسائی۔ ج ٢۔ کتاب الطلاق۔ باب: ما تجتنب الحادة من الثياب المصبغة۔ ص ١١٧' ابن ماجہ۔ ج ٢۔ کتاب الطلاق۔ باب: هل تحد المراة على غير زوجها۔ ص ١٥٢)

''ثوب عصب''، ''عَصْب'' یہ بہ معنی دھاری دار چادروں کی ایک مخصوص قسم ہے' جس کے سوت کو پہلے رنگتے ہیں' پھر بُنتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سوت کو جگہ جگہ باندھ کر رنگتے تھے' پھر بُنتے تھے۔ اس سے چادر میں کہیں کہیں رنگین چتیاں پڑ جاتی تھیں۔ بعض نے کہا کہ ہلکے کالے رنگ کی یمنی چادر ہوتی تھی' یہاں یہی تیسرا معنی مناسب ہے' اس لیے کہ دھاری دار یمنی چادریں اعلیٰ لباس میں شمار ہوتی تھیں' اسے رؤسا اور سلاطین استعمال کرتے تھے۔ (عینی)

''کست اظفار'' کتاب الطلاق میں ''کست ظفار'' ہے' مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ''قسط و اظفار'' ہے' ''کست'' کو بڑے قاف کے ساتھ قسط بھی کہتے ہیں' امام بخاری نے کتاب الطلاق میں لکھا: ''يقال الكست والقسط والكافور والقافور'' کست یا قسط کو ہندی میں کُٹ کہتے ہیں' غالباً یہ کُٹ ہی کا معرب ہے۔

یہاں اظفار ہے' کتاب الطلاق میں ظفار ہے' ابن تین نے کہا: یہی صحیح ہے' ظفار یمن کا ایک ساحلی شہر ہے جہاں ہندوستان سے قسط جاتی تھی اور وہیں سے حجاز وغیرہ میں سپلائی ہوتی تھی' ظفار قطام کی طرح مبنی علی الکسر ہے' مسلم وغیرہ میں قسط و اظفار واؤ کے ساتھ ہے یہ روایت احسن ہے' اس لیے کہ قسط ایک الگ چیز ہے اور اظفار ایک الگ چیز۔ اظفار ایک خوشبودار لکڑی ہے جو غلاف دار اور ناخن کے مشابہ ہوتی ہے' جس کی دھونی سے کپڑے بساتے تھے' اس کو اظفار الطیب بھی کہتے ہیں۔

احسن ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قسط میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی' اور امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے: حیض سے غسل کے وقت عورت کا خوشبو استعمال کرنا۔

حدیث کی باب سے مطابقت اسی وقت ہوگی جبکہ اظفار کو خوشبو مانیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مسائل

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ عورت پر شوہر کا سوگ واجب ہے' خواہ وہ مدخولہ ہو خواہ نہ ہو' خواہ چھوٹی ہو' خواہ بڑی ہو' آزاد ہو یا باندی' البتہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھوٹی بچی پر سوگ نہیں۔ پوری تفصیل کتاب الطلاق میں آئے گی (۲) زیب و زینت کی ہر چیز سے سوگوار عورت بچے (۳) حیض سے پاکی کے بعد مستحب ہے کہ عورتیں اندام نہانی میں کوئی مناسب خوشبو استعمال کر لیں' حتیٰ کہ سوگوار عورت کو بھی اجازت ہے (۴) عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانا منع ہے۔

اخیر میں امام بخاری نے فرمایا: "ورواه هشام بن حسان" اس کے دو فائدے ہیں' ایک تو یہ کہ اس دوسری سند سے جو روایت ہے اس میں "عن النبی صلی الله علیه وسلم" کی تصریح ہے' اب اس کا مرفوع ہونا قطعی ہو گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بعض نسخوں میں پہلی سند میں تشکیک ہے' یعنی "عن ایوب عن حفصة وقال ابو عبد اللّٰه او هشام بن حسان عن حفصة" یہاں بلا تشکیک کے "هشام بن حسان عن حفصة" ہے' اور یہی صحیح ہے' بقیہ تمام محدثین نے بغیر تشکیک کے روایت کی ہے' بلکہ خود امام بخاری نے کتاب الطلاق میں سند ثانی کو بلا تشکیک ذکر کیا ہے' صحیح یہ ہے کہ اتنا ٹکڑا تعلیق ہے' حماد کا قول نہیں۔

۲۲۱- ح: اِسْتِعْمَالُ الْمِسْكِ لِلْحَائِضِ اِذَا اغْتَسَلَتْ

[غسل کے وقت حائضہ کا کستوری استعمال کرنا]

۲۲۱ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ امْرَاَةً سَاَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَاَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ قَالَ خُذِي فِرْصَةً مِّنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ قَالَ تَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِيْ فَاجْتَبَذْتُهَا اِلَيَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِيْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض سے غسل کے بارے میں پوچھا' حضور نے اسے بتایا کہ کیسے غسل کرے' فرمایا: مشک لگے ہوئے پھائے کو لے اور اس سے پاکی حاصل کر' اس نے عرض کیا: اس سے کیسے پاکی حاصل کروں؟ فرمایا: اس سے پاکی حاصل کر' اس نے عرض کیا: کیسے؟ فرمایا: سبحان اللہ! پاکی حاصل کر' اس پر میں نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور بتایا کہ اسے خون کی جگہ لگا دے۔

(اس کے بعد متصلا۔ باب: غسل المحيض۔ ص ۴۵۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب الاعتصام۔ باب: الاحكام التي تعرف بالدلائل۔ ص ۱۰۹۳' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: استحباب المغتسلة من الحيض فرصة من مسك موضع الدم۔ ص ۱۵۰' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: الاغتسال من الحيض۔ ص ۴۴' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ذكر العمل في الغسل من الحيض۔ ص ۴۹' ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب الغسل۔ باب: العمل في الغسل من الحيض۔ ص ۷۲' ابن ماجہ۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: في الحائض كيف تغتسل۔ ص ۴۷' دارمی۔ کتاب الوضوء مسند امام احمد)

تکمیل

ایک انصاری خاتون جن کا نام اسماء بنت شکل تھا' خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور یہ سوال کیا کہ حیض سے غسل کا کیا طریقہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پانی اور بیری کی پتیاں لے کر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو' پھر اپنے سر پر ڈالو اور سر خوب اچھی طرح ملو' تاکہ پانی سر کی جڑ میں پہنچ جائے' پھر سر پر پانی ڈالو' اس کے بعد مشک آلود پھایا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو۔ اسماء نے کہا: کیسے پاکی حاصل کروں؟ تین بار یہی تکرار ہوئی' تیسری بار فرمایا: سبحان اللہ! پاکی حاصل کر' حضور نے منہ پھیر لیا اور چھپا لیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سفیان بن عیینہ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا اس طرح۔ حضرت اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں حضور کے مقصد کو سمجھ گئی، میں نے اسے اپنی طرف کھینچ کے اسے بتایا، اس کے بعد بخاری میں جو روایت ہے اس میں یہ ہے: ''توضئی بھا'' یہاں ''توضئی'' لغوی معنی میں ہے یعنی اسے پھاہے سے دھو۔ مسلم میں ان بی بی کا نام اسماء بنت شکل آیا ہے، مگر خطیب نے اسماء بنت یزید بن السکن روایت کیا ہے، یہ وہی بی بی ہیں جو خطیبۃ النساء کے ساتھ مشہور ہیں۔ بعض متاخرین نے اسی کو صحیح کہا، اس لیے کہ شکل نام کے کوئی انصاری صحابی نہیں مگر زیادہ مستند روایات یہی آئی ہیں کہ یہ اسماء بنت شکل ہیں۔

باب سے مطابقت

یہاں باب یہ ہے: ''دلك المراة نفسها اذا تطهرت من المحيض'' عورت کا اپنے جسم کو ملنا جب وہ حیض سے پاکی حاصل کرے۔ امام بخاری نے حدیث کا جو ٹکڑا نقل فرمایا ہے اس سے باب کی مطابقت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل ظاہر ہے، ہاں! مسلم کی روایت سے ثابت ہوتی ہے، جس پر ہم بار بار کلام کر آئے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مشک یا کوئی بھی خوشبو استعمال کرنے کی حکمت خون کی وجہ سے جو بدبو اور گھناؤنا پن پیدا ہو گیا تھا، اس کا ازالہ مقصود ہے، خون کے آنے سے جلد میں سکڑن پیدا ہو جاتی ہے۔ مشک یا اس قسم کی چیزوں کے استعمال سے یہ سکڑن ختم ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مشک یا کسی بھی خوشبو کا استعمال غسل سے پہلے کرے گی، مگر یہ حدیث کے سیاق کے خلاف ہے۔ مسلم میں ''ثم'' موجود ہے جو تعقیب بلکہ تراخی پر دلالت کرتا ہے، بعض شارحین نے مشک کے استعمال کی حکمت یہ لکھی ہے کہ یہ استقرار نطفہ میں معین ہوتا ہے، مگر ان کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی کہ مشک کا استعمال ہر عورت کو مستحب ہے، خواہ وہ شوہر والی ہو خواہ نہ ہو۔

بعد والی روایت میں ہے: ''توضئي ثلاثا'' او قال توضی بھا'' اس کی توضیح میں شراح نے مختلف قول کیے ہیں۔ اس سلسلے کی روایت کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ثلاثا کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے تین بار فرمایا، شک راوی اس میں ہے کہ ''بھا'' بھی فرمایا تھا یا نہیں۔

''اثر الدم'' سے عام علماء نے شرمگاہ مراد لی ہے، البتہ محاملی نے ہر وہ جگہ مراد لی ہے جہاں خون لگا ہو، سوائے محاملی کے کسی اور نے یہ قول نہیں کیا ہے، مگر اسمٰعیلی کی روایت اس کی مؤید ہے جس میں مواضع الدم آیا ہے۔

مسائل

(۱) تعجب کے وقت سبحان اللہ کہنا سنت ہے (۲) پوشیدہ عوارض کو کنایے سے ادا کیا جائے (۳) یہ بھی درست ہے کہ عالم کے کلام کی تشریح اس کی موجودگی میں کوئی اور کر دے اور عالم سنے (۴) عالم کے کلام کی تفسیر جب اس کے سامنے دوسرے نے کی اور عالم نے سن لی تو یہ عالم ہی کی تفسیر ہوگی (۵) ثابت ہو گیا کہ شیخ کو تلمیذ پڑھ کر سنا سکتا ہے۔

۲۲۲- ح: اِنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کا احرام باندھا]

۲۲۲- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهْلِلْ فَاِنِّيْ لَوْلَا اَنِّيْ اَهْدَيْتُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم ذی الحجہ کے چاند ہونے کے قریب (مدینہ سے حج کے لیے) نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صرف عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ صرف عمرے کا باندھے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لَاَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ فَاَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ وَّاَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ وَّكُنْتُ اَنَا مِمَّنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَاَدْرَكَنِيْ يَوْمُ عَرَفَةَ وَاَنَا حَائِضٌ فَشَكَوْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعِيْ عُمْرَتَكِ وَانْقُضِيْ رَأْسَكِ وَامْتَشِطِيْ وَاَهِلِّيْ بِحَجٍّ فَفَعَلْتُ حَتّٰى اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ اَرْسَلَ مَعِيْ اَخِيْ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَخَرَجْتُ اِلَى التَّنْعِيْمِ فَاَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَّكَانَ عُمْرَتِيْ قَالَ هِشَامٌ وَّلَمْ يَكُنْ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ هَدْيٌ وَّلَا صَوْمٌ وَّلَا صَدَقَةٌ.

اگر میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا تو عمرے ہی کا احرام باندھتا' اس پر بعضوں نے عمرے کا احرام باندھا اور بعضوں نے حج کا' اور میں نے عمرے کا احرام باندھا تھا' جب عرفہ کا دن آیا تو میں حائضہ تھی' میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا حال بیان کیا تو فرمایا: عمرہ رہنے دو' اور اپنے سر کو کھول ڈال' کنگھا کر اور حج کا احرام باندھ' میں نے یہی کیا' جب لیلۃ الحصبہ آئی تو مجھے میرے ساتھ میرے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تنعیم بھیجا' پس میں نے وہاں عمرے کا احرام باندھا۔ ہشام نے کہا کہ اس میں نہ قربانی کرنی پڑی نہ روزہ رکھنا پڑا' نہ صدقہ دینا پڑا۔

(ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: امتشاط المرأة عند غسلها من المحیض۔ ص ۴۵۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: کیف تھلی الحائض بالحج والعمرة۔ ص ۴۶۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: کیف تھلی الحائض والنفساء۔ ص ۲۱۱۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب العمرہ۔ باب: العمرة لیلة الحصبة وغیرھا۔ ص ۲۳۹۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المغازی۔ باب: حجة الوداع۔ ص ۶۳۱' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحج۔ باب: وجوه الاحرام وانه یجوز افراد الحج والتمتع والقران۔ ص ۶-۷-۸-۳۸۹' ابوداود۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: فی افراد الحج۔ ص ۲۴۷' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ذکر الامر بذالك للحائض عند الاغتسال للاحرام۔ ص ۴۸۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: فی المھلة بالعمرة تحیض وتخاف فوت الحج۔ ص ۱۹' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: العمرة من التنعیم۔ ص ۲۲۱' مؤطا امام مالک۔ کتاب الحج۔ باب: دخول الحائض مکة۔ ص ۱۶۸' مسند امام احمد)

مطابقت باب

یہاں امام بخاری نے اس حدیث پر دو عنوان قائم کیے ہیں:

امتشاط المرأة عند غسلها من المحیض. حیض سے غسل کے وقت عورت کا کنگھا کرنا۔

نقض المرأة شعر راسها عند المحیض. حیض سے غسل کے وقت عورت کا اپنے سر کے بال کھولنا۔

حدیث میں کہیں غسل کا ذکر نہیں' یہ امام بخاری کی اسی عادت مستمرہ کے مطابق ہے' اگرچہ ان کی ذکر کردہ روایت میں غسل کا لفظ نہیں مگر ابوداؤد اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: ''فاغتسلی'' پھر غسل کر۔ موافین کا مادہ وفاء آتا ہے' جس کے معنی پورا کرنا ہے۔ اس کے باب افعال کا صلہ جب علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی اشرف کے ہیں' بولتے ہیں: ''اوفا علی کذا ای اشرف'' یعنی جھانکا' یہاں مراد یہ ہے کہ ہم ذی الحجہ کے ہلال کو جھانک رہے تھے' یعنی اس کی رؤیت قریب تھی۔

ہم پہلے بتا آئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲۶ ذوالقعدہ ہفتہ کے دن بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اور رات ذوالحلیفہ میں گزاری' ۲۷ ذوالقعدہ اتوار کو وہاں سے چلے تھے اور چار ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مسلم شریف میں مدینہ طیبہ سے نکلنے کی تاریخ ''لخمس بقین من ذی القعدة'' ہے[1] اور مکہ مکرمہ پہنچنے کی تاریخ تردید کے ساتھ ''لاربع خلون من ذی الحجة او خمس'' ہے[2] اسی اختلاف کی وجہ سے یہ بھی اختلاف پیدا ہو گیا کہ راستے میں کتنے دن صرف ہوئے' نو دن یا دس دن؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ

[1] مسلم۔ ج ا ص ۳۹۔ کتاب الحج۔ باب: وجوه الاحرام [2] ایضاً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یک شنبہ کو پہنچے تھے۔ بخاری، کتاب التمنی میں "لاربع خلون من ذی الحجة" بلا تردید ہے۔[1] لیلۃ الحصبہ سے مراد تیرہ ذوالحجہ کے بعد آنے والی چودھویں رات، یہ منٰی اور مکہ کے مابین ایک میدان ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "حجة الوداع" کے موقع پر قیام فرمایا تھا۔ حج سے واپسی کے بعد رات کو پھر یہیں قیام فرمایا۔ مدینہ طیبہ والے حجاج جب تک اونٹوں کا سفر تھا، یہیں اکٹھے ہو کر واپس ہوتے تھے۔ اس کو وادی محصب اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت عائشہ کے حج کی تفصیل

اس حدیث کی ابحاث سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ناظرین حج کے اقسام ذہن نشین کر لیں۔ حج تین قسم کا ہوتا ہے: افراد یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں، تمتع یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھیں، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو اپنے ساتھ ہدی یعنی قربانی کا جانور نہ لے جائے، ایسے لوگ عمرہ کر کے احرام سے باہر ہو جائیں گے، دوسرے وہ جو اپنے ساتھ ہدی لے جائیں، یہ لوگ مکہ پہنچ کر عمرہ کرنے کے بعد بھی احرام سے باہر نہ ہوں گے، جب تک قربانی کر نہ لیں، متمتع آٹھ ذوالحجہ کو حرم سے حج کا احرام باندھ کر حج کرے گا۔ قران یعنی میقات سے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھیں۔

ہمارے اور شوافع کے درمیان یہاں ایک اختلاف ہے، ہمارے نزدیک قارن پر دو طواف، دو سعی واجب ہیں، ایک طواف اور سعی عمرے کی اور ایک ایک حج کی۔ امام شافعی کے نزدیک قارن کے لیے صرف ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔

اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ لیلۃ الحصبہ چودھویں ذوالحجہ کی رات میں ام المؤمنین حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے گئیں، اور ظاہر ہے کہ عمرہ طواف اور سعی کا نام ہے تو حضرت ام المؤمنین نے طواف بھی کیا اور سعی بھی۔ اس طرح اس حدیث سے صرف ایک طواف اور ایک سعی کا ثبوت ہوتا ہے۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ ام المؤمنین قارنہ تھیں اور انہوں نے صرف ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کی، تو شوافع کا مسلک ثابت کہ قارن کے لیے صرف ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے۔ اس پر ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ عام طرق میں لیلۃ الحصبہ سے پہلے کسی طواف کا ذکر نہیں، مگر مسلم میں بہ طریق محمد بن عبداللہ بن نمیر، حضرت قاسم سے جو روایت ہے، اس میں یہ تصریح ہے: "حتى نزلنا منى فتطهرت ثم طفنا بالبيت" جب ہم منٰی میں اترے تو میں پاک ہو گئی، پھر ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا، اس کے بعد محصب سے عمرہ کرنے کا ذکر ہے، اس سے پہلے والی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں: میں یوم نحر کو پاک ہو گئی تھی، تو ثابت ہو گیا کہ لیلۃ الحصبہ سے پہلے ہی ام المؤمنین نے طواف زیارت کر لیا تھا۔ اگر بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی واقعات کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ ام المؤمنین نے طواف زیارت اپنے وقت پر کم از کم لیلۃ الحصبہ سے پہلے کر لیا تھا۔ لیلۃ الحصبہ میں ام المؤمنین نے یہ عرض کیا تھا: "يرجع الناس بحجة وعمرة وارجع بحجة" "لوگ حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ لوٹ رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ لوٹ رہی ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت ام المؤمنین نے حج کے لیے طواف اور سعی اس وقت تک نہیں کی تھی، تو ان کا حج ہوا کہاں کہ وہ فرما رہی ہیں کہ میں صرف حج کے ساتھ واپس ہو رہی ہوں۔

ام المؤمنین کی یہ عرض اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت تک انہوں نے طواف زیارت بھی کر لیا تھا اور حج کے لیے سعی بھی کر چکی تھیں، اس طرح ان کا حج مکمل ہو چکا تھا، تیرہ ذوالحجہ تک ایام حج ہیں، ان ایام میں عمرہ ہو نہیں سکتا، اس لیے عمرہ نہیں کر سکتی تھیں، اب واپسی کے وقت یا تو مذکورہ بالا عرض داشت پیش کی جس پر انہیں عمرہ کرنے کے لیے تنعیم بھجوا دیا گیا۔ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ انہوں نے حج کا طواف اور اس کی سعی نہیں کی تھی تو ضروری تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں حج کے طواف اور سعی کا حکم فرماتے۔ علاوہ ازیں حج کے

---

[1] ج ۲- کتاب التمنی۔ باب: قول النبي صلى الله عليه وسلم لو استقبلت من امرى ما استدبرت۔ ص ۱۰۷۳

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

طواف کا وقت بارہ ذوالحجہ تک ہے' یوم نحر یعنی دس ذوالحجہ کو وہ پاک ہوگئی تھیں' کسی کے قیاس میں یہ بات آ سکتی ہے کہ بلا وجہ شرعی ان کے طواف کو قضا کرایا ہو' اور واپسی ہونے لگی' پھر بھی طواف کے لیے نہیں فرمایا' بلکہ جب عمرے کی خواہش ظاہر کی تو عمرے کے بہانے طواف کے لیے بھیجا' اس لیے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ حقائق کی روشنی میں یہ مان لیا جائے کہ حضرت اُم المؤمنین لیلۃ الحصبہ سے پہلے حج کا طواف اور اس کی سعی کر چکی تھیں' لیلۃ الحصبہ کو صرف عمرہ کرنے گئی تھیں۔

اس تقریر کے بعد اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اُم المؤمنین نے قران کیا تھا تو بھی یہ حدیث شوافع کے لیے مفید نہیں' ہمارے ہی مسلک کی مؤید ہے۔

حضرت اُم المؤمنین نے تمتع کیا تھا

ویسے اس حدیث کے تمام طرق پر جب نظر دقیق ڈالی جاتی ہے تو ثابت یہی ہوتا ہے کہ حضرت اُم المؤمنین نے قران نہیں کیا تھا بلکہ تمتع کیا تھا' اس کے مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان کو حکم ہوا: اپنے سر کو کھول ڈالو' کنگھا کرو' حج کا احرام باندھو۔ اگر انہوں نے قران کیا ہوتا تو میقات ہی پر حج کا بھی احرام باندھ لیا ہوتا' اب اس وقت یوم عرفہ کو احرام باندھنے کا کیا مطلب' پھر حالت احرام میں کنگھا کرنا منع ہے' کنگھا کرنے میں ضرور بال ٹوٹتے ہیں (۲) اور فرمایا: ''دعي عمرتك'' کسی میں ہے: ''وارفضي عمرتك'' اور کسی میں ''واتركي عمرتك'' ہے' اپنا عمرہ چھوڑ دے۔ یہ دلیل ہے کہ میقات سے جس عمرے کا احرام باندھا تھا' اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے: اسے چھوڑ دے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت اُم المؤمنین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عمرے کا جو احرام باندھا تھا' اسے ختم کرو اور اب حج کا احرام باندھ کر حج کرو (۳) حضرت اُم المؤمنین اس وقت حالت حیض میں تھیں' اس حالت میں غسل کا حکم طہارت حاصل کرنے کے لیے تو ہو نہیں سکتا' لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ احرام کے لیے غسل کا حکم تھا (۴) صاف صاف حکم ہے: ''واهلي بحج'' حج کے لیے تلبیہ کہو' یعنی حج کا احرام باندھو' اگر حج کا احرام پہلے باندھ چکی تھیں تو اب حج کا احرام باندھنے کا حکم دینے کا کیا مطلب! خصوصاً مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابر کی حدیث کے یہ الفاظ ''فاغتسلي ثم اهلي بالحج'' غسل کر لو' پھر حج کا احرام باندھو (۵) حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد ''هذه مكان عمرتك'' وغیرہ کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہے کہ جو عمرہ احرام باندھنے کے بعد نہ کر سکی تھیں اور توڑنا پڑا تھا' اس کی قضا میں یہ عمرہ کر لو (۶) بخاری میں حدیث مذکور سے پہلے والی حدیث میں صاف تصریح ہے: ''فكنت ممن تمتع'' میں تمتع کرنے والوں میں تھی۔ اور لیل عرفہ میں عرض کیا: ''انما كنت تمتعت بعمرة'' میں نے عمرہ کا احرام باندھ کر تمتع کیا تھا۔

منشاء اختلاف

اختلاف کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے مہینوں یعنی شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں عمرے کو برا جانتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ سے نکلے تو لوگوں کا خیال یہی تھا کہ صرف حج کرنے جا رہے ہیں مگر ذوالحلیفہ پہنچ کر حضور نے اعلان فرما دیا: جس کا جی چاہے صرف عمرے کا احرام باندھے' جس کا جی چاہے صرف حج کا' یا دونوں کا۔ میں ہدی لے کر چل رہا ہوں' اگر میں ہدی لے کر نہیں چلتا تو عمرے کا احرام باندھتا' اس پر لوگوں نے اپنی اپنی صواب دید اور توفیق کے مطابق احرام باندھا۔ کسی نے صرف عمرے کا' کسی نے صرف حج کا' کسی نے دونوں کا۔ حضرت اُم المؤمنین نے فرمایا کہ میں نے عمرے کا احرام باندھا' چنانچہ عام طرق میں یہ الفاظ مختلفہ یہی ہے' مگر بعض رواۃ نے اس اعتبار سے کہ ابتداء میں صرف حج کا ارادہ تھا یہ الفاظ بڑھا دیئے کہ اُم المؤمنین حج کے لیے نکلیں' حج کا احرام باندھا وغیرہ وغیرہ۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یا یہ کہ حج فرض ہونے کی وجہ سے معظم مقصود ہے‘ اس کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کہہ دیا‘ جیسے ہمارے دیار کے حجاج تقریباً کل کے کل تمتع کرتے ہیں یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھتے ہیں اور مکہ معظمہ حاضر ہو کر عمرے سے فراغت کے بعد احرام کھول دیتے ہیں‘ مگر کہا یہی جاتا ہے کہ حج کرنے جارہے ہیں‘ کوئی نہیں کہتا کہ عمرہ کرنے جارہے ہیں‘ اسی عرف کے مطابق اس روایت کے بعض طرق میں یہ مذکور ہو گیا کہ اُم المؤمنین نے حج کا احرام باندھا‘ حج کے لیے نکلیں‘ وغیرہ وغیرہ۔

قارن پر ایک طواف اور سعی ہے یا دو؟ اس کی پوری بحث کتاب الحج میں آئے گی۔

غایت باب

غسل کرتے وقت عورتوں کی چوٹی اگر گندھی ہوئی ہو تو بالوں کو کھول کر ان کے درمیان بھی پانی کا پہنچانا ضروری ہے‘ یا صرف بال کی جڑوں میں پانی بہہ جانا کافی ہے؟ ہمارا مذہب یہی اخیر ہے‘ عورت خواہ حیض و نفاس سے فراغت کے بعد غسل کرے‘ خواہ جنابت کی حالت میں‘ یہی حکم ہے‘ جیسا کہ مسلم شریف[1] میں ہے کہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! ”افانقضه للحيضة والجنابة فقال لا“ کیا میں حیض اور جنابت کے غسل[2] کے لیے چوٹی کھول دوں؟ فرمایا: نہیں!

ان دونوں بابوں سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ حائضہ پر ضروری ہے کہ وہ بال کھول کر ان کے درمیانی حصے میں بھی پانی پہنچائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب مطلقاً یہ تھا کہ ہر غسل فرض میں عورت جوڑا کھول کر بالوں میں پانی پہنچائے‘ اُم المؤمنین حضرت عائشہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا:

تعجب ہے ابن عمر عورتوں کو غسل کے وقت سروں کو کھولنے کا حکم دیتے ہیں‘ وہ یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ عورتیں اپنے سر مونڈ وا ڈالیں[2]۔ رہ گیا اس حدیث میں بالوں کے کھولنے کا جو امر ہے‘ وہ یا تو استحباب کے لیے ہے‘ یا اس بناء پر ہے کہ حضرت اُم المؤمنین کے بال اتنے گھنے رہے ہوں یا چوٹی اتنی سخت گندھی رہی ہو یا سر کو لیپ لگا لیا تھا جس کی وجہ سے پانی بالوں کی جڑوں میں نہیں پہنچ سکتا تھا‘ اس لیے کھولنے اور کنگھا کرنے کا حکم دیا۔

قال هشام

حضرت ہشام کا یہ کہنا کہ حضرت اُم المؤمنین کے اس فعل پر نہ دم دینا پڑا نہ روزہ رکھنا پڑا اور نہ صدقہ دینا پڑا‘ اپنے علم و دانست کے اعتبار سے ہے‘ ورنہ حضرت اُم المؤمنین پر بہر صورت دم واجب تھا‘ خواہ انہوں نے تمتع کیا ہو خواہ قران‘ اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں ان پر واجب تھا کہ وقوف عرفہ سے پہلے عمرہ کر لیتیں یا کم از کم عمرے کا چار پھیرے طواف کر لیتیں‘ مگر عذر لاحق ہو جانے کی وجہ سے عمرہ نہ کر سکیں‘ حتیٰ کہ شب عرفہ میں احرام کھولنا پڑا تو دم جنایت لازم ہو گیا۔ ص ۲۱۱ میں حضرت جابر کی حدیث گزری کہ حضرت عائشہ کی طرف سے حضور نے یوم نحر کو ایک گائے قربانی کی تھی۔ اس کا امکان قوی ہے کہ یہی دم جنایت رہا ہو۔

حضرت ہشام کو اس کی خبر نہ ہوئی‘ اس لیے کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اس میں ہدی وغیرہ کچھ واجب نہ ہوا۔

۲۲۳- ح: اِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا [اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے]

۲۲۳- عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ يَا رَبِّ عَلَقَةٌ يَا رَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے‘ جو کہتا ہے: اے پروردگار! رحم میں نطفہ آ گیا‘ اے پروردگار! یہ منجمد

---

[1] مسلم۔ ج ا ص ۱۵۰ کتاب الطہارۃ [2] مسلم۔ ج ا ص ۱۵۰ کتاب الطہارۃ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّقْضِىَ خَلْقَهٗ قَالَ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى شَقِىٌّ اَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ وَالْاَجَلُ فَيُكْتَبُ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ.

خون ہو گیا' اے پروردگار! گوشت کا لوتھڑا بن گیا' جب اللہ عزوجل یہ ارادہ فرمالیتا ہے کہ اس کی تخلیق مکمل فرمادے تو وہ فرشتہ عرض کرتا ہے: مرد کہ عورت؟ بدبخت کہ نیک بخت؟ کتنی روزی ہو؟ کتنی عمر ہو؟ فرمایا: سب کچھ اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

(ایضاً۔ج ا۔کتاب الانبیاء۔باب: خلق آدم و ذریته۔ص ٤٦٩۔ایضاً۔ج ٢۔کتاب الانبیاء۔باب: ایمان بالقدر۔دوسری حدیث۔ص ٩٧٦' مسلم۔ج ٢۔کتاب القدر۔باب: کیفیة خلق الادمی فی بطن امه۔ص ٣٣)

اس حدیث پر مکمل کلام کتاب الانبیاء میں آئے گا' یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس حدیث کا حیض سے کیا تعلق ہے؟ جس کا باب چل رہا ہے' اس سے اس حدیث کے دو تعلق ہیں: (۱) ایک یہ کہ خون حیض ہی ایام حمل میں جنین کی غذا بنتا ہے' جیسا کہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور اطباء کا بھی قول ہے' اس باب سے مقصود یہ ہے کہ حیض کے احوال میں ایک حالت یہ بھی ہے (۲) جمہور اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایامِ حمل میں جو خون آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے' امام شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے' البتہ قولِ جدید یہ ہے کہ وہ حیض ہے۔ امام مالک کا اصل مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے' البتہ ان کا ایک قول یہ ہے کہ ابتداء حمل میں جو خون دکھائی دے وہ حیض ہے اور اخیر ایام میں جو دکھائی دے وہ استحاضہ ہے' امام بخاری یہ باب ''قول اللّٰه عزوجل مخلقة وغير مخلقة'' باندھ کر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ ایامِ حمل میں جو خون عورت کو دکھائی دے' وہ حیض نہیں' وہ جنین کی غذا کے کام آتا ہے' باہر نہیں آتا' یہ مذہب بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: ابن عمر سے کہو کہ رجعت کرے' اسے اپنے نکاح میں رکھے' یہاں تک کہ پاک ہو جائے' پھر حیض آئے' اس حیض سے پاک ہونے کے بعد اسے اختیار ہے' چاہے رکھے' چاہے تو اسے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دے۔ (بخاری۔ج ا۔کتاب الطلاق۔ص ٧٩٠' مسلم۔ج ا۔کتاب الطلاق۔باب: تحريم الطلاق الحائض۔ص ٤٧٦)

(۲) اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا: کسی حاملہ سے اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک کہ اسے وضع حمل نہ ہو جائے اور نہ کسی غیر حاملہ سے وطی کی جائے جب تک کہ ایک حیض آکر یہ نہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا رحم خالی ہے۔

(ابوداود۔ج ا۔کتاب النکاح۔ص ٢٩٣)

(۳) حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: کسی کو یہ جائز نہیں کہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی سینچے یا کسی باندی سے وطی کرے جب تک کہ اسے حیض نہ آجائے یا اس کا حمل نہ ظاہر ہو جائے۔

(مسند امام احمد' ابوداود۔ج ا۔کتاب النکاح۔باب: وطی السبایا۔ص ٢٩٣)

ان احادیث میں حیض کو اس کی علامت بتایا گیا ہے کہ حمل نہیں' اگر حمل کے ساتھ حیض بھی آنا ممکن ہوتا تو حیض اس کی علامت نہیں ہو سکتا تھا' تو ثابت ہوا کہ ایامِ حمل میں حیض نہیں آسکتا۔ اس بارے میں آثار بھی بہ کثرت وارد ہیں: (۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حاملہ سے حیض اٹھالیا۔ اس خون کو بچے کی غذا کر دیا' جو رحم پھینک دیتا تھا[1] (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حاملہ سے حیض اٹھالیا اور اس کو بچے کا رزق بنادیا[2] (۳) ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حاملہ کے

[1] عینی۔ج ٣ ص ٢٩٢۔ بحوالہ ابوحفص بن شاہین
[2] ایضاً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بارے میں فرمایا جو خون دیکھے حاملہ کو حیض نہیں آتا' یہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔[1] یہ غسل کا حکم بہ طور استحباب ہے۔

''مخلفة غير مخلقة'' کی تفسیر یہ ہے کہ استقرار کے بعد چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے' پھر منجمد خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت بنتا ہے' جس میں ابتداءً اعضاء نہیں ہوتے' پھر اعضاء کی کلیاں پھوٹتی ہیں' پھر اعضاء بنتے ہیں' پھر چالیس دن یعنی استقرار کے ایک سو بیس دن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

ہر نطفہ بچہ نہیں ہوتا' کچھ ساقط بھی ہو جاتا ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب نطفہ رحم میں مستقر ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل ایک فرشتہ اس پر مقرر فرما دیتا ہے' یہ فرشتہ پوچھتا ہے: اے پروردگار! یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ؟ اب اگر ارشاد یہ ہوتا ہے کہ غیر مخلقہ' تو رحم اس کو باہر پھینک دیتا ہے اور اگر جواب یہ ملتا ہے کہ مخلقہ ہے' تو یہ فرشتہ پھر عرض کرتا ہے: یہ مرد ہے یا عورت۔

دوسری حدیث میں انہیں سے یہ ہے کہ نطفہ جب رحم میں مستقر ہو جاتا ہے تو فرشتہ اسے ہتھیلی میں لے کر عرض کرتا ہے: یہ مرد ہے کہ عورت؟ اس کا معاملہ کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ تو حکم ہوتا ہے: اُم الکتاب یعنی لوحِ محفوظ میں دیکھ لو۔ اس کا قصہ تم کو اس میں ملے گا۔ فرشتہ لوحِ محفوظ میں جا کر دیکھ لیتا ہے۔ اسی کے مطابق اس کی تخلیق کرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخلقہ کا مطلب یہ ہوا کہ نطفہ پیکر انسانی قبول کرے گا اور غیر مخلقہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پیکر انسانی میں تبدیل نہ ہوگا' ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نطفے کے رحم میں جو مختلف احوال ہیں' ان کو بیان فرمایا ہے کہ نطفہ علقہ ہوا' پھر مضغہ ہوا۔ ابتداءً اس کے اعضاء نہیں تھے تو غیر مخلقہ رہا' یعنی جس کے نقشے نہیں بنے' جب اعضاء بن گئے تو مخلقہ ہو گیا' یعنی تمام الخلقت ہو گیا۔ قرآن کریم کے سیاق سے اسی دوسری تفسیر کی تائید ہوتی ہے' فرمایا:

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ ۔ (الحج:۵)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر پانی کی بوند سے' پھر منجمد خون سے' پھر ایک بوٹی گوشت سے' جس میں نقشہ بنا ہوا ہے یا نہیں بنا ہوا ہے۔

٢٢٤- ح: حَدِيْثُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِيْ حِجَّةِ الْوَدَاعِ

[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حجۃ الوداع سے متعلق حدیث]

٢٢٤- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَّلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَّاَهْدٰى فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَتْ فَحِضْتُ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَاْسِيْ وَاَمْتَشِطَ وَاُهِلَّ بِحَجٍّ وَّاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم حجۃ الوداع میں نکلے' ہم میں سے کچھ لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا اور کچھ لوگوں نے حج کا' ہم مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور ہدی نہ لایا ہو' وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور ہدی لایا ہو' وہ احرام نہ کھولے جب تک اپنی ہدی کی قربانی نہ کر لے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو' وہ اپنا حج پورا کرے۔ حضرت عائشہ نے کہا: مجھے حیض آ گیا اور میں حائضہ ہی رہی یہاں تک کہ عرفہ کا دن آ گیا اور میں نے عمرے کا احرام باندھا تھا' مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

[1] سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۹۲ بحوالہ اثرم و دارقطنی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حَتّٰى قَضَيْتُ حَجَّتِىْ فَبَعَثَ مَعِىْ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِىْ بَكْرٍ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِىْ مِنَ التَّنْعِيْمِ.

میں اپنا سر کھول ڈالوں اور کنگھا کروں اور حج کا احرام باندھوں اور عمرہ چھوڑ دوں' میں نے یہی کیا' یہاں تک کہ میں نے حج پورا کرلیا' اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو میرے ساتھ کر دیا اور مجھے حکم دیا کہ اپنے عمرے کی جگہ تنعیم سے عمرہ کروں۔

توضیح باب

یہاں باب کا عنوان یہ ہے: ''كيف تهل الحائض بالحج والعمرة'' حائضہ حج اور عمرے کا احرام کیسے باندھے گی؟

علامہ ابن حجر' علامہ عینی وغیرہ نے باب کی توضیح یہ کی کہ حائضہ کو حج اور عمرے کا احرام باندھنا درست ہے' خواہ پہلے احرام باندھا ہو' پھر اسے حیض آیا خواہ حالت حیض میں احرام باندھے' یعنی حیض نہ انعقاد احرام کے منافی ہے نہ بقائے احرام کے' مگر کیف یہ بتا رہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ احرام کیسے باندھے؟ مثلاً غسل کرے گی کہ نہیں' اس لیے کہ حائضہ حالت حیض میں غسل کرنے سے پاک تو ہوگی نہیں۔ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ غسل کرے گی۔ ''ان انقض راسي وامتشط'' غسل سے کنایہ ہے' بلکہ بعض طرق میں ''فاغتسلي'' کا لفظ صراحۃً مذکور ہے' احرام کے وقت جو غسل سنت ہے' وہ ادا ہو جائے گا' اس وقت غسل کرنا لغو نہ ہوگا۔ اسی روایت میں ''حتى قضيت حجتي'' کا جملہ اس کی دلیل ہے کہ لیلۃ الحصبہ سے پہلے پہلے حضرت اُم المؤمنین نے حج پورا ادا کرلیا تھا' جس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے حج کا طواف بھی کرلیا تھا' اس لیے ثابت ہوا کہ انہوں نے دو طواف کیے' ایک حج کا دوسرا عمرے کا۔ یہ حدیث اس پر نص ہے کہ حضرت اُم المؤمنین نے میقات پر صرف عمرے کا احرام باندھا تھا' جیسا کہ وہ فرماتی ہیں: ''ولم اهلل الا بعمرة'' میں نے عمرے ہی کا احرام باندھا تھا اور آگے ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا: ''واترك العمرة'' میں عمرہ چھوڑ دوں۔

ت٦٨ - وَكُنَّ نِسَآءٌ يَّبْعَثْنَ اِلٰى عَآئِشَةَ بِالدُّرْجَةِ فِيْهَا الْكُرْسُفُ فِيْهِ الصُّفْرَةُ فَتَقُوْلُ لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ.

(مؤطا امام مالک۔ باب: طهر الحائض۔ ص٢٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عورتیں ڈبیہ میں کرسف رکھ کر بھیجتیں جس میں زردی ہوتی' اس پر اُم المؤمنین فرماتیں: جلدی نہ کرو جب تک چونے کی طرح سفیدی نہ دیکھ لو' اس سے ان کی مراد حیض سے پاکی ہے۔

ت٦٩ - وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ نِسَآءً يَدْعُوْنَ بِالْمَصَابِيْحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ اِلَى الطُّهْرِ فَقَالَتْ مَا كَانَ النِّسَآءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ. (ایضا)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو یہ خبر ملی کہ عورتیں رات میں چراغ منگا کر پاکی کو دیکھتی ہیں' اس پر انہوں نے فرمایا: عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں' اس کو انہوں نے معیوب جانا۔

لغات

''بِالدُّرْجَة. دِرَجَةٍ'' دال کے کسرہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ اور ''دُرْجَة'' دال کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ' اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس میں دوا لت کر کے بیماری میں اونٹنی کی شرمگاہ میں رکھتے ہیں اور چھوٹی ٹوکری کو بھی کہتے ہیں جس میں عورتیں خوشبو وغیرہ رکھتی ہیں' یعنی ڈبیا' اگرچہ وہ دھات وغیرہ کی نہ ہو۔ ''كُرْسُف'' کے اصل معنی روئی کے ہیں' یہاں خاص وہ روئی مراد ہے جو ایام حیض میں عورتیں خاص طریقے سے استعمال کرتی ہیں۔ ''القصه'' کے معنی چونے کے بھی ہیں اور روئی کے بھی۔ پہلی تقریر پر معنی وہ ہوئے جو ہم نے لکھے ہیں یعنی چونے کے مثل سفیدی دیکھے' دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ روئی کو سفید دیکھے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ روئی پر کوئی رنگ نہ دیکھے' دوسرے یہ کہ روئی سوکھی پائے' اس لیے کہ سفید رطوبت سے بھی بھیگنے کے بعد روئی ر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دھبے پڑ جاتے ہیں۔ یہ حدیث احناف کی مستدل ہے کہ ایام حیض میں جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے' سرخ' کالا' زرد' مٹیالا' گدلا' سبز' کسی بھی رنگ کا خون دس دن کے اندر اندر آئے تو حیض ہے۔ دس دن کے بعد بھی اگر رطوبت کا میلا پن باقی ہے تو جو عادت کے دن ہیں' حیض ہے' اس کے بعد والے استحاضہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد حکماً مرفوع ہے' اس لیے کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ عقل سے نہیں معلوم کیا جا سکتا' صحابہ کرام کے ایسے سارے ارشادات مرفوع کے حکم میں ہیں' اس کے برخلاف حضرات شوافع کہتے ہیں کہ حیض کا خون صرف کالا ہے' ان کے علاوہ دوسرے رنگ کی رطوبت حیض نہیں' ان کی دلیل ابوداؤد[1] کی یہ حدیث ہے۔

''**فانه دم اسود یعرف**'' حیض کا خون کالا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ حیض کا خون ہر عورت کا ہمیشہ کالا ہی ہو' یہ واقعہ کے مطابق نہیں' جو عورت تندرست' معتدل مزاج کی ہو اور معتدل غذا استعمال کرے' اس کے حیض کا خون سرخ ہوگا' جس کے مزاج میں حدت ہوگی' گرم غذائیں کھائے گی یا موسم یا جگہ گرم ہوگی تو کالا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح غذا' عوارض' موسم کے لحاظ سے اور رنگ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ارشاد خاص حضرت فاطمہ بنت حبیش کے لیے تھا' یا زیادہ سے زیادہ وہاں کی عورتوں کے بارے میں' ورنہ اس کے معارض حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم طہر کے بعد گدلی اور پیلی رطوبت کو کچھ نہیں جانتی تھیں[2] اس سے ظاہر ہے کہ طہر سے قبل یعنی عادت کے دنوں میں اسے وہ حیض جانتی تھیں۔

حضرت بنت زید بن ثابت رضی اللہ عنہا

اس سے ان کی کون سی صاحبزادی مراد ہیں؟ اس میں شراح کا اختلاف ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی آٹھ صاحبزادیاں تھیں: ام اسحٰق' ام کلثوم' ام حسن' ام محمد' ام سعد' حسنہ' قریبہ' عمرہ۔ صاحب توضیح نے کہا: قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ام سعد ہیں۔ اسی طرح بعض شارحین کا یہ گمان ہے کہ یہ ام سعد ہی ہیں' انہیں بھی علامہ ابن عبدالبر نے صحابیات میں شمار کیا ہے' بعض دوسرے شارحین نے کہا: یہ ام کلثوم ہیں' اس لیے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں ام کلثوم کے علاوہ کسی اور کی روایت ثابت نہیں۔ علامہ عینی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں پلے برابر ہیں' ام کلثوم کی روایت ثابت ہے' اگرچہ اس مخصوص روایت کا ان سے ثبوت نہیں' مگر جب یہ صحابیہ ہیں تو اس کا امکان ہے کہ یہ انہیں کا واقعہ ہو' اسی طرح ام سعد جب صحابیہ ہیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ انہیں کا قصہ ہو۔ رات میں اٹھ کر روشنی میں کرسف دیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر حیض بند ہو گیا ہے تو غسل کر کے عشاء پڑھ لیں اور یہ ایک مستحسن اقدام تھا' پھر ان کے اس فعل کو معیوب جاننے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ دین میں تعمق پسندیدہ نہیں' جیسا کہ گزر چکا۔ ''**لن یشاد الدین احد الا غلبه**'' عورتیں اس کی مکلف ہیں کہ صبح کو اٹھنے کے بعد اگر یہ دیکھیں کہ حیض بند ہو گیا ہے تو عشاء کی قضاء پڑھ لیں' ان پر کوئی گناہ نہیں' رات کو سوتے سے اٹھ اٹھ کر چراغ منگا کر دیکھنے میں حرج ہے' اس لیے اس کو انہوں نے معیوب جانا۔ علاوہ اس کے ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ چراغ کی روشنی میں دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ کرسف پر خالص سفیدی ہے یا کچھ گدلا پن ہے' دشوار ہے۔ ان کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم پاک ہو گئیں اور نماز پڑھ لیں' اور حقیقت میں پاک نہ ہوئی ہوں تو یہ نماز حیض کی حالت میں ہوگی' جو یقیناً قابل اعتراض بات ہے۔

باب سے مطابقت

اس طرح ہے کہ یہ عورتیں یہی نہ دیکھتی تھیں کہ اگر کرسف بالکل سفید ہے تو حیض ختم اور اگر اس میں کچھ گدلا پن ہے تو حیض باقی

[1] ابوداؤد ج ا ص ۴۳ کتاب الطہارۃ باب: من قال توضأ لکل صلوۃ

[2] ابوداؤد ج ا کتاب الطہارۃ باب: فی المرأۃ تری الکدرۃ والصفرۃ بعد الطہر ص ۴۳

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ میں یہ بات عام عورتوں کو معلوم تھی کہ نکلنے والی رطوبت جب تک خالص سفید نہ ہو، حیض ختم نہ ہوا۔

ت ٧٠ - وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ.

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضور نے فرمایا: حائضہ نماز چھوڑ دے گی۔

بلفظہٖ اس اثر کی کوئی سند نہیں ملی، مگر اس کا امکان ہے کہ امام بخاری کے علم میں کوئی سند رہی ہو۔ عدم وجدان، وجدان عدم نہیں، البتہ معناً یہ دونوں اثر دو احادیث مسند کے حصے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے کتاب التمنی میں حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجۃ الوداع کا واقعہ ذکر فرمایا، اس میں یہ ہے کہ جب انہیں حیض آ گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''غیر انها لا تطوفی و لا تصلی[1]'' حج کے تمام مناسک ادا کرے البتہ نہ طواف کرے نہ نماز پڑھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اثر اسی بخاری، باب ''ترك الحائض الصوم'' میں ان الفاظ کے ساتھ گزر چکا کہ فرمایا: ''اليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم[2]'' کہ جب اسے حیض آتا ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے۔

باب سے مطابقت

اس جگہ باب یہ ہے: ''لا تقضی الحائض الصلوٰة'' حائضہ نماز کی قضا نہیں کرے گی، ان دونوں اثروں سے یہ تو ثابت ہوا کہ اس حالت میں نماز نہیں پڑھے گی، مگر قضاء بھی نہیں کرے گی، یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے، اس لیے کہ ان دونوں اثر کے اصل الفاظ یہ ہیں: نماز نہ پڑھے، نماز نہیں پڑھتی۔ نماز نہ پڑھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعد میں قضا بھی نہ کرے، اور اگر کسی طرح لازم آتا ہے تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ روزہ نہیں رکھتی تو لازم آئے گا کہ روزہ کی بھی قضا نہیں۔ اب اس سے تقضی کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ حائضہ نماز قضا نہیں پڑھے گی، کے دو جز ہیں، ایک یہ کہ اس حالت میں نماز نہ پڑھے، دوسرا یہ کہ بعد میں اس کی قضا بھی نہیں، ان دونوں اثروں سے صرف پہلا جزء ثابت ہوا، دوسرا جزء اس باب میں مذکور حدیث سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ شارحین کا قیاس ہے کہ امام بخاری کے ان دونوں اثروں سے مراد مذکورہ بالا احادیث ہیں، ورنہ امام بخاری نے جو یہاں لفظ ذکر فرمائے ہیں، وہ یہ ہیں: ''تدع الصلوٰة'' حائضہ نماز چھوڑ دے گی، چھوڑنا اسی صورت میں صادق آئے گا کہ نہ اس وقت پڑھے گی نہ بعد میں قضا پڑھے گی۔

٢٢٥- ح: كُنَّا نَحِيْضُ فَلَا يَأْمُرُنَا لِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ

[ہمیں حیض آتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں نماز قضاء کرنے کا حکم نہ دیتے]

٢٢٥ - حَدَّثَتْنِيْ مُعَاذَةُ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ أَتَجْزِي إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ فَقَالَتْ أَحَرُوْرِيَّةٌ أَنْتِ كُنَّا نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ أَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهُ.

معاذہ نے حدیث بیان کی کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا ہم جب حیض سے پاک ہوں تو نماز کی قضاء کریں، فرمایا: کیا تو حروریہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمیں حیض آتا تو حضور ہمیں اس (قضاء پڑھنے) کا حکم نہیں دیتے تھے، یا یہ فرمایا: ہم یہ (قضاء) نہیں کرتی تھیں۔

---

[1] بخاری۔ ج ۲ ص ۱۰۷۴ کتاب التمنی۔ باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت

[2] ایضاً۔ ج ۱ ص ۴۴۔ باب: ترك الحائض الصوم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(مسلم۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب: وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلوٰۃ۔ص ۱۵۳' ابوداؤد۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: في الحائض لا تقضی الصلوٰۃ۔ص ۳۵' ترمذی۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: ما جاء في الحائض انها لا تقضی الصلوٰۃ۔ص ١٩' نسائی۔ج ا۔کتاب الحیض۔باب: سقوط الصلوٰۃ عن الحائض۔ص ۶۸' ابن ماجہ۔ج ا۔کتاب الطہارۃ۔باب: الحائض لا تقضی الصلوٰۃ۔ص ۴۶)

معاذہ بنت عبداللہ

عدویہ بڑی عابدہ' زاہدہ' شب زندہ دار' عالمہ' فاضلہ' حجت ثقہ' تابعیہ خاتون تھیں۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتی ہیں' ان سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے' ۸۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔

حروریہ

حروراء کوفہ کے قریب ایک بستی تھی' خوارج کا پہلا اجتماع یہیں ہوا تھا' اس لیے اس بستی کی طرف نسبت کر کے خارجیوں کو حروری کہا جاتا ہے۔ خوارج' یہ ایک باطل فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیدا ہوا' ان کے حدوث کا سبب یہ ہوا کہ جب واقعہ صفین کے موقع پر حضرت علی نے اپنی مرضی کے خلاف اپنے ہی شیعوں کے دباؤ سے خلافت کے معاملے میں حکم بنانا قبول فرما لیا تو یہ کہہ کر حضرت علی سے باغی ہو گئے کہ قرآن مجید میں ہے: ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ'' (یوسف: ۴۰) اور تم نے غیر اللہ کو حکم مان لیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے کوفہ واپس ہوئے تو بارہ ہزار خوارج ان سے الگ ہو کر حروراء میں جمع ہوئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی افہام تفہیم کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا' انہوں نے ان کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دیئے' جس پر بہ روایتے دو ہزار بہ روایتے چار ہزار کے سمجھ میں بات آ گئی اور وہ حضرت علی کی اطاعت میں آ گئے۔ دومۃ الجندل کے واقعہ کے بعد یہ بدبخت نہروان میں اکٹھے ہوئے اور طرح طرح کے مظالم کرنے لگے' حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کر ڈالا۔ ان کی اہلیہ حاملہ تھیں مگر ان پر بھی ان ستمگروں کو ترس نہیں آیا' انہیں ذبح کرنے کے بعد ان کے شکم کو چاک کر دیا' تو حضرت علی ان سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے نہروان تشریف لے گئے' پہلے افہام و تفہیم کی کوشش فرمائی' اجلہ صحابہ کرام مثلاً قیس بن سعد بن عبادہ' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم نے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں پوری طرح سمجھانے کی کوشش کی' ان کی غلط فہمیاں دور کیں' جس پر سب تقریباً راہِ راست پر آ گئے' تھوڑے سے اپنی ضد پر اڑے رہے۔ ان سے قتال فرمایا' یہاں تک کہ سب مارے گئے' قتال سے فارغ ہو کر فرمایا: ذوالثدیہ کو تلاش کرو' اگر وہ مل گیا تو تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ہے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر وہ نہیں ملا تو خود چند اصحاب کو لے کر تلاش میں نکلے تو ملا' اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کے مثل تھا' اسے دیکھتے ہی حضرت علی نے فرمایا: ''صدق اللّٰہ و بلغ رسول اللّٰہ'' اور بہت دیر تک سجدہ شکر ادا کرتے رہے' اسی موقع پر حرقوص بن زہیر تمیمی جو ذوالخویصرہ کے ساتھ مشہور تھا' مارا گیا تھا' جس نے مقام جعرانہ میں تقسیم غنائم کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی اور بہت بے باکی کے ساتھ کہا تھا: ''اعدل یا محمد'' اے محمد! انصاف کر۔

مگر بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج علماء دیوبند اس ذوالخویصرہ کو صحابی کہتے ہیں۔

خوارج' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پر تبرا کرتے ہیں' دین کے معاملہ میں بہت متشدد تھے' حتیٰ کہ یہ کہتے تھے کہ حالت حیض میں جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں' عورتوں پر اس کی قضا واجب ہے۔ (عینی۔ج ۳ص ۳۰۰)

حروراء کی نسبت میں قاعدے کے اعتبار سے ''حروراوی'' ہونا چاہیے' لیکن زوائد کو حذف کر کے حروری مستعمل ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سائلہ کون تھی؟

بخاری کی اس روایت میں سائلہ کا نام نہیں، مگر حقیقت میں سوال کرنے والی معاذہ ہی تھیں، جیسا کہ مسلم میں دوسرے طرق کی روایات میں اس کی تصریح ہے۔ مسلم میں یہ بھی ہے کہ جواب میں معاذہ نے عرض کیا: میں حروریہ نہیں ہوں، لیکن میں پوچھتی ہوں۔

شک راوی

''فلا یامرنا به او قالت فلا نفعله'' کرمانی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شک معاذہ کی طرف سے ہے، علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ''فلا یامرنا به'' اس بات میں قطعی نہیں کہ ان نمازوں کی قضا نہیں، اس لیے کہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ حضور اقدس ﷺ قضا کا حکم نہیں دیتے تھے، اس بناء پر کہ چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا پڑھنے کا حکم عام ہے، جو ان نمازوں کو بھی شامل ہے۔ اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے حکم نہیں فرماتے تھے۔

اقول: یہ احتمال سیاق کے منافی ہونے کی وجہ سے ساقط ہے، اس لیے دونوں جملوں سے یکساں طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حالت حیض میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء نہیں، غالباً علامہ نے بھی ''او ضح'' سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

مسائل

(۱) کسی فرقے کو اس جگہ کی طرف منسوب کرنا درست ہے جہاں وہ پیدا ہوا ہو (۲) اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ حائضہ پر حیض کے ایام کی نمازوں کی قضاء نہیں، سوائے خوارج کے اس کا کسی نے خلاف نہیں کیا ہے، البتہ ان ایام کے روزوں کی قضا ہے۔ اصل دلیل احادیث ہیں مگر اس میں لم یہ ہے کہ نماز روزانہ پانچ وقت کی فرض ہے، ان ایام کی نمازوں کی قضا کے حکم میں عورت پر حرج عظیم ہے، بہ خلاف روزے کے کہ وہ سال میں ایک مہینے کا فرض ہے، پورے سال میں زیادہ سے زیادہ دس روزے رکھنے پڑیں گے، اس میں کوئی دقت نہیں (۳) التزاماً ثابت ہوا کہ گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع میں حارج نہیں (۴) حائضہ کے لیے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے اتنی دیر جتنی دیر وہ نماز پڑھتی تھی، مصلے پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل کر لیا کرے تا کہ عادت نہ چھوٹے[۱] اُمید ہے کہ اسے سب سے اچھی نماز کا ثواب ملے گا۔ (ایضاً بحوالہ درایہ)

۲۲۶- ح: حِضْتُ وَاَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ

[مجھے حیض آ گیا اور میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک ہی چادر میں (سوئی ہوئی تھی)]

۲۲۶ - عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ حِضْتُ وَاَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمِيْلَةِ فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِيْ فَلَبِسْتُهَا فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِيْ فَاَدْخَلَنِيْ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِيْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَكُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے حیض آ گیا اور میں نبی ﷺ کے ساتھ چادر میں (سوئی ہوئی تھی) میں چپکے سے سرکی اور چادر سے نکلی اور میں نے حیض کا کپڑا لے کر پہن لیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تجھے حیض آ گیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں کر لیا۔ زینب نے کہا: اور انہوں (اُم سلمہ) نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ روزے سے ہوتے اور ان کا بوسہ لیتے اور میں اور

[۱] عینی۔ ج ۳ ص ۳۰۱، بحوالہ المنیۃ المفتی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنَ الْجَنَابَةِ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے۔

یہ ایک حدیث تین باتوں پر مشتمل ہے' پہلے اور تیسرے حصہ پر کلام ہو چکا ہے' صرف بیچ کے حصہ پر کلام باقی ہے' وہ کتاب الصوم میں مفصل آئے گا۔

۲۲۷- ح: وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ

[اور وہ خیر اور مسلمان کی دعا میں حاضر ہوں]

۲۲۷- عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَّخْرُجْنَ فِي الْعِيدَيْنِ فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِي خَلَفٍ فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ غَزْوَةً وَّكَانَتْ أُخْتِي مَعَهُ فِي سِتٍّ قَالَتْ فَكُنَّا نُدَاوِي الْكَلْمٰى وَنَقُومُ عَلَى الْمَرْضٰى فَسَأَلَتْ أُخْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَّا تَخْرُجَ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بِأَبِي نَعَمْ وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي سَمِعْتُهُ يَقُولُ تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُورِ وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ الْحُيَّضُ فَقَالَتْ أَلَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا

حفصہ (بنت سیرین) نے کہا: ہم اپنی نوجوان غیر شادی شدہ عورتوں کو عیدگاہ جانے سے منع کرتی تھیں' اتفاقاً ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اتری' اس نے اپنی بہن سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ میرے بہنوئی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوے کیے اور میری بہن اُن کے ساتھ چھ میں شریک رہی' میری بہن نے کہا: ہم زخمیوں کا علاج کرتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں' میری بہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو (اور عیدین میں) نہ نکلے تو کوئی حرج ہے' فرمایا: اس کی ساتھی اپنی چادر میں سے اسے اُوڑھا دے اور خیر اور مؤمنوں کی دعا میں حاضر ہوں' جب حضرت اُم عطیہ آئیں تو میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے' انہوں نے فرمایا: ان پر میرے ماں باپ قربان! ہاں' یہ جب بھی حضور کا ذکر کرتیں تو کہتیں: ان پر میرے ماں باپ قربان! میں نے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے: نوجوان غیر شادی شدہ اور پردہ نشین اور حیض والیاں بھی نکلیں' اور خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں' حیض والیاں مصلّٰے سے الگ رہیں۔ حفصہ نے کہا: اس پر میں نے کہا: کیا حیض والیاں بھی؟ فرمایا: کیا وہ عرفہ اور فلاں فلاں جگہ نہیں حاضر ہوتیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: خروج النساء والحيض المصلی۔ ص ۱۳۳۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: اذا لم يكن لها جلباب في العيد۔ ص ۱۳۴۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: اعتزال الحيض المصلی۔ ص ۱۳۴۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب المناسک۔ باب: تقضي الحائض المناسك كلها الا الطواف۔ ص ۲۲۴' مسلم۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ فصل: في اخراج العواتق وذوات الخدور والحيض المصلی۔ ص ۲۹۰' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: خروج النساء في العيد۔ ص ۱۶۱' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: في خروج النساء في العيدين۔ ص ۷۰' نسائی۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: خروج العواتق وذوات الخدور في العيدين۔ ص ۲۳۱۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: اعتزال الحيض مصلی الناس۔ ص ۲۳۲' ابن ماجہ۔ ج ا۔ کتاب العیدین۔ باب: ما جاء في خروج النساء في العيدين۔ ص ۹۳)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لغات

''عـواتق' عاتق'' کی جمع ہے' عاتق اس نوعمر لڑکی کو کہتے ہی جو بالغ ہو چکی ہو' مگر ابھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔''کلمنی'' یہ ''کلیم'' کی جمع ہے' جیسے مریض کی مرضیٰ' زخمی کے معنی میں ہے۔ جلباب وہ چادر جو کپڑوں کے اوپر سے عورتیں اوڑھتی ہیں' جس سے سر اور سینہ ڈھکا رہے' نقاب' کرتا' یہاں پہلا معنی مراد ہے۔''الـخـدور'' یہ ''خدر'' کی جمع ہے'' خِدْر'' اس پردے کو کہتے ہیں جو گھر اور خیمے میں ایک کنارے تان دیا جاتا تھا تاکہ کنواری لڑکیاں اس میں رہیں' یہاں مراد کنواری پردہ نشین عورتیں ہیں۔ یہ حفصہ' حضرت ابن سیرین کی بہن ہیں' ان کی کنیت ام الہذیل ہے' قصر بنی خلف' یہ بصرہ میں ہے جو طلحۃ الطلحات طلحہ بن عبداللہ بن خلف خزاعی کے دادا' خلف کی طرف منسوب ہے' یہ بی بی جنہوں نے قصر بنی خلف میں اپنی بہن کی روایت سے یہ حدیث بیان کی' حضرت اُم عطیہ کی بہن تھیں۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل متخرج ہوئے: (۱) حائضہ' نفساء اور انہیں کی طرح جنب ذکر و اذکار' اوراد و وظائف نہیں چھوڑے گا (۲) عیدین کی نماز کے بعد پنجگانہ نمازوں کی طرح دعا مانگنا مسنون ہے۔ فرمایا: ''ولیشهدن الخير و دعوة المسلمين'' خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ عطف میں اصل تغایر ہے' خیر سے یہاں مراد نماز عیدین ہے' اور دعوۃ المسلمین سے دعا' اب اگر یہ مان لیا جائے کہ عیدین میں دعا نہیں تھی تو دعوۃ المسلمین کا کیا مفاد ہوگا؟ علامہ عینی لکھتے ہیں:

ولیکن ممن یدعوا ویؤمن رجاء برکة المشهد الکریم. (عینی۔ ج ۳ص ۳۰۵)

یہ عورتیں بھی دعا کریں یا دعا پر آمین کہیں' اس مبارک مجمع کی برکت کے حصول کی اُمید پر۔

(۳) عورتیں مردوں کا علاج کر سکتی ہیں' اگر چہ وہ غیر محرم ہوں' اگر چہ انہیں ہاتھ لگانا پڑے حتیٰ کہ مرہم پٹی بھی کر سکتی ہیں' مگر یہ شرط ضرور ہے کہ کوئی مرد یا محرم عورت معالج نہ مل سکے تو (۴) حائضہ وغیرہ کسی مسجد میں نہیں جا سکتیں (۵) انہیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں (۶) منیٰ' عرفات' مزدلفہ جا سکتی ہیں۔

ت ۷۱ - وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَّشُرَيْحٍ اِنْ جَائَتْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ بِطَانَةِ اَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضٰى دِيْنُهُ اَنَّهَا حَاضَتْ ثَلَاثًا فِيْ شَهْرٍ صُدِّقَتْ. (دارمی۔ ابن حزم)

حضرت علی اور قاضی شریح سے منقول ہے کہ اگر عورت اپنے گھر کے مخصوص افراد میں سے کسی کو گواہ لائے' جس کے دین کو پسند کیا جاتا ہو (یعنی دین دار) کہ اسے ایک مہینے میں تین دفعہ حیض آ گیا تو اس کی بات مان لی جائے گی۔

ت ۷۲ - وَقَالَ عَطَاءٌ اَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ. (عبدالرزاق)

اور امام عطاء نے کہا: (عدت کے ایام میں) اس کے حیض کے دن وہی ہیں جو (عدت سے) پہلے تھے۔

ت ۷۳ - وَبِهٖ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ. (عبدالرزاق)

اور یہی ابراہیم نے بھی کہا۔

ت ۷۴ - وَقَالَ عَطَاءٌ الْحَيْضُ يَوْمٌ اِلٰى خَمْسَةَ عَشَرَ. (دارمی' دارقطنی)

اور عطاء نے کہا: حیض ایک دن سے پندرہ دن تک ہے۔

ت ۷۵ - وَقَالَ مُعْتَمِرٌ عَنْ اَبِيْهِ سَاَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ اَيَّامٍ قَالَ

معتمر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے ابن سیرین سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو حیض آنے کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اَلنِّسَآءُ اَعْلَمُ بِذٰلِکَ. (داری)

پانچ دن بعد پھر خون دیکھے' تو انہوں نے فرمایا: عورتیں اسے اچھی طرح جانتی ہیں۔

قاضی شریح

یمن میں جو فارسی النسل آباد ہو گئے تھے' انہیں کی نسل سے تھے' عہد نبوت ان کو ملا مگر حضور اقدس ﷺ سے شرف ملاقات حاصل نہیں' ایمان کب لائے معلوم نہیں۔ ائمہ تابعین کے صف اوّل میں سے ہیں۔ عابد' زاہد' عالم' فاضل' شاعر سبھی خوبیاں ان میں جمع تھیں' عرب ہی نہیں دنیا کے عظیم قاضیوں میں سے ہیں' حضرت فاروق اعظم نے انہیں کوفہ کا قاضی بنایا تھا' اس زمانے سے لے کر حجاج کے عہد تک مسلسل کوفہ کے قاضی رہے' درمیان میں صرف تین سال حضرت عبداللہ بن زبیر کے عہد خلافت میں اس عہدے سے الگ رہے۔

بدایہ نہایہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا تھا' پھر حضرت معاویہ نے انہیں اپنے عہد حکومت میں کوفہ ہی کا قاضی بنایا۔ حجاج کے زمانے میں استعفا دے کر علیحدہ ہو گئے' درمیانی تین سال چھوڑ کر پچھتر سال اس عہدے پر رہے' ۹۸ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ایک سوبیس سال کی عمر پا کر وصال فرمایا' ان کا وصال کب ہوا؟ اس میں کثیر اختلاف ہے' علامہ عینی نے وہی لکھا ہے جو ابھی ہم نے ذکر کیا۔

تفویض قضا کا قصہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ایک شخص سے ایک گھوڑا خریدا' اس سے پوچھ کر اس کو جانچنے کے لیے اس پر سوار ہوئے' کچھ دور جا کر گھوڑا مر گیا' حضرت فاروق اعظم نے گھوڑے کے مالک سے کہا: اپنے گھوڑا لے' اس نے لینے سے انکار کر دیا' حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: چلو ہم دونوں کسی کو حکم مان لیں' اس نے انہیں قاضی شریح کا نام لیا۔ حضرت فاروق اعظم نے تسلیم کر لیا' قاضی شریح نے طرفین کا بیان سن کر حضرت فاروق اعظم سے فرمایا: امیر المومنین! یا تو جیسا اس کا گھوڑا تھا یعنی زندہ ویسے ہی واپس کیجیے یا پھر اس کی قیمت دیجیے۔ حضرت فاروق اعظم نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا: فیصلہ یہ ہے کوفہ جاؤ' میں نے تم کو وہاں کا قاضی بنایا۔ قدرت نے ایسا ملکہ دیا تھا کہ چہرہ دیکھ کر پہچان لیتے کہ حق کس کے ساتھ ہے۔

ایک بار ایک عورت روتی ہوئی آئی' اس حال میں اپنا دعویٰ پیش کیا کہ آنسوؤں کے تار بندھے ہوئے تھے' دیکھنے والے نے کہا: یہ مظلوم معلوم ہوتی ہے' قاضی صاحب نے فرمایا: یہ ضروری نہیں' حضرت یوسف کے بھائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے: ''وَجَآءُوْا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ O'' (یوسف:١٦) اپنے والد کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے O آئے' آخر کار فیصلہ اس عورت کے خلاف ہوا۔

بہت دلچسپ باتیں کرتے تھے' زیاد بن ابیہ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لیے عراق بائیں ہاتھ سے قابو میں کر لیا ہے' دایاں ہاتھ آپ کی اطاعت کے لیے خالی ہے' مجھے حجاز کا بھی والی بنا دیں۔ یہ خبر جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ملی' یہ اس وقت مکہ میں تھے' تو یہ دعا کی: اے اللہ! زیاد کے داہنے ہاتھ کو ہم سے دور رکھ۔ یہ دعا تیر قضا بن گئی' زیاد کے داہنے ہاتھ میں طاعون کی گلٹی نکل آئی' معالجین نے کہا: ہاتھ کاٹ ڈالا جائے' زیاد نے قاضی شریح سے مشورہ کیا' فرمایا: رزق مقسوم ہے' موت کا وقت مقرر ہے' مجھے یہ پسند نہیں کہ تم دنیا میں رہو اور تمہارا ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ یا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں جاؤ اور پوچھے کہ یہ ہاتھ کیوں کٹوایا تو تم یہ کہو کہ تیری ملاقات سے بچنے کے لیے۔ زیاد نے ان کا مشورہ قبول کر لیا' اسی دن مر گیا۔ عوام کو زیاد سے جو عداوت تھی' وہ یہی چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لوگوں نے قاضی صاحب کو ملامت کی تو فرمایا: زیاد نے مجھ سے مشورہ کیا تھا' اور جس سے مشورہ کیا جائے وہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امانت دار ہوتا ہے' ورنہ میں بھی یہی پسند کرتا تھا کہ روز اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔

اس عہد کے باہمی جھگڑوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے حتیٰ کہ لڑائی جھگڑے کے واقعات بھی نہیں سنتے تھے' نہ کسی سے پوچھتے تھے' اس پر ایک صاحب نے کہا: اگر میں نہ پوچھوں تو مر جاؤں۔ (عینی۔ بدایہ نہایہ۔ ابن خلکان)

اثر اوّل

پورا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت اور مرد آئے' مرد نے اس عورت کو طلاق دے دی تھی۔ عورت کا یہ کہنا تھا کہ میری عدت ختم ہو گئی' حالانکہ ابھی طلاق دیئے ایک ہی مہینہ ہوا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے کہا: تم فیصلہ کر دو! انہوں نے عرض کیا: حضور موجود ہیں اور میں فیصلہ کروں' فرمایا: فیصلہ کرو! قاضی شریح نے یہ فیصلہ کیا: اگر اپنے گھر کی عادل دین دار عورتوں میں سے کسی کو لائے جو یہ گواہی دے کہ اس مدت میں اسے تین حیض آ چکے ہیں' ہر حیض پر پاک ہو کر اس نے نماز پڑھی ہے تو عدت پوری ہو گئی' ورنہ نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا: ''قالون'' یعنی تم نے اچھا فیصلہ کیا' یہ رومی لفظ ہے' دوسرا اور تیسرا اثر یعنی حضرت عطاء اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول بھی عدت ہی کے بارے میں ہے' مراد یہی ہے کہ عدت سے پہلے اس کی جتنے دنوں حیض آنے کی عادت تھی' عدت میں بھی اسی کا اعتبار ہو گا۔

حضرت عطاء کے دوسرے قول یعنی چوتھے اثر کا مفاد یہ ہے کہ حیض کی مدت کم از کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔ پانچویں اثر یعنی حضرت ابن سیرین کے قول کا مطلب یہی ہے کہ عورت کی جیسی عادت ہو' اس کے مطابق اس کے حیض کے ایام ہوں گے۔

باب کی توضیح

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے:

اذا حاضت فی شھر ثلث حیض وما یصدق النساء فی الحیض والحمل فیما یمکن. جب عورت کو ایک مہینے میں تین حیض آئیں' حیض و حمل کے معاملے میں عورتوں کی بات مانی جائے گی' اگر وہ جو کہیں ممکن ہو تو۔

باب کا دوسرا حصہ اجماعی ہے' البتہ پہلا حصہ اختلافی ہے۔ امام بخاری نے باب کی تائید میں جو آیت ذکر کی ہے' اس سے صرف دوسرا حصہ ثابت ہوتا ہے' پہلا حصہ یعنی یہ کہ ایک مہینے میں تین حیض آ سکتے ہیں' ثابت نہیں ہوتا۔ لامحالہ امام بخاری کو اقوال رجال کا سہارا لینا پڑا اور افسوس یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں' وہ بھی بعض ایسے اقوال رجال سے جو امام بخاری کے طریقے پر ضعیف ہیں' مثلاً حضرت علی اور قاضی شریح کے اثر کے راوی شعبی ہیں' شعبی کا حضرت علی سے سماع ثابت نہیں' اگرچہ زمانہ ایک ہے۔

حیض و طہر کی اقل مدت

اس کی تفصیل یہ ہے: حیض و طہر کی اقل مدت اور اکثر مدت کے سلسلے میں چاروں ائمہ کے چار مذہب ہیں' حضرت امام مالک کا مذہب یہ ہے: عدت کے معاملے میں حیض کی اقل مدت تین دن ہے اور نماز روزے اور وطی کے معاملے میں ایک قطرہ تک ہے یعنی ایک قطرہ خون آ کر رک جائے تو حیض ختم۔ اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ حنبلی حضرات کا مذہب مختار یہ ہے کہ اقل حیض کی کوئی مدت نہیں' البتہ اقل طہر کی مدت تیرہ دن ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اقل حیض کی مدت ایک دن اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن۔ ہمارے نزدیک اقل مدت حیض تین دن اور تین راتیں ہیں اور اقل مدت طہر پندرہ دن ہے۔ قاضی شریح کا فیصلہ امام مالک اور امام احمد کے مذہب کے مطابق ہو سکتا ہے۔ امام مالک کے مذہب پر بالکل ظاہر ہے' جب ان کے نزدیک عدت کے معاملے میں اقل حیض کی مدت تین دن

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے اور اقل طہر کی کوئی مدت نہیں، تو نو دن چند ساعت میں عدت پوری ہو سکتی ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک جب اقل حیض کی کوئی مدت نہیں، اور اقل طہر کی تیرہ دن ہے تو چھبیس دن اور چند ساعت میں عدت پوری ہو سکتی ہے، مثلاً شوہر نے طلاق دی، فوراً خون کا ایک قطرہ آیا، پھر تیرہ دن بند رہا، پھر ایک قطرہ آیا، پھر تیرہ دن بند رہا، پھر ایک قطرہ آیا اور بند ہو گیا، عدت پوری ہو گئی۔

البتہ ہمارے اور شوافع کے نزدیک ایک مہینے میں عدت پوری نہیں ہو سکتی، امام شافعی کے نزدیک تو اس لیے کہ ان کے نزدیک عدت تین طہر ہے اور جس طہر میں طلاق دی، وہ بھی عدت میں شمار ہوگا۔ فرض کیجیے! کسی نے طہر میں طلاق دی، طلاق دینے کے بعد فوراً حیض جاری ہو گیا، اب اس کے بعد ایک دن حیض کا، پندرہ دن طہر کے، پھر ایک دن حیض، پندرہ دن طہر کے، اب تین طہر ہو گئے، یہ کل بتیس دن ہو گئے، اس سے کم میں امام شافعی کے مذہب کی رو سے عدت پوری ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے مذہب میں بتیس دن سے کم میں عدت پوری نہیں ہو سکتی۔ ہمارے یہاں عدت کے لیے کم از کم انتالیس دن ضروری ہیں، تین حیض کے لیے نو دن اور دو طہر کے لیے تیس دن۔

اب لامحالہ احناف اور شوافع کو، قاضی شریح کے اس فیصلے کی تاویل کرنی پڑے گی، مگر میرے خیال میں تاویل کی ضرورت نہیں۔

اوّلاً: اس کے الفاظ میں خود اضطراب ہے، جو روایت دارمی میں یعلیٰ بن عبید کے طریقے سے ہے۔ اس میں ''حاضت في شهرٍ'' ہے اور ابن حزم نے جو بہ طریق ہشیم روایت کی ہے، اس میں ''في شهر او خمس و ثلثين ليلة'' ہے۔

ثانیاً: جب احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے کہ اقل مدت حیض تین دن اور اکثر مدۃ حیض دس دن ہے اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن تو بہر حال احادیث مرفوعہ کو قاضی شریح کے فیصلے کے مقابلے میں ترجیح ہوگی۔ ان احادیث پر اگرچہ بہ اعتبار سند کلام کیا گیا ہے، مگر تعدد طرق سے قوت پا کر درجہ حسن تک پہنچ چکی ہیں، جیسا کہ علامہ عینی نے شرح ہدایہ اور شرح بخاری میں ثابت فرمایا ہے، اور حدیث حسن احکام میں بھی حجت ہے۔

رہ گئے بقیہ آثار، ان سب کے جواب میں یہی گزارش ہے کہ ارشاداتِ رسول کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں، نیز ان کے بالمقابل انہیں حضرات کے درجے کے دوسرے حضرات کے اقوال ہمارے موافق ہیں، جن کی فہرست عینی شرح ہدایہ میں موجود ہے، علاوہ ازیں استحاضہ کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں اور خود امام بخاری نے یہاں جو حدیث ذکر فرمائی ہے، اس میں ''قدر الايام اللتي'' ہے، حضرت امام رازی اگرچہ شافعی ہیں، مگر انہوں نے اس سے استدلال فرمایا کہ اقل حیض کی مدت تین ہی دن ہوگی اس سے کم نہیں اور اکثر مدت دس دن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ اس طرح کہ ایام جمع ہے، اور اقل جمع تین ہے اور اعداد کی تمیز میں عشرۃ (دس) تک جمع لاتے ہیں، بولتے ہیں: ''تسعة ايام عشرة ايام'' اس کے بعد واحد لاتے ہیں، کہتے ہیں: ''احد عشر يومًا'' لفظ ایام سے جہاں تک اقل مدت پر استدلال ہے، وہ سو فیصد صحیح ہے، البتہ اکثر مدت پر استدلال میں خلجان ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ (الحاقۃ: ۲۴) گزشتہ دنوں جو کچھ آگے بھیج چکے ہو، اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو○

اس آیت میں ایام سے تقریباً پوری زندگی مراد ہے، ایضاح البخاری کے حاشیے میں خود مصنف کی جو تاویل نقل کی ہے کہ اس سے مراد وہ ایام ہیں جو آیہ کریمہ ''اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○'' (الحج: ۴۷) میں مذکور ہے۔ یعنی ہمارے دنوں سے ایک ہزار دن کا ایک دن، اس کی تشریح مرتب صاحب نے یہ کی ہے کہ حضرت آدم سے اب تک تقریباً آٹھ ہزار سال گزر چکے ہیں، اگر ایام خالیہ سے دس دن مراد لیے جائیں تو وہ ''الف سنة'' کے حساب سے دس ہزار سال ہوتے ہیں، اس طرح دنیا کی زندگی تین ہزار

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سال اور ہو سکتی ہے اور معلوم ہے کہ دنیا اب قیامت کے دہانے پر ہے۔ (ج ۱۲ ص ۱۴۵)

یہ تاویل بہ چند وجوہ باطل محض ہے بلکہ قرآن کی تحریف معنوی ہے۔

(۱) یہاں جمع کا مقابلہ جمع سے ہے اس لیے آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوگی مطلب یہ ہوا کہ یہ ہر جنتی سے کہا جائے گا تو کیا ہر جنتی دس ہزار سال تو بڑی بات ہے ایک ہزار سال بھی دنیا میں رہا ہے۔

(۲) آپ نے کیسے جان لیا کہ دنیا قیامت کے دہانے پر آ گئی ہے کہ تین ہزار سال کے بعد قیامت آ جائے گی جبکہ آپ لوگوں کے عقیدے کی رو سے حضور اقدس ﷺ کو بھی قیامت کا علم نہ تھا۔

(۳) آٹھ میں تین ملانے سے گیارہ ہوتے ہیں دس نہیں ہوتے۔

(۴) گیارہ ہو گئے تو امام رازی کا استدلال رخصت۔

(۵) آیت کا صریح منطوق یہ ہے کہ اس آیت میں ''ایام خالیہ'' سے مراد اس دنیا کے ایام ہیں ''عند ربك'' والے ایام نہیں۔

(۶) فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ. (البقرہ: ۱۸۳۔۱۸۴)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرو

اس میں کیا کہیں گے؟ سابعاً: آپ مستدل ہیں اور مستدل کے لیے احتمال کافی نہیں مجھے کہنے دیجئے کہ کوئی عجوبہ روزگار بات کہہ کر طلبہ سے داد و تحسین حاصل کر لینا اور بات ہے اس کا فی الواقع صحیح ہونا اور بات ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ عدد کے ساتھ جب تمیز آتی ہے تو دس کے بعد واحد اور اس سے پہلے جمع آتی ہے اور جب عدد کے ساتھ نہ ہو تو جمع بول کر ہزار ہا ہزار مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین کے ارشاد میں آیا ہے: ''بعد قرئها'' علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس میں قرء سے مراد طہر ہے اس لیے کہ پہلے ''تری الدم'' اسی پر قرینہ ہے خون کے بعد خون دیکھنے کا کیا معنی؟ علامہ عینی نے فرمایا کہ نہیں! قرء سے مراد حیض ہی ہے۔ یہاں سوال کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو مخصوص دن خون آنے کی عادت تھی۔ اتنے دن خون آ چکا پھر پانچ دن مزید آیا تو یہ پانچ دن حیض ہی میں شمار ہوں گے یا نہیں۔ ابن سیرین نے جواب دیا: عورتیں اسے جانتی ہیں کہ عادت کے دنوں میں حیض ہے اور اس کے بعد استحاضہ۔ صاحب توضیح نے بھی یہی فرمایا کہ قرء سے مراد حیض ہے خود ابن سیرین قرء سے مراد حیض لیتے تھے اور ہر متکلم کے کلام کے وہی معنی متعین ہیں جو خود اس کا محاورہ ہو۔

۲۲۸- ح: كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا

[ہم گدلی اور زرد رطوبت کو کچھ شمار نہیں کرتی تھیں]

۲۲۸ - عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم لوگ گدلی اور زرد رطوبت کو کچھ نہیں شمار کرتی تھیں۔

(ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی المرأة ترى الكدرة والصفرة بعد الطهور۔ ص ۴۳ نسائی۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: الصفرة والكدرة۔ ص ۶۶ ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في الحائض ترى بعد الطهر الصفرة والكدرة۔ ص ۴۷)

حیض کتنے رنگوں کا ہوتا ہے؟ گزر چکا اور اس پر بہ قدر ضرورت کلام بھی ہو چکا یہاں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ ایام

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حیض کے بعد ہم گدلے اور پیلے رنگ کی رطوبت کو حیض نہیں جانتی تھیں' جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں اس کی تصریح ہے' اسی وجہ سے امام بخاری نے باب میں یہ قید لگائی ہے: ''فی غیر ایام الحیض'' ایام حیض میں اگر ان دونوں رنگ کی رطوبت دکھائی دے تو وہ حیض ہی ہے۔

٢٢٩- ح: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ

[مستحاضہ ہر نماز کے لیے غسل کرے گی]

٢٢٩- عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَسَأَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ.

نبی ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت اُم حبیبہ کو سات سال استحاضہ رہا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو حضور نے انہیں غسل کا حکم دیا اور فرمایا: یہ رگ ہے' اس کے بعد وہ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: عرق المستحاضۃ۔ ص ٤٧' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: المستحاضۃ و غسلھا و صلٰوتھا۔ ص ١٥١' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما روی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلٰوۃ۔ ص ٤٠' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی المستحاضۃ انھا تغتسل عندہ کل صلٰوۃ۔ ص ١٩' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: ذکر الاستحاضۃ و اقبال الدم و ادبارہ۔ ص ٦٥۔ مزید بعد کے دو باب میں' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی المستحاضۃ اذا اختلط علیھا الدم فلم تقف علی ایام حیضھا۔ ص ٤٦)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت اُم المومنین نہیں بلکہ جحش بن مطلب کی صاحبزادی اور اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام زینب تھا۔ عینی میں ہے کہ اُم المومنین حضرت زینب کا نام پہلے برّہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے بدل کر زینب رکھا' اس لیے کہ ان کی بہن اپنی کنیت اُم حبیبہ کے ساتھ مشہور ہو گئی تھیں۔

مستحاضہ کا حکم

یہ ہے کہ اس عارضہ سے پہلے جتنے دن حیض آتا تھا' اتنے دن حیض شمار کرے' نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے' جب یہ دن پورے ہو جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھے' ہر نماز کے لیے غسل واجب نہیں' البتہ ہر نماز کے لیے وقت نکلنے کے بعد وضو واجب ہے۔

تکمیل

بخاری میں صرف یہ ہے: ''فامرہ تغتسل'' مگر مسلم وغیرہ میں ''لکل صلوۃ'' زائد ہے' یعنی یہ حیض کے معتاد دن گزار کر ہر نماز کے لیے غسل کرے' یہ حکم استحبابی ہے' یعنی ہر نماز کے لیے غسل کرنا اسے مستحب ہے' استحاضہ کا خون' جوف رحم سے نہیں آتا' بلکہ رحم کے منہ کے قریب ایک رگ ہے' جس کا نام عاذل ہے' اس سے آتا ہے۔ (نووی شرح مسلم۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: المستحاضۃ۔ ص ١٥١)

٢٣٠- ح: اِنَّ صَفِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَدْ حَاضَتْ

[حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

٢٣٠ - عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ فَقَالُوْا بَلٰى قَالَ فَاخْرُجِيْ.

نبی ﷺ کی اہلیہ مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! صفیہ بنت حیی کو حیض آ گیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شاید وہ ہمیں روک دے' کیا تم لوگوں کے ساتھ اس نے طواف نہیں کیا تھا' تو لوگوں نے کہا: ہاں! کرلیا تھا' فرمایا: تو چلو!

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ۔ ص ۴۷)

اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

یہ مدینہ کے باشندے یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جب ۴ھ میں باوجود باہمی معاہدے کے انہوں نے بدعہدی کی' حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ کے شہید کرنے کی سازش کی تو انہیں جلاوطن کر دیا گیا' یہ جا کر خیبر میں آباد ہو گئے۔

یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں' ان کا والد بنو قریظہ کے ساتھ قتل ہوا' ان کا نکاح پہلے سلام بن مشکم سے ہوا تھا' پھر کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا' کنانہ خیبر میں جب مارڈالا گیا اور یہ قید ہو گئیں تو کرم فرماتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے انہیں اپنے حرم میں داخل فرمالیا' اور صہبا پر زفاف فرمایا' کھجور اور ستو سے دعوتِ ولیمہ فرمائی۔ اس سے پہلے انہوں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک چاند ان کی گود میں آ گیا ہے' اس خواب کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا۔ اس خبیثہ نے انہیں اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کا نشان رہ گیا' اور کہا: تو اپنی گردن اُٹھاتی ہے کہ شہنشاہِ عرب کی ملکہ ہو' خدمت اقدس میں حاضری کے وقت اس کا نشان باقی تھا' انہوں نے حضور کو دکھایا بھی' یہ حسن و جمال میں یکتا' علم و فضل میں یگانہ' تحمل و بردباری میں بے مثل تھیں۔ یہ جب مدینہ طیبہ آئیں تو ان کا شہرہ سن کر عورتیں ان کی زیارت کے لیے گئیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ بھی گئیں' حضور نے انہیں دیکھ لیا' جب واپس آئیں تو پوچھا: کیسی ہے؟ انہوں نے کہا: یہودیہ ہے' فرمایا: یہودیہ مت کہو! حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما یہ کہا کرتی تھیں کہ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں زیادہ معزز ہیں' ہم ان کی بیبیاں ہیں اور ان کے چچا کی بیٹیاں ہیں' اس کی خبر ان کو ملی تو رونے لگیں' اسی حال میں حضور تشریف لائے' دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ انہوں نے حضور سے شکایت کی' حضور نے فرمایا: تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا: تم دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو' حالانکہ میرے شوہر محمد ہیں اور میرے والد ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہم السلام۔ مرضِ وصال میں تمام ازواج حاضر تھیں' حضور کا حال دیکھ کر حضرت صفیہ نے کہا: یا نبی اللہ! کاش کہ حضور کی بیماری مجھے ہوتی۔ اس پر تمام ازواج نے آنکھ ماری' حضور نے فرمایا: تم سب کلی کرو' ازواج نے عرض کیا: کاہے سے؟ فرمایا: صفیہ کو آنکھ مارنے سے' بخدا! وہ سچی ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بلوائیوں نے محاصرہ کر لیا تو یہ اپنے غلام کنانہ کے ساتھ خچر پر سوار ہو کر چلیں کہ بلوائیوں کو واپس کریں۔ اُشتر نے ان کے خچر کے منہ پر مارا تو لوٹ پڑیں' پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ کھانا پانی بھیجتی رہیں' ۵۰ھ کے رمضان المبارک میں وصال ہوا' جنت البقیع میں آسودہ ہیں' ان سے دس حدیثیں مروی ہیں' جن میں سے ایک بخاری نے لی ہے۔ (عینی' اصابہ' استیعاب' الاکمال)

لغات

یہاں "لعل" ترجی" کے لیے نہیں' استفہام کے لیے ہے' مقصد یہ ہوا کہ کیا وہ ہمیں روک دے گی؟ اس حدیث کی بعض روایتوں میں "عقریٰ' حلقی" آیا ہے' عقریٰ کا مادہ "عقر" اس کے معنی ہیں: زخمی کرنا' ذبح کرنا' کونچیں کاٹنا' بانجھ ہونا' ہلاک کرنا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''عقری'' کے معنی یہ ہیں: اللہ اسے زخمی کرے، مار ڈالے، بانجھ کر دے، یہ اپنی قوم کو ہلاک کر دے۔ ''حلقی'' مادہ حلق ہے، اس کے معنی سر مونڈنا، حلق میں بیماری ہونا ہے۔ حلقی کے معنی ہوئے: اس کا سر مونڈ دیا جائے۔ اس کی حلق میں بیماری ہو، اس کی قوم مونڈی جائے، یعنی برباد ہو۔ علامہ قرطبی نے نقل کیا کہ عورتوں کو جب حیض آتا تو یہود ان کو ''عقری حلقی'' کہا کرتے تھے، یہ تو ان دونوں الفاظ کی اصل ہوئی۔ عرف میں اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے، یہ بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے، جیسے ''قاتله الله، تربت یمینك'' وغیرہ استعمال ہوتے ہیں، یعنی زجر و خفگی کے اظہار کے لیے بولتے ہیں، کبھی کبھی پیار کے لیے بھی، ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ اسے مار ڈالے بانجھ بنادے، اس کا سر مونڈ دے۔

مسائل

(۱) طواف افاضہ جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں، فرض ہے (۲) اس کا وقت دس ذوالحجہ کی صبح صادق سے لے کر مدت العمر ہے۔ اس کے بغیر کوئی احرام سے پورے طور پر باہر نہیں ہوتا، دسویں کو قربانی کر کے سر منڈانے کے بعد عورت سے قربت کے علاوہ تمام ممنوعات احرام کی اجازت ہو جاتی ہے مگر جب تک طواف زیارت نہ کر لیں، قربت جائز نہیں۔ اگر بالفرض کوئی مرد و عورت طواف زیارت کے بغیر گھر واپس آ جائے تو بھی قربت جائز نہ ہوگی، جب تک کہ طواف زیارت نہ کر لے (۳) حائضہ کو حیض کی حالت میں طواف کی اجازت نہیں، حیض کی حالت میں طواف صدر یا طواف وداع کرے گی تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے اور اگر طواف زیارت کرے گی تو ایک اونٹ کی (۴) آج کل واپسی کے ٹکٹ کی وجہ سے بعض عورتوں کو یہ دشواری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس عارضہ کی وجہ سے ایام نحر میں بھی طواف زیارت نہیں کر پاتیں اور کبھی بعد میں بھی موقع نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں درخواست دے کر اگر واپسی کی تاریخ بدلی جا سکے تو بدلوا لینا ضروری اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی شخص عورت کے سامنے یہ مسئلہ بیان کر دے کہ جو عورت حیض کی حالت میں طواف زیارت کرے گی، وہ گنہگار ہوگی۔ اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہے[1] (۵) حائضہ و نفساء سے طواف وداع ساقط ہے۔

۲۳۱- ح: رُخِّصَ لِلْحَائِضِ اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ

[حائضہ کو (الوداعی طواف کیے بغیر) واپس جانے کی رخصت]

۲۳۱ - عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِيْ اَوَّلِ اَمْرِهِ اِنَّهَا لَا تَنْفِرُ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ تَنْفِرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ. (بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: المراة تحيض بعد الافاضة۔ ص ۴۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حائضہ کو اجازت ہے کہ (طواف وداع کیے بغیر) مکہ سے واپس ہو سکتی ہے، اور حضرت ابن عمر پہلے یہ کہتے تھے کہ (طواف وداع کیے بغیر) واپس نہ ہو مگر بعد میں میں نے خود سنا کہ وہ فرماتے تھے: جا سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دی ہے۔

''وکان ابن عمر الخ'' یہ امام طاؤس کا کلام ہے، عینی میں ہے: ''هو كلام طاوس قوله ثم سمعته اى قال طاؤس سمعت ابن عمر الخ''، مگر ایضاح البخاری میں اسے ابن عباس کا قول بتایا ہے، ترجمہ میں ہے: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر میں نے انہیں فرماتے سنا۔ اللہ عزوجل اس قوم کو ہدایت دے، یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ تصنیف کے وقت شروح دیکھ لیں، اپنے جی سے جو آتا ہے ہانک دیتے ہیں۔ ابتداءً اس مسئلہ میں اختلاف تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پہلے اپنے اجتہاد سے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ

[1] ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۸۲

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرائض حج سے فراغت کے بعد اگر کسی عورت کو حیض آ جائے تو وہ پاک ہونے تک مکہ معظمہ میں ٹھہری رہے' پاکی کے بعد طواف وداع کر کے اپنے گھر جائے' مگر جب انہیں حدیث مل گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے حائضہ کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر واپس ہو سکتی ہے تو وہ بھی اس کے مطابق فتویٰ دینے لگے۔

٢٣٢- ح: اَلْحَائِضُ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً مِنْ نَّهَارٍ

[مستحاضہ غسل کرے اور نماز پڑھے' اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے (طہر دیکھے)]

٢٣٢ - قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَلَوْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّيَاْتِيهَا زَوْجُهَا اِذَا صَلَّتْ الصَّلٰوةُ اَعْظَمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مستحاضہ غسل کرے اور نماز پڑھے' اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے طہر دیکھے' اگر یہ نماز پڑھ لے تو اس کے پاس اس کا شوہر آ سکتا ہے' نماز بہت عظمت والی ہے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: اذا رأت المستحاضۃ الطہر۔ ص ٧ ۴' ابن ابی شیبہ)

یہاں باب یہ ہے: ''اذا رأت المستحاضة الطهر'' جب مستحاضہ طہر دیکھے' اس کے دو مطلب ہیں' ایک یہ کہ واقعی حیض بند ہو جائے' دوسرے یہ کہ حکماً طہر دیکھے' مثلاً اس کی عادت کے دن پورے ہو گئے یا یہ کہ خالص سفید رطوبت آنے لگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقل طہر کی کوئی مدت نہیں' ایک ساعت بھی ہو سکتی ہے' یہ جمہور کے مسلک کے خلاف ہے' جمہور اور ہمارا اور شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اقل طہر کی مدت پندرہ دن ہے۔

مستحاضہ سے وطی جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں خود صحابہ کرام میں اختلاف تھا' اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ جائز نہیں۔ اور یہی زہری' ابراہیم نخعی' ابن سیرین اور حکم کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں ایسی ہی احادیث ملی ہیں' جن میں صرف نماز کی اجازت ہے' ہم بستری کے بارے میں کوئی اجازت وارد نہیں۔

جمہور فرماتے ہیں: جماع سے ممانعت صرف حیض کی حالت میں تھی' اس لیے کہ وہ اذی ہے' جب حیض ختم تو اباحت لوٹ آتی ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد[1] میں ہے کہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے استحاضے کی حالت میں ان کے شوہر ہم بستری کرتے تھے۔ نیز دار قطنی اور ابوداؤد[2] میں ہے کہ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شوہر بھی اس حالت میں ان سے ہم بستری کرتے تھے۔ الصلوٰۃ اعظم کے بارے میں علامہ عینی نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ امام بخاری کا قول ہے' یہ ان کا استخراج ہے' یعنی حضرت ابن عباس کا قول نہیں۔

اس باب پر امام بخاری نے حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال فرمایا' جس میں یہ ہے کہ حضور نے یہ فرمایا: جب حیض آنے لگے تو یہ نماز چھوڑ دے' جب ختم ہو جائے تو خون دھو کر نماز پڑھے۔ مراد یہ ہے کہ غسل بھی کرے۔ اس کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ یہ سب کو معلوم تھا کہ انقطاع حیض کے بعد غسل فرض ہے۔

٢٣٣- ح: اِنَّ امْرَاَةً مَاتَتْ فِيْ بَطْنٍ فَصَلّٰى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[ایک عورت پیٹ کی بیماری کی وجہ سے فوت ہو گئی' نبی ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی]

٢٣٣ - عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ امْرَاَةً مَاتَتْ فِيْ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت

---

[1] ابوداؤد۔ ج ا ص ۴۳۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: المستحاضۃ یغشاہا زوجہا [2] ایضاً

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بَطْنٍ فَصَلّٰى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ وَسَطَهَا. پیٹ کی تکلیف کی وجہ سے (زچگی کے دنوں میں) فوت ہوگئی' نبی ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی' نماز کے لیے ان کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب: النفساء وسنتها۔ ص ۴۸' بخاری۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: الصلوٰة على النفساء ماتت في نفاسها۔ ص ۱۷۷۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: اين يقوم من المرأة والرجل۔ ص ۱۷۷' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: في القيام وسط المراة للصلوٰة عليها۔ ص ۳۱۱' ابوداؤد۔ ج ۲۔ کتاب الجنائز۔ باب: اين يقوم الامام من الميت اذا صلى عليه۔ ص ۱۰۰' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء اين يقوم الامام من الرجل والمرأة۔ ص ۱۲۳' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الجنائز۔ باب: اجتماع جنائز الرجال والنساء۔ ص ۲۸۰' ابن ماجہ۔ کتاب الجنائز۔ باب: ما جاء اين يقوم الامام اذا صلى على جنازة۔ ص ۱۰۸)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

بنی فزارہ کے چشم و چراغ تھے' یہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا' انہیں لے کر ان کی والدہ مدینہ آئیں' بہت خوبصورت خاتون تھیں' بہت سے لوگوں نے پیغام دیا' ان کی ماں نے یہ شرط کی کہ میں اسی سے شادی کروں گی' جو اس بچے کی بھی پرورش کا وعدہ کرے' ایک انصاری نے اسے قبول کیا' ان کے ساتھ ان کا عقد ہوگیا' یہ اپنی ماں کے ساتھ انصار میں رہنے لگے۔ انصار کرام کی عادت تھی کہ ہر سال اپنے بچوں کو حضور اقدس ﷺ کے سامنے پیش کرتے' جو جہاد کے لائق ہوتا اسے قبول فرما لیتے۔ ایک بار ایک صاحبزادے کو حضور نے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد حضرت سمرہ پیش ہوئے تو انہیں مسترد فرما دیا' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! حضور نے اسے اجازت دے دی اور مجھے واپس فرما دیا' اگر ہم دونوں کشتی لڑیں تو اسے میں پچھاڑ دوں گا' حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: پھر لڑ کے دکھاؤ! دونوں میں کشتی ہوئی' حضرت سمرہ نے انہیں پچھاڑ دیا' اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے انہیں بھی لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

زیاد بن ابیہ نے انہیں چھ مہینہ بصرہ کا والی بنایا اور چھ مہینے کوفہ کا' جب زیاد مرا تو بصرہ کے والی تھے۔ حضرت معاویہ نے انہیں سال بھر اس عہدے پر باقی رکھا' پھر معزول کر دیا۔ یہ خوارج کے معاملے میں بہت سخت تھے' اسی لیے خوارج ان کو بُرا کہتے تھے' ایک مرتبہ یہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک صاحب اور موجود تھے۔ حضور نے ان تینوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم تینوں میں جو سب کے بعد مرے گا' وہ آگ میں مرے گا' اسی کے مطابق ہوا' انہیں بہت سخت کُزاز (پیچش) ہوگئی' اس کے لیے وہ بھپارا لیتے' ایک بار بھپارا لیتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں گر پڑے اور یہی پیامِ اجل ثابت ہوا۔ بصرہ ہی میں وصال ہوا' ۵۹ھ سنہ وصال ہے۔ ان سے ایک سو تیس احادیث مروی ہیں' جن میں سے چار بخاری نے روایت کی ہیں' ایک حدیث انہیں سے یہ مروی ہے: حضرت امام حسن بصری نے فرمایا کہ حضرت سمرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما مذاکرہ کر رہے تھے' حضرت سمرہ نے کہا: میں نے نماز میں رسول اللہ ﷺ کا دو بار سکتہ یعنی وقفہ یاد رکھا ہے' ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد دوسرا ولا الضالین کے بعد۔ حضرت عمران نے اسے نہیں مانا۔ لوگوں نے مدینہ طیبہ' حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھا' حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا: سمرہ نے سچ کہا اور یاد رکھا۔ ان بی بی کا نام کعب تھا۔[1] یہ انصاری خاتون تھیں۔ "فِي بَطْنٍ" میں فی تعلیلیہ ہے' جیسے اس حدیث میں ہے: "دخلت امرأة في هرة حبست" اور جیسا کہ آیت کریمہ "فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ" (یوسف: ۳۲) میں ہے: "فی بطن" سے مراد بچے کی

---

[1] الاستیعاب' اصابہ' یعنی اکمال۔ [2] مسلم۔ ص ۳۱۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پیدائش کی وجہ سے موت واقع ہوئی' جیسا کہ خود بخاری' کتاب الجنائز اور دوسری کتابوں میں "ماتت فی نفاسھا" ہے "وسط" میں دو روایتیں ہیں' سین کو فتحہ اور سین کو سکون' جو سین کو فتحہ پڑھتے ہیں' وہ اس کو اسم مانتے ہیں اور جو سکون پڑھتے ہیں وہ ظرف۔ منتشر اجزاء کے لیے سین کے سکون کے ساتھ ہے' جیسے ناس و دواب وغیرہ اور مجتمع الاجزاء کے لیے' سین کے فتحہ کے ساتھ جیسے گھر وغیرہ' مگر یہ قاعدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ارشاد ہے: "جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا" (البقرۃ:۱۴۳) اور ظاہر ہے کہ اُمت متفرق الاجزاء ہے۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے: (۱) جو جنابت یا حیض یا نفاس کی حالت میں مر جائے تو اس کی بھی نمازِ جنازہ جائز ہے (۲) اس حدیث سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا کہ میت اگر عورت ہے تو امام اس کی کمر کے پاس کھڑا ہوگا' مگر ہمارا مذہب مختار و مفتیٰ بہ یہ ہے کہ میت مرد ہو یا عورت سینے کے برابر کھڑا ہوگا۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کمر کے پاس کھڑے ہوئے' بلکہ "وسطھا" ہے' اسے اگر "وَسَطٌ" سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی بیچ کے ہوں گے' اب اگر ہاتھ پاؤں کو الگ مان کر دیکھیں تو بیچ سینہ ہی ہوگا اور اگر ہاتھ پاؤں کو ملا کر دیکھیں تو سینے سے اوپر دو عضو سر اور ہاتھ ہیں اور سینے سے نیچے دو عضو یعنی پیٹ اور پاؤں ہیں' بیچ کا عضو سینہ ہوگا۔ اور اگر "وَسْطٌ" سین کے سکون کے ساتھ پڑھیں تو اس کے معنی ہوئے: درمیان کے' اور ظاہر ہے کہ درمیان سینے کو بھی شامل' جسم کے درمیانی اعضاء میں یہ بھی ہے' وسط کی دلالت کمر پر قطعی نہیں' اس مسئلہ پر بقیہ گفتگو کتاب الجنائز میں ہوگی۔

٢٣٤- ح: اِصَابَۃُ ثَوْبِ الْمُصَلِّیْ عَلَی الْحَائِضِ

[نمازی کے کپڑے کا حائضہ کو لگنا]

٢٣٤ - عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّھَا کَانَتْ تَکُوْنُ حَآئِضًا لَا تُصَلِّیْ وَھِیَ مُفْتَرِشَۃٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یُصَلِّیْ عَلٰی خُمْرَتِہٖ اِذَا سَجَدَ اَصَابَنِیْ بَعْضُ ثَوْبِہٖ.

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنی خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ وہ حالتِ حیض میں ہوتیں' نماز نہ پڑھتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے رہتے' میں آپ کی جائے نماز کے برابر لیٹی رہتی' جب سجدہ کرتے تو آپ کے کپڑے کا کچھ حصہ مجھ سے چھو جاتا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الحیض۔ باب۔ ص ۴۷' بخاری۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: اذا اصاب ثوب المصلی امرأتہ اذا سجد۔ ص ۵۵۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ علی الخمرۃ۔ ص ۵۵' مسلم۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: جواز الجماعۃ فی النافلۃ والصلوٰۃ علی الحصیر والخمرۃ۔ ص ۲۳۴' ابوداود۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: الصلوٰۃ علی الخمرۃ۔ ص ۹۶' نسائی۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: الصلوٰۃ علی الخمرۃ۔ ص ۱۲۰' ابن ماجہ۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ۔ باب: من صلی وبینہ وبین القبلۃ شیء۔ ص ۶۷' دارمی۔ کتاب الصلوٰۃ' مسند امام احمد)

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ

عہد رسالت میں پیدا ہوئے' ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمیس تھیں' جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کی حقیقی بہن تھیں اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن' ان دونوں کی ماں کا نام ہند بنت عوف ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہ حارث کی صاحبزادی ہیں اور سلمیٰ' عمیس بن معد کی۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن شداد نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنی خالہ کہا' مسجد سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ خود بخاری' کتاب الصلوٰۃ میں بجائے مسجد کے یہ ہے: "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

علیہ وسلم یصلی وانا حذاءہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں حضور کے برابر ہوتی، مگر تعجب صاحب ایضاح البخاری پر ہے کہ اتنے بڑے شیخ الحدیث ہوتے ہوئے یہاں مسجد کا ترجمہ سجدہ گاہ کر دیا ہے۔"کانت تکون" میں تین وجہ ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ دونوں میں سے ایک کو زائد مانیں، جیسے کسی نے کہا ہے:" وجیران لنا کانوا کرام" میں "کانوا" زائد ہے "کرام" جیران کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے دوسرے یہ کہ "کانت" میں ضمیر قصہ اس کا اسم ہے اور "تکون حائضًا" اس کی خبر ہے تیسرے یہ کہ "تکون"، "تصیر" کے معنی میں لیں اور یہ "کانت" کی خبر ہو جائے اور "کانت" کی ضمیر مستتر اس کا اسم۔ یہاں امام بخاری نے باب کا کوئی عنوان نہیں قائم کیا ہے اس کی توجیہات مقدمہ میں گزر گئیں۔ یہاں ایضاح البخاری میں ایک لایعنی تقریر ہے، جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ طلبہ پر دھونس جمائیں، ان کو یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ نفساء یا حائضہ کو جب موت کے بعد غسل دے دیا گیا تو جس طرح ان کی نجاست حقیقی دور ہو گئی اسی طرح حکمی بھی دور ہو گئی۔ اب اس سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ ان کی وفات پاکی میں ہوئی یا ناپاکی میں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ موت سے ایک اور نجاست طاری ہو گئی، تو ارد نجاستین ہو گیا، مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ دو نہیں، اگر دس نجاستوں کا توارد ہو تو بھی ایک ہی غسل کافی ہے، ایک عورت حیض سے باہر ہوئی، ابھی غسل نہیں کیا تھا کہ جنبی ہو گئی، اسے ایک ہی غسل کافی نہیں! ابوذر اور اصیلی وغیرہ کی روایت میں باب نہیں، اس سے پہلی والی اور اس حدیث میں مناسبت کے لیے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفاس سے ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حیض سے بھی ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا۔ اس خصوص میں حیض و نفاس ایک حکم میں ہیں۔

مسائل

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حیض سے عورت کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہوتا، یہ باطنی حکمی نجاست ہے (۲) نمازی کے برابر سونے میں کوئی حرج نہیں جبکہ نمازی ایسا ہو کہ اس کے دل بٹنے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ سونے والے کے نزدیک نماز پڑھنا منع ہے (۳) کھجور وغیرہ کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھنا جائز ہے، افضل یہ ہے کہ زمین پر پڑھے اس لیے کہ اس میں تذلل زیادہ ہے۔ چٹائی ہی کے حکم میں کپڑے وغیرہ کے مصلے بھی ہیں، البتہ ایسی ریشمی جانماز پر نماز مکروہ تحریمی ہے، جو خالص ریشم کی ہو، یا جس کا بانا ریشم کا ہو اگرچہ تانا کسی اور چیز کا ہو۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷-كِتَابُ التَّيَمُّمِ

[تیمّم کا بیان]

کتاب سے مناسبت

اس سے پہلے وضو اور غسل کا بیان تھا جو پانی سے حدث اصغر اور اکبر کے دور کرنے کا نام ہے' اب تیمم کا بیان شروع فرمایا' جو بہ حالت مجبوری وضو اور غسل کا بدل ہے' جو مٹی وغیرہ سے دونوں حدثوں کے دور کرنے کا نام ہے۔ ازالۂ حدث کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے' چونکہ وضو اور غسل اصل ہیں اور یہ بدل' اس لیے پہلے ان کو بیان کیا' پھر تیمم کا بیان شروع فرمایا۔

یہاں کتاب پر رفع بھی پڑھنا جائز ہے' اس تقدیر پر کہ مبتداء محذوف ''ھٰذا'' کی خبر ہے اور نصب بھی درست ہے' اس طرح کہ اسے ''خُذْ'' یا اس کے ہم معنی کسی لفظ کا مفعول بہ بنائیں' تیمّم کے لغوی معنی قصد و ارادے کے ہیں۔ اس کا مادہ ''اَمٌّ'' ہے' جس کے معنی قصد کے ہیں' شرع میں تیمّم کے معنی یہ ہیں: زمین یا زمین کی جنس کو چہرے اور ہاتھوں پر ملنا' حقیقۃً یا حکماً' پاکی حاصل کرنے' نماز مباح ہونے کی نیت سے' اور زمین یا زمین کی جنس کا پاک کرنے والا ہونا شرط ہے۔ (البحر الرائق۔ ج ا۔ باب: التیمم' ورد المحتار۔ ج ا۔ باب: التیمم)

تیمّم اس اُمت کی خصوصیات سے ہے۔ ''جعلت لی الارض مسجدًا وّطھورًا'' میرے لیے پوری زمین نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی کردی گئی۔

۲۳۵- ح: اِنْقَطَعَ عِقْدٌلِّي

[میرا ہار ٹوٹ کر (گر پڑا)]

۲۳۵ - عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ

نبی ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے' جب ہم بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ایک ہار ٹوٹ (کر گر) پڑا رسول اللہ ﷺ اس کے تلاش کرنے کے لیے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ رُک گئے نہ تو لوگ پانی پر تھے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور یہ شکایت کی کہ آپ دیکھتے نہیں عائشہ نے کیا' کیا؟ رسول اللہ ﷺ کو روک لیا اور لوگوں کو بھی' حالت یہ ہے کہ نہ تو لوگ پانی پر ہیں اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر آئے اور رسول اللہ ﷺ اپنا سر میری

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِىْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِىْ اَبُوْ بَكْرٍ وَّقَالَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِىْ بِيَدِهٖ فِىْ خَاصِرَتِىْ فَلَا يَمْنَعُنِىْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِىْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ مَا هِىَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِىْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ.

ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے' حضرت ابوبکر نے کہا: رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو تو نے روک لیا؟ اور حال یہ ہے کہ لوگ پانی پر نہیں اور نہ ان کے ساتھ پانی ہے۔ حضرت عائشہ نے بتایا: اس پر حضرت ابوبکر مجھے سرزنش کرنے لگے' اللہ نے جو چاہا کہنے لگے اور میری کوکھ میں اپنے ہاتھ سے کونچے مارنے لگے' مجھے ہلنے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا سر اقدس میرے زانو پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ صبح کو اُٹھے تو پانی نہیں تھا' اس پر اللہ عزوجل نے تیمّم کی آیت اُتاری' اس کے بعد لوگوں نے تیمّم کیا' اسید بن حضیر نے کہا: اے آل ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں' حضرت عائشہ نے بتایا کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اُٹھایا جس پر میں تھی تو ہار اس کے نیچے ملا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب التیمم۔ اوّل حدیث۔ ص ۴۸۔ ایضاً۔ کتاب المناقب۔ باب: فضل ابی بکر۔ ص ۵۱۸۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۂ مائدہ۔ باب: قوله فلم تجدوا ماء فتيمموا۔ دو طریقے سے۔ ص ۶۶۳۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب المحاربین۔ باب: من ادب اهله او غيره دون السلطان۔ ص ۱۰۱۲' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص ۱۶۰' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: بدء التیمم۔ ص ۵۹' مؤطا امام مالک۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص ۲۰)

بیداء مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں' مزدلفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ ذات الجیش' مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے مابین مدینہ طیبہ سے نصف منزل دوری پر وادی عتیق سے سات میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ ''یطعننی'' یہ جب نصر ینصر سے آتا ہے تو اس کے معنی کونچا دینے کے آتے ہیں' یعنی محسوس طعن' اور جب فتح یفتح سے آتا ہے تو اس کے معنی معنوی طعن یا ملامت کرنے کے آتے ہیں۔

آیت تیمّم کس سفر میں نازل ہوئی؟

علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق میں پیش آیا تھا' جس کا دوسرا نام غزوۂ مریسیع بھی ہے' یہ غزوہ ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا' اسی میں واقعہ افک بھی پیش آیا تھا۔ ان کی دلیل حدیث افک کا یہ حصہ ہے: ''فانقطع عقدٌ لها من جزع ظفار فحبس الناس ابتغاءه'' ظفار کے مہروں کا ان کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا' اس کی تلاش کے لیے لوگ رُک گئے۔

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع کا ہے' جو ۴ھ میں ہوا ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا: ان دونوں کے معارض طبرانی کی یہ روایت ہے کہ اُم المومنین فرماتی ہیں:

لما كان من امر عقدى ما كان وقال اهل الافك ما قالوا خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى غزوة اخرى فسقط ايضا عقدى حتى حبس الناس على التماسه وطلع الفجر فلقيت من ابى بكر

جب میرے ہار کا جو قصہ ہونا تھا وہ ہو چکا اور اہل افک کو جو کہنا تھا کہہ چکے تو اس کے بعد میں ایک دوسرے غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلی تو پھر میرا ہار گر گیا اور لوگوں کو اس کی تلاش کے لیے رُکنا پڑا اور فجر طلوع کر آئی تو اللہ نے جو چاہا مجھے حضرت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ماشاء اللّٰہ وقال یا بنیّۃ فی کل سفر تکونین عناءً وبلاءً لیس مع الناس ماء فانزل اللّٰہ الرخصۃ فی التیمم فقال ابو بکر انک ما علمت لمبارکۃ.

ابوبکر سے تکلیف پہنچی اور انہوں نے یہ بھی کہا: اے بیٹی! تم ہر سفر میں مصیبت اور بلا ہو جاتی ہو لوگوں کے ساتھ پانی نہیں۔ اب اللہ عزوجل نے تیمم کی اجازت نازل فرمائی تو حضرت ابوبکر نے کہا: تم نے جو کچھ کیا، تم برکت والی ہو۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ واقعۂ افک اس قصے سے پہلے کا ہے اور دونوں میں ہار ٹوٹ کر گرا تھا۔

اس خادم کی بھی یہی رائے ہے کہ جس سفر میں تیمم کی آیت نازل ہوئی، یہ واقعۂ افک کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے، اس لیے کہ واقعۂ افک میں یہ ہے کہ ہار اس وقت گرا تھا جب حضرت ام المومنین قضاء حاجت کے لیے گئی تھیں، واپس آ کر سینہ پر ہاتھ گیا تو ہار نہیں تھا، تو اسے تلاش کرنے کے لیے جہاں قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئی تھیں، پھر گئیں، اتنے میں لشکر روانہ ہو گیا، یہ اکیلی رہ گئیں اور ہار مل گیا، نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہار کے گم ہونے کی اطلاع دی گئی اور نہ ہار کی تلاش کے لیے لشکر رکا اور نہ ہار تلاش کرنے کے لیے کسی کو مقرر کیا گیا تھا، مگر آیت تیمم کے شانِ نزول کے واقعہ میں یہ تفصیلات مذکور ہیں کہ ہار کے گم ہونے کی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار تلاش کرنے کے لیے خود بھی قیام فرمایا اور پورا لشکر رکا، حتیٰ کہ نمازِ فجر کے وقت تک رُکا رہا۔ آیت تیمم نازل ہوئی، سب نے تیمم کر کے نماز پڑھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو تلاش کرنے کے لیے مقرر فرمایا، مگر جب حضرت ام المومنین کا اونٹ اٹھایا گیا تو اونٹ کے نیچے ہار ملا، حضرت ام المومنین اکیلی نہیں قافلے کے ساتھ ساتھ رہیں، قافلہ رات کے پچھلے پہر نہیں نمازِ فجر کے بعد چلا، اس لیے اتنا تو طے ہے کہ واقعہ افک جس سفر میں پیش آیا تھا، اس میں آیت تیمم نہیں نازل ہوئی تھی، بلکہ کسی اور سفر میں نازل ہوئی تھی۔

پہلا اشکال اور اس کا حل

اب بحث طلب بات یہ رہ جاتی ہے کہ یہ غزوۂ ذات الرقاع کا واقعہ ہے یا کسی اور غزوے کا۔ علامہ ابن جوزی کی رائے ہے کہ یہ غزوۂ ذات الرقاع کا واقعہ ہے جو ۴ھ میں ہوا، اور طبرانی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعۂ افک کے بعد کا قصہ ہے۔ واقعہ افک کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ ۵ھ، ۲ شعبان دوشنبہ کو حضور غزوۂ مریسیع کے لیے نکلے تھے۔ امام بخاری[1] نے ابن اسحاق سے نقل کیا: یہ غزوہ ۶ھ میں ہوا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا: ۴ھ میں۔ اگر غزوہ مریسیع اور ذات الرقاع دونوں کو ۴ھ مان لیا جائے جب تو معاملہ آسان ہے، لیکن اگر غزوہ ذات الرقاع کو ۶ھ میں اور غزوہ بنی المصطلق کو ۵ھ یا ۴ھ میں مانیں تو معاملہ پھر مشکل ہو جاتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق ۵ھ میں ہوا ہے۔ علامہ عسقلانی نے تحریر فرمایا کہ شاید یہ سبقت قلم ہے، اس لیے کہ مغازی ابن عقبہ میں متعدد طریقوں سے یہی ہے کہ یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا۔ علامہ سیوطی نے توشیح میں بھی یہی فرمایا کہ یہاں امام بخاری سے سبقت قلم ہو گیا ہے۔ ابن عقبہ کا قول ابن اسحق سے زیادہ صحیح ہے، یہ غزوہ ۶ھ میں نہیں ہوا، علامہ ابن حجر نے اس پر دلیل قائم فرمائی کہ واقعہ افک کے وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حیات تھے۔ اہل افک کے معاملے میں انہوں نے یہی عرض کیا تھا: حضور فرمائیں! اگر وہ ہمارے قبیلے اوس کا ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کا ہے تو حکم دیں، ہم تعمیل کریں۔ ان کی شہادت غزوۂ خندق میں تیر لگنے سے بنی قریظہ کے معاملے میں فیصلہ کے بعد ہوئی تھی۔ اور یہ طے ہے کہ غزوۂ خندق شوال ۵ھ میں ہوا ہے۔ غزوۂ بنی مصطلق کے لیے طے ہے کہ یہ شعبان میں ہوا تو لازم آیا کہ زیادہ سے زیادہ ۵ھ میں ہوا، غزوۂ مریسیع کے ۶ھ میں ہونے کا

[1] ج ۲ ص ۵۹۳۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ بنی المصطلق

کوئی سوال نہیں' اتنا تو یقینی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع' غزوۂ خندق کے بعد ہوا ہے' اس لیے کہ خندق کے موقع پر تین نمازیں قضا ہو گئیں۔ صلوٰۃ خوف نہیں پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ خندق کے وقت تک صلوٰۃ خوف مشروع نہیں تھی' اور یہ بھی طے ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی[1] ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے غزوۂ نجد میں (یہ ذات الرقاع کا دوسرا نام ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی اور حضرت ابن عمر جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے تھے وہ خندق ہے' اور آگے بڑھیے! مسند امام احمد اور ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر عسفان میں عصر وظہر کے درمیان صلوٰۃ خوف نازل ہوئی تھی[2] پہلی صلوٰۃ خوف عسفان میں پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع حدیبیہ کے بعد ہوا' کتنے دن بعد ہوا؟ اس کا سراغ یہاں تک لگتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا۔

اس لیے کہ اس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری[3] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے[4] مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ تیمم کیسے کروں اور یہ لوگ خیبر کی فتح کے بعد خدمت اقدس میں خیبر ہی میں حاضر ہوئے۔ نیز بخاری' کتاب المغازی میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے غزوۂ سابعہ کہا ہے۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ سن سات کا غزوہ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ ۷ ھ میں ہوا' اس کا بھی لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ خیبر کے بعد ہوا' اس لیے کہ خیبر ۷ ھ کے اوائل میں اور ۶ ھ کے اخیر میں ہوا تھا۔

دوسرا اشکال اور اس کا حل

اس حدیث میں آیت تیمم سے مراد کیا ہے؟ اس لیے کہ تیمم کا حکم دو آیتوں میں ہے' ایک سورۂ نساء میں ہے' دوسری سورۂ مائدہ میں ہے۔ دونوں آیتوں کے الفاظ ایک ہی ہیں' صرف اتنا فرق ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت میں ''وَاَیْدِیْکُمْ'' کے بعد ''مِنْہُ'' بھی ہے۔ سورۂ نساء کی آیت یہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ. (النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک جو کہو اسے سمجھنے نہ لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں' جب تک غسل (نہ) کرلو مگر یہ کہ راستہ چل رہے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا قضاء حاجت کر کے آئے ہو یا عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو ملو۔

سورۂ مائدہ کی آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو اپنے

---

[1] بخاری۔ ج ا ص ۱۲۸۔ کتاب صلوٰۃ الخوف ایضاً۔ ج ۲ ص ۵۹۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ ذات الرقاع' نسائی۔ ج ا ص ۲۲۹۔ کتاب صلوٰۃ الخوف

[2] ابوداؤد۔ ج ا ص ۱۷۴۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: صلوٰۃ الخوف' نسائی۔ ج ا ص ۲۳۰۔ کتاب صلوٰۃ الخوف ایضاً۔ ص ۲۳۱

[3] بخاری۔ ج ۲ ص ۵۹۲۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ ذات الرقاع

[4] بخاری۔ ج ۲ ص ۵۹۳۔ کتاب المغازی۔ باب: غزوۃ ذات الرقاع' ابوداؤد۔ ص ۱۷۵۔ کتاب صلوٰۃ الخوف ایضاً۔ ص ۱۷۶' نسائی۔ ج ا ص ۲۲۹۔ کتاب صلوٰۃ الخوف۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدہ:٦)

اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے اپنے پاؤں ٹخنے تک دھوؤ اور اگر جنبی ہو تو خوب اچھی طرح پاک ہولو۔

اس کے بعد بعینہٖ وہی الفاظ کریمہ ہیں جو سورۂ نساء کے ہیں' صرف بعد میں ''منہ'' کا اضافہ ہے۔ امام بخاری نے سورۂ نساء کی آیت کے ضمن میں بھی بالاختصار یہی حدیث ذکر کی ہے اور سورۂ مائدہ والی آیت کی بھی تفسیر میں یہی حدیث ذکر کی ہے' جس سے بہ ظاہر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ شاید امام بخاری اس کے قائل ہیں کہ ان دونوں آیتوں کا شانِ نزول ایک ہی واقعہ ہے' مگر ہر ذی علم پر واضح ہے کہ دونوں آیتوں کا شانِ نزول ایک ماننا بہت سطحی بات ہے۔ اگر دونوں جگہ کی روایتوں پر نظر دقیق ڈالیں گے تو واضح ہو جائے گا کہ امام بخاری نے قریب قریب یہ تصریح فرما دی ہے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی ہے' اس لیے کہ سورۂ نساء میں صرف یہ ہے: ''فانزل اللّٰه التیمم'' اور سورۂ مائدہ میں ''فنزلت یا ایها الذین امنوا اذا قمتم الی الصلٰوۃ فاغسلوا. الآیۃ'' یہ اس پر نص ہے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔

اس روایت کے مطابق خود حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ہوا کہ اس واقعہ میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔ نیز مسند حمیدی میں بھی یہ تصریح ہے' اس لیے راجح یہی ہے کہ اس حدیث میں آیت تیمم سے مراد سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔

علاوہ ازیں یہاں باب میں امام بخاری نے جو آیت نقل فرمائی ہے' اس میں ''منہ'' ہے' اس سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ امام بخاری اس کے قائل ہیں کہ اس حدیث میں آیت تیمم سے مراد' سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔

تیسرا اشکال اور اس کا حل

ابن عربی نے کہا کہ اس وقت کون سی آیت نازل ہوئی؟ یہ ایسا اشکال ہے جس کا کوئی حل نہیں۔ اللہ عزوجل نے ان اساطین ملت کو اسلام اور مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے' ان کا کفش بردار عرض کرتا ہے۔ ہم بتا آئے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی' اس سے ظاہر ہو گیا کہ صحیح یہ ہے کہ سورۂ نساء والی آیت بعد میں نازل ہوئی' اس لیے کہ سورۂ نساء کی آیت اگر پہلے نازل ہو چکی ہوتی تو اس وقت لوگوں کے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی' تیمم کر کے نماز پڑھ لیتے' پریشان کیوں ہوتے؟ رہ گیا یہ شبہہ کہ پھر سورۂ نساء میں تیمم کے دوبارہ ذکر کی ضرورت کیا تھی؟ یہ شبہہ اس وقت لائق لحاظ ہوتا جبکہ قرآن مجید میں کچھ احکام مکرر مذکور نہ ہوتے' کتنے احکام مکرر مذکور ہیں' اسی طرح تیمم بھی دوبارہ مذکور ہوا تو کیا اعتراض۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں ایک خاص فائدہ بھی موجود ہے' سورۂ نساء کی آیت پر ایک بار پھر بہ غور نظر ڈالیں' ارشاد ہے:

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک جو کہو اسے سمجھنے نہ لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں' جب تک غسل نہ کر لو مگر یہ کہ راستہ طے کر رہے ہو۔

اگر آیت یہیں تک ہوتی اور اس کے بعد تیمم کا ذکر نہ ہوتا تو دو شبہے ہو سکتے تھے' ایک یہ کہ شاید اس نے آیت تیمم کو منسوخ کر دیا' دوسرا یہ کہ مسافر پر غسل جنابت نہیں۔ ان دونوں شبہوں کے دفعیہ کے لیے پھر تیمم کا ذکر فرمایا کہ یہ افادہ ہو جائے کہ تیمم کا حکم اب بھی ان لوگوں کے لیے کافی ہے' جو پانی پر قدرت نہ رکھتے ہوں' خواہ انہیں غسل کی حاجت ہو' خواہ وضو کی' خواہ مسافر ہوں خواہ مقیم۔

ایضاح البخاری کی لایعنی تقریر

یہاں پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ صاحب ایضاح البخاری نے اپنے جی حضور کہنے والے طلبہ کو دھونس دینے کے لیے اس تنقیح پر بھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نکتہ آفرینی کی ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ سورۂ نساء کی آیت پہلے نازل ہوئی اور سورۂ مائدہ کی بعد میں تو حضراتِ صحابہ کی پریشانی کا باعث یہ بات ہو سکتی ہے۔

سورۂ نساء کی آیت میں جنابت کا مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں ہے، اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے، بلکہ ایک درجہ میں وہم یہی پیدا ہوتا ہے کہ جنبی کو بہر صورت غسل ہی کی ضرورت ہے۔ ''وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا'' اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ جنابت کی صورت میں غسل کے بغیر نماز کے قریب جانے کی اجازت نہیں۔ ''حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اغتسال ضروری ہے، صرف مسافر مستثنیٰ ہے۔[1] اس پر گزارش یہ ہے کہ جس طرح ''وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی'' سے پہلے سورۂ نساء میں ''وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا'' ہے، جس سے بہ قول آپ کے یہ تو ہم ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ کسی جنبی کو غسل کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح سورۂ مائدہ میں ''وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'' ہے، اس سے آپ کی منطق سے یہ شبہہ ہی نہیں، یقین حاصل ہوتا ہے کہ کسی بھی جنبی کو غسل کیے بغیر نماز کی اجازت نہیں، حتیٰ کہ مسافر ہو جب بھی، پھر کوئی مجھے بتائے کہ سورۂ مائدہ کی آیت کے نزول سے کیا فائدہ؟ بلکہ اُلٹا نقصان اس لیے کہ بہ قول آپ کے سورۂ نساء کی آیت میں مسافر مستثنیٰ تھا، اور سورۂ مائدہ نے اسے بھی صاف کر دیا۔ یہ ذہن میں رہے کہ سورۂ نساء میں ''حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا'' اور سورۂ مائدہ میں ''فَاطَّهَّرُوْا'' کے بعد دونوں جگہ الفاظ ایک ہیں۔ ثانیاً: جب آپ کو یہ تسلیم ہے کہ سوۂ نساء کی آیت سے وضو کے عوض تیمم اور مسافر کے لیے غسل کے عوض تیمم ثابت ہے تو صحابہ کرام کی پریشانی کا باعث کیا تھا، وہ سب حضرات سفر ہی میں تھے۔ اگر بالفرض کسی پر غسل واجب تھا تو وہ بھی تیمم کر لیتا۔ ثالثاً: آپ کو آپ کے اساتذہ نے بتایا ہی نہیں کہ ''وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰی'' سے لے کر ''وَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً'' تک جو کچھ مذکور ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وضو کے عوض بھی تیمم کافی اور غسل کے عوض بھی، مسافر کے لیے بھی اور مقیم کے لیے بھی۔ یہ تو گستاخی ہوگی اگر میں یہ کہہ دوں کہ آپ کے اساتذہ یہ جانتے تھے، مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر وہ جانتے تھے اور نہیں بتایا تو آپ کے ساتھ بخل سے کام لیا۔ اب آپ ہم سے سنئے! ''لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ'' میں ''مُلَامَسَة'' سے مراد جماع ہے، جس کی مفصل تقریر گزر چکی اور مخاطب مسافر کے ساتھ مقیم بھی ہے، علاوہ ازیں ''مَّرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ'' جنبی اور محدث دونوں کو عام ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم، اس لیے اس افادے میں دونوں آیتیں مشترک ہیں کہ محدث کی طرح جنبی کو بھی پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کافی ہے، مسافر ہو یا مقیم، مگر شیخ الحدیثی کا بھرم قائم رکھنے کے لیے بلا ضرورت شق نکال کر لایعنی تقریر سے دھونس جمانا ضروری ہے؟

چوتھا اشکال اور اس کا حل

علم غیب کے منکرین اس واقعہ سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، اگر علم غیب ہوتا تو ہار کے تلاش کے لیے ایسی جگہ قیام کر کے خود بھی پریشان نہ ہوتے اور صحابہ کرام کو بھی پریشان نہ کرتے۔

جواب یہ ہے کہ ہم حدیث جبریل میں بتا آئے ہیں کہ نزولِ قرآن کی تکمیل سے پہلے پہلے ''جمیع ما کان وما یکون'' کا علم نہیں تھا ''جمیع ما کان وما یکون'' کا علم نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ حاصل ہوا ہے، نزولِ قرآن کی تکمیل سے پہلے قدر معتد بہ علم غیب تھا۔ دو چار باتوں کا نہ جاننا قدر معتد بہ جاننے کے منافی نہیں، جیسے ائمہ مجتہدین نے بعض مسائل کے بارے میں فرمایا کہ ہم نہیں جانتے۔ ان چند مسائل کا نہ جاننا ان کے امام بلکہ امام الائمہ ہونے کے منافی نہیں، اس طرح اگر بہ فرض غلط یہ مان لیا جائے

---

[1] ج ۱۲، ص ۱۶۳

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہار کہاں ہے تو یہ اس کے منافی نہیں کہ حضور اقدس ﷺ، علم غیب جانتے تھے۔ ویسے یہ کہنا ہی غلط ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ ہار کہاں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ ہار کہاں ہے؟ مگر بتایا کیوں نہیں؟ وہاں قیام کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ حضور کو یہ معلوم تھا کہ تیمم کا حکم یہیں نازل ہوگا، جس میں میری اُمت کے لیے آسانی ہے۔

ناظرین غور کریں! یہ ہار حضرت اُم المؤمنین کا اپنا نہیں تھا، ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا، ان سے مانگ کر لائی تھیں، جیسا کہ اسی بخاری ہی میں ایک حدیث کے بعد ہے: "انها استعارت من اسماء قلادة" حضرت اُم المؤمنین نے حضرت اسماء سے ہار مانگ کر لیا تھا۔ عرب کے ریگستانی علاقے میں یہ ہار ٹوٹ کر گر پڑا ہے، وہ بھی رات کے وقت، وہ بھی ایک لشکر کے ہمراہ گرنے کے بعد اس پر اونٹوں کے پاؤں پڑنے کا اندیشہ ہے، جس سے زمین میں دھنس کر غائب ہو سکتا ہے۔ اپنی چیز کے گم ہونے کا اتنا غم نہیں ہوتا، جتنا مانگ کر لی ہوئی چیز کے غائب ہونے کا ہوتا ہے، جس کی چیز ہے وہ کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔ ان سب کا حضور اقدس ﷺ کے قلب مبارک پر خاص اثر ہونا ضروری تھا، مگر روایت کے الفاظ دیکھیے! حضور اقدس ﷺ اطمینان سے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر حضرت اُم المؤمنین کو کیا کیا کہتے ہیں مگر حضور اقدس ﷺ کی نیند میں کوئی خلل نہیں ہوتا۔ یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہار کی طرف سے مطمئن تھے۔ معلوم تھا کہ ہار خود حضرت عائشہ کے اونٹ کے نیچے بہ حفاظت تمام رکھا ہوا ہے، کہیں غائب نہیں ہے۔ اس لیے پورے سکون کے ساتھ گہری نیند سوتے رہے اور چونکہ یہ معلوم تھا کہ آیت تیمم یہیں نازل ہوگی، اس لیے قیام فرمالیا۔ غور کریں اس واقعہ سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے، مگر کیا کیجیے گا۔

ع ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است

مسائل

(۱) شادی شدہ لڑکی کی شکایت اس کے والد سے کرنی جائز ہے، اگر چہ وہ اپنے شوہر کے گھر رہتی ہو (۲) ایسی لڑکی کو بھی باپ تنبیہ و تادیب کر سکتا ہے، اسی طرح بیٹے کو بھی (۳) لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ جس گھر میں ہو، باپ اس میں جا سکتا ہے بشرطیکہ میاں بیوی دونوں راضی ہوں (۴) مذہب صحیح یہ ہے کہ تہجد کی نماز حضور اقدس ﷺ پر فرض تھی، یہی جمہور کا بھی مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (بنی اسرائیل:۷۹) رات میں سونے کے بعد اُٹھ کر نماز پڑھو، خاص تمہارے لیے یہ زیادہ ہے۔

"تَهَجَّدْ" امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لیے ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حالت سفر میں حضور پر تہجد فرض نہ تھا (۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور اقدس ﷺ کا کتنا احترام تھا، کتنی محبت تھی کہ کوچے کھانے کے بعد بھی ذرا سی حرکت نہ کی، مبادا حضور اقدس ﷺ کی نیند میں خلل پڑے (۶) بارگاہ الوہیت میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجاہت معلوم ہوئی کہ اللہ عزوجل نے اتنی بڑی نعمت ان کے ذریعہ سے عطاء فرمائی، اور یہ قول حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ: ایسی برکتیں ان سے بار بار ظاہر ہوئیں (۷) اس ہار کی قیمت بارہ درہم تھی، مگر اس کی تلاش کے لیے پورا لشکر روکا گیا تو معلوم ہوا کہ معمولی قیمت کی بھی کوئی چیز ضائع نہیں ہونے دینی چاہیے (۸) سفر میں اگر ساتھیوں کا کوئی سامان غائب ہو جائے تو اس کی تلاش دوسرے رفقاء کو بھی کرنی چاہیے، کوئی تکلیف پہنچے تو اسے دور کرنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے، اگر چہ اس کے لیے رُکنا پڑے (۹) عورتوں کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے، اگر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امن وامان ہو اور اطمینان ہو (۱۰) عورتوں کو زیب وزینت کے لیے زیور پہننا جائز ہے (۱۱) عورت مانگ کر زیور پہن سکتی ہے اور مالک کی اجازت کے بعد سفر بھی کر سکتی ہے۔

۲۳۶- ح: اُعْطِيتُ خَمْسًا

[مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں]

۲۳۶ - اَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَّجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِي اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَّاُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِي وَاُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے ہمیں خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطاء کی گئیں' جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: ایک مہینے کی مسافت تک میرے مخالفوں کے دل میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی' میرے لیے پوری زمین نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی' میری اُمت کے جس شخص پر جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں نماز پڑھ لے' میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے' مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھے اور مجھے شفاعت کبریٰ عطاء کی گئی اور پہلے نبی کو خاص ان کی قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(بخاری-ج ا-کتاب التیمم-ص ۴۸-ایضاً-ج ا-کتاب الصلوٰۃ-باب: جعلت لی الارض مسجدا وطهورا-ص ۶۲' مسلم-ج ا-کتاب المساجد-باب: اوّل بعض زيادة ونقصان-ص ۱۹۹' ترمذی-ج ا-کتاب السیر-باب: ما جاء في الغنيمة-ص ۱۸۸' نسائی-ج ا-کتاب الغسل-باب: التيمم بالصعيد-ص ۷۳-۷۴)

تعداد خصائص

یہاں پانچ کا عدد مذکور ہے' مسلم میں چھ کا اور تفصیل میں ''اعطيت الشفاعة'' نہیں ہے' دو مزید یہ ہیں: ''اعطيت بجوامع الكلم' وختم بی النبیون'' مسلم ہی میں حضرت حذیفہ کی حدیث میں یہ ہے: ''فضلنا على الناس بثلث' جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة' وجعلت لنا الارض. الى اخره'' نسائی میں یہ زائد ہے: ''واوتيت هولاء الايات الاخر سورة البقرة من كنز تحت العرش'' اور ابوداؤد میں ہے: ''واوتيت الكوثر'' بخاری' مسلم' نسائی میں ہے: ''واوتيت بمفاتيح خزائن الارض'' اور مسند امام احمد میں یہ اضافہ ہے: ''واعطيت بمفاتيح الارض وسميت احمد وجعل لی التراب طهورا وجعلت امتی خير الامم'' یہ بارہ خصائص ہوئے' مگر ان میں بھی حصر نہیں۔ ابوسعید نیشاپوری نے کتاب شرف المصطفیٰ میں ساٹھ شمار کرائے' مگر ساٹھ میں بھی انحصار نہیں' جو اس کی قدرے تفصیل دیکھنا چاہے وہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ کی کتاب خصائص کبریٰ کا مطالعہ کرے۔ مذہب صحیح ومحقق یہ ہے کہ مفہوم عدد حجت نہیں' اس لیے تین یا پانچ یا چھ کے عدد کے مذکور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے زائد نہیں' بلکہ موقع ومحل کے اعتبار سے جتنے کی ضرورت سمجھی' ان کو بیان فرمایا۔ مسند امام احمد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نے غزوۂ تبوک کے سال یہ فرمایا تھا۔

لم يعطهن احد

داؤدی اور بعض دوسرے لوگوں نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ مراد یہ ہے کہ یہ پانچوں مجموعی طور پر کسی کو نہیں ملیں' ان میں سے بعض' بعض انبیاء کو عطاء کی گئیں' مثلاً نوح علیہ السلام تمام اہل ارض کے لیے رسول تھے' قبل طوفان بھی بعد طوفان بھی' قبل طوفان اس طرح کہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

طوفان پوری دنیا کے کافروں پر آیا' حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا O ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں O

(بنی اسرائیل:۱۵)

اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کہیں اور کسی نبی کی بعثت نہیں ہوئی' تو ثابت ہے کہ پوری زمین کے انسانوں کی طرف مبعوث تھے۔ بعد طوفان تو سارے کافر ہلاک ہو گئے' صرف اسّی افراد جو مؤمن تھے' جو سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے تھے' اس کے علاوہ حدیث شفاعت میں ہے کہ اہل محشر حضرت نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے: ''اَنْتَ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اِلٰی اھل الارض'' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ سیاحت فرماتے رہتے' جہاں نماز کا وقت ہو جاتا' نماز پڑھ لیتے۔

مگر صحیح یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک فضیلت کسی کو نہیں عطاء ہوئی' حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے بارے میں قرآن کی نص ہے کہ فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ. (ھود:۲۵) ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

رہ گیا پوری دنیا پر عذاب آنا' ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ دوسری قوموں کی طرف دوسرے انبیاء بھیجے گئے ہوں اور ان قوموں نے انبیاء کو جھٹلایا ہو۔ عدم علم' علم عدم نہیں۔ اور اہل محشر کی عرض کا حاصل یہ ہے کہ آپ پہلے وہ رسول ہیں جو زمین والوں کی جانب بھیجے گئے ہیں' یہ نہیں کہ تمام اہل زمین کی طرف بھیجے گئے' ان کی قوم بھی تو اہل ارض ہی ہے۔ رہ گیا بعد طوفان کا معاملہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اصل بعثت تو ان کی قوم ہی کی طرف تھی۔ یہ اتفاق ہے کہ طوفان میں بقیہ قومیں ہلاک ہو گئیں اور صرف ان کی قوم کے اسّی افراد بچے۔

ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں صرف انہیں کی قوم موجود رہی ہو' دوسری قومیں نہ رہی ہوں تو اصل بعثت ان کی قوم کی طرف ہوئی۔ یہ اتفاق ہے کہ انسان ان کی قوم ہی میں منحصر تھے۔ رہ گئی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں' یہ بھی معارض نہیں' اس لیے کہ اس سلسلے میں خصوصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے' ایک پوری زمین کا مسجد ہونا' دوسرے زمین کا پاک کرنے والا ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے زمین کے ہر حصے میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی' مگر ان کے لیے زمین' طاہر کرنے والی نہیں بنائی گئی تھی۔

نصرت بالرعب

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں یہ تفصیل ہے: ''نصرت بالرعب شھرًا امامی وشھرًا خلفی'' ایک مہینہ کی مسافت پر میرے آگے اور ایک ماہ کی مسافت پر میرے پیچھے رعب سے میری مدد کی گئی۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''یقذف فی قلوب اعدائی'' یہ عرب میرے دشمنوں کے دلوں میں ڈالا جاتا ہے' شارحین نے فرمایا کہ ایک مہینے کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ مدینہ طیبہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانے کے دشمنوں میں سے کوئی ایک مہینے کی دوری پر نہیں تھا۔ اس کا مفاد یہ ہوا کہ ''شھرًا'' کی قید احترازی نہیں واقعی ہے' اس لیے ایک مہینے کی دوری کی تخصیص نہیں' مگر مراد یہ ہے کہ میرا رعب میرے ہر دشمن کے دل میں ہے خواہ وہ کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہو۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

احلت لی الغنائم

غنائم' غنیمت کی جمع ہے۔ کشمیہنی کی روایت میں مغانم ہے' یہ مغنم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہیں' یعنی کوئی چیز مفت حاصل کرنا' شریعت میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں' جو لڑائی میں کافروں سے بہ طور قہر وغلبہ لیا جائے' گزشتہ انبیاء کرام میں کچھ وہ تھے جنہیں لڑائی کی اجازت نہ تھی' کچھ وہ تھے جنہیں لڑائی کی اجازت تھی' مگران کے لیے مالِ غنیمت حلال نہ تھا' آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی۔

اعطیت الشفاعة

شفاعت کے لغوی معنی دعا کے ہیں اور عرف میں کسی غیر سے کسی غیر کی حاجت کا سوال کرنا۔ ''الشفاعة'' پر الف لام عہد کا ہے' اس سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے۔ مراد یہ ہے کہ میدان محشر میں جب کوئی کسی کا نہ ہوگا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا' اس دن کی سختی سے ہر شخص جان سے عاجز ہوگا' اس وقت سختیوں میں کمی کرانا اور حساب و کتاب شروع کرانا مراد ہے۔ یہ وہ شفاعت ہے جو ہر شخص کے لیے ہوگی' خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر' نبی ہو یا ولی۔ اس شفاعت کبریٰ کے علاوہ اور بھی مخصوص شفاعت کی قسمیں ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص ہیں' جو اسی جلد میں مذکور ہو چکی ہیں' قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کی شفاعت کی خصوصیت یہ ہے کہ جس کے بارے میں بھی شفاعت فرمائیں گے' وہ ضرور قبول ہوگی' جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے کہ اللہ عزوجل فرمائے گا: ''قل تسمع' سل تعطه' اشفع تشفع'' کہو! تمہاری بات سنی جائے گی' سوال کرو' دیا جائے گا' شفاعت کرو' تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

بعثت الی الناس عامة

بعثت عامة کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت و رسالت اگلے انبیاء کرام کی طرح قوم' بستی' ملک یا زمانے کے ساتھ خاص نہیں' حضور اقدس ﷺ کی نبوت و رسالت سارے جہاں کے لیے ہے جو حیاتِ ظاہری کے وقت دنیا میں موجود تھے' ان کے لیے بھی اور پہلے والوں کے لیے بھی اور قیامت تک جتنے پیدا ہوں گے سب کے لیے' خواہ وہ انسان ہوں' خواہ جن' خواہ نبی و رسول ہوں خواہ ملائکہ' بلکہ اللہ عزوجل کے ماسوا تمام موجودات کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ (الفرقان:۱)

برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے (محبوب) بندے پر فرقان اتارا تا کہ وہ سارے جہان کو ڈرائیں

فایما رجل ادرکته الصلوٰة

جس کو جہاں نماز کا وقت ملے پڑھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمین اور زمین کی جنس سے جو چیز ہو' اس سے تیمم جائز ہے' اس لیے کہ حدیث کا یہ جز سابق پر تفریع ہے' یعنی جب پوری زمین نماز کی جگہ بنا دی گئی' اور پوری زمین پاک کرنے والی کر دی گئی تو تم جہاں ہو وہیں نماز پڑھو' پانی نہ ملے تو زمین تو ہے' تیمم کر کے نماز پڑھو' زمین کا بہت سا حصہ ایسا ہے جہاں مٹی نہیں' صرف پتھر ہے' اگر تیمم کو مٹی کے ساتھ خاص کر دیں گے' تو یہ تفریع درست نہ ہوگی۔ اس کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ یہ مانیں کہ اگر تم کسی ایسی جگہ ہو' جہاں مٹی نہ ہو' پتھر ہی پتھر ہو تو پتھر ہی سے تیمم کر لو' اس لیے کہ یہ بھی زمین ہی کی جنس سے ہے' جب پتھر پر تیمم اس لیے جائز کہ زمین کی جنس سے ہے تو ان تمام چیزوں سے جائز' جو زمین کی جنس سے ہوں' ہر وہ چیز جو آگ سے جل کر نہ راکھ ہوتی ہو' نہ اس کے اثر سے گھلتی ہو' نہ نرم ہوتی ہو' وہ جنس ارض ہے جیسے ریت' چونا' سرمہ' ہڑتال' مُردار سنگ' گیرو' ہر قسم کے پتھر جیسے زبرجد' فیروزہ' عقیق' زمرد وغیرہ۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۲۳۷- ح: اِنَّهَا اِسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ

[(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار ادھار لیا تھا' وہ غائب ہو گیا]

۲۳۷ - عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَآءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَآءٌ فَصَلَّوْا فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَآئِشَةَ جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهُ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ خَيْرًا.

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن حضرت اسماء سے ایک ہار مانگ کر لیا تھا' وہ غائب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا' ہار تو انہیں مل گیا مگر اسی اثناء میں نماز کا وقت آ گیا' لوگوں کے ساتھ پانی نہیں تھا' سو انہوں نے (بغیر وضو کے) نماز پڑھ لی' لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی' اس کے بعد آیت تیمم نازل ہوئی' اس پر حضرت اسید بن حضیر نے حضرت عائشہ سے کہا: آپ کو اللہ عزوجل بہترین جزاء دے' اللہ کی قسم! جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش آتا ہے تو اللہ عزوجل اس میں آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھلائی کر دیتا ہے۔

(بخاری۔ ج ۱۔ کتاب التیمم۔ باب: اذا لم یجد ماءً ولا ترابا۔ ص ۴۸۔ ایضاً۔ ج ۲۔ کتاب التفسیر۔ باب: قولہ وان کنتم مرضٰی او علی سفر۔ ص ۶۵۹۔ ایضاً۔ کتاب اللباس۔ باب: استعارۃ القلائد۔ ص ۸۷۴۔ ایضاً۔ کتاب النکاح۔ باب: استعارۃ الثیاب للعروس وغیرھا۔ ص ۷۷۶۔ ایضاً۔ ج ۱۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب: فضل عائشۃ۔ ص ۵۳۲' مسلم۔ ج ۱۔ کتاب الحیض۔ باب: التیمم۔ ص ۱۶۰' ابوداؤد۔ ج ۱۔ کتاب التیمم۔ باب: التیمم۔ ص ۴۵' نسائی۔ ج ۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فیمن لم یجد الماء ولا الصعید۔ ص ۶۱' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء فی التیمم۔ ص ۴۲' دارمی۔ کتاب الوضوء مسند امام احمد)

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

یہ اوس کی مشہور شاخ بنی عبد الاشہل کے چشم و چراغ تھے' خاندانی رئیس تھے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے کچھ دن پہلے' انصار کے دونوں قبیلے اوس' خزرج میں ایک آخری بہت خطرناک لڑائی ہوئی تھی جو بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ان کے والد حضیر فارس اوس اور اس کے رئیس تھے۔ عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تبلیغ اسلام کے لیے جب تشریف لائے تو ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انہیں کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ نقباء کو منتخب فرمایا تھا' ان میں ایک یہ بھی تھے' یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ بہت عاقل وفہیم صائب الرائے بزرگ تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار! افک کے سانحے پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المؤمنین کی پاک دامنی بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا: اس سلسلے میں میری کون مدد کرتا ہے؟ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں حضور کی مدد کروں گا' یہ مفتری اگر میرے قبیلے اوس کا ہے تو اس کی گردن میں اڑا دوں گا اور اگر ہمارے بھائی خزرج کا ہے تو آپ حکم دیں' تعمیل ارشاد کروں گا۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا: اے اللہ کے دشمن! تم نے جھوٹ کہا: نہ تم اسے قتل کرو گے اور نہ قتل کر سکتے ہو۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر کو یارائے ضبط نہ رہا' انہوں نے کہا: تم نے جھوٹ کہا' اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور قتل کریں گے' تم منافق ہو اور منافقین کی حمایت میں لڑتے ہو' بدر میں شریک رہے یا نہیں؟ اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں اختلاف ہے‘ مگر اس کے بعد سارے مشاہد میں شریک رہے‘ غزوۂ اُحد کی اس قیامت خیز گھڑی میں جبکہ انتشار عام کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ صرف چودہ جاں نثار رہ گئے تھے‘ یہ بھی موجود تھے‘ اس غزوے میں انہیں سات زخم لگے تھے‘ انہیں خوبیوں کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اُسید اچھا آدمی ہے۔ اُم المؤمنین حضرت صدیقہ نے فرمایا: انصار میں تین ایسے بزرگ ہیں جن کے فضل و کمال تک کوئی انصاری نہیں پہنچتا‘ اور یہ تینوں بنی الاشہل کے فرد ہیں: سعد بن معاذ‘ اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کا کافی لحاظ رکھتے تھے‘ اور یہی حال حضرت فاروق اعظم کا بھی تھا۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فتح بیت المقدس کے لیے گئے تو انہیں بھی ساتھ لیا تھا۔

شعبان ۲۰ھ میں وصال ہوا‘ حضرت فاروق اعظم نے جنازے کو کاندھا دیا‘ ان پر چار ہزار دینار قرض تھا‘ جس کی ادائیگی کے لیے حضرت فاروق اعظم کو وصیت کر گئے تھے‘ حضرت فاروق اعظم نے ان کے باغ کے پھلوں کو بیچ بیچ کر چار سال میں سب قرض ادا کر دیا‘ یہ ابھی مفصل گزری ہوئی حدیث: ۲۳۵ کی تلخیص ہے‘ مگر اس میں دو باتیں زائد ہیں‘ ایک یہ کہ جو ہار غائب ہوا تھا‘ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا‘ دوسرے یہ کہ حضور اقدس ﷺ نے ہار تلاش کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو مقرر فرمایا تھا‘ اس لیے ہم نے اس کو علیحدہ ذکر کیا۔

باب کی توضیح

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: جب کوئی پانی اور مٹی نہ پائے۔ ایسے شخص کو فاقد الطہورین کہتے ہیں‘ یہ شخص کیا کرے؟ وضو اور تیمم کیے بغیر نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں تحریر کیا ہے‘ جیسا کہ عام طور پر ان کی عادت ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے مذاہب معتبرہ چار ہیں‘ اوّل: یہ کہ نہ اس حالت میں نماز پڑھے اور نہ اس نماز کی اس پر قضا ہے‘ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ دوم: یہ کہ اس حالت میں بھی اس پر نماز پڑھنی واجب ہے‘ نماز پڑھے اور بعد قدرت اعادہ کرے‘ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ سوم: یہ شخص بغیر تیمم اور وضو نماز پڑھے‘ اس کی نماز صحیح ہو گئی۔ چہارم: یہ کہ اس وقت بلا نیت نماز کے ارکان ادا کرے اور جب پانی یا مٹی ملے تو وضو یا تیمم کر کے نماز کی قضا پڑھے[1] یہ احناف کا مذہب ہے‘ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا: ”لا صلوٰۃ الا بطھور[2]“ پاکی کے بغیر نماز ہی نہیں‘ اس لیے ”فاقد الطھورین“ کا نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا یکساں ہے۔ رہ گئی بلا نیت ارکان نماز کی ادائیگی‘ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے رمضان میں مسافر دن میں گھر آ گیا یا نابالغ‘ بالغ ہوا یا کافر‘ مسلمان ہوا یا مجنوں کو افاقہ ہوا یا حائضہ پاک ہوئی تو رمضان کے احترام میں بقیہ دن روزہ دار کی طرح رہیں گے‘ نہ کچھ کھائیں گے اور نہ کچھ پئیں گے‘ یا جیسے حج کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو بھی اس پر تمام ارکان حاجیوں کی طرح ادا کرنا واجب ہے‘ اگرچہ اس کو دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ ان نظائر سے معلوم ہوا کہ جہاں مامور بہ پر حقیقۃً عمل ناممکن ہو‘ وہاں ایسی صورت بنانا شرعاً مطلوب ہے‘ گویا مامور بہ ادا کر رہا ہے۔

باب سے مطابقت

باب یہ تھا کہ پانی اور مٹی نہ پائے اور حدیث میں ہے کہ وہاں پانی نہیں تھا‘ مٹی موجود تھی‘ اس لیے شبہہ ہو سکتا ہے کہ حدیث باب کے مطابق نہیں‘ مگر نظر دقیق سے مطابقت یوں ہے کہ جب تیمم کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا تو مٹی کا وجود کالعدم تھا۔ بہ ظاہر مٹی تو تھی مگر حقیقت میں یوں کہیے کہ نہیں تھی۔ جب اس وقت اس سے طہارت کا حکم ہی نہیں تھا تو ہونا بے کار تھا۔ اس کو دوسری عبارت میں یوں کہہ لیجیے کہ باب کا مقصود یہ ہے کہ جب کوئی مطہر نہ ہو تو کیا کرے اور حدیث میں ہے کہ مطہر نہیں تھا‘ لوگوں نے بلا وضو نماز پڑھی۔

---

[1] تنویر الابصار و درمختار [2] رد المحتار‘ ج ۱‘ کتاب الطہارۃ‘ باب: التیمم۔ ص ۱۲۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ حدیث ہمارے معارض نہیں، اس لیے کہ صحابہ کرام نے بغیر حضور کے حکم کے یہ نماز پڑھی تھی، حضور اقدس ﷺ تو آرام فرما رہے تھے، اس لیے صریح ارشاد "لا صلوٰۃ الا بطھور" کے خلاف صحابہ کا یہ فعل جو حضور اقدس ﷺ کے اذن سے نہیں تھا، معارض نہیں ہو سکتا۔

تطبیق

حدیث: ۳۳۵ میں ہے کہ میں جس اونٹ پر تھی، اس کو اُٹھایا گیا تو اس کے نیچے ہار ہم نے پایا اور اس حدیث میں ہے کہ جن صاحب کو حضور اقدس ﷺ نے تلاش کے لیے بھیجا تھا، انہوں نے پایا۔ بخاری فضل عائشہ اور مسلم میں ہے: صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے اسے تلاش کرنے کے لیے بھیجا، ان سب میں تطبیق یہ ہے، واقعہ یہی ہے کہ ہار تلاش کرنے کے لیے چند حضرات کو حضرت اسید بن حضیر کے ساتھ بھیجا تھا، جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، ان سب کے سردار یہی تھے، اس لیے اس روایت میں صرف "رَجُلًا" مذکور ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت خالد بن ولید کو شام جہاد کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید نے شام فتح کیا اور اس حدیث میں جمع متکلم ہے: ہم نے پایا، اس میں حضرت اسید بن حضیر بھی داخل ہیں، ان لوگوں کو ہار کہاں ملا؟ یہ اس حدیث میں مذکور نہیں، یہ حدیث: ۳۳۵ میں ہے کہ اونٹ کے نیچے ملا۔

ت۷۶ - بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ وَبِهٖ قَالَ عَطَاءٌ.

جب کوئی آبادی میں پانی نہ پائے اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے تیمم کا بیان، اور یہی عطاء نے کہا۔

ت۷۷ - قَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيْضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلَا يَجِدُ مَنْ يُّنَاوِلُهٗ يَتَيَمَّمُ. (مصنف ابن ابی شیبہ، مؤطا امام مالک۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: العمل فی التیمم۔ ص ۲۱)

امام حسن بصری نے اس مریض کے بارے میں فرمایا جس کے قریب پانی ہو اور کوئی ایسا نہ ہو جو مریض کو دے سکے تو تیمم کرے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ ہیں:

اذا كنت في الحضر وحضرت الصلوٰة وليس عندك ماء فانتظر الماء، فان خشيت فوت الصلوٰة فتيَمَّمْ وصَلِّ.

جب تم آبادی میں ہو اور نماز کا وقت آجائے اور تمہارے پاس پانی نہ ہو تو پانی کا انتظار کرلو جب نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو۔

دوسری تعلیق کے الفاظ اسی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ ہیں:

ولا يَتَيَمَّمُ مارجى ان يقدر على الماء في الوقت.

نماز کے وقت میں پانی ملنے کی جب تک اُمید ہو، تیمم نہ کرے۔

یہی احناف کا بھی مسلک ہے کہ جس کے پاس پانی نہ ہو، یا اسے پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، اگرچہ وہ مسافر نہ ہو، مقیم ہو، اگرچہ وہ آبادی میں ہو۔

ت۷۸ - وَاَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ اَرْضِهٖ بِالْجُرُفِ فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلّٰى ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین سے واپس ہو رہے تھے جو جُرف میں تھی کہ مربد النعم میں عصر کا وقت آ گیا، انہوں نے (تیمم کر کے) نماز پڑھ لی، اس کے بعد مدینہ گئے اور ایسے وقت مدینہ پہنچ گئے تھے کہ آفتاب بلند تھا، پھر بھی نماز لوٹائی نہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ اثر موطا امام مالک میں یوں ہے:

عَنْ نَافِعٍ اَنَّهٗ اَقْبَلَ هُوَ وَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ مِنَ الْجُرْفِ حَتّٰی اِذَا کَانَا بِالْمِرْبَدِ نَزَلَ فَتَيَمَّمَ صَعِيْدًا طَيِّبًا فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ اِلَی الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ صَلّٰی.

نافع نے کہا کہ یہ اور حضرت ابن عمر' جُرف سے چلے' جب مربد پہنچے تو وہ اُترے اور پاک زمین سے تیمّم کیا اور اپنے چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کو ملا' پھر نماز پڑھی۔

جرف

مدینہ سے تین میل کی دوری پر شام کی طرف ایک گاؤں ہے' کہیں جہاد کے لیے جاتے وقت لشکر یہیں جمع ہوتا تھا۔ یہی حضرت عمر اور دوسرے لوگوں کی اراضی تھی' اس کا نام بیر جشم اور بیر جمل بھی ہے۔ مربد النعم کا فاصلہ مدینہ سے ایک میل کا ہے۔

(فتح الباری۔ ج۱ص ۳۷۴)

یہی ہمارا مذہب ہے کہ اگر اس میں اور پانی میں ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر وقت میں پانی مل جائے تو اعادہ کی حاجت نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے۔

غایت باب

تیمم کی آیت حالت سفر میں نازل ہوئی تھی اور سفر میں ایسے مواقع اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ پانی نہ ملتا۔ آبادی میں شاید باید ایسا حادثہ پیش آتا ہے' اس لیے ضرورت تھی کہ اس کو واضح کر دیا جائے۔ اس باب سے امام بخاری نے یہ افادہ فرمایا کہ "فلم تجدوا مـــاءً" عام ہے' خواہ کوئی سفر میں ہو یا حضر میں یا میدان اور جنگل میں' جہاں بھی پانی نہ ملے تیمم کر سکتا ہے' اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے' خصوص مورد کا نہیں۔

۲۳۸- ح: فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ السَّلَامَ

[(آپ ﷺ نے) اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح فرمایا' پھر سلام کا جوب دیا]

۲۳۸- عَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ اَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلٰی مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبِيْ جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْاَنْصَارِيِّ فَقَالَ اَبُو الْجُهَيْمِ الْاَنْصَارِيُّ اَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهٗ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

عبدالرحمٰن اعرج نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام عمیر سے سنا' انہوں نے کہا: میں اور نبی ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ بن یسار' حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوجہیم انصاری نے بتایا کہ نبی ﷺ بیر جمل کی طرف سے آ رہے تھے کہ ایک شخص حضور سے ملے اور حضور کو سلام کیا' نبی ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا' یہاں تک کہ دیوار کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح فرمایا (تیمم کیا)' پھر اسے سلام کا جواب دیا۔

(بخاری۔ ج۱۔ کتاب التیمم۔ باب: التیمم فی الحضر اذا لم یجد ماءً وخاف فوت الوقت۔ ص۴۸' مسلم۔ ج۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص۱۶۱' نسائی۔ ج۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم فی الحضر۔ ص۵۹' نسائی۔ ج۱۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: فی من لم یجد الماء ولا الصعید۔ ص۶۱)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ

قبیلہ خزرج کے چشم و چراغ تھے' ان کے والد حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں اور کبار صحابہ میں سے ہیں' انصار کرام میں سابقین اوّلین میں سے ہیں' ان میں اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما کے مابین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔ غزوۂ بدر میں شرکت کے لیے جارہے تھے مگر روحاء پہنچ کر بیمار ہوگئے' اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس کردیا' مگر مال غنیمت سے حصہ دیا' غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو انہوں نے ہی قتل کیا تھا اور یہ ان چودہ جاں نثاروں میں سے ہیں جو اس قیامت خیز گھڑی میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد حصار بنے رہے' جب اور لوگ بدحواسی میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے۔ بیر معونہ میں شہید ہوئے' صحابہ میں ابوجہیم ایک اور بزرگ ہیں' انبجانیہ والے' یہ قریشی ہیں' ان کا نام عامر یا عبیداللہ ہے اور والد کا حذیفہ' ان انصاری کا نام عبداللہ ہے اور والد کا نام حارث۔ بعض محدثین کو دونوں میں اشتباہ ہوگیا' حتیٰ کہ امام مسلم کو بھی' اسی لیے اس حدیث کی سند میں انہوں نے "الی جھیم" کے بجائے "الی جھم" ذکر کردیا ہے۔

بیر جمل' گزر چکا کہ جرف کا دوسرا نام بیر جمل بھی ہے' راستے میں جو صاحب ملے تھے اور سلام کیا تھا' یہ خود راوی حدیث ابوجہیم ہی تھے' جیسا کہ امام شافعی نے جو تخریج کی ہے' اس میں تصریح ہے: "مررت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے: (۱) آبادی میں تیمم جائز ہے (۲) اذکارِ مستحبہ کے لیے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے بھی تیمم کر لینا بہتر ہے (۳) دوسرے کی دیوار پر تیمم جائز ہے جبکہ اس کی اجازت ہو یا معلوم ہو کہ اسے ناگوار نہ ہوگا (۴) پتھر پر تیمم جائز ہے' اس لیے کہ مدینہ طیبہ کے مکانات کالے پتھر کے ہیں (۵) نماز جنازہ و نماز عیدین کے لیے تیمم جائز ہے' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمم کر کے جواب اس لیے دیا کہ اگر پانی کا انتظار کرتے یا کسی سے منگاتے اور وضو کرتے تو سلام کا جواب رہ جاتا' جس کا کوئی بدل نہیں تھا' اس لیے کہ ابوجہیم سلام کر کے آگے بڑھ گئے تھے' جب گلی کے موڑ پر پہنچے اور یہ اندیشہ ہوا کہ وہ چلے جائیں گے اور سلام کا جواب رہ جائے گا تو تیمم کر کے جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو میں مشغولیت کی وجہ سے ایسے فرض اور واجب چھوٹنے کا اندیشہ ہو' جس کا کوئی خلف نہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے' نماز جنازہ اور عیدین کا کوئی بدل نہیں' اس لیے اگر وضو میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت ثابت ہے۔ یہ استدلال اس وقت تام ہوگا جبکہ یہ واقعہ ہو کہ سلام کا جواب یا کوئی بھی ذکر بلا وضو جائز نہ ہو' مگر واقع میں ایسا نہیں۔ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ شروع میں یہی تھا مگر آیت وضو سے منسوخ ہوگیا' یا اُم المؤمنین کی اس حدیث سے کہ فرماتی ہیں: "کان یذکر اللّٰہ علی کل احیانہ" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے' یا حضرت ابن عباس کی اس حدیث سے جس میں یہ فرمایا کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سویا تھا اور حضور نے وضو کرنے سے پہلے سورۂ آل عمران کی دس آیتیں اور دعائیں پڑھیں۔ اس خادم کی بھی رائے یہی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر حالت حدث میں سلام کا جواب دینا ممنوع نہ ہوتا تو تاخیر نہ فرماتے۔ اس وقت یہی حکم تھا' اب منسوخ ہے' مگر افضلیت اب بھی باقی ہے' ہماری اس تقریر سے باب اور حدیث میں مطابقت بھی ظاہر ہوگئی کہ آبادی اور حضر میں بھی اگر پانی نہ ملے حقیقۃً یا حکماً کی صورت یہ ہے کہ پانی موجود ہے' مگر وضو کرنے میں وظیفہ الٰہیہ فوت ہو جائے گا تو تیمم کرلے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب سلام فوت ہوجانے کے اندیشے سے تیمم کر کے جواب دیا' واضح ہو کہ سلام کرنا سنت ہے مگر جواب دینا واجب ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۲۳۹- ح: عَمَّارٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَتَمَعَّكْتُ

[حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مٹی میں لوٹنا]

۲۳۹- عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اِنِّيْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَآءَ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَمَا تَذْكُرُ اَنَّا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَجْنَبْنَا فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا' اس پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں! میں اور آپ ایک سفر میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہو گئے' آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں مٹی میں لوٹا اور اس کے بعد نماز پڑھی' پھر ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی تھا' یہ فرما کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور ان پر پھونکا' اس کے بعد انہیں اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التيمم هل ينفخ فيها۔ ص ۴۸۔ ایضاً۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التيمم للوجه والكفين۔ ص ۴۸۔۴۹' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص ۱۶۱' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص ۴۶' ترمذی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في التيمم۔ ص ۲۱' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التيمم في الحضر۔ ص ۵۹۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: نوع آخر من التيمم النفخ فيه۔ ص ۶۰' ابن ماجہ۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: ما جاء في التيمم ضربة واحدة۔ ص ۴۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ

بنی خزاعہ کے حلیف اور ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے اور نماز کی اقتداء کا بھی۔ ان کو ان کے آقا نافع بن حارث نے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں' مکہ معظمہ پر والی بنا دیا تھا۔ اسے جب حضرت عمر نے سنا تو غضب ناک ہو کر کجاوے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تو نے اللہ کی آل پر عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کو حاکم بنا دیا۔ نافع نے عرض کیا: یہ ان سب میں کتابوں کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ ہیں' تو حضرت عمر کا جلال ختم ہو گیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل اس قرآن کی بہ دولت ایک قوم کو بلند رتبہ فرمائے گا اور دوسری قوم کو پست۔ ایک روایت کی بناء پر بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔ اخیر عمر میں کوفہ آ بسے تھے اور یہیں وصال ہوا[۱] ان کے والد ماجد حضرت ابزیٰ بھی صحابی ہیں۔ امام بخاری نے انہیں کتاب الوحدان میں ذکر فرمایا[۲] ''فتمعّكت'' اس کا مصدر ''تَمَعُّكٌ'' ہے ''تَقَبُّل'' کے وزن پر اور مادہ ''معك'' ہے' اس کے معنی ذلیل کرنا اور بیوقوف بنانا ہے۔ باب تفعل میں جانے کے بعد اس کے معنی آتے ہیں: زمین پر لوٹنے کے' اور باب تفعیل سے میں لٹانے کے' دوسری روایت میں ہے: ''فتمرغت في الصعيد كما تمرغ الدابة'' میں زمین پر ایسے لوٹا جیسے چوپایہ لوٹتا ہے۔ ''تمرغ'' کا مادہ ''روغ'' ہے' اس کے صلہ اور متعلق کے اعتبار سے مختلف معانی آتے ہیں۔ ''راغ الصيد'' شکار کا ادھر اُدھر کترانا۔ ''اليه'' کسی طرف کترا کر نکل جانا۔ ''عن الطريق'' کسی کو دھوکہ دینے کے لیے کترا کر چلنا۔ باب تفعل میں جانے کے بعد اس کا معنی لوٹنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''فَرَاغَ اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ'' (الصّٰفّٰت: ۹۱) نظر بچا کر

۱۔ الاستیعاب' الاصابہ' اسد الغابہ۔ ۲۔ اصابہ۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان کے معبودوں کے پاس گیا۔ ''فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ O'' (الصّٰفّٰت: ۹۳) لوگوں کی نظر بچا کر اپنے ہاتھ سے مارنے لگا O

تکمیل

بخاری میں یہ حدیث مختصر ہے' بقیہ صحاح میں مفصل یوں ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا' ایک شخص آیا اور کہا: ہم کبھی ایسی جگہ مہینے دو مہینے رہتے ہیں جہاں پانی (نہانے کے لیے) نہیں ملتا' تو حضرت عمر نے فرمایا: میں (اگر ایسی جگہ جنبی ہو جاؤں) تو جب تک پانی نہیں ملے گا' نماز نہیں پڑھوں گا۔ اس پر حضرت عمار نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں' ہم اور آپ اونٹوں میں تھے اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہو گئی' میں زمین پر لوٹا (اور نماز پڑھ لی) پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں یہی کافی تھا کہ اس طرح کر لیتے اور حضور نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا' پھر ان دونوں کو پھونکا' پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور آدھی کلائی تک ہاتھوں پر ملا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: اے عمار! اللہ سے ڈر! اس پر حضرت عمار نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ کی منشاء ہو تو بخدا! میں کبھی اس کو ذکر نہ کروں۔ حضرت عمر نے فرمایا: ہرگز نہیں! تم جس حال پر ہو تم کو اس پر ہم چھوڑتے ہیں۔

اختلاف علماء

تیمم کے سلسلے میں تین اہم اختلافات ہیں: جنبی کو تیمم جائز ہے یا نہیں؟ تیمم کے لیے ایک ہی بار مٹی پر ہاتھ مارنا کافی ہے یا دو بار یا تین بار یا چار بار؟ ہاتھ پر مسح کہاں تک کیا جائے گا؟ پہلے مسئلہ پر آئندہ گفتگو ہو گی' بقیہ دو مسائل کے متعلق یہ گزارش ہے۔

پہلا مسئلہ: ہمارا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لیے مٹی پر دو بار ہاتھ مارنا ضروری ہے' اگر ایک بار ہاتھ مار کر چہرے پر مل لیا تو اس سے ہاتھوں پر مسح درست نہیں۔ اس بارے میں حضرت عمار کی حدیث میں کافی اضطراب ہے' کسی میں ایک بار مذکور ہے' کسی میں دو بار' اس لیے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ ہم کو قرآن حکیم میں نظر دقیق ڈالنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ اس سے کیا مستفاد ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل نے پہلے وضو کا ذکر فرمایا' پھر فرمایا: اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی پر تیمم کرو اور چہروں اور ہاتھوں پر ملو' جیسے وضو میں چہرہ دھونے کے لیے الگ اور ہاتھ دھونے کے لیے دوسرا پانی لینا ضروری ہے' اسی طرح تیمم میں بھی چہرے کے لیے الگ ہاتھ مارا جائے گا اور ہاتھوں کے لیے الگ۔ علاوہ ازیں اس بارے میں دوسری احادیث مروی ہیں' جن میں دو مرتبہ ہاتھ مارنے کا ذکر صراحتاً ہے:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسلع بن شریک تمیمی سے فرمایا:

قم فتيمم صعيدًا طيبا ضَرْبَتَيْنِ ضَرْبَةً لوجهك وضربة لذراعيك.

اٹھ پاک مٹی پر تیمم کر' دو مرتبہ مار کر' ایک مرتبہ اپنے چہرے کے لیے اور ایک مرتبہ اپنی کلائیوں کے لیے۔

(شرح معانی الآثار۔ ج ۱۔ باب: التیمم۔ ص ۵۶' طبرانی' دارقطنی' بیہقی)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين.

تیمم دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہے' ایک بار چہرے کے لیے اور ایک بار ہاتھوں کے لیے۔

دار قطنی نے کہا: علی بن ظبیان نے اسے مرفوعاً روایت کیا۔ یحییٰ قطان اور ہشیم وغیرہ نے موقوفاً اور یہی صحیح ہے۔ امام طحاوی نے اسے موقوفاً ہی روایت کیا ہے۔ (طحاوی۔ ج ۱۔ باب: التیمم۔ ص ۵۶)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

التیمم ضربة للوجه، ضربة للذراعین الی المرفقین. (بیہقی، حاکم فی المستدرک)

تیمم یہ ہے کہ (مٹی پر) ایک بار ہاتھ چہرے کے لیے اور ایک بار کہنیوں تک کلائیوں کے لیے مارنا ہے۔

امام حاکم اور امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے اور حسب اصول یہ موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دوسرا مسئلہ: ہاتھ پر مسح کہاں تک کیا جائے گا، اس سلسلے میں بھی احادیث مختلف آئی ہیں اور حدیث عمار میں اضطراب ہے، بہت سی احادیث میں کندھوں اور بغل تک مسح کا ذکر ہے، اس لیے احناف نے تیمم کی اصل وضو پر قیاس کر کے کہنیوں تک مسح کا حکم دیا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ تیمم سے پہلے اللہ عز و جل نے وضو ذکر فرمایا، جس میں تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا حکم دیا، تیمم میں جن اعضاء کو ساقط کرنا تھا، ساقط فرما دیا۔ اگر کہنیوں تک مسح مطلوب نہ ہوتا تو اسے بھی ساقط فرما دیتا۔ اسے ساقط نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اصل پر باقی ہے۔ اسی سے ان احادیث کو بھی ترجیح حاصل ہو گئی جن میں کہنیوں تک مسح کرنے کا صراحۃً ذکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد ہاتھوں پر گرد ہو تو اسے جھاڑ لینا چاہیے تاکہ چہرے پر گرد نہ لگے، اس لیے کہ یہ صورت بگاڑنے کے مترادف ہوگا، جو منع ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تیمم صحیح ہونے میں غبار کو دخل نہیں، کیونکہ اگر غبار کو دخل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھونک کر غبار کو اُڑاتے نہیں، اس لیے ایسے پتھر پر بھی تیمم جائز ہے، جس پر غبار نہ ہو۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی حادثے میں قرآن و حدیث کا حکم معلوم نہ ہو تو اجتہاد کی اجازت ہے اور اس پر عمل بھی درست ہے، حضرت عمر نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور حضرت عمار نے اپنے اجتہاد پر۔

تیمم میں کہنیوں تک مسح ہے، یہی مسلک احناف کا بھی ہے اور امام مالک کا بھی۔ امام شافعی کا قول مشہور بھی یہی ہے۔ اصحاب ظواہر اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ کہنیوں تک مسح کی حاجت نہیں، صرف ہتھیلیوں کا مسح کافی ہے۔ امام بخاری کا بھی بہ ظاہر یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مستدل یہی حضرت عمار والی حدیث ہے، مگر اس میں اضطراب شدید ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ "مسح بهما وجهه و کفیه" زیادہ قوی ہے، یہ عنوان قائم کر کے "باب التیمم للوجه و الکفین" اس حدیث کی مزید چھ طریقوں سے تخریج کی۔

مگر ماہرین پر ظاہر ہے کہ اس سے اضطراب تو دور ہوا نہیں، اس لیے کہ اس کے برخلاف جو لوگ روایت کرتے ہیں وہ بھی ثقہ ہیں۔ جب اضطراب باقی رہا تو لامحالہ ترجیح کے لیے قرآن مجید کی طرف اور دوسری احادیث کی طرف رجوع لازم ہوا۔ اور ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اس لحاظ سے ترجیح احناف ہی کے مسلک کو حاصل ہے۔ ان روایات میں کچھ کچھ زیادتی ہے۔ یہ طریق حجاج میں یہ بھی زائد ہے: "ثم ادناهما من فیه" پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ سے قریب کیا۔ یہ طریق سلیمان بن حرب یہ زائد ہے: "کنا فی سریة" ہم ایک چھوٹے لشکر میں تھے، اور بجائے "نفخ" کے "تفل فیهما" ہے، ان دونوں میں تھوکا۔ یہاں حقیقۃً تھوکنا مراد نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنے زور سے پھونکا کہ کچھ لعاب مبارک نکل پڑا۔ محمد بن کثیر کے طریقہ میں بجائے "کفیه" کے "و الکفین" ہے یہ روایت ابوذر اور کریمہ کی ہے، اصیلی کی روایت میں "یکفیك الوجه و الکفان" ہے جو بالکل ظاہر ہے، اس لیے کہ یہ فاعل پر معطوف ہے۔ رہ گئی "و الکفین" کی روایت، نصب کے ساتھ، اس کی توجیہ یہ ہے کہ واؤ "مع" کے معنی میں ہے اور "و الکفین" مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ت ۷۹ - وَقَالَ الْحَسَنُ يُجْزِيْهِ التَّيَمُّمُ مَا لَمْ يُحْدِثْ. حضرت حسن بصری نے کہا کہ (محدث کے لیے) تیمم کافی ہے جب تک اسے حدث نہیں ہوجاتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابومنصور باختلاف الالفاظ)

ایک تیمّم سے ایک سے زائد فرائض پڑھنے میں اختلاف ائمہ

ہمارا اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد کا تیمم کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ ایک تیمم سے ایک سے زائد فرض پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور وقت سے پہلے تیمّم کر لیا تو نماز کا وقت ہونے کے بعد اس تیمم سے کوئی بھی نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک درست ہے اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک درست نہیں۔ یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے یا خلف ضروری۔ امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ خلف ضروری ہے، اس لیے نماز کے وقت سے پہلے جو تیمم کیا، اس سے وقت ہونے کے بعد کوئی بھی نماز پڑھنی صحیح نہیں اور جس فرض کے لیے تیمّم کیا ہے، اس کے علاوہ دوسرا فرض پڑھنا درست نہیں، اور ہمارے نزدیک تیمم وضو کا خلف مطلق ہے، اس لیے جیسے وقت سے پہلے کیے ہوئے وضو سے وقت ہونے کے بعد وقتیہ فرض اور دیگر فرائض بلکہ ہر نماز پڑھنی صحیح ہے اور ایک وضو سے متعدد فرائض پڑھنا صحیح ہے۔ اسی طرح وقت سے پہلے کیے ہوئے تیمم سے بھی وقت آنے کے بعد وقتیہ اور دیگر متعدد فرائض پڑھنا درست ہے، نیز ایک تیمم سے چند فرائض بھی درست ہیں۔ یہاں امام بخاری نے جو باب باندھا ہے، وہ یہ ہے: "باب الصعيد الطيب وضوء المسلم يكفيه من الماء" پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے، پانی کے بجائے اسے کافی ہے۔

اس سے یہ افادہ فرمایا کہ اس خصوص میں وہ بھی احناف کے مسلک پر ہیں اور اسی کی تائید میں حضرت حسن بصری کا یہ ارشاد ذکر فرمایا، اور یہی ابراہیم، عطاء، ابن مسیب، زہری، لیث، حسن بن حیی اور داؤد بن علی کا مذہب ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔ اس کی پوری بحث اصول فقہ اور ہدایہ کی شروح میں مذکور ہے۔

ت ۸۰ - وَاَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّهُوَ مُتَيَمِّمٌ. ابن عباس نے تیمم کی حالت میں امامت کی۔ (ابن ابی شیبہ و بیہقی)

تیمّم وضو کا خلف مطلق ہے یا نہیں؟

اس اثر سے امام بخاری اس کی تائید فرمانا چاہتے ہیں کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے، اس لیے کہ اگر خلف مطلق نہ ہوتا، خلف ضروری ہوتا تو ضعیف ہوتا، پھر حضرت ابن عباس وضو کرنے والوں کی امامت نہ فرماتے، اس لیے کہ اگر امام مقتدیوں سے ضعیف حالت میں ہو تو امامت درست نہیں، جیسے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کی امامت نہیں کر سکتا، تو معلوم ہوا کہ تیمم کرنے والے کی امامت متوضی کے مثل ہے۔ اب ثابت ہوگیا کہ تیمّم وضو کا خلف مطلق ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ تیمّم جنابت کی وجہ سے کیا تھا اور مقتدیوں میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن عاص نے بھی جنابت سے تیمم کر کے امامت کی تھی، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے بیان کیا تو حضور مسکرائے۔ یہی ہمارا اور امام شافعی، امام احمد کا بھی مسلک ہے کہ متیمم متوضی کی امامت کر سکتا ہے۔

ت ۸۱ - وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ لَا بَاْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبَخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا. اور یحییٰ بن سعید نے کہا: زمین شور (کھاری زمین) پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

کون سی مٹی سے تیمّم جائز ہے؟

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تیمّم صرف ایسی مٹی سے درست ہے جو منبت ہو یعنی اس میں سبزہ اگانے کی قوت ہو۔ شور زمین میں یہ قوت نہیں، اس لیے اس سے ان کے نزدیک تیمم درست نہیں، ہمارے نزدیک اس سے بھی درست ہے۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قرآن مجید میں ''صعیدًا طیبًا'' سے تیمم کا حکم ہوا۔ صعید کے معنی روئے زمین کے ہیں' اور کھاری زمین بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''اطیب الصعید الحرث'' ''سب سے عمدہ صعید کھیت ہے'' مگر علامہ نووی نے فرمایا کہ تیمم کے لیے ارض منبت شرط نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد سے امام شافعی کا یہ مسلک نہیں ثابت ہوتا کہ کھاری مٹی سے تیمم درست نہیں' اس لیے کہ ''اطیب الصعید الحرث'' کہنا خود بتا رہا ہے کہ کھیت کے علاوہ بقیہ زمین بھی صعید ہے' البتہ کھیت سب سے عمدہ ہے' نیز اگر بہ فرض غلط اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ کھیت کے علاوہ بقیہ زمین صعید نہیں تو لازم آئے گا کہ کھیت کے علاوہ اور کہیں تیمم جائز نہ ہو۔

امام بخاری اس مسئلے میں بھی احناف کے ساتھ ہیں' اس لیے یحییٰ بن سعید انصاری کا یہ ارشاد اپنی تائید میں نقل فرمایا کہ کھاری زمین پر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۴۰- ح: اِشْتَكَى النَّاسُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَطَشِ

[لوگوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کرنا]

۲۴۰ - عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّا اَسْرَيْنَا حَتّٰى كُنَّا فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً وَّلَا وَقْعَةَ اَحْلٰى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا فَمَا اَيْقَظَنَا اِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ وَكَانَ اَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيْهِمْ اَبُوْ رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَامَ لَمْ نُوْقِظْهُ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ لِاَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهٗ فِيْ نَوْمِهٖ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَاٰى مَا اَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيْدًا فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا اِلَيْهِ الَّذِيْ اَصَابَهُمْ قَالَ لَا ضَيْرَ اَوْ لَا يَضِيْرُ ارْتَحِلُوْا فَارْتَحَلَ فَسَارَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوْءِ فَتَوَضَّاَ وَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكٰى اِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيْهِ

حضرت عمران (بن حصین) رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (تبوک) میں تھے اور ہم لوگ رات بھر چلے یہاں تک کہ رات کا آخر ہو گیا تو ہم نے قیام کیا' ہم پر ایسی نیند طاری ہوئی کہ اس سے زیادہ میٹھی مسافر کے نزدیک کوئی اور نیند نہیں ہوتی (ہم سوتے رہے)' ہمیں سورج کی گرمی ہی نے جگایا' سب سے پہلے فلاں جاگا' پھر فلاں' پھر فلاں' ابو رجاء ان کا نام لیتے تھے' حضرت عوف بھول گئے' اس کے بعد چوتھے حضرت عمر بن خطاب اُٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آرام فرما ہوتے تو ہم بیدار نہیں کرتے تھے' یہاں تک کہ حضور خود ہی بیدار ہوتے' اس لیے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ سونے کی حالت میں حضور پر کیا حالت درپیش ہے' جب حضرت عمر جاگے اور لوگوں پر جو حالت طاری تھی' دیکھا اور یہ نڈر اور جری انسان تھے تو انہوں نے تکبیر کہنی شروع کی اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرنے لگے' وہ مسلسل تکبیر کہنے لگے اور تکبیر کے ساتھ آواز بلند کرتے رہے' یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سے بیدار ہو گئے' حضور جب بیدار ہو گئے تو لوگوں نے حضور سے جو افتاد پڑی تھی اس کی شکایت کی۔ اس پر فرمایا: کوئی نقصان نہیں' یا فرمایا: کوئی نقصان نہ ہو گا' یہاں سے چلو۔ وہاں سے چلے' تھوڑی دور چل کر اُترے اور وضو کا پانی طلب فرمایا' اور وضو فرمایا' پھر نماز کے لیے اذان دی گئی' حضور نے لوگوں کو نماز پڑھائی' جب نماز سے فارغ ہوئے تو (دیکھا)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

أَبُو رَجَاءٍ نَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا فَقَالَا لَهَا أَيْنَ الْمَاءُ قَالَتْ عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوفًا قَالَا لَهَا انْطَلِقِي إِذًا قَالَتْ إِلَى أَيْنَ قَالَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ قَالَا هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ فَانْطَلِقِي فَجَاءَا بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ قَالَ فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوا وَاسْتَقُوا فَسَقَى مَنْ شَاءَ وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ وَكَانَ آخِرُ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ قَالَ اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا وَايْمُ اللَّهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوا لَهَا فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ حَتَّى جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوهَا فِي ثَوْبٍ وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا فَقَالَ لَهَا تَعْلَمِينَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا وَلَكِنَّ اللَّهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ قَالُوا مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِي رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِي إِلَى هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللَّهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هَذِهِ وَهَذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللَّهِ حَقًّا فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذَلِكَ يُغِيرُونَ عَلَى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَلَا يُصِيبُونَ الصِّرْمَ الَّذِي هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا أُرَى أَنَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ قَدْ

ایک شخص الگ ہے' سب کے ساتھ نماز نہیں پڑھی' اس سے فرمایا: اے فلاں! سب کے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کس بات نے روک دیا؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہو گئی ہے اور غسل کے لیے پانی نہیں' فرمایا: مٹی سے تیمم کر' یہ تیرے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ تھوڑی دور چلے' تو لوگوں نے حضور سے پیاس کی شکایت کی' اس پر آپ اتر پڑے اور فلاں کو بلایا' حضرت ابورجاء اس کا نام لیتے تھے' حضرت عوف بھول گئے' اور حضرت علی کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو' یہ دونوں چلے تو انہیں ایک عورت ملی جو پانی سے بھری ہوئی دو پکھالوں یا دو بڑے مشکیزوں کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ ان حضرات نے اس عورت سے پوچھا: پانی کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے ساتھ کل اسی وقت تھی اور ہمارے مرد پیچھے رہ گئے' ان دونوں نے اس سے کہا: ایسا ہے تو چل! اس نے پوچھا: کہاں؟ دونوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں' اس نے کہا: وہی جنہیں صابی کہا جاتا ہے؟ ان دونوں نے کہا: ہاں! وہی جنہیں تو سمجھتی ہے' وہیں چل۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسے لائے اور واقعہ بیان کیا۔ راوی نے کہا: اور اسے اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی ﷺ نے برتن منگایا اور اس میں دونوں پکھالوں یا مشکیزوں کے مونہوں سے کچھ پانی انڈیلا اور ان کے منہ باندھ دیے اور اس کے نیچے کا تنگ منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ پانی خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ' جس کو پینا تھا اس نے پیا اور جس نے چاہا جانوروں کو پلایا اور سب کے آخر میں ایک برتن پانی اسے دیا' جسے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور فرمایا: جاؤ! اسے اپنے اوپر ڈال لو (نہالو) اور وہ عورت کھڑی وہ سب دیکھتی رہی جو اس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا' اور اللہ کی قسم! جب ان مشکیزوں سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت زیادہ بھرے ہیں بہ نسبت اس وقت کے جب ان سے پانی لینا شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے لیے کچھ جمع کرو' تو لوگوں نے اس کے لیے عجوہ' آٹا' ستو' کھانے کا سامان اکٹھا کر دیا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

يَدْعُوْنَكُمْ عَمَدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَأَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِي الْإِسْلَامِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ صَبَأَ خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلٰى غَيْرِهٖ وَقَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِيْنَ فِرْقَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ الزَّبُوْرَ اَصْبُ اَمِلْ.

اور ایک کپڑے میں باندھ دیا اور اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کرا دیا اور کھانے کا کپڑا اس کے آگے رکھ دیا' اب حضور نے اس سے فرمایا: تو جانتی ہے ہم نے تیرے پانی سے کچھ کم نہیں کیا' ہاں! اللہ ہی وہ ہے جس نے ہمیں پانی پلا دیا۔ اس کے بعد عورت اپنے گھر والوں کے پاس گئی' چونکہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تھی' تو گھر والوں نے پوچھا: اے فلانہ! تجھے کس چیز نے روکا؟ اس نے کہا: تعجب انگیز بات ہے' مجھے دو شخص ملے اور مجھے ان کی خدمت میں لے گئے جنہیں صابی کہا جاتا ہے تو انہوں نے ایسا ایسا کیا' اللہ کی قسم! وہ شخص اس کے اور اُس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے اور اس نے اپنی بیچ والی اور کلمے کی انگلیوں سے اشارہ کیا' ان دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا' اس کی مراد زمین اور آسمان تھی' یا وہ یقیناً اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اس عورت کے اردگرد کے مشرکین پر چھاپے مارتے رہے اور یہ عورت جس محلے میں تھی اسے چھوڑ دیتے۔ اس پر اس عورت نے ایک دن اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تم کو بالقصد چھوڑ دیتے ہیں' تو کیا اب تمہیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہے؟ قوم نے اس کی بات مان لی اور سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا: ''صَبَا'' کے معنی ہیں: ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہوا' اور ابو العالیہ نے کہا: ''صابئین'' اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔ ''اَصْبُ'' کے معنی ہیں: میں مائل ہوں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

بنی خزاعہ کے فرد ہیں' فقہاء صحابہ میں سے ہیں' خیبر کے سال ایمان لائے اور متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن بنی خزاعہ کا علم انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ اس مقصد سے بھیجا تھا کہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں' یہ وہاں کے قاضی بھی تھے۔ مستجاب الدعوات بزرگ تھے' ملائکہ حفظہ کی زیارت کرتے تھے' فرشتے انہیں سلام کرتے تھے' ۵۲ھ میں وصال ہوا' بصرہ جائے وصال ہے' ان سے ایک سو اسّی احادیث مروی ہیں' بخاری نے بارہ احادیث لی ہیں۔

(عینی۔ ج ۴۔ کتاب التیمم' اصابہ۔ ج ۳)

لغات

''اسرینا'' بعض روایتوں میں ''سرینا'' ہے' اس کا مادہ ''سریٰ'' ہے' جس کے معنی رات میں چلنے کے ہیں۔ ''جلیدًا'' کرم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یکرم سے ہے' اس کا مصدر ''جَلَدٌ اجلادۃ'' اور ''جُلُودۃ'' آتا ہے' اس کے معنی قوی ہونا ہے۔ مسلم میں ''اجوف جلیدًا'' ہے ''اجوف'' کے معنی ہیں: جو پیٹ سے آواز نکالے مراد یہ ہے کہ قوی اور بلند آواز تھے: ''مزادتین او سطیحتین' مزادۃ'' اس بڑے مشکیزے کو کہتے ہیں جو دو کھالوں کو سی کر بنایا گیا ہو جسے پکھال کہتے ہیں اور یہی معنی ''سطیحۃ'' کے بھی ہیں' مشک صرف ایک کھال کی ہوتی ہے جس میں گردن کی طرف جوں کا توں رکھتے ہیں اور دوسری طرف سی دیتے ہیں' مشک چھوٹی ہوتی ہے اور پکھال بڑی' اس کے لیے عربی میں دوسرا لفظ ''راویہ'' بھی ہے۔ ''مزادتین'' اور ''سطیحتین'' شک راوی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شیخ نے ''مزادتین'' کہا تھا یا ''سطیحتین'' ۔ کیا لفظ تھا اس میں راوی کو شک تھا' یعنی ایک ہی ہیں۔ میں نے صرف تفنن کے لیے ''مزادتین'' کا ترجمہ پکھالیں اور ''سطیحتین'' کا بڑے مشکیزے کیا ہے۔ ''اَمْسِ'' کل گزشتہ' یہ حجازیوں کے نزدیک مبنی علی الکسر ہے اور تمیمیوں کے نزدیک معرب غیر منصرف ہے' عدل اور علمیت کی وجہ سے۔ ''نفر'' تین سے لے کر دس سے کم مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔ ''خُلوف' خالف'' یہ معنی مسافر کی جمع ہے' جیسے شاہد کی جمع ''شھود''۔ ''او کأ'' بندھن سے مضبوط باندھا۔ ''عزالی. عزلاء'' کی جمع ہے' پکھال اور مشک میں دو منہ ہوتے ہیں' ایک اوپر بڑا جس سے پانی بھرتے ہیں' ایک نیچے چھوٹا جس سے ضرورت کے مطابق پانی لیتے ہیں'' عزلاء'' اسی نیچے والے منہ کو کہتے ہیں۔ ''وایم اللّٰہ'' یہ اصل میں ''اَیْمُنُ اللّٰہ'' تھا' یہ ان الفاظ میں سے ہے جو قسم کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ کبھی نون حذف کر کے ایم اللہ کہتے ہیں' شروع کا ہمزہ ہمزۂ وصل ہے۔ ایک یہی ہمزہ وصل ایسا ہے جو مفتوح آتا ہے۔ ''ایمُ اللّٰہ' مبتداء'' اس کی خبر قسمی محذوف ہے اور ہمیشہ محذوف رہتی ہے' جیسے ''لعمرك'' میں۔ ''عَجْوَۃٌ'' کھجور کی ایک قسم کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سب سے عمدہ ہوتی ہے' اس کا دوسرا نام لینہ بھی ہے' اس کے احادیث میں فضائل بھی آئے ہیں۔

''مَا رَزِئْنَا'' سمع یسمع سے ہے' ہم نے کم نہیں کیا۔ بعض روایتوں میں زاء پر فتحہ بھی آیا ہے۔ ''العجب'' فعل محذوف' ''عَجَبَنِی'' کا فاعل ہے'' ''الصِرْمُ'' وہ چند گھر جو عام آبادی سے الگ اکٹھے بنے ہوں۔

فی سفر

یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ خیبر سے واپسی میں' بعض حضرات نے کہا: حدیبیہ سے واپسی میں۔ بعض ارباب تحقیق نے فرمایا کہ تبوک کے راستے میں یہ واقعہ پیش آیا' جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے' جسے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے' اور یہی صحیح ہے' اس لیے کہ اس واقعہ میں تیمم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور ہم پہلے حدیث: ۳۳۵ میں تحقیق کر آئے کہ آیت تیمم غزوہ ذات الرقاع سے واپسی میں نازل ہوئی' جو خیبر کے بعد ہوا تھا۔ صحیح اور محقق یہ ہے کہ سفر میں نمازِ فجر قضا ہونے کا واقعہ متعدد بار ہوا ہے: ایک دفعہ خیبر سے واپسی میں' جس میں یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جاگتے رہنے کا ذمہ لیا تھا' مگر وہ بھی سو گئے اور سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(مسلم۔ ج ا۔ کتاب المساجد۔ باب: قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ۔ ص ۲۳۸' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب: فی من نام عن صلوٰۃ او نسیہا۔ ص ۶۲)

دوسرا حدیبیہ سے واپسی میں' اس میں بھی حضرت بلال ہی نے سب کے جگانے کا ذمہ لیا تھا اور خود بھی سو گئے اور فلاں فلاں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاگے' اسے ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے[1] تیسری بار کسی اور سفر میں' جس میں یہ ہے

[1] ابوداؤد۔ ص ۶۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستے سے ہٹ کر سوئے تھے۔ یہ مسلم اور ابوداؤد[1] میں حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے۔

کان اوّل من استیقظ

بخاری، کتاب علامات نبوت اور مسلم، باب ''قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ'' میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اُٹھے، دوسرا اور تیسرا کون تھا؟ ان کا نام یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ علامہ ابن حجر کا قیاس یہ ہے کہ دوسرے راوی حدیث عمران بن حصین تھے۔ اس لیے کہ وہ حدیث جس طرح بیان کر رہے ہیں، وہ بتا رہا ہے کہ انہوں نے سب کچھ دیکھ کر بیان کیا ہے، اور تیسرے صاحب ذو فجر ہیں، جو اس سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کر رہے تھے۔ علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ یہ قیاس اور اندازے سے حدیث میں تصرف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

تطبیق

یہاں یہ ہے کہ حضرت عمر نے اُٹھ کر تکبیر کہنی شروع کی اور علاماتِ نبوت میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اُٹھے اور تکبیر کہنے لگے، مگر دونوں میں منافات نہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ صدیق اکبر نے بھی تکبیر کہی مگر ان کی آواز بلند نہ تھی، اس سے حضور بیدار نہ ہوئے اور حضرت فاروق اعظم کی آواز بہت بلند تھی، اس سے بیدار ہوئے۔ اس کا لحاظ کر کے یہاں اختصار کر دیا اور علاماتِ نبوت میں پوری بات ذکر کر دی۔

و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نام لم نوقظہ

اس پر ایک شدید اشکال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

عینی تنامان و لا ینام قلبی (عینی۔ج ۴ص ۲۸) میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کیوں نہ ہوئی کہ نمازِ فجر کا وقت ہو گیا، سورج نکلنے والا ہے۔

اس کا سب سے عمدہ اور ٹھوس جواب وہ ہے جو استاذی جلالۃ العلم حافظ ملت، حضرت علامہ حافظ ابوالفیض عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے دیا، ارشاد فرمایا: اگرچہ قلب محسوسات اور معقولات دونوں کا ادراک کرتا ہے مگر محسوسات کے ادراک کے لیے جو اس کا واسطہ ضروری ہے، طلوعِ فجر محسوسِ مبصر ہے، اس کے جاننے کے لیے آنکھ کا واسطہ ضروری ہے، چونکہ چشمانِ مبارک سو رہی تھیں اس لیے قلب مبارک طلوعِ فجر کا ادراک نہ کر سکا، اس کی حکمت یہ تھی کہ جیسے حالت بیداری میں کبھی کبھار سہو ہو گیا ہے، اس مصلحت سے تاکہ سہو کی تلافی اور قضاء کے احکام کا بیان اور اس کی تشریع فعل رسول سے ہو جائے، اسی طرح سونے کی وجہ سے نماز کی قضا بھی اسی حکمت کی بناء پر ہے کہ احکام قضاء کا بیان اور اس کی تشریع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ہو جائے۔

فارتحلوا

وہاں سے کوچ کرنے کی وجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث[2] میں مذکور ہے کہ:

ھذا منزل حضر فیہ الشیطان۔ اس جگہ شیطان آ گیا۔

فدعا فلان

یہ خود راوی حدیث حضرت عمران تھے جیسا کہ ابن زریر کی روایت ہے:

---

[1] ایضاً۔ مسلم۔ ص ۲۳۹، ابوداؤد ص ۶۳ [2] مسلم۔ ص ۱۲۸

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو چند سوار تھے' ان کے ساتھ مجھے پانی تلاش کرنے کے لیے بعجلت تمام بھیجا۔

(عینی ج ۴ ص ۲۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صرف حضرت عمران اور حضرت علی ہی نہیں گئے تھے' بلکہ ایک جماعت گئی تھی' جن کے امیر حضرت علی رضی اللہ رہے ہوں گے اور ممتاز افراد میں حضرت عمران' اس لیے بخاری کی اس روایت میں خصوصیت سے ان دونوں کا تذکرہ ہے۔

فَفَرَّغ

مسلم میں ہے: ''فَمَجَّ في العزلاوين العلياوين'' بیہقی اور طبرانی میں ہے: ''فمضمض في الماء واعاده في افواه المزادتين'' پانی میں کلی کر کے مشکیزوں کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کی برکت سے پانی سب نے پیا' جانوروں کو بھی پلایا مگر کم نہ ہوا۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ ہوئے: (۱) بزرگوں کا ادب بہر حال لازم ہے' وہ سو رہے ہوں تو ان کو مخاطب کر کے پکارنا بھی نہیں چاہیے (۲) کسی طاعت کے فوت پر افسوس محمود ہے (۳) اپنی تقصیر کے بغیر نماز قضا ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں (۴) سفر میں ساتھیوں کا خیال رکھنا لازم ہے (۵) پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں جنبی کو بھی تیمم کافی ہے (۶) پوری جماعت کی نماز قضا ہو جائے تو اذان بھی سنت ہے اور جماعت بھی (۷) شدید پیاس دفع کرنے کے لیے دوسرے کا پانی بالجبر عوض سے لینا جائز ہے (۸) وضو اور غسل پر پیاس مقدم ہے (۹) ہبہ وغیرہ اور اس کا عوض زبان سے کہے بغیر لینا دینا جائز ہے (۱۰) کفار کے برتن اور پانی اور کھانے کا استعمال جائز ہے' جب تک نجاست اور حرمت کا یقین نہ ہو (۱۱) فوت شدہ نماز کی ادائیگی میں بہ ضرورت تاخیر درست ہے (۱۲) حضرت فاروق اعظم دینی معاملے میں سب سے زیادہ قوی اور سخت تھے (۱۳) استیلاء تام سے حربیوں کا مال مسلمانوں کے لیے حلال ہے' استیلاء تام سے مراد یہ ہے کہ وہ مال پورے طور سے قبضے میں آ جائے' اور لشکرِ اسلام یا دار الاسلام میں پہنچ جائے۔

قال ابو عبد اللّٰہ

صابی کا لفظ دو مادوں سے بنا ہے' ایک ''صَبَا يَصْبُوا'' سے ناقص واوی ہے' اس کے لغوی معنی ہیں: مائل ہوا' قلبی رجحان ہوا۔ اور ایک ''صَبَأَ يَصْبَأُ'' سے' یہ مہموز لام ہے' اس کے معنی لغت میں ہے: ایک دین سے نکلا دوسرے دین میں داخل ہوا۔

اس حدیث میں صابی کا لفظ آیا ہے' اس کے بارے میں امام بخاری بتا رہے ہیں کہ اس کے معنی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے کے ہیں۔ عرب کے جاہل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صابی اس بناء پر کہتے ہیں کہ حضور نے قریش کے مذہب کے بجائے دین ابراہیمی اختیار فرمایا تھا۔ قرآن مجید میں ''صابئین'' کا لفظ آیا ہے' لفظی مناسبت سے امام بخاری' ابو العالیہ کا قول نقل کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا تھا' اس کا حاصل یہ نکلا کہ صابئین' اہل کتاب میں سے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق اپنے موقع پر آئے گی۔

سورۂ یوسف میں ''أَصْبُ'' کا لفظ آیا ہے' جو ناقص واوی ہے۔ اس کے معنی ''أَمِلْ'' کے ہیں' یعنی میں مائل ہو جاؤں گا۔ علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں صابی کا جو لفظ ہے' یہ ناقص واوی ہے' اس لیے کہ اہل عرب جو شخص مسلمان ہو جاتا اسے ''مصبوٌّ'' اور عام مسلمان کو ''صُبَاۃٌ'' کہتے تھے جو صابی ناقص کی جمع ہے' جیسے غازی کی غزاۃ' قاضی کی قضاۃ' اگر یہ مہموز لازم ہوتو اس کا اسم مفعول ''مصبوء'' ہمزہ کے ساتھ آتا ہے جیسے ''مقروءٌ'' اور جمع ''صُبَّاءٌ'' آتی' جیسے قاری کی جمع ''قراء''۔ حدیث میں صابی کی روایت دونوں طرح ہے ہمزہ کے ساتھ بھی اور بغیر ہمزہ کے بھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس حدیث میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ ان صحابیہ بی بی نے حالت کفر میں بھی حضور اقدس ﷺ کی شانِ اقدس میں کوئی گستاخی نہیں کی بلکہ ادب کا لحاظ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تو یہ کہا: وہ جنہیں صابی کہا جاتا ہے خود انہوں نے صابی نہیں کہا۔ اس کا فائدہ ان کو یہ ملا کہ ایمان نصیب ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی اگر محبوبانِ بارگاہ کا ادب کرتا ہے تو اسے فائدہ پہنچتا ہے۔

ت ۸۲ - وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فَتَيَمَّمَ وَتَلَا ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا○﴾ (النساء:۲۹) فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ.

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص کو ایک سرد رات میں جنابت لاحق ہوگئی تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی: ''اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بلاشبہہ اللہ عزوجل تم پر مہربان ہے○'' (النساء:۲۹) نبی ﷺ سے اسے ذکر کیا گیا تو حضور نے ان کی سرزنش نہیں کی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں، سیاست، حکمرانی، شجاعت، جنگی مہارت اور مشکل سے مشکل معاملے کے حل میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ دُہاۃ عرب چار ہیں: معاویہ، مغیرہ، عمرو بن عاص، زیاد بن ابیہ۔ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مشکل اور لاینحل معاملات کو چٹکی بجاتے حل کر دیتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے سات سال پہلے پیدا ہوئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بیس سال باحیات رہے، نوے سال کی عمر پائی۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ۸ھ صفر کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر ایمان سے مشرف ہوئے، ان کے ساتھ عثمان بن طلحہ بھی تھے، یہ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میرے دل میں اسلام اسی وقت گھر کر گیا تھا جب میں نجاشی کے یہاں مسلمانوں کو واپس لانے گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بارگاہِ اقدس کے مقربانِ خاص میں داخل ہو گئے، ان کے دل میں حضور اقدس ﷺ کا اتنا احترام اور اجلال تھا کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، بارگاہ اقدس میں ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے، ان کی سرکردگی میں ۸ھ میں ذات السلاسل کی مہم گئی، جس میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ان کے ماتحت تھے۔ اسی غزوے میں وہ واقعہ رونما ہوا جو اس تعلیق میں مذکور ہے۔ اخیر عمر مبارک میں انہیں حضور اقدس ﷺ نے عمان کا والی بنا دیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال تک اس عہدے پر باقی رہے، جب شام کی مہم شروع ہوئی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں فلسطین کی مہم پر مقرر فرمایا، پھر فلسطین کی فتح کے بعد ان کو اُردن اور فلسطین کا والی بنا دیا، اس کے بعد مصر کی فتح پر مامور فرمایا، انہوں نے جب مصر فتح کر لیا تو وہاں کا والی بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی عہدے پر انہیں باقی رکھا، پھر چار سال کے بعد معزول کر دیا، اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیات تک یہ فلسطین میں رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ حضرت معاویہ کے پاس آ گئے اور ان کے مشیر خاص اور قوت بازو رہے، یہاں تک کہ واقعہ صفین کے بعد جب تحکیم پر اتفاق ہوا تو حضرت معاویہ نے ان کو اپنی طرف سے حکم بنایا، دومۃ الجندل کے افسوس ناک واقعے کے بعد حضرت معاویہ نے مصر پر ان کو والی بنا دیا، اسی حالت میں خاص عید الفطر کے دن ۴۳ھ کو مصر ہی میں وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر نماز عید پڑھائی۔ فضح کے علاقہ مقطم میں دفن کیے گئے، یہ وصیت فرما گئے تھے کہ جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر اتنی دیر بیٹھے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے، تاکہ مجھے انسیت حاصل ہو۔ ان سے سینتیس احادیث مروی ہیں، جن میں سے تین بخاری میں ہیں۔ (عینی۔ ج ۴۔ باب: التیمم۔ ص ۴۴، الاستیعاب، اصابہ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سریہ ذات السلاسل

یہ واقعہ سریہ ذات السلاسل میں پیش آیا تھا' یہ سریہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ہوا تھا' اس کا نام ذات السلاسل اس لیے پڑا کہ یہ قبیلہ جذام کی سرزمین میں ہوا تھا' جس کا نام سلسل ہے' یہ مدینہ طیبہ سے دس دن کی دوری پر وادی القریٰ کے آگے ہے۔

تکمیل

پوری تفصیل یہ ہے جو خود حضرت عمرو بن عاص نے بیان کی کہ مجھے سریہ ذات السلاسل میں جنابت لاحق ہوگئی' سردی کی رات تھی' مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر نہاؤں تو کہیں مر نہ جاؤں تو تیمم کر کے میں نے صبح کی نماز پڑھائی' واپسی پر لوگوں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا' اس پر حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا' میں نے وجہ عرض کر دی اور یہ آیت تلاوت کی:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا○ اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے○

(النساء:۲۹)

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا اور کچھ نہیں کہا۔ (ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: اذا خاف الجنب البرد یتیمم۔ ص ۴۸)

مستخرجہ مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ ہوئے: (۱) محدث ہو یا جنب' اگر اسے یہ ظن غالب ہو کہ پانی کے استعمال سے جان چلی جائے گی یا مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہوگا تو وہ تیمم کر لے (۲) جنبی بہ وجہ عذر شرعی اگر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کا اعادہ نہیں' جیسا کہ امام بخاری کے ذکر کردہ لفظ ''لم یعنفه'' اور ابوداؤد کے ''ولم یقل شیئا'' سے ظاہر ہے (۳) حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بھی اجتہاد کی ضرورت تھی۔

۲۴۱- ح: مُنَاظَرَةُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ فِيْ تَيَمُّمِ الْجُنُبِ

[حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا جنبی کے تیمم سے متعلق ایک مناظرہ]

۲۴۱ - عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَّعَ عَبْدِاللّٰهِ وَاَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى لَوْ اَنَّ رَجُلًا اَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَآءَ شَهْرًا اَمَّا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّيْ قَالَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ لَا يَتَيَمَّمُ وَاِنْ كَانَ لَمْ يَجِدْ شَهْرًا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰى فَكَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَآئِدَةِ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (المائدہ:٦) فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ لَوْ رُخِّصَ فِيْ هٰذَا لَهُمْ لَاَوْشَكُوْا اِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَآءُ اَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيْدَ قُلْتُ وَاِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ فَاَجْنَبْتُ فَلَمْ

شقیق بن سلمہ نے کہا: میں حضرت عبداللہ (بن مسعود) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عبداللہ سے کہا: اگر کوئی آدمی جنبی ہو جائے اور ایک مہینے تک پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے؟ راوی نے کہا: اس پر حضرت عبداللہ نے کہا: تیمم نہ کرے اگرچہ ایک ماہ تک پانی نہ پائے۔ حضرت ابوموسیٰ نے ان سے کہا: سورۂ مائدہ کی اس آیت کو کیا کرو گے (کہ فرمایا:) ''اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو'' اس پر حضرت عبداللہ نے کہا: اگر اس صورت میں تیمم کی اجازت دے دی جائے تو لوگوں کو جب بھی پانی ٹھنڈا لگے گا مٹی سے تیمم کرنے لگیں گے۔ میں نے کہا: تم نے اسی وجہ سے اسے ناپسند کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اس پر حضرت ابوموسیٰ نے کہا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا وَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهَا ثُمَّ مَسَحَ بِهَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.

کیا تم نے وہ نہیں سنا جو حضرت عمار نے حضرت عمر بن خطاب سے کہا تھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کے لیے بھیجا تھا تو میں جنبی ہو گیا اور پانی نہ پا سکا تو مٹی میں اس طرح لوٹا تھا جیسے چوپایا لوٹتا ہے' میں نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: تمہیں صرف یہ کافی تھا کہ ایسے کر لیتے اور حضور نے اپنی ہتھیلی ایک بار زمین پر ماری' پھر اسے جھاڑا' پھر اس مٹی کو بائیں ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت پر ملا یا بائیں ہاتھ کی پشت کو اپنی دائیں ہتھیلی سے ملا' پھر دونوں کو اپنے چہرے پر ملا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عمر کو عمار کے قول پر اطمینان نہیں ہوا۔

(بخاری۔ ج ا۔ کتاب التیمم۔ باب: التیمم ضربۃ۔ ص ۵۰۔ ایضاً۔ ج ا۔ کتاب التیمم۔ باب: اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔ ص ۴۹' مسلم۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص ۱۶۱' ابوداؤد۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: التیمم۔ ص ۴۵۔۴۶' نسائی۔ ج ا۔ کتاب الطہارۃ۔ باب: تیمم الجنب۔ ص ۶۱)

تکمیل

اس روایت میں قلب ہے' یعنی مکالمے کے نقل میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! بتایئے اگر کوئی جنبی ہو جائے اور پانی نہ پائے تو کیا کرے؟ یعنی تیمم کر کے نماز پڑھے یا بلا تیمم کے یا نماز ہی نہ پڑھے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ یہ نماز نہ پڑھے' تو حضرت ابوموسیٰ نے کہا: عمار کی اس روایت کو کیا کرو گے جو وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا: تمہیں یہ کافی ہے (تیمم کی طرف اشارہ فرمایا)۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: کیا آپ کو نہیں معلوم کہ حضرت عمر نے عمار کے قول پر اطمینان نہیں فرمایا۔ اب حضرت ابوموسیٰ نے کہا: چلو! ہم عمار کے قول کو چھوڑتے ہیں' اس آیت کو کیا کرو گے؟ اس کا جواب حضرت عبداللہ نہ دے پائے' اور یہ کہا: اگر ہم جنبی کو تیمم کی اجازت دے دیں تو جب کسی کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو غسل نہ کرے گا' تیمم کرنے لگے گا۔ اعمش نے کہا: میں نے شقیق سے کہا: حضرت عبداللہ نے اس وجہ سے اسے ناپسند کیا' تو شقیق نے کہا: ہاں! اس میں تھوڑا اختصار بھی ہے' پوری تفصیل وہ ہے جو حدیث: ۲۴۳ میں گزر چکی ہے کہ حضرت عمار نے حضرت عمر سے یہ کہا: مجھے اور آپ کو حضور اقدس ﷺ نے ایک سریہ میں یا اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے بھیجا تھا اور مجھے بھی جنابت لاحق ہو گئی اور آپ کو بھی' میں نے تو چوپائے کی طرح زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی' آپ نے نہیں پڑھی' جب واپس آ کر خدمت اقدس میں واقعہ عرض کیا تو یہ فرمایا: تمہیں یہ کافی ہے' الخ۔

توضیح باب

اس حدیث پر امام بخاری نے دو باب قائم فرمائے ہیں' پہلا یہ ہے:

اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم — غسل کرنے سے اگر جنبی کو مریض ہو جانے یا موت کا یا پیاس کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کی تائید میں امام بخاری نے پہلے عمرو بن عاص کا اثر ذکر فرمایا' جس میں یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے اپنے اجتہاد سے ضرر کے اندیشے سے بجائے غسل کے تیمم کر کے نماز پڑھی' پھر خدمت اقدس میں عرض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا' نہ تو انہیں ملامت کی نہ اس پر انکار فرمایا' یہ ان کے فعل کی تائید ہے' جسے اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ اس طرح اس خصوص میں حضور کی بھی اجازت ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب جنبی غسل پر قادر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔ یہی جمہور صحابہ اور امام اعظم' امام مالک اور شافعی رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے: ''فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا'' (المائدہ:٦) اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ پانی نہ پانے کی دو صورتیں ہیں: ایک حقیقی کہ واقعی حقیقت میں وہاں پانی نہ ہو' دوسرے حکمی کہ پانی ہے مگر پانی کے استعمال پر قدرت نہیں' مثلاً دشمن یا درندے کا خوف ہے یا پانی کنویں میں ہے' اس کے پاس ڈول یا رسی یا کوئی ایسی چیز نہیں جس سے پانی کھینچ سکے' یا پانی تھوڑا ہے' اگر اسے غسل میں صرف کر دے گا تو اس کی یا ساتھیوں یا جانوروں کی پیاس کا اندیشہ ہے' یا پانی کے استعمال پر بہ ظاہر قدرت ہے مگر چونکہ پانی کے استعمال کرنے سے جان جانے کا اندیشہ ہے یا بیمار پڑ جانے کا یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو یہ حقیقت میں پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہوئی۔ ان صورتوں میں پانی موجود تو ہے مگر اس کا وجود و عدم برابر ہے' اس لیے حکماً گویا پانی موجود نہیں' اس لیے ان تمام صورتوں میں تیمّم کی اجازت ہے۔ ان تمام صورتوں میں جنب کی تخصیص نہیں' بلکہ محدث کا بھی یہی حکم ہے۔

اس باب کی تائید میں امام بخاری نے دوسری دلیل' حضرت عمار کی وہ حدیث پیش کی جو زیر بحث ہے' اس حدیث میں جو استدلال ہے' وہ اصل میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ہے' انہوں نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں' ایک یہ کہ حضرت عمار کی حدیث میں یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں حضرت عمار کو تیمم کی اجازت دی۔ دوسری دلیل سورۂ مائدہ کی آیت تیمم ہے' آیت سے استدلال کا حضرت عبداللہ نے کوئی جواب نہیں دیا' البتہ حضرت عمار کی حدیث پر یہ فرمایا کہ حضرت عمار کے قول پر حضرت عمر کو اطمینان نہ ہوا' حضرت عمر کے اطمینان نہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرت عمار کو جھوٹا سمجھتے تھے' بلکہ چونکہ حضرت عمار نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ بھی ساتھ تھے' کیا آپ کو یاد نہیں۔ اس سے حضرت عمار' حضرت فاروق اعظم کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے' مگر چونکہ حضرت فاروق اعظم کو یاد نہ تھا' اس لیے فرمایا: اے عمار! اللہ سے ڈرو! حضرت عمر عمار کو جھوٹا نہیں جانتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ جب حضرت عمار نے کہا کہ اگر آپ کہیں تو میں آئندہ اسے نہ بیان کروں؟ تو فاروق اعظم نے فرمایا: میرا مقصد یہ ہرگز نہیں' تمہیں یاد ہے تو تم بیان کرو۔ اگر انہیں جھوٹا جانتے تو ضرور انہیں یہ حدیث بیان کرنے سے روک دیتے۔

حضرت عمار نے ایک بار اس حدیث کو بیان فرما دیا' اس سے فرض تبلیغ ادا ہو گیا تھا' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے کتمانِ علم کی اجازت مانگی تھی۔

حضرت عمر کس بناء پر جنبی کے لیے غسل کی اجازت نہیں دیتے تھے؟ یہ کہیں منقول نہیں' مگر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً اس آیت میں ''اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ'' سے لمس بالید' صرف ہاتھ سے چھونا مراد لیتے ہیں' اس لیے کہ اگر وہ ملامست سے جماع مراد لیتے تو نص قرآنی کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ اب حضرت عمر کا استدلال یہ ہو سکتا ہے کہ فرمایا گیا: ''وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'' ''اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو لو۔ ''فَاطَّهَّرُوْا'' سے بالاجماع غسل مراد ہے' اس کے بعد فرمایا: اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا عورتوں کو چھوؤ اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کرو۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تو سیاق سے ظاہر ہو گیا کہ تیمم صرف محدث کے لیے ہے اور جنب کے لیے صرف غسل ہے۔

رہ گئے حضرت ابن مسعود تو انہوں نے اپنے فتویٰ کی وجہ خود ہی ظاہر کر دی کہ اگر جنبی کو بجائے غسل کے تیمم کی اجازت دے دی جائے تو جسے بھی پانی ٹھنڈا لگے گا' وہ تیمم کرنے لگے گا۔

یعنی یہ اندیشہ ہے کہ اگر جنبی کو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت دے دی گئی تو لوگ ذرا سی باتوں کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنے لگیں گے' اور ایسی باتوں کا سد باب ضروری ہے' اس لیے جنب کو تیمم کی اجازت نہیں ملنی چاہیے' اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنب کو غسل کی اجازت نہیں دیتے تھے' مگر امام نووی[1] نے ایک قول نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر نے اس فتوے سے رجوع فرما لیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نبیرہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہما نے اپنی شرح[2] میں فرمایا کہ ابن ابی شیبہ میں بہ سند منقطع یہ مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے بھی اپنے فتویٰ سے رجوع فرما لیا تھا۔ اس طرح اب اس پر اجماع ہو گیا کہ جنب کو اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔

اس حدیث پر امام بخاری نے دوسرا باب یہ قائم فرمایا ہے: ''التیمم ضربۃ'' تیمم صرف ایک بار ہاتھ مارنا ہے' اس پر پوری بحث گزر چکی۔ اس باب کی تائید حدیث کے اس جملے سے ہوتی ہے کہ حضرت عمار نے فرمایا: ''ضرب بکفه ضربة علی الارض'' حضور نے اپنی ہتھیلی ایک بار زمین پر ماری' لیکن اسلوب کلام سمجھنے کی جو لوگ مہارت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تیمم کا طریقہ نہیں بتا رہے تھے' بلکہ مقصود یہ تھا کہ اے عمار! جنابت کے لیے تیمم میں پورے جسم پر مٹی ملنا ضروری نہیں کہ تم لوٹے' بلکہ صرف معہود تیمم کر لینا کافی تھا' اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مٹی پر ہاتھ مار کر یوں کر لیتے یعنی جیسے تیمم کیا جاتا ہے' ویسے کر لیتے' ورنہ اس میں یہ ہے کہ پہلے ہاتھوں کی پشت کو ملا' پھر چہرے کو ملا' یہ کسی کے یہاں نہیں کہ پہلے ہاتھ پر مٹی ملے' پھر اس کے بعد چہرے پر ملے' جو جواب اور لوگ اس کا دیں گے' وہی جواب ہم ''ضربة'' کا دیں گے۔

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے: (۱) محدث کی طرح جنب بھی اگر پانی پر قادر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے مقابلے میں حضرت عمار کی حدیث جو خبر واحد تھی' قبول نہیں فرمائی' تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر واحد مرجوح ہے۔ خطابی نے کہا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیت کریمہ میں ملامست سے جماع مراد لیتے تھے' اور اگر وہ ملامست سے مس بالید مراد لیتے تو انہیں بہت آسان تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے جواب میں کہہ دیتے کہ اس آیت سے استدلال درست نہیں۔ یہ جنب کے بارے میں وارد ہی نہیں' یہ صرف محدث کے لیے ہے' لیکن علامہ عینی نے اسے یہ فرما کر مسترد کر دیا کہ اگر حضرت ابن مسعود ملامست سے جماع مراد لیتے تو لازم آئے گا کہ وہ نص قرآنی کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔ یہ ان سے مستبعد ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ ملامست سے مس بالید ہی مراد لیتے ہوں' مگر بحث کو طول دینا نہیں چاہتے' یا وہ مجمع اس لائق نہ تھا' اس لیے وہ جواب نہ دیا' دوسرا سبب بیان کر دیا (۳) دوران مناظرہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل ہونا جائز ہے' خصوصاً ایسی صورت میں کہ دوسری دلیل' بہ نسبت پہلے کے مقابل کو جلد ساکت کرنے والی ہو' جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کے مقابلے میں کیا تھا' پہلے فرمایا: میرا اللہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اس پر اس نے جب دو قیدیوں کو بلا کر ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں' تو حضرت خلیل اللہ نے بحث کو طول نہیں دیا۔

---

[1] نووی شرح مسلم۔ ج ۱۔ باب۔ تیمم۔ ص ۱۶۰ [2] ج ۲۔ باب: التیمم۔ ص ۳۵۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوسری دلیل ایسی مسکت پیش فرمائی کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گیا' فرمایا: اللہ وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' تو اگر اللہ ہے تو مغرب سے نکال دے۔

۞۞۞۞۞

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل ۹)

بے شک یہ قرآن سب سے زیادہ سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر مدارک التنزیل

تصنیف: علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ

مترجم: علامہ مولانا واحد بخش غوثوی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ، لاہور)

قرآن مجید اور تفسیر مدارک کا آسان اردو میں عشق و محبت سے لبریز سلیس اور بامحاورہ ترجمہ اور عقائد اہل سنت کی تائید میں حسب موقع مفید حواشی کے اضافہ کے ساتھ ترجمہ

"بنام معارف التنزیل"

زیور طبع سے آراستہ ہو کر عنقریب شائقین کیلئے منظر عام پر آرہی ہے۔

خصوصیات:

☆ قرآن مجید کی متوسط تفسیر، نہ بالکل مختصر ہو اور نہ بہت طویل کہ اکتاہٹ میں ڈال دے......

☆ عقائد اہل سنت کی ترجمان اور اہل بدعت و ضلالت خصوصاً معتزلہ وغیرہ فرقوں کا قلع قمع کرنے والی بہترین تفسیر......

☆ فقہی مذاہب میں حنفی مذہب کی مؤید عمدہ ترین تفسیر......

☆ مشکل الفاظ کے معانی کی بہترین تشریح......

☆ مدرسین اور دیگر عربی کے ماہر اہل علم حضرات کیلئے صرفی و نحوی (گرائمر) کی ابحاث و تراکیب کا انمول ذخیرہ......

☆ قرآء حضرات کیلئے مختلف قرأت کی جا بجا وضاحت و تفصیل کا مفید ترین معلوماتی ذخیرہ......

☆ تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف کی عمدہ ابحاث کی جامع تفسیر مگر معتزلیوں کے غلط افکار کی بھرپور تردید

☆ غیر ضروری اسرائیلی روایات سے مبرا تفسیر......

☆ صحاح ستہ اور دیگر کتب سے مستند احادیث مبارکہ اور اقوال اسلاف کی عمدہ ترین جامع تفسیر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شرح صحیح مسلم

از رشحات علم

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

خصوصیات

☆ احادیث کا آسان اور بامحاورہ اُردو ترجمہ،
☆ متقدمین کی شرح کی روشنی میں ہر باب کی احادیث کی مختصر اور واضح تشریح،
☆ علم اُصول حدیث کی روشنی میں احادیث پر فنی گفتگو،
☆ ائمہ اربعہ کی اُمہات کتب سے ان کے مذاہب کا مع دلائل بیان،
☆ فقہ حنفی کی ترجیح کا بیان،
☆ منکرین حدیث کے شبہات کے جوابات اور حجیت حدیث پر دلائل کا انبار،
☆ اختلافی مسائل پر مہذب علمی گفتگو،
☆ مسائل حاضرہ مثلاً فوٹو گراف، ریڈیو، ٹی۔وی، ویڈیو، ریل اور ہوائی جہاز میں نماز، پوسٹ مارٹم، ایلو پیتھک ادویہ، انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری، اسقاطِ حمل، ضبط تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، رویت ہلال کمیٹی کے اعلان، پاکستان اور دیگر بعید ممالک میں اختلاف رویت ہلال کے اثر سے مختلف احکام، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، میعادی قرضوں کی ادائیگی پر زکوٰۃ، قطبین میں روزے اور نماز کے احکام، ٹیلی فون پر نکاح، بیمہ، اسلام میں کفو کی حیثیت، ایک مجلس میں تین طلاقیں، عدالتی طلاق، نوٹ، سود اور حدود و تعزیرات، انعامی بانڈز، بنک نوٹ، افراطِ زر کی پیچیدگیاں، مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے بہت سے مسائل پر محققانہ بحث،
☆ مصنف نے ہر مسئلہ میں معروضی بحث کی ہے۔ قرآن مجید، احادیث، آثار، اقوال تابعین، جمہور فقہاء اسلام اور فقہاء احناف کے ارشادات کی روشنی میں ہر مسئلہ کو لکھا ہے، کسی لگی بندھی فکر کے تابع ہو کر نہیں لکھا،
☆ اس شرح میں شائستگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کسی کے خلاف مبتذل لہجہ اختیار نہیں کیا گیا۔

پیش کش: فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور فون: فیکس:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary